ہماری ویب ای بُک

عشرت اقبال وارثی

ISHRAT IQBAL WARSI

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

HAMARI WEB .com

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Ishrat Iqbal Warsi"
at Hamariweb.com

ہم پریشان کیوں ہیں

محترم قارئین کرام السلام وعلیکم
آج ساری دنیا کے مسلمان پریشان ہیں نہ کوئی رہنما نظر آتا ہے نہ ہی پریشانیوں کا حل لیکن پھر بھی اس نفسا نفسی کے دور میں ہمیں کچھ لوگ ضرور ایسے ملتے جنکی زندگی پرسکون نظر آتی ہے اور جب ان لوگوں کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ہمیں اسکا سبب بھی نظر آجاتا ہے اللہ عزوجل نے قران مجید میں جا بجا اپنی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا حکم ارشاد فرمایا لیکن ہم نے شاید اطاعت کا مفہوم ہی نہیں سمجھا محترم اطاعت محبت تعظیم یہ سب الفاظ الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں ہم اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یقیناً محبت اور عشق ضرور کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم بھی دل وجان سے کرتے ہیں لیکن جب بات اطاعت کی آتی ہے تو نظریں چرانے لگتے ہیں اطاعت کے لغوی معنی ہیں تابعداری۔ تعمیل حکم۔فرمانبرداری۔ خود کو کسی کی محکومی میں دے دینا تو جب ہم اپنی زندگی کو دیکھتے ہیں تو اپنی زندگی کے معمولات میں اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بجائے نفس کی تابعداری زیادہ نظر آتی ہے خدا کی قسم اگر ہم خدا اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مان کر زندگی گزاریں تو نہ کوئی دیوث ہم پر جبر و ظلم

کرے نہ ہی زندگی اتنی تکلیف دہ ہو

جاسوسی ضروری کیوں

محترم قارئین کرام السلام و علیکم

ایک خوبصورت واقعہ جس میں ہمارے لئے رہنمائی کے گوہر آبدار موجود ہیں آپکی جانب نہایت اخلاص سے پیش کر رہا ہوں اگر کسی کے دل میں گھر کر گیا تو میری محنت وصول ہو جائیگی ویسے میرا اس بات پہ پختہ یقین ہس کہ اللہ عزوجل کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا

ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دور خلافت میں مدینہ طیبہ کا رات میں دورہ فرمارہے تھے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گوش مبارک نے ایک مکان سے کچھ ناپسندیدہ آوازیں سنیں اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے اختیار اس مکان کے قریب پہنچ کر اس مکان کے ایک سوراخ سے اندر دیکھنے لگے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملاحظہ فرمایا کہ کچھ لوگ اندر شراب پی کر غل غپاڑہ مچا رہے ہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازے سے ہٹ کر سوچنے لگے کہ انہیں کیا سزا دی جائے لیکن اس وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کشمکش کا شکار ہو گئے اور واپس آ کر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رات کے اس

پھر امیر المومنین کو دیکھا تو حیرت سے دریافت فرمایا یا امیر المومنین خیریت تو ہے؛ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یا سیدی ایک معاملے میں آپکی رائے فوراً درکار ہے لہٰذا فوری طور پر میرے ساتھ چلیے چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے ساتھ چل دیۓ وقوعہ کی جگہ پہنچ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سوراخ کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہاں سے دیکھیے اب بے ساختہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ان شرابیوں کو اس حال میں ملاحظہ فرما لیا اس کے بعد یکدم پلٹے اور حضرت عمر فاروق سے استفسار فرمایا کہ یا امیر المومنین آپ مجھے یہ ماجرا کیوں دکھانا چاہتے تھے حضرت عمر فاروق نے رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کہ میں آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ان شرابیوں کی سزا کیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آپ بہتر جانتے ہیں لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بے حد اسرار پہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعا لی عنہ نے ارشاد فرمایا (ان شرابیوں پر کوئی حد جاری نہیں ہوگی اور نہ ہی انہیں سزا دی جاسکے گی) اور دلیل کے طور پر قرآن مجید کی آیت (لا تجسسو۔۔۔۔۔۔۔) مفہوم۔ اور لوگوں کی ٹوہ میں مت رہو۔ پیش کی اور ارشاد فرمایا چوں کہ ان لوگوں کا عیب ہم نے از خود تلاش کیا ہے نہ کہ لوگوں کی شکایت پر اور قرآن مجید میں تو جاسوسی یعنی ٹوہ لگانے کی ممانعت آئی ہے جسے سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بس یہی الجھن میرے ذہن میں بھی تھی اللہ

عزوجل آپکو جزائے خیر عطا فرمائے اور پھر آپ دونوں حضرات واپس پلٹ آئے اللہ اللہ یہ تھے ہمارے اسلاف اور ان کا کردار کہ ایک غلطی جو سہواً سرزد ہو گئی اس پہ شرمندہ بھی ہوئے اور نہ صرف اپنی اصلاح فرمالی بلکہ قیامت تک کے مسلمانوں کی اصلاح کا سامان بھی پیدا کردیا۔

اور ایک ہم ہیں کہ ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ جانے اپنا کتنا قیمتی وقت ضائع کردیتے ہیں کہ کسی طرح سامنے والے کی کوئی کمزوری کوئی عیب ہاتھ لگ جائے تاکہ اسے رسوا اور بدنام کرسکیں اب یہاں ہم کئی طرح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں مثلاً نمبر (۱) جاسوسی یا ٹوہ لگانا جسکی ممانعت قران مجید میں موجود ہے

۲) لوگوں کو عیب بتانے سے غیبت سرزد ہوگی یہ بھی سخت گناہ)

اور نمبر (۳) کسی کی دل آزاری جبکہ ہمارے پیارے آقا علیہ السلام نے ہمیں احترام مسلم کی سخت تاکید فرمائی ہے پھر کیا خیال ہے کیوں نہ آپ اور میں مل کر عہد کریں کہ نہ کسی کی جاسوسی کریں گے نہ کسی کے لئے برا سنیں گے اور نہ کسی کی خود غیبت کریں گے انشا اللہ عزوجل

اللہ عزوجل مجھ گنہگار سمیت ساری دنیا کے مسلمانوں کی اصلاح اور مغفرت

فرمائے اور اس کالم میں مجھ سے نادانستہ کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو تو اسے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل معاف فرمائے آمین بجاہ النبی الامین

اے کاش تیرے دل میں

السلام علیکم قارئین کرام

اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ جب تک رزق کا ادب مسلمانوں میں رہے گا مسلمان خوشحال رہیں گے اور جب رزق کی ناقدری مسلمانوں میں عام ہو جائیگی تب مسلمان رزق کے لئے پریشان ہوگا آج کئی دن ہو گئے روزانہ کوئی نہ کوئی چلا آ رہا ہوتا ہے کہ اقبال بھائی ذرا استخارہ کرکے چیک تو کریں شائد کسی بدخواہ نے سفلی تو نہیں کروادیا۔ یا کسی نے رزق کی بندش تو نہیں کروادی اب ان لوگوں سے لاکھ کہو کہ بھائی ذرا اپنے گھر کے معاملات بھی چیک کرو کہیں وہاں تو گڑبڑ نہیں لیکن کوئی فائدہ نہیں فائدہ تو وہاں ہو جہاں بات دل کے کانوں سے سنی جائے۔ مجھے یاد ہے بچپن میں جب روٹی کا کوئی ٹکرا ہمارے ہاتھ سے اگر گر جاتا اور ہم نہ اٹھاتے تو بس ہماری شامت آجاتی پیار سے سمجھایا جاتا اور کبھی کبھار چپت بھی پڑ جاتی روٹی اٹھا کر چومنی پڑتی تب جا کر اماں پیچھا چھوڑتی دودھ یا تیل اگر گھر میں گر جاتا تو بڑے احترام سے دوپٹہ سے اٹھایا جاتا اور گھر میں برکت ایسی ہوتی کہ شام کے بعد دو چار گھروں میں سالن کی پلیٹیں اماں ضرور بھیجتیں صبح سے رات تک کام کرتیں لیکن کبھی تھکن ان کہ چہرے پر نظر نہ آتی کھانا کھانے کے لئے دستر خوان ضرور بچھتا اور تب بچھتا

جب گھر کے سب افراد آ جاتے جب تک نظام اماں کے ہاتھ رہا کسی کی مجال نہ تھی کہ ہانڈی میں ہاتھ ڈالے کھانا اماں ہی پروستیں اور کھانے میں خوشبو ایسی ہوتی کہ گھر کے باہر ہی پتہ چل جاتا کہ آج اماں نے کیا پکایا ہے -

لیکن آج وہ سب خواب لگتا ہے نہ گھر میں برکت ہے نہ کھانوں میں ویسی خوشبو نہ چہروں پہ تازگی ہے نہ جسموں میں دم خم- لیکن یہ خوشیاں ہم سے روٹھ کیوں گئیں سوچئے گا ضرور اور اگر مجھ سے وجہ جاننا چاہیں تو تھوڑا سا انتظار- (جاری ہے)

اے کاش تیرے دل میں - حصہ 2

محترم قارئین کرام السلام و علیکم
آج ہم دین فطرت سے تو دور ہو ہی رہے ہیں اپنا کلچر اپنی ثقافت اپنے اسلاف کے زبردست کردار کو بھی بھولتے جارہے ہیں آیئے اپنے اسلاف کی زندگی کا ایک درخشندہ باب پڑھتے ہیں۔
ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مقام سے گزرے تو آپ نے روٹی کا اک ٹکڑا زمین پر پڑا دیکھا آپ نے وہ ٹکڑا اٹھایا اور اپنے غلام کو دیکر ارشاد فرمایا اسے سنبھال کر رکھ لو اس دن غالبًا آپ حالت روزہ میں تھے افطار کے وقت آپ نے وہ ٹکڑا غلام سے طلب کیا غلام نے عرض کیا یا سیدی وہ ٹکڑا تو میں نے کھالیا یہ سن کر آپ چند لمحے خاموش رہے اور پھر ارشاد فرمایا جا میں نے تجھے آزاد کیا یہ سن کر غلام یہ سمجھا کہ شائد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناراض ہو گئے ہیں وہ رونے لگا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے مفہوم .... جو شخص زمیں پر پڑا ہوا روٹی کا ٹکڑا صاف کرکے کھالیتا ہے اللہ عزوجل اسے جہنم کی آگ سے

آزاد کر دیتا ہے۔

اب میں یہ سوچ کر تجھے آزاد کر رہا ہوں کہ جب خدا نے تجھے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا ہے تو میں کیوں نہ تجھے اپنی غلامی سے بھی آزاد کر دوں۔

دیکھا آپ نے یہ تھا احترام رزق ہمارے اسلاف کی نظر میں اور اس احترام کا صلہ بھی اس غلام کو کیا خوب ملا آخرت کی آگ سے سے بھی نجات اور دنیا کی غلامی سے بھی۔

(جاری ہے)

تھوڑی سی رعائیت وکلا کو بھی

محترم قارئین کرام السلام و علیکم
ہمارا یہ کالم کسی کی نفی کے لئے قطعی نہیں اور بالخصوص محترم فرقان خان صاحب کے لئے تو بالکل نہیں اور ہونا بھی نہیں چاہئے کہ ہماری ویب پر ہم سب ایک فیملی ممبر کی طرح ہیں اور فیملی ممبرز میں ذاتی رنجش کیسی ویسے تو مزاً‌ھا تو ہم نے بھی کہہ دیا کہ
ہے ڈنڈا ہاتھ میں (وکلا) کے پیارے دیکھ کہ چلنا
صحافی کیا پولس والے بھی سارے دیکھ کہ چلنا
کیا اک صدر تو فارغ تو دوجے کی بھی تھی --- باری
نجانے کس کے گردش میں ھوں تارے دیکھ کہ چلنا
لیکن خیر یہ تو بات تھی مزاح کی ویسے وکلا حضرات کا چیف جسٹس صاحب کی بحالی سے کافی مورال بلند ہوا ہے لیکنھمیں وہ عوامل بھی دیکھنے چاہیئں جس کی وجہ سے ۲۹ جولائی کا واقعہ پیش آیا جس طرح سے عدالتوں میں پولس انویسٹی گیشن

آفیسر کھیل کھیلتے ہیں اور کیس کا سارا نقشہ ہی بدل دیتے ہیں جس کی وجہ سے وکلا حضرات کو اپنے کیس کے لئے کئی گنا زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے اور پھر بھی اکثر حقدار انصاف سے محروم رہ جاتا ہے جن احباب کا تھانے سے کبھی واسطہ پڑا ہو وہ میری بات بخوبی سمجھ سکتے ہیں لیکن پھر بھی میں یہ مانتا ہوں کہ پولس کا یہ عمل تشدد کا جواز پیدا نہیں کرتا لیکن ایک بات آپ ضرور مانیں گے کہ اب وقت آگیا ہے کہ پولس بھی اپنا قبلہ درست کرلے

اے کاش تیرے دل میں حصہ - 3

محترم قارئین کرام سلام

ادب اور فیشن ساتھ چلیں تو کوئی حرج نہیں اگر ادب کی وجہ سے فیشن چھوٹ جائے تب بھی کوئی بات نہیں لیکن اگر فیشن کی وجہ سے ادب کا دامن چھوٹ جائے تو یہ سراسر نقصان کا سودا ہے میرے کہنے کا مطلب یوں سمجھیں کہ ۔۔ اگر کوئی بیٹی فیشن کر کے باادب طریقے سے باپ کے سامنے پیش ہوتی ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے لیکن بیٹی ایسی زینت کرے جس سے عریانیت چھلکتی ہو اِسے کوئی ذی ہوش پسند نہیں کرے گا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اِسی طرح اگر فیشن سمجھ کر کوئی نادان پلیٹ میں کھانا چھوڑ دے بوتل یا گلاس میں مشروب چھوڑ دے اِسے بھی کوئی ذی ہوش انسان پسند نہیں کرے گا (یہ اسراف) کہلائے گا اور اسراف اللہ عزوجل اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت ناپسند ہے اور یہ رزق میں تنگی کا بھی سبب ہے۔

تعلیم المتعلیم -- میں رزق کی تنگی کے جو اسباب بیان کئے گئے ہیں اِن میں سے چند ایک پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ا بغیر ہاتھ دھوئے کھانا ۲ اندھیرے میں کھانا ۳ ناپاکی کی حالت میں کھانا ۴ کھانے کو دستر خوان پر انتظار کروانا ۵ روٹی کو دانتوں سے کترنا ۶ ٹوٹے ہوئے برتن میں کھانا ۷ چارپائی پر بنا دستر خوان کے کھانا ۸ روٹی کی بے قدری کرنا بے ادبی کرنا ۹ بزرگوں سے آگے چلنا ۱۰ اپنی اولاد کو کوسنا ۱۱ ماں باپ کیلئے دعا نہ کرنا ۱۲ شلوار کھڑے ہو کر پہننا وغیرہ وغیرہ ۔۔۔۔

ابن ماجہ نے ایک حدیث نقل کی ہے ۔۔۔۔۔۔ ام المومنین حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں

ایک مرتبہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکانِ عالی شان میں تشریف لائے روٹی کا ٹکڑا پڑا دیکھا اس کو لے کر صاف کیا اور کھا لیا پھر ارشاد فرمایا اے عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) اچھی چیز کا احترام کرو کہ یہ چیز (یعنی روٹی) جب کسی قوم سے بھاگی ہے تو (لوٹ کے نہیں آئی (• جاری ہے ہ

صِرف شکوہ جناب سلیم اللہ صاحب سے

محترم سلیم اللہ صاحب آپکا کالم پڑھا اچھا لگا۔ لیکن ایک بات نے بہت تکلیف پہنچائی اور وہ یہ کہ کڑورں مسلمانوں کی رہنمائی کا ذِمہ اللہ عزوجل نے جس شخص کو عطا کیا۔ علما کے ایک طبقے کی شدید مخالفت بھی جس شخص کے ارادوں کو متزلزل نہ کر سکی۔ جو اپنے اوپر لگنے والے الزامات۔ کفر کے بے جواز فتوی۔ بھی ہنس کر سنتا رہا اور اپنے بے مثال جذبے اپنی بیماری لاغری کے باوجود مسلمانوں کی خدمت سے سرشار دن رات انتھک کوششوں سے ہند کے خطے میں مسلمان کو ایک عظیم مملکت دے گیا جبکہ وہ جانتا تھا کہ وہ عمر کے اس حصہ میں پہنچ چکا ہے کہ شائد اس مملکت کا کاروبارِ زندگی اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے ایسی عظیم الشان ہستی کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے اگر تین الفاظ (۔۔۔۔۔۔۔۔ رحمتہ اللہ علیہ۔۔۔۔۔۔۔) کا اضافہ کر لیا ہوتا تو آپ کا کیا جاتا یا آپ اس عظیم الشان ہستی کو اس قابل ہی نہیں سمجھتے میں نہیں جانتا آپکے دل میں ان کے لئے کیا ہے مجھے آپ کے اس طریقے سے ایذا پہنچی سو چند لائن اس عظیم قائد و رہبر کی محبت نے لکھنے پہ مجبور کیا میری ذاتی رائے تو جناب یہی کہ اللہ عزوجل نے کروڑوں مسمانوں کے جذبے کی رہنمائی کے لئے اپنے کسی محبوب بندے ہی کو چُنا ہوگا نہ کہ کسی بے دین کو جبکہ آپ خود بھی اپنے کالم میں اُنکے اوصافِ حمیدہ پیش کر

(چکے ہیں (اسے صرف طنز یا تنقید مت سمجھیے گا

آخر ہم کہاں جا رہے ہیں کوئی بتائے ذرا

السلام علیکم قارئین کرام

آج پھر وہی مزدور مجھے ڈیوٹی ختم ہونے کے باوجود فیکٹری میں نظر آیا تو مجھے تشویش لاحق ہو گئی۔ کیونکہ کوئی بھی مزدور شفٹ ختم ہونے کے بعد چند لمحے بھی فالتو فیکٹری میں گزارنا پسند نہیں کرتا۔ میں نے سپروائزر کو بلا کر اس مزدور کی بابت معلوم کیا۔ یہ مزدور کئی دن سے مجھے دوسری شفٹ کے اوقات میں نظر آ رہا ہے آخر وجہ کیا ہے۔

سپروائزر نے جواباً کہا صاحب یہ مزدور اوور ٹائم کر رہا ہے یہ کئی دن سے اٹھارہ (18) گھنٹے متواتر کام کر رہا ہے۔ (18) گھنٹے کس کی اجازت سے کام کر رہا ہے اور کوئی اتنا وقت لگاتار کام کر بھی کیسے سکتا ہے کام کے دوران سو جاتا ہوگا ؟ میں نے سپروائزر سے سوال کیا۔

نہیں جناب میں نے رات کی شفٹ میں اسے کبھی سوتے ہوئے نہیں دیکھا اور دن میں تو سوال ہی نہیں پیدا نہیں ہوتا کہ آپ سارا دن خود موجود ہوتے ہیں اور کئی مرتبہ یہاں چکر لگاتے رہتے ہیں ہم نے تو یہ سوچ کر کہ شاہ صاحب کو ضرورت

- ہو گی ورنہ کون اتنا وقت اپنے گھر سے دور رہنا پسند کرے گا

اسکا جواب معقول تھا اور لفظ شاہ صاحب سن کر رہی سہی میرے لہجے کی سختی بھی ختم ہو گئی میں نے سپروائزر سے پوچھا شاہ صاحب مطلب یہ نوجوان سید زادہ ہے جی صاحب -

اچھا آپ ایسا کریں میرے آفس میں تھوڑی دیر بعد آ جائیں

سپروائزر اچھا صاحب۔ کہہ کر دوبارہ مشینوں کی طرف چل دیا

میں اپنے آفس میں آ کر کرسی پر جب بیٹھا تو ماضی کے کچھ ورق میرے سامنے کُھلتے ہی چلے گئے

مجھے اپنے بچپن کا اک واقعہ یاد آ گیا ہمارے گھر پہ اگر کوئی مشکل گھڑی آ جاتی تو اماں حکم دیتیں اقبال حافظ صاحب کو لے کر آؤ۔ کہنا اماں دعا کروانا چاہتی ہیں اور سُنو بہت احترام سے لانا اُن دِنوں ہمارے خاندان والوں کو۔ پیر۔ فقیر۔ اولیاءَ اللہ۔ سے خدا واسطے کا بیر تھا کسی بزرگ ہستی کا نام لینا بھی جُرم سمجھا جاتا تھا پر ایک اماں تھی جو بظاہر تو خاموش رہتیں لیکن اولیاء سے نہائت عقیدت رکھتیں اور نہایت خاموشی سے بزرگوں کی فاتحہ کا اہتمام کرتیں اور فاتحہ صرف جب تک حافظ صاحب حیات رہے اُن ہی سے لگواتیں ابا اِن معاملات میں خاندان والوں کی طرح سخت نہ تھے اِس لئے

خاموش رہتے

حافظ صاحب کی عمر ۹۰ برس کے قریب رہی ہوگی جب وہ ہمارے گھر آتے میں بڑے غور سے اُن کی شخصیت کا مطالعہ کرتا نوے برس کی عمر کے باوجود نہ کمر جُھکی تھی نہ ہی چہرے پہ جھریاں تھیں اور چہرہ اِتنا پر نور گویا چہرے کا احاطہ کئی مرکری بلبلوں نے کیا ہُوا ہو نظریں ہمیشہ جُھکا کر ہی چلتے دیکھا اور چہرے پہ ایسا رُعب اور کشش کے نظر ہٹانا چاہو تو ہٹا نہ پاؤ اُن کے جانے کے بعد میں اماں سے پوچھا کرتا اماں حافظ صاحب کے چہرے پہ اِتنی روشنی کیوں ہوتی ہے اماں کہتیں بیٹا یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنکی آل اُنکے اصحاب اور بزرگوں سے محبت کا صدقہ ہے۔

میں فوراً سُوال کرتا اماں یہ اصحاب اور آل کون ہیں اماں کہتیں بیٹا اصحاب تو صحابہ رضوانُ اللہِ اجمعین کو کہتے ہیں اور آل۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کو کہتے ہیں۔

اور اپنے حافظ صاحب سید زادوں یعنی آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت ادب کرتے ہیں جس کی وجہ سے اِن کا چہرہ مُنور رہتا ہے تم بھی ہمیشہ سادات کا احترام کرنا خود کو اُنکا غلام سمجھنا اللہ پاک تمہارا بھی اقبال بلند

- کردے گا- میں کہتا اماں اِس کا مطلب ہے میں ڈبل اقبال ہو جاؤں گا
اماں شفقت سے سر پہ چپت مارتیں اور مُسکرا کہ کہتیں کتنی باتیں کرتے ہو اتنی تو
میرے سارے بچے بھی مِل کر نہیں کرتے اور جواباً میں بھی مُسکرا کہ اماں کی گود میں
- سر رکھ دِیتا

میں اپنے آفس میں بیٹھا ماضی کہ جھروکوں میں کھویا ہوا تھا کہ مجھے کتاب میں پڑھا وہ
واقعہ یاد آگیا جس میں ہندوستان کے مشہور شہر بریلی میں سینکڑوں علما و مشائخ ایک
زبردست عالم دین اور سچے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے وہ
عالمِ دین مشہور زمانہ عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) امام احمد رضا علیہ
الرحمتہ تھے جب آپ علیہ الرحمتہ اپنے کاشانہ اقدس سے پالکی میں سوار ہوئے سینکڑوں
علما پالکی کے پیچھے چل رہے تھے کہ اچانک پالکی اُتارنے کا حکم ارشاد ہوا تمام علما و مشائخ
حیران تھے کہ پالکی راستے میں کیوں روک دی گئی ہے اسی اثنا میں امام احمد رضا علیہ
الرحمتہ پالکی سے باہر تشریف لے آئے اور پالکی اُٹھانے والے مزدوروں سے گویا
ہوئے آپ میں سے سیدزادہ کون ہے مزدور خاموش رہے اتنے میں اُس سچے عاشق
رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشکبار آنکھوں سے روتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ
مجھے اپنے سوہنے آقا علیہ السلام کے معطر پسینے کی خوشبو

آ رہی ہے خدارا بتا دیجئے کہ آپ میں سے سید کون ہے تب ایک مفلوک الحال نوجوان آ گے بڑھا اور کہنے لگا جناب میں سید ہوں مزدوری کے لئے نکلا تھا کہ آپ کی پالکی اُٹھانے کا کام مِل گیا لیکن اِس میں آخر حرج ہی کیا ہے

امام احمد رضا علیہ الرحمتہ نے روتے ہوئے ارشاد فرمایا۔۔۔۔۔۔

میں کل قیامت میں اپنا چہرہ شفیع محشر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں کس طرح لے کر جاؤں گا اگر آقا علیہ السلام نے ارشاد فرما دیا کہ اے احمد رضا بڑے عاشق بنتے تھے اور حال یہ تھا کہ میرے پھول جیسے لختِ جگروں کے نازک کاندھوں پر سواری کرتے رہے۔

تو کس طرح اپنے آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دے پاؤں گا لہٰذا اب آپ پالکی میں سوار ہوں اور میں پالکی اپنے کاندھوں پہ اُٹھاؤں گا اُس سید زادے مزدور کے لاکھ انکار کے باوجود امام احمد رضا علیہ الرحمتہ نہ مانے اور مجبوراًاِس شہزادے کو پالکی میں سوار ہونا پڑا۔

اور چشمِ فلک نے یہ عشق پرور منظر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ شاہِ بریلی و ہند جس کے ناز اُٹھانے کو کروڑوں عاشِقان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم مشتاق رہتے تھے اپنے نازک کاندھوں پہ ایک سید زادے کی پالکی اُٹھائے
جوش و مُسرت سے چلا جا رہا ہے علما و مشائخ عشق کا اک نیا باب پڑھ رہے ہیں میں
حالت استغراق میں ان مناظر کو چشم سر سے ملاحظہ کر رہا تھا میری بھی آنکھیں نم تھی
کہ سپروائزر کے سلام نے رابطہ منقطعہ کر دیا اور میں پھر اسی بے حِسی کے دُور میں
لُوٹ آیا سلام کا جواب دیکر میں نے اُسے بیٹھنے کے لئے کہا اور آنکھوں کو صاف کرنے
واش رُوم میں گھس گیا

جاری ہے انشاءَاللہ زندگی رہی تو کل پیش کروں گا

بقیہ - آخر ہم کہاں جا رہے ہیں

محترم قارئین السلام علیکم

واش روم سے واپس آ کر میں اپنی سیٹ پر بیٹھا ہی تھا کہ سپر وائزر مجھ سے مخاطب ہوا صاحب آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں اگر آپ کہیں تو میں شاہ صاحب سے کہدوں گا وہ آئندہ (۱۸) گھنٹے کی شفٹ کے بجائے (۱۲) گھنٹے کی شفٹ ہی کر لیا کریں گے۔

نہیں ایسی کوئی بات نہیں میں نے سپرؤائزر کو جواب دیا۔ میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آخر شاہ صاحب اِتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں۔

جناب سیدھی سی بات ہے دو سال قبل جس مزدور کی تنخواہ چار ہزار روپے تھی آج دو سال بعد اُسکی تنخواہ چھ ہزار روپے ہے اِس طرح صاحب تنخواہ میں پچاس فیصد اضافہ ضرور ہوا ہے۔

لیکن جناب مہنگائی میں تین سو فی صد اضافہ ہوگیا اب آپ ہی بتائیں کہ غریب مزدور یہ ڈھائی سو فیصد اضافی رقم کہاں سے لائے نتیجتاً مہینے کے ابتدائی پندرہ تاریخ تک تو رقم جیب میں ہوتی ہے لیکن اگلے ہی دن سے اُدھار کا

- لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اِسی وجہ سے جناب اوور ٹائم بھی کرنا پڑتا ہے
صاحب امیروں کے بچے تو جب چاہیں۔برگر،پیزا، آئسکریم اور پیپسی خرید کر نوش کر لیتے ہیں لیکن جب ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے کوئی فرمائش کرتے ہیں اور جیب خالی ہونے کی وجہ سے جب اُنہیں منع کر دیا جاتا ہے اُس وقت اُن بچوں کے چہرے پہ جو حسرت ہوتی ہے وہ تو شائد بیان ہی نہیں کی جا سکتی صاحب یہ صرف اکیلے شاہ صاحب کا مسئلہ نہیں ہے اِس ملک کے کروڑوں غریب روزانہ اپنی بے بسی۔ بے کسی کیساتھ روزانہ جیتے اور مرتے ہیں اور اِک نئی صبح کے انتظار میں امید لگائے جہدِ مُسلسل کئے جا رہے کہ کبھی تو کوئی ایسا حکمران ضرور اِس مُلک کا انتظام سنبھالے گا جسے غریبوں کے درد کا حقیقی احساس ہو گا۔اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا
لیکن احساس تو اُسی شخص کو ہو سکتا ہے نا جس نے غریبی کے دُکھ کو سہا ہو میں نے جواباً کہا۔ مگر غریب آدمی اِس ملک کا صدر اور وزیر اعظم کس طرح بن سکتا ہے صاحب اُس کے لئے تو اربوں روپیہ چاہیے اور غریب کے پاس تو لاکھ چھوڑیں ہزار بھی نہیں ہونگے۔اُس نے پھر ایک سوال داغ دیا
اُس کی باتوں سے میری طبیعت مزید بوجھل ہوتی جا رہی تھی دِل و دماغ پہ اِک

دکھ کی کیفیت طاری تھی

میرے پاس اُنکے کسی سوال کا جواب نہیں تھا ہم تو یہاں اپنا رونا ہی روتے تھے کہ مہنگائی بڑھتی جارہی ہے۔ کاروبار میں مقابلہ کا رجحان بڑھتا جارہا ہے منافع کم ہوتا جارہا ہے۔

لیکن آج پتہ چلا کہ یہاں کروڑوں ایسے بھی ہیں جن کا چولہا شائد روز نہیں جل پاتا ۔جہاں گوشت شائد مہینے میں ایک آدھ بار ہی پکتا ہو شائد

کچھ لمحے بعد میں اصل مُوضوع کی طرف آگیا جناب سپروائزر صاحب اگرچہ میں نے آپکو زحمت شاہ صاحب کی وجہ سے دِی تھی لیکن آپکی باتوں سے میرے علم میں کافی ۔ اِضافہ ہوا ہے اِس اضافی معلومات کے لئے آپکا شکریہ

آپ کی باتیں سُن کر میں اِس نتیجے پہ پہنچا ہوں کہ مجھے اپنے اسٹاف اور مزدوروں کی کچھ نہ کچھ خدمت ضرور کرنی چاہیے لیکن فی الوقت یہ میرے لئے ممکن نہیں کہ سب کی خیر خواہی یکدم کرسکوں للٰذا میں فی الحال شاہ صاحب کی کچھ مدد کرنا چاہتا ہوں اب طریقہ آپ بتادیں کہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے سپروائزر نے سوچنے کی لئے کچھ وقت مانگاچُوں کہ رات بھی کافی ہوچکی تھی میں نے کہا کہ کل رات بتا دیجیے گا اور خود بھی آفس بند کرکے گھر کے

لئے روانہ ہوگیا۔

دوسرے دن صبح کی شفٹ میں مجھے شاہ صاحب نظر نہیں آئے میرا گمان تھا کہ شائد کوئی ایمرجنسی ہو گی جس کی وجہ سے شاہ صاحب آج چھٹی کر گئے ہیں۔

شام کی شفٹ جب شروع ہوئی تب میں نے سپروائزر کو اپنے آفس میں بلوایا۔

سلام دعا کے بعد سپروائزر نے جو باتیں مجھے بتائیں اُس نے مجھے واقعی حیرت زدہ کردیا۔

اُس نے مجھے بتایا کہ آپ کے جانے کے بعد میں نے شاہ صاحب سے بات کی تھی کہ صاحب آپکو کوئی بونس وغیرہ دینا چاہتے ہیں جس کے جواب میں شاہ جی نے پوچھا تھا کیا صرف مجھ اکیلے کو بونس دیا جارہا ہے جواباً سپروائزر نے کہہ دیا کہ دوسروں کو بھی ملے گا لیکن شاید ایک دو ماہ بعد۔

تو مجھے اب کیوں مل رہا ہے شاہ صاحب نے اگلا سوال داغ دیا۔

یار شاید وہ تمہاری پریشانی کی وجہ سے پہلے تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں۔

اچھا تو یہ بات ہے سُنو اپنے صاحب سے کہنا کہ ہم غریب ضرور ہیں لیکن کسی کے آگے سوال کرنا ہمیں پسند نہیں اور نہ ہی مجھے تمہارے صاحب کی مدد درکار ہے اپنے بچوں کا پیٹ بھرنا ہمیں خوب آتا ہے رزق کا ذمہ تو اللہ عزوجل کا ہے وہی سب کو اپنے محبوب کے صدقے دیتا ہے اور صبح شاہ جی اپنا حساب ٹھیکیدار سے بیباک کرکے چلے گئے۔

قارئین کرام اِس واقعہ کو اگرچہ کئی ماہ گزر گئے وہ سید زادہ پلٹ کے نہیں آیا سُنا ہے کہ وہ کسی دوسری فیکٹری میں کام کر رہا ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ اُس سید زادہ کی پریشانی کا اصل ذمہ دار کون تھا۔ میں۔ مہنگائی یا ہمارے حکمران۔
اور کیا ہمارے نصیب میں کوئی مہاتیر محمد جیسا لیڈر نہیں جو آئے اور اِس ملک کی قسمت بدل دے یا ہمیں اِنہی بُونے لیڈروں سے کام چلانا پڑے گا مگر آخر کب تک کروڑوں لوگ روٹی کے ایک ٹکڑے کے لئے تڑپتے رہیں گے ۔ آخر کب تک ۔

شوگر کے مریض متوجہ ہوں

محترم ساتھیو السلام علیکم

مورخہ 4 اگست ۲۰۰۹ کی صبح ہمارے ایک دوست بڑی عجلت میں ہمارے آفس میں داخل ہوئے اور بڑے والہانہ انداز میں مجھ سے بغلگیر ہو گئے اور فرطِ مُسرت سے بولے اقبال بھائی کمال ہو گیا۔

مہربان نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے طفیل شوگر کا علاج ہاتھ آ گیا ہمارے اِن دوست کا نام ہے سید ولائت علی خان عمر قریباً ہمارے والد جیسی ہو گی اُنہیں ہماری یہ عادت کہ سادات کا ادب کرتے ہیں ہمارے قریب لے آئی اگرچہ افغانی پٹھان ہیں لیکن جب اردو بولتے ہیں تُو لگتا ہی نہیں کہ پٹھان سے گفتگو ہو رہی ہے

بہر حال اُنھوں نے ہمیں بتایا کہ غالباً اُنکے کسی دوست کے خواب میں ایک بزُرگ ہستی آئیں اور شوگر اور پنڈلیوں کے درد کے لئے علاج تجویز فرمایا اور جب اُسے آزمایا گیا تو سو فیصد اُنہیں آرام آ گیا علاج بالکل سادہ سا تھا لہٰذا ہم نے ابا اور اماں اور اپنے ایک نہایت محترم دوست کو بتایا اُنھوں نے بھی آزمایا اور صرف تین دن میں کافی اِفاقہ محسوس کر رہے ہیں تب میں نے

سوچا کہ اِسے خیر خواہی کے جذبے کے تحت صرف اِس نیت کے ساتھ شیئر کریں کہ ایک حدیث کا مفہوم ہے۔ مومن جو خود کے لئے پسند کرتا ہے وہی اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے لئے بھی پسند کرتا ہے۔

علاج یہ ہے کہ صبح نہار منہ ایک گلاس سادہ پانی میں دو چمچ۔ عرقِ گلاب سہ آتشہ۔ ڈال کر پینا ہے لیکن ایک خیال ضرور رکھیے گا کہ عرق گلاب سہ آتشہ اصلی اور کسی معروف کمپنی کا ہو۔

میں نے دتو کمپنی کا خریدا تھا اور یہ تقریباً (۱۹۰) روپیہ کی بوتل ملی تھی کمپنی کا نام لکھنے کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا کہ مبادا کوئی بدگمانی کا شکار نہ ہو جائے اگر آپ چاہیں تو کسی دوسری معروف کمپنی کا اِستمال کر کے دیکھ لیں انشاء اللہ آرام آجائے گا اور اگر آپ کے کسی پیارے کو فائدہ ہو جائے تو ہمیں فقط آپکی صرف دعا چاہیے کہ باقی اللہ عزوجل کی عطا اور فیضان مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سب کچھ ہمارے پاس موجود ہے

والسلام -----

ایسا تھا میرا قائد (رحمتہ اللہ علیہ) محمد علی جناح

محترم قارئین سلام
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری میرے قائد محمد علی جناح علیہ الرحمتہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔
حضرت مفتی اعظم مولانا محمد مظہر اللہ دہلوی (علیہ الرحمہ) دو قومی نظریہ اور تحریک پاکستان کے نامور مجاہد تھے آپکی احتیاط کی انتہا تھی کہ جو شخص قوم کو قرآن و سنت کی طرف بُلا رہا ہے اُس کی خلوتوں کا حال بھی معلوم کرایا۔
کیونکہ اکثر سیاستدانوں کا ظاہر و باطن ایک سا نہیں ہوتا۔ وہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ چناچہ ایک روز مولانا سیف الاسلام سے فرمایا۔ آپ تو محمد علی جناح کی کوٹھی پہ جاتے رہتے ہیں زرا دریافت کیجیئے گا کہ کیا وہ نماز روزے کی بھی پابندی کرتے ہیں یا نہیں۔ حضرت کے حکم پہ مولانا سیف الاسلام صاحب تشریف لے گئے۔
اور قائد اعظم کے کوٹھی پر اُن کے خادِم خاص سے ملے اور اُس سے کہا۔
بھائی قائد اعظم جلسوں میں تو قرآن و سنت پر عمل کرانے کے لئے پاکستان

-بنانے کا دعویٰ کر رہے ہیں زرا یہ تو بتایئے کیا آپ خود بھی نماز کی پابندی کرتے ہیں
جواباً خادِم نے بتایا کہ میں نے اکثر تہجد کی نماز پڑھتے دیکھا ہے اور بعد نماز آپ بہت
-زیادہ گڑگڑا کر حالت سجدے میں روتے رہتے ہیں

قائدِ اعظم علیہ الرحمتہ کے ایک (اے ڈی سی) جناب محی الدین فرماتے ہیں کہ میں
-نے قائدِ اعظم (علیہ الرحمتہ) کو تہجد کی نماز رات کے تین بجے ادا کرتے دیکھا ہے

مولانا حسرت موہانی کہتے ہیں- کہ ایک صبح میں قائدِ اعظم کی کوٹھی پہ پہنچا ملازم سے
اطلاع کے لئے کہا جب کافی وقت گزر گیا اور ملازم نے ملاقات کا اہتمام نہ کرایا تُو میں
حالتِ غصہ میں خود قائدِ اعظم کے کمرے کی طرف چل دیا تب مجھے ایک کمرے سے
ایسی آوازیں آئیں گویا کوئی بچہ بِلک بِلک کہ رو رہا ہو جب میں نے پردہ ہٹا کہ دیکھا تو
یہ جناح صاحب تھے جو سجدے میں پڑے.بڑی بے قراری سے اپنے رب سے دعُا اور
-مُناجات کر رہے تھے

اِن جیسے سینکڑوں واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قائدِ اعظم محمد علی

جناح رحمتہ اللہ علیہ خلوَتوں میں بھی اپنے رب عزوجل کے حضور سر بسجود ہو کر آہ و زاری کیا کرتے تھے اور دیکھا جائے تو یہی نماز کی اصل ہے کہ غزالی زماں علامہ حامد سعید کاظمی علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے نماز کی اصل۔۔ خشیت و تقویٰ ہے کہ جب انسان اپنے رب عزوجل کی بارگاہِ بے نیاز میں حاضر ہو تو اُس کے قلب کی جو کیفیت ہونی چاہیے قلم میں اُس کے بیاں کی تاب نہیں

.برزباں تسبیح و در دل گاؤخر

(ایں چنیں تسبیح کے وارد اثر (عارف رومی علیہ الرحمتہ

رہے تری " خدائی " داغ سے پاک

میرے بے ذوق سجدوں کو حذر کر علامہ اقبال علیہ الرحمتہ

(جاری ہے)

قائد اعظم علیہ الرحمہ کا روحانی پس منظر

سیرت پہ جس کی داغ کا نام ونشاں نہیں
صورت میں چاند سا ہے محمد علی جناح
دین خدا کا محرم و اقبال کا رفیق
خورشید حق نما ہے محمد علی جناح

قارئین محترم السلام علیکم

وہی لوگ جو پاکستان کی ؛پ ؛ کے بھی مخالف تھے جب اُنھوں نے یہ دیکھا کہ اُن کی تمام عداوتوں اور مخالفتوں کے باوجود بھی پاکستان معرضِ وجود میں آگیا ہے تو اُن سیاسی پنڈتوں نے پینترا بدلا اور لوگوں میں یہ ظاہر کرنے لگے کہ جناب تحریک پاکستان کے ہراول دستے کے سپاہی تو ہم ہی لوگ ہیں اور یہ تو ہم ہی لوگ تھے جن کی وجہ سے آج پاکستان میں اسلام باقی ہے ورنہ جناب محمد علی جناح تو سیکولر ذہن کے مالک تھے اور وہ پاکستان میں خدانخواستہ سیکولر نظام لانا چاہتے تھے آیئے ہم قائد اعظم کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تاکہ سچ اور جھوٹ میں امتیاز کرسکیں جناب جھوٹ تو جھوٹ ہی

رہے گا چاہے کتنے ہی تواتر سے کیوں نہ بولا جائے اور سچ پہ لاکھ نقاب ڈالیں وہ وقتی طور پر چاند کی طرح بادلوں میں بھلے چھپ جائے لیکن ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے

کہتے ہیں کہ جو لوگ چاند کی طرف منہ کرکے تھوکتے ہیں تو اپنا ہی چہرہ گندہ کرلیتے ہیں یہ مصرعہ اُن لوگوں پر بھی صادق آتا ہے جن کی تمام زندگی میرے اور آپ کے محترم قائد محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ کی کردار کُشی میں گزر گئی اے کاش اتنا وقت وہ اپنے کردار کی اصلاح کے لئے استعمال کرتے تو شائد اپنی آخرت کے لئے زادہ راہ جمع کرپاتے

قائد محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ کا کردار بے داغ اور شخصیت بے عیب تھی آپ میں مصور پاکستان علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ کے" مرد مومن" کی تمام صفات بدرجہ اُتم موجود تھیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بیسویں صدی میں کوئی سیاسی شخصیت میرے اور آپ کے قائد کی طرح قدآور نظر ہی نہیں آتی قائد اعظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی پُرعظمت اور قابل رشک تھی

قائد اعظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ نے عیدالفطر نومبر 1939 کے موقع پر بمبئی میں فرمایا

مسلمانوں ہمارا پروگرام قرآن مجید میں موجود ہے ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ قرآن پاک کا مطالعہ غور و فکر کیساتھ کریں قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی دوسرا پروگرام کیسے پیش کر سکتی ہے

اگست 1941 میں حیدرآباد دکن کے عثمانیہ یونیورسٹی کے طلبا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کے مطالعے کی اپنے طور پر کوشش کی ہے اِس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق احکامات موجود ہیں زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی سیاسی پہلو ہو کہ معاشی غرض کہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو

مقبول حسین وصل بلگرامی سے ممتاز رہنما راجہ صاحب محمودآباد نے ایک مرتبہ بیان کیا قائدِاعظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ ہمیشہ پنجگانہ نماز ادا فرماتے اور سُنیوں کے طریقہ سے پڑھتے

بیشمار مرتبہ ایسا بھی منظر چشم فلک نے دیکھا کہ کسی مسجد میں آپ تاخیر سے پہنچے تو عوام الناس اپنے قائدکے احترام میں صفوں میں رستہ بنا دیتے لیکن

آپ میں ایسی عاجزی تھی کہ فرماتے کہ رستہ مت بناؤ تاخیر سے میں آیا ہوں لہذا میں سب سے پیچھے ہی بیٹھوں گا

قائد اعظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ جب قرآن فہمی فرماتے تو آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی چناچہ قائد اعظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ گورنر ہاؤس پشاور آئے اُس رات ملاقات کے لئے سردار عبدالرب نشتر آئے اور رات ڈھائی بجے واپس گئے سیکیورٹی گارڈ نے رات تین بجے کے قریب کچھ ٹھک ٹھک کی آوازیں سُنیں تو پریشان ہوگئے کہ سرحد میں سرخ پوشوں کا زور تھا اور آپ پر حملے کا اندیشہ تھا لہذا بڑی احتیاط سے آواز کی جانب پیش قدمی کی گئی آوازیں آپ کے کمرے سے آرہی تھیں دستک دینے کی ہمت کسی میں نہ تھی لہذا روشندان سے جھانک کے دیکھا گیا تو قائد اعظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ قرآن مجید کی چند لائنیں پڑھنے کے بعد اُس پہ غور و فکر کے لئے کمرے میں ٹہلتے چوں کہ فرش لکڑی کا تھا اِس لئے آپ کے چلنے سے ٹھک ٹھک کی آواز پیدا ہو رہی تھی اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے

قائد اعظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ کے سپاہی منیر احمد کہا کرتے تھے کہ آپ کی عادت تھی قرآن مجید کا مطالعہ روزانہ کرتے اور دوران مطالعہ آپ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں سندھ کے سابق گورنر میر رسول بخش تالپور نے ایک

موقع پر فرمایا کہ مجھے زندگی میں ایک نماز میں بہت لطف آیا اور وہ نماز میں نے قائد اعظم کے ساتھ مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ کے پیچھے ادا کی تھی

قائد اعظم علیہ الرحمہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ کے والد مولانا عبدالعلیم صدیقی کے بڑے مداح تھے چناچہ قیام پاکستان کے فوراً بعد پہلی عیدالفطر کی اِمامت کے لئے آپ کو خاص طور سے مدینہ منورہ سے اِمامت کے لئے بُلوایا اور اُنکی اقتدا میں نماز ادا کی

رمضان المبارک کا خاص احترام فرماتے آپ بچپن ہی سے نہ صرف خود روزہ رکھتے بلکہ دوسرں کو بھی تاکید فرماتے نواب صدیق علی خان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بادشاہ انگلستان جارج ششم نے آپ کو بکنگھم پیلس مذاکرات کے لئے مدعو کیا جب ظہرانے کا وقت ہوا تو قائد اعظم نے معذرت کر لی اور فرمایا یہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے اور ہم مسلمان اس میں روزہ رکھتے ہیں۔

میں اپنے قائد کے کیا کیا اوصاف بیان کروں ایک عمر درکار ہے اُنکا احاطہ کرنے کے لئے اس لئے اِس دعا پہ اختتام کرتا ہوں

اے میرے رب عزوجل اپنے مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاہ زلفوں کے سبب ہمارے پیارے قائد کا اقبال مزید بلند فرما اُن کی لحد پہ کروڑوں رحمتیں نازل فرما اور ہمیں اُنکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما آمین بجاہِ نبی الامین وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کیا یہ بچے ہمارے نہیں

السلام علیکم قارئین محترم

یہ دسمبر کی ایک سخت سرد صبح کا واقعہ ہے تقریباً صبح کے سَوا آٹھ کا وقت ہو گا جب میں مین روڈ کے نزدیک پہنچا ٹریفک کے اژدھام کی وجہ سے مجھے رُکنا پڑا تبھی مجھے کراسنگ کے دوسری جانب ایک بچہ نظر آیا جو ہر بائیک والے سے التجا کر رہا تھا کہ مجھے لفٹ دے دیں

جب میں روڈ کراس کرکے دوسری جانب پہنچا تو اُس بچے نے مجھ سے بھی لفٹ مانگی مجھے ایک تیرہ چودہ سال کے بچے کا ہر کسی سے لفٹ مانگنا قطعی اچھا نہیں لگ رہا تھا کیونکہ آئے دن ایسی خبریں اخبار کی زینت بنتی رہتی ہیں جس میں کسی بچے کیساتھ ہمارے ہی معاشرے کے کسی درندے کی سفاکی کا تذکرہ ہوتا ہے لہٰذا میں نے سوچا کہ اِس بچے کو سمجھاؤں اور اُس بچے کو لفٹ دے دی

دورانِ سفر میں نے اُس بچے کو مخاطب کرکے کہا بیٹا انجان لوگوں سے لفٹ لینا اچھی بات نہیں ہے

س بچے نے فورا سوال کر دیا وہ کیوں جناب ؟
میں اُس کے فوری سوال پر گڑ بڑا گیا لیکن یہ صرف چند لمحوں کی بات تھی میں نے جواباً
کہا بیٹا وہ اِس لئے کہ سارے ہی لوگ اچھے نہیں ہوتے کچھ لوگ بہت بُرے بھی ہوتے
ہیں جو بچوں کو اغوا کر لیتے ہیں
وہ کس لئے بچے نے پھر سوال داغا
بیٹا وہ اِس لئے تا کہ بچے کے والدین سے بچے کے بدلے پیسے لے سکیں میری بات سُن کر
وہ بچہ ہنسنے لگا میں اُسکی ہنسی پر بہت متعجب ہوا میں اُسے خبر دار کرنا چاہ رہا تھا اور اُسے
ہنسی سوجھ رہی تھی میں نے سبب پوچھا تو وہ کہنے لگا
پھر تو جناب میرے لئے ڈرنے والی کوئی بات نہیں کیونکہ میرے بابا کے پاس تو پیسے
ہیں ہی نہیں اگر میں اغوا ہو بھی گیا تو وہ مجھے چھوڑ دیں گے۔
بیٹا اگر اُنہیں پیسے نہیں ملتے تو وہ بچوں کو مارتے بھی ہیں اور کبھی کبھی

تو اِتنا مارتے ہیں کہ بچے زندگی بھر کے لئے معذور ہو جاتے ہیں

میرے اِس جواب پر بچہ کچھ بڑبڑایا جو میں نہ سُن سکا

بیٹا آپ نے کچھ کہا تھا ابھی۔ میرے استفسار پر وہ بولا۔ وہ جی میں کہہ رہا تھا کہ مار تو ہمارے مقدر میں

ویسے بھی بہت ہے صبح ذرا سی دیر ہو جائے تو استاد کھال اُدھیڑ دیتا ہے

کون سے اسکول میں پڑھتے ہو تم میرے اِس سوال پر اُس کے چہرے پر شرارت بھری مسکراہٹ نمودار ہو گئی اور پھر وہ کہنے لگا جناب میں اسکول والے اُستاد کی نہیں بلکہ گیراج والے اُستاد کی بات کر رہا ہوں

بیٹا یہ تو آپ کی پڑھنے لکھنے کی عمر ہے آپ اسکول کیوں نہیں جاتے اور تمہیں اگر اُستاد مارتا ہے تو آپ اِس کی شکایت اپنے ابو امی سے کیوں نہیں کرتے

شکایت تو میں نے کی تھی پر امی روتے ہوئے کہہ رہی تھیں بیٹا یہ مار پٹائی تو ہم غریبوں کا نصیب ہے اور ویسے اُستاد کا رتبہ باپ کے برابر ہوتا ہے پھر بیٹا اکیلے تیرے ابا کے کمانے سے تو گھر نہیں چل سکتا اس لئے بیٹا تم

بھائیوں کو کام پر لگایا ہے ورنہ میرا بھی دل چاہتا ہے کہ تم اسکول جاؤ اور اُس کے بعد سارا دِن میری نظروں کے سامنے رہو لیکن میں تین دن ضد کرکے کام پر نہیں گیا اور چوتھے دِن میرے چھوٹے بھائی کا بائی پاس روڈ پہ ایکسیڈنٹ ہوگیا جس میں اُس کا انتقال ہوگیا اور اُس ایکسیڈنٹ کی وجہ اُس بچے نے مجھے یہ بتائی کہ اُس کا چھوٹا بھائی جسکی عمر صرف دس برس تھی اُستاد کی چائے لانے گیا تھا روڈ کراس کرتے ہوئے دو کوسٹروں کی اوور ٹیکنگ کا شکار ہوگیا یہ واقعہ سُنا کر وہ بچہ بس اِسٹاپ کے قریب ایک جگہ گاڑی رُکوا کر جلدی جلدی چلتے ہوئے میری نظروں سے اُوجھل ہوگیا

قارئین کرام اِس واقعہ کو اگرچہ کئی ماہ گزر چکے ہیں اور میں اِسے لاکھ بھلانا چاہوں بھلا نہیں سکا اور اگرچہ اُس بچے سے میرا دوبارہ سامنا بھی نہیں ہوا لیکن میرے ذہن میں اُس بچے کی تمام باتیں اُس کا بھولا سا چہرہ اُس کا بڑے لوگوں کی طرح بات کرنے کا انداز سب کچھ محفوظ ہے کبھی کبھی جب اُس بچے کا خیال آتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ کب تک یہ چھوٹے چھوٹے بچے جن کی عمر پڑھنے کھیلنے کھانے کی ہے ہماری بے حسی کا شکار رہیں گے اگرچہ ہمارے ملک میں بھی چائلڈ لیبر قوانین ہیں پر اُس پر عملدرآمد کون کروائے گا کیا یہ ہمارے بچوں کی طرح نہیں ہے لیکن کبھی کبھی یہ خیال بھی آتا ہے کہ اگر واقعی اِن قوانین پر عملدرآمد ہوگیا تو خدانخواستہ بہت سے گھروں کے چولہے

تو نہیں بجھ جائیں گے

ویسے اگر ہم چاہیں تو اِن بچوں کا مستقبل سنور سکتا ہے بس تھوڑی سی کوشش کرنی ہوگی کہ اِن بچوں کی یا اِنکے گھر والوں کی مجبوری کی وجہ سے جن بچوں کو مزدوری کرنی پڑتی ہے کسی طرح اِنہیں پارٹ ٹائم اِسکول میں داخل کروادیں اِسکے لئے ہمیں شائد کچھ پریشانی اُٹھانی پڑے کچھ تکالیف بھی ہمیں درپیش آئیں اور کچھ ہو سکتا ہے کہ مالی تعاون بھی کرنا پڑے لیکن یہ کام کرکے آپکو وہ دلی سکون ملے جس کے لئے بعض انسان ساری زندگی ترستے ہیں وہ خوشی ملے جس کے آپ متلاشی ہوں محترم قارئین جب علم حاصل کرنا جہاد ہے تو یقیناً اِس کی معاونت بھی رب عزوجل کو بے حد پسند ہوگی اپنے ارد گرد دیکھئے ایسا کوئی بچہ ضرور آپکا بھی منتظر ہوگا

مسخرہ یا محسن- میں کیا جانوں؟

قارئین محترم سلام-

کل ہم ہماری ویب پر جس کا نام ہمارے حساب سے (ہماری پیاری ویب) ہونا چاہیے
آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ہمارا کالم ہی مکھن لگانے سے شروع ہوا ہے؟
ویسے آپس کی بات ہے آپ بلکل ہی غلط نہیں سوچ رہے-
ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ کل ہم (ہماری--- ویب) پر ایک محترم دوست- کا- کالم پڑھ رہے تھے کالم بڑا دلچسپ تھا ہمارے محترم دوست نے انٹرنیٹ پر ایک خبر پڑھی جس میں بتایا گیا کہ فرانس کے ساحل سمندر یعنی (بیچ) پہ ایک مسلم خاتون کو نہانے کی اجازت اِس لئے نہیں ملی کہ اُس پینتیس سالہ خاتون نے برقعہ اور مکمل لباس پہنا ہوا تھا

جس پر میرے قابِل محترم دوست کو کافی دُکھ ہوااور اُنھوں نے یورپ- امریکہ- برطانیہ اور مغرب والوں کے خوب لتّے لئے اور اُنہیں دوغلا اور مسخرہ کہا- ویسے ہم بھی کچھ ایسا ہی سوچتے ہیں ہم اُن کے احساسات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں- لیکن اپنے محترم دوست سے معذرت کیساتھ - اُنہیں ایک واقعہ سُنانا چاہتے ہیں-

ایک پہلوان صاحب کی بچی اُن کے شاگرد کیساتھ بھاگ رہی تھی پہلوان جی کے ایک حریف پہلوان نے اُنہیں رنگے ہاتھوں ریلوے اسٹیشن پر پکڑ لیا اور بچی کا ہاتھ پکڑ کے اُس کے باپ کے پاس لے آئے اب جو پہلوان صاحب نے دیکھا کہ دشمن نے بچی کا ہاتھ تھام رکھا ہے تو آؤ دیکھا نہ تاؤ اور لگے اپنے حریف کی ٹھکائی کرنے اور جب ٹُھکائی کر کر کے تھک گئے تو حریف بولا۔ او خانہ خراب آج اگر میں تیری بچی کا ہاتھ نہ پکڑتا تو ساری زندگی تو اپنی بچی کی صورت کو ترس جاتا.

بس ایسا ہی کچھ واقعہ میرے حساب سے اُس فرانسیسی • (ﷺ) ایڈمنسٹریٹر کے ساتھ بھی پیش آگیا میرا خیال میں تو اُس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ اُس نے لاکھ مُسلم دشمنی میں یہ قدم اُٹھایا ہو لیکن اُس کی وجہ سے ایک مسلم خاتون ہزاروں کے بیچ میں بیچ پر برہنہ ہونے سے بچ گئ

کیونکہ نہانے کیلیئے کچھ نہ کچھ کپڑے اُتارنے ضرور پڑتے ہیں اور ہم نے اپنی چالیس سالہ زندگی میں آج تک کسی کے منہ سے نہیں سُنا کہ کوئی عورت بُرقع پہن کر ساحل سمندر پر نہا رہی ہو ویسے تو ہمیں یہ خبر ہی دشمنوں کی اُڑائی ہوئی لگتی ہے اللہ خیر کرے ایسی خبریں سُن کہ ہمارا دل تو ویسے ہی بیٹھا

-جا رہا ہے

اِس مرتبہ پانی کی بندی سردیوں کے بجائے گرمیوں میں ہی شروع ہو گئی ہے اگر ایسی دو چار خبریں ہماری دیسی قوم کی عورتوں کے کان میں پڑ گئیں تو وہ کہیں احتجاجاً یا انتقاماً سمندر کا رُخ نہ کر لیں، پھر نہ تو سمندر کی خیر ہوگی نہ ہی قوم کی کیا سمجھے؟

سُرخ یاقوت کا گھر چاہیے

محترم قارئین سلام

آپ سب کو رحمتوں ۔ برکتوں ۔ اور مغفرت کا مہینہ مبارک ہو یہ وہ ماہ خاص ہے کہ کروڑ ہا کروڑ گنہگار اپنے رب عزوجل سے رجوع کرتے ہیں اور ربِ رحمان سے مغفرت کی سند پاتے ہیں اِس ماہ مبارک میں نیکیوں کا اجر کئی گُنا بڑھ کہ مِلتا ہے گھروں سے ۔ مسجدوں سے ۔ تلاوت قرآن کی صدائیں بلند ہوتی ہیں دل خود بخود نیکیوں کی جانب مائل ہوجاتا ہے شیطان لعیں کو قید کردیا جاتا ہے

اِس کے دِن میں برکتیں ہیں تو رات میں رحمتیں چُنانچہ ایک حدیث مبارک ہے سیدُنا ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہٗ بیان کرتے ہیں پیارے آقا علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا " جب ماہِ رمضان کی پہلی رات آتی ہے توآسمانوں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور آخر رات تک بند نہیں ہوتے جو کوئی بندہ اِس ماہِ مُبارک کی کسی بھی رات میں نماز پڑھتا ہے تو اللہ عزوجل اُس کے ہر سجدہ کے بدلے میں اُس کے لئے پندرہ سُو نیکیاں لِکھتا ہے اور اُس کے لئے جنت میں (سُرخ یاقوت) کا گھر بناتا ہے جِس میں ساٹھ ہزار دروازے ہوں گے اور ہر دروازے کے پلڑے سُونے کے بنے ہوں گے جِن میں سُرخ یاقوت جڑے ہونگے پَس جو کوئی ماہِ رمضان کا پہلا روزہ رکھتا ہے تو اللہ عزوجل مہینے کے آخر

دِن تک کے اُس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اُس کے لئے ستّر ہزار فرِشتے دُعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں رات اور دِن میں جب بھی وہ سجدہ کرتا ہے تو اُس کے ہر سجدہ کہ عوض اُسے (جنت میں) ایک ایسا درخت عطا کیا جاتا ہے کہ اُس کہ سائے میں گھوڑا سُوار پانچ سُو برس چلتا رہے

(شعب الایمان جلد ۳ صفحہ ۳۱۴ حدیث نمبر ۳۶۳۵)

سُبحان اللہ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے محبوب کے صدقے ایسی فضیلت والا مہینہ ہمیں عطا کیا

پہلی رات سے آخری رات تک

محرم قارئین کرام السلام علیکم
ماہِ رمضان المبارک کی آمد کیا ہوتی ہے بس سمجھیے کہ گنہگاروں کا بیڑہ پار ہو جاتا ہے ہمارے عصیاں کی گندی گٹھڑی جو گناہوں کے سبب کسی عظیم کوہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے اُس کی دُھلائی کیلئے رحمتِ خداوندی کی بارش میسر آجاتی ہے لاکھوں لاکھ گنہگار روزانہ اپنے گناہوں سے آزاد ہو کر مغفِرت کی بھیک پاتے ہیں اور بڑے بد نصیب ہیں وہ لوگ جو اِس ماہ مبارک کی آمد کے بعد بھی مغفرت سے محروم رہ جائیں۔
اُن کے تو عام ہیں الطاف 'شہیدی' سب پر
تجھ سے کیا ضِد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا
ایک مرتبہ سوہنے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب عزوجل کی مہربانیوں اور کرم نوازیوں کا ذکر کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا۔ جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے اللہ تعالی اپنی مخلوق کی طرف نظر فرماتا ہے
اور جب اللہ عزوجل کسی بندے کی طرف نظر فرمائے تو اُسے کبھی عذاب نہ دیگا۔

اور ہر روز دس لاکھ (گنہگاروں) کو جہنم سے آزاد فرماتا ہے اور جب اُنتیسوں رات
ہوتی ہے تو مہینے بھر میں جتنے آزاد کئے اُن کی مجموعی تعداد کے برابر ایک رات میں
آزاد فرماتا ہے اور پھر جب عیدالفطر کی رات (لیلتہ الجائزہ) آتی ہے ملائکہ خوشی
کرتے ہیں اور اللہ عزوجل اپنے نور کی خاص تجلی فرماتا ہے اور فرشتوں سے اِرشاد
فرماتا ہے اے گروہِ ملائکہ اُس مزدور کا کیا بدلہ ہے جس نے کام پورا کرلیا ؟ فرشتے عرض
کرتے ہیں اُس کو پورا پُورا اَجر دیا جائے۔ اللہ عزوجل اِرشاد فرماتا ہے، میں تمہیں گواہ
کرتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا------------- (کنزُالعمّال جلد نمبر ۸
) حدیث نمبر (۲۳۷۰۲

آٹا صرف دَس روپیہ کلو

محترم قارئین سلام

آج کل اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا پر ایک نہایت خوبصورت لالی پاپ کا اشتہار حکومت کی جانب سے چلایا جارہا ہے جس کا نام ہے (آٹا صرف دَس روپیہ کلو) ہمیں خوشی ہے کہ ہماری حکومت کو بلاآخر غریبوں کا خیال آگیا۔

لیکن تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ اِس ریلیف کے لئے کوئی ٹھوس منصوبہ بندی نہیں کی گئ جس کی وجہ سے اِن اِسٹالوں پر خلقت کا ایک ہجوم نظر آرہا ہے اور ساتھ ہی بدانتظامی کی اِنتہا بھی نظر آرہی ہے۔

اِن اِسٹالوں پر آٹا خریدنے کیلئے آنے والوں کیساتھ ہتک آمیز سلوک کیا جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے آٹا فروخت نہیں کیا جارہا بلکہ خیرات میں دیا جارہا ہو جس کی وجہ سے سفید پوش اشخاص اِن اِسٹالوں کا رُخ کرنے سے اِجتناب کرتے نظر آتے ہیں۔

میری حکومت کے اربابِ اختیار سے مُلتجیانہ دَرخواست ہے کہ یوں اپنی قوم کی

خودی کا گھٹیا مذاق نہ بنائیں اگر یہ واقعی پبلِسٹی حاصل کرنے کیلئے مہم نہیں ہے تو اِسے بہترین نظم و نسق کے ساتھ آگے بڑھائیں ورنہ جس انداز سے اِن اِسٹالوں پر خواتین اور مردوں کی تضحیک کی جا رہی ہے اِس سے پہلے ہی پریشان عوام میں حکومت کی خیر خواہی کا جذبہ تو بیدار ہونے سے رُہا۔ البتہ نفرت کی خلیج ضرور بڑھے گی

دہقان ہیں پریشاں " مزدور " رو رہا ہے
ہر ایک آنسوؤں سے دامن بھگو رہا ہے
جسے۔ رہنما بنایا نشتر چبھو رہا ہے
کیا بنے گا قافلہ کا کہ امیر سو رہا ہے
یہ نالے یہ صدائیں پہنچیں گی عرش اک دن
اُسے بھی وہی ملے گا وہ جو آج بُو رہا ہے
وہ سمجھ رہے ہیں گنگا کی طرح مِرے وطن کو
تبھی آکہ ہر " مُصاحِب " یہاں ہاتھ دھو رہا ہے

یہاں دھونس دھاندلی ہے یہاں قُرب پروری ہے
جسے عشق ہو خودی سے وہ لہو لہو رہا ہے
نہ ہے شِیر نہ ہی شِیریں نہ ہے آب نہ روانی
نہ بدن ڈھکا ہوا ہے نہ ہی دانہ جُو رہا ہے
یہاں کون سُن رہا تجھے وارثِ عشرت
ہے سقیم حال تیرا کیوں جذب کھو رہا ہے

رمضان اور تندُرستی

محترم قارئین کرام سلام

جہاں رمضان کریم کی آمد کیساتھ رحمتوں.برکتوں کا نُزول ہوتا ہے وہیں ماہِ رمضان المبارک - اللہ عزوجل کے نیک بندوں کی آزمائش کا بھی مہینہ ہے۔

گرمی ہو کہ سخت سردی - سخت پیاس کا عالم ہو کہ تڑپا دینے والی بھوک - کھانا موجود ہو پانی مُیسر ہو جلوت ہو کہ خَلوت ایک سچا مُسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ میرا رب عزوجل ہر وقت مجھے مُلاحظہ فرما رہا ہے -

وہ ماہِ رمضان میں اپنے رب عزوجل کی مرضی کے مطابق مقررہ وقت پر کھاتا ہے اور مُقررہ وقت ہی پر پیتا ہے۔

محترم قارئین کرام کچھ لوگ یہ سوچ کر روزہ چھوڑ دیتے ہیں کہ شائد روزہ رکھنے کی وجہ سے جِسم کمزور اور لاغر ہو جاتا ہے وہ اِس حدیث مبارکہ کو غُور سے پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔

امیرالمومنین حضرت علی المُرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اِرشاد فرماتے ہیں -

۔حضور اکرم نبیِ رحمت شفیع محشر کا اِرشاد مُبارک ہے

بے شک اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل کے ایک نبی علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ آپ اپنی قوم کو خبر دیجئے کہ جو بھی بندہ میری رضا کی خاطر ایک دِن کا روزہ رکھتا ہے تُو میں اُس کے جسم کو صحت بھی عطا فرماتا ہوں اور اُس کو اجرِ عظیم بھی دُونگا---

---سُبحان اللہ عزوجل

(۔شعب الایمان جلد نمبر تین حدیث نمبر۔ ۳۹۲۳) ---

بن دیکھے جنت کا سُودا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قارئین محترم سلام

جس کو خدائے پاک نے دی خوش نصیب ہے

کِتنی' عظیم' چیز ہے " دولت " یقین کی

حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ بصرہ کے ایک بازار سے گزرے آپ نے ایک زیر تعمیر عالیشان محل دیکھا جسے ایک نُوجوان بڑے انہماک اور لگن سے مزدور مستریوں سے تعمیر کروارہا تھا

حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ساتھی رفیق حضرت جعفر بن سُلیمان رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا کیا آپ نے دیکھااِس نوجوان کو محل کی تعمیر سے کس قدر دلچسپی ہے-

مُجھے اِس کی حالت پہ ترس آرہا ہے میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی بارگاہ میں اِس نوجوان کے لئے دُعا کروں " کیا عجب کہ یہ جُوان جنت کے نوجوانان سے ہو جائے

یہ فرما کر حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ اُس نوجوان کے پاس پہنچے اور سلام کیا وہ نوجوان آپ کو پہچانتا نہ تھا جب اُسے معلوم ہوا کہ مجھ سے حضرت مالک بن دینار مُخاطب ہیں تو آپکی توقیر اور تعظیم کرنے لگا آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اُس نوجوان سے دریافت کیا کہ اس محل پر کتنی رقم خرچ کرنے کا ارادہ ہے اُس نوجوان نے عرض کیا یا سیدی - ایک لاکھ دِرہم - حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ نے یہ سُن کر اُس نوجوان سے ارشاد فرمایا کہ یہ ایک لاکھ درہم مجھے دے دو اور اِس کے بدلے میں آپکو ایسے عالیشان محل کی ضمانت دیتا ہوں جو اِس محل سے کئی گنا زیادہ خوبصورت اور پائیدار ہوگا جسکی مٹی مُشک اور زعفران کی ہوگی -

جو کبھی بھی مُنہدم نہیں ہوگا اور صرف یہ محل ہی نہیں بلکہ ساتھ میں خادمائیں سُرخ یاقوت کے قُبے نہایت حسین اور شاندار خیمے بھی ساتھ ہی ملیں گے اور انہیں دُنیا کے معماروں نے نہیں بلکہ جو صرف اللہ عزوجل کے کُن کہنے سے بنا ہے -

نوجوان نے عرض کیا- یا سیدی مجھے سوچنے کیلئے ایک رات کی مہلت چاہیے حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ نے اَرشاد فرمایا بہتر ہے -

اس مکالمے کے بعد آپ حضرات وہاں سے چلے آئے تمام رات آپ رحمتہ اللہ علیہ کو اِس نوجوان کا خیال آتا رہا۔ اور آپ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اُس کے لئے دُعا کرتے رہے یہاں تک کہ صبح آپ پھر اُس نوجوان کی جانب روانہ ہو گئے اور اُس نوجوان کو بھی اپنا منتظر پایا ۔

نوجوان نے بڑے تپاک سے آپکا اِستقبال کیا اور عرض کرنے لگا۔ یا سیدی کیا آپکو کل والی بات یاد ہے آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کیوں نہیں یہ سُن کر اُس نوجوان نے ایک لاکھ درہم آپ کے حوالے کئے آپکی بارگاہ میں قلم ۔ دوات۔ اور۔ کاغذ پیش کردیا

۔

حضرت مالک بن دینا علیہ الرحمہ نے اِس مضمون کا بَیع نامہ۔ اِس طرح سے ترتیب فرمایا

۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ تحریر اس غرض کیلیئے ہے کہ مالک بن دینار فُلاں بن فُلاں کے لئے اُس کے دُنیاوی مکان کے بدلے اللہ تعالیٰ سے ایک ایسے ہی شاندار محل دِلانے کا ضامن ہے۔ اور اگر اُس محل میں مزید کچھ اضافی آسائش ہوں تو یہ اللہ کا فضل ہے اِس ایک لاکھ درہم کے عوض میں نے ایک جنتی محل کا سودا فلاں بن فلاں سے کیا جو اِس کے دنیاوی محل سے زیادہ وسیع اور

شاندار ہوگا اور قُربِ الٰہی عزوجل کے سائے میں ہے -

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ نے بیع نامہ اُس نوجوان کے حوالے کیا اور ایک لاکھ درہم لیکر غربا مَساکین اور فقراء میں رات ہونے سے قبل ہی تقسیم کر دیئے اِس عظیم عہد نامے کو لکھے ابھی چالیس روز بھی نہ گزرے تھے کہ ایک دن فجر کی نماز پڑھ کہ مسجد سے نکلتے ہوئے آپ کی نگاہ محرابِ مسجد میں رکھی پرچی پہ پڑی یہ وہی پرچی تھی جس پر عہد نامہ تحریر کیا گیا تھا اور اس پرچی کی پشت پر بِنا سیاھی کے تحریر چمک رہی تھی اللہ عزیز " حکیم عزوجل کی جانب سے مالک بن دینار کے لئے پروانہ ءِ براَت ہے کہ -
تم نے جس محل کا وعدہ کیا تھا وہ اُس نوجوان کو عطافرما دیا گیا بلکہ اس سے بھی ستر گنا زیادہ نوازا۔ حضرت مالک بن دینار علیہ الرحمہ اس پرچی کو لیکر جلد جلد اُس نوجوان کے گھر پہنچے تو وہاں سے رونے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں معلوم کرنے پر بتایا گیا کہ وہ نوجوان کل ہی فوت ہوگیا ہے -

غسال نے بیان دیا کہ اُس نوجوان نے مجھے اپنے پاس بلایا اور مجھے وصیت کی کہ میری میت کو تم ہی غُسل دینا اور ایک پرچہ بھی دیا کہ اِسے حفاظت سے میرے کفن میں رکھ دینا حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ نے جب محراب سے مِلا پرچہ دکھلایا تو وہ غُسال پکار اُٹھا واللہُ العظیم یہ تو وہی کاغذ ہے جو

۔ میں نے کفن میں رکھا تھا

یہ تمام ماجرا ایک شخص ملاحظہ کر رہا تھا کہنے لگا حضور میں آپکو دو لاکھ درہم دونگا آپ مجھے بھی ویسا ہی ضمانت نامہ لکھ دیں حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ نے اِرشاد فرمایا جو ہونا تھا وہ ہوچکا اللہ عزوجل جس کے ساتھ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اس کے بعد کافی وقت تک حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ علیہ اُس نوجوان کو یاد کرکے اشک باری فرماتے رہے

(روض الریاحین صفحہ نمبر ۵۸ ۔ ۵۹ مطبوعہ البیروت)

نورِ قرآن اور نورِ رمضان

محترم قارئین کرام سلام

ایک مرتبہ سیدُنا موسیٰ کلیمُ اللہ علیہ السلام سے اللہ عزوجلَ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) میں نے اپنے محبوب محمد مُصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمت کے لئے دو نور رکھے ہیں تاکہ دو اندھیروں کے ضَرَر سے محفوظ رہیں۔

سیدُنا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یارب العالمین وہ "دو" نور کونسے ہیں ؟

اِرشادِ باری تعالیٰ عزوجل ہوا اے میرے کلیم (علیہ السلام) "نور قرآن اور نورِ رمضان" سیدُنا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اور دو اندھیرے کونسے ہیں ارشاد ہوا ایک قبر کا اور دوسرا قیامت کا

------ (دُرَہ الناصحین)

محترم ساتھیوں کِتنا مہربان ہے ہمارا رب عزوجل ہم گنہگاروں پر اپنے محبوب کے طفیل کہ اُس کی رحمت ہم سے گنہگاروں کی بخشش کے لئے کیسی کیسی راہیں

پیدا کر رہی ہے اور اِک ہم ہیں کہ اِن راہوں سے بھاگ رہے ہیں

محترم ساتھیوں روزہ اور قرآن روز محشر میں مسلمانوں کی شفاعت کا سامان بھی پیدا کریں گے ۔ کہ ہمارے پیارے آقا علیہ السلام کا فرمانِ عالیشان ہے

روزہ اور قرآن بندے کے لئے قیامت کے دن شفاعت کریں گے روزہ عرض کرے گا اے ربِ کریم عزوجل میں نے کھانے اور خواہشوں سے دن میں اِسے روکے رکھا ۔ میری شفاعت اِس کے حق میں قبول فرما

قرآن کہے گا میں نے رات میں اِسے سونے سے باز رکھا میری شفاعت اِس کے حق میں قبول فرما ۔

"۔ پس دونوں کی شفاعتیں قَبُول ہوں گی "

(مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۵۸۶ حدیث ۶۶۳۷)

رمضان المبارک کے چار نام اور اِس کے اَسرار

محترم قارئین سلام

رمضان المبارک اور روزے کے بیشمار فضائل۔ فوائد۔ حسنات ونکات سے متعلق کتب احادیث وُ تفاسیر میں بے شُمار علمی الطاف موجود ہیں حصولِ رغبت کیلئے چند انمول فوائد وُ نکات کا ذکر کیا جاتا ہے:۔

مُفسر شہیر حکیمُ الامت حضرت مُفتی احمد یار خان نعیمی علیہ رحمتہُ القوی تفسیر نعیمی میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس ماہِ مُبارک کے چار نام ہیں

رمضان المبارک کے چار نام یہ ہیں۔

(۱) ماہِ رمضان (۲) ماہِ صبر (۳) ماہِ مؤاسات (۴) ماہِ وُسعت رزق۔:

مزید اِرشاد فرماتے ہیں کہ روزہ صبر ہے۔ جسکی جزاء اللہ عزوجل کے پاس ہے ۔ چونکہ روزے ماہِ رمضاں میں رکھے جاتے ہیں اِس لئے اِسے ماہِ صبر بھی کہتے ہیں۔

مؤاسات " کے معنی ہیں بھلائی کرنا چونکہ اِس مہینے میں سارے مُسلمانوں سے خاص کر

۔ اہلِ قُرابت سے بھلائی کرنا ویادہ ثواب ہے اِس لئے اسے ماہِ مؤاسات بھی کہتے ہیں

اِس ماہِ مُبارک میں رِزق کی فراخی بھی ہوتی ہے کہ غریب بھی نعمتیں کھا لیتے ہیں اِس

(لئے اِسے ماہِ وُسعتِ رِزق بھی کہتے ہیں۔ ۔ ۔ (تفسیرِ نعیمی جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۰۸

کعبہ معظّمہ مُسلمانوں کو بُلا کر دیتا ہے اور رمضان المبارک آ کر دِیتا ہے یعنٰی کعبہ مُعظمہ

۔ کنواں ہے اور رمضان المبارک رحمت کی بارش

ہر مہینے میں خاص تاریخیں ہوتی ہیں جن کے خاص اُوقات میں عبادت ہوتی ہے جیسے

۔ بقر عید کی چند مَخصوص تاریخوں میں ہی حج ہوتا ہے

۔ جیسے اسلام میں مُحرمُ الحرام کی دَس تاریخ کی خاص اہمیت ہے

لیکن ماہِ رمضان الُمبارک میں ہر دِن اور ہر وقت عبادت ہوتی ہے جیسے روزہ عبادت۔

اِفطار عبادت ۔ تراویح عبادت ۔ سحری عبادت ۔ یہاں تک کہ سحری کے

- اِنتظار میں سُونا بھی عبادت الغرض ہر گھڑی ہر ساعت عبادت ہے

پس سمجھ لیجئے کہ رمضان المبارک کا مُتبرک مہینہ ایک بھٹی ہے کہ جیسے بھٹی لوہے کے زنگ کو صاف اور صاف لوہے کو مشین کا پُرزہ بَنا کر قیمتی کر دیتی ہے سُونے کو زیور کی شکل دے دیتی ہے ایسے ہی ماہِ رمضان المبارک گنہگاروں کو پاک کرتا ہے اور نیک لوگوں کے درجات بڑھا دیتا ہے۔

اے ہمارے پیارے اللہ عزوجل اِس ماہِ مُبارک کے وسیلے سے ہمارے نامہ اعمال میں جو گناہ ہماری کوتاہیوں اور لغزشوں کے سبب درج ہوئے ہیں تُو اُنہیں اپنے خاص فضل سے اپنے مدنی محبوب کے وسیلہ جلیلہ کے طفیل نیکیوں سے تبدیل فرما دے۔ آمین بجاہ نبی الامین وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

" ماضی بے داغ" حال شاندار " اور مستقبل عظیم الشان"

محترم قارئین سلام

سیدُالانبیا والمُرسلین کا فرمانِ دلنشین ہے۔ تھوڑا سا رِیا بھی شِرک ہے۔ اور جو اللہ عزوجل کے ولی سے دُشمنی کرے وہ اللہ عزوجل سے لڑائی کرتا ہے۔

اللہ عزوجلَ، نیکوں، پرہیز گاروں، چُھپے ہوؤں کو دُوست رکھتا ہے۔ کہ غائب ہوں تُو ڈھونڈے نہ جائیں اور اُن کو نزدیک نہ کیا جائے اُن کے دِل ہدائت کے چراغ ہوں ہر تاریک گردآلود سے نکلیں۔ (مشکاتہ المصابیح جلد ۲ صفحہ ۲۶۹ حدیث ۵۳۲۸)

محترم دوستوں معلوم ہوا کہ بارگاہ خُداوندی میں مقبولیت کا معیار شہرت ناموری یا طاقتور ہونا نہیں بلکہ بارگاہ خُداوندی میں تو مُخلص بندےِ ہی مقبول ہوتے ہیں۔ اگرچہ دُنیا میں اِنہیں کوئی اپنے پاس بھی کھڑا ہونے نہ دے گُم ہو جائیں تو ڈھونڈنے والا کوئی نہ ہو کسی مِحفل میں آجائیں تو بھاؤ پوچھنے والا نہ ہو ایسے ہی اہل اللہ کو کہتے ہیں " گُدڑی کے لعل "

محترم دوستوں جب ہم جانتے ہی نہیں کہ کون اللہ کے قریب ہے کون گدڑی کا لعل ہے تو ہمیں ہر مسلمان کا ہی احترام کرنا چاہیے کہ اولیا اللہ وہ لوگ ہیں جنہیں رب عزوجل نے اپنا دوست کہا جو بارگاہ ایزدی میں قسم کھالیں تو اللہ عزوجل اُن کی قسم پوری فرما دے جو مُستعجاب الداعوات ہیں جن کی کبھی دُعائیں اللہ عزوجل رد نہیں فرماتا جنکی نظر قلب کی کیفیت کو تبدیل کردے۔ جنکے واسطے پیارے آقا علیہ السلام فرمادیں کہ مومن کی فِراست سے بچوُ کہ وہ اللہ کے نُور سے دیکھتا ہے جو راتوں کو طویل قیام کریں اور کسی پر حالات مُنکشف نہ کریں جن کے واسطے قران پُکارے

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (٦٢) سورہ یونس

سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم

- محترم ساتھیوں اکثر علماء اِس آیتہ مُبارکہ کی تشریح یوں بیان کرتے ہیں

- اللہ عزوجل نے اپنے اولیا کی شان اِس آیت مُبارکہ میں بیان کی ہے

- یہاں بتایا گیا ہے کہ اولیا اللہ کو نہ غم ہوگا اور نہ ہی خوف

چونکہ غم کا تعلق ماضی سے ہے اور خوف کا تعلق مُستقبل سے ہے۔ مِثال کے طور پر
یوں سمجھ لیں کہ کسی شخص کی دو بچیاں ہوں اُن میں سے خدانخواستہ ایک بچی گھر چھوڑ
کے چلی جاتی ہے اِس واقعہ پر والدین کی کیفیت غم اور افسوس کی ہوگی اور بچی کا چلا جانا
ماضی کی طرف اِشارہ کرتا ہے۔ لیکن والدین کو ڈر ہے کہ اِس واقعہ کا اثر دوسری بچی پر
نہ پڑے اور " خوف " ہے کہ کہیں وہ بھی بڑی بہن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ایک
دِن ہمیں رُسوا نہ کر جائے۔ اِسکا تعلق مُستقبل سے ہے

معلوم یہ ہوا کہ جو اللہ کے دوست بن جائیں اللہ عزوجل اُن کے ماضی اور مُستقبل کی
ضمانت لے لیتا ہے اور یہاں لطیف نقطہ یہ ہے کہ جسے ماضی اور مُستقبل کی ضمانت مِل
جائے اُسکا حال خود بخود شاندار ہوگا یعنی جو اللہ عزوجل کے ہوجائیں اُن کا " ماضی بے
داغ " اُن کا حال شاندار " اور مستقبل عظیم الشان " ہوگا اے ہمارے رب عزوجل
ہمیں بھی اُس صراط مُستقیم پر چلا جِس پر تیرے انعام یافتگان بندے چلے اور بچا اُس
راہ سے جِس پر گمراہ چلے۔ اور ہمیں تیرے نیک بندوں کی تعظیم کی توفیق اور اُنکی قربت
عطا فرما۔

آمین بجاہِ نبی الامین صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم

رمضان المبارک کے روزے اور بد نصیب لوگ

محترم قارئین کرام سلام

حضرت سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے مدینے کے سُلطان رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا " کہ میں سُویا ہوا تھا تو خواب میں دو اشخاص میرے پاس آئے اور مجھے ایک دُشوار گزار پہاڑ پر لے گئے جب میں پہاڑ کے درمیانی حصے میں پہنچا تو وہاں سے بڑی سخت آوازیں آرہی تھیں میں نے کہا یہ کیسی آوازیں ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ جہنمیوں کی آوازیں ہیں پھر مجھے اور آگے لیجایا گیا۔ تُو میں کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا کہ اُن کو اُن کے ٹخنوں کی رگوں میں باندھ کر اُلٹا لٹکایا گیا تھا اور اُن لوگوں کے جبڑے پھاڑ دیئے گئے تھے جن سے خُون بہہ رہا تھا۔ میں نے پوچھا " یہ کون لوگ ہیں ؟" تو مجھے بتایا گیا کہ یہ لوگ روزہ اِفطار کرتے تھے قبل اِس کے کہ روزہ اِفطار کرنا حلال ہو۔ -------------

(الاحسان بترتیب صحیح ابنِ حبان جلد ۹ صفحہ ۲۸۶ حدیث ۷۴۴۸)

حضرت سیدنا ابوہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ سے مَروی ہے۔ نبی مہربان وُ ذیشان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے کہ " اُس شخص کی ناک

مَٹی میں مِل جائے کہ جس کے پاس میرا ذکر کیا گیا تو اُس نے مجھ پر دُرود نہیں پڑھا اور اُس شخص کی ناک مَٹی میں مِل جائے جِس پر رمضان کا مہینہ دَاخل ہوا پھر اُس کی مغفِرت ہونے سے قبل گزر گیا اور اُس شخص کی ناک مَٹی میں مِل جائے کہ جس کے پاس اسکے والدین نے بُڑھاپے کو پالیا اور اُس کے والدین نے اِس کو جنت میں داخل نہیں کیا (یعنی بوڑھے والدین کی خِدمت کرکے جنت حاصل نہ کرسکا) ----------

(مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۶۱ حدیث ۷۴۵۵)

اے ہمارے پیارے رب عزوجل ہمیں رمضان کی قدر نصیب فرما اپنے مدنی محبوب پر کثرت سے دُرود پڑھنے کی توفیق عطا فرما اور اپنے والدین کی خوب خدمت کرکے اُنہیں راضی کرنے کی توفیق مرحمت فرما

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ
وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِۙ
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (34)

ترجمہ - اے ایمان والو بیشک بہت پادری اور جوگی لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں -
اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ
کی راہ میں خرچ نہیں کرتے
انہیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی -

دسواں پارہ آیت نمبر (34) سورہ التوبۃ

شانِ نُزول: سدی کا قول ہے کہ یہ آیت مانعینِ زکوٰۃ کے حق میں نازِل ہوئی جب کہ
اللہ تعالٰی نے اَحبار اور رُہبان کی حرصِ مال کا ذکر فرمایا تو

مسلمانوں کو مال جمع کرنے اور اس کے حقوق ادا نہ کرنے سے حذر دلایا۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس مال کی زکٰوۃ دی گئی وہ کنز نہیں خواہ دفینہ ہی ہو اور جس کی زکٰوۃ نہ دی گئی وہ کنز ہے جس کا ذکر قرآن میں ہوا کہ اس کے مالک کو اس سے داغ دیا جائے گا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اصحاب نے عرض کیا کہ سونے چاندی کا تو یہ حال معلوم ہوا پھر کون سا مال بہتر ہے جس کو جمع کیا جائے۔ فرمایا ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل اور نیک بی بی جو ایماندار کی اس کے ایمان پر مدد کرے یعنی پرہیزگار ہو کہ اس کی صحبت سے طاعت و عبادت کا شوق بڑھے (رواہ الترمذی)

مسئلہ: مال کا جمع کرنا مباح ہے مذموم نہیں جب کہ اس کے حقوق ادا کئے جائیں۔
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت طلحہ وغیرہ اصحاب مالدار تھے اور جو اصحاب کہ جمعِ مال سے نفرت رکھتے تھے وہ ان پر اعتراض نہ کرتے تھے۔
(ترجمہ کنزالایمان نورالعرفان)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کو اللہ نے مال دیا پھر اُس نے اس کی زکواۃ نہ ادا کی تو اس کا یہ مال اس کیلئے گنجا سانپ بنایا جائیگا جسکی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے اور وہ سانپ قیامت کے دن اس کی

گردن میں بطور طوق ڈالا جائیگا پھر سانپ اس کے منہ کے دونوں کناروں کو یعنی باچھوں کو پکڑے گا پھر کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی

ترجمہ) جو لوگ بُخل کرتے ہیں یہ گُمان نہ کریں کہ انہیں اللہ کے فضل میں سے کچھ پہنچے گا

(راوہ البُخاری۔ مشکواۃ)

محترم قارئین کرام زکواۃ اسلام کا رُکن ہے اس کی فرضییت قرآنِ مجید احادیث اور اجماع اُمت سے ثابت ہے اسلئے زکوۃ کا مُنکر کافر اور زکوۃ عشر کا تارک مانع گنہگار اور مُستحق قتل ہے، زکوۃ ایک محکم فرض ہے جس کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے اور اسے ادا نہ کرنے والا واجبُ القتل

(ہو جاتا ہے۔۔ (فتاوٰی عالمگیری ۱۷۰ : ۱

بد نصیب عالم کا انجام

محترم قارئین سلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور اے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُنہیں اُس کا احوال سُناؤ جسے ہم نے آیتیں دی تو وہ اُن سے صاف نکل گیا تو شیطان اُس کے پیچھے لگا تو (وہ) گمراہوں میں ہوگیا اور ہم چاہتے تو آیتوں کے سبب اُسے اُٹھا لیتے مگر وہ تو زمین پکڑ گیا اور اپنی خواہش کے تابع ہوا تو اُس کا حال کتے کی طرح ہے تُو اس پر حملہ کرے تو زباں نکالے اور چھوڑ دے تو زباں نکالے یہ حال ہے اُن کا جنھوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تو آپ نصیحت سناؤ کہ کہیں وہ دھیان دیں (القرآن ترجمہ کنزالایمان سورہ الاعراف آیت نمبر 175-176)

یعنی بلعم باعور جس کا واقعہ مفسّرین نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسٰی علیہ السلام نے جبارین سے جنگ کا قصد کیا اور سرزمینِ شام میں نُزول فرمایا تو بلعم باعور کی قوم اس کے پاس آئی اور اس سے کہنے لگی کہ حضرت موسٰی علیہ السلام بہت تیز مزاج ہیں اور ان کے ساتھ کثیر لشکر ہے وہ

یہاں آئے ہیں ہمیں ہمارے بلاد سے نکالیں گے اور قتل کریں گے اور بجائے ہمارے بنی اسرائیل کو اس سرزمین میں آباد کریں گے، تیرے پاس اسمِ اعظم ہے اور تیری دعا قبول ہوتی ہے تو نکل اور اللہ تعالٰی سے دعا کر اللہ تعالٰی انہیں یہاں سے ہٹا دے۔ بلعم باعور نے کہا تمہارا بُرا ہو حضرت مُوسٰی علیہ السلام نبی ہیں اور ان کے ساتھ فرشتے ہیں اور ایمان دار لوگ ہیں، میں کیسے ان پر دعا کروں؟ میں جانتا ہوں جو اللہ تعالٰی کے نزدیک ان کا مرتبہ ہے اگر میں ایسا کروں تو میری دنیا و آخرت برباد ہو جائے گی مگر قوم اس سے اصرار کرتی رہی اور بہت اِلحاح وزاری کے ساتھ انھوں نے اپنا یہ سوال جاری رکھا تو بلعم باعور نے کہا کہ میں اپنے رب کی مرضی معلوم کرلوں اور اس کا یہی طریقہ تھا کہ جب کبھی کوئی دعا کرتا پہلے مرضی الٰہی معلوم کرلیتا اور خواب میں اس کا جواب مل جاتا چنانچہ اس مرتبہ بھی اس کو یہی جواب ملا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام اور ان کے ہمراہیوں کے خلاف دعا نہ کرنا، اس نے قوم سے کہہ دیا کہ میں نے اپنے رب سے اجازت چاہی تھی مگر میرے رب نے ان پر دعا کرنے کی مُمانعت فرمادی تب قوم نے اس کو ہدیے اور نذرانے دیئے جو اس نے قبول کئے اور قوم نے اپنا سوال جاری رکھا تو پھر دوسری مرتبہ بلعم باعور نے رب تبارک وتعالٰی سے اجازت چاہی اس کا کچھ جواب نہ ملا، اس نے قوم سے کہہ دیا کہ مجھے اس مرتبہ کچھ جواب ہی نہ ملا قوم کے لوگ کہنے لگے کہ اگر اللہ کو منظور نہ ہوتا تو وہ پہلے کی طرح دوبارہ بھی منع فرماتا اور قوم کا

اِلحاح و اصرار اور بھی زیادہ ہوا حتیٰ کہ انہوں نے اس کو فتنہ میں ڈال دیا اور آخرکار وہ بددعا کرنے کے لئے پہاڑ پر چڑھا تو جو بددعا کرتا اللہ تعالیٰ اس کی زبان کو اس کی قوم کی طرف پھیر دیتا تھا اور اپنی قوم کے لئے جو دعائے خیر کرتا تھا بجائے قوم کے بنی اسرائیل کا نام اس کی زبان پر آتا تھا۔ قوم نے کہا اے بلعم یہ کیا کر رہا ہے؟ بنی اسرائیل کے لئے دعا کرتا ہے ہمارے لئے بددعا، کہا یہ میرے اختیار کی بات نہیں، میری زبان میرے قبضہ میں نہیں ہے اور اس کی زبان باہر نکل پڑی تو اس نے اپنی قوم سے کہا میری دنیا و آخرت دونوں برباد ہو گئیں۔ (تفسیر خزائن العرفان)

محترم قارئین اکرام ان دو آیتوں کے مطالعے اور اِن کی تشریح جان کر دل میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں آخر ایک زبردست عالم جو ایسا مستجاب الدعوات ہو کہ جو دعا کرنے کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور ہاتھ گرنے سے قبل اُسکی دعا بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہو جائے وہ راندہ درگاہ ہوا اُسکی دُنیا بھی خراب ہوئی اور آخرت میں ٹھکانہ جہنم قرار پایا؟

اِسکا ایک جواب تو یہ ہے کہ وہ دُنیا کی محبت اور مال و زر کی چمک میں گرفتار ہو گیا تھا دوسری وجہ یہ کہ وہ اللہ کے ایک مُقرب نبی علیہ السلام کو نبی ماننے کے باوجود اپنے جیسا سمجھ رہا تھا۔

اور روایت ہے کہ بعض انبیاء کرام علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض و دریافت کیا کہ تو نے بلعم بن باعورا کو اتنی نعمتیں عطا فرما کر پھر اِسے کیوں اس قعرِ مزلت میں گِرادیا؟

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ اُس نے میری نعمتوں کا کبھی شُکر ادا نہیں کیا اگر وہ میرا شُکر گزار بندہ ہوتا تو میں اُس کی کرامتوں کو سلب کرکے اُس کو دونوں جہاں میں اِس طرح ذلیل و خوار اور غائب وُ خاسِر نہ کرتا (تفسیر روح البیان جلد ۳ صفحہ ۱۳۹)

محترم قارئین کرام قرآنِ مجید کے اِس مختصر اور عجیب و غریب واقعہ میں ہمارے لئے نہائت کارآمد نصیحت کے پھول موجود ہیں اگر ہم اِن پھولوں کو چُن کر اپنی زندگیوں کے گلدستے میں سجالیں تو انشاء اللہ دُنیا اور آخرت میں سُرخرو ہو سکتے ہیں -

۱ - سب سے پہلے تو یہ کہ اللہ کے ہر نبی علیہ السلام کی مُحبت اور تعظیم ہمارے دل میں رہنی چاہیے کہ اِس میں زرہ بھر بھی کمی ہماری تمام عبادتوں اور ریاضتوں پر پانی پھیر دے گی - بلکہ ایمان ہی نہ رہے گا اور حضور صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ سیدُالانبیا ہیں اللہ عزوجل کے محبوب ہیں اِس لئے آپکی محبت اور تعظیم سب بے زیادہ دل میں موجود ہونی چاہیے حتیٰ کے ماں باپ مال اولاد ازواج ۔ اور خود اپنی جان سے بھی زیادہ وگرنہ ایمان چھن جائے گا

۲ ۔ ہمیشہ حق بات کہنی چاہیے چاہے ہماری اِس بات سے ہماری برادری ناراض ہو یا ۔ کوئی سیاسی جماعت جس سے خواہ ہمیں کتنی ہی دلی وابستگی ہو

۔ ۳ ۔ مال وزر کی حرص و ہوس سے بچنا ضروری ہے

۔ ۴ ۔ کبھی اپنی عبادت اور اعمال صالحہ پر گھمنڈ نہ کریں

۵ ۔ اللہ عزوجل کی خفیہ تدبیر سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ ہم نہیں جانتے کہ ہمارے لئے ۔ اللہ عزوجل کی خفیہ تدبیر کیا ہے کیا ہمارا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا کفریہ بول کیسا تھ

اِس واقعہ میں اہل علم حضرات کے لئے بھی میسج ہے کہ اپنے علم پر ناز نہ کریں بلکہ اس علم کو فضل خُدا اور عطائے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جانیں۔ اور جب بھی ہمیں کوئی نعمت ملے تو اللہ عزوجل کا شُکر ادا ضرور کریں اور جب کوئی تکلیف آجائے تو ناشُکری کے بجائے رحمت اور عافیت کی دعا کریں

اللہ عزوجل ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے اپنے مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سَچی پکی محبت عطا فرمائے ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے اور ہمیں اپنے مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں سے بھی محبت کی توفیق عطا کرے اور ہمیشہ اپنا شُکر گُزار بندہ بنائے رکھے

آمین بجاہِ نبی الامین وصلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم

منالو اپنے رب کو مومنوں رمضان آیا ہے

بے شک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا اور تم نے کیا جانا کیا شب قدر شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر اس میں فرشتے اور جبریل اترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لئے وہ سلامتی ہے صبح چمکنے تک۔ سورۃ قدر ترجمہ کنزالایمان۔

شبِ قدر شرف و برکت والی رات ہے اس کو شبِ قدر اس لئے کہتے ہیں کہ اس شب میں سال بھر کے احکام نافذ کئے جاتے ہیں اور ملائکہ کو سال بھر کے وظائف و خدمات پر مامور کیا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس رات کی شرافت و قدر کے باعث اس کو شبِ قدر کہتے ہیں۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ چونکہ اس شب میں اعمالِ صالحہ منقول ہوتے ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں ان کی قدر کی جاتی ہے اس لئے اس کو شبِ قدر کہتے ہیں۔ احادیث میں اس شب کی بہت فضیلتیں وارد ہوئی ہیں بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جس نے اس رات میں ایمان و اخلاص کے ساتھ شب بیداری کرکے عبادت کی اللہ تعالٰی اس کے سال بھر کے گناہ بخش دیتا ہے آدمی کو چاہئے کہ اس شب میں کثرت سے استغفار کرے اور رات عبادت میں گزارے سال بھر میں شبِ قدر ایک مرتبہ آتی ہے اور روایاتِ کثیرہ سے ثابت ہے کہ وہ رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ میں ہوتی ہے اور اکثر اس کی بھی طاق

راتوں میں سے کسی رات میں۔ بعض علماء کے نزدیک رمضان المبارک کی ستائیسویں رات شبِ قدر ہوتی ہے یہی حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اس رات کے فضائلِ عظیمہ اگلی آیتوں میں ارشاد فرمائے جاتے ہیں۔ تفسیر خزائن العرفان۔

حضرت سیدنا اَنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک بار جب ماہ رمضان تشریف لایا تو پیارے آقا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تمہارے پاس ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ایسی بھی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے جو شخص اُس رات سے محروم رہ گیا گویا تمام کی تمام بھلائی سے محروم رِہ گیا اور اس کی بھلائی سے وہی شخص محروم رہتا ہے جو حقیقتاً محروم ہو (سنن ابنِ ماجہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ حدیث ۱۶۴۴ (

روایت ہے کہ شب قدر میں سدرہ المنتہٰی کے فرشتوں کی فوج حضرت جبرئیل علیہ السلام کی سرداری میں زمیں پر اُترتی ہے اُن کے ساتھ چار جھنڈے ہوتے ہیں ایک جھنڈا حضورپُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اطہر پر ایک جھنڈا بیت المقدس کی چھت پر ایک جھنڈا کعبہ معظّمہ کی چھت پر جبکہ ایک طور سینا پر لہراتے ہیں پھر یہ فرشتے مسلمانوں کے گھر تشریف لے جا کر ہر مومن مرد و عورت کو سلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں سلام عزوجل تم پر سلامتی بھیجتا ہے مگر جس

گھر میں شرابی یا خنزیر کھانے والا بلاوجہ شرعی اپنی رشتہ داری کاٹ دینے والا رہتا ہو (اِن گھروں میں یہ فرشتے نہیں جاتے (تفسیر صاوی جلد ۶ صفحہ نمبر ۲۴۰۱

شانِ نُزول ۔۔ مشہور تابعی حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے ہیں، بنی اسرائیل میں ایک نیک خصلت بادشاہ تھا اللہ عزوجل نے اُس زمانے کے نبی علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ فُلاں سے کہو کہ اپنی تمنا بیان کرے۔ جب اُس بادشاہ کو پیغام ملا تو اُس نے عرض کی (اے میرے رب عزوجل) مجھے ایک ہزار بیٹے عطا فرما تاکہ میں اپنے مال ۔ اولاد۔ اور جان کے ساتھ جہاد کروں ۔ اللہ عزوجل نے اُسے ایک ہزار لڑکے عطا کیئے۔

وہ اپنے ایک ایک شہزادے کو اپنے مال کیساتھ لشکر کیلیے تیار کرتا اور پھر اُسے اللہ عزوجل کی راہ میں مُجاہد بنا کر بھیج دیتا۔ وہ شہزادہ ایک ماہ جہاد کرتا اور شہید ہو جاتا پھر دوسرے شہزادے کو لشکر میں تیار کرتا تو ہر ماہ ایک شہزادہ شہید ہو جاتا یہ بادشاہ دِن میں روزہ رکھا کرتا جبکہ رات کو قیام کرتا۔ ایک ہزار مہینوں میں اُس کے ایک ہزار شہزادے شہید ہو گئے۔ پھر خود آگے بڑھ کے جہاد کیا اور شہید ہوگیا۔ لوگوں نے کہا کہ اس بادشاہ کا مرتبہ کوئی شخص نہیں پاسکتا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت مُبارکہ نازل فرمائی

کہ ۔ لیلۃ القدر خیر من الف شھر (ترجمہ کنزالایمان) شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر۔ قرطبّی میں ہے یعنی بادشاہ کے ہزار مہینوں سے جو کہ اُس نے رات کے قیام۔ دن کے روزوں ۔ مال ۔ جان ۔ اُولاد کیساتھ راہِ خدا عزوجل میں جہاد کرکے گزارے اس سے بہتر ہے (تفسیر قُرطبّی جلد ۲۰ صفحہ ۱۲۲

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا شبِ قدر کو رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں یعنی اِکیسویں، تیئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور اُنتیسویں راتوں میں تلاش کرو۔ (صحیح بُخاری حدیث ۲۰۲۰ جلد ۱ صفحہ ۶۶۲

نوافلِ شب قدر۔

حضرت اسماعیل حقی حنفی رحمتہ اللہ علیہ تفسیر روح البیان میں نقل کرتے ہیں جو شبِ قدر میں اخلاص نیت سے نوافل پڑھے گا اُس کے اگلے پچھلے گناہ مُعاف ہوجاتے ہیں ۔ (روح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۴۸۰)

جو چار رکعت نفل پڑھے ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد سورۃ التکاثر ایک مرتبہ سورۃ اخلاص تین مرتبہ پڑھے تو موت کی سختی سے محفوظ رہے (نزہتہ المجالس صفحہ ۱۲۹

جو دو رکعت نفل پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد سورۃ اخلاص سات مرتبہ پڑھے سلام کے بعد سات مرتبہ استغفر اللہ پڑھے تو اپنی جگہہ سے نہیں اُٹھے گا کہ اِس پر اور اِس کے والدین پر رحمت خُدا برسنا شروع ہو جائے (تفسیر یعقوب چرخی)

اگر کوئی شخص چار رکعت نفل اِس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد سورہ قدر تین مرتبہ اور سورہ اخلاص پچاس مرتبہ پڑھے اور بعد نماز سجدہ میں جا کر ایک مرتبہ سبحان اللہِ والحمدُ للہِ ولَااِلٰہَ الااللہُ واللہُ اکبر پڑھے پھر اس کے بعد جو دُعا مانگے انشا اللہ ضرور قبول ہو گی اور اسے اللہ تعالیٰ بے شُمار نعمتیں عطا فرمائے گا اور اس کے سب گناہ بخش دے گا (فضائل الایام والشھود صفحہ ۲۴۱ ۲۴۲)

مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں جو کوئی شب قدر میں سورہ قدر سات مرتبہ پڑھے اللہ عزوجل اُس کو ہر بلا سے محفوظ فرما دیتا ہے: اور ستر ہزار فرشتے اس کیلئے جنت کی دُعا کرتے ہیں۔ نزہتہ المجالس

حیا کی خوشبو

اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور گناہ کون بخشے سوا اللہ کے اور اپنے کئے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں

(سورت آل عمران آیت ۱۳۵)

تم فرماؤ میرے رب نے تو بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی اور گناہ اور ناحق زیادتی اور یہ کہ اللہ کا شریک کرو جس کی اس نے سند نہ اتاری اور یہ کہ اللہ پر وہ بات کہو جس کا علم نہیں رکھتے

(سورت الاعراف آیت ۳۳)

یہ خِطاب مشرکین سے ہے جو بَرہنہ ہو کر خانۂ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور اللہ تعالٰی کی حلال کی ہوئی پاک چیزوں کو حرام کرلیتے تھے، ان سے فرمایا جاتا ہے کہ اللہ نے یہ چیزیں حرام نہیں کیں اور ان سے اپنے بندوں کو نہیں روکا، جن چیزوں کو اس نے حرام فرمایا وہ یہ ہیں جو اللہ تعالٰی بیان فرماتا ہے ان میں سے بے حیائیاں ہیں جو کھلی ہوئی ہوں یا چھپی ہوئی، قولی ہوں یا فعلی ۔

عراق کے مشہور شہر بصرہ میں ایک بزرگ گزرے ہیں جنہیں لوگ حضرت مِسکی
رحمتہ اللہ علیہ) کے نام سے پکارا کرتے تھے مسکی عربی لفظ ہے جسکے لغوی معنی ہیں)
مُشک والا مشکبار یعنی مُشک کی خوشبو میں بسا ہوا اور آپکا نام مِسکی مشہور ہونے کی وجہ
صرف یہی بیان کی جاتی ہے کہ آپ سے ہر وقت مشک کی خوشبو آیا کرتی تھی حتیٰ کہ
آپ جس راستے سے گزر جاتے وہ راستہ بھی مہک جاتا آپ علیہ الرحمہ جب مسجد
تشریف لے جاتے تو لوگوں کو خوشبو کی مہک سے ہی معلوم ہوجاتا کہ حضرت مِسکی علیہ
الرحمہ تشریف لا چکے ہیں

ایک مرتبہ کسی نے دریافت کیا حضور آپکو خوشبو پر کثیر رقم خرچ کرنی پڑتی ہوگی آپ
نے مُسکرا کر جواب دیا نہ ہی میں نے کبھی خوشبو خریدی اور نہ ہی کبھی لگائی ہے مجھ سے
جو ہر وقت مُشک کی خوشبو آتی ہے یہ ایک عجیب و غریب واقعہ ہے مزید استفسار پر آپ
نے یہ واقعہ سُنایا کہ میں بغداد شریف کے ایک خوشحال گھر میں پیدا ہوا اور میری بھی
تعلیم وتربیت اُمراکے بچوں کے ساتھ ہوئی میں نہایت خوبصورت اور باحیا تھا میری
شرم وحیا کو دیکھ کر کسی نے میرے والد کو مشورہ دیا کہ اِسے بازار میں بٹھاؤ تاکہ اسکی
حیا کچھ کم ہو اور اس طرح یہ لوگوں کیساتھ گھل مِل کے رہنا بھی سیکھ جائے گا چناچہ
میرے

والد نے مجھے ایک (بزار) کپڑے کے تاجر کی دُکان پر بٹھا دیا ایک دِن ایک بڑھیا نے کچھ قیمتی کپڑے نکلوائے پھر بزار سے کہنے لگی

میرے ساتھ کسی کو بھیج دو تاکہ جو پسند ہوں اُنہیں لینے کے بعد قیمت اور بقیہ کپڑے واپس لے آئے چناچہ دکاندار نے مجھے بھیج دیا.بڑھیا مجھے ایک عظیم الشان محل میں لے گئی اور مجھے ایک آراستہ کمرے میں بھیج دیا جہاں پر زیورات سے آراستہ خوش لباس جوان لڑکی تخت پر بیٹھی ہوئی تھی یہ کمرہ اتنا حسین اور سجا ہوا تھا کہ اس سے قبل میری آنکھوں نے نہ دیکھا تھا مجھے دیکھتے ہی اُس لڑکی پر شیطان غالب آگیا وہ میرے قریب آکر مجھ سے چھیڑ خانی کرنے لگی اور مجھے گناہ کی دعوت دینے لگی میں نے گھبرا کر کہا اللہ عزوجل سے ڈر۔ مگر شیطان اُس لڑکی پر پوری طرح مُسلط تھا وہ نہ مانی۔

جب میں نے اُسکی ضد دیکھی تو میرے دِل میں گناہ سے بچنے کی ایک تدبیر آئی اور میں نے اُس لڑکی سے کہا کہ مجھے استنجا کی حاجت محسوس ہو رہی ہے اُس کی آواز پر بیشمار کنیزیں حاضر ہو گئیں اُس نے کہا اپنے آقا کو بیت الخلا لے جاؤ۔ میں جب بیت الخلا پہنچا تو فرار کی کوئی راہ نہ ملی اور مجھے اُس عورت کے ساتھ بدکاری کرتے ہوئے اپنے رب عزوجل سے حیا آرہی تھی چُناچہ مجھے ایک ہی رستہ سمجھ آیا اور میں نے استنجا خانے کی غلاظت سے اپنے ہاتھ منہ اور

جسم بھر لئے اور کنیزوں کو خود سے ڈرانے لگا اور دیوانوں کی طرح چیخنے چلانے لگا کنیزیں خوفزدہ ہو کر پاگل پاگل چِلانے لگیں تمام کنیزوں نے مِل کر مجھے ایک ٹاٹ میں لپیٹا اور مجھے ایک باغ میں پھینک دیا گیا جب مجھے یقین ہو گیا کہ سب جا چکے ہیں تب میں اُٹھا اور اپنے جسم اور کپڑوں کو دھو کر پاک کیا اور اپنے گھر خاموشی سے چلا گیا اور اِس بات کا کسی سے تذکرہ نہیں کیا اُسی رات میں نے خواب میں ایک بُزرگ کو خواب میں دیکھا اُنہوں نے مجھ سے پوچھا کیا تُم مجھے جانتے ہو؟ میں نے عرض کیا نہیں اُنہوں نے کہا میں جبرائیل (علیہ السلام) ہوں اُسکے بعد اُنہوں نے میرے منہ اور جسم پر ہاتھ پھیرا اور اُس وقت سے میرے جسم سے مُشک کی بہترین خوشبو آنے لگی۔ یہ سیدنا جبرائیل علیہ السلام کے دست مُبارک کی خوشبو ہے

حوالہ۔ روض الریاحین

یا رب عزوجل ہمیں بھی اپنے پیارے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حیادار چشمان کرم کے صدقے حیا کی دولت عطا فرما اور بے حیائی سے بچا۔ آمین بجاہِ نبی الامین وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

مسجدیں اللہ کے گھر قابل احترام جگہ

۔۔۔ پہلا تبصرہ ۔۔۔

میری ہر قاری سے گزارش ہے کہ ترجمہ قرآن اور تفسیر اطمینان سے پڑھیں تاکہ ہمیں اِس سے رہنمائی کے پھول مِل سکیں (والسلام آپکا خیر اندیش)

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون (ف ۲۰۳) جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نامِ خدا لئے جانے سے (ف ۲۰۴) اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے (ف ۲۰۵) ان کو نہ پہنچتا تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے (ف ۲۰۶) اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب (ف ۲۰۷) سورۃ البقرہ آیت ۱۱۴

کنزالایمان

(ف 203)

شان نزول: یہ آیت بیت المقدِس کی بے حرمتی کے متعلق نازل ہوئی جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ روم کے نصرانیوں نے بنی اسرائیل پر فوج کشی کی ان کے مردانِ کار آزما کو قتل کیا ذریت کو قید کیا توریت کو جلایا بیت المقدس کو ویران کیا اس میں نجاستیں ڈالیں، خنزیر ذبح کیے، معاذ اللہ بیت المقدس

خلافت فاروقی تک اسی ویرانی میں رہا' آپ کے عہد مبارک میں مسلمانوں نے اس کو بنا کیا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے ابتدائے اسلام میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو کعبہ میں نماز پڑھنے سے روکا تھا اور جنگ حدیبیہ کے وقت اس میں نماز و حج سے منع کیا تھا

(ف204)

ذکر نماز خطبہ تسبیح وعظ نعت شریف سب کو شامل ہے اور ذکر اللہ کو منع کرنا ہر جگہ برا ہے۔ خاص کر مسجدوں میں جو اسی کام کے لئے بنائی جاتی ہیں مسئلہ: جو شخص مسجد کو ذکر و نماز سے معطل کردے وہ مسجد کا ویران کرنے والا اور بہت ظالم ہے۔

(ف205)

مسئلہ: مسجد کی ویرانی جیسے ذکر و نماز کے روکنے سے ہوتی ہے ایسے ہی اس کی عمارت کے نقصان پہنچانے اور بے حرمتی کرنے سے بھی۔

(ف206)

دنیا میں انہیں یہ رسوائی پہنچی کہ قتل کئے گئے گرفتار ہوئے جلا وطن کئے

گئے خلافت فاروقی و عثمانی میں ملک شام ان کے قبضہ سے نکل گیا بیت المقدس سے ذلت کے ساتھ نکالے گئے۔

(ف 207)

شان نزول: صحابہ کرام رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک اندھیری رات سفر میں تھے جہت قبلہ معلوم نہ ہو سکی ہر ایک شخص نے جس طرف اس کا دل جما نماز پڑھی صبح کو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حال عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ جہت قبلہ معلوم نہ ہو سکے تو جس طرف دل جمے کہ یہ قبلہ ہے اسی طرف منہ کرکے نماز پڑھے اس آیت کے شانِ نزول میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اس مسافر کے حق میں نازل ہوئی جو سواری پر نفل ادا کرے اس کی سواری جس طرف متوجہ ہو جائے اس طرف اس کی نماز درست ہے بخاری و مسلم کی احادیث سے یہ ثابت ہے ایک قول یہ ہے کہ جب تحویل قبلہ کا حکم دیا گیا تو یہود نے مسلمانوں پر طعنہ زنی کی ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی بتایا گیا کہ مشرق مغرب سب اللہ کا ہے جس طرف چاہے قبلہ معین فرمائے کسی کو اعتراض کا کیا حق (خازن) ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت دعا کے حق میں وارد ہوئی حضور سے دریافت کیا گیا کہ کس طرف منہ کرکے دعا کی جائے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حق سے گریز و فرار میں ہے اور '' اَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا '' کا خطاب ان لوگوں کو ہے

جو ذکر الٰہی سے روکتے اور مسجدوں کی ویرانی میں سعی کرتے ہیں کہ وہ دنیا کی رسوائی اور عذاب آخرت سے کہیں بھاگ نہیں سکتے کیونکہ مشرق و مغرب سب اللہ کا ہے جہاں بھاگیں گے وہ گرفت فرمائے گا اس تقدیر پر وجہ اللہ کے معنی خدا کا قرب و حضور ہے فتح) ایک قول یہ بھی ہے کہ معنی یہ ہیں کہ اگر کفار خانہ کعبہ میں نماز سے منع کریں تو) تمہارے لئے تمام زمین مسجد بنا دی گئی ہے جہاں سے چاہو قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو۔ تفسیر خزائن العرفان۔

اے آدم کی اولاد اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ (ف ۴۳) اور کھاؤ اور پیو (ف ۴۴) اور حد سے نہ بڑھو بے شک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں سورۃ الاعراف آیت نمبر ۳۱

(ف 43)

یعنی لباسِ زینت اور ایک قول یہ ہے کہ کنگھی کرنا خوشبو لگانا داخلِ زینت ہے

مسئلہ : اور سنّت یہ ہے کہ آدمی بہتر ہیئت کے ساتھ نماز کے لئے حاضر ہو کیونکہ نماز میں ربّ سے مُناجات ہے تو اس کے لئے زینت کرنا عِطر لگانا مُستحَب جیسا کہ سِتر، طہارت واجب ہے۔

شانِ نُزول: مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں دن میں مرد اور عورتیں رات میں ننگے ہو کر طواف کرتے تھے، اس آیت میں سَتر چُھپانے اور کپڑے پہننے کا حکم دیا گیا اور اس میں دلیل ہے کہ ستر عورت نماز و طواف اور ہر حال میں واجب ہے۔

(ف44)

شانِ نُزول: کَلبی کا قول ہے کہ بنی عامر زمانہ حج میں اپنی خوراک بہت ہی کم کر دیتے تھے اور گوشت اور چکنائی تو بالکل کھاتے ہی نہ تھے اور اس کو حج کی تعظیم جانتے تھے، مسلمانوں نے انہیں دیکھ کر عرض کیا یارسولَ اللہ ہمیں ایسا کرنے کا زیادہ حق ہے، اس پر یہ نازِل ہوا کہ کھاؤ اور پیو گوشت ہو خواہ چکنائی ہو اور اِسراف نہ کرو اور وہ یہ ہے کہ سیر ہو چکنے کے بعد بھی کھاتے رہو یا حرام کی پرواہ نہ کرو اور یہ بھی اِسراف ہے کہ جو چیز اللہ تعالٰی نے حرام نہیں کی اس کو حرام کر لو۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کھا جو چاہے اور پہن جو چاہے اِسراف اور تکبر سے بچتا رہ۔

مسئلہ: آیت میں دلیل ہے کہ کھانے اور پینے کی تمام چیزیں حلال ہیں سوائے ان کے جن پر شریعت میں دلیلِ حُرمت قائم ہو کیونکہ یہ قاعدہ مقرَّرہ

مسلّمہ ہے کہ اصل تمام اشیاء میں اِباحت ہے مگر جس پر شارع نے مُمانَعت فرمائی ہو اور اس کی حُرمت دلیلِ مستقل سے ثابت ہو۔

مسجد ضرار جلانے کا واقعہ اور اُسکا سبب

محترم قارئین سلام

مسجد ضرار

اور وہ جنھوں نے مسجد بنائی (ف۲۴۲) نقصان پہنچانے کو (ف۲۴۳) اور کفر کے سبب (ف۲۴۴) اور

مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو (ف۲۴۵) اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے (ف۲۴۶) اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی چاہی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بیشک جھوٹے ہیں

سورت التوبہ آیت نمبر 107 کنزالایمان

تفسیر خزائن العرفان

(ف242)

شانِ نُزول : یہ آیت ایک جماعتِ منافقین کے حق میں نازِل ہوئی جنھوں نے مسجدِ قُبا کو نقصان پہنچانے اور اس کی جماعت متفرق کرنے کے لئے اس کے قریب ایک مسجد بنائی تھی ۔ اس میں ایک بڑی چال تھی وہ یہ کہ ابو عامر جو زمانِ جاہلیت میں نصرانی راہب ہو گیا تھا، سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

مدینۂ طیّبہ تشریف لانے پر حضور سے کہنے لگا یہ کون سا دین ہے جو آپ لائے ہیں، حضور نے فرمایا میں ملّتِ حنیفیہ ، دینِ ابراہیم لایا ہوں، کہنے لگا میں اسی دین پر ہوں، حضور نے فرمایا نہیں، اس نے کہا کہ آپ نے اس میں کچھ اور ملا دیا ہے، حضور نے فرمایا نہیں، میں خالص، صاف ملّت لایا ہوں۔ ابو عامر نے کہا ہم میں سے جو جھوٹا ہو اللہ اس کو مسافرت میں تنہا اور بیکس کرکے ہلاک کرے، حضور نے آمین فرمایا۔

لوگوں نے اس کا نام ابو عامر فاسق رکھ دیا، روزِ اُحد ابو عامر فاسق نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ جہاں کہیں کوئی قوم آپ سے جنگ کرنے والی ملے گی میں اس کے ساتھ ہو کر آپ سے جنگ کروں گا چنانچہ جنگِ حنین تک اس کا یہی معمول رہا اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مصروفِ جنگ رہا، جب ہوازن کو شکست ہوئی اور وہ مایوس ہو کر مُلکِ شام کی طرف بھاگا تو اس نے منافقین کو خبر بھیجی کہ تم سے جو سامانِ جنگ ہو سکے قوت وسلاح سب جمع کرو اور میرے لئے ایک مسجد بناؤ، میں شاہِ روم کے پاس جاتا ہوں وہاں سے رومی لشکر لے کر آؤں گا اور (سیدِ عالَم) محمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے اصحاب کو نکالوں گا۔ یہ خبر پا کر ان لوگوں نے مسجدِ ضرار بنائی تھی اور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تھا یہ مسجد ہم نے آسانی کے لئے بنا دی ہے کہ جو لوگ بوڑھے، ضعیف، کمزور ہیں وہ اس میں بہ فراغت نماز پڑھ لیا کریں، آپ اس میں ایک نماز پڑھ دیجئے اور برکت کی دعا فرما دیجئے۔ حضور نے فرمایا کہ اب تو

میں سفر تبوک کے لئے پا بہ رکاب ہوں، واپسی پر اللہ کی مرضی ہوگی تو وہاں نماز پڑھ لوں گا جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس ہو کر مدینہ شریف کے قریب ایک موضع میں ٹھہرے تو منافقین نے آپ سے درخواست کی کہ ان کی مسجد میں تشریف لے چلیں۔ اس پر یہ آیت نازِل ہوئی اور ان کے فاسد ارادوں کا اظہار فرمایا گیا تب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض اصحاب کو حکم دیا کہ اس مسجد کو جا کر ڈھا دیں اور جلا دیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ابو عامر راہب مُلکِ شام میں بحالتِ سفر بے کسی و تنہائی میں ہلاک ہوا۔

(ف243)

مسجدِ قُبا والوں کے۔

(ف244)

کہ وہاں خدا اور رسول کے ساتھ کُفر کریں اور نِفاق کو قوت دیں۔

(ف245)

جو مسجدِ قُبا میں نماز کے لئے مجتمع ہوتے ہیں۔

(ف246)

یعنی ابو عامر راہب۔

سورت التوبہ آیت نمبر 107 کنزالایمان بمعہ تفسیر خزائن العرفان

الحمدُ للہِ ربِ العالمین

سورۂ فاتحہ کے اسماء،

اس سورۃ کے متعدد نام ہیں ۔ فاتحہ، فاتحۃ الکتاب، اُمُّ القرآن، سورۃ الکنز، کافیۃ، وافیۃ، شافیۃ، شفا، سبع مثانی، نور، رقیۃ، سورۃ الحمد، سورۃ الدعا، تعلیم المسئلہ، سورۃ المناجاۃ، سورۃ التفویض، سورۃ السوال، اُمُّ الکتاب، فاتحۃ القرآن، سورۃ الصلوۃ۔ اس سورۃ میں سات آیتیں ستائیس کلمے ایک سو چالیس حرف ہیں کوئی آیت ناسخ یا منسوخ نہیں ۔

شانِ نُزول : یہ سورۃ مکّہ مکرّمہ یا مدینہ منوّرہ یا دونوں میں نازل ہوئی ۔ عمرو بن شر جیل سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا میں ایک ندا سنا کرتا ہوں جس میں اِقْرَاْ کہا جاتا ہے، ورقہ بن نوفل کو خبر دی گئی عرض کیا، جب یہ ندا آئے آپ باطمینان سنیں، اس کے بعد حضرت جبریل نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا فرمایئے '' بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ '' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نُزول میں یہ پہلی سورت ہے مگر دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سورۂ اِقْرَاْ نازل ہوئی ۔ اس سورت میں تعلیماً بندوں کی زبان میں کلام فرمایا گیا ہے ۔

احکام

مسئلہ : نماز میں اس سورت کا پڑھنا واجب ہے امام و منفرد کے لئے تو حقیقتاً اپنی زبان سے اور مقتدی کے لئے بقراتِ حکمیہ یعنی امام کی زبان سے۔ صحیح حدیث میں ہے '' قِرَاءۃُ الِامَامِ لَہٗ قِرَاءۃٌ'' امام کا پڑھنا ہی مقتدی کا پڑھنا ہے۔ قرآنِ پاک میں مقتدی کو خاموش رہنے اور امام کی قرأت سننے کا حکم دیا ہے۔'' اِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْالَہٗ وَ اَنْصِتُوْا''۔ مسلم شریف کی حدیث ہے '' اِذَا قَرَا فَاَنْصِتُوْا'' جب امام قرات کرے تم خاموش رہو اور بہت احادیث میں یہی مضمون ہے۔

مسئلہ : نمازِ جنازہ میں دعا یاد نہ ہو تو سورۃ فاتحہ بہ نیتِ دعا پڑھنا جائز ہے، بہ نیتِ قرات (جائز نہیں (عالمگیری

: سورۃ فاتحہ کے فضائل

احادیث میں اس سورہ کی بہت سے فضیلتیں وارد ہیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا توریت و انجیل و زبور میں اس کی مثل سورت نہ نازل ہوئی۔

ترمذی) ایک فرشتہ نے آسمان سے نازل ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام) عرض کیا اور دو ایسے نوروں کی بشارت دی جو حضور سے پہلے کسی نبی کو

عطا نہ ہوئے، ایک سورۂ فاتحہ، دوسرے سورۂ بقر کی آخری آیتیں۔ (مسلم شریف)

(سورۂ فاتحہ ہر مرض کے لئے شفا ہے۔ (دارمی)

(سورۂ فاتحہ سو مرتبہ پڑھ کر جو دعا مانگے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ (دارمی)

استعاذہ

(مسئلہ: تلاوت سے پہلے '' اَعُوْذُ بِاللہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیم '' پڑھنا سنت ہے۔ (خازن

(لیکن شاگرد استاد سے پڑھتا ہو تو اس کے لئے سنت نہیں۔ (شامی

مسئلہ: نماز میں امام و منفرد کے لئے سبحان سے فارغ ہو کر آہستہ اعوذ الخ پڑھنا سنت

(ہے۔ (شامی

التسمیہ

مسئلہ: '' بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم '' قرآنِ پاک کی آیت ہے مگر سورۂ فاتحہ یا اور کسی سورہ کا جزو نہیں اسی لئے نماز میں جہر کے ساتھ نہ پڑھی جائے۔ بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز '' اَلْحَمْدُ لِلہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ '' سے شروع فرماتے تھے۔

مسئلہ : تراویح میں جو ختم کیا جاتا ہے اس میں کہیں ایک مرتبہ بسم اللّٰہ جہر کے ساتھ ضرور پڑھی جائے تاکہ ایک آیت باقی نہ رہ جائے۔

مسئلہ : قرآنِ پاک کی ہر سورت بسم اللہ سے شروع کی جائے سوائے سورۂ برات کے۔

مسئلہ : سورۂ نمل میں آیتِ سجدہ کے بعد جو بسم اللہ آئی ہے وہ مستقل آیت نہیں بلکہ جزوِ آیت ہے بلا خلاف اس آیت کے ساتھ ضرور پڑھی جائے گی، نماز جہری میں جہراً سری میں سراً۔

مسئلہ : ہر مباح کام بسم اللہ سے شروع کرنا مستحب ہے ناجائز کام پر بسم اللہ پڑھنا ممنوع ہے۔

: سورۂ فاتحہ کے مضامین

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، ربوبیت، رحمت، مالکیت، استحقاقِ عبادت، توفیقِ خیر، بندوں کی ہدایت، توجہ الی اللہ، اختصاصِ عبادت، استعانت، طلبِ رُشد، آدابِ دعا، صالحین کے حال سے موافقت، گمراہوں سے اجتناب و نفرت، دنیا کی زندگانی کا خاتمہ، جزاء اور روزِ جزاء کا مُصرَّح و مُفصَّل بیان ہے اور جملہ مسائل کا اجمالاً۔

حمد

مسئلہ : ہر کام کی ابتداء میں تسمیہ کی طرح حمدِ الٰہی بجالانا چاہیئے۔

مسئلہ : کبھی حمد واجب ہوتی ہے جیسے خطبۂ جمعہ میں، کبھی مستحب جیسے خطبۂ نکاح و دعا و ہر امرِ ذیشان میں اور ہر کھانے پینے کے بعد، کبھی سنّتِ مؤکّدہ جیسے چھینک آنے کے بعد (طحطاوی)۔

رَبُّ الْعَالَمِيْنَ '' میں تمام کائنات کے حادث، ممکن، محتاج ہونے اور اللہ تعالیٰ کے '' واجب، قدیم، ازلی، ابدی، حی، قیوم، قادر، علیم ہونے کی طرف اشارہ ہے جن کو ربُّ العالمین مستلزم ہے۔ دو لفظوں میں علمِ الٰہیات کے اہم مباحث طے ہو گئے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ '' ملک کے ظہورِ تام کا بیان اور یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا '' کوئی مستحقِ عبادت نہیں کیونکہ سب اس کے مملوک ہیں اور مملوک مستحقِ عبادت نہیں ہو سکتا۔ اسی سے معلوم ہوا کہ دنیا دار العمل ہے اور اس کے لئے ایک آخر ہے۔ جہان کے سلسلہ کو ازلی و قدیم کہنا باطل ہے۔ اختتامِ دنیا کے بعد ایک جزاء کا دن ہے اس سے تناسخ باطل ہو گیا۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ '' ذکر ذات و صفات کے بعد یہ فرمانا اشارہ کرتا ہے کہ اعتقاد عمل پر '' مقدّم ہے اور عبادت کی مقبولیت عقیدے کی صحت پر موقوف ہے۔

مسئلہ : '' نَعۡبُدُ '' کے صیغۂ جمع سے ادا بجماعت بھی مستفاد ہوتی ہے اور یہ بھی کہ عوام کی عبادتیں محبوبوں اور مقبولوں کی عبادتوں کے ساتھ درجۂ قبول پاتی ہیں۔

مسئلہ : اس میں ردِّ شرک بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کسی کے لئے نہیں ہو سکتی

۔

وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ '' میں یہ تعلیم فرمائی کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہر '' طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، حقیقی مستعان وہی ہے باقی آلات و خدام واحباب وغیرہ سب عونِ الٰہی کے مَظۡہَر ہیں، بندے کو چاہئے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دستِ قدرت کو کارکن دیکھے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء وانبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے عقیدہ باطلہ ہے کیونکہ مقربانِ حق کی امداد امدادِ الٰہی ہے استعانت بالغیر نہیں، اگر اس آیت کے وہ معنی ہوتے جو نجدیوں نے سمجھے تو قرآنِ پاک میں '' اَعِیۡنُوۡنِیۡ بِقُوَّۃٍ'' اور '' اِسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ'' کیوں وارد ہوتا اور احادیث میں اہلُ اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی ۔

اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ '' معرفتِ ذات و صفات کے بعد عبادت، اس کے بعد دعا '' تعلیم فرمائی اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ بندے کو عبادت کے بعد مشغولِ دعا ہونا چاہئے۔ حدیث شریف میں بھی نماز کے بعد دعا کی تعلیم

فرمائی گئی ہے۔ (الطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی السنن)۔

صراطِ مستقیم سے مراد اسلام یا قرآن یا خُلقِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضور کے آل واصحاب ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صراطِ مستقیم طریق اہلِ سنت ہے جو اہلِ بیت واصحاب اور سنّت وقرآن و سوادِ اعظم سب کو مانتے ہیں۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ'' جملہ اُولیٰ کی تفسیر ہے کہ صراطِ مستقیم سے طریقِ مسلمین'' مراد ہے، اس سے بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں کہ جن امور پر بزرگانِ دین کا عمل رہا ہو وہ صراطِ مستقیم میں داخل ہے۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ '' اس میں ہدایت ہے کہ مسئلہ طالبِ حق کو '' دشمنانِ خدا سے اجتناب اور ان کے راہ و رسم، وضع واطوار سے پرہیز لازم ہے۔

ترمذی کی روایت ہے کہ '' مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ'' سے یہود اور '' ضَآلِّیْنَ '' سے نصاریٰ مراد ہیں۔

(مسئلہ : جو شخص ضاد کی جگہ ظا پڑھے اس کی امامت جائز نہیں۔ (محیطِ برہانی

آمِیْنَ'' اس کے معنی ہیں ایسا ہی کر یا قبول فرما۔ ''

مسئلہ : یہ کلمۂ قرآن نہیں۔

مسئلہ : سورۂ فاتحہ کے ختم پر آمین کہنا سنت ہے، نماز کے اندر بھی اور

نماز کے باہر بھی۔

مسئلہ : حضرت امامِ اعظم کا مذہب یہ ہے کہ نماز میں آمین اخفاء کے ساتھ یعنی آہستہ کہی جائے،

تفسیر نورالعرفان سے ماخوذ

اسمِ اعظم تمام مُشکلات کا بہترین حل

محترم قارئین سلام

اکثر لوگ جب حد سے زیادہ پریشان ہو جاتے ہیں تب وہ اسم اعظم معلوم کرنا چاہتے ہیں تاکہ اُس اسم اعظم کے ذریعے سے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دُعا کریں۔ اور اُنکی تمام دُعائیں قبول ہوں اور جب ہم اسمِ اعظم کی تلاش میں مضامینِ اسم اعظم کا مطالعہ کرتے ہیں تو بیشمار اسمِ الٰہیہ ہمیں نظر آتے ہیں جو صحیح اسناد کیساتھ اور احادیث کا حوالہ لئے ہوتی ہیں لیکن کسی ایک اسمِ الٰہی پر علما کرام کا اجماع نظر نہیں آتا اِس صورتحال کا تذکرہ میں نے اپنے اساتذہ سے کیا تو میری رہنمائی کی خاطر اُنہوں نے مجھے علم الاعداد کے ذریعے اپنے نام کے مطابق اسمِ اعظم نکالنے کا طریقہ تجویز کیا جب میں نے خود اِسے آزمایا تو مجرب و باکمال پایا لہٰذا ایک عرصے سے اِس کے کمالات کا مُشاہدہ کر رہا ہوں اور جو لوگ روحانی علاج کی خاطر میرے پاس آتے ہیں اُنہیں بھی روحانی علاج کیساتھ اُنکے نام کے مطابق اسمِ اعظم تجویز کر دیتا ہوں یوں تو اللہ عزوجل کے ہر اسم کی برکتیں بیشمار اور بے حساب ہیں۔ لیکن جب ہم اِنہیں اپنے نام کے مطابق ایک خاص تعداد مُتعین کر کے پڑھتے ہیں تو یہی اسم خاص اسمِ اعظم کا کام دیتا ہے۔ لہٰذا میں نے حصولِ ثواب کی خاطر مُناسب

جانا کہ اسے سلیس انداز میں آپکے سامنے پیش کروں اور پریشان حال لوگوں کی دُعا پاؤں۔

اور اللہ ہی کے ہیں بہت اچھے نام تو اسے ان سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں حق سے نکلتے ہیں وہ جلد اپنا کیا پائیں گے

سورت الاعراف آیت ۱۸۰۔

حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام جس کسی نے یاد کر لئے جنّتی ہوا۔ عُلَماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اسمائے اِلٰہیہ ننانوے میں مُنحصَر نہیں ہیں۔ حدیث کا مقصود صرف یہ ہے کہ اتنے ناموں کے یاد کرنے سے انسان جنّتی ہو جاتا ہے۔

شانِ نُزول : ابو جہل نے کہا تھا کہ محمّد (مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دعوی تو یہ ہے کہ وہ ایک پروردگار کی عبادت کرتے ہیں پھر وہ اللہ اور رحمٰن دو کو کیوں پکارتے ہیں؟ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازِل ہوئی اور اس جاہِل بے خِرَد کو بتایا گیا کہ معبود تو ایک ہی ہے نام اس کے بہت ہیں۔

تفسیر خزائنُ العرفان

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالی عنہما) نے یوں دُعا مانگی اللھمہ انی ادعوکَاللہُ و ادعوک الرَّحمٰنُ و ادعوک البرُ الرَّحیِمُ و ادعوک بِاسمائک الحسنٰی کلھا ماعلمتُ منھا ومالم اعلمُ ان تغفرلی وترحمنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سُن کر ارشاد فرمایا کہ اس میں (اسمِ اعظم) ہے۔۔۔ ابنِ ماجہ۔۔۔

ایک مرتبہ پیارے آقا علیہ السلام نے ایک شخص کو یوں کہتے سُنا۔ اللھمَ اِنی اسئلُک بِاِنی اشھَدُ انک انت اللہُ لا الہَ الا انتَ الاحدُ الصمَدُ الذی لم یلد ولم یُولَد ولَم یَکن لہ کُفُواحد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا خدا کی قسم تو نے اللہ تعالی سے وہ اسمِ اعظم لے کر سُوال کیا ہے کہ جب اُس سے سوال کیا جاتا ہے اللہ تعالی عطا کرتا ہے اور جب اُس سے دُعا کی جاتی ہے قبول فرماتا ہے

حوالہ احمد۔ ابنِ ابی شیبہ۔ ابو داود۔ ترمذی۔ ابنِ ماجہ

حروف --- ا- ب- ج- د- ھ- و- ز- ح- ط- ی- ک- ل- م- ن

عدد--- 1 - 2 - 3 - 4 - 5 - 6 - 7 - 8 - 9 - 10 - 20 - 30 - 40 - 50

- حروف -- س- ع- ف- ص- ق- ر- ش- ت- ث- خ- ذ- ض- ظ- غ

عدد– 60 -70 - 80 -90 -100 -200 -300 -400 -500 -600 -

700 -800 -900 -1000

لہذا میں اپنی جانب سے خلوص دل کیساتھ کوشش کرونگا کہ آپکو بھی اپنے نام کا اسم اعظم نکالنے کا طریقہ سمجھا پاؤں اور اگر پھر بھی آپ ناکام رہیں تو مجھے اس ایڈریس پر میسج کیجیے گا انشاللہ کوشش کروں گا کہ آپکی مُعاونت کرسکوں

http://www.facebook.com/ishratiqbal.warsi

مثال کے طور پر ہم اطہر کا اسم اعظم بنانا سیکھتے ہیں اطہر میں چار حرف ہیں

(ا۔ ط۔ ہ۔ ر) جسکی عددی قیمت مندرجہ بالا چارٹ سے یہ نکلی)

1+9+5+200 = 215

الف کا 1 ط کے 9 ھ کے 5 اور ر کے 200 ان سب کو جمع کیا تو جواب ملا 215

اب ہمیں اسمائے حُسنیٰ میں سے ایسا اسمِ الٰہی چاہیے جسکے عدد دو سو پندرہ ہوں اور اگر کوئی ایسا اسمِ باری نہ ملے تو ایک سے زائد اسمِ باری کو ملالیں جیسے ایک اسمِ الٰہی اللہ جسکے عدد ہیں 66

معطی جسکے عدد ہیں 129

ہادی جسکے عدد ہیں 20

ان تمام اعداد کو جمع

کیا تو حاصل عدد ہِلا 215

اسکو دو گنی تعداد یعنی 430 مرتبہ پڑھیں

(یا اللہُ یا معطیُ یا ھادِیُ)

تو یہ انشا اللہ اطہر کیلیۓ اسمِ اعظم کا کام دیگا

اپنے معمولات زندگی میں سے کچھ وقت اسمِ اعظم پڑھنے کیلیۓ متعین کرلیں اور اُس وقت کی پابندی کریں انشاء اللہ زندگی سہل ہو جائیگی اور تمام امور خود بَخود بہتر طریقے سے انجام پانے لگیں گے اس طریقے سے فائدہ اُٹھانے کی ہر مسلمان کو اجازت ہے جسکے دِل میں انبیاء کرام علیہ السلام صحابہ کرام رضوانُ اللہِ تعالٰی اجمعین اور اولیائے عظام کی محبت موجود ہو

نوٹ اسمِ اعظم شروع کرنے سے قبل اگر کوئی یتیم بچہ میسر آجائے تو اُسکی خیر خواہی فرما دیں اور اگر ایسا بچہ نہ ملے تو بُزرگانِ دین کی فاتحہ کا اہتمام کرلیں والسلام

عاشق اور مُنافق کی پہچان

محترم قارئین سلام

عشق بھی کیا عجب شے ہے کہ جس سے عشق ہو جائے اُسکی ہر اَدا بھلی لگتی ہے عاشق اپنے محبوب کی ہر اَدا کا دیوانہ ہوتا ہے۔ محبوب کا چلنا۔ پھرنا سونا ۔ جاگنا۔ باتیں کرنا۔ دورانِ گفتگو ہاتھوں کا جُنبش کرنا۔ گیسو کا سنوارنا۔ ناخن کا تراشنا۔ جوتے پہننے کا انداز ہو۔ یا استراحت کا طریقہ ۔اُسے ہر بات اپنے محبوب کی دُنیا والوں سے جُدا لگتی ہے جو عاشق کے سامنے اُسکے محبوب کی تعریف کرے یا اُسکے محبوب سے عقیدت اور مُحبت رکھے عاشق اُس سے بھی مُحبت کرنے لگتا ہے

اور مُنافق کی پہچان ہے کہ وہ اپنے سوا کسی کو دُنیا میں احترام کے قابل جانتا ہی نہیں وہ اگر کسی کے سامنے حالات اور واقعات سے مجبور ہو کر کسی کی رائے کا احترام کر بھی لے یا کسی کے سامنے اُسکی تعریف کر بھی دے چاہے وہ اُسکا حقیقی حقدار بھی ہو لیکن مُنافق اپنے دِل سے اُس قابل احترام شخصیت کی قدر نہیں کرتا بلکہ مارے حسد کے کہ کیوں لوگ کسی کو اِتنا زیادہ پیار اور مان دیتے ہیں اِن سِفلی جذبات کی وجہ سے مُنافق اپنے دِل میں حسد اور بغض جیسے جذبات کو پروان چڑھاتا رہتا ہے اور ہلاکت کے عمیق گڑھے میں گرتا

ہی چلا جاتا ہے۔

قارئین کرام یہ تمام معاملات دُنیاداری کی حدتک بھی کسی ذی ہوش کو قابل قبول نہیں ہونگے اور جب یہ معاملات کسی عام اِنسان کے مُتعلق پسندیدہ نہیں تو پھر یہ سوچ اُس مُتبرک ہستی کیلئے کیسے قابل قبول ہو سکتی ہیں جن کہ مُتعلق حدیث قُدسی میں رب عزوجل اِرشاد فرمادے

لو لاک لما خلقت الارض لو لاک لما خلقت الافلاک

مفہوم، اے محبوب آپکے اظہار کے لئے ہی آسمان اور زمین کو تخلیق کیا

رب کے پیغامِ لولاک میں ہے پنہاں اُسکے محبوب کی عظمتوں کے نِشاں

یہ ستارے، یہ تارے، زمیں، کہکشاں، فلک شمسُ و قمر اور یہ سارا جہاں

آپ ہی پہ فِدا ویلکم ویلکم ،آگئے مصطفٰے ویلکم ویلکم

اور سورۃ الحجرات کی ابتدا ہی محبوبِ خُدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ادب سکھانے سے ہوتی ہے

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو (ف ۲) اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سنتا جانتا ہے

اے ایمان والوں اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے (ف
اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے (۳
(ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہوجائیں اور تمہیں خبر نہ ہو (ف ۴
بیشک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس (ف۵) وہ ہیں جن کا دل
اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے
(بیشک وہ جو تمہیں حُجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں (ف۶
سورۃ الحجرات آیت ایک تا چار
تفسیر نورالعرفان
یعنی تمہیں لازم ہے کہ اصلاً تم سے تقدیم واقع نہ ہو، نہ قول میں، نہ فعل میں کہ تقدیم کرنا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب و احترام کے خلاف ہے بارگاہِ رسالت میں نیاز مندی و آداب لازم ہیں۔

شانِ نزول: چند شخصوں نے عیدالضحیٰ کے دن سیّدِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے قربانی کرلی تو ان کو حکم دیا گیا کہ دوبارہ قربانی کریں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ بعضے لوگ رمضان سے ایک روز پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کردیتے تھے، ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ روزہ رکھنے میں اپنے (نبی سے تقدم نہ کرو۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یعنی جب حضور کی بارگاہ میں کچھ عرض کرو تو آہستہ پست آواز سے عرض کرو، یہی دربارِ رسالت کا ادب واحترام ہے۔

(ف 4)

اس آیت میں حضور کا اجلال واکرام وادب واحترام تعلیم فرمایا گیا اور حکم دیا گیا کہ ندا کرنے میں ادب کا پورا لحاظ رکھیں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہیں اس طرح نہ پکاریں بلکہ کلماتِ ادب و تعظیم و توصیف وتکریم والقابِ عظمت کے ساتھ عرض کرو جو عرض کرنا ہو کہ ترکِ ادب سے نیکیوں کے برباد ہونے کا اندیشہ ہے۔

شانِ نزول: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت

ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی انہیں ثقلِ سماعت تھا اور آواز ان کی اونچی تھی، بات کرنے میں آواز بلند ہوجایا کرتی تھی، جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور کہنے لگے کہ میں اہلِ نار سے ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد سے ان کا حال دریافت فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ وہ میرے پڑوسی ہیں اور میرے علم میں انہیں کوئی بیماری تو نہیں ہوئی، پھر آ کر حضرت ثابت سے اس کا ذکر کیا، ثابت نے کہا، یہ آیت نازل ہوئی اور تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ بلند آواز ہوں تو میں جہنمی ہوگیا، حضرت سعد نے یہ حال خدمتِ اقدس میں عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اہلِ جنّت سے ہیں۔

براہِ ادب و تعظیم۔

شانِ نزول : آیہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بعض اور صحابہ نے بہت احتیاط لازم کرلی اور خدمتِ اقدس میں بہت ہی پست آواز سے عرض معروض کرتے ۔ ان حضرات کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

(ف 6)

شانِ نزول : یہ آیت وفدِ بنی تمیم کے حق میں نازل ہوئی کہ رسولِ کریم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دوپہر کے وقت پہنچے جب کہ حضور آرام فرما رہے تھے ان لوگوں نے حجروں کے باہر سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارنا شروع کیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے، ان لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور اجلالِ شانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان فرمایا گیا کہ بارگاہِ اقدس میں اس طرح پکارنا جہل و بے عقلی ہے اور ان لوگوں کو ادب کی تلقین کی گئی۔

عاشق اور مُنافق۔

تفسیر نورالعرفان سورۃ الحجرات آیت نمبر ۹

شانِ نزول: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دراز گوش پر سوار تشریف لے جاتے تھے، انصار کی مجلس پر گزر ہوا، وہاں تھوڑا سا توقف فرمایا، اس جگہ دراز گوش نے پیشاب کیا تو عبداللہ ابنِ اُبَیّ نے ناک بند کر لی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دراز گوش کا پیشاب تیرے مشک سے بہتر خوشبو رکھتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تشریف لے گئے، ان دونوں میں بات بڑھ گئی اور ان دونوں کی قومیں آپس میں لڑ گئیں اور ہاتھا پائی تک نوبت پہنچی تو سیّدِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے اور ان میں صلح کرا دی اس معاملہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ عشق بھی عجب ہے، ہے نِفاق بھی جُدا سا
اِک عرش کا ہے راہی دوجا سفر، سقر، کا

ہر ایک اپنے ظرف کے مطابق مانگ رہا ہے

میں نے فقیر (گداگر) کو دیکھا جو ہر جانے آنے والے سے ایک روپیہ کا سوال کر رہا تھا میں نے بابو صاحب (کلرک) کو دیکھا جو اکثر منیجر بننے کی خواہش کا اظہار کرتا نظر آتا ہے میں نے ایک ایسا دوکاندار بھی دیکھا جسے چھپن کروڑ کی چوتھائی درکار تھی اور اُسے وہ مِل بھی گئی ہر ایک مانگنے والا اپنے حساب سے مانگ رہا ہے جو ناظم ہے وہ ایم پی اے بننا چاہتا ہے ایم پی اے صوبائی وزیر کی دوڑ میں شامل ہے۔ ایم این اے وزارت عظمیٰ کا طلبگار ہے۔ مانگ تو ہر ایک ہی رہا ہے مگر دُنیا مانگ رہا ہے ایک محدود تعداد کے علاوہ کون ہے جو رات دن دامنِ مصطفےٰ مانگ رہا ہو ایمان پر خاتمہ کی دُعا مانگ رہا ہو قبر میں رُخِ مصطفےٰ کا تمنائی ہو حشر میں سایہ لوائے حمد مانگ رہا ہو رضائے خُدا مانگ رہا ہو رضائے محمد مانگ رہا ہو (عزوجل و صلی اللہ علیہ رآلہ وسلم) مانگنا ہی ہے تو وہ مانگو جسے مانگنے کے بعد کسی شے کی حاجت نہ رہے مدینہ مانگو بقیع مانگو دیدار کعبہ مانگو گنبد خضریٰ کے جلوے مانگو دُنیا بھی کوئی مانگنے کی شے ہے کہ سوھنے مصطفےٰ کا فرمانِ عبرت نشان ہے مفہوم دُنیا مُردار ہے اور اِسکا چاہنے والا کتا ہے۔ کیا کبھی کسی قیدی کو قفس کے لئے دُعا کرتے دیکھا ہے

ٹپک پڑتا ہے رہ رہ کر قلم کی آنکھ سے آنسو
قفس میں بیٹھ کر جب آشیاں تحریر کرتے ہیں

ایک حدیثِ پاک کا مفہوم ہے دُنیا مومن کیلئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت ہے لیکن اس کا مطب یہ ہر گز نہیں کہ ہم اپنی ذمہ داریوں سے منہ چُرائیں رہبانیت کی راہ پر چل پڑیں صرف کہنا یہ چاہتا ہوں کے اپنی زندگیوں کو اللہ عزوجل اور اُسکے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی کے مطابق گزارنے کی کوشش کریں تو انشاءاللہ ہمارے گھر میں ہمارے کاموں میں ہمارے وقت میں برکتیں ہو جائیں اور اگر تنگدستی
گھروں کا رُخ کرلے تو صدقات کی جانب توجہ بڑھائیں انشاءاللہ کشادگی ہو جائیگی دیکھنے میں آیا ہے کہ جب تنگدستی آتی ہے تو لوگ صدقات بھی روک لیتے ہیں کہ بجٹ مُتاثر نہ ہو جائے جبکہ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ خیرات و صدقات بڑھا دیتے تاکہ تنگی سے نجات ملے کیونکہ اللہ عزوجل قُرآن پاک میں اِرشاد فرما رہا ہے
ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں (ف۵۴۷) اُس دانہ کی طرح جس نے اوگائیں سات بالیں (ف۵۴۸) ہر بال میں سو دانے (ف۵۴۹) اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لئے چاہے اور اللّٰہ وسعت والا علم والا ہے

سورۃ البقرہ آیت نمبر 261

(ف547)

خواہ خرچ کرنا واجب ہو یا نفل تمام ابواب خیر کو عام ہے خواہ کسی طالب علم کو کتاب خرید کر دی جائے یا کوئی شِفا خانہ بنا دیا جائے یا اموات کے ایصال ثواب کے لئے تیجہ دسویں بیسویں چالیسویں کے طریقہ پر مساکین کو کھانا کھلایا جائے۔

(ف548)

اگانے والا حقیقت میں اللہ ہی ہے دانہ کی طرف اس کی نسبت مجازی ہے

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اسناد مجازی جائز ہے جب کہ اسناد کرنے والا غیر خدا کو مستقل فی التصرف اعتقاد نہ کرتا ہو اسی لئے یہ کہنا جائز ہے کہ یہ دوا نافع ہے، یہ مضر ہے، یہ درد کی دافع ہے، ماں باپ نے پالا عالم نے گمراہی سے بچایا،بزرگوں نے حاجت روائی کی وغیرہ سب میں اسناد مجازی اور مسلمان کے اعتقاد میں فاعل حقیقی صرف اللہ تعالٰی ہے باقی سب وسائل۔

(ف549)

تو ایک دانہ کے سات سو دانے ہوگئے اسی طرح راہِ خدا میں خرچ کرنے سے سات سو گناہ اجر ہو جاتا ہے۔

ہمارے ہاں ایک کہاوت مشہور ہے کہ جو دُنیا میں راہ خدا میں ایک خرچ کرتا ہے

اُسے دس دُنیا میں اور ستر آخرت میں ملتے ہیں اُن احباب کی توجہ اِس آیت مُبارکہ کی جانب مبذول کروانا چاھتا ہوں کہ رب عزوجل تو ایک کے بدلے سات سو یا اُس سے بھی زیادہ دینا چاہتا ہے ایک ہم ہیں کہ دس گُنا سے آگے سوچتے ہی نہیں۔

اُسکے تو عام ہیں الطاف۔ شہیدی۔ سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا
اے طائر لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

مزدوروں کا سب سے بڑا دُشمن؟

محترم قارئین السلامُ علیکم

کل ہمارے بہت پیارے دوست مُحترم فخرُالدین بھٹی صاحب جو علاقائی ناظم بھی ہیں اور اپنے علاقے کی ہردِلعزیز شخصیت بھی لوگوں کے کام آنے کو عبادت سے تعبیر کرتے ہیں میں جب اُنہیں دیکھتا ہوں تو دِل خُوش ہوجاتا ہے کہ ایسے لوگ نایاب اور ناپید ہوتے جاتے ہیں کل رات مجھ سے ملنے فیکٹری آئے تو موضوع غریبی اور مزدوروں کی حالت زار تھا ہم نے اُن سے ایک سُوال کیا فخر بھائی یہ تو بتائیں کہ آپکی نظر میں مَزدوروں کا سب سے بڑا دُشمن کُون ہی۔

وہ کچھ دیر سوچتے رہے پھر کہنے لگے میرے خیال میں ٹھیکیدار ہی مزدور کا دُشمن ہے اُنکے ساتھ ایک معروف اخبار کے صحافی بھی تشریف لائے تھے میں نے یہی سُوال اُن سے بھی پوچھا وہ کہنے لگے میرے خیال میں استحصالی نظام ہی مزدوروں کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ میں دونوں حضرات کے خیالات سُن کر بولا مجھے آپ دونوں حضرات کی آرا سے اتِفاق ہے بیشک یہ دونوں بھی مزدور کے دُشمن ہیں لیکن سب سے بڑے دُشمن نہیں۔

اِس پر فخر بھائی بڑے تحمُل سے بولے عشرت بھائی آپکے خیال میں مزدوروں کا

سب سے بڑا دُشمن کون ہے جب میں نے جواب دیا تو وہ دونوں اِحباب اپنی کرسیوں سے اُچھل پڑے اور مجھ سے میرے جواب کی توجہیہ طلب کی تب میں نے اُنہیں ایک واقعہ سُنایا جسے سُن کر یہ دونوں حضرات تو مطمئین ہوگئے آپکی آرا کا مُنتظر رہوں گا۔

یہ واقعہ ۱۹۹۳ کا ہے ابا جان نے ایک نئ فیکٹری خریدی تھی جس کی مینجمنٹ اور پرچیزنگ کا شعبہ مجھے دیا گیا اور دوسرے انتظامی امور سنبھالنے کیلئے میرے چھوٹے بھائی کو چُنا گیا کچھ ہی عرصہ کے بعد پرچیزنگ کے سلسلے میں مجھے پنجاب اور سندھ کے دورے پر جانا پڑا جب میں اسی سلسلے میں بدین کے نزدیک شہر گولارچی پہنچا جسے فاضل راہو شہید کے نام سے بھی پہچانا جاتا ہے۔

مجھے وہاں جس بات نے سب سے زیادہ مُتاثر کیا وہ مزدوروں کی قابلِ رشک اُجرت تھی پنجاب اور سندھ کے تقریباً شہروں میں اُس وقت فی نگ کی مزدوری ایک روپیہ تھی جبکہ گولارچی میں اُس وقت فی نگ مزدوری پانچ روپیہ تھی سرمایہ داروں نے کوشش کی کہ مزدور یا تو مزدوری کم کردیں ورنہ مزدور دوسرے شہر سے لائے جائیں لیکن وہاں کے مزدوروں کے باہمی اتحاد اور اتفاق کی وجہ سے سرمایہ داروں کو مزدوروں کے آگے گھٹنے ٹیکنے پڑے اور مزدورں کو فتح حاصل ہوئی میں جب اپنے شہر واپس آیا تب سوچنے لگا کہ اگر یہی مزدوری میرے شہر کے

مزدوروں کو بھی حاصل ہو جائے تو اُنکی زندگی بھی آسودہ ہو سکتی ہے

لہٰذا چند دِنوں بعد میں نے اپنی فیکٹری کے مُلازمین کو جمع کیا اور اُنہیں تمام حالات بھی بتائے کہ اگر آپ لوگ بھی کوشش کریں اور اتفاق اور اتحاد کا عملی مظاہرہ اور حکمت عملی سے کام لیں اور اپنے میں سے قابل لوگوں کو چُن کر اپنے مطالبات فیکٹری مالکان کے سامنے رکھیں تو کوئی بعید نہیں کہ آپکا اتحاد سرمایہ دار طبقے کو جھکنے پر مجبور نہ کر دے کیونکہ آپکی اجرت پانچ گُنا بڑھنے کا اثر نہ ہی فیکٹری مالکان کی جیب پر پڑیگا اور نہ ہی اسکا بہت زیادہ اثر عوام پر پڑتا ہے یہ خرچہ لاگت میں جاتا جسکی مثال میں نے یوں دی کہ اگر ۵۰ کلو کے ایک بیگ کی مزدوری ایک روپیہ ہے اس طرح فی کلو مزدوری دو پیسہ آتی ہے اور اگر یہی مزدوری فی بیگ پانچ روپیہ ہو تو فی کلو مزدوری دس پیسے آئیگی اس طرح آٹھ پیسے فی کلو مزدوری زیادہ پڑے گی جہاں فیکٹری مالکان فی کلو پرافٹ ایک روپیہ تک رکھتے ہیں تو کیا غریب مزدور جو اپنے خون پسینے سے ان اشیا کو تیار کرتا ہے کیا وہ دس پیسہ کا بھی حقدار نہیں ؟

ان تمام باتوں کو بیان کر کے میں نے اُن مزدوروں سے یہ بھی التجا کی کہ میرا نام اِس معاملے میں نہ لیجئے گا ورنہ تمام فیکٹری مالکان میری جان کو آجائینگے۔ اُن سب نے مجھ سے وعدہ کیا کہ آپ کا نام نہیں آئیگا اور ہم جلد

ہی باہمی مشاورت سے اپنا ایک لیڈر چُن لیں گے بس آپ ہماری پس پردہ رہنمائی کرتے رہئے گا میں نے بھی حامی بھر لی اور اُنہیں اپنے بھرپور تعاون کا یقین دِلایا
دوسرے دِن جب میں فیکٹری جانے کے لئے نِکل رہا تھا تب اماں نے بتایا کہ اقبال تمہارے ابا کا فون آیا تھا کافی غصے میں لگ رہے تھے اور تمہیں بُلایا ہے اس لئے پہلے ابو کی فیکٹری چلے جاؤ اماں چونکہ میری عادتوں سے واقف تھیں لہٰذا نصیحت کرنے لگیں دیکھو ابا اگر کوئی بات سمجھائیں تو بڑے آرام سے سننا درمیان میں مت بولنا جواب دھیمے لہجے میں دینا ہاں میں ہاں ملاتے رہنا
میں تمام نصیحتیں سُن کر سوچ رہا تھا کہ آخر مجھ سے ایسی کونسی خطا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے ابا مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں میں اِسی ادھیڑ بن میں ابو کی فیکٹری جا پہنچا ابا کو سلام کرنے کے بعد جب میری نظر اپنی فیکٹری کے لیبر ٹھیکیدار پر پڑی تب میرا ماتھا ٹھنکا اور بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آئی میرے بیٹھتے ہی ابا شروع ہو گئے اقبال میں تو تمہیں بڑا سمجھدار سمجھتا تھا لیکن تم تو جس شاخ پر بیٹھے ہو اُسی کو کاٹنے کے درپے ہو صبح سے فیکٹری مالکان تمہاری فون پر شکایت کر رہے ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ تم میں مینجمینٹ کی صلاحیت نہیں بلکہ تم اچھے بھلے کام میں انتشار کا سبب بن رہے

ہو۔اور اب مجھے بھی ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے مینجمنٹ کا شعبہ تمہیں دیکر غلطی کی ہے جو شخص اپنی لیبر کو خود بغاوت کا درس دے وہ مینجمنٹ کیا خاک سنبھالے گا
ان تمام باتوں کو سُن کر میرے اندر ایک الاؤ جل رہا تھا میں نے ایک نیکی کی کوشش کی تھی میں نے تو سب مزدوروں کا بھلا چاہا تھا میں تو یہ چاہ رہا تھا کہ کسی غریب کا چولھا کسی دن بُجھا نہ رہ جائے مگر یہ کیسی آگ بھڑک اُٹھی جس نے میری شخصیت کو ہی داغدار کردیا جس نے میری صلاحیتوں پر سوالیہ نشان لگا دیا اُس پر مزید ستم یہ کہ آخر میں ابا نے یہ بھی کہہ دیا لگتا ہے تمہیں لیڈر بننے کا شوق ہے جو لوگ آگ سے کھیلنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اکثر اپنے ہاتھ جلا لیتے ہیں میری سماعتیں جواب دے چکی تھیں
میری آنکھیں بھیگ چکی تھیں زباں پہ بارِ گراں تھا اماں کی نصیحتیں یاد تھیں کرسی سے اُٹھتے ہوئے فیکٹری کی چابیاں ابا کے حوالے کی اور فقط اِتنا کہہ سکا
ابا آپ ٹھیک کہتے ہیں واقعی میں مینجمنٹ کا آدمی نہیں بلکہ مجھے لگتا ہے میں کسی کام کا آدمی نہیں میں چند دن تک ایک کرب کی کیفیت میں مُبتلا رہا پھر ایک چھوٹی سی دُکان سنبھال لی اور جب کافی عرصہ کے بعد میں اُسی فیکٹری

میں اپنے چھوٹے بھائی سے ملنے گیا اور جب میں واپس آنے لگا تب میں نے گیٹ کی باہر چند مزدوروں کی جھلک دیکھی جو مجھ سے کہہ رہے تھے اقبال بھائی ہمیں مُعاف کر دینا میں نے فقط اتنا کہا تمہارا دُشمن کوئی اور نہیں تم خود ہو

آج اُس بات کو پندرہ برس گزر گئے ابو کی بیماری اور ضعیفی کی وجہ سے اور سب کے اسرار پر تقریباً ایک سال سے ابو والی فیکٹری میں سنبھال رہا ہوں اور آج پندرہ برس کے بعد بھی مزدور کی مزدوری فی ٹنگ صرف دو روپیہ ہے اسی لئے میں نے فخر بھٹی صاحب سے کہا تھا کہ مزدور کا سب سے بڑا دُشمن خود مزدور ہے آپ کا کیا خیال ہے؟

امریکہ زندہ باد اسرائیل مُردہ باد

بعض عقل کے اندھوں کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ اپنی کم علمی کے باعث یہ نعرہ بڑے زور و شور سے لگاتے نظر آتے ہیں کہ یہودی مُردہ باد اور نصاریٰ زندہ باد یعنی دوسرے لفظوں میں امریکہ زندہ باد اور اسرائیل مُردہ باد اور اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کیلئے معاذ اللہ ثُمَّ معاذ اللہ قرآن مجید فُرقان حمید کی سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۸۲ کو بڑی ڈھٹائی کیساتھ پیش کر دیتے ہیں جبکہ اگر اُن امریکی ایجنٹوں سے آپ اس آیہ مُبارکہ کا شان نُزول پوچھیں گے تو وہ آپ کے سامنے آئیں بائیں شائیں کرتے نظر آئیں گے اور تاویلیں پیش کرنا شروع کردیں گے لیکن چونکہ ہمارے یہاں لوگوں کی قرآن فہمی کی عادت نہ ہونے کے برابر ہے اِس لئے سیدھے سادھے مسلمان اُن امریکی ایجنٹوں کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کردیتے ہیں۔

اِسی واسطے اگرچہ کہ طبیعت ناساز ہے یہ کالم لکھنے بیٹھ گیا ہوں اللہ عزوجل اپنے مدنی محبوب کے صدقے میری اِس کاوش کو قُبول فرمائے میں نے سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۸۲ اور اِسکا شان نُزول تحریر کردیا ہے اور ساتھ ہی قرآن مجید کی چند دوسری آیات بھی تحریر کردی ہیں جو نصاریٰ اور یہود کی

مذمت میں نازل ہوئی ہیں آپ اِن کا مطالعہ بغور کیجئے گا تاکہ کل اگر خدانخواستہ کوئی امریکی پٹھو آپکے سامنے اِن آیاتِ مُبارکہ کو پیش کرے تو آپکو اِس کا پس منظر معلوم ہو کہ یہ تمام عیسائیوں کے لئے نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ اُن نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی ہے جو سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے پردہ فرمانے کے بعد تمام خرافات سے بچتے رہے اور تمام انبیا کے سرور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ظہور کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آئے

وما توفیقی الا باللہ

ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤگے اور ضرور تم مسلمانوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان کو پاؤگے جو کہتے تھے ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لئے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور یہ غرور نہیں کرتے (سورہ المائدہ آیت ۸۲)

تفسیر نورالعرفان

اس آیت میں ان کی مدح ہے جو زمانہ اقدس تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر رہے اور سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت معلوم ہونے پر حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام پر ایمان لے آئے۔

شانِ نُزول: ابتدائے اسلام میں جب کُفّارِ قریش نے مسلمانوں کو بہت ایذائیں دیں تو اصحابِ کرام میں سے گیارہ مرد اور چار عورتوں نے حضور کے حکم سے حبشہ کی طرف ہجرت کی، ان مہاجرین کے اسماء یہ

حضرت عثمان غنی اور ان کی زوجہ طاہرہ (۲) حضرت رقیہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ (۱) علیہ وآلہ وسلم اور (۳) حضرت زبیر (۴) حضرت عبداللہ بن مسعود (۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۶) حضرت ابوحذیفہ اور ان کی زوجہ (۷) حضرت سہلہ بنتِ سہیل اور (۸) حضرت مصعب بن عمیر (۹) حضرت ابو سلمہ اور ان کی بی بی (۱۰) حضرت اُمِّ سلمہ بنتِ اُمیّہ (۱۱) حضرت عثمان بن مظعون (۱۲) حضرت عامر بن ربیعہ اور ان کی بی بی (۱۳) حضرت لیلٰی بنتِ ابی خثیمہ (۱۴) حضرت حاطب بن عمرو (۱۵) حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہم یہ حضرات نبوّت کے پانچویں سال ماہِ رجب میں بحری سفر کرکے حبشہ پہنچے، اس ہجرت کو ہجرتِ اُولٰی کہتے ہیں، ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب گئے پھر اور مسلمان روانہ ہوتے رہے یہاں تک کہ بچّوں اور عورتوں کے علاوہ مہاجرین کی تعداد بیاسی مَردوں تک پہنچ گئی، جب قریش کو اس ہجرت کا علم ہوا تو انہوں نے ایک جماعت تحفہ تحائف لے کر نجاشی بادشاہ کے پاس بھیجی، ان لوگوں نے دربارِ شاہی میں باریابی حاصل کرکے بادشاہ سے کہا کہ ہمارے مُلک میں ایک شخص نے نبوّت کا دعوی کیا ہے اور لوگوں کو نادان بناڈالا ہے ان کی جماعت جو آپ کے مُلک میں آئی ہے وہ

یہاں فساد انگیزی کرے گی اور آپ کی رعایا کو باغی بنائے گی، ہم آپ کو خبر دینے کے لئے آئے ہیں اور ہماری قوم درخواست کرتی ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالہ کیجئے۔
نجاشی بادشاہ نے کہا ہم ان لوگوں سے گفتگو کرلیں، یہ کہہ کر مسلمانوں کو طلب کیا اور ان سے دریافت کیا کہ تم حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے حق میں کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت جعفر بن ابی طالب نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور کلمۃُ اللہ و روحُ اللہ ہیں اور حضرتِ مریم کنواری پاک ہیں، یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک لکڑی کا ٹکڑا اُٹھا کر کہا خدا کی قسم تمہارے آقا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام میں اتنا بھی نہیں بڑھایا جتنی یہ لکڑی یعنی حضور کا ارشادِ کلام عیسیٰ علیہ السلام کے بالکل مطابق ہے۔ یہ دیکھ کر مشرکینِ مکّہ کے چہرے اُتر گئے پھر نجاشی نے قرآن شریف سننے کی خواہش کی، حضرت جعفر نے سورۂ مریم تلاوت کی اس وقت دربار میں نصرانی عالِم اور درویش موجود تھے قرآنِ کریم سُن کر بے اختیار رونے لگے اور نجاشی نے مسلمانوں سے کہا تمہارے لئے میری قلمرو میں کوئی خطرہ نہیں۔ مشرکینِ مکّہ ناکام پھرے اور مسلمان نجاشی کے پاس بہت عزّت و آسائش کے ساتھ رہے اور فضلِ الٰہی سے نجاشی کو دولتِ ایمان کا شرف حاصل ہوا۔ اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔
مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ علم اور ترکِ تکبُّر بہت کام آنے والی چیزیں ہیں

اور اُن کی بدولت ہدایت نصیب ہوتی ہے

اب وہ آیاتِ مُبارکہ جو مذمت میں نازل ہوئیں

اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ اور ان نبی پر اور اس پر جو ان کی طرف اترا تو کافروں سے دوستی نہ کرتے مگر اُن میں تو بہتیرے فاسق ہیں

سورہ المائدہ آیت ۸۱

اور ہرگز تم سے یہود اور نصاریٰ راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی پیروی نہ کرو تم فرمادو کہ اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے اور (اے سننے والے کسے باشد) اگر تو ان کی خواہشوں کا پیرو ہوا بعد اس کے کہ تجھے علم آچکا تو اللہ سے تیرا کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور نہ مددگار

سورہ البقرہ ۱۲۰آیت

یہ خطاب امت محمدیہ کو ہے کہ جب تم نے جان لیا کہ سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے پاس حق و ہدایت لائے تو تم ہرگز کفار کی خواہشوں کا اتباع نہ کرنا اگر ایسا کیا تو تمہیں کوئی عذاب الٰہی سے بچانے والا نہیں۔ (خازن

اور کتابی بولے یہودی یا نصرانی ہوجاؤ راہ پاؤ گے تم فرماؤ بلکہ ہم تو ابراہیم کا دین لیتے ہیں جو ہر باطل سے جدا تھے اور مشرکوں سے نہ تھے (سورہ البقرہ آیت ۱۳۵)

اس میں یہود و نصاریٰ وغیرہ پر تعریض ہے کہ تم مشرک ہو اس لئے ملت ابراہیم پر ہونے کا دعویٰ جو تم کرتے ہو وہ باطل ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو خطاب فرمایا جاتا ہے۔ کہ وہ ان یہود و نصاریٰ سے یہ کہ دیں '' قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا اٰلآیَۃَ''۔

اور وہ جنھوں نے دعوی کیا کہ ہم نصاری ہیں ہم نے ان سے عہد لیا تو وہ بھلا بیٹھے بڑا حصہ اُن نصیحتوں کا جو انہیں دی گئیں تو ہم نے اُن کے آپس میں قیامت کے دن تک بَیر اور بغض ڈال دیا اور عنقریب اللہ انہیں بتادے گا جو کچھ کرتے تھے

(سورہ المائدہ آیت ۱۴)

اور یہودی اور نصرانی بولے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں تم فرمادو پھر تمہیں کیوں تمہارے گناہوں پر عذاب فرماتا ہے بلکہ تم آدمی ہو اس کی

مخلوقات سے جسے چاہے بخشتا ہے اور جسے چاہے سزا دیتا ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی اور اُسی کی طرف پھرنا ہے

سورہ المائدہ آیت ۱۸

شانِ نُزول: سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہلِ کتاب آئے اور انہوں نے دین کے معاملہ میں آپ سے گفتگو شروع کی، آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور اللہ کی نافرمانی کرنے سے اس کے عذاب کا خوف دلایا تو وہ کہنے لگے کہ اے محمّد آپ ہمیں کیا ڈراتے ہیں ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان کے اس دعوے کا بُطلان ظاہر فرمایا گیا۔

اے ایمان والو یہود و نصارٰی کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے بے شک اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دیتا

سورہ المائدہ آیت ۵۱

مسئلہ: اس آیت میں یہود و نصارٰی کے ساتھ دوستی و موالات یعنی ان کی مدد کرنا، ان سے مدد چاہنا، ان کے ساتھ مَحبت کے روابط رکھنا ممنوع فرمایا گیا یہ حکم عام ہے اگرچہ آیت کا نُزول کسی خاص واقعہ میں ہوا ہو۔

شانِ نُزول: یہ آیت حضرت عبادہ بن صامت صحابی اور عبداللہ بن اُبَی بن سلول کے حق میں نازل ہوئی جو منافقین کا سردار تھا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہود میں میرے بہت کثیر التعداد دوست ہیں جو بڑی شوکت و قوت والے ہیں، اب میں ان کی دوستی سے بیزار ہوں اور اللہ و رسول کے سوا میرے دل میں اور کسی کی مَحبت کی گنجائش نہیں، اس پر عبداللہ بن اُبَی نے کہا کہ میں تو یہود کی دوستی سے بیزاری نہیں کر سکتا، مجھے پیش آنے والے حوادث کا اندیشہ ہے اور مجھے ان کے ساتھ رسم و رواہ رکھنی ضرور ہے، حضور سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ یہ یہود کی دوستی کا دم بھرنا تیرا ہی کام ہے، عبادہ کا یہ کام نہیں اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ (خازن)

اس سے معلوم ہوا کہ کافِر کوئی بھی ہوں ان میں باہم کتنے ہی اختلاف ہوں، مسلمانوں کے مقابلہ میں وہ سب ایک ہیں '' اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ'' ۔ (مدارک)

اس میں بہت شدّت و تاکید ہے کہ مسلمانوں پر یہود و نصارٰی اور ہر مخالفِ دینِ اسلام سے علیحدگی اور جدا رہنا واجب ہے۔ (مدارک و خازن)

جو کافِروں سے دوستی کرکے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، حضرت ابو موسٰی

اشعری رضی اللہ عنہ کا کاتب نصرانی تھا، حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ نصرانی سے کیا واسطہ؟ تم نے یہ آیت نہیں سنی '' یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ، الایۃ'' انہوں نے عرض کیا اس کا دین اس کے ساتھ مجھے تو اس کی کتابت سے غرض ہے، امیر المومنین نے فرمایا کہ اللہ نے انہیں ذلیل کیا تم انہیں عزت نہ دو، اللہ نے انہیں دور کیا تم انہیں قریب نہ کرو حضرت ابو موسیٰ نے عرض کیا کہ بغیر اس کے حکومتِ بصرہ کا کام چلانا دشوار ہے یعنی اس ضرورت سے مجبوری اس کو رکھا ہے کہ اس قابلیت کا دوسرا آدمی مسلمانوں میں نہیں ملتا، اس پر حضرت امیر المومنین نے فرمایا نصرانی مر گیا والسلام یعنی فرض کرو کہ وہ مر گیا اس وقت جو انتظام کرو گے وہی اب کرو اور اس سے ہر گز کام نہ لو یہ آخری بات ہے۔ (خازن

اب تم انہیں دیکھو گے جن کے دلوں میں آزار ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرف دوڑتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش آجائے تو نزدیک ہے کہ اللہ فتح لائے یا اپنی طرف سے کوئی حکم پھر اس پر جو اپنے دلوں میں چھپایا تھا پچھتاتے رہ جائیں اور (سورہ المائدہ آیت ۵۲)

کیا ہم حدوں کو نہیں پھلانگ رہے؟

چند دِن قبل میں نیٹ پر ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا اپنی مزید تشفی اور حوالہ جات کیلئے faizaneattar.net کھولی کیونکہ مجھے ایک دوست نے بتایا تھا کہ وہاں نایاب کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے مطالعہ سے فارِغ ہونے کے بعد مجھے وہاں ایک سیکشن آسک دی مفتی صاحب نظر آیا، لہٰذا میں وہاں سوالات اور جوابات پڑھنے میں مشغول ہوگیا دلچسپ بات یہ تھی کہ آپ ان سوالات کو پڑھ بھی سکتے ہیں اور سُن بھی سکتے ہیں لہٰذا یہ سلسلہ نہایت انہماک سے جاری رہا

مجھے ان سوالات میں ایک عجیب بات نظر آئی کہ بہت سے سوالات اورل سیکس اور اینل سیکس سے بھی متعلق تھے جسے لوگ باقاعدہ جائز سمجھ کر مُفتی صاحب سے بھی سند چاہتے تھے اِس ریکارڈنگ میں مُفتی صاحب نہائت دِلنشین انداز میں سمجھا رہے تھے کہ بھائی یہ سخت گناہ کی بات ہے اور اِس سے بچنا ہر مُسلمان پر فرض ہے

اِس طرح کے بیشُمار سوالات تھے جنہیں شائد مفتی صاحب کے سامنے پوچھنے کی اُن میں ہمت نہ ہوتی بہر حال یہاں نیٹ کی افادیت کا اندازہ ہوا کہ جن

سوالات کو کسی محدث یا فقیہ سے پوچھنے میں شرم یا جھجک محسوس ہو تو نیٹ پر وہی سوالات بڑی آسانی سے معلوم کئے جا سکتے ہیں اور اپنی اصلاح کا سامان پیدا کیا جا سکتا ہے

میں بد گُمانی کو اپنے دِل میں نہیں پالنا چاہتا ہو سکتا ہے اِس گُناہ میں وہ لاعلمی کی وجہ سے مُبتلا ہوں لیکن بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں اگر بتا بھی دیا جائے کہ بھائی فُلاں عمل گُناہ ہے اور مُسلمان کو تو نفیس النفس ہونا چاہیے تو کچھ لوگوں کی ایگو اُنہیں خیر کی جانب پیش قدمی سے روک دیتی ہے اور وہ گُناہ کا بھی جواز پیش کر دیتے ہیں میرا ماننا ہے کہ عاجزی میں بھلائی ہے کہ فرشتے عاجزی کی وجہ سے سُرخرو ہوئے اور شیطان ملعون ہُوا اپنی تاویلوں تکبر اور غُرور کی وجہ سے یعنی جو اپنی گردنوں میں عاجزی اور غُلامی کا پٹہ ڈال لیتے ہیں وہ فلاح پا جاتے ہیں اور جنکی انا اُنکو جھکنے نہیں دیتی وہ ٹوٹ جاتے ہیں ہلاک ہو جاتے ہیں بقُول امام احمد رضا (علیہ الرحمتہ)

اِس نِشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا

لیکن ساتھ ہی اِس بات کا دُکھ بھی کہ ہم آخر جا کہاں رہے ہیں؟ اور اِس طرح

کے معملات میں کس تیزی کیساتھ پھنستے چلے جارہے ہیں اور پھر یہی نہیں ہم یہ بھی چاہ رہے ہیں کہ کسی طریقے سے دینی رہنما اسے جائز بھی قرار دے دیں تاکہ ہمارا معاشرہ بھی مادر پدر آزاد ہوجائے اور پھر دھڑلے کیساتھ گناہ کی آزادی ہو

ان معاملات میں ملوث ہونے میں جہاں غیر ملکی فحاش لٹریچر اور الیکٹرانک میڈیا کا ہاتھ ہے وہیں والدین بھی برابر کے قصوروار نظر آتے ہیں جنہیں کبھی اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ اپنے بچوں کو دیکھ سکیں اُنکی صحبت دیکھ سکیں اُنکے دوستوں کو چیک کرسکیں کہ آیا ہمارے بچے کہیں اُوباش اور آوارہ دوستوں کی محفل میں تو نہیں جاتے یا انٹرنیٹ پر کسی غلط اور فحاش ویب سائٹ کے تو گرویدہ نہیں ہیں نہ اُن بچوں کو آداب سکھائے نہ ہی اپنے اسلاف سے اُنہیں مُتعارف کرایا نہ ہی صحابہ (رضوانُ اللہِ اجمعین کا عشقِ رسول) صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ ہی مُسلمانوں کی اُولولعزمی کی داستان ہی اُن بچوں کے کانوں تک پہنچائے اب بھی کچھ نہیں بگڑا اگر آج ہم اپنی اصلاح کی ٹھان لیں اور احکمُ الحاکمیں سے مدد چاہیں تو ضرور اسے مددگار اور مہربان پائیں گے اپنی زندگی کو حدود میں رہ کر گُزاریں کہ حدوں سے باہر شیطان مُنتظر ہے کہ شکار سرحد کو پھلانگے اور میں اُس کو دَبوچ لوں

وَمَن یَتَعَدَّ حُدُودَ اللہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ

اور جو اللہ کی حدّوں سے آگے بڑھا بیشک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا

(سورہ الطلاق آیت نمبر ایک کا حصہ)

کیا ہمیں واقعی وسیلے کی حاجت نہیں؟

اور جب ان کے پاس اللہ کی وہ کتاب (قرآن) آئی جو ان کے ساتھ والی کتاب (توریت) کی تصدیق فرماتی ہے اور اس سے پہلے اسی نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر

۸۹ سورہ البقرہ آیت

سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور حضور کے اوصاف کے بیان میں (کبیر وخازن)

تفسیر نعیمی

شانِ نُزول: سیدِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور قرآن کریم کے نُزول سے قبل یہود اپنے حاجات کے لئے حضور کے نام پاک کے وسیلہ سے دعا کرتے اور کامیاب ہوتے تھے اور اس طرح دعا کیا کرتے تھے:۔

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ عَلَیْنَا وَانْصُرْنَا بِالنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ '' یارب ہمیں نبی امی کے صدقہ میں فتح و نصرت عطا فرما

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ مقبولان حق کے وسیلہ سے دعا قبول ہوتی ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور سے قبل جہان میں حضور کی تشریف آوری کا شہرہ تھا اس وقت بھی حضور کے وسیلہ سے خلق کی حاجت روائی ہوتی تھی۔

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اسکی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ

سورہ المائدہ آیت نمبر ۳۵

وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک تمہارے رب کا عذاب ڈر کی چیز ہے

سورہ الاسراء آیت نمبر ۵۷

شانِ نُزول: ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ آیت ایک جماعتِ عرب کے حق میں نازِل ہوئی جو جنّات کے ایک گروہ کو پوجتے تھے، وہ جنات اسلام لے آئے اور ان کے پوجنے والوں کو خبر نہ ہوئی، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازِل فرمائی اور انہیں عار دلائی۔ معلوم ہوا کہ جو سب سے زیادہ مقرّب ہو اس کو وسیلہ بنائیں۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ مقرب بندوں کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنانا جائز اور اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔

جبکہ کافِر انہیں معبود سمجھتے ہیں۔

اس آیت مُبارکہ میں مقبول بندوں سے مُراد حضرت عیسٰی اور حضرت عزیر اور ملائکہ ہیں جن کے بارے میں کہا جارہا ہے یہ حضرات (علیہمُ السلام) تو خود (حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وسیلہ لیکر دُعا کرتے ہیں (یہ بات تارخ انبیا علیہم السلام سے ثابت ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام سے لیکر سیدنا عیسٰی علٰی نبینا علیہ السلام تک جتنے بھی انبیا علیہم السلام دُنیا میں تشریف لائے وہ حضور علیہ السلام کی آمد کی نوید سُناتے رہے اور حضور علیہ السلام کا واسطہ بھی اللہ عزوجل کی بارگاہ میں پیش کرتے رہے بہت سے لوگ اپنی جانب سے یہ آیتہ مُبارکہ مسلمانوں پر چسپاں کردیتے ہیں حالانکہ اس آیت میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ کفار۔ یہود۔ نصاری اُن متبرک ہستیوں کو پوجتے تھے اور مسلمان خدا کے سِوا کسی کو پوج ہی نہیں سکتا۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے قرآن کی وہ آیات جو کُفار۔ یہود اور نصاری۔کے حق

میں نازل ہوئی ہوں اُنہیں مسلمانوں پر تھوپ دینا کیا ظلم نہیں۔

کسی کو عشقِ انبیا کرام علیہم السلام۔ محبت صحابہ کرام رضوانُ اللہِ اجمین۔اور عقیدت اولیائے عظام کی سزا دینا جہالت نہیں؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں صرف خُدا سے محبت ہے اُنکا یہ دعویٰ مگر باطل نظر آتا ہے یہ کیسی مُحبت ہے کہ جس سے مُحبت کی جارہی ہے اُسکے محبوب سے مُحبت نہیں جسے وہ اپنے پاک کلام میں اپنے دوست بتائے ہمارے دِلوں میں خُدا نہ کرے اُنکے لئے بُغض ہو اُنہیں معاذ اللہ بُتوں سے تعبیر کیا جائے قارئین کرام یہ کیسی مُحبت ہے ؟

دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں معلوم ہو جائے گا کہ واقعی یہ مُحبت نہیں بلکہ یہ شعر اُن پر صادق آئے گا۔

سب اپنی ذات کے اظہار کا تماشہ ہے
وگرنہ کون یہاں پانیوں پہ چلتا ہے

اقبالِ جُرم پہ عدالت سے مُعافی

دُنیا کی عدالت میں ہر جُرم کی سزا ہے
یہاں مَغفِرت دِلائے اقرار مدینے میں

محترم قارئین کرام سلام

قرآن مجید کو محبت اور عشق کے عدسوں کے ذریعہ پڑھیں تو یوں لگتا ہے کہ تمام قرآن کریم حضور علیہ السلام کی مدحت ہے خالق کائنات سطر سطر میں اپنے پیارے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خوبیاں بیاں کر رہاہے اور اپنی تمام مخلوق کو سمجھا رہا ہے کہ دیکھو میرے محبوب کو بشری لباس میں دیکھ کر گمراہ نہ ہوجانا اور اِنہیں اپنے جیسا نہ سمجھ لینا کہ یہ بزم کائنات سجائی گئی ہے تو صرف اِنہی کیلئے کبھی اپنے مُحبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ کا ادب سکھایا جارہا ہے کہ اس بارگاہ میں گُفتگو دھیمے لہجہ میں کرنا کہ کہیں تمہارا ایمان ہی ضائع نہ ہوجائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو تو کبھی اُن گلیوں کی قسم ارشاد فرمائی جارہی ہے جن میں محبوب علیہ اسلام چلا کرتے تھے۔

کبھی بارگاہ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضری کے آداب سکھائے جارہے ہیں تو کبھی اخلاق مصطفٰے کے اوصاف کا بیاں ہے تو کبھی اِنکے اِحسان کا ذکر ہے کبھی دُشمن مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تنبیہ کی جارہی ہے تو کبھی عذاب کی خبر کبھی گُستاخوں کو ڈانٹا جارہا ہے تو کبھی باقاعدہ ہلاکت اور بربادی کی سند۔

میں نہایت کم علم انسان ہوں مجھ میں یہ تاب کہاں کہ اوصافِ مصطفٰے بیاں کرسکوں۔ کہنا فقط اتنا چاہتا ہوں کہ جب قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو صرف وضو جسم کا نہ ہو بلکہ قلب کی طہارت کا بھی اہتمام کیجئے پھر آپکو بھی وہی محسوس ہوگا جو ایک عاشق محسوس کرتا ہے اور کہتا ہے واللہ قران مجید میں جا بجا نعت مصطفٰے ہے وگرنہ جب یہی قرآن مجید مُنافق پڑھتا ہے تو اُسے اُجالے نہیں ملتے۔ خدا کی قسم ہدایت نہیں ملتی۔ رہنمائی نہیں ملتی۔ فقط تحریر ملتی ہے ایمان کی حلاوت نصیب نہیں ہوتی۔

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشہ دیکھے

دیدہء کور کو آئے کیا نظر؟ وہ کیا دیکھے

قرآنِ مجید میں اطاعت رسول کے واضح احکام موجود ہیں اُنکے باوجود کچھ لوگ

چاہتے ہیں کہ ہم مسلمان بھی رہیں اور اطاعت رسول سے بھی بچ رہیں اُسکا آسان حیلہ اُن لوگوں نے یہ نِکالا کہ احادیث مُبارکہ ہی کا انکار کر دیا اور جواز یہ پیش کیا کہ جناب چُوں کہ احادیث مُبارکہ حضور علیہ السلام کے دورِ مُبارکہ میں مُرتب نہ ہو سکیں تھیں اسلئے ہمیں اِن احادیث کے مُستند ہونے کا یقین نہیں اسلئے ہم تو صرف قرآن ہی کو مانتے ہیں تو میرا سوال صرف یہ ہے کہ وہ ثابت کردیں کہ قرآن مجید کی اشاعت کا اہتمام حضور علیہ السلام کے زمانہ مُبارک میں تھا وہ ہرگز قیامت تک ثابت نہیں کرسکیں گے تو کیا اب قرآنِ مجید کو بھی نہ مانو گے

اور ہر صاحبِ عقل یہ بات جانتا ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت بلکہ ایک حُرف کا انکار بھی کُفر ہے تو اب مجھے کوئی یہ بتائے کہ اطاعت اور فرمانبرداری بغیر سیرت اور کُتب حدیث کے کس طرح ممکن ہے کیونکہ رَسولُ اللہ (صلی اللہ علیہ رآلہ وسلم) نے کیا کیا فرمایا کیا کرنے کا حُکم دیا کس کام سے روکا یہ سب احکام قُرآن مجید میں تو ملیں گے نہیں اور ہمیں رب عزوجل کا حکم ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی کرو تو بھائی پیروی کروگے کس طرح کہ قُرآن میں اطاعت کا حُکم ہے اب یا تو اس آیت کا انکار کروگے یا اس کی حُکم عُدولی اور دونوں صورتوں میں کُفر لازم آئے گا۔ اب رہا سُوال حدیث کی اسناد کا تو بھائی جس طرح قرآن مجید صحابہ کرام رضوانُ اللہِ اجمعین کے سینوں میں محفوظ تھا اسی طرح احادیث مُبارکہ بھی صحابہ کرام رضوانُ اللہِ اجمعین کے سینوں سے تابعین کی

کتابوں میں مُنتقل ہُوئیں۔ اور با قاعدہ اصول مُرتب کئے گئے جن کی روشنی میں ایک ایک حدیث کو اُن تمام قواعد اور ضوابط کی کسوٹی پر جانچا گیا امام بُخاری۔ امام مسلم اور دوسرے فُقہائے کرام نے بے شمار صعوبتیں برداشت کیں سفر اختیار کیا اور وہ رَاہ اختیار کی کہ تمام احادیث کو انتہائی مہارت اور علمی بصیرت سے تمام صحیح اسناد اور ثِقہ رَاوِیوں کیساتھ محفوظ کرکے مسلمانوں پر احسان عظیم کیا۔ اور الحمدُللہ مسلمان احسان فراموش نہیں ہوتا اسلئے آج بھی تمام فُقہائے کرام مُسلمانوں کے قُلوب میں جاویداں ہیں اور قیامت تک رہیں گے پس ایک مشہورِ زمانہ شعر آپکی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجهك المنير لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

اور امام احمد رضا علیہ الرحمتہ نے کیا خوب فرمایا

سرور کہوں کہ مالکُ مولیٰ کہوں تجھے
باغِ خلیل کا گُلِ زیبا کہوں تجھے

لیکن رضا نے ختم سُخن اِس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خَلق کا آقا کہوں تجھے

اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے
الف) اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں (ب) تو اے محبوب تمہارے حضور)
حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو
(بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں (ج

سورہ النسأ آیت نمبر 64

تفسیر خزائن العرفان

(الف)

جب کہ رسُول کا بھیجنا ہی اس لئے ہے کہ وہ مُطاع بنائے جائیں اور اُن کی اطاعت فرض ہو تو جو اُن کے حکم سے راضی نہ ہو اُس نے رسالت کو تسلیم نہ کیا وہ کافر واجب القتل ہے۔

(ب)

معصیت و نافرمانی کرکے۔

(ج)

اس سے معلوم ہوا کہ بارگاہِ الٰہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا وسیلہ اور آپ کی شفاعت کار برآری کا ذریعہ ہے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات شریف کے بعد ایک اعرابی روضہ اقدس پر حاضر ہوا اور روضہَ شریفہ کی خاک پاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کرنے لگا یارسول اللہ جو آپ نے فرمایا ہم نے سُنا اور جو آپ پر نازل ہوا اس میں یہ آیت بھی ہے وَلَوْاَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا میں نے بے شک اپنی جان پر ظلم کیا اور میں آپ کے حضور میں اللہ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہنے حاضر ہوا تو میرے رب سے میرے گناہ کی بخشش کرایئے اس پر قبر شریف سے ندا آئی کہ تیری بخشش کی گئی اس سے چند مسائل معلوم ہوئے

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرضِ حاجت کے لئے اُس کے مقبولوں کو وسیلہ بنانا ذریعہ کامیابی ہے

مسئلہ قبر پر حاجت کے لئے جانا بھی '' جَآءُ وْکَ '' میں داخل اور خیرُ القرون کا معمول ہے مسئلہ: بعد وفات مقبولانِ حق کو (یا) کے ساتھ ندا کرنا جائز ہے

مسئلہ: مقبولانِ حق مدد فرماتے ہیں اور ان کی دعا سے حاجت روائی ہوتی ہے۔

سورہ النساَ آیت نمبر 65

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے

رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں

تفسیر خزائن العرفان

معنی یہ ہیں کہ جب تک آپ کے فیصلے اور حکم کو صدقِ دِل سے نہ مان لیں مسلمان نہیں ہو سکتے سبحان اللہ اس سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان معلُوم ہوتی ہے

شانِ نزول: پہاڑ سے آنے والا پانی جس سے باغوں میں آبِ رسانی کرتے ہیں اس میں ایک انصاری کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے جھگڑا ہوا معاملہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پیش کیا گیا حضور نے فرمایا اے زبیر تم اپنے باغ کو پانی دے کر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو یہ انصاری کو گراں گزرا اور اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ زبیر آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ باوجودیکہ فیصلہ میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انصاری کے ساتھ احسان کی ہدایت فرمائی گئ تھی لیکن انصاری نے اس کی قدر نہ کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اپنے باغ کو سیراب کرکے پانی روک لو انصافاً قریب والا ہی پانی کا مستحق ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی

وما توفیقی اِلّا باللہ

اسم اعظم تمام مشکلات سے نجات ۲

بے شک دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر میں ہے۔ القران۔
حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے زید بن صامت (رضی اللہ تعالی عنہٗ) کو یوں دُعا کرتے سُنا (اَللّٰھمّ انی اسئلکَ بِانَّ لک الحمدُ لا الٰہ الّا انتَ وَحدکَ لا شریکَ لکَ یا حنانُ یا منانُ یا بدیعُ السمٰوٰتِ والارضِ یا ذالجلالِ والاکرام یا حیُ یاقیوم) پیارے آقا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ یہ اللہ کا وہ اسم اعظم ہے کہ جب اِس سے پُکارا جائے اجابت کرے اور جب مانگا جائے عطا فرمائے۔ حوالہ۔ احمد۔ ابن ابی شیبہ۔ ابن حبان۔ حاکم۔ روایت حضرت انس (رضی اللہ تعالی عنہٗ)
محترم قارئین سلام۔
میرے کالم اسمِ اعظم تمام مشکلات کا بہترین حل کو جو پذیرائی آپ نے دی میں اسکے لیے آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ بے شمار لوگوں نے فَیس بُک پر بھی آ کر اس کالم اور اسمِ اعظم سے استفادہ حاصل کیا اور بے شمار لوگوں نے یہ کالم لکھنے پر میرا شکریہ بھی ادا کیا۔ اور مجھے بیشُمار ایسی ایمیل وُصول ہوئیں

جس میں خواتین اور حضرات نے مجھے بتایا کہ الحمدُ للہِ عزوجل جب سے ہم نے اسم اعظم پڑھنا شروع کیا ہے ہمارے اُلجھے ہوئے کام سُلجھ رہے ہیں اور جب سے یہ ورد شروع کیا ہے الحمدُ للہِ عزوجل ایک قلبی سکون مُیسر آیا ہے اور ذہن پُر سُکون رہتا ہے۔ اسمِ اعظم سے متعلق بے شمار احادیث مبارکہ صحیح اسناد کے ساتھ کُتب احادیث میں موجود ہیں اور الحمدُاللہ جو سچا مسلمان ہوتا ہے اسکا اپنے پیارے آقا علیہ السلام کے ہر ہر فرمان پر ایمانِ کامل ہوتا ہے۔ اسمِ اعظم کے کالم سے اختلاف کرتے ہوئے کسی نے ایک سُوال پوچھا تھا کہ آخر اس سے کیا فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔ میرا جواب فقط اتنا ہے کہ کیا یہ فائدہ کم ہے کہ مخلوق اپنے رب عزوجل کو یاد کرنے لگ جائے۔ اور قران مجید میں ھاروت اور ماروت دو فرشتوں کا تذکرہ موجود ہے آپ اُس کی تفسیر پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ ان دو فرشتوں کو اسم اعظم معلوم تھا۔ تو کیسے ممکن ہے کہ سید عالم (صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلم) کو اسم اعظم معلوم نہ ہو۔ اب میں آخر میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں مثال کے طور پر فرض کرلیں کوئی شخص یتیموں کے لیے گھر قائم کرنا چاہے، بے روزگار لوگوں کے لیے فیکٹری یا مفلسوں کے لیے ایسا ہوٹل بنانا چاہے جہاں بھوکے، غریب لوگوں کو عزت سے دو وقت کا کھانا مُیسر آ سکے تو کیا آپ اِس کام سے اُسے روک دیں گے کہ پہلے قرآن سے ایسے ہوٹل، فیکٹری یا گھر کا قیام ثابت

کرو۔ کیا یہ عجیب بات نہ ہوگی؟ کہ نیکی بھلائی اور صدقہ کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے اور یہ تمام کام بھی نیکی بھلائی اور صدقات کے زمرے میں آتے ہیں قرآن مجید کو بھلا صحابہ کرام رِضوانُ اللہِ اجمعین سے بہتر کون سمجھا ہوگا لیکن جید صحابہ کرام بھی قُرآن مجید فُرقان حمید کی تشریح کیلئے سرورِ کائنات (صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں حاضر ہوا کرتے تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ قُرآن مجید کو پڑھ کر سمجھنے کیلئے اقوالِ صاحب قرآن (صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلم) سے استمداد لازمی ہے ورنہ ممکن ہے کہ ہم قُرآنِ مجید کو پڑھیں تو ہدایت کے واسطے لیکن ذاتی تشریح کی بِنا پر شیطانِ لعین ہمارا ایمان ہی نہ اُچک لے۔ اسلئے ضروری ہے کہ جب ہم قُرآن مجید کا ترجُمہ پڑھیں تو اُس کی تشریح خود نہ کریں بلکہ تفاسیر کا مُطالعہ کریں تو ہمیں اُس آیت مبارکہ کا سیاق و سباق بھی معلوم ہوجائے گا اور ہماری معلومات میں بھی بے پناہ اضافہ ہوگا۔ انشاءَ اللہ عزوجل۔ میرا مشورہ آپ سبھی کیلئے یہ ہے کہ آپ ترجُمہ کنزالایمان شریف بمعہ تفسیر خزائنُ العِرفان کتابی صورت اور سافٹ وئیر بھی لے لیں کہ یہ اغلاط سے بالکل پاک ہے۔

اپنے تمام قارئین سے مُلتمس ہوں کہ نماز کا اہتمام کریں اسم اعظم یا کوئی بھی وِرد پڑھیں تو اول اور آخر میں درود پاک بھی ضُرور پڑھیں جس سے بھی وظائف کی اجازت لیں اُنہیں اپنی دُعاؤں میں یاد رکھیں اُن کا جب بھی تذکرہ

کریں اُنہیں اچھے الفاظ سے یاد کریں کہ با ادب با نصیب اور بے ادب بد نصیب ہوتا ہے

اللہ کریم کی بارگاہ میں اُسکے پیارے محبوب کے وسیلے سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ سب کی مجھ سمیت ایمان، عزت، آبرو، جان، مال کی حِفاظت فرمائے۔

امید ہے اس کالم سے بھی سینکڑوں لوگ مستفید ہونگے۔ انشاَاللہ عزوجل میری رہنمائی اللہ کے فضل سے آپ کے ساتھ رہے گی۔

آپ حسبِ سابق کمنٹس باکس کے ذریعے سے اپنے لئے اور اپنے عزیزوں کے لئے اسم اعظم حاصل کر سکیں گے

استخارہ۔ بچوں کے نام ۔ خوابوں کی تعبیر ۔ جنات سے حِفاظت۔ اور جادو کی کاٹ ۔ بھی مُفت کروا سکتے ہیں جسکے لئے آپ فیس بک پر میسج کر سکتے ہیں

ایڈریس نوٹ فرمالیں

http://www.facebook.com/ishratiqbal.warsi

الحمدللہ عزوجل آپ سب کے لئے خوشخبری ہے کہ ہمارا اسم اعظم نکالنے والا

سافٹ ویئر مکمل ہوچکا ہے جسکی وجہ سے کافی آسانی ہو گئی ہے اور اسے ویب سائٹ پر منتقل کرنے کا کام چل رہا ہے جس کے لئے محترم احسان اُلحق صاحب نے شَب و روز محنت بِلا کسی معاوضے کی ہے آپ اُنہیں بھی دُعاؤں میں خاص طور پر یاد رکھیئے گا۔ پچھلے کالم میں کافی احباب کی فرمائش تھی کہ اسمائے الٰہی اور اُنکے اعداد بھی تحریر کروں سو آپکے اس حکم کی تعمیل کی بھی سعادت مجھ گنہگار کو حاصل ہو گئی جسے اس کالم میں شائع کر رہا ہوں روحانی مسائل اور اُنکے حل کے حوالے سے ایک ویب سائٹ فیضانِ وارث بھی بنانے کا ارادہ ہے انشا اللہ عزوجل۔

نوٹ۔ اسم اعظم پڑھنے کی اجازت صرف اُن مسلمانوں کو حاصل ہے جنکے قُلوب میں انبیاؑ اکرام کی عظمت اور عصمت موجود ہو تمام صحابہ کرام (رضوانُ اللہِ اجمعین) کی مُحبت اور تمام اولیائے کرام سے عقیدت موجود ہو۔

اسمائے الٰہی اور اُنکے اعداد

اکبرُ) (111 اَعلیٰ) (801 اٰخِرُ) (229 اَحکَمُ الحَاکِمین) (13 223)

(اَحدُ

(باسِطُ) (213 بارِئُ) (37 اَوَّلُ) (36 اِلٰہُ) (66 اللّٰہُ 72)

(بَرُّ) (86 بَدِیعُ) (113 باقِیُ) (573 باعِثُ) (62 باطِنُ 202)

(ثابِتُ) (409 تَوَّابُ) (510 تَقِیُّ) (302 بَصِیرُ) (903 258)

(بُرھانُ

(حاکِمُ) (989 حافِظُ) (73 جَلِیلُ) (206 جَبّارُ) (114 جامِعُ 69)

(حَکَمُ) (108 حَقُّ) (998 حَفِیظُ) (80 حَسِیبُ) (53 حامِدُ 68)

(حَیُّ) (109 حَنّانُ) (62 حَمِیدُ) (88 حَلِیمُ) (78 حَکِیمُ 18)

(دافِعُ) (45 دائِمُ) (812 خَبِیرُ) (731 خالِقُ) (1481 خافِضُ 155)

(رَافِعُ) (286 رَؤفُ) (801 ذُوالْجَلالِ) (65 دَیّانُ) (74 دَلِیلُ 351)

رَشِیدُ) (308 رَزّاقُ) (258 رَحِیمُ) (298 رَحمٰنُ) (202 514)

(رَبُّ

(سَتّارُ) (76 سُبُّوحُ) (120 سُبحٰنُ) (37 زَکّیُ) (312 رَقِیبُ 661)

شَافِیُ) (180 سَمِیعُ) (150 سُلطانُ) (131 سَلامُ) (340 391)

(سَرِیعُ

صِدقُ) (298 صَبُورُ) (319 شَهِیدُ) (526 شَکُورُ) (310 194)

(شَاهِدُ

عَالِمُ) (105 عَادِلُ) (1106 ظَاهِرُ) (1001 ضَارُّ) (134 141)

(صَمَدُ

(عَلِیُ) (156 عَفُوُّ) (1020 عظِیمُ) (94 عَزِیزُ) (104 عدلُ 110)

فَتّاحُ) (1060 غَنِیُ) (1286 غَفُورُ) (1281 غَفّارُ) (489 150)

(عَلِیمُ

(قَدِیرُ) (170 قُدّوسُ) (305 قادِرُ) (903 قابِضُ) (141 قائِمُ 314)

(کَبِیرُ) (111 کافی) (156 قَیُّومُ) (306 قَهّارُ) (116 قَوِیُ 232)

(مالِکُ) (48 ماجِدُ) (129 لَطِیفُ) (270 کَرِیمُ) (232 کَبِیرُ 91)

مُتَعالُ) (102 مُبِینُ) (56 مُبدِیُ) (161 مانِعُ) (212 مالِکُ 551)

(المُلکُ

(مُحْتَسِبْ) (57 مَجِيدُ) (55 مُجِيبْ) (500 مَتِينْ) (662 مُتَكَبِّرْ 510)

(مُذِلُّ) (730 مُخْفِیْ) (68 مُحِییْ) (98 مَحْمُودُ) (148 مُحْصِیْ 770)

مُعْطِیْ) (117 مُعِزّ) (336 مُصَوِرْ) (562 مُسْتَبِينْ) (129 201)

(مُسَ بِبِ بُ الْاَسبَاب

مُقْتَدِرْ) (1100 مُغْنِیْ) (170 مُعِينْ) (127 مُعِيْ) (744 124)

(مُعِيدُ

(مَلِيكْ) (90 مَلِكْ) (550 مُقِيتُ) (209 مُقْسِطْ) (184 مُقَدِمْ 100)

(مُوَخِرْ) (200 مُنْعِمْ) (630 مُنْتَقِمْ) (141 مَنَّانْ) (490 مُمِيتُ 846)

(نُورُ) (160 نَقِیُّ) (201 نافِعُ) (145 مُهَیْمِنُ) (136 مُومِنُ 256)

(وَافِیُ) (137 وَاسِعُ) (707 وَارِثُ) (19 واحِدُ) (14 وَاجِدُ 97)

(وَکِیلُ) (20 وَدُودُ) (28 وَحِیدُ) (47 وَالِیُ) (299 وَالاِکرَامُ 66)

(ھُو) (20 ھَادِیُ) (14 وَھَابُ) (46 وَلِیُ 11)

کیا ہم ایسی قربانی کا حوصلہ رکھتے ہیں

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اُس پر زیادتی کرتا ہے نہ اُسے بے یار و مددگار چھوڑ کر دُشمن کے حوالے کرتا ہے۔ جو اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہو، اللہ تعالیٰ اُس کی حاجت پوری فرماتا ہے جو کسی مسلمان سے کوئی پریشانی دور کرتا ہے اللہ عزوجل اُس کی وجہ سے اُس کی قیامت کی پریشانیوں میں سے کوئی پریشانی دور فرما دے گا اور جس نے کسی مُسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ کریم قیامت والے دِن اُس کی پردہ پوشی فرمائے گا (بُخاری وَ مُسلم)

مُحترم قارئین اگر ہَم تمام مسلمان صرف اِس ایک حدیث پر ہی عمل پیرا ہوتے تو ذرا تصور کیجئے کہ ہمارا مُعاشرہ کس قدر خوبصورت ہوتا نہ راستوں پر بھکاری بچے نظر آتے نہ کوئی ظالم کسی کا حق مارنے کی جُرات کرتا نہ کوئی بے روزگاری کی وجہ سے خود کشی کرتا نہ ہی آٹے چینی کی خرید کے لئے خواتین قطاروں میں نظر آتیں ہر طرف امن ہی امن ہوتا ہر ایک دوسرے کی عزت کا امین ہوتا نہ کوئی رُسوا ہوتا نہ ہی کسی کی عزت کو سرِ عام اُچھالتا ہمارے اسلاف

رَحِمَهُمُ اللہ اجمعین تو مسلمانوں کی عزتِ نفس کا اتنا خیال کرتے کہ خود کسی کی دل آزاری نہ ہو کسی کی عزت نفس مجروح نہ ہو ایسی ایسی قُربانی کی مثال قائم کر گئے کہ اللہ اللہ سوچ کر ہی حیرت ہوتی ہے چُنانچہ حضرت حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک خاتون آپ علیہ الرحمہ کی خدمت میں ایک مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے حاضر ہوئیں سوال معلوم کرنے سے قبل ہی اُن خاتون کی ریح آواز کیساتھ خارج ہو گئی وہ خاتون مارے شرم کے زمیں میں گڑی جارہی تھی بُہت ہمت کرکے حضرت حاتم اصم علیہ الرحمہ کی خدمت میں مسئلہ پیش کرنے لگی حضرت حاتم اصم علیہ الرحمہ نے جب اُس خاتون کو اس قدر پریشان دیکھا تو بہرے بن گئے اُس عورت سے فرمانے لگے بی بی ذرا زور سے بولیں مجھے کم سُنائی دیتا ہے اُس عورت نے ذرا اُونچی آواز میں مسئلہ پیش کیا حضرت حاتم اصم علیہ الرحمہ نے مزید اُونچی آواز کا اصرار کیا حتیٰ کہ اُس خاتون کو یقین آگیا کہ حضرت حاتم اصم علیہ الرحمہ بہت زیادہ بہرے ہیں تب جا کر اُس عورت کی شرمندگی کم ہوئی اور ندامت سے پیچھا چُھوٹا کہ حضرت حاتم اصم علیہ الرحمہ جب اس قدر اونچی آواز نہیں سُن سکتے تو بھلا ریح کی معمولی آواز آپ نے کہاں سُنی ہوگی جب یہ خاتون ندامت اور شرمندگی کا بوجھ خود سے اُتار کر چلی گئی تب حضرت حاتم اصم علیہ الرحمہ نے سوچا اگر کل اس خاتون کو پتہ چل گیا کہ میں صرف اسکا دِل رکھنے کے لئے بہرہ بنا ہوا تھا تو یہ کس قدر پشیمان ہوگی کہ اسکا عیب ظاہر ہوگیا تھا لہٰذا حضرت حاتم اصم

علیہ الرحمہ نے فیصلہ کیا کہ میں اپنی بقیہ تمام زندگی بہرہ بن کر ہی گُزاروں گا اور آپ
نے تمام عمر بہرہ بن کر ہی گزاری اور آپ اصم کے نام سے مشہور ہو گئے (اصم۔ یعنی
بہت زیادہ اونچا سُننے والے) اللہ۔ اللہ۔ اللہ۔ اللہ

اسم اعظم ۳ (جادو سے حِفاظت) مُشکلات سے نجات

محترم قارئین السلامُ علیکم۔

آج مسلمان دُنیا میں پریشان حال ہیں کوئی معاشی مسائل میں گرفتار ہے تو کوئی گھریلو مسائل کا شکار ہے کوئی بیمار ہے۔ تو کسی پہ قرض کا بار ہے اقوام عالم میں ہم جو کل تک حُکمرانی کا تاج پہنے ہوئے تھے آج اُنہی اقوام میں ہماری پستی اور کمزوری کا یہ حال ہے کہ (ایک اخباری رپورٹ کے مُطابق امریکہ میں) ہمارے لئے علیحدہ سے ایسی اسکریننگ مشین لگوائی جارہی ہیں جس سے گزرتے ہوئے ہم برہنہ دکھائی دیں گے اور وجہ صاف ہے کل تک ہمیں جو تاج سُلطانی عطا ہوا تھا تو ربّ عزوجل کی فرمانبرداری کی وجہ سے اور آج جو ذلت ہمارا مُقدر ہوئی ہے تو فقط ہماری بڑھتی ہوئی نافرمانیوں کی وجہ سے۔

قُرآنِ مجید فُرقانِ حمید میں اللہ ربُّ العالمین ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِىۡ فَاِنَّ لَـهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا

ترجمہ کنزالایمان سورہ طہ آیت نمبر ۱۲۴

اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بیشک اس کے لیے تنگ زندگانی ہے

آیئے ہم سب مِل کو اللہ عزوجل کے ذکر کی ایسی دُھوم مچائیں کہ ہم سے ہمارا کریم رَبّ راضی ہو جائے

(لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظالمین (سورہ انبیاء آیت نمبر ۸

علامہ ابن جریر طبری (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اِرشاد فرمایا

اسم اللہ الاعظم الذی اذا دعی بہ اجاب واذا سئل بہ اعطے دعوۃ یونس بن متّی"۔" :

ترجمہ: اللہ تعالٰی کا وہ اسمِ اعظم کہ جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ قبول فرمائے اور جب اس کے ذریعہ سے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرمائے وہ حضرت یونس بن متّی علیہ السلام کی دعا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ تعالٰی عنہٗ)اِرشاد فرماتے ہیں کہ میں نے

عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ حضرت یونس علیہ السلام کے لئے
ہی خاص تھی یا تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے؟"۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اِرشاد فرمایا: " جسکا مفہوم ہے، یہ دُعا صرف
حضرت یونس علیہ السلام کیلئے مخصوص نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے"۔
کیا تو نے قران نہیں پڑھا کہ
فاستجبنا لہ ونجیناہ من الغم وکذلک ننجی المومنین
ترجمہ: ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ اور ان کو غم سے چھڑایا اور اسی طرح ہم
مومنوں کو چھڑاتے ہیں۔
پس جو بھی اس دعا کو پڑھے۔ اس سے اللہ تعالٰی کا قبولیت کا وعدہ ہو چکا۔
علامہ ابن جریر (رحمۃ اللہ علیہ) اِرشاد فرماتے ہیں کہ اس دعا میں اسم اعظم ہے اور اس
کے ذریعہ جو دعا کی جائے گی وہ قبول کی جائے گی اور جو خواہش ہوگی وہ پوری کی جائے
گی۔
محترم قارئین جب کوئی مسلمان روحانی علاج کے سلسلے میں میرے پاس آتا ہے اور

جب مجھے یہ بتاتا ہے کہ میں ہر جگہ علاج کی خاطر گیا لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا لوگوں نے خوب مجھ سے پیسے بٹورے اور چکر لگوا لگوا کر پریشان الگ کیا تو مجھے انتہائی دُکھ ہوتا ہے کہ کس طرح جعلی عامل حضرات لوگوں سے کھیل رہے ہیں۔ لیکن مجھے حیرت تب ہوتی ہے جب کسی اچھے خاصے پڑھے لکھے فرد کو سمجھانا مُشکل ہو جاتا ہے کہ بھائی آپکے ساتھ کوئی روحانی مسئلہ سرے سے ہے ہی نہیں تو میں آپ کو مرض کیا بتاؤں؟ لیکن مجھ سے اسرار کیا جاتا ہے کہ آپ اچھی طرح سے پھر چیک کریں جبکہ مجھے سمجھانا مُشکل ہو جاتا ہے کہ بھائی آپ صرف آزمائش میں مبتلا ہیں آپ اسم اعظم پڑھیں کہ احادیث مُبارکہ میں آیا ہے کہ اس کے پڑھنے سے بڑی سے بڑی مُصیبت ٹل جاتی ہے آپ بھی اِس اسم اعظم (لا الہ الا انت سُبحنک انی کنتُ من الظلمین) کا ورد کریں۔ گھر پہ آیت کریمہ کا ورد کروائیں اپنے لئے خود بھی دُعا کریں مدرسے میں حُفاظ بچوں سے بھی ورد بھی کروائیں اور دُعا بھی۔ اور اپنے دوست احباب سے بھی دُعا کی استدعا کریں کہ ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ ایک مسلمان کی اک دوسرے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں مانگی ہوئی دُعا رَد نہیں ہوتی خوب صدقہ اور خیرات کریں کہ صدقہ بھی ردِّ بلا ہے۔

اور مجھے غصہ تب آتا ہے جب کوئی مسلمان یہ بتائے کہ میں تو ہندو جوگیوں یا جادوگروں سے بھی علاج کرواچکا ہوں تب اپنے غصے کو پی کر اُنہیں سمجھانا

پڑتا ہے کہ بھائی قرآن مجید کے ہوتے ہوئے تمہیں کیا سوجھی کہ جوگیوں اور جادوگروں کے پاس جانے کی حاجت پیش آئی کیا تم نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ نہیں پڑھا۔ کیا تم نے ہاروت ماروت کا واقعہ نہیں پڑھا کیا تم نے خواجہ خواجگان معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ) کا واقعہ نہیں سُنا کہ کس طرح اُن کی جوتی نے زمانے کے سب سے) بڑے جادوگر کا سر نیچا کیا تھا کس طرح کوئی مسلمان جوگی یا جادوگر کے پاس استمداد کے لئے جاسکتا ہے کہ جادو دیکھنا۔ جادو کرنا۔ جادو کروانا۔ جادو پر اعتقاد رکھنا سب حرام اور جہنم میں لیجانے والے کام ہیں اکثر سننے میں آیا ہے جادوگر اس طرح کے کُفریہ کلمات پڑھنے کے لئے دیتے ہیں کہ اُنکے پڑھنے سے کفر لازم آتا ہے حالانکہ پڑھنے والے کو خبر بھی نہیں ہوتی ۔ کیا ہمارے پاس قُرانِ مجید جیسی عظیم دولت موجود نہیں ؟ کیا ہمارے پیارے آقا مدنی مُصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قُرآنِ پاک کی تشریح ہمارے لئے نہیں فرمائی ؟ کیا ہمیں نہیں بتایا گیا کہ دُعا مومن کا ہتھیار ہے ۔

(جادُو سے حِفاظت)

جو مُسلمان ہر نماز کے بعد یا کم از کم روزانہ کسی ایک نماز کے بعد سات

مرتبہ اپنے سینے پر (یا مُمیت) پڑھ کر دَم کرے وہ ہمیشہ جادو سے محفوظ رہے گا۔ یہ عمل میرا آزمودہ بھی ہے۔

مُحترم قارئین کرام قُرآنِ مجید فُرقانِ حمید میں جہاں اِنسانوں کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے وہیں یہ مومن کا زبردست ہتھیار بھی ہے کیا آپ کو معلوم ہے جیسے انسان شریر جنات اور شیاطین سے ڈرتا ہے ویسے ہی شیاطین اور جنات بھی انسانوں بالخصوص مسلمانوں سے ڈرتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس کلام الٰہی کی ڈھال بھی ہے اور دو دھاری تلوار بھی اور شیاطین اور خبیث جنات تب تک کسی مُسلمان پر حملہ نہیں کرتے جب تک کہ اُنہیں یقین نہ ہوجائے کہ سامنے والے کو نہ ہی اپنے ہتھیار کا علم ہے اور نہ ہی چلانے کا طریقہ معلوم ہے۔ میں آپ کو اپنا ایک واقعہ سُناتا ہوں جو کہ مُجھے اسلام آباد میں پیش آیا ہوا یوں کہ جب میں پہلی مرتبہ ایک مذہبی جماعت کے ساتھ تبلیغ دین کی نیت سے ایک ماہ کے مدنی قافلے کی صورت میں اسلام آباد پہنچا یہ اُنیس سو چھیانوے کا واقعہ ہے تو میرا معمول تھا کہ رات ۱۱ بجے اپنے قافلہ کے امیر سے اجازت لیکر ٹیلیفون کرنے کے لئے پی سی او جاتا تھا اور اپنے گھر والوں سے بات کرنے کے بعد تقریباً رات ۱۲ بجے تک واپس مسجد میں آجاتا کال کرنے کیلئے مُجھے کافی دور جانا پڑتا تھا اور درمیان میں کُچھ سُنسان علاقہ پڑتا تھا اور ایک نالہ جو (شاید) نکاسی بارش

کے لئے بنایا گیا تھا۔ ایک دِن میں اور میرے ساتھ ایک بڑی عمر کے ساتھی جو قافلے میں ہمارے ساتھ ہی آئے ہوئے تھے فون کال کرکے واپس آ رہے تھے نالہ آنے سے قبل تیز آواز میں گانا گانے کی نِسوانی آواز ہمارے کانوں سے ٹکرائی میرے ساتھی نے مجھ سے کہا اقبال بھائی رات کے اس پہر کون اِس ویران جگہ پر گانا گا رہا ہے حیرت مجھے بھی تھی کہ واقعی اتنی رات کو کون گانا گا رہا ہے لیکن ہم نے گانے سے دھیان ہٹا کر مسجد کی جانب پیش قدمی جاری رکھی لیکن جب ہم اُس نالے کے قریب پُہنچے تو میری حیرت کی اِنتہا نہ رہی جب میں نے اُس نالے میں چند خَواتین کو رقص کرتے دیکھا وہی خواتین رقص کیساتھ ساتھ گانا بھی گا رہی تھیں اور سب سے زیادہ حیرت مجھے اِس بات پر تھی کہ اُن کے قد ۲۰ فُٹ سے زیادہ تھے اور دُوسری حیرت کی بات یہ تھی کہ مُجھے اُن سے ذرا بھی خُوف محسوس نہ ہُوا

میرے ساتھ جو ساتھی تھے وہ خُوف سے اُس وقت اپنی آواز کھو چُکے تھے اور بار بار میرے دامن کو کھینچ کر وہاں سے بھاگنے کا اِشارہ کر رہے تھے میں نے اُن سے کہا آپ اپنے خُوف پر قابو رکھیں اگر اِنہیں ذرا بھی اِحساس ہوگیا کہ ہم اِن سے ڈر رہے ہیں تو پھر یہاں سے سلامت نِکلنا مُشکل ہو جائے گا میں نے وہاں بُلند آواز سے یا غُوثِ اعظم دستگیر کا نعرہ بُلند کیا اور فوراً ہی وہ مَخلوق ہمارے سامنے سے غائب ہو گئی میرے اُن ساتھی کو تیز بُخار چڑھ گیا

جو دوسرے یا تیسرے دِن تک رہا اور آج بھی جب کبھی اُن سے مُلاقات ہوتی ہے تو وہ اُس ذکر سے ہی کتراتے ہیں میں نے جب واپس آنے کے بعد اپنے روحانی اُستاد سے اِس واقعہ کا تذکرہ کیا تو اُنھوں نے مجھے بتایا کہ دراصل وہ قومِ جنّات سے تھیں اگر اُس وقت تم اُنکے قد دیکھ کر ڈر جاتے تو وہ تمھیں شکار کر لیتیں لیکن تُمھاری بے خُوفی سے وہ خُوفزدہ ہوگئیں بے شک اللہ عزوجل نے اِنسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور دوسری مخلوقات کو اپنا مُطیع بنانے کی صلاحیت صرف اِنسان کو بَخشی گئی ہے لیکن اکثر اِنسان اپنے مرتبے سے بے خبر ہوتے ہیں۔

مُحترم قارئین حسب سابق آپ کمنٹس باکس کے ذریعے اپنے لئے اسم اعظم حاصل کر سکتے ہیں اور دیگر روحانی رہنمائی کے لئے فیس بک پر مجھے میسج بھی کر سکتے ہیں اسم اعظم یا کسی بھی قسم کی رہنمائی کی کوئی دُنیاوی فیس نہیں ہے مُجھے فقط آپ سب کی دُعا درکار ہے باقی اللہ نے اپنے سوھنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صدقے میں دُنیا کی ہر نعمت عطا کی ہے الحمدُللہ عزوجل

فیس بُک ایڈریس نوٹ فرمالیں

http://www.facebook.com/ishratiqbal.warsi

اب آخر میں جادو اور اُس کی مذمت کا احوال قُرآنِ مجید سے پڑھتے ہیں

اور اس کے پیرو ہوئے جو شیطان پڑھا کرتے تھے سلطنتِ سلیمان کے زمانہ میں (٠) اور سلیمان نے کفر نہ کیا (الف) ہاں شیطان کافر ہوئے (ب) لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں اور وہ (جادو) جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اترا اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہ سکھاتے جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو نری آزمائش ہیں تو اپنا ایمان نہ کھو (ج) تو ان سے سیکھتے وہ جس سے جدائی ڈالیں مرد اور اس کی عورت میں اور اس سے ضرر نہیں پہنچا سکتے کسی کو مگر خدا کے حکم سے (د) اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان دے گا نفع نہ دے گا اور بیشک ضرور انہیں معلوم ہے کہ جس نے یہ سودا لیا آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں اور بیشک کیا بری چیز ہے وہ جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں بیچیں کسی طرح انہیں علم ہوتا

سورہ البقرہ آیت نمبر 102

شان نُزول: حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل جادو سیکھنے میں مشغول ہوئے تو آپ نے ان کو اس سے روکا اور ان کی کتابیں لے کر اپنی کرسی کے نیچے دفن کر دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد شیاطین نے وہ کتابیں نکلوا کر لوگوں سے کہا کہ سلیمان علیہ السلام اسی کے زور سے سلطنت کرتے تھے بنی اسرائیل کے صلحاء و علماء نے تو اس کا انکار کیا لیکن

ان کے جہال جادو کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا علم بتا کر اس کے سیکھنے پر ٹوٹ پڑے۔ انبیاء کی کتابیں چھوڑ دیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر ملامت شروع کی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ تک اسی حال پر رہے اللہ تعالٰی نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی براءت میں یہ آیت نازل فرمائی۔

(الف)

کیونکہ وہ نبی ہیں اور انبیاء کفر سے قطعاً معصوم ہوتے ہیں ان کی طرف سحر کی نسبت باطل وغلط ہے کیونکہ سحر کا کفریات سے خالی ہونا نادر ہے۔

(ب)

جنہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر جادوگری کی جھوٹی تہمت لگائی۔

(ج)

یعنی جادو سیکھ کر اور اس پر عمل واعتقاد کرکے اور اس کو مباح جان کر کافر نہ بن یہ جادو فرماں بردار و نافرمان کے درمیان امتیاز وآزمائش کے لئے نازل ہوا جو اس کو سیکھ کر اس پر عمل کرے کافر ہوجائے گا بشرطیکہ اس جادو میں منافی ایمان کلمات وافعال ہوں جو اس سے بچے نہ سیکھے یا سیکھے

اور اس پر عمل نہ کرے اور اس کے کفریات کا معتقد نہ ہو وہ مومن رہے گا یہی امام ابو منصور ماتریدی کا قول ہے مسئلہ جو سحر کفر ہے اس کا عامل اگر مرد ہو قتل کر دیا جائے گا مسئلہ: جو سحر کفر نہیں مگر اس سے جانیں ہلاک کی جاتی ہیں اس کا عامل قطّاع طریق کے حکم میں ہے مرد ہو یا عورت

(مسئلہ: جادوگر کی توبہ قبول ہے (مدارک

(د)

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا مؤثر حقیقی اللہ تعالٰی ہے اور تاثیر اسباب تحت مشیت ہے۔

(جاری ہے۔ انشاَ اللہ عزوجل)

جب چہرے مسخ کئے گئے اور انسان بندر بنائے گئے

لعنت کئے گئے وہ جنھوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں داؤد اور عیسٰی بن مریم کی زبان پر
یہ بدلہ ان کی نافرمانی اور سرکشی کا
سورہ المائدہ آیت نمبر۷۸
تفسیر خزائن العرفان

باشندگانِ اِیلہ نے جب حد سے تجاوز کیا اور سنیچر کے روز شکار ترک کرنے کا جو حکم تھا اس کی مخالفت کی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر لعنت کی اور ان کے حق میں بددعا فرمائی تو وہ بندروں اور خنزیروں کی شکل میں مسخ کر دیئے گئے اور اصحابِ مائدہ نے جب نازل شدہ خوان کی نعمتیں کھانے کے بعد کُفر کیا تو حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ان کے حق میں بددعا کی تو وہ خنزیر اور بندر ہو گئے اور ان کی تعداد پانچ ہزار تھی۔ (جمل وغیرہ) بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہود اپنے آباء پر فخر کیا کرتے تھے اور کہتے تھے ہم انبیاء کی اولاد ہیں۔ اس آیت میں انہیں بتایا گیا کہ ان انبیاء علیہم السلام نے ان

پر لعنت کی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت عیسٰی علیہما السلام نے ان پر لعنت کی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت عیسٰی علیہما السلام نے سیدِ عالم محمّدِ مصطفٰے صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کی جلوہ افروزی کی بشارت دی اور حضور پر ایمان نہ لانے اور کُفر کرنے والوں پر لعنت کی۔

قارئین مُحترم قُوم ایلہ کا واقعہ تفسیر صاوی میں تفصیل کیساتھ موجود ہے جسے آپکی خدمت میں پیش کر رہا ہوں

(تفسیر صاوی)

روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی قُوم کے ستر ہزار لوگ عقبہ کے پاس سمندر کے کنارے ایلہ نامی گاؤں میں رہتے تھے اور یہ لوگ بڑی فراخی اور خوشحالی کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ اللہ عزوجل نے اُن لوگوں کا اسطرح امتحان لیا کہ سنیچر کے دن مچھلی کا شکار اُن لوگوں پر حرام فرما دیا اور ہفتے کے باقی دِنوں میں شکار حلال فرما دیا۔ مگر اُن لوگوں کو اِس طرح آزمائش میں مُبتلا فرما دیا کہ سنیچر کے دِن تو مچھلیاں پانی میں بیشمار اور بے حِساب نظر آتیں لیکن اتوار سے لیکر جُمعہ تک مچھلیاں بہت کم نظر

آتیں اور بُہت کی ہی شکار ہوتیں لہٰذا شیطان نے اُنہیں ایک چالاکی سمجھائی کہ ایسا کرو سُمندر سے کُچھ نالیاں نکال کر خشکی میں چند حوض بنالو اور سنیچر کے دِن اُن نالیوں کے دہانے کُھول دو اور جب تالاب مچھلیوں سے لبالب بھر جائیں تب اُن نالیوں کے دہانے بند کردو اور دوسرے دِنوں میں اطمینان سے اُنہیں شکار کرتے رہو۔

اُن لوگوں کو یہ شیطانی ہتھکنڈہ بے حد پسند آیا اُن کمبختوں نے یہ نہ سوچا کہ جب ہفتہ کے دِن مچھلیاں تالاب میں قید ہو جائینگی تو شکار تو ہوگیا اور ہفتہ کے دِن شکار کی ربّ عزوجل کی جانب سے مُمانعت ہے اور یہ عمل اللہ کریم کو بے حد ناپسند ہے کہ اُسکی نافرمانی کے زُمرے میں آتا ہے قارئین محترم یہاں یہ واضح کرتا چلوں کہ تمام یہودی اس میں شریک نہ تھے اور یہاں سے یہودیوں کے تین گروہ ہوگئے۔ پہلا گروہ اُن کا تھا جو ہفتہ کے دن شکار کا مُخالف تھا یہ گروہ شکار سے باز رہا اور اس عمل کی مُخالفت کرتا رہا۔ دوسرا گروہ اُن لوگوں کا تھا جو پہلے گروہ سے کہتے تھے کہ اِنہیں نصیحت نہ کرو کہ یہ لوگ مال کی مُحبت میں مُبتلا ہو کر اللہ عزوجل کی نافرمانی پر آمادہ ہو چُکے ہیں عنقریب ان پر عذابِ اِلٰہی نازل ہوگا اور اپنے دل میں اِن لوگوں کو بُرا جانتے تھے۔

جبکہ تیسرا گروہ اُن بدبخت لوگوں پر مُشتمل تھا جنھوں نے اعلانیہ حُکم خُداوندی کی مُخالفت کی۔ شکار بھی کیا اُسے کھایا بھی اور فروخت بھی کیا اور اِس تمام کا کو جائز سمجھ کر ہٹ دھرمی کا مُظاہرہ کرتے رہے۔

جب نافرمان گروہ نے منع کرنے کے باوجود شکار کرلیا تو مانعین نے کہا اب ہم اِن گُنہگاروں سے کوئی واسطہ نہ رکھیں گے لہٰذا اُن لوگوں نے گاؤں کو تقسیم کردیا اور درمیان میں ایک دیوار قائم کر دی اور اپنی آمدورفت کے واسطے جُدا راستہ بنالیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے غضبناک ہو کر شکاری گروہ کیلئے لعنت فرمادی اس کا اثر یہ نکلا کہ ایک دِن شکاری گروہ میں سے کوئی باہر نہ نِکلا تو دوسری جانب کے چند لوگوں نے دیوار پر چڑھ کر دیکھنا چاہا تب اُن لوگوں نے دِیکھا کہ وہ سرکش شکاری گروہ۔ بندر۔ کی شکلوں میں مسخ ہو چُکے ہیں اب لوگ اُن مُجرموں کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو وہ بندر لپک لپک کر اپنے رشتہ داروں کے قریب آتے اور اُنکے کپڑوں کو سونگھتے اور روتے تھے لیکن لوگ اُن بندروں کو پہچاننے سے قاصر تھے۔

اُن بندر بن جانے والوں کی تعداد بارہ ہزار کے قریب تھی۔ یہ تمام بندر تین

دِن تک زندہ رہے اور اِس مُدت میں کچھ بھی نہ کھا پی سکے بلکہ یوں ہی بھوکے پیاسے
تڑپ تڑپ کر مرگئے شکار سے منع کرنے والا گروہ ہلاکت سے مَحفوظ رہا اور صحیح قُول یہ
ہے کہ جن لوگوں نے دِل سے اس تمام عمل کو بُرا جانا تھا اور خاموشی اختیار کی تھی وہ
(بھی ہلاکت سے محفوظ رہے (تفسیر صاوی جلد اول سے ماخوذ
محترم قارئین یہ واقعہ سورہ البقرہ اور سورہ الاعراف میں بھی موجود ہے طوالت کے
پیش نظر اس پر اکتفا کرتا ہوں۔ تفاسیر کی کُتب اُٹھا کر دیکھ لیجئے آپکو بیشُمار واقعات ملیں
گے جِن سے معلوم ہوگا کہ نبی رحمت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بِعثت سے قبل
عذاب اِلٰہی میں اقوام کی اقوام کے چہرے مسخ ہوجایا کرتے تھے۔ اور بستیوں کی بستیاں
اُلٹ جایا کرتی تھیں آسمان سے پتھروں کی بارش ہوجایا کرتی تھی لیکن قربان جایئے
سوہنے مصطفٰے علیہ السلام کی آمد کے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آمد کے بعد
چہرے مسخ ہونے کا عذاب ربِ کریم کو گوارہ نہ ہوا لہذا ہم خوش قسمت ہیں کہ نبی
آخرُالزماں کی اُمت میں پیدا ہونے کا ہمیں شرف ملا وگرنہ تو بد اعمالی میں ہم بھی اُس
قبیلہ سے کم نہیں اور مُفسرین کرام اُن عذابوں کی ایک وجہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ
پہلے کی اکثر اُمتیں اپنے انبیئا کرام کا مذاق اُڑایا کرتی تھیں اور اُنکے قتل کے درپے
رہتی تھیں الحمدُ للہِ عزوجل ایک سچا

مُسلمان رَسُولِ کریم (صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلم) سے بے پناہ مُحبت کرتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اپنی جان اپنا مال اپنے ماں باپ آل اولاد سب کچھ) قُربان کرسکتا ہے نہ صرف آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مُحبت کرتا ہے بلکہ آپکی آل آپکے اصحاب تمام انبیا کرام (علیہمُ السلام) کی بھی تعظیم کو جُزِ ایمان جانتا ہے اور جس شے کو بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے نسبت ہوجائے وہ ہمارے لئے باعِثِ تعظیم ہے یہاں میں ایک پنجابی کا خوبصورت شعر پیش کرنا چاہوں گا۔

جِینوں نسبت پاکاں دی مِل جائے او جنتی اے
پاویں کُتا ہُوے بیٹھا کوئی غار دے بُوہے تے

اس شعر میں شاعر نے سورہ کہف کے اُس کُتے کا تذکرہ کیا جو اصحاب کہف کیساتھ ہولیا تھا اور غار کے دہانے پر چوکیداری کر رہا تھا مفسرین کرام کے مُطابق یہ کُتا بھی جنتی ہے
"

محترم قارئین ذرا سوچیے جب ایک کُتے کو اصحاب کہف سے نسبت ہوجائے تو جنّت کا حقدار ٹھہرے۔ اور جِسے سیدُالابرار' سیدُالانبیاءَ سے نِسبت ہوجائے تو اُسکا دَرجہ اور مُقام اللہ کریم کی بارگاہ میں کیا ہوگا؟

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے ہم اپنا رِشتہ اُن سے جوڑیں جنکے سینے میں عِشق مُصطفٰے کی لہریں موجزن ہوں اور اُن سے اپنی نسلوں کو بھی بچانا ہماری ذمہ داری ہے جو اس نِعمت عُظمٰی سے محروم ہیں

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اس میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نا مکمل ہے
محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی
محمد کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے
یہ رشتہ دینوی قانون کے رشتوں سے بالا ہے
محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، مال، جان، اولاد سے پیارا
یہ جذبہ تھا ان مردان غیر تمند پر طاری
دکھائی جن کے ہاتھوں حق نے باطل کو نگونساری

جل پریاں افسانہ یا حقیقت

محترم قارئین السلامُ علیکم کائنات میں اللہ عزوجل نے بے شُمار مخلوقات پیدا فرمائی ہیں اِن میں بعض وہ ہیں جنھیں دیکھنے سے ہماری آنکھ قاصر ہیں جیسے فرشتے ۔ جنّات وغیرہ اور بعض وہ مخلوقات ہیں جنھیں ہم دیکھ تو سکتے ہیں لیکن وہ ہماری پُہنچ سے دور ہیں آپ نے اکثر پریوں اور جل پریوں کی کہانی ضرور سُنی ہوگی بعض لوگ اِسے صرف کہانی کی حدتک ہی مانتے ہیں جبکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مخلوقات اجسام دُنیا میں ایسے ہی موجود ہیں جیسے ہم اور آپ آیئے دیکھتے ہیں اِس میں کتنی حقیقت ہے اور کتنی کہانی ہے۔

قُرآنِ مجید میں جابجا اللہُ سُبحانہُ تعالیٰ نے انسان کے ساتھ جِنّات کا تذکرہ فرمایا ہے جس میں سے ایک مشہور آیت آپ نے ضُرور سُنی ہوگی (وما خَلَقتُ الجِنَّ والانسَ اِلا لیَعبُدُون) ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ : ہم نے انسانوں اور جِنّات کو اِس لئے پیدا فرمایا کہ وہ ہماری عِبادت کریں

اِن آیات کے تحت ہم پر لازم ہوگیا کہ ہم جِنّات پر یقین رکھیں کہ قُران

کی آیت کا انکار کُفر ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کیا پریوں کا بھی وُجود ہے۔ تو مُحترم قارئین جب جِن کا وُجود ثابت ہوگیا تو کیا جِنّی کا وُجود نہ ہوگا ہم جب بیتُ الخلا میں داخِل ہوتے ہیں تو کیا دُعا پڑھتے ہیں یہی نہ کہ اے اللہ عزوجل میں تیری پناہ چاھتا ہوں خبیث جِنّوں اور جِنّیوں سے اب معلوم یہ ہُوا کہ جِنّی کا وَجود بھی ہے تو محترم قارئین پری بھی جِنّی ہے یہ کوئی الگ مَخلوق نہیں بلکہ عام جِنّی اور پَری میں وَہی فَرق ہے جیسے ایک عام دراز گوش اور عربی نسل گھوڑے میں فرق ہوتا ہے ایک عام جِنّی کے پر نہیں ہوتے جبکہ پری کے پر بھی ہوتے ہیں اور یہ دیکھنے میں بھی جاذِب نظر ہوتی ہے اِن میں قبائل بھی ہوتے ہیں اور جس طرح ہمارے یہاں نسل اور قبائل پہ فَخر کیا جاتا ہے بالکل ویسے ہی اُن میں بھی اعلیٰ قبائل دوسروں پر فخر کرتے ہیں مثال کے طور پر قبیلہ ایمن یہ قبیلہ نہائت مُعزز قبیلہ مانا جاتا ہے۔

اِسی طرح بیشُمار قبائل پریوں میں بھی موجود ہیں یہ تو بات ہوگئی پریوں کی اور مُجھے اُمید ہے آپ کو یہ مضمون پڑھنے میں لُطف بھی آرہا ہوگا آیئے اب کچھ بات جل پریوں کے بھی مُتعلق کرلیتے ہیں

جل سنسکرت زُبان کا لفظ ہے جسکے معنیٰ ہیں پانی اور پری فارسی زُبان کا لفظ

ہے جسکے لغوی معنٰی ہیں انتہائی حسین اسطرح یہ اُردو میں اسطرح مستعمل ہوتا ہے کہ اِس کے لغوی معنٰی بنتے ہیں پانی کی پری یا پانی میں رہنے والی انتہائی حسین مخلوق۔

میرے ذہن میں اکثر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہَوا میں جِن اور پرّی ہو سکتے ہیں زمین پر ہو سکتے ہیں تو آخر پانی میں کیوں نہیں ہو سکتے میں اُن لوگوں پر جو اِسے افسانوی مخلوق مانتے ہیں زبردستی اپنی رائے نہیں تھوپنا چاہتا۔ صرف وہ دلائل جو میرے ذہن سے اِبہام کو رفع کرتے ہیں شیئر کرنا چاہتا ہوں کہ آپ بھی غور کریں شائد میں آپکو قائل کر سکوں ورنہ لازمی نہیں کہ آپ میرے خیالات سے 100 فی صد اِتفاق کریں لیکن میں آپ کو حضرت کمال الدین الدمیری کی کتاب حیاتُ الحیون سے یہ تحریر ضرور پڑھانا چاہوں گا آپ رحمتہ اللہ علیہ کا زمانہ 742 ھجری سے 808 سن ھجری تک کا ہے۔

آپ اپنی مشہورِ زمانہ تصنیفِ لطیف میں مضمون دریائی انسان کے تحت ارشاد فرماتے ہیں

(انسانُ الماءَ دریائی انسان)

یہ بھی ہمارے جیسے انسان کے مشابہ ہوتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ پانی کے انسان کے دُم ہوتی ہے۔ شیخ قزوینی رحمتہ اللہ علیہ نے عجائبُ المخلوقات میں کہا ہے

کہ ایک مرتبہ پانی کا آدمی ہمارے بادشاہ مقدر کے زمانہ میں نکل آیا تھا بعض حکما نے کہا ہے کہ دریائے شام میں یہ پانی کا انسان بعض اوقات اسی (ہمارے جیسے) انسان کی شکل و صورت میں دکھائی دیتا ہے۔ اس کی سفید ڈاڑھی بھی ہوتی ہے، لوگ اسے (شیخ البحر) کہتے تھے چنانچہ جب لوگ اسے خواب میں دیکھتے تو اس کی تعبیر شادابی وغیرہ ہوتی ہے۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ایک پانی کا انسان بعض بادشاہوں کے دربار میں لایا گیا تو وہ بادشاہ اس آدمی سے اس کے حالات معلوم کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ بادشاہ نے پانی کے انسان کی شادی ایک عورت سے کر دی۔ اس عورت سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ماں باپ کی گفتگو کو سمجھ لیتا تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے لڑکے سے سوال کیا کہ تمہارے والد کیا باتیں کر رہے ہیں تو اس نے جواب دیا کہ میرے والد یہ کہہ رہے ہیں کہ تمام جانوروں کی دُم ان کے پچھلے حصہ میں ہوتی ہے لیکن میں ان لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ ان کی دُم) ان کے چہرے میں ہے۔)

حضرت لیث بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریائی انسان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ دریائی انسان (کا گوشت) کسی بھی حالت میں نہیں کھایا جاسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بنات الماَ

بنات الماِءَ یعنی پانی کی عورت) ابن ابی الاشعت نے کہا ہے کہ یہ بحر روم کی مچھلیاں) ہیں جو عورتوں سے مشابہ ہوتی ہیں۔ جن کے بال سیدھے اور رنگ گندمی ہوتا ہے۔ نیز ان کی شرمگاہ اورپستان بڑی بڑی ہوتی ہیں۔ یہ مچھلیاں گفتگو بھی کرتی ہیں لیکن ان کی گفتگو سمجھ سے بالاتر ہے۔ نیز یہ مچھلیاں ہنستی اور قہقہہ مارتی ہیں۔ ملاح کبھی کبھی ان مچحلیوں کو پکڑ لیتے ہیں اور ان سے وطی کرکے پھر دریا میں چھوڑ دیتے ہیں۔ رویانی کہتے ہیں کہ جب ان کے پاس کوئی شکاری عورتوں سے مشابہ مچھلی پکڑ کر لاتا تھا تو یہ ان سے وطی نہ کرنے کی قسم لیتے تھے۔ اما قزوینی رحمتہ اللہ علیہ نے عجائبُ المخلوقات میں اس بات کا تزکرہ کیا ہے کہ ایک آدمی ایک بادشاہ کے پاس اس قسم کی مچھلی شکار کرکے لے گیا تو جب وہ مچھلی گفتگو کرتی تو اس کی گفتگو سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ پس اس آدمی نے اس مچھلی سے شادی کرلی۔ پس ان سے ایک بچہ پیدا ہوا۔ پس وہ بچہ اپنے باپ اور ماں دونوں کی گفتگو کو سمجھتا تھا۔' قارئین مُحترم زندگی رہی تو انشاءَاللہ اس سلسلے پر مزید کچھ لکھوں گا

اسم اعظم کی بہاریں حصہ -4

قارئین محترم السلامُ علیکم

جب سے ہم نے اسم اعظم کے عُنوان سے کالم کا سلسلہ شروع کیا ہے تب سے الحمدُللہ عزوجل سینکڑوں اسلامی بھائیوں اور بہنوں نے رابطہ کیا اور مجھے بتایا کہ اسمِ اعظم کے مُتعلق بہت کچھ سُن رکھا تھا لیکن پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی جب سے زبان ذکراللہ سے تر رہنے لگی ہے زندگی میں سکون آگیا ہے قلب مُطمئین ہوگیا ہے دل نرم ہوگیا ہے۔ بے چینی ختم ہو گئی ہے اور نماز میں بھی لُطف آنے لگا ہے مسائل حل ہورہے ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ میرے اور آپ کے بلکہ تمام کائنات کے مالک اور خالق کا فرمان عالیشان ہے (بے شک دِلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر میں ہے) اور کبھی اِرشاد فرماتا ہے تم میرا ذکر کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور کہیں ذکر کرنے والوں کی شان یوں بیان کرتا ہے میرے بعض بندے وہ ہیں کہ جنہیں دُنیا کی تجارت بھی میرے ذکر سے لمحہ بھر کے لئے غافل نہیں کر سکتی۔

لیکن مجھے ایسی ای میل بھی موصول ہوتی ہیں جن کی تعداد اگرچہ بہت کم ہوتی ہے کہ ہمیں اِسم اعظم پڑھنے سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہورہا تو آج میں اُن تمام بہن اور بھائیوں سے استدعا کروں گا کہ برائے مہربانی اپنے اعمال

پر ضرور غور کریں۔ دیکھیں ایک ہی شہر ایک ہی مُحلے بلکہ ایک ہی جگہ میں اگر دو درخت کاٹے جائیں جِسے ایک نوجوان مُشاق پہلوان کاٹ رہا ہو جبکہ دوسرے کو ایک کمزور اور ضعیف شخص کیا دونوں دَرخت ایک ہی رفتار سے کٹ سکیں گے؟ اور کیا یہ دونوں اشخاص ایک ہی وقت میں درخت کاٹ لیں گے؟ یا اُنہیں مُساوی وزن کسی مُقام پر پُہنچانا ہو تو کیا یہ ایک ہی رفتار سے وزن کو ڈھو سکیں گے؟

آپ کا جواب یقیناً یہی ہوگا کہ جناب ایک ضعیف اور ناتواں شخص بھلا کسطرح ایک چُست اور مُشاق پہلوان کا مُقابلہ کرسکتا ہے۔

تُو میرا سوال آپ سے یہ ہے کہ جب جسمانی طور پر ایک کمزور اور بوڑھا شخص ایک صحت مند اور نوجوان شخص کا مُقابلہ نہیں کرسکتا تو جو روحانی طور پر کمزور ہو وہ کسطرح مُصیبتوں اور بلاؤں کا مُقابلہ کرسکے گا۔

بَقُول (علامہ شہیدی رحمتہ اللہ علیہ)

اُس کے تو عام ہیں الطاف شہیدی سب پر
تُجھ سے کیا ضِد تھی اگر تُو کِسی قابل ہوتا

عن اِبی ہریرۃ۔ رضی اللہ عنہ ۔ قال : قال النبی ۔ صلی اللہ علیہ وسلم - :

يقول الله تعالى : (إنا عند ظن عبدي بي ، وإنا معه إذا ذكرني ، فإن ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي ، وإن ذكرني في ملإ ذكرته في ملإ خير منهم ، وإن تقرب إلى بشبر تقربت إليه ذراعا . (وإن تقرب إلى ذراعا تقربت إليه باعا ، وإن إتاني يمشي إتيته هرولة ،

تخريج الحديث

رواه البخاري و مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گُمان کے ساتھ ہُوں اور جب وہ مُجھے یاد کرتا ہے میں اُسکے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھے اپنے دِل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے (اپنی شان کے مطابق) یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھے مجمع (محفل) میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُس سے بہتر مجمع محفل) میں (فرشتوں کیساتھ) اُسکا ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ میری طرف ایک) بالشت بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ اُسکی طرف مُتوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری جانب ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ اُسکی جانب مُتوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری جانب چل کر آتا ہے تو میری رحمت دوڑ کر اُسکی جانب مُتوجہ ہوتی ہے

(بُخاری وِ مسلم)

محترم قارئین زرا سوچیے کہ اگر کوئی مشہور شخص کوئی فلم اسٹار کوئی کھلاڑی کوئی وزیر، مُشیر سینیٹر یا صدر کسی نجی محفل کسی انٹرویو میں ہمارا ذکر کر دے تو ہم خوشی سے پھولے نہ سمائیں جب تک ہر ایک کو نہ بتا دیں ہمارا کھانا ہضم نہ ہو صبح سے شام تک اِسی موضوع پر گُفتگو کرتے رہیں پھر بھی دِل نہ بھرے تو جب بادشاہوں کا بادشاہ ہمارا ذکر کرے اس وعدہ کیساتھ کہ تم میرا ذکر میں تمہارا ذکر کروں گا اور وہی تو ہے جسکا وعدہ سچا ہے جو ہم سے ہمارے ماں باپ سے بھی زیادہ مُحبت کرتا ہے جب وہ پاک پروردگار ہمارا ذکر کرے اور وہ بھی عام لوگوں کے بیچ میں نہیں بلکہ اپنے مُقرب فرشتوں کے درمیاں تو سوچیے ہم سے زیادہ خوش قسمت کون ہوگا؟

جب اللہ کریم کسی کا ذکر کرتا ہے تو کیا زمیں کیا آسماں ہر سُو اُسکا چرچا ہونے لگتا ہے پھر بھی ہم اُسکے ذکر سے غافل رہیں تو ہم سے زیادہ بد نصیب کون ہوگا جو اُس کے اسم خاص یا اسم صفات سے مُحبت کرنے لگتا ہے تو رب کریم اُسے ایسا اقبال ایسا عروج عطا فرماتا ہے کہ زمانے بدل جاتے ہیں دریا اور سمندر اپنے رُخ بدل لیتے ہیں مگر اسم الٰہی سے مُحبت کرنے والے کا نام امر ہوجاتا ہے اور جب دُنیا میں اُس شخص کا نام لیا جاتا ہے تو زُباں سے خود بخود رحمتہ اللہ علیہ دُعا بن کے نکل جاتا ہے۔

بِشر حافی بغداد میں شراب کی بھٹی چلایا کرتے تھے ایک مرتبہ حالت نشہ میں چلے جارہے تھے کہ راستہ پر کاغذ کا ایک ٹکڑا پڑا دیکھا جس پر اللہ کے تین مبارک اسمأ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) کی صورت میں لکھے تھے سوچا اتنے مبارک نام اور زمین پر پڑے ہیں اُٹھایا اور اپنی پگڑی میں سنبھال کر رکھ لیا گھر آنے کے بعد اُس کاغذ کو معطر کیا اور بُلند جگہ پر رکھا اور اُسی بے خودی کے حالت میں سوگئے اُس وقت کے ایک کامل ولی کو اللہ عزوجل نے خواب میں حُکم فرمایا کہ بِشر، کے پاس میرا یہ پیغام لیکر جاؤ کہ تُم نے ہمارے نام کو بُلند کیا ہم تیرے نام کو بُلند کردیں گے وہ بزرگ جاگ کر حیرت زدہ تھے کہاں بشر شرابی اور کہاں پیغامِ ربّ لہذا وضو کرکے دوبارہ سو رہے اسطرح چار مرتبہ خواب آیا اور وہ بُزرگ بِشر حافی کے گھر پُہنچے بشر حافی نے خواب سُنا اور بُہت روئے اور توبہ کی، اللہ سُبحانہُ تعالٰی نے اپنے وعدہ کے مُطابق بِشر حافی کو وہ عزت بَخشی کہ وقت کے امام حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے اور جب لوگ آپ جیسے عظیم مُحدث اور فقہیہ کو ایک درویش کی خِدمت میں حاضر ہوتا دیکھتے تو آپ سے استفسار کرتے، تب آپ فرماتے کہ بِشر حافی مجھ سے زیادہ خُدا کو جاننے والے ہیں۔

آپکی بیان کردہ احادیث کو صحیح کی اسناد کا درجہ دیا جاتا ہے اور آج صدیاں گُزر جانے کے باوجود بھی آپکا نام لوگوں کے دِلوں میں زندہ ہے اور جب آپ کا نام لیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے حضرت بِشرِ حافی رحمتہُ اللہِ علیہ اللہ عزوجل کی اُن پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں اور اُنکے صدقے ہماری مغفرت ہو (آمین)

دیکھا آپ نے کہ کسطرح اسمائے الٰہی کی برکتیں نازل ہوتی ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ اللہ کریم کے اسما کو پُکارنے سے قلب کا زنگ دُور ہوتا ہے نورانیت پیدا ہوتی ہے دِل کی سختی دور ہوتی ہے مُحبت کے سُوتے پُھوٹتے ہیں زندگی سے اندھیرا غائب ہوجاتا ہے زُباں کی کڑواہٹ شیریں کلامی میں تبدیل ہوجاتی ہے خوش نصیب ہیں وہ دَہن جو ذکرِ الٰہی سے معطر رہے اسم اعظم کے عنوانات سے کالم لکھنے کا حقیقی مقصد بھی یہی ہے کہ ہم تمام خرافات سے اپنی زبانوں کو بچا کر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوجائیں کہ وقت کم ہے اور عنقریب بُلاوہ آنے کو ہے اور یہ تو یقینی بات ہے کہ جب ہم فکرِ آخرت میں مشغول ہوں گے دنیا کے کام خود بخود سنورتے چلے جائیں گے۔

میں اپنے محترم قارئین سے التجا کروں گا کہ میری باتوں کا بُرا منائے بغیر غور کیجئے کہیں ہم بھی تو ایسے مشاغل میں مصروف نہیں جو ہمیں روحانی طور پر

کمزور بنا رہے ہوں کیونکہ آج مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو نماز پڑھتی ہی نہیں بلکہ مجھے یہ کہتے ہوئے اگرچہ بہت دُکھ ہوتا ہے مگر اس سے مفر بھی نہیں کہ بیشُمار ایسے مسلمان بھی ہیں جنہیں غُسل کا طریقہ تک معلوم نہیں۔ جھُوٹ ہم سے نہیں چھُوڑا جاتا غیبت اور چُغلی کو تو آج ہم نے لازم کرلیا اور ہماری کوئی محفل ایسی نہیں جو اس سے خالی ہو۔ تکبر ہم میں کوٹ کوٹ کے بھرا ہے فحش گُفتگو اور بے حیائی کے مَناظر کے ہم خوگر ہیں یعنی وہ کونسی بُرائی ہے جو ہم میں نہیں۔

حسب سابق اسم اعظم کمنٹس باکس کے ذریعے سے حاصل کئے جا سکتے ہیں دیگر روحانی رہنمائی فَیس بُک پر تشریف لا کر فی سبیل اللہ حاصل کر سکتے ہیں انشااللہ زندگی باقی رہی تو یہ سلسلہ بھی چلتا رہے گا اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے کالمز لکھنے کا سلسلہ کافی سُست روی کا شکار ہے جسکے لئے مُعذرت چاہتا ہوں۔

زمانہ نُور ہے آجانے سے تیرے

مُحترم قارئین السلام علیکم

یوں تو اللہ عزوجل کے ہم پر کروڑہا احسانات ہیں لیکن اللہ کی کریمی دیکھیے کہ اُس پاک پروردگار نے ہم پر اپنے احسانات جتائے نہیں اگرچہ کہ اُن احسانات کا شُکر بجا لانا ہم پر واجب ہے لیکن ایک احسان تمام مسلمانوں پر ایسا بھی ہے کہ جسکی اہمیت کو اُجاگر کرنے کیلئے اللہ کریم نے اُس احسان کا نہ صرف ذکر کیا بلکہ اُس احسان کو جتایا بھی

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلے گمراہی میں تھے

(سورہ آل عمران آیت 164)ترجمہ کنزالایمان

اور اللہ کریم کیوں نہ احسان جتائے کہ یہ اللہ کریم ہی کی شان ہے کہ اُس نے اپنا محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں عطا کیا علما فرماتے ہیں کہ اللہ کا سب سے بڑا احسان انسانوں پر یہی ہے کہ اُس نے اپنا محبوب ہمیں عطا کیا یہ جانتے ہوئے بھی کہ میرے محبوب کا استقبال دُنیا والے صرف پُھولوں ہی سے

نہیں بلکہ مُنافقین پتھروں سے بھی کریں گے میرے محبوب کے راستے میں کانٹے بھی بچھائے جائیں گے کچھ کم ظرف لوگ جو خُود کو مُحمدی بھی کہیں گے اور میرے محبوب کی برابری کی بھی کوشش کریں گے اُنہیں اپنے جیسا کہیں گے حالانکہ کوئی اُنکے باپ یا روحانی پیشوا کو کسی مدرسے سے نکلے مُفتی کو اپنے جیسا کہہ دے تو بُرا مان جائیں گے اِن تمام باتوں کا علم رکھنے کے باوجود بھی اپنے محبوب کو دُنیا میں بھیجنا اللہ ہی کی شان ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرا محبوب تمام دُکھ جو اُسے کُفار کی طرف سے ملیں گے یا مُنافقین کی طرف سے ہنس کے سہہ لیگا کیونکہ وہ میرا محبوب ہے کوئی عام بشر نہیں کہ جو ذرا سی تکلیف پر چِلا اُٹھے۔

اور مُحترم قارئین اِسی طرح حضور علیہ السلام ہی کی شان تھی کہ معراج کی رات اپنے رَب عزوجل کا حقیقی جلوہ دیکھنے کے باوجود قابَ قُوسین کا لقب پا کر بھی واپس تشریف لے آئے یہ بھی حُضور علیہ السلام کا مُعجزہ تھا اِسی شان اور معجزہ کا تذکرہ اللہ کریم نے سورہ والنجم میں فرمایا تھا ،

کچھ کم فہم لوگ سمجھتے ہیں کہ مدنی آقا علیہ السلام کو محبوبیت کا درجہ آپکو آپکی ظاہری عمر میں مِلا اور میں یہ کہتا ہوں واللہ حضور علیہ السلام تو اُس وقت بھی اللہ کریم کے محبوب تھے جب نہ آدم علیہ السلام تھے نہ جنت

تھی، نہ ملائکہ تھے نہ مکان تھا نہ زمیں تھی نہ ہی آسمان تھا کہ اگر حُضور علیہ السلام اُس وقت محبوبیت کے درجہ پر فائز نہ ہوتے تو کیوں عرش پہ خُدا کے نام کیساتھ نام مُصطفٰے لکھا ہوتا کیوں آدم علیہ السلام توبہ کیلئے حُضور علیہ السلام کو وسیلہ بناتے کیوں جبرائیل بار بار سدرہ چھوڑ کر آپکی خدمت میں حاضر رہتے۔

حضرت حسن رضا خاں (علیہ الرحمتہ) نے کیا خُوب فرمایا ہے

بے لقائے یار اُن کو چین آجاتا اگر
بار بار آتے نہ یوں جبرئیل سدرہ چھوڑ کر
مر ہی جاؤں میں اگر اس در سے جاؤں دو قدم
کیا بچے بیمارِ غم قُربِ مَسیحا چُھوڑ کر
مر کے جیتے ہیں جو اُنکے در پہ جاتے ہیں حسن
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چُھوڑ کر

مُحترم قارئین زمانے میں نُور میرے آقا کے آجانے سے ہے۔

غُنچوں میں چٹک، کلیوں میں مہک ، ستاروں میں چمک، یہ حَسین وادیاں، مہتاب میں ٹھنڈک، پھلوں میں رَس، شہد میں مِٹھاس، لہلہاتے چمن، تتلیوں پہ بانکپن، سمندر میں رنگ.برنگی حسیں مچھلیاں، فضاؤں میں چہچہاتے پرندے، یہ بہتے جھرنے، یہ فلک.بُوس پہاڑ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ حیاتِ زندگانی میں رقصاں رَنگ و نُور کی محفلیں، یہ کائنات میں بکھرے حسیں مناظر، آخر کس کے لئے؟

جواب خود خدائے ذوالجلال حدیث قُدسی میں ارشاد فرمارہاہے۔

لو لاک لما خلقتُ الافلاک

اے محبوب یہ بزم کائنات سجائی ہے فقط تیرے لئے

آسماں کو رَنگوں سے کہکشاؤں سے سجایا ہے آپ ہی لئے

آدم سے عیسیٰ تک پیغمبر آپ ہی کی آمد کی صدا دیتے رہے

اصحاب کہف بھی گیت آپ ہی کے گاتے خوشی سے ظلم سہتے رہے

بِلال حَبَشی بھی چہرہ پہ تیرے فِدا

صدیق بھی کاٹ ِمار ہنس کر سہتے رہے
ہوئے دیکھ کر تجھ کو فاروق، عاشق
تو عُثماں بھی زُلفوں میں کھوئے رہے
علی نے گھرانہ لُٹایا تجھی پہ
فِرشتے بھی حیرت سے تکتے رہے
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، علیہمُ السلام ، و رِضوانُ اللہِ تعالیٰ اجمعین)
مُحترم قارئین کبھی آپ نے غُور کیا شیطٰن لعین، ناپاک ،اور، مردود کیوں ٹھہرا جبکہ وہ اُستاذ الملائکہ بھی تھا اور فرشتے کامیاب کیوں ٹھہرے اگرچہ وہ طفل مکتب تھے اگر آپ غُور کریں تو جواب بُہت آسان ہے فرشتوں نے حُکمِ ربّ عزوجل سُنا اور اطاعت میں سر جُھکا دیا اور کامران ٹھہرے جبکہ
شیطان کے دِل میں بُغضِ نبی تھا ا

۲وہ خود کو بڑا اور اعلیٰ سمجھتا تھا۔
اور حضرت آدم علیہ السلام کا موازنہ خود سے کر رہا تھا۔
اور میں آپ کو بڑے وثوق سے کہتا ہوں آپ تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجئے جب کوئی بدبخت کسی بھی نبی علیہ السلام کے سامنے آیا ہے یا اُنہیں خود سے کمتر جانا ہے یا اپنے جیسا سمجھا ہے وہ ذلیل و خوار ہی ہوا ہے۔ چاہے وہ نمرود ہو، فرعون ہو، شداد ہو، قارون ہو، ہامان ہو، بلعم بن باعورا ہو، یا ابو جہل، یا ابو لہب ہو۔
کوئی سُلطانی کے زعم میں مارا گیا تو کسی کے سر پر سرداری کا خبط سوار تھا کوئی دولت کے نشے میں چُور تھا تو کوئی علم کا بوجھ سنبھال نہ پایا۔
لیکن کوئی بھی نبی علیہ السلام کی شان کو کم نہیں کر پایا اور کوئی کیسے اُسکی شان گھٹا سکتا ہے جسکی شان خُدا بڑھائے (وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ) کا سر پہ تاج سجائے۔
حدیث شریف میں ہے سیّدِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے

اس آیت کو دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مراد اس سے یہ ہے کہ اذان میں، تکبیر میں، تشہد میں، منبروں پر، خطبوں میں۔ تو اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے ہر بات میں اس کی تصدیق کرے اور سیّدِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی نہ دے تو یہ سب بے کار ہے وہ کافر ہی رہے گا۔ قتادہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر دنیا وآخرت میں بلند کیا ہر خطیب ہر تشہد پڑھنے والا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ پکارتا ہے۔ بعض مفسّرین نے فرمایا کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے آپ پر ایمان لانے کا عہد لیا۔

اور آپ دیکھ لیجئے اس آیتہ مبارکہ کے نازل ہونے سے لیکر آج تک نبیِ رحمت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ذکر بڑھتا ہی جارہا ہے کل تک اگر ہزاروں ثناخُوان تھے تو آج یہ تعداد لاکھوں میں ہے اور انشاءَ اللہ کروڑوں تک پہنچے گی کل تک آقا علیہ السلام کے میلادالنبی کے جلوس میں لاکھوں شریک ہوتے تھے تُو آج کروڑوں شریک ہوتے ہیں میرے رَبّ عزوجل کا وعدہ سچا ہے یہ ذکر بڑھتا ہی رہے گا

امام احمد رضا فرماتے ہیں

رہے گا یونہی اُنکا چرچا رہیگا

پڑے خاک ہو جائیں جَل جانے والے

اور ایک خُوبصورت شعر ہے

صدائیں درودوں کی آتی رہیں گی جنہیں سُن کے دل شاد ہوتا رہے گا

خدا اہلسنت کو آباد رکھے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا میلاد ہوتا رہے گا

آخر میں اپنے کلام سے چند اشعار پیش کر رہا ہوں حُضور علیہ السلام کی شان بیان کرنا

مجھ سے کب مُمکن ہے بس اپنا حصہ ڈال دیا ہے اگر میرے آقا علیہ السلام کو پسند

آجائے تو بس زمانے میں تاجدار ہم بھی ہیں

آگئے مصطفٰے ویلکم ویلکم ۔ واللیل والضُحٰی ویلکم ویلکم

ہو زمیں و زماں کے مختار تُم
رب کی تخلیق میں ایک شاہکار تم
رب کے محبوب تم رب کے دِلدار تم
ہم گنہگاروں کے اک خریدار تم
عاصیوں کی صدا ویلکم ویلکم۔ آ گئے مصطفٰے ویلکم ویلکم
کل بھی روتا تھا ابلیس اور آج بھی
اُس کے یاروں کا سینے میں گھٹتا ہے دَم
بارھویں کی مَحافِل سجاتے ہُوئے
مرحَبا کی مَچاتے ہیں جب دُھوم ہم
نعرہَ مرحبا ویلکم ویلکم۔۔ آ گئے مصطفٰے ویلکم ویلکم
پُہنچے بُراق پہ جب کہ شاہِ زمَن
حُور و غُلماں یہ بُولے مَنا کہ جَشَن
آ گئے وہ جو باعِثِ تخلیق ہیں
اپنے غیروں سبھی پہ جو شفیق ہیں

قُدسیوں نے کہا ویلکم ویلکم ۔۔ آ گئے مصطفٰے ویلکم ویلکم
رَبّ کے پیغامِ لولاک میں ہے پِنہاں
اُس کے مَحبوب کی عَظمتوں کے نِشاں
یہ چَمکتے سِتارے زمیں کہکشاں
فلک شَمسُ و قَمر اور یہ سارا زماں
آپ ہی پہ فِدا ویلکم ویلکم ۔۔ آ گئے مصطفٰے ویلکم ویلکم
آپ ہی کے لئے ہے بَندھا یہ سَماں
آپ ہی کی ہے کوثر حَسِیں گُلِستاں
مُجھکو بُلوا لو اب تو یہاں سے وہاں
صَدقہ حَسنین کا تُم کو شاہِ زماں
ہو قُبول اِستدعا ویلکم ویلکم ۔۔ آ گئے مصطفٰے ویلکم ویلکم
عشرتِ وارثی پہ نِگاہِ کرم

کب سے بیکار بیٹھا ہے شاہِ اُمم
پھر دِکھا دو اِسے اپنا سوھنا حَرم
لکھ رہا ہے ثنا اِسکا رکھنا بھرم
ہو گئی اِبتدا او ویلکم ویلکم ۔۔ آ گئے مصطفٰے ویلکم ویلکم

مخلوط تعلیمی نظام (کو ایجو کیشن) کے زہریلے اثرات

محترم قارئین کرام السلامُ علیکم
آجکل تعلیمی اداروں میں مخلوط تعلیمی نظام کا رواج عروج پکڑتا نظر آرہا ہے جو نئی درسگاہ مُعرض وجود میں آتی ہے اِسی نظام کے تحت تعلیم دینا پسند کرتی ہے کچھ لوگ اس کی تعریف میں رطبُ السان نظر آتے ہیں اور اس کی حمایت میں دلیلیں دیتے نہیں تھکتے اُن کے خیال میں مخلوط تعلیمی نظام کی وجہ سے لڑکے اور لڑکیاں تعلیم میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں اور دلجمعی سے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اسکولوں میں گھر جیسا ماحول بن جاتا ہے لڑکیوں میں احساس محرومی ختم ہوتا ہے لڑکے ایسے ماحول میں خوش رہتے ہیں جہاں لڑکیاں بھی موجود ہوں وغیرہ وغیرہ۔۔۔
جبکہ دوسری جانب مذہبی سوچ کے حامل خواتین اور حضرات اسے تعلیمی نظام کے لئے زہر قاتل گردانتے ہیں اُن کا کہنا ہے کہ تمام ایسے تعلیمی ادارے جہاں مخلوط تعلیم دی جاتی ہے اُنہیں اِس بات کا پابند کیا جائے کہ کم از کم ایسے اداروں میں لڑکے اور لڑکیوں کو ایک ساتھ بٹھانے کے بجائے علیحدہ علیحدہ کلاسوں کا اہتمام کیا جائے لڑکوں کے لئے مَرد اساتذہ اور لڑکیوں کے لئے

خواتین ٹیچر کا انتظام کیا جانا چاہئے۔
میں نے جب دونوں فریقوں کے خیالات سُنے تو اس موضوع پر بھی سوچنے کا موقع میسر آیا،
قارئین کرام زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب اس طرح کے مخلوط تعلیمی نظام کا کوئی تصور بھی نہ تھا دُنیا بھر میں علم میں مُسلمانوں کا کوئی ہم پلہ بھی نہ تھا دُنیائے اسلام کی عظیم درسگاہیں جو کہ مصر ترکی شام اور عراق میں موجود تھیں دُنیا بھر کے غیر مسلم بھی حُصولِ علم کے لئے یہیں سے استفادہ کیا کرتے تھے آکسفورڈ یونیورسٹی کہ جہاں تعلیم حاصل کرنا ایک اعزاز مانا جاتا ہے کے بانی اور سرپرست مسٹر راجر بیکن نے بھی اِنہی مسلم یونیورسٹیوں سے عربی میں تعلیم حاصل کی یہاں تک کہ مسلمان علمأ کے جُبہ سے مُتاثر ہو کر جب انگلینڈ پُہنچا تو گاؤن پہننا شروع کردیا جسکی وجہ سے متعصب عیسائیوں میں مشہور ہوگیا کہ راجر بیکن نے مذہب تبدیل کرلیا ہے اور اُسے راجر بیکن کے بجائے طنزیہ مُحمد بیکن کہنے لگے ایک وہ دور تھا کہ مسلمان نت نئے تجربات اور ریاضت کی وجہ سے علمی میدان کے ایسے شہسوار تھے جن کا دور دور تک کوئی مدِمُقابل نہ تھا اور آج یہ حال ہے کہ فرنگی تخیلات کے گھوڑوں پہ سُوار ہمارے ارباب اختیار کو اپنا تعلیمی نظام فرسودہ نظر آتا ہے حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ، علم مؤمن کی گُمشدہ میراث) ہے جہاں سے ملے حاصل کر لے۔

تو کیا ہم مسلمان اب ایسے گئے گُزرے ہوگئے کہ اپنا تعلیمی نظام بھی نہیں بنا سکتے ہمیں تعلیم کا نظام بھی اَغیار سے مُستعار لینا پڑے گا۔

بات ہو رہی تھی مخلوط تعلیمی نظام کی مُحترم قارئین ایک بات تُو صاف ہے کہ مخلوط تعلیم کی وجہ سے لڑکے لڑکیاں تعلیم میں دلچسپی لیں یا نہ لیں جوں جوں سن بلوغت کے قریب پُہنچتے ہیں ایک دوسرے میں دلچسپی لینا ضرور شروع کردیتے ہیں جسکی وجہ سے جوانی آنے سے قبل ہی جوان ضرور ہوجاتے ہیں اور پھر بات اسکول تک محدود نہیں رہتی بلکہ قربت دوستی میں بدل جاتی ہے درسگاہیں مُعاشقی کا اڈہ بن جاتی ہیں عشق مجازی میں بندے کا جو حال ہوتا ہے اُس کا ادراک وہی کرسکتا ہے جسے اِسکا تجربہ ہوا ہو یا جس نے اِس کی تباہ کاریاں دیکھی ہوں عاشق صاحب کو یا لیلیٰ جی کو تعلیم تو کُجا کھانا بھی اچھا نہیں لگتا یہاں تک کہ جن ماں باپ کی شفقت کے ہر گھڑی گیت گائے جاتے تھے اگر وہ اِس اَمر سے روکیں یا ٹوکیں تو وہی والدین زہر لگنے لگتے ہیں۔ وہ ماں باپ جو بھیڑ چال کا نشانہ بنے تھے اگر سختی کریں تو یہ ماں باپ کی عزت کو روند کر گھر سے بھاگ جانے سے بھی دَریغ نہیں کرتے اور پھر جو رُسوائی مُقدر ہوتی

ہے تو ماں باپ اللہ کریم سے شکوہ کرتے نظر آتے ہیں کہ الٰہی ہمیں ایسی اولاد کیوں دی۔

ارے بھائی یہ کونسا قانون ہے کہ غلطی کریں ہم اور شکایت کریں اللہ کریم سے یہ تو ہماری غلطی تھی جب آگ اور پٹرول کو ساتھ رکھیں گے تو آتشزدگی کا خطرہ تو رہے گا نا؟

کو ایجوکیشن ہمارے معاشرے کا ایسا ناسور ہے جس کی بدبو سے تمام معاشرہ میں تعفن پھیلتا جارہا ہے ویسے بھی آج سائنسدانوں کی تحقیق بتارہی ہے کہ لڑکیوں اور لڑکوں کی ذہنی سطح میں بڑا تضاد ہے۔

لڑکیوں کی ذہنی سطح تعلیم حاصل کرنے کے لئے پھولوں کی طرح نرم ماحول کی متقاضی ہے۔

جبکہ لڑکوں کے ذہنی ٹشوز سے پتا چلتا ہے کہ انہیں دباؤ اور سختی کا ماحول درکار ہوتا ہے۔

حضرت امام محمد بن غزالی علیہ رحمتہُ الوالی، ارشاد فرماتے ہیں اللہ کریم

نے عورت اور مرد میں ایسی حس پوشیدہ رکھی ہے کہ اگر ایک جنس دوسری جنس کو چھپ کر بھی دیکھے تو دوسری جنس کو جسم میں چُبھن سی محسوس ہوتی ہے اور اُسے اِس بات کا ادراک ہوجاتا ہے کہ کوئی مجھ کو دیکھ رہا ہے۔

اور ہمیں یہ خُوش فہمی ہے کہ یہ دونوں باہم بھی رہیں گے اور اور ایک دوسرے میں دلچسپی بھی نہ لیں گے

کہنے کو ہزار باتیں ہیں جو رات کو بھگوئے جائے یا دِن کی جلن بن کر جسم کو جھلسائے چلی جائے

ہر وہ کام جو اللہ (عزوجل) اور اُس کے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ناپسند ہو کسی غیرت مند مسلمان کو پسند نہیں ہوسکتا اپنی بچیوں کو لڑکوں کیساتھ پڑھوانا روشن خیالی نہیں بے غیرتی ہے اور ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے، دیوث جنت میں داخل نہیں ہوگا اب فیصلہ ہم پر ہے چاہیں تو کل کے خطرے کو آج دانشمندی سے ٹال دیں یا پھر انتظار کریں اس مُقابلے کا جو ہم اللہ (عزوجل) اور اُس کے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کر رہے ہیں اور اتنا تو ہر مُسلمان جانتا ہے کہ کسی میں بھی اللہ (عزوجل) اور اُس کے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مُقابلے کی جُرات نہیں!

اللہ عزوجل نے سب سے پہلے کس کو بنایا؟

تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے
اول ما خلق اللہ نوری ومن نوری خلق کل شئ

.

(تفسیر روح البیان، 2 : 370)
سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔ پھر میرے نور سے ہر چیز کو بنایا۔
مذکورہ حدیث مقدسہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں کہ میری ذات.براہ راست اللہ ربّ العزت کے نور سے اکتساب فیض کر رہی ہے جبکہ یہ ساری کائنات، اس کائنات کا ذرہ ذرہ، یہ تمام اجسام فلکی، چرند پرند، ملائکہ، جنات، شجر وحجر، شمس وقمر، غرض کائنات کی ہر شئے میرے نور سے فیض یاب ہو رہی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرمایا

یارسول اللہ! بابی انت وامی، اخبرنی عن اول شئ خلقہ اللہ تعالی قبل الاشیاء، قال: یا جابر ان اللہ تعالی قد خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ، فجعل ذلک النور یدور بالقدرۃ حیث شاء اللہ، ولم یکن فی ذلک الوقت لوح ولا قلم ولا جنۃ ولا نار ولا ملک ولا سماء ولا ارض ولا شمس ولا قمر ولا جن ولا انس، فلما اراد اللہ تعالی ان یخلق الخلق قسم ذلک النور اربعۃ اجزاء، فخلق من الجزء الاول القلم ومن الثانی اللوح ومن الثالث العرش، ثم قسم الجزء الرابع اربعۃ، فخلق من الاول حملۃ العرش ومن الثانی الکرسی والثالث باقی الملائکۃ، ثم قسم الرابع الاربعۃ اجزاء، فخلق من الاول السموت ومن الثانی الارضین ومن الثالث الجنۃ والنار

. . .

(المواہب اللدنیہ، 1 : 9)

(السیرۃ الحلبیہ، 1 : 50)

(زرقانی علی المواہب، 1 : 46)

یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوں مجھے

بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کیا چیز پیدا فرمائی؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ پھر وہ نور مشیت ایزدی کے مطابق جہاں چاہتا سیر کرتا رہا۔ اس وقت لوح تھی نہ قلم، جنت تھی نہ دوزخ، فرشتہ تھا نہ آسمان، نہ زمین تھی، سورج تھا نہ چاند، جن تھا نہ انسان۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ مخلوقات کو پیدا کرے تو اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلے حصے سے قلم بنایا دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش اور چوتھے کو پھر چار حصوں میں تقسم کیا، پہلے حصہ سے عرش اٹھانے والے فرشتے بنائے، دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتے بنائے، پھر چوتھے حصے کو مزید چار حصوں میں تقسیم کر دیا، پہلے سے آسمان بنائے، دوسرے سے زمین اور تیسرے سے جنت و دوزخ۔

کثیر ائمہ کرام جن میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی نابغۂ روزگار ہستیاں شامل ہیں، نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ اسی بنا پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبداء کائنات کہا جاتا ہے۔ آپ ہی وجہ تکوین عالم ہیں۔ کائنات کا سارا حسن، حسن محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ایک جھلک ہے۔ پھولوں میں خوشبو انہی کے نقش قدم کا فیضان ہے، ستاروں میں روشنی انہی کے وجود مسعود

کا پر تو ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو سورج کو خلعت نور عطا ہی نہ ہوتی بلکہ سرے سے اس کا وجود ہی نہ ہوتا۔

حُبِّ جاہ کی خواہش کا سانپ

محترم قارئین حُبِّ جاہ کی خواہش کس دل میں نہیں ہوتی سوائے صدیقین کے اس لئے
کہا جاتا ہے کہ صدیقین کے ذہنوں سے نکلنے والی آخری چیز، سرداری کی مُحبت ہے،
کون نہیں چاہتا کہ وہ مشہور ہو لوگ اُسے جانیں اُسے پہچانیں اُس کا اکرام کیا جائے
اُسکے احترام میں لوگ کھڑے ہو جائیں اُس کی ہاں میں ہاں ملائی جائے اُسکا ذکر اچھے
لفظوں سے کیا جائے۔

محترم قارئین یہ ایک ایسا مرض ہے جو ہم میں ننانوے فیصد موجود ہے اور ہمیں اِس
مرض میں مُبتلا ہوئے ایک مُدت ہو گئی لیکن ہم ایسے مُبتلائے مرض ہیں کہ ہمیں
احساس تک بھی نہیں کہ حُب جاہ کے سانپ کا زہر دھیمے دھیمے ہمیں اندر سے کھو کھلا کئے
جارہا ہے۔ اور ہماری آخرت کو تباہ کئے جارہا ہے۔ جان لیجئے جاہ کا مطلب شُہرت کا
پھیل جانا ہے اور یہ نہایت مذموم فعل ہے اور اسمیں استثنا صرف اُس شخص کیلئے ہے
جسے اللہ کریم اپنا دین پھیلانے کے لئے مَشہور کردے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کا قُول ہے آپ فرماتے ہیں کہ اگر کسی

کے پیچھے لوگوں کے جُوتوں کی آواز آنے لگے تو ایسے موقع پر احمقوں کے دِل کم ہی قابو میں رہتے ہیں"

قُرآن مجید میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے۔

یہ آخرت کا گھر ہم اُن کیلئے کرتے ہیں جو زمین میں تکبر نہیں چاہتے اور نہ فساد

ترجمہ کنزالایمان سورہ القصص ۸۳

جان لیجئے جاہ و مرتبہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان لوگوں کے دِل کا مالک بن جائے جیسا کہ مال دار ہونے کا مطلب روپیہ پیسہ سونا چاندی یا ہیروں کا مالک ہونا ہے اور جس طرح صاحِب مال اپنی دولت کے ذریعے سے اپنے مقصد تک پہنچ جاتا ہے اِسی طرح دِلوں کا مالک اُس کے ذریعے سے اپنے مقصد کو پالیتا ہے جاہ اور مرتبہ بھی ایک مقصد ہے اور جس طرح مال مُختلف پیشوں اور طریقہ سے کمایا جاتا ہے اسی طرح مُختلف طریقوں سے دِلوں کو اپنی جانب مائل کیا جاتا ہے اور دل پُختہ یقین سے ہی تسخیر ہوتے ہیں پس جب کسی شخص کے دِل میں کسی شخص کے کامل اوصاف کا پختہ یقین ہوجائے تو اُس کا دِل اس شخص کی طرف مائل ہوجائے گا بلکہ لوگوں کے دِلوں کا مالک ہونے کا مطلب ہے کہ اُسے اپنا بندہ اور غُلام بنانا اور جسے مال کی مُحبت ہوگی تو ضرور جاہ و مرتبہ بھی اُسے پسند ہوگا یاد رکھیئے تعریف سے نفس کو خُوشی اور فرحت محسوس ہوتی ہے کیونکہ

تعریف میں اُسکے کامل ہونے کا احساس ہوتا ہے اور نفس کامل سے مُحبت کرتا ہے اور اِسکے برعکس مذمت کو ناپسند کرتا ہے کیونکہ اس میں ناقص ہونے کا شعور پایا جاتا ہے اور نفس ناقص چیز کو پسند نہیں کرتا اور جو عزت اور مرتبہ کی بھوک میں گرفتار ہوجائے تو اُسکی زندگی کا مقصد صرف اپنی شان بڑھانا اور اِس میں اضافہ کا چاہنا ہی رہ جاتا ہے یعنی وہ لوگوں کے دِلوں کا شکاری بن کر رہ جاتا ہے اور یہ مرض اُسے ریاکاری اور نفاق کی جانب لے چلتا ہے اور یہ ایسے خطرناک مرض ہیں کہ جن کی نشاندھی طبیبوں کے طبیب اللہ کے پیارے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یوں ارشاد فرمائی کہ اِسے دو خونخوار بھیڑیوں سے تشبیہ دی جو بکریوں کے ریوڑ میں ہوتے ہیں جامع ترمذی باب زہد حدیث نمبر (2386)۔)

حضرت محمد بن غزالی ان امراض کے علاج کے لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اعمال یعنی حب جاہ اور ریاکاری جہنم میں لے جانے والے اعمال ہیں ان سے بچنے کیلئے ایک تدبیر کی جاسکتی ہے کہ اس بات پر غور کرے کہ آخر یہ عزت اور مرتبہ کب تک کام آئے گا یقیناً ایک دن ہمیں مرنا ضرور ہے اب چاہیں کتنی ہی عزت حاصل کیوں نہ کرلیں بلاآخر (لوگ ہمیں بھول ہی جائیں گے (احیا العلوم

مُحترم قارئین ہم سے پہلے نہ جانے کتنے ہی لوگ دُنیا میں آئے کوئی سُلطان

ہُوا تو کوئی پہلوان کسی کو وزارت ملی تو کسی کو تجارت لیکن ایک بات ضرور ہے اور وہ یہ کہ بلاآخر یہ سب ہی مشہور لوگ مر کھپ گئے اور بلا مُبالغہ سینکڑوں یا شائد ہزاروں ایسے بادشاہ ہوں گے جنہیں ہم جانتے ہی نہیں تو کیوں اپنی آخرت کو دُنیاوی نام کی بھینٹ چڑھائیں آخر کیوں ؟ تکبر خُدا ہی کو زیب دیتا ہے کہ وہ خالق ہے کامل ہے پاک ہے اور جو خُدا کی شان میں حصہ دار بننا چاہے یقیناً مستحق عذاب نار ہے اللہ کریم تمام مسلمانوں کو عذاب نار سے محفوظ رکھے کہ ہم سے تو ایک ماچس کی تیلی کی آگ بھی نہیں سَہی جاتی تو وہ آگ کیسے برداشت کر سکیں گے جو دُنیا کی آگ سے بہرحال کئی گُنا شدید ہے

اللہ کریم مجھے اور آپ سب کو بھی اس تباہی سے بچائے جس کا انجام بالآخر جَہنُم کی بھڑکتی آگ ہے اپنی دُعاؤں میں یاد رکھیے گا کہ مجھے بھی آپ کی طرح اس کی اشد ضرورت ہے

تیری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی

مُحترم قارئین السلامُ علیکم ہم بھی عجب لوگ ہیں جس بات کو اپنے لئے پسند نہیں
کرتے اُسی بات کو دوسروں کے لئے محبوب رکھتے ہیں.بقولِ شاعر

تیری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو مرے نامہ اعمال میں تھی

دین اسلام دین فطرت ہے اسی لئے ہمیں ایسی تعلیمات دیتا ہے کہ ایمان والوں کی دِل آزاری تو کُجا اُس سے انسانیت بھی مجروح نہ ہو اسی لئے حکم ہوتا ہے کہ رواداری اختیار کرو اور یہ بھی سمجھایا جاتا ہے کہ کُفار کے جھوٹے خُداؤں کو بھی بُرا نہ کہو مُبادا وہ تُمہارے سچے پروردگار کو بُرا کہنا نہ شروع کردیں لیکن ہم ہیں کہ چاہتے ہیں دوسروں پہ غلاظت اُچھالیں یا اُنہیں کفر کے فتوی سے نوازیں ہم پر کوئی اِک کنکر بھی نہ پھینکیں اور یہ تو ہم سبھی جانتے ہیں کہ ایسا جبلت انسانی میں ممکن نہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ایسی باتوں پر یکجا ہوں جو ہم سب میں مُشترک ہیں ورنہ ایک دوسرے پر گندگی اُچھالنے کیلئے اور کُفر و شرک کے فتوے لگانے کیلئے بازاروں اور انٹرنیٹ پہ کتابوں کی کوئی کمی نہیں دیکھتے جائیں اور بِنا سمجھے پیسٹ کرتے

چلے جائیں لیکن ایک بات کا ہم سب کو ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ بلاآخر مرنا ہے اور اللہ عزوجل اور اُسکے پیارے محبوب کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی کارگزاری پیش کرنی ہوگی ہم میں سینکڑوں اختلاف سہی لیکن کم از کم ان باتوں پر تو ایک ہو سکتے ہیں

یعنی اللہ کی وحدانیت پر ایمان

حضور علیہ السلام سے مُحبت اپنی جان، مال، ماں باپ، اولاد، اور دُنیا کی ہر شئے سے زیادہ اور کم از کم اُن موضوعات سے گریز کریں جن میں اللہ عزوجل اور اُسکے مدنی محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان کو پیمانے پہ تولا جائے کیوں کہ اللہ کریم کی جو شان ہے وہ اللہ کی عطا سے صرف اُسکا محبوب ہی بہتر جانتا ہے اور مدنی محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان کیا ہے یہ حقیقت میں صرف اللہ کریم ہی جانتا ہے کسی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ دعویٰ کرسکے کہ وہ محبوبِ خدا کی شان بیان کر سکتا ہے کیونکہ نہ ہماری ایسی اوقات ہے اور نہ ہم میں ایسا کمال کہ بیاں کرسکے ہماری زُباں مصطفٰے کے اوصاف

یہ کالم نہ کسی کے رد میں لکھا ہے نہ ہی علمی جوہر دکھانے کیلئے بس دل میں اک کُڑھن تھی جسے آپ سب کیساتھ شئیر کرلیا ہے اللہ کریم ہماری دانستہ اور نادانستہ خطاؤں کو مُعاف کرے (آمین بجاہِ نبی الامین)

اور جب وہ ان پر گزرتے تو یہ آپس میں ان پر آنکھوں سے اشارے کرتے
اور جب اپنے گھر پلٹتے خوشیاں کرتے پلٹتے
اور جب مسلمانوں کو دیکھتے کہتے بے شک یہ لوگ بہکے ہوئے ہیں
اور یہ کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہ بھیجے گئے
(سورہ المطففین ترجمہ کنزالایمان)

شانِ نزول: منقول ہے کہ حضرت علیِ مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ مسلمانوں کی ایک جماعت میں تشریف لے جارہے تھے، منافقین نے انہیں دیکھ کر آنکھوں سے اشارے کئے اور مسخرگی سے ہنسے اور آپس میں ان حضرات کے حق میں بے ہودہ کلمات کہے تو اس سے پہلے کہ علیِ مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سیدِ عالَم صلی اللہ علہ وآلہ وسلم کی خدمت میں، پہنچیں یہ آیات نازل ہوئیں۔

یعنی مسلمانوں کو بُرا کہہ کر آپس میں ان کی ہنسی بناتے اور خوش ہوتے ہیں۔
(تفسیر خزائن العرفان)

محترم قارئین قرآن مجید کی اِن آیات مُبارکہ میں ہمارے لئے بیشُمار خوبصورت پھول ہیں ضرورت صرف غور وَ تفکر کی ہے اور مثل مشہور ہے بھرا خالی پیالے کو جاتا ہے جو خود کو پہلے سے ہی بھرا جانے تو حکمت بھی اُسکا کچھ بھلا نہیں

کر سکتی اللہ کریم ہم سب مسلمانوں کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے

اسم اعظم مشکلات کا بہتریں حل - 5

بیشک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لئے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے

محترم قارئین السلامُ علیکم سورہ الاحزاب کی آیت نمبر ۲۱ میں اللہ کریم اپنے بندوں کو اپنے محبوب کی پیروی کا حکم دے رہا ہے اور ساتھ میں اپنے ذکر کی ترغیب بھی۔

سورہ احزاب کی مندجہ بالا آیت کی تفسیر خزائن العرفان سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں ان کا اچھی طرح اِتّباع کرو اور دینِ الٰہی کی مدد کرو اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑو اور مصائب پر صبر کرو اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّتوں پر چلو یہ بہتر ہے۔ ہر موقع پر اس (اللہ) کا ذکر کرے خوشی میں بھی رنج میں بھی، تنگی میں بھی فراخی میں بھی۔

جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ نہ ہی اطاعت مصطفٰی کی جانب ہمارے دِل متوجہ ہوتے

ہیں اور نہ ہی اللہ کے ذکر کی طرف ہمارا قلب مائل ہو پاتا ہے شاذ و نادر ہی کوئی توفیق الہی سے ہمیں نیکی کی دولت مُیسر آتی ہے لیکن کیا یہ ہماری بد نصیبی نہیں کہ کسی نہ کسی حیلے بہانے سے اُسے بھی ہم ضائع کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ اور ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ ہم کسی نیکی کو حاصل کرنے کے بعد اُس کو بھول جائیں اور اپنے گُناہوں پر نادم ہوتے ہوئے اللہ عزوجل کی بارگاہِ بیکس پناہ میں مغفرت کے طلب گار نظر آئیں شیطان لعین اور ہمارا نفس جب تک ہماری نیکی کا ہم سے ڈھنڈورا نہ پِٹوالے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتا اور اُس کے بعد بھی ہماری حالت یہ ہے کہ قبر و حشر کی جواب دہی سے ایسے بے خبر بیٹھے ہیں کہ جیسے ہمیں تو مرنا ہی نہیں بلکہ بعض اوقات تو ہم بڑی ڈھٹائی سے اُن نیکیوں کا واسطہ دے کر اللہ کریم کی بارگاہ میں پیش کر کے کسی حاجت کے بر آنے کی دُعا بھی کر رہے ہوتے ہیں یہ جانے بغیر کہ کیا وہ نیکی اللہ کریم کی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ بھی پائی یا ہمارے مُنہ پہ دے ماری گئی۔

اگر آپ ہدائت یافتہ بلکہ بزبانِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) جنت کے سند یافتہ اصحاب رضوان اللہ اجمعین) کی زندگی کا مُطالعہ کریں تو آپ حضرت عُمر جیسے جلیل القدر صحابی) رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو بارگاہِ اِلٰہی میں گریاں اور آبدیدہ پائیں گے اور ایک ہم ہیں کہ خُدا ہمیں صرف تب یاد آتا ہے جب اپنی ہی بد اعمالیوں کے سبب ہم پر کوئی مُصیبت نازل ہو جاتی ہے اور اُس وقت

بھی ہمیں اپنے گُناہ نظر نہیں آتے بلکہ کریم رب کی بارگاہ میں شکائت کر رہے ہوتے ہیں کہ نہ جانے ہم سے کونسی خطا ہو گئی کہ اللہ عزوجل نے ہم پر یہ مُصیبت نازل کردی اور جب کوئی فضلِ خُدا سے خوشی نصیب ہوتی ہے تو بجائے سجدہ شُکر بجالائیں اُسے اپنی بہترین حِکمتِ عملی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور وہ ایسا کریم ہے کہ جو اُسکی بارگاہ میں بُھولے سے بھی آجائے تو وہ اُس پر اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے آیئے تاریخ کے جھروکے سے ایک ایسا ہی واقع پڑھتے ہیں بقولِ شاعر،، شائد کہ ترے دِل میں اُتر جائے میری بات،،

الملفوظ کے حصہ دوئم کے صفحہ ۲۵۶ پر یہ واقعہ رقم ہے جس کا خُلاصہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے کی سعی کا متمنی ہوں۔

کہ حضرت اورنگزیب عالمگیر (رحمتہ اللہ علیہ) کی خدمت میں ایک بہروپیا اکثر نئے نئے بہروپ رچا کر آتا مگر ہر مرتبہ حضرت اورنگزیب عالمگیر (رحمتہ اللہ علیہ) اُس بہروپئے کو پہچان لیا کرتے اور وہ بہروپیہ نامُراد ہی رہتا ایک مرتبہ حضرت اورنگزیب عالمگیر (رحمتہ اللہ علیہ) نے اُس بہروپیے سے ارشاد فرمایا کہ اگر تو مجھے اپنے کسی بہروپ سے دھوکہ دینے میں کامیاب ہوگیا تو میں تجھے مُنہ مانگی مُراد دونگا اس واقعہ کے بعد وہ بہروپیہ ایک مدت دراز

تک دربار میں نظر نہیں آیا لوگ اُس بہروپیے کو بھول گئے اس واقعہ کے کافی عرصہ بعد ایک صوفی عابد وزاہد کا چرچا شہر میں ہونے لگا جو رات دن عبادت الٰہی میں مستغرق رہتا تھا اور اُس نے اپنا ٹھکانہ شہر سے دور ایک غار کی کھو میں بنایا تھا۔

پہلے دیہاتی آئے پھر شہر والے اسکے بعد درباری اُمراء اور وُزرا بھی پہنچ گئے لیکن اِس درویش نے کسی کی بھی طرف نظرِ التفات نہ ڈالی لوگوں کے دِلوں میں اِس درویش کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا آہستہ آہستہ اس درویش کی عبادت و رِیاضت کے قصے حضرت اورنگزیب عالمگیر (رحمتہ اللہ علیہ) کے کانوں تک بھی پہنچنے لگے اور آپ کے دِل میں اُس مردِ قلندر سے مُلاقات کی خواہش پیدا ہونے لگی چُونکہ حضرت اورنگزیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ) کو اولیاءَاللہ سے بُہت اُنس تھا اِس لئے زیادہ انتظار آپ سے نہ ہو سکا) اور اس درویش کی دُنیا سے بے رغبتی کہ آپ بیشُمار قصے اپنے وُزراء کی زُبانی سُن ہی چُکے تھے لہٰذا ملاقات کا شرف پانے کیلئے آپ بڑی ارادت کیساتھ اُس درویش کی جانب روانہ ہوئے۔

جب حضرت اورنگزیب عالمگیر (رحمتہ اللہ علیہ) اُس درویش کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو درویش نے بادشاہ کو دیکھ کر اپنا سر جُھکا لیا حضرت اورنگزیب

عالمگیر (رحمتہ اللہ علیہ) باادب کھڑے ہوگئے کچھ دیر بعد اُس درویش نے بادشاہ کو بیٹھنے کا اِشارہ کیا حضرت اورنگزیب عالمگیر (رحمتہ اللہ علیہ) اُس درویش کے قدموں کے پاس مؤدب ہو کر بیٹھ گئے۔

حضرت اورنگزیب عالمگیر (رحمتہ اللہ علیہ) کا باادب بیٹھنا تھا کہ وہ درویش احتراماً کھڑا ہوگیا اور عرض کرنے لگا بادشاہ سلامت آپ نے مجھے نہیں پہچانا میں وہی بہروپیا ہوں جو آپ کے دربار میں حاضر ہوا کرتا تھا حضرت اورنگزیب عالمگیر (رحمتہ اللہ علیہ) خجل ہوگئے اور ارشاد فرمایا واقعی میں نے تیرے سوانگ کو نہیں پہچانا اب مانگ جو مانگنا ہے۔

اُس بہروپیہ نے عرض کی عالیجاہ میں نے اپنے رب عزوجل سے جھوٹی محبت کا سوانگ رچایا تو آپ جیسا جلیل القدر بادشاہ میرے قدموں میں آکر بیٹھ گیا، اب سوچتا ہوں سچے من سے بھی اُس پاک پروردگار کا نام لے دیکھوں۔ یہ کہہ کراِک نعرہ مستانہ بُلند کیا اپنے کپڑوں کو چاک کرتا ہُوا جنگل کی جانب روانہ ہوگیا۔

محترم قارئین ذرا ٹھہریئے اور سوچیئے کیا ہماری نمازیں، ہماری عبادتیں، ہماری تلاوت، اور ہمارا ذکرِالٰہی، کرنا بھی تو دُنیا دِکھاوے کے لئے تو نہیں کیا

ذکر الٰہی کرتے ہوئے کہیں ہم بھی تو اس وسوسے کا شکار نہیں ہو جاتے کہ ذکرِ الٰہی بھی کر دیکھتے ہیں اگر فائدہ نہیں ہوگا تو ثواب ہی ہاتھ آ جائے گا یا کہیں ہمارے دِل کے کسی نہاں گوشے میں بے یقینی کی کیفیت تو نہیں۔

اور اگر آپ اپنے قلب کے کسی گوشے میں بے یقینی کی کیفیت کو محسوس کر رہے ہیں تو پہلے یہ جان لیجئے کہ دُنیاوی کام میں بھی اگر بے یقینی کی کیفیت ہو یا کسی کام کو بے دِلی کیساتھ کیا جائے وہ کام اکثر نا مکمل ہی رہ جاتا ہے۔ اور آپ کریم مالک سے مانگتے ہوئے بے یقین کیوں ہیں جو اپنے بندوں سے بِلا تشبیہ ایک ماں سے ہزاروں گُنا زیادہ مُحبت کرتا ہے کبھی تنہائی میں کبھی رات کے آخری پہر میں اُٹھ کر صدقِ دِل سے رو کر مانگئے تو سہی پھر دیکھئے وہ کس طرح اپنی رحمتوں کے دروازے آپ پر کھول دیتا ہے مانگنے کا سلیقہ بھی مانگتے مانگتے آ ہی جائے گا۔

میرے ایک اُستاد کہا کرتے تھے ڈھونگ سے ڈھنگ آتا ہے اور ڈھنگ سے رنگ اُن کی زندگی میں تو اِس جملہ کا مطلب سمجھ نہیں آیا اور جب سمجھ آئی تو سمجھانے والا اپنے خالق حقیقی سے جا مِلا اِس مُحاورے کا مطلب جو مجھے سمجھ آیا وہ یہ ہے کہ نقل کرتے کرتے کام کرنا آ جاتا ہے اور کام کرتے کرتے کام کا سلیقہ۔

بس آخر میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں کسی کا دِل نہ دُکھائیں ماں باپ اور اپنے اساتذہ کو راضی رکھیں دُنیا کی بے ثباتی پہ نِگاہ رکھیں اولیائے کاملین کی زندگیوں کا مُطالعہ کریں اور اُس پر عمل کی عادت اپنائیں آپ کو زندگی میں کبھی ناکامی کا مُنہ نہیں دیکھنا پڑے گا اور مندجہ بالا مُحاورے پر غور کیجئے گا کہ اللہ والوں کی باتوں میں حکمت کے موتی چُھپے ہوتے ہیں مایوسی کو اپنے قریب نہ آنے دیں کہ کُفر کی راہ دِکھاتی ہے اور کامیاب وہی ہوتے ہیں جو لگن رکھتے ہیں جو کوشش کرتے ہیں۔

اس لئے آپکو فائدہ نظر آئے یا نہ آئے اسم اعظم پڑھتے رہیے کہ جب قلب کی سیاہی ماندُ ہوگی تبھی تو اُس کے جلوے نظر آئیں گے تیرگی ختم ہوتی جائے گی اور ہر سُو اُجالے بکھرتے چلے جائیں گے اور جب آپ کا قلب ذکر اللہ کی حلاوت کو پالے گا تب آپکو معلوم ہوگا کہ آپ کس عظیم دولت کو پا چُکے ہیں۔

حسب سابق آپ کمنٹ باکس کے ذریعہ سے اسم اعظم حاصل کرسکتے ہیں دیگر روحانی مسائل کے لئے فیس بُک پر رجوع کرسکتے ہیں

http://www.facebook.com/ishratiqbal.warsi

اللہ کریم ہم سب کا حامی و ناصر ہو اور اپنے ذکر کی دولت سے ہمیشہ وابستہ

رکھے آمین بجاہ نبی الامین (وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

زید زمان حامد کاجُرم کیا ہے؟ - حقیقت یا فسانہ

زید زمان حامد کاجُرم کیا ہے؟
محترم قارئین السلامُ علیکم کبھی کبھی ہم لوگ تعصب میں اس قدر آگے.بڑھ جاتے ہیں کہ واپسی کی تمام راہیں مسدود ہو کر رہ جاتی ہیں یہ تعصب ہی تو ہے جو ہم سے انسان کو کبھی شیطان، تو کبھی ملعون کہلواتا ہے اور اگر کبھی اس تعصب میں غُصہ بھی شامل ہوجائے توخِرد سے بھی بے پرواہ کردیتا ہے اور ہم سے ایسا ناقابِل تِلافی جُرم سرزد ہوجاتا ہے کہ بعد میں پچھتاوے کہ سِوا کچھ ہاتھ نہیں لگتا، اور ایک مسلمان جس کی عزت اورآبرو کی حُرمت کی حِفاظت سب مسلمانوں پر مدنی آقا علیہ السلام نے لازم کی ہے اپنے ہی دوسرے مسلمان بھائیوں کے ہاتھوں بے آبرو ہوجاتا ہے۔ ایسا ہی کُچھ گُزشتہ دِنوں سے زید حامد زمان کیساتھ بھی کیا جارہا ہے۔
اہل علم حضرات کی ایک خُوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ جب وہ کوئی بات کہتے ہیں تو پہلے تحقیق کرلیتے ہیں کہ کہیں بعد میں سُبکی نہ اُٹھاناپڑے اور بات جب کسی کے ایمان کی ہو توبڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں کہ کسی مسلمان کوبِنا تحقیق کافرکہنے سے اپنا ایمان بھی سلامت نہیں رہتا اور یہ قلم اُٹھانے

والے کی ذمہ داری بھی ہوتی ہے میں اِس موضوع پر ہرگز قلم نہ اُٹھاتا اگر (حسنین بھائی،، راولپنڈی،،) نے زید زمان حامد سے متعلقہ کالم میں یو ٹیوب کا لنک نہ دِیا ہوتا اِس کے لئے میں اُنکا بے حد ممنون ہوں۔

آج سے ہفتہ دَس دِن پہلے تک میں زید زمان حامد کو جانتا تک بھی نہ تھا پھر اچانک ہی چاروں طرف سے کافر،کافر، اور ملعون۔ کاذب کی صدا بُلند ہونے لگی ناچار ہم نے بھی جُستجو سے مجبور ہو کر زید حامد کو تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ یو ٹیوب پر بیشُمار کلپ موجود ہیں جس کلپ کو اُٹھایا وطن کی مٹی کی مہک پائی اور فکر اقبال (رحمتہ اللہ علیہ) سے معطر پایا ہمیں پھر بھی شُبہ باقی ہی تھا کہ حسنین بھائی کا لنک مل گیا جس میں القمر کی وساطت سے زید حامد زمان کا انٹرویو دیکھنے کو مِلا ہو سکتا ہے بُہت سے قارئین کو یو ،ٹیوب کی سہولت حاصل نہ ہو لہٰذا میں اسے ہو بہو نقل بھی کر رہا ہوں

http://www.youtube.com/watch?v=VPa8dRuL_-Y

زید زمان حامد کا قولی بیان

میں اللہ کو مالک حقیقی اور معبود مانتا اور سمجھتا ہوں اور حضور صلی علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور نبوت میں نہ کسی کو شرکت حاصل ہے اور نہ اللہ تعالیٰ

کی ذات اور صفات میں میں کوئی شریک ہے میرا ایمان عقیدہ اور نظریہ یہ ہے کہ حضور صلی علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور رسول اللہ ہیں آپ صلی علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو شخص دعویٰ نبوت اور رِسالت اور خُود ساختہ مہدیت کا دعویٰ کرے یا اپنے آپ کو حضرات خُلفائے راشدین یا کسی ادنیٰ صحابی کے مقام و مرتبہ پر فائز سمجھے وہ شخص بِلا تفریق جھوٹا، کذاب، مکار، افتراپرداز اور مردود ہے تمام مسلمانوں کی تسلی اور شریعت کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے شرعی اور قانونی طور میں نے تمام شرائط کوپُورا کردیا اور اپنا عقیدہ توحید اور رسالت کو واضح کردیا میں اللہ کے فضل و کرم سے اور حضور صلی علیہ وآلہ وسلم کی مُحبت میں ایک دفعہ پھر اعلان کرتا ہوں کہ میں حضرت محمد صلی علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پہ ایمان رکھتا ہوں آپ کے بعد کسی مُدعی نبوّت کذاب ، نجس، ملعون، مردود، کافر، کے ساتھ میرا دینی اعتبار سے کسی کے ساتھ نہ کوئی تعلق تھا نہ ہے نہ رہے گا انشاءَ اللہ ہر ایسے شخص کو عقیدہ ختم نبوت کے فلسفے کی بُنیاد پر کافر اور مرتد سمجھتا ہوں الحمدُ للہِ مجھ فقیر کا تعلق ایک سید گھرانے سے ہے اور ہمارے خُون ہی میں ادب رَسول صلی علیہ وآلہ وسلم اور عشق رسول شامل ہے میری ساری زندگی اللہ اور اُسکے رسول صلی علیہ وآلہ وسلم کے دین کا دفاع اور کلمتہ اللہ کو بُلند کرنے میں گُزری ہے ساری جوانی افغانستان کے میدانوں میں روسی فوج کے خلاف جہاد میں گُزری الحمدُ للہ آج بھی شدید ترین خطرات میں مشرق اور مغرب کے کُفر کے

خلاف ہم اذان دے رہے ہیں

محترم قارئین میں نے کوشش کی ہے کہ تمام کلام کو من وعن لکھ سکوں لیکن پھر بھی بشری تقاضہ کے تحت سہواً غلطی ممکن ہے اب سوال یہ ہے کہ کیوں آخر زید حامد زمان کو اپنے مسلمان ہونے کی گواہی دینی پڑی جب کہ ہم میں سے کوئی بھی اس طرح لوگوں کے سامنے گواہی دینا پسند نہیں کریگا ؟ آخر کیوں اتنی گرد اُڑائی گئی کہ ایک مسلمان کو کافر سے تشبیہ دی گئی ؟ اصل جواب تو وہی لوگ دے سکتے ہیں جو اس تمام معالمے کی ڈور تھامے دیوار کے اُس پار کھڑے ہیں اور جنہوں نے یقیناً اس تمام معالمے کا سیاسی یا دُنیاوی فائدہ اُٹھایا ہے میرے ایک محترم سینئر کالم نگار نے ہماری ویب کے مذہبی سیکشن میں اپنے کالم میں لکھا ہے کہ زید زمان حامد کا تعلق پہلے جماعت اسلامی سے تھا اور وہ بہت سرگرم کارکن رہے ہیں اور جہادی بھی اصولاً ہونا تو یہی چاہیے تھا کہ وہی تحقیق کرتے اور اپنے سابق سپاھی کی مدد کو آتے حقائق کو واقعی حقیقی انداز میں کھوجتے اور اپنے مجاہد کے چہرے سے گرد صاف کرتے لیکن ایسا کیا نہیں گیا اب ایسا کیوں نہیں کیا گیا ! اور کیوں ایک مسلمان کو کافر کا نِقاب پہنا کر ذلیل کیا گیا میں اس پر تبصرہ نہیں کرونگا لیکن کہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں رہی کہ زید حامد زمان طالبان کی پاکستان

میں بڑھتی ہوئی دہشتگردی کو.برملا میڈیا پر تنقید کا نشانہ بنا رہے تھے اس بات میں کوئی شُبہ نہیں کہ جسقدر مالی، جانی، اور معیشت کا نقصان طالبان نے پاکستان کو پہنچایا ہے اِتنا نقصان تو ہمارے ازلی دُشمن بھارت نے بھی ہمیں نہیں پہنچایا کہیں اِسی بات کا بدلہ تو طالبان حامی قوتیں زید حامد زمان سے نہیں لے رہیں کہ وہ اُنکے ایجنڈے کو پامال کرنے پہ تُلا ہے اور ایک روشن پاکستان کا خُواب دیکھ رہا ہے کہیں یہ سزا حق پرستی کی صدا کو بُلند کرنے کی وجہ سے تو نہیں؟

خُفیہ شادیوں کے معاشرے پر اثرات اور اُنکا انجام

محترم قارئین السلامُ علیکم

پہلے باخبر رہنے کیلئے میں باقاعدگی سے اخبارات کا مُطالعہ کیا کرتا تھا جب سے مُلک کے حالات خانہ جنگی اور مُعاشی بھوک کی جانب محو سفر ہوئے ہیں اخبارات پڑھنے کی تاب ہی ختم ہو کر رہ گئی ہے جب اخبار اُٹھاؤ یہی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں کسی شخص نے بھوک بیروزگاری سے تنگ ہو کر اپنے بچوں کی گردن پہ چُھری پھیر دی اور خود کو بھی ہلاک کرلیا یا کہیں چند ٹکوں کی خاطر چوروں نے تمام گھر کے مکینوں کو قتل کر ڈالا، تو کہیں کوئی بچی اپنے ماں باپ کے چہرے پہ سیاہی مل کر گھر سے بھاگ گئی اب جوں جوں عمر اپنے اختتام کی جانب یا یوں کہیئے کہ انجام کی جانب بڑھ رہی ہے مجھ جیسے حساس دل انسان کی ہمت ایسی خبروں کی متحمل نہیں رہی۔

جمعہ دو اپریل کو ایک خبر دیکھی تھی جس میں شعیب ملک کی خفیہ شادی کا تذکرہ چل رہا تھا خبر سے تو میں نظر چُرا گیا لیکن دِل اور دماغ سے نظر کیسے چُراتا کہ میرے اختیار کی بات نہیں تھی کہ طبعیت میں عجیب سی بے چینی پیدا ہو گئی لوگ شائد ایسے واقعات سُن یا پڑھ کر انجوائے کرتے ہوں مجھے ہمیشہ ایسی تکلیف محسوس ہوتی ہے جیسے یہ واقعہ میری فیملی میں کسی کو پیش آگیا ہو

بہرحال میں بات کر رہا تھا شعیب ملک کی مبینہ خفیہ شادی کی، اگرچہ یہ معاملہ عائشہ کی طلاق کیساتھ اب بظاہر ختم ہوگیا ہے، اور یہ پہلی مرتبہ نہیں ہوا کہ کسی سلیبرٹی کی خفیہ شادی کا انکشاف ہُوا ہو بلکہ آئے دن سلیبر ٹیز کی خفیہ شادیاں منظر عام پر آتی رہتیں ہیں۔

اور اب ان سلیبر ٹیز کی دیکھا دیکھی عوام الناس میں بھی یہ مرض پیدا ہوتا جارہا ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں بیشمار خرابیاں پیدا ہوتی چلی جارہی ہیں نکاح سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے (اگرچہ خفیہ شادی سے بھی نکاح قائم ہوجاتا ہے) لیکن) آپ یہ بھی غور کیجئے کہ نکاح اور زنا میں ایک واضح فرق یہ بھی ہے کہ نکاح اعلانیہ کیا جاتا ہے جبکہ زنا کو چُھپایا جاتا ہے۔

اور نکاح کے اعلان کا حکم ہمیں نبی پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دیا ہے اب اگر شادی کو چھپایا جائے تو اِسے آپ ہی کہیے کیا یہ اس بات کا اعتراف نہیں کہ دِل میں بد نیتی ہے چُور ہے یا پھر یہ نکاح سُنت کو پورا کرنے کیلئے نہیں بلکہ اپنی جنسی بھوک کو مٹانے کیلئے کیا گیا ہے۔

پھر اِس نکاح کی ایک قباحت یہ بھی ہے ایسی شادی کے بعد عورت کو اس کی مرضی کیخلاف مانع حمل ادویات استعمال کرائی جاتی ہیں اور اگر بالفرض پھر بھی حمل

رہ جائے تو ایسے بچوں کو دُنیا میں نہیں آنے دیا جاتا بلکہ حمل ساقط کروا دیا جاتا ہے جو کہ ایک بُہت بڑا گُناہ ہے

ذرا سوچیئے یہ لوگ ایک سچ کو چُھپانے کیلیئے کیا کیا گُناہ نہیں کرتے اللہ کریم نے عورت کی فطرت میں ممتا رکھی ہے وہ زیادہ عرصہ تک مرد کی اس فرمائش کو پورا نہیں کر سکتی کہ بچّہ نہ جنّے اُسے جو تخلیق کا حق اللہ کریم نے دیا ہے وہ اُس سے محروم رہے بالآخر یہی بات اکثر ناچاقی کا سبب بھی بن جاتی ہے اور مجبوراً عورت طلاق لینے پر مجبور ہوجاتی ہے یا مرد اپنی جان چُھڑانے کیلیئے اُسے ناحق طلاق دے دیتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں اس گُناہ میں مرد کا حصہ زیادہ ہوتا ہے کہ اگر وہ اس شادی کا اظہار کردے تو بُہت سے گُناہوں سے بچا جا سکتا ہے۔

اور پھر ہم یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ دُنیا مکافات عمل کی جگہ ہے کل اگر کوئی ہمارا اپنا اس مصیبت میں گرفتار ہوگیا تو ہم کسے قصوروار ٹھہرائیں گے۔

اکثر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جو نوجوان شادی سے پہلے دودھ کی نہریں نکالنے کا عزم رکھتے ہیں جب حقیقی ذمہ داری نبھانے کا موقع آتا ہے تو اُنکے دعوے بودے ثابت ہوتے ہیں اور پھر جب ناکامیاں پے در پے مصیبت کے پہاڑ

کھڑے کر دیتی ہیں تو یہی نوجوان اپنی زمہ داریوں سے مُنہ چُرا کر یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ ہم سے والدین کی نافرمانی سرزد ہو گئی ہے اور پھر یہ اس کا ازالہ اپنی شریکِ حیات کو طلاق کا طوق پہنا کر کرتے ہیں اگر یہ نوجوان اپنے دعوے میں واقعی سچے ہوتے تو اِنہیں والدین کی اطاعت اور فرنبرداری کا جذبہ شادی سے پہلے آتا نا کہ کسی لڑکی کی زندگی کو تباہ اور برباد کرنے کے بعد ہمارے معاشرے میں کنواری بچیوں کے لئے اچھے رشتہ وافر مقدار میں موجود نہیں تو اب طلاق یافتہ خاتون سے کون نکاح کی جرات رندانہ کرے گا اور چلیں مان لیتے ہیں کہ اُس خاتون کی شادی اپنی عمر سے بیس تیس برس سے زائد کسی مرد سے ہو بھی گئی تو اب تا حیات خفیہ شادی کے طعنے اُسکا مقدر ہونگے کم عمر بچیاں تو کانچ کے شیشے کی مانند ہوتی ہیں اِسی واسطے سمجھدار والدین اپنی بچیوں کی بہتر پرورش کیساتھ ساتھ بہترین نگہداشت بھی کرتے ہیں میری زاتی رائے یہ ہے کہ اس قسم کی صورتحال اگر پیدا ہو جائے تو والدین کو کمپرومائس کرنا چاہیے شادی میں بچوں کی پسند کو ملحوظ رکھا جانا چاہیے اور اگر رشتہ دینے میں کوئی قباحت موجود نہ ہو تو اُنکی پسند کو اولیت دی جائے اس سے ہمارے معاشرے میں بہتری پیدا ہوگی بچوں میں خود اعتمادی بڑھی گی اور شائد ایسے واقعات کی روک تھام بھی۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اسم اعظم حصہ-6

محترم قارئین السلامُ علیکم

حضرت ابو الدرداء اور حضرت ابن عباس (رضی اللہُ تعالیٰ عنہُم) فرماتے ہیں کہ اسم اعظم رَبِّ رَبِّ ہے (رواہ الحاکم)۔

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان عالیشان ہے جب بندہ یارَبِّ یارَبِّ کہتا ہے رب عزوجل ارشاد فرماتا ہے لَبیک اے بندے مانگ کہ تجھے عطا کیا جائے (رواہ ابن ابی الدُنیا عن اُم المومنین عائشہ الصدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا)۔

حضرت امام زین العابدین (رضی اللہ عنہٗ) ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے حالتِ

خواب میں دِکھایا گیا کہ اسم اعظم،، اللہُ اللہُ الذی لاَ اِلٰہَ اِلّاَ ھُوَ رَبُّ العَرشِ العَظِیم ہے۔

ابو امامہ باہلی (رضی اللہُ عنہٗ) کے شاگرد قاسم بن عبدالرحمٰن شامی فرماتے ہیں کہ اسم اعظم یا حَیُّ یا قَیُّوم ہے۔

آج اسم اعظم کے اِس مضمون میں اسم اعظم کے علاوہ آپکو ایک ایسی نفل نماز کے متعلق بتاؤں گا جو مشکلات کے حل میں اپنا ثانی نہیں رکھتی اور میں نے جن احباب کو بھی اِس کے پڑھنے کی ترغیب دی اُنھوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ اس نفلی نماز کی تاثیر بُہت جلد ظاہر ہوتی ہے اور اس نماز کا نام صلوٰۃ الاسرار ہے اس نماز کے راوی حضور سیدنا غوث اعظم عبدالقار جیلانی (رحمتہ اللہ علیہ) ہیں اور امام عاشقان امام احمد رضا (علیہ الرحمۃ) اس نفلی نماز کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہتھیار ہے جسکا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔

اگر آپ اسم اعظم کیساتھ اس نفلی نماز کا بھی اہتمام کریں تو بُہت جلد اپنے مسائل کا حل دریافت کرلیں گے۔

اس نفلی نماز کی ادائیگی کا طریقہ اس لنک سے حاصل کرلیں

http://www.facebook.com/home.php?#!/photo.php?

pid=295928&id=100000136642576

یا میرے فیس بُک اکاؤنٹ سے حاصل کرلیں

http://www.facebook.com/ishratiqbal.warsi

اپنے کالم اول میں اسم اعظم کی اجازت کے ساتھ اُسکی شرائط بھی بیان کی تھیں جنہیں آج دوبارہ دھرانا چاہوں گا تاکہ یاداشت محفوظ رہے میری جانب سے ہراُس مسلمان کو اسم اعظم پڑھنے کی اجازت ہے جس کے قلب میں تمام انبیاء کرام (علیہمُ السلام) کی عظمت اور ادب موجود ہو جو تمام صحابہ کرام (رضوانُ اللہِ اجمعین) سے محبت رکھتا ہو جو تمام اولیائے کاملین تمام سلاسل کے بُزرگانِ دین سے عقیدت رکھتا ہو جب اسم اعظم پڑھنا شروع کرے تو پہلے دِن حضور سیدی غوثِ اعظم (رحمتہ اللہ علیہ) اور تمام بُزرگان دین کے ایصال ثواب کی نیت سے فاتحہ کا اہتمام کرے ممکن ہو تو کسی یتیم بچے کی خیر خُواہی کا انتظام کرے پھر روزانہ ایک وقت مقرر کرکے اسم اعظم کی جو تعداد ہو اُسے پڑھے اول اور آخر میں طاق تعداد میں دُرودِ پاک پڑھے نماز کی پابندی کرے والدین کا ادب کرے، یہ تمام شرائط پوری کرنے والا کبھی خیر سے محروم نہیں رہے گا دُنیاوی کام انشاءاللہ خود بخود تکمیل کی جانب بڑھیں گے مشکلات کو خود مشکل پیش آجائے گی دیکھیں روحانی فیض کا سلسلہ درجہ بہ درجہ کڑی بہ کڑی ملتا ہے جن کا رہنما نہیں ہوتا یا جس کشتی کا کوئی ناخدا نہیں ہوتا وہ اکثر طوفانوں کے بھنور میں پھنس جاتی ہے اِسے یوں سمجھیں کہ ہم نے گھر میں بجلی کی فٹنگ تو

کروالی لیکن جب تک آپ مین پاور سپلائی کی وائر سے اپنے گھر کی وائر کو نہ جوڑیں آپ کے گھر میں بجلی کی تنصیب کا مرحلہ نامکمل رہے گا اور جب تک ان مین وائر کا رابطہ گرڈ اسٹیشن، اور گرڈ اسٹیشن کا رابطہ مین پاور پلانٹ سے نہ ہو آپ بجلی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے اِسی طرح اپنا سلسلہ اولیائے کاملین، اصحاب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور رسولِ پاک صاحِبِ لولاک سیاج افلاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جوڑے بِنا آپ روحانی فیوض وبرکات بھی حاصل نہیں کر سکتے یعنی تمام کَڑیوں کا تَسلسُل سے مِلا ہونا بھی بُہت ضروری ہے۔اِسی پہلی کَڑی کے متعلق کسی نے کیا خُوب کہا ہے۔

اللہ اللہ کئے جانے سے اللہ نہ ملے

اللہ والے ہیں جو اللہ سے مِلا دیتے ہیں

جس طرح شرعی معاملات اور مسائل کو سمجھنے کیلئے کسی عالم دین کی ضرورت پیش آتی ہے اُسی طرح راہ سلوک راہ طریقت پہ چلنے کیلئے کسی کامل کے سہارے کی ضرورت بھی ازبس ضروری ہے ورنہ جس طرح صحرا میں قزاق اکیلے مسافر کو لوٹ لیا کرتے ہیں اسی طرح راہ طریقت پر عام انسان کا کب شیطان ایمان اُچک لے خبر ہی نہیں ہوتی اور رہنما کیوں ضروری ہے؟ اسکا جواز سمجھنے کیلئے سورہ کہف کا مطالعہ کریں (سورہ کہف آیت نمبر 64 تا 82)

آیئے اِسی بحث کو سمیٹے ہوئے آپکو تاریخ کے اوراق سے ایک نہائت سبق آموز عبرت سے بھرپور واقعہ سُناؤں۔

حضرت جُنید بغدادی (رحمتہ اللہِ الوالی) سے کون ناواقف ہوگا آپ راہِ طریقت کے ایسے درخشندہ ستارہ ہیں جو قیامت تک مسلمانوں کی رہنمائی کرتا رہے گا حضرت جُنید بغدادی (رحمتہ اللہِ الوالی) اکثر اپنے مریدین سے ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ہمیشہ جلوت میں رہو خلوت اِختیار نہ کرو کہ شیطان ہمارا ازلی دُشمن ہے اور ہر لحظہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ کس طرح بنی آدم سے اپنی شکست کا بدلہ لے اور اُسے اندھیروں میں دھکیل دے آپ کا ایک مرید جسے روحانی علوم سے بُہت اُنس تھا اور اُسے روحانی مدارج طے کرنے کی بُہت جلدی تھی اپنے ساتھیوں سے اکثر کہتا، کہ شیخ ہمیں تو کہتے ہیں کہ محفل اِختیار کرو جب کہ خود تنہائی بھی اِختیار کرتے ہیں یہ بات آہستہ آہستہ شیطان نے اُس کے دماغ میں ایسی بٹھائی کہ وہ سمجھنے لگا، شائد شیخ نہیں چاہتے کہ کوئی دوسرا شیخ کی طرح عالی مرتبہ ہوجائے اِسی لئے خُود تو اکثر خَلوت اِختیار فرمالیتے ہیں جبکہ مریدین کو ہمیشہ جلوت (محفل) میں رہنے کی تلقین فرماتے ہیں ضرور اِس میں یہی راز ہے کہ خلوت اِختیار کرنے سے انسان جلد ولائت کا اعلیٰ درجہ پالیتا ہے۔ اور میں ضرور خَلوت اِختیار کرونگا۔

لہٰذا اُس بد نصیب نے شیطان کے بہکاوے میں آ کر اپنے وقت کی کامل ترین ہستی حضرت جُنید بغدادی (رحمتہ اللہِ الوالی) کی صحبت ترک کردی اور اپنے گھر کے ایک گوشہ میں تنہائی اِختیار کرلی اب یہ تمام دن رات اُسی گوشہ میں گُزارنے لگا خوب نماز کا اہتمام کرتا دِن رات عبادت اور ریاضت میں گُزارنے لگا لوگوں سے میل جُول ختم کرلیا کچھ عرصہ اس طرح گُزارنے کے بعد ایک دِن لوگوں نے اُسے بازار میں دیکھا تو چند پیر بھائیوں نے اُسے گھیر لیا اور اُسکی خیریت دریافت کرنے لگے تب اُس نے بڑی نخوت سے جواب دیا ارے بے وقوفوں تمھیں تمہارے شیخ نے اتنے برسوں میں بھی جو نہیں دیا وہ میں نے چند دِنوں میں پالیا لوگوں نے استعجاب کے عالم میں دریافت کیا آخر تمھیں ایسی کونسی دولت مُیسر آ گئی جو اپنے مُرشد کا تذکرہ اور وقت کے کامل ولی کا ذکر اِس طرح کر رہے ہو؟

تب اس بد نصیب مُرید نے بڑی نَخوت سے جواب دیا میرا حال کیا دریافت کرتے ہو میرا تو یہ حال ہے کہ میری ہر رات فرشتوں کیساتھ جنت میں بسر ہوتی ہے مجھے کسی کامل ولی کی ضرورت نہیں میں تو خود کامل ہوں اور جو چاہوں وہ پا لیتا ہوں چند ہی دِنوں میں تمام بغداد میں اس مرید کے چرچے ہر خاص و عام کی ژباں پر عام تھے اور اِسکی خود ساختہ بیان کردہ کرامتوں کی دُھوم تمام شہر

میں مچنے لگی یہ بات ایک دِن حضرت جُنید بغدادی (رحمتہ اللہ علیہ) کی بارگاہ میں بھی پیش کی گئی جسے سُن کر حضرت جُنید بغدادی (رحمتہ اللہ علیہ) یہ راز جان چُکے تھے کہ اُنکا ایک مُرید شیطان کی چال کا شکار ہوچُکا ہے۔

لہذا آپ نے اُس کی اصلاح کی خاطر اپنے چند خاص مُریدوں کو اُس مُرید کو بُلانے کیلئے بھیجا اور ساتھ ہی اپنا سلام بھی بھیجا جب آپکا یہ پیغام اُس مرید تک پہنچا کہ حضرت شیخ جُنید بغدادی (رحمتہ اللہِ الوالی) ملاقات کرنا چاہتے ہیں تو اُس مرید نے بڑی بے اعتنائی سے جواب دیا کہ سُنو ملاقات کا شوق حضرت شیخ جُنید بغدادی (رحمتہ اللہِ الوالی) کو ہے لہذا اُنہیں چاہیے کہ خود ملنے کے لئے آجائیں مجھے تمہارے شیخ سے ملاقات میں کوئی دلچسپی نہیں اور نہ ہی میرے پاس اِتنا فالتو وقت ہے کہ ہر ایک کی خواہش پر اُس سے مُلنے جاؤں جب اسطرح کا سخت جواب حضرت شیخ جُنید بغدادی (رحمتہ اللہِ الوالی) کو سُنایا گیا تو آپ نے بڑے تاسف سے فرمایا اُس بیچارے کو ابھی اپنا ہوش ہی کہاں! جو اپنے مُرشد کے پیغام کو سمجھے یہ میری ذمہ داری ہے کہ اپنے مُرید کی اصلاح کروں جب اس سحر کا نشہ اُترے گا تو یہ کبر بھی ریزہ ریزہ ہو ہی جائے گا حضرت شیخ جُنید بغدادی رحمتہ اللہِ الوالی) اگلے ہی روز اپنے مُرید کے گھر پُہنچ گئے اُس بد نصیب مُرید نے بڑی) بے رغبتی سے کہا آؤ جُنید کیسے ہو اور کیسے آنا ہوا؟

لوگ ششدر رہ گئے جب اُنھوں نے اپنے وقت کے کامل ترین بُزرگ شیخ جُنید بغدادی رحمتہ اللہِ الوالی) کو اپنے ہی مُرید کے تخت کے سامنے زمین پر چار زانوں بیٹھے دیکھا اُس) بد بخت سے یہ بھی نہ ہوا کہ اپنے مُرشد کو اپنے تخت پر ہی جگہ دے دیتا مگر اُسے ہوش ہی کہاں تھا ورنہ ادب و عِشق کہاں اِجازت دیتا ہے کہ اپنے شیخ کی اِجازت کے بِنا مُرید فرش پر بھی بیٹھے۔

بہرحال شیخ جُنید بغدادی (رحمتہ اللہِ الوالی) بڑی عاجزی کیساتھ فرش پر جلوہ افروز ہو چُکنے کے بعد گویا ہوئے آپکی کرامات کی بُہت شُہرت سُنی سوچا کہ آپ سے ملاقات بھی ہوجائے اور آپ ہی کی زُبانی آپکا احوال بھی معلوم ہوجائے سُنا ہے کہ آج کل آپ روزانہ جنت کی سیر کو جاتے ہیں؟

یہ سُن کر مُرید مُسکرانے لگا اور کہنے لگا بس جناب یہ تو اپنے اپنے نصیب کی بات ہے کسی کو برسوں کی ریاضت کے بعد بھی یہ مقام نہیں ملتا اور کسی کو چند دنوں میں ہی یہ مُقام حاصل ہوجاتا ہے جیسے مجھ پر اکرام کی بارش ہوئی ہے اب کیا بتاؤں کہ کیسے مزے میں دِن رات بسر ہو رہے ہیں بس فضل خُدا سے جونہی رات ڈھلتی ہے فرشتے آجاتے ہیں کہ جناب جنت کی سیر کو چلیں اور بصد شوق سے جنتی سواریوں جو اونٹ کی سی شکل کی ہوتی ہے پہ سُوار کراتے ہیں جو

مجھے لمحوں میں جنت کے اعلیٰ باغات میں لے جاتے ہیں جہاں اعلیٰ و انواع اقسام کے جنتی کھانے جنتی دستر خوانوں پر میری خاطر لگائے جاتے ہیں پھر خوش ذائقہ مشروبات کے جام پیش کئے جاتے ہیں پھر جنتی میزبان مجھے موسیقی سُناتے ہیں اور یہ محفل رات بھر جاری رہتی ہے صبح صادق سے قبل جب آنکھوں میں خمار بڑھتا ہے یہی فرشتے واپس بڑے اکرام سے گھر چھوڑ جاتے ہیں۔

شیخ جُنید بغدادی (رحمتہ اللہِ الوالی) بڑے انہماک سے یہ تمام کہانی سُن رہے تھے گویا ہوئے اگر میں آپ سے کوئی گُزارش کروں تو کیا آپ اُسے پوری فرما دیں گے؟ مُرید نے کہا کوشش کروں گا کہ آپ کو خالی ہاتھ نہ بھیجوں کہیے کیا چاہیے؟ شیخ جُنید بغدادی (رحمتہ اللہِ الوالی) نے ارشاد فرمایا بس میں اِتنا چاہتا ہوں کہ آج رات آپ جب جنت میں داخل ہو چکیں تو ایک مرتبہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ لیجئے گا۔ مُرید نے چونکتے ہوئے شیخ جُنید بغدادی (رحمتہ اللہِ الوالی) سے کہا کیا مطلب ہے تمہارا یہ کلمہ تو دفع شیطان کیلئے پڑھا جاتا ہے اور جنت میں شیطان کا کیا کام جناب؟ شیخ جُنید بغدادی (رحمتہ اللہِ الوالی) نے ارشاد فرمایا کیا آپ نے غور نہیں

کیا کہ اس میں اللہ کے اسماء بھی شامل ہیں اور بعض بُزرگوں کے قول کے مطابق اس میں اسم اعظم موجود ہے میرے خیال میں تو اس کلمہ کو جنت میں پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں بس میری اِتنی ہی گزارش ہے اگر آپ پوری فرما دیں تو مہربانی ہوگی۔

مُرید نے باالآخر یہ کلمہ جنت میں پڑھنے کی حامی بھر لی اور شیخ جُنید بغدادی (رحمتہ اللہِ الوالی) اپنے آستانے مبارک کو تشریف لے گئے۔

اُس رات جب یہ مُرید جنت کے دستر خوان پر کھانا کھا رہا تھا تو بڑی بے چینی محسوس کر رہا تھا جیسے کوئی غیر مرئی طاقت اُسے دیکھ رہی ہو حالانکہ تمام علاقہ آراستہ تھا برقی قمقموں نے ہر سو نور پھیلایا ہوا تھا دستر خوان پر ایک سے ایک اور اعلیٰ سے اعلیٰ نعمت موجود تھی تمام سماں معطر تھا خدام اٹکھلیاں کرتے پھر رہے تھے مگر یہ کیسی بے چینی تھی جس نے تمام لطف کا مزا غارت کر دیا تھا پھر اُسے اچانک یاد آیا کہ اُس نے جُنید بغدادی سے آج ایک وعدہ کیا ہے لہٰذا اس نے بادل ناخواستہ پڑھا لا حَولَ وَلا قُوَّۃَ اِلا بِاللہِ العَلِیِ العَظِیم اور یہ پڑھنا تھا کہ ایک شور بپا ہوگیا تمام نور ظلمت میں تبدیل ہوگیا، وہ دستر خوان جو ابھی نعمتوں سے مالا مال تھا غِلاظتوں کا ڈھیر بن گیا، خوشبو تعفن میں بدل گئی بظاہر نظر آنے والے فرشتے

بوسیدہ ہڈیوں کی صورت اختیار کر گئے ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا دور دور تک کچھ نظر نہیں آتا تھا دِل میں عجب سے ھول اُٹھ رہے تھے اِلہی کیا ماجرا ہوگیا یہ نور اس کلمہ سے ظلمت میں کیوں بدل گیا یہ وہ سوالات تھے جو اس مُرید کے ذہن میں یکے بعد دیگرے پیدا ہو رہے تھے اور آخری خیال اُس ہستی کے بارے میں تھا جنھوں نے اِس کلمہ کی تلقین کی تھی للہذا آخری کلمہ جو زُباں سے نکلا وہ یہی تھا کہ یا شیخ میری مدد کیجئے اور اس کے بعد یہ مُرید بے ہوش ہوگیا جب ہوش وخرد واپس آئے تو خود کو حضرت شیخ جُنید بغدادی (رحمتہ اللہِ الوالی) کے آستانے میں موجود پایا.بڑھ کر حضرت شیخ جُنید بغدادی (رحمتہ اللہِ الوالی) کے قدموں کو تھام لیا اور بے اختیار رونے لگا اور عرض کرنے لگا حضور مجھے معاف کر دیجئے میں بہک گیا تھا آج میں جان گیا ہوں کہ آپ اپنے مریدوں کو کیوں جلوت (محفل) میں رہنے کی ہدایت کرتے تھے اور کیوں خلوت تنہائی) سے دور رہنے کا حکم دیتے ہیں! واقعی خلوت نشینی کا فائدہ شیطان نے خوب) اُٹھایا اور مجھے دھوکہ دینے میں کامیاب رہا میں وعدہ کرتا ہوں اب کبھی آپ کے دامن کرم سے جُدا نہ رہونگا اور ہمیشہ آپکی صحبت کے دریائے فیض میں غوطہ زن رہونگا۔
حسب سابق آپ کمنٹس باکس میں اپنا نام لکھ کر اسم اعظم حاصل کر سکتے ہیں دیگر روحانی مسائل کے حل کیلیے فیس بُک پر رابطہ کر سکتے ہیں کچھ ساتھی اپنے نام

کیساتھ والدین کے نام اور گھر کا ایڈریس یا تاریخ پیدائش بھی لکھ دیتے ہیں اس کی چنداں ضرورت نہیں اسلئے احتیاط کیجئے اگر کوئی ایسا مسئلہ ہو جس میں والدین کے نام دینے کی حاجت ہو یا کوئی پرسنل معاملہ ہو تو فیس بُک پر رابطہ کرلیں فیس بُک پر اکاؤنٹ اسی واسطہ بنایا گیا ہے اگر مستقبل میں ہماری ویب پر پرسنل میسج کی سہولت مل گئی تو فیس بُک کی حاجت نہ رہے گی۔

اللہ کریم کی بارگاہ میں دُعا ہے کہ اپنے مدنی محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے طفیل تمام مسلمانوں کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھے اور اولیائے کاملین کے دامنوں سے ہمیشہ وابستہ رکھے۔

(آمین بجاہِ النبی الکریم (وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم

کیا اللہ کو خُدا کہنا منع ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم قارئین السلامُ علیکم اس آرٹیکل کو بغور پڑھنے کی استدعا ہے انشاءَ اللہ بہت نافع ہوگا ہوسکتا ہے کبھی آپ کیساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا ہو کہ آپ نے کسی کو خُدا حافظ کہا ہو یا آپ کوئی ایسا شعر گُنگُنا رہے ہُوں جس میں لفظ خُدا کا استعمال ہوا ہو اور کسی نے آپ کو پکڑ کر جھنجوڑ دیا ہو کہ بھائی کیا کرتے ہو اللہ کو خُدا کہتے ہو حالانکہ خُدا تو فارسی کا لفظ ہے اور فارسی تو جناب آتش پرستوں کی بھی زُبان ہے لہذا توبہ کرو ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تُمہارا خاتمہ بھی آتش پرستوں کیساتھ ہو! عوامُ الناس جب اِس طرح کی باتیں سُنتے ہیں تو سَہم سے جاتے ہیں اور کہتے ہونگے کہ بھئی اپنا ایمان تو خطرے میں تھا اللہ بھلا کرے صاحب کا جنکی بدولت آتش پرستوں کیساتھ خاتمہ ہونے سے بچ گئے۔

بے شک اللہ کہنا لکھنا ہی سب سے افضل ہے کہ یہ اسم ذات ہے کوئی صفتی اسم اِلٰہی اسکا تبادل نہیں ہوسکتا کیونکہ ہر صفتی نام میں کسی ایک مخصوص صفت کا ذکر ہوتا ہے لیکن اسم اللہ تمام صِفات کا مظہر ہے یا یوں سمجھ لیجئے کہ ہر صفتی اسم اِک خوشنما پھول ہے تو اسم اللہ تمام پھولوں کا حسین گُلدستہ

ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ اللہ کریم کو خُدا عزوجل کہنا منع ہے۔
میں نے جب اِس طرح کی کئی ایک پوسٹ کو نیٹ پر پڑھا تو مجھے تشویش لاحق ہوئی کہ اس تحریر کو لکھنے کا مقصد چاہے جو بھی رہا ہو لیکن ایک بات ضرور ہے کہ اس کالم میں علامہ اقبال علیہ الرحمہ سے لیکر شیخ سعدی علیہ الرحمہ تک اور بر صغیر کے ہزاروں علماء کی ذات کو نشانہ بنایا گیا ہے لہذا سب سے پہلے دارالافتاء حیدر آباد فون کیا اور فتویٰ معلوم کیا فون نمبر 0092222621563
اسکے بعد دارالافتاء کنزالایمان کراچی فون نمبر 00922134855174
پھر دارالافتاء نورالعرفان کراچی فون نمبر 00922132203640
اسکے بعد مفتی محمد یعقوب سعیدی صاحب سے گفتگو کی اسکے بعد بنوری ٹاؤن کراچی کے دارالافتاء کے مفتی عبداللہ شوکت سے بھی ٹیلیفون پر گفتگو کی اور سبھی سے ایک ہی سوال دریافت کیا کہ جناب آپ اس مسئلہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں کہ اللہ کریم کو خدا کہہ کر پکارنا جائز ہے یا ناجائز۔
اور مجھے ہر جگہ سے ایک ہی جواب مِلا کہ بالکل جائز ہے اور سبھی علماءَ نے کہا کہ علماء اُمت کا اس پر اجماع بھی ہے لیکن بعض شر پسند عناصر مسلمانوں میں منافرت پھیلانے کیلئے ایسا پروپیگنڈہ کرتے ہیں جو قابل مذمت ہے۔

اور علامہ غلام رسول سعیدی طبیعان القران جلد 3 صفحہ 361 پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں جسکا خلاصہ پیش خدمت ہے کہ ایسے نام سے اللہ کو پکارنا جو اُس کی شان کے زیبا نہ ہو منع ہے جیسے اللہ کے ساتھ میاں کا اضافہ کے یہ لفظ ں انسانوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے یا اللہ کیساتھ سائیں کا اضافہ کہ سائیں فقیر کو بھی کہتے ہیں اس لئے اس کا اطلاق ممنوع ہے جبکہ ایسے الفاظ سے اللہ کو پُکارنا جو اُس کی شان کے مطابق ہیں جیسے فارسی میں خدااور ترکی میں تنکری کہ ان کے معنیٰ میں ابہام نہیں جائز ہیں
محترم قارئین اب آتے ہیں اُس حدیث کی جانب جس کو یار لوگ بڑی ڈھٹائی کیساتھ اپنے حق میں پیش کیا کرتے ہیں
مفہوم " کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ اُنہی میں سے ہوگا قیامت میں اُس کے ساتھ حشر ہوگا۔ (سنن ابو داود)۔"

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا (علیہ الرحمہ) فتاویٰ رضویہ جلد۸ صفحہ 622 پر ارشاد فرماتے ہیں بحر الرائق ودر مختار و ردالمحتار وغیرہا ملاحظہ ہوں کہ

بد مذہبوں سے مشابہت اُسی اَمر میں ممنوع ہے جو فی نفسہ شرعاً مذموم یا اس قوم کا شعار خاص یا خود فاعل کو ان سے مشابہت پیدا کرنا مقصود ہو ورنہ زنہار وجہ ممانعت نہیں۔

سیدی اعلیٰ حضرت نے تشبیہ پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے جسے آپ جلد نمبر اکیس تا چوبیس میں دیکھ سکتے ہیں جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ جس فعل کو کفار مذہب کا حصہ سمجھ کر رسماً ادا کرتے ہوں مثلاً سینے پر زنار باندھنا یا صلیب لٹکانا یا بغل وغیرہ کے بال بڑھانا، مونچھوں کا بہت زیادہ بڑھانا جس سے کسی بد مذہب کی مُشابِہت پیدا ہو یہ مشابہت ممنوع اور حرام ہے یا یہ کہ کُفار سے مُحبت کی بنا پر اُنکی نقالی کرے۔ نا کہ کسی زبان کے استعمال سے مشابہت لازم آئے گی۔

لیکن محترم قارئین اِن لوگوں نے ایک ایسے مسئلے کو اپنی جانب سے متنازع بنا دیا جو کہ مسئلہ تھا ہی نہیں اور جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع بھی ہے۔

اعتراضات

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جب ایسے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی جائے تو یہ (1) کہتے ہیں کہ جب اللہ کو خُدا کہہ سکتے ہیں تو رام اور وشنو کہہ کر

کیوں نہیں پکارتے ؟

جواباً عرض ہے کہ رام کے ایک معنی، نہایت فرماں بردار، بھی ہیں اور وشنو کے معنی ہندوؤں کے ہاں چار ہاتھوں والا رب، بھی ہیں اور یقیناً یہ دونوں معنی مسلمانوں کے عقائد کے خلاف ہیں۔

اب دیکھتے ہیں کہ خدا کے لغوی معنی کیا ہیں تو خدا کے لغوی معنٰی وہی ہیں جو اللہ کی شان کے مطابق ہیں یعنی مالک، آقا، باکمال، معبود، اور رب۔

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ عرب شریف میں نبی پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ (2) وسلم) کے دور مبارک سے لیکر آج تک اللہ عزوجل کو خدا نہیں کہا جاتا۔

جواب

تو بھائی عربی اسقدر وسیع زبان ہے کہ عربی کے چھ لاکھ الفاظ وہ ہیں جو آج متروک ہو چکے ہیں صرف اِسی بات سے اِس زبان کی وُسعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ عرب شریف میں فارسی نہیں بولی جاتی تو بھائی اُنہیں کیا ضرورت ہے کہ ایسی وسیع زبان کے ہوتے ہوئے جہاں صرف ایک جانور کے عربی میں بیس تیس تک نام ہوتے ہیں وہ فارسی کا استعمال کریں جبکہ اردو

عربی کے مُقابلے میں ایک محدود الفاظ رکھنے والی زُبان ہے اور لفظ خُدا کو فارسی سے شعری ضرورت کے پیش نظر لیا گیا ہے ناکہ مجوسیوں کی اتباع کی خاطر لہٰذا دانشمندی کا تقاضہ ہے اپنی ضرورتوں کو سمجھا جائے۔

اعتراض (3) فارسی کا استعمال آتش پرست کرتے رہے ہیں لہٰذا فارسی سے گُریز لازم بس ضروری ہے؟

جواب مؤدبانہ عرض ہے کہ نبی آخرُالزماں خَتَمُ المرسلین (صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلم) کی بِعثت سے قبل مشرکین عرب عربی زُبان کا استعمال کیا کرتے تھے تو کیا ہمارے کریم آقا علیہ السلام نے اس زُبان سے بیزاری کا اظہار کیا؟ جواب ہوگا قطعی نہیں کیا اللہ کریم نے ناپسند فرمایا؟ بالکل نہیں بلکہ اللہ کریم کا کلام اِسی زُبان میں نازل ہوا۔ معلوم ہُوا کہ زُبان تو صرف رابطہ کا ذریعہ ہے ناکہ مذہب کی پہچان ! اور آپکو وہ کروڑوں مسلمان کیوں نظر نہیں آتے جو فارسی زُبان استعمال کرتے ہیں۔

اعتراض (4) اصل میں لفظ خُدا فارسی زبان کا لفظ ہے آتش پرستوں کے دو ۲ الٰہ تھے اُن میں ایک کا نام خُدائے یزدان اور دوسرے کا نام خُدائے اہرمن تھا اردو میں معنی ہوگا کہ اچھائی کا خُدا اور بُرائی کا خُدا۔

جواب، یہی عقیدہ تو مشرکین عرب کا بھی تھا اور وہ بھی اپنے بیشُمار معبودوں کو اِلٰہ کہتے تھے جسکا ذکر جا بجا قران مجید فُرقان حمید میں موجود ہے حوالے کیلیئے دو آیات سورہ الحجر اور سورہ النحل سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

)الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ (٩٦

(جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں تو اب جان جائیں گے (سورۃ الحجر آیت 96

)وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ (٥١

اور اللہ نے فرمایا دو خدا نہ ٹھہراؤ وہ تو ایک ہی معبود ہے تو مجھی سے ڈرو (سورہ النحل آئت 51)

اب دیکھئے کہ مشرکین عرب بھی اپنے بیشُمار خداؤں کو اِلٰہ کہتے تھے تو اللہ کریم نے لفظِ اِلٰہ کہنے پر پابندی نہیں لگائی بلکہ اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعے یہ تعلیم دی کہ اِلٰہ صرف ایک ہے اور وہ اللہ

کریم کی یکتا اور بے مثال ذات ہے اسی طرح ہم یہ تو کہیں گے کہ آتش پرستوں کے دو خُدا کا عقیدہ باطل ہے لیکن خُدا کہنے پر پابندی نہیں لگا سکتے کہ اس کے معنی وہی ہیں جو اِلٰہ کے معنی ہیں

اعتراض (5) کیا خُدا کہنے کی کوئی دلیل قرآن سے ثابت ہے؟

جواب جی ہاں سورہ الِاسراء آیت نمبر 110 میں اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں

اللہ کریم نے اِس آیت میں اُنہیں مخاطب کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا ہے جو اللہ کریم کے ناموں میں جھگڑتے ہیں کہ سب اچھے نام اللہ کے ہیں۔ بس ہمیں بچنا ہے تو ایسے ناموں سے جو مالک حقیقی کے شایانِ شان نہ ہوں اب آیئے اس آیت مبارکہ کا پس منظر بھی دیکھتے ہیں۔

شانِ نُزول : حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ایک شب سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طویل سجدہ کیا اور اپنے سجدہ میں یااللہ

یا رحمٰن فرماتے رہے ابو جہل نے سنا تو کہنے لگا کہ (حضرت) محمد مصطفٰی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں تو کئی معبودوں کے پوجنے سے منع کرتے ہیں اور اپنے آپ دو کو پکارتے ہیں اللہ کو اور رحمٰن کو (معاذ اللہ) اس کے جواب میں یہ آیت نازِل ہوئی اور بتایا گیا اللہ اور رحمٰن دو نام ایک ہی معبودِ برحق کے ہیں خواہ کسی نام سے پکارو۔

یہاں ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ کریم کے اچھے ناموں پر تنقید کرنا ابو جہل کا طریقہ ہے ناکہ صالحین کا۔

اعتراض (6) یہ جو علمائے کرام اللہ عزوجل کو خُدا کہنے کی اجازت دیتے ہیں یہ اِنکی اپنی ذاتی رائے ہوتی ہے یہ اِذن قرآن و سُنت سے نہیں دیتے؟

جواب، یہ عُلماءِ حق پر سراسر بُہتان ہے کیونکہ کوئی بھی عالم مفتی یا مُحدث قرآن اور سُنت کے منافی فتویٰ صادر نہیں کرتا بلکہ اِنکا ہر فتویٰ قرآن اور سُنت کی ہی روشنی میں ہوتا ہے اسی لئے اِنہیں وارثینِ انبیاء کا لقب مِلا ہے۔ اب یا تو اِن لوگوں کو فارسی زبان سے بُغض تھا اُردو سے کینہ تھا یا علماء برصغیر سے بیزاری جو بنا سمجھے کروڑوں مسلمانوں کو بمعہ علماء کرام آتش پرستوں سے مُشابہت کی نوید سُنا کر معاذ اللہ ثم معاذ اللہ جہنم

کی نوید سُنا ڈالتے ہیں۔

محترم قارئین کرام ایک حدیث کا مفہوم ہے " حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ رسولِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ عبرت نشان ہے فرمایا کہ جس نے بغیر علم کے کوئی فتویٰ دیا تو اُس کا گُناہ فتوی دینے والے پر ہوگا اور جس نے جان بوجھ کر اپنے بھائی کو غلط مشورہ دیا تو اُس نے اُس کے ساتھ خیانت کی۔ (سنن ابو داود کتاب العلم باب التوقی فی القتیا، جلد نمبر 3 صفحہ 449 "

لیکن یہاں حال یہ ہے کہ ایک حدیث سُنی کتاب دیکھنے کی نوبت نہیں آتی جو یاد رہا صرف اُسی کو اپنی جانب سے قولِ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بتا کر بیان کر دیا جاتا ہے یا کسی کے نظریہ سے مُتاثر ہو کر کروڑوں مسلمانوں کو کفر کے فتویٰ سے نواز دیا جاتا ہے اور اس طرح مسلمانوں میں انتشار کی کیفیت پیدا کر دی جاتی ہے جو قابل مذمت عمل ہے اللہ کریم ہم سب کے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ اور ایسے نیم عالم خطرہ ایمان سے بھی محفوظ رکھے میں نے تمام حقائق آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں اور تمام علماء کی رائے بھی اب یہ آپکا فرض ہے کہ ہر ایسے شخص سے ہوشیار رہیں جو مسلمانوں میں تفرقہ بازی کا باعث ہو۔

خُدا کی تلاش

محترم قارئین السلامُ علیکم

کل رات جب میں چھت پر چادر بچھا کر سونے کی تیاری کر ہی رہا تھا تبھی میری چار سالہ بیٹی بڑی آہستگی سے چلتی ہُوئی میرے قریب آئی اور مجھ سے لپٹ گئی اپنے ننھے سے سر کو میرے سینے پر رکھا اور ہاتھوں کے شکنجے میرے جسم کے گرد کسنے لگی میں نے پوچھا بیٹا کیا بات ہے کیا نیند نہیں آ رہی ؟

نہیں بابا آپ سے ایک بات پوچھنی ہے۔

میں نے کہا پوچھو بیٹا کیا بات ہے وہ آسمان کی طرف اشارہ کرکے پوچھنے لگی بابا یہ آسمان میں کیا چیز چمکتی ہے ؟

میں نے کہا بیٹا یہ ستارے ہیں۔

تب اُس نے دوسرا سوال داغا بابا کیا یہ ہمارے گھر سے بڑے ہیں یا چھوٹے ؟

میں نے کہا بیٹا یہ ستارے ہمارے گھر سے بھی بڑے ہیں بلکہ ہمارے شہر بھی بڑے ہیں بلکہ شائد ہماری زمین سے بھی بڑے ہیں۔

تب اُس نے حیرت سے پوچھا بابا یہ ستارے اتنے بڑے ہیں تو آسمان میں کس چیز

سے لٹکے ہوئے ہیں؟
میں نے کہا بیٹا یہ کسی چیز سے بھی نہیں لٹکے بلکہ اللہ کریم کی قدرت سے آسمان میں لٹکے ہیں تبھی میں نے محسوس کیا کہ میری بیٹی کی گرفت میرے جسم پہ مزید سخت ہو گئی، میں نے اپنے ایک ہاتھ کو اس کے ننھے ہاتھوں کی گرفت سے نِکالا اور اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا بیٹا مگر تم پریشان کیوں ہو رہی ہو؟
تب اُس نے اپنے خدشے کا اظہار کیا بابا مجھے ڈر لگتا ہے کہیں یہ ستارے آسمان سے گِر نہ پڑیں! بابا کیا یہ ستارے گِر نہیں سکتے؟
میں نے جواباً کہا بیٹا اللہ کریم اپنے بندوں سے بُہت محبت کرتا ہے اس لئے وہ اِن ستاروں کو کبھی ہم پر نہیں گرنے دیگا۔
بابا کیا اللہ تعالیٰ ہم سے کبھی ناراض ہو گیا تو وہ ہم پر ستارے گِرا دیگا؟ اُس نے اگلا سوال داغا
نہیں بیٹا وہ اپنے بندوں پر بُہت مہربان ہے وہ ہم سے ناراض بھی ہو جاتا ہے تو معافی مانگنے پر فوراً خوش بھی ہو جاتا ہے وہ بُہت مہربان ہے بیٹا تُمھاری امّی تم سے جِتنا پیار کرتی ہیں وہ اُس سے بھی بُہت بُہت زیادہ مُحبت کرتا ہے۔

بابا اگر مجھ سے غلطی ہوجائے اور میں معافی مانگوں تو کیا اللہ تعالی مجھے معاف کردیگا؟

ہاں بیٹا وہ سبھی کو معاف فرما دیتا ہے۔

میں نے دیکھا میرے اس جواب سے اُس کہ چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور اُس کی گرفت بھی میرے جسم پر کمزور پڑنے لگی تھی۔

بابا جب تمہیں کسی پر غصہ آتا ہے تو تُم بھی معاف کرکے خوش ہوجاتے ہو؟

میں نے اُسکی جانب دیکھا اور سوچا یہ آج مجھ سے کیسے سوال کررہی ہے لگتا ہے جیسے میرا ٹیسٹ لیا جارہا ہو حالانکہ میں جانتا ہوں وہ اکثر ایسے سوالات اپنی ماں سے بھی کرتی ہے جس کے جوابات اُس سے نہیں بن پاتے اور وہ مجھ سے کہتی ہے کیا بچی ہے یہ، لگتا ہے سوالات کی پٹاری لئے گھومتی ہے، اور میں ہمیشہ یہ کہہ کر ٹال دیتا تھا کہ بھئی اس کے نام کا عدد آٹھ ہے بُہت اونچی پرواز ہوتی ہے آٹھ والوں کے تخیلات کی!

بابا سوگئے کیا؟ میری بیٹی نے مجھے جھنجوڑتے ہوئے پوچھا؟

نہیں بیٹا جاگ رہا ہوں میں نے اُس کے سر میں انگلیاں گھوماتے ہوئے کہا۔

بابا آپ نے بتایا نہیں آپ بھی غصہ میں معاف کر دیتے ہونا؟
نہیں بیٹا میں اتنی جلدی معاف نہیں کرپاتا کیونکہ میں بُہت گُنہگار انسان ہوں خُود کو سمجھانے میں وقت لگ جاتا ہے۔ بابا آپ بھی معاف کردیا کریں نا، کہیں اللہ تعالٰی ناراض ہوگیا تو یہ ستارے کہیں ہم پر گر نہ جائیں ہاں بیٹا آئندہ کوشش کرونگا۔ میرے اس جواب کے بعد اُس نے اطمینان سے آنکھیں موندلیں جیسے کوئی اہم پیغام یا امانت دیکر کوئی قاصد کوئی امانتدار کسی بوجھ کے فِکر سے آزاد ہوجاتا ہے۔
چند لمحوں میں ہی وہ میرے برابر میں خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی اور میری آنکھیں جو چند لمحوں قبل خمارِ نیند سے جُھکی جارہی تھیں خلاؤں میں ستاروں کو ایسے دیکھ رہیں تھیں گویا جیسے زندگی میں پہلی بار ستاروں کو دیکھا ہو۔
پھر مجھے اپنی جوانی کا وہ واقعہ یاد آیا جب میں ایک درویش کی کُٹیا میں اُس سے پوچھ رہا تھا کہ بابا خُدا کو پانے کا آسان طریقہ کیا ہے کیونکہ میں نے کتابوں میں پڑھا ہے پہلے لوگ اپنی آدھی سے زیادہ زندگی اللہ عزوجل کو پانے کیلئے دُنیا سے کٹ جاتے تھے جنگل نشین ہوجایا کرتے تھے خود پر دُنیا

کی نعمتوں کے دروازے بند کرلیا کرتے تھے۔ تب اُس درویش نے مجھے ایک حدیث قُدسی سُنائی تھی جسکا مفہوم کچھ اسطرح ہے۔

اے اِبن آدم ایک تیری چاہت ہے اور اِک میری چاہت ہے اگر تو چلا اُس پر جو میری چاہت ہے تو میں تجھے دُونگا وہ بھی جو تیری چاہت ہے اور اگر چلا اُس پر جو تیری چاہت ہے تو تجھے تھکا دونگا اُس میں جو تیری چاہت ہے پھر ہوگا وہی جو میری چاہت ہے۔

یہ حدیث قُدسی سُنا کر فرمانے لگے بیٹا وہ کیا چیز ہے جو واقعی صِرف تمہاری ہے؟

میں نے عرض کی حضور سب کچھ اللہ کریم کی امانت ہے میرا تو کُچھ بھی نہیں یہ جان، یہ صحت، یہ مال، یہ عزت، سبھی پہ اللہ کا اختیار ہے میرا تو کچھ بھی نہیں۔

وہ مُسکراتے ہوئے فرمانے لگے نہیں بیٹا تم نے جو کچھ کہا ٹھیک ہے مگر ایک چیز ہے جو صرف تُمہارے اختیار میں ہے وہی قیمتی متاع ہے انسان کے پاس جس کی قربانی اللہُ سُبحانہُ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے۔

میں عقل کے گھوڑے دوڑاتا رہا تمام باتوں کو بار بار دماغ میں دُہراتا رہا لیکن کچھ پلے نہیں پڑا.بڑے ادب سے اُس درویش کے قدموں کو دباتے ہوئے عرض کرنے لگا بابا میں بُہت کم فہم ہوں ان کتابوں کو میں پڑھ تو لیتا ہوں لیکن شائد سمجھنے سے قاصر ہوں آپ ہی بتا دیجئے نا کہ آخر وہ ایسی کیا چیز ہے جسکی مجھے خبر نہیں اور اُسکی قربانی اللہ کریم کو بے حد پسند ہے۔

اُس درویش نے اپنے قدموں کو سمیٹا اور چار زانوں بیٹھ گئے میری جانب.بڑے غور سے دیکھا اور ایک جذب کی کیفیت میں فرمانے لگے بیٹا جانتے ہو انسان اشرف المخلوقات کیوں ہے؟

میں نے ادب سے عرض کی حضور آپ ہی ارشاد فرمائیں تب وہ درویش فرمانے لگے بیٹا اس لئے کہ اللہ کریم نے انسان کو عقل دی پرکھنے کیلئے، شعور دیا خیر اور شر کو سمجھنے کیلئے، پھر اپنا آئین دیا جس سے وہ اللہ کریم کی رضا اور ناراضگی کو جان سکے لیکن اس انسان کو اللہ کریم نے پابند نہیں کیا بلکہ اِس انسان کو اختیار دیا کہ چاہے تو دُنیا کی زندگی میں خیر کا رستہ اپنائے چاہے تو شر کے راستے پر چلے، چاہے تو آخرت کی تیاری میں مشغول رہے چاہے تو دُنیا کی رنگینیوں میں خود کو گما لے۔

بیٹا یہی اختیار، یہی چاہت، یہی خواہش انسان کی سب سے بڑی متاع ہے۔ تم نے مجھ سے پوچھا ہے کہ اللہ کریم کو پانے کا آسان طریقہ کیا ہے تو بس اپنی یہی چاہت، اپنا اختیار، اپنی خواہش کو اللہ کریم کے سپرد کردے تجھے خُدا مل جائے گا تجھے کبھی جنگلوں کا رُخ نہیں کرنا پڑے گا تجھے کبھی صحراؤں کی خاک نہیں چھاننی پڑے گی تجھے خُدا کو ڈھونڈنے کیلئے پہاڑوں پر بھی جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی کیونکہ وہ تو تیری شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے ہاں البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ جب تو خدا کو پالے تو تیرے اندر کی تپش اسقدر بڑھ جائے کہ تجھے انسانوں کی بھیڑ سے ڈر لگنے لگے یا تجھے لگے کہ تیرے وجود کی آتش اس بھیڑ سے سرد پڑنے لگی ہے تب جنگل، پہاڑ، دریا سبھی تیرے منتظر ہونگے تو جہاں بھی ہوگا خدا سے بات کرلے گا۔

بیٹا یہ آسان رستہ نہیں بلکہ بُہت کٹھن راہ ہے اس راہ پہ چلنا ہر ایک کے بس کی بات بھی نہیں، اس راہ پہ چلنے والوں کو اپنے نفس سے لڑنا پڑتا ہے اپنے من سے لڑنا پڑتا ہے، اپنی چاہت کو قربان کرنا بچّوں کا کھیل نہیں پہلے سوچ لے تجھے اپنی ذات کے بُت کو مسمار کرنا پڑے گا، انا کے جام کو بہانا ہوگا، گالی بکنے والے سے خندہ پیشانی سے مِلنا پڑے گا تُہمت لگانے والے سے ہنس کر ملنا پڑے گا، مارنے والے کے سامنے دوسرا گال پیش کرنا پڑے گا، نرم بستر کو طلاق دینی پڑے گی، طرح طرح کے پکوانوں سے نظر موڑ کر سوکھی روٹی پر قناعت

کی عادت ڈالنی ہوگی انسانوں سے مُحبت کرنی ہوگی صرف مُحبت۔

اپنے وجود میں موجود نفرت، غصے، حسد کے آتش کدے پر ندامت کا پانی ڈالنا ہوگا جو کُچھ بھی تیرے پاس ہے وہ سب خُدا کا ہے تو صرف اُسکا امین ہے تو جب تجھ سے واپسی کا تقاضہ ہو تو یہ مت کہنا کہ میرا تھا، میں نے دِیا، بلکہ ہمیشہ یہی کہنا کہ جس کا تھا اُسی کو لوٹا دیا، مصیبت کے وقت واویلہ نہ کرنا بلکہ صبر کرنا کہ وہ صابروں کو پسند کرتا ہے،

ہر لمحہ اپنے عمل پر نظر رکھنی پڑے گی اپنا احتساب کرنا پڑے گا کہ تیرا عمل تیری مرضی کے مُطابق ہے یا اللہ کریم کی مرضی کے مُطابق، تو وہ کر رہا ہے جو تیری چاہت ہے یا وہ کر رہا ہے جو اللہ کریم کی چاہت ہے کبھی تیری چاہت ہوگی کہ نرم وگرم بستر سے خود کو جُدا نہ کرے لیکن تبھی اللہ کی چاہت ہوگی کہ تو بستر کو چھوڑ کے اُس کی بارگاہ میں حاضر ہو، کبھی تیری چاہت ہوگی کہ تیرا مال تیری جیب میں رہے اُس وقت ہو سکتا ہے اُس کی چاہت یہ ہو کہ تو وہ مال جو تو نے بڑی محنت سے کمایا ہے کسی دوسرے کی ضرورت پر خرچ کردے۔

کبھی تیری چاہت ہوگی کہ سخت گرمی کے سبب ٹھنڈا پانی پئے یا اپنے پیٹ کی آگ بُجھانے کیلئے کچھ کھالے لیکن اُس کی چاہت ہوگی کہ تو روزہ دار رہے، کبھی سخت سردی کے سبب تیری چاہت ہوگی کہ ٹھنڈا پانی تیرے جسم کو نہ چُھوئے تبھی

اُس کی چاہت ہوگی کہ اُسی ٹھنڈے پانی سے سخت جاڑے میں وضو کر. کبھی تیری چاہت تجھ سے تقاضہ کرے گی کہ تہجد پڑھ کر جسم کی تھکان مِٹالے تبھی اُسکی چاہت کا تقاضہ ہوگا کہ کسی کے دُکھ میں شریک ہوجا اور کسی کے دُکھ درد کو بانٹنے کے لئے سفر اختیار کر کبھی تیری چاہت ہوگی کہ سامنے والے کا مُنہ نوچ لے تبھی اُسکی چاہت ہوگی کہ تو اُسے سینے سے لگالے، کبھی نفسانی خواہشات تجھے اپنی جانب بُلائیں گی تیرا من بھی چاہے گا مگر اُس کی چاہت تقاضہ کرے گی میرے سِوا سب سے بے نیاز ہوجا، بیٹا اپنی چاہت اپنی مرضی اپنی خواہش، کی قربانی ہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر بندہ خُدا کو پالیتا ہے۔

اگر اپنی چاہت کو قربان کرنے کا حوصلہ ہے تو اِس راہ پر ضرور قدم رکھ وہ کسی کی کوشش کو ضائع نہیں کرتا لیکن یہ بھی یاد رکھنا کہ معرفت کی منزل کو پانے کا سفر اسقدر دُشوار ہے کہ ہزاروں مسافر اس راہ پر چلتے ہیں لیکن سفر شروع ہونے کے بعد اس کی تکالیف پر صبر چند ایک ہی کرپاتے ہیں اور وہ بھی آدھی منزل ہی سر کرپاتے ہیں منزل پر تو ایک دو ہی پہنچ پاتے ہیں تو بھی کوشش کر دیکھ شائد تجھے بھی منزل مل جائے اگر تو نے دُنیا کی صعوبتوں پر صبر کو عادت بنایا اپنی چاہت اُسکی چاہت پر قربان کردی تو ضرور خدا عزوجل کو پالے گا مجھے اِس سے ذیادہ آسان راستہ کی خبر نہیں۔ بُول چلنا چاہے گا اِس راستہ پر درویش نے مسکراتے ہوئے میری جانب دیکھا تھا؟

میں اِنہی خیالات میں گُم تھا کہ میری بچّی نے کسمسا کر دوبارہ میرے سینے پر ہاتھ رکھا میں نے چونک کر اُس کی جانب دیکھا تو وہ عالمِ نیند میں مُسکرا رہی تھی جیسے مُجھ سے سوال کر رہی ہو کہ بابا کیا سوچا ہے آپ نے چلیں گے اِس راہ پر اور میں نے زیرِ لب بے اختیار کہا کہ ضرور کوشش کرونگا اگر اللہ کریم کا فضل مجھ گُنہگار پر بھی ہُوا انشاءَاللہ عزوجل آج شاعرِ مشرق کا یہ شعر بھی رات کی تنہائی میں مجھے کُچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے اور بُہت لُطف دے رہا ہے۔

خُدا کے بندے ہیں ہزاروں بنّوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اُسکا بندہ بنُوں گا جس کو خُدا کے بندوں سے پیار ہوگا

فیس بُک پر خاکوں کی نمائش مسلم اُمہ کی پریشانی

محترم قارئین السلامُ علیکم
یہود و نصاریٰ کسی نہ کسی بہانے سے آئے دِن تمام انبیاءَ کے سرور شفیع روزِ محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گُستاخی کے مرتکب ہوتے ہی رہتے ہیں جس سے دُنیا بھرکے کروڑوں مسلمانوں کی دِل آزاری ہوتی ہے اور مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان شائدٗ اپنے والدین کی گُستاخی تو برداشت کرلے لیکن اپنے سوھنے آقا علیہ السلام کی شان میں زرہ.برابر بھی گُستاخی برداشت نہیں کرسکتا کہ حضور علیہ السلام کی مُحبت دین حق میں شرط اوّل ہے اور صرف مُحبت نہیں بلکہ ایسی مُحبت کہ ہر مُسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر لحظہ اپنا تن من دھن ماں باپ آل اولاد اور اپنی جان بھی قربان کرنے کو اپنی لئے بُہت.بڑی سعادت جانتا ہے اور اِس قربانی کیلئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔
ابھی کچھ عرصہ قبل ہی ڈنمارک سے نبی کریم صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلم کے خاکے شائع کئے گئے تھے جس پر تمام دُنیاکے مسلمانوں نے بھرپور احتجاج کیا تھااور اپنے غم اور غصے کااظہار کیا تھالیکن لگتاہے کہ نصاریٰ اور یہود اپنی ازلی شرپسندی سے باز نہیں آئیں گے کیونکہ اِنہوں نے پھرایک بار20

مئی 2010 کو فیس بُک پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاکوں کی نمائش کا اہتمام کیا ہے جس پر دُنیا بھر کے مسلمانوں میں ایک بار پھر غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی ہے اور تمام دُنیاکے مسلمانوں نے 20 مئی کو فیس بُک کے بائیکاٹ کا اعلان کیا ہے اور فیس بُک کے اس پیج کی شکایت کیلیئے اس پیج کی رپورٹ کرنی شروع کر دی ہے-

معلوم نہیں اس موقع پر ہمارے حکمران کیوں خاموش بیٹھے ہیں اور تمام مسلم اُمہ کے لیڈر کوئی سخت اقدام کیوں نہیں اُٹھاتے کہ جسکی وجہ سے مسلم اُمہ حیرت اور افسوس سے اپنے حکمرانوں کی جانب دیکھ رہی ہے کہ کب ہمارے لیڈروں کی غیرت جاگے اور وہ اپنے سفید فام آقاؤں سے پوچھیں کہ ہم نے تو کبھی آپکے مذہب پہ کیچڑ نہیں اُچھالی، ہم تو آپکے انبیاءَ کی تعظیم کرتے ہیں پھر آپ کیوں ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاکے شائع کر رہے ہیں؟ کیا اس سے اقوام عالم میں باہمی اعتماد کی فضا پیدا ہوگی یا نفرتوں میں اضافہ؟

پھر آپ کہتے ہیں کہ مسلمان دہشتگرد ہیں جناب سب سے بڑے دہشتگرد تو آپ ہیں جو کروڑوں مسلمانوں کے آبگینوں کو زخمی کر رہے ہیں اُن کے دِلوں کو زخمی کر رہے ہیں اُنکی روحوں کو زخمی کر رہے ہیں دینِ اسلام دینِ فطرت ہے اس لئے اگر

آپ اسلامی تعلیمات کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں تمام مذاہب کے احترام کا درس ملتا ہے تمام انبیاءِ کرام کی تعظیم اور توقیر دینِ اسلام کی شرطِ اولین ہے اگر کوئی مسلمان کسی ایک نبی علیہ السلام کی شان میں بھی گستاخی کا ذرہ بھر بھی مُرتکب ہو تو وہ ملعون ٹھہرتا ہے اور دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور مستحق قتل ہوتا ہے۔

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا جائزہ لیں تو اُس میں بھی تمام ادیان کے احترام کا درس ملتا ہے چُناچہ آپ کُتبِ سیرت کو اُٹھا کر دیکھ لیں جب بھی نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مُجاہدین کو جِہاد کے لئے روانہ فرماتے تو اُنہیں تاکید فرماتے جسکا مفہوم کچھ یوں ہے، دیکھو بچوں، بوڑھوں، اور خواتین، کو قتل مت کرنا، کھڑی فصل کو آگ نہ لگانا، ہرے بھرے درختوں، کی لکڑی جلانے کیلئے مت استعمال کرنا، جو امان مانگ لیں اُنہیں امان دینا، مذہبی رہنماؤں کو قتل مت کرنا، املاک نہ جلانا۔

لہٰذا جب ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہُ عنہُ کے دور میں فتح بیت المقدس کا احوال پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کے محاصرے کے وقت سخت سردی کے سبب کچھ مجاہدین نے رات کو سردی سے بچنے کیلئے قریبی درختوں کو کاٹ کر الاؤ روشن کئے تو سالار قافلہ نے مُجاہدین سے خطاب فرمایا اور اپنی تقریر

میں نبی کریم رؤف الرحیم کی یہ نصیحت یاد دِلائی کہ ہرے بھرے درختوں کو نہ کاٹا جائے اور مجاہدین کو بلاآخر دُشمنوں کے جنگلی علاقے سے سوکھی لکڑیاں لانی پڑیں جسکے سبب کچھ مجاہدین قید بھی کرلئے گئے لیکن قربان جائیں اپنے کریم آقا علیہ السلام کی حکم عدولی نہیں کی لیکن شائد یہود و نصارٰی یہ سمجھ رہے ہیں کہ مسلمان جو فرقوں میں بٹ چکا ہے تو کہیں عصبیت کی ٹکڑیوں میں گم ہوچکا ہے آج اُن سے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن وہ یہ بھول رہے ہیں جس کریم ہستی کی شان میں وہ گُستاخی کے مرتکب ہورہے ہیں اُن کے نام پر یہ سارے مسلمان ہمیشہ متحد ہوتے رہے ہیں اور قیامت تک مُتحد ہوتے رہیں گے یہ شائد بھول رہے ہیں کہ ابھی مسلمان مائیں بانجھ نہیں ہوئیں کسی بھی دِن کسی صلاحُ الدین کو پیدا کرسکتی ہیں جو بلاآخر اُنہیں بُھولا ہوا سبق یاد کرانے ضرور آئے گا۔

اللہ کریم اپنے مدنی حبیب (صلی اللہُ علیہ وسلم) کے طفیل مسلمانوں کو اُنکی کھوئی ہوئی طاقت پھر عطا فرمائے کہ یہ شرپسند قومیں طاقت کی زُبان سمجھتی ہیں احتجاج کی نہیں۔

ہماری ویب پر مائی پیج مستقبل میں پاکستانی فیس بُک ثابت ہو سکتا ہے

محترم قارئین جب سے فیس بُک پر نبی اکرم (صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلم) کے خاکوں کی نمائش کا اہتمام ہوا ہے تب سے کسی ایسی سائٹ کی تلاش تھی جو فیس بُک کی سہولیات کا مقابلہ کر سکتی ہو کیونکہ فیس بُک کی انتظامیہ کی ہٹ دھرمی یہ ثابت کرنے کیلئے کافی ہے کہ آئندہ بھی خُدانخواستہ اس قسم کے واقعات رونما ہو سکتے ہیں (بی بی سی اردو) کی ایک رپورٹ کے مطابق فیس بُک کی انتظامیہ کا کہنا ہے کہ فیس بُک پر کسی بھی قواعد کی خلاف ورزی نہیں کی گئی اور مذہبی معملات میں مداخلت ہماری پالیسی کا حصہ نہیں اور ہمیں اپنی اِس (گھٹیا اور دل آزار) لبرل پالیسی پر کوئی ندامت نہیں۔

بہرحال ہمیں اُن سے کسی مثبت اقدام کی توقع بھی نہیں کہ میرے سوہنے مصطفٰے علیہ السلام کی حدیث، الکُفر ملت واحدہ،، اس پر شاہد ہے کہ،، تمام کُفار ایک ہی ملت ہیں،،۔

ضرورت اس اَمر کی ہے کہ ہم کب تک اِن کُفار نانہجار کی ایجادات کو استعمال کرکے اس کُفریہ ملت کو فائدہ پُہنچاتے رہیں گے۔

مجھے اب تک کوئی ایسی سائٹ نہیں ملی جس سے اپنائیت کا احساس بھی ہو اور وہ فیس بک جیسی خصوصیات بھی رکھتی ہو لیکن اگر آپ ہماری ویب کی نئی کوشش ,مائی پیج کو بغور دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہاں یہ لنک مستقبل میں فیس بک کا متبادل ہو سکتا ہے اگر اس پیج پر میسج کی سہولیات فراہم کردی جائیں (اگرچہ ابتدا میں یہ 50 یا 100 میسج کی محدود سہولت ہو) تو فرینڈ سرکل آپس میں پرائیوٹ میسج کے ذریعہ تبادلہ خیال کر سکتے ہیں اس طرح قارئین اور کالمسٹ کا رشتہ بھی مضبوط ہوگا تو دوسری طرف ہماری ویب کے یوزرز بھی رجسٹرڈ ہونے کی خواہش رکھیں گے اور اگر پروفائل پکچر میں مزید پکچرز اپ لوڈ کرنے کی سہولیات فراہم کردی جائیں تو مسلمانوں کو فیس بک کا متبادل مل سکتا ہے۔

اور یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ ہماری ویب کی ٹیم ہمیشہ اپنے قارئین کی ضرورتوں کا احساس کرتے ہوئے ہماری ویب کو اپ ڈیٹ کرتی رہتی ہے جسکی وجہ سے دور دور تک کوئی اس کا مدمُقابل نظر نہیں آتا قارئین کی ضرورت اسلامی معلومات ہوں قُرآن فہمی ہو، نئی معلومات ہو، اسلامی نام ہو، جو کہ بمعہ اعداد ہیں، یعنی آپ اپنے بچے کا اسلامی نام رکھنا چاہتے ہیں تو صرف اسکی تاریخ پیدائش کی مناسبت اور بُرجی حروف کی نسبت ملا لیں اور سرِ حروف سے نام رکھ سکتے ہیں، اور جہاں تک میں نے اسے چیک کیا ہے اعداد کی کیلکولیشن

بالکل پرفیکٹ ہے،۔بزنس ہو، خبریں ہوں، ڈکشنری ہو، کرکٹ یا کوئی دوسرا کھیل ہو،
اردو پیڈ ہو، یا آپ کسی بھی موضوع پر آرٹیکل پڑھنا چاہتے ہوں شاعری پڑھنا چاہتے
ہیں یا لکھنا چاہتے ہیں ہماری ویب کے صفحات آپ کیلئے حاضر ہیں، یا پھر آن لائن گیم
کھیلنا چاہتے ہیں الغرض شائد ہی کوئی ایسی ضرورت ہو جس کیلئے آپ کو ہماری ویب کے
علاوہ کہیں اور جانا پڑے یہاں تک کہ آن لائن ٹی وی، تازہ ترین ویڈیو کلپ، مزاح، یا
آپ چیٹنگ کرنا چاہتے ہیں، سب کچھ آپ کو ایک ہی سائٹ پر مُیسر ہے اسلئے آپ کو
کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں۔

مجھے اُمید ہے کہ جلد ہی مائی پیج کو مزید اپ ڈیٹ کر دیا جائے گا جس کے بعد ہمیں ایک
پاکستانی فیس بک مُیسر آ جائے گا چونکہ ہماری ویب کا نیٹ ورک پہلے ہی چہار دانگ پھیلا
ہوا ہے اس لئے قوی اُمید کی جا سکتی ہے کہ یہ سلسلہ بُہت آگے تک جائے گا انشاءَ اللہ
عزوجل)۔)

اسم اعظم-7 بسم اللہ

بسم اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

محترم قارئین السلامُ علیکم اللہ عزوجل کے اسماء پر کلام کرنا مجھ جیسے کم فہم انسان سے کہاں ممکن ہے یہ تو اللہ کریم کا بے حد احسان ہے کہ اُس نے اپنے مدنی محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صدقے یہ توفیق عطا فرمائی کہ کچھ لکھ لیتا ہوں اور آپکی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں اللہ کریم اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتا ہے

وہ جن کی آنکھوں پر میری یاد (میرے ذکر) سے پردہ پڑا تھا اور حق بات سُن نہ سکتے تھے (سورہ کہف آیت نمبر101)۔

تُم فرمادو اگر سُمندر میرے رَب کی باتوں کیلیئے سیاہی ہو تُو ضرور سُمندر ختم ہوجائے گا اور میرے رَب کی باتیں ختم نہ ہونگی اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کیلیئے لے آئیں (سورہ کہف آیت نمبر 109)۔

بے شک ایسے ہزار ہاہزار سُمندر اگر ہم انسانوں کو مُیسر آجائیں اور روئے دُنیا کے تمام درختوں سے قلم بنالیئے جائیں تب بھی ممکن نہیں کہ اللہ کریم

کی شان اُس کی کریمی کا تذکرہ مکمل ہوجائے لیکن ایک ہم ہیں کہ بے صبری ہم میں کوٹ کوٹ کے بھری ہے یہاں کچھ پڑھا نہیں کہ نظر آسمانوں میں لگی ہوتی ہے کہ جو مانگا ہے وہ ابتک مِلا کیوں نہیں بے شک انسان بڑا بے صبرا ہے۔

ایک حدیث پاک ہے تُمہاری دُعائیں قبول ہوتی ہیں جب تک جلدی نہ کرو، کہ میں نے دُعا کی اور اب تک قبول نہیں ہوئی (صحیح مسلم صفحہ نمبر 1463 حدیث 2735)۔

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہُ تعالیٰ عنہُ) سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمانِ غنی (رضی اللہُ تعالیٰ عنہُ) نے پیارے آقا ہم غریبوں کے داتا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بسم اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم (کی فضیلت) کے بارے میں معلوم کیا؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یہ اللہ عزوجل کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور اللہ عزوجل کے اسم اعظم اور اسکے درمیان ایسا ہی قُرب ہے جیسے آنکھ کی سیاہی اور سفیدی کے درمیان،،۔ (مستدرک الحاکم جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 250 حدیث 2071)۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا (رحمتہ اللہ علیہ) کے والد ماجد مولانا نقی علی خان (رحمتہ اللہ علیہ) نے بعض علماءِ اُمت رحمہُ اللہِ اجمعین کے حوالے سے

بسم اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم کو اسم اعظم لکھا ہے اور حضور غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ بسم اللہ،، عارف (یعنی اللہ کریم کو پہچاننے والا) کی زُبان سے ایسے ہے جیسے کلامِ خالق عزوجل سے کُن (احسن الوعا صفحہ 66)۔

حضرت سیدنا احمد بن علی البونی (رحمتہ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا شیخ ابو العباس احمد بن علی ارشاد فرماتے ہیں، کہ جو بلا ناغہ سات دن تک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم 786 مرتبہ بمعہ اول آخر درود پاک کے پڑھے تو انشاءَ اللہ پڑھنے والے کی ہر حاجت پوری ہو گی۔ اب وہ حاجت خواہ کسی بھلائی کے پانے کیلئے ہو یا بُرائی کو دور (کرنے کیلئے ہو یا رزق میں ترقی کیلئے (شمس المعارف صفحہ 37

محترم قارئین جس وقت میری عمر صرف سترہ برس کی تھی میں نے اپنے مُرشد کریم سے ایک سخت عمل کی اجازت چاہی آپ نے مجھے ٹال دیا جب کئی دِن تک اصرار کرتا رہا تو لکڑی کی ایک سیڑھی کی جانب اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اقبال کیا اِس سیڑھی کو ایک ہی جست میں چڑھ سکتے ہو؟

میں نے عرض کی یا سیدی یہ کب مجھ سے ممکن ہو گا کہ گیارہ پیردان چھوڑ کر

یکدم بارھویں پیرِ دان پر چڑھ سکوں اسے چڑھنے کیلئے تو ایک ایک اسٹیپ کو طے کرنا ہوگا۔

تب اُنھوں نے مُسکرا کر جواب دیا پھر اپنی ضد چھوڑ دے اور ایک ایک قدم طے کرتا جا اور ہر قدم پر اللہ کریم سے توفیق مانگتا جا وہ تجھے کامیاب کردیگا اور ایک جست میں اس منزل کو پار کرنا چاہے گا تو یقیناً ٹھوکر کھا جائے گا اور مجھے یہ گوارا نہیں کہ تو ٹھوکر کھا کر گر جائے تب مجھے سمجھ آیا کہ میرے مُرشد نے کیوں یکدم تمام سیڑھیاں پھلانگنے کی شرط رکھی تھی، میں نے اپنے مرشد کریم سے عرض کی حضور آپ ہی بتائیں کہ ابتدا کہاں سے کروں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے سوا لاکھ مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھو جسکی ابتدا چاند کی پانچ تاریخ سے 12 کے درمیان ہو روزانہ 3125 مرتبہ پڑھنے سے یہ تعداد 40 دن میں مکمل ہوجائے گی۔

میرے معمولات کی ابتدا اسطرح اپنے مُرشد کی اجازت سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوئی اور جو کچھ میں نے بعد میں پایا وہ اسی کلام کی برکت اور میرے مُرشد کا فیض تھا کہ آج زمانہ مجھ جیسے نکمے کو بھی جانتا ہے۔

صرف ایک بات کا خیال رہے کہ اس عمل کو شروع کرنے کے بعد اپنی زندگی شریعت

کے مطابق گُزاریں خرافات، مُنکرات، اور ممنوعات، سے بچیں اور کوئی ایسا عمل نہ کریں جو اللہ عزوجل اور اُسکے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند ہو اس عمل کو شروع کرنے سے قبل اجازت ضرور لے لیجئے گا تاکہ آپکی مزید رہنمائی کی جاسکے، دن کے بعد روزانہ 786 مرتبہ یا اگر یہ آپ کیلئے ممکن نہ ہو تو پھر مجبوراً صرف 40 مرتبہ روزانہ ورد میں رکھیں اس یقین کیساتھ کہ کوئی پریشانی کوئی مشکل آپکی 19 زندگی میں آپکو ہراساں نہیں کرسکے گی اکثر دوست اپنی پریشانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عشرت بھائی ایک پریشانی ختم نہیں ہوتی کہ دوسری شروع ہوجاتی ہے ایک بیماری ختم نہیں ہوتی کہ دوسری پکڑ لیتی ہے۔

اُن دوستوں کو حضرت محبوبِ الٰہی حضرت نظامُ الدین اولیاءؒ (رحمتہ اللہ علیہ) کا ایک مُختصر واقعہ سُنانا چاہوں گا۔

ایک دِن آپ کی ایک کنیز نے عرض کی حضور اگر آپ مجھے اجازت مرحمت فرمادیں تو بُہت مہربانی ہوگی کہ جس مقصد کی بِنا پر غُلامی کی تھی وہ آرزو ناتمام رہی، حضرت نظامُ الدین اولیاءؒ (رحمتہ اللہ علیہ) نے جب اپنی کنیز کا یہ کلام سنا تو ارشاد فرمایا تم کیا کہنا چاہتی ہو کُھل کر کہو وہ کنیز عرض کرنے لگی حضور آپکی ولایت کی دُھوم سُنی تھی سُنا تھا کہ شہنشاہ علاؤ

الدین خلجی بھی صرف ایک مرتبہ کی حاضری کی اجازت کیلئے ایک مُدت سے تڑپ رہا ہے
پورا ہندوستان آپ کے عشق میں گرفتار ہے اور یہ بھی سُنا تھا کہ حضرت بابا فرید
رحمتہ اللہ علیہ) کے نور نظر کی مثل پورے ہندوستان میں نظر نہیں آتی، لیکن حضور)
معاف کیجئے گا کہ مجھے آپ کی ذات میں کوئی ایسی نشانی نظر نہیں آتی کہ میرا دِل بھی
آپکو ولی کہے، حضرت نظامُ الدین اولیاءَ (رحمتہ اللہ علیہ) نے ارشاد فرمایا، اچھا ہمیں
بھی تو بتاؤ کہ اللہ کریم کے دوستوں کی کیا نشانیاں ہیں؟

وہ کنیز عرض کرنے لگی حضور میں نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے کہ شریعت کی پابندی
کے علاوہ تین ایسی خوبی اولیاءَ اللہ کا وصف ہوتی ہیں کہ اُس کے بغیر کوئی ولایت کا حقدار
نہیں ٹھہرتا

اللہ کے ولی کو کوئی نہ کوئی مرض لاحق رہتا ہے، جبکہ آپ بالکل تندرست ہیں (1)
اللہ کا ولی اپنے ہاتھ سے محنت کرکے کھاتا ہے، جبکہ آپ کوئی کام نہیں کرتے (2)
اللہ کے ولی کے بد خواہ بُہت ہوتے ہیں، جبکہ یہاں تو ہندوستان کا بادشاہ بھی آپکا (3)
غلام ہے لہٰذا آپکو کوئی بُرا نہیں کہتا۔

حضرت نظامُ الدین اولیاءَ (رحمتہ اللہ علیہ) نے مُسکرا کر ارشاد فرمایا، میں نہیں چاہتا
کہ تو میرے بارے میں بد گُمانی کا شکار رہ کر اپنی آخرت کو برباد کرے لہٰذا تجھے آج وہ
راز کی بات بتاؤں گا جسے میرے قریبی لوگ بھی نہیں جانتے، اُسکے بعد آپ نے اپنی کمر
مُبارک سے اپنا کُرتہ مبارک کچھ اُونچا کیا جس کے سبب آپکی کنیز کو آپکی کمر مبارک کا وہ
زخم نظر آگیا جو کہ ناسور کی شکل اختیار کر گیا تھا، اُسکے بعد آپ نے کنیز کو اشارہ کیا کہ
کمرے میں موجود دری کو اُٹھائے تب اُس کنیز نے دری کے نیچے کھجور کے پتے دیکھے
جن سے نامکمل چٹائیاں بنی پڑی تھیں آپ نے فرمایا اللہ کا ایک بندہ آتا ہے اور میں
اُسے کچھ چٹائیاں بنا دیتا ہوں جس سے میرا خرچ پورا ہوجاتا ہے، اب رہا تیرا تیسرا
سوال تو اُسکا جواب ابھی نہیں شام ڈھلنے کے وقت دونگا لہٰذا جو نہی شام ڈھلی حضرت
نظامُ الدین اولیاءَ (رحمتہ اللہ علیہ) نے اُس کنیز کو اپنے ساتھ آنے کا حُکم دیا ابھی آپ
آستانے سے کچھ ہی دور پُہنچے تھے کہ چند منچلے نوجوانوں نے آپ کے ساتھ ایک خوبرو
عورت کو دیکھ کر فقرہ کسا دیکھو دیکھو جنھیں زمانہ اللہ کا ولی سمجھتا ہے اندھیرے میں
کہاں جارہے ہیں آپ رحمتہ اللہ علیہ اُس کنیز کو دوسرے راستے سے آستانے واپس لے
آئے۔

(مناقب محبوبِ الٰہی نظامُ الدین اولیاءَ رحمتہ اللہ علیہ)

محترم قارئین مجھے امید ہے کہ آپ نے صرف یہ واقعہ پڑھا ہی نہیں ہوگا بلکہ اِن تین نشانیوں کو یاد بھی کرلیا ہوگا اور اسے گرہ میں باندھ لیجئے گا انشاءَاللہ تمام زندگی کام آئے گی اور جب کبھی زندگی میں کوئی پریشانی آئے تو بے صبری مت کیجئے گا بلکہ کہئے گا اے اللہ تیرا شُکر ہے کہ تو نے ہمیں اس قابل جانا بے شک ہم ناشُکرے ہیں اور تو ہم پر بے حد مہربان ہے ایسا مہربان کہ ہماری ماں بھی ہم پر ایسی مہربان نہیں ہو سکتی۔

محترم قارئین اسم اعظم حسبِ سابق کمنٹس باکس میں اپنا نام لکھ کر حاصل کر سکتے ہیں دیگر رہنمائی کیلیئے جلد ہی اپنا ای میل ایڈریس دے دونگا آپ سے دعاؤں کی خصوصی درخواست ہے۔

کبھی کبھی وہ دِکھا بھی دیتا ہے

محترم قارئین السلامُ علیکم کبھی کبھی ہمارے ساتھ ایسا واقعہ پیش آ جاتا ہے کہ جسے ساری زندگی وہم سے زیادہ اہمیت نہ دی ہو وہ حقیقت بن کر سامنے آ جاتا ہے اور کبھی جسے ہمیشہ سچائی سمجھ کر عبادت کا درجہ دیا ہو وہ سراب ثابت ہوتا ہے ہر بات عقل میں سما جائے یہ بھی ضروری نہیں اور صرف محنت سے ہمیشہ منزل مل جائے ایسا بھی کوئی کُلیہ نہیں بعض اوقات جس شے کی طلب حد سے بڑھی ہو نہیں ملتی اور کبھی بنا طلب کے مل جائے تو اُسی شے کو بے مصرف سمجھ کر ضائع بھی کر دیا جاتا ہے۔

آپ کہیں یہ تو نہیں سمجھ رہے کہ میرا موڈ آپ کو آج بُور کرنے کا ہے اگر آپ ایسا سمجھ رہے ہیں تو بالکل غلط سوچ رہے ہیں میں آج آپ کے ساتھ اپنی زندگی کا ایک ایسا واقعہ شئیر کرنے جارہا ہوں جسے پڑھ کر شائدؔ آپ جھوم جائیں، یا آپکے ڈوبتے ہوئے یقین کا سورج پھر سے اُبھر آئے یا پھر کسی کے یقین کو مظبوطی،اور اِستقامت نصیب ہو جائے۔

یہ ۱۹۸۵ کا واقعہ ہے ہمارے علاقے میں ایک نئی مسجد کی تعمیر ہونے جارہی تھی مجھے حکم ملا کہ اگلے جمعہ کی نماز میں پڑھاؤں اور اپنے بیان میں لوگوں کو

مسجد کی تعمیر کے لئے دِل کھول کر چندہ دینے کیلئے راضی کروں کہ یہ مسجد اگرچہ شہر کے قلب میں واقع تھی لیکن ایک طویل عرصے سے تعمیر کی مُنتظر تھی۔

مجھے یہ سمجھ نہیں آرہا تھا جس مسجد کے مقتدی عرصہ دراز میں اپنی مسجد کو تعمیر نہیں کرپائے وہ میرے صرف ایک بیان سے کس طرح اپنی جیبوں کو راہِ خُدا میں اُلٹ دیں گے مجھے یہ سب ناممکن لگ رہا تھا لیکن مسجد کمیٹی کے ایک بُزرگ کا اصرار تھا کہ اُنکا دِل اُنہیں گواہی دے رہا تھا کہ میرے بیان سے لوگوں میں ضرور جذبہ بیدار ہوگا۔

میں اُنکا دِل نہیں توڑنا چاہتا تھا لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ مجھ گُنہگار انسان کے بیان میں ایسی تاثیر کہاں کہ لوگوں کی سوچ کے دھارے کو بدل سکوں، لیکن مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق حامی بھر لی اور بیان کی تیاری شروع کردی۔

جُوں جُوں جُمعہ کا دِن قریب آرہا تھا دِل میں عجیب سے ہول اُٹھ رہے تھے کہ اُن بُزرگ کا گُمان جو اُنہوں نے میرے متعلق قائم کر رکھا تھا جُمعہ کے دن جب حسبِ منشا چندہ حاصل نہ ہوپائے گا تو ریت کی دیوار کی طرح ڈھے جائے گا اور اُنہیں مسجد کمیٹی کے بقیہ ارکان کے سامنے خِفت کا سامنا ہوگا میں نہیں جانتا تھا کہ مشیت الٰہی میں کیا طے پا چُکا ہے جب جمعرات کا دِن آیا تو

میرے سینے میں ایک بات پھانس کی طرح چُبھ کر رہ گئی اور وہ یہ تھی کہ ہم اکثر سُنتے ہیں کہ جو راہِ خُدا میں ایک خرچ کرتا ہے اللہ کریم اُسے دُنیا میں دس گُنا اورآخرت میں ستر گُنا عطا فرماتا ہے، میرے دِل میں جو سوال پھانس بن کے اٹکا تھا وہ یہ تھا کہ کیا کسی مجھ سے عام انسان نے اِسکا مُشاہدہ بھی کیا ہے؟

مغرب کی نماز کی ادائیگی کے بعد میری طبعیت عجیب سی ہو گئی آنکھوں سے اشک رواں تھے اور زُبان پر صرف ایک کلمہ تھا اے اللہ یقیناً تیری راہ میں ایک خرچ کرنے والے کو تُو ایک کے بدلے دس عطا فرماتا ہوگا لیکن میرے مولا مجھے بھی دِکھا دے کہ کسطرح تو ایک کے بدلے دس عطا فرماتا ہے میرے مالک مجھے حق تو نہیں پُہنچتا کہ میں تیری بارگاہ میں مُشاہدے کی درخواست کروں کہ میں بندہ ہوں اور تو مالک ہے اور غلام کو کچھ حق نہیں کہ مالک سے شرط رکھے لیکن اگر تو چاہے تو مجھے اپنے فضل سے عطا فرما دے اور میرے یقین کی نَیا کو پار لگا دے میں جب دُعا سے فارغ ہُوا تو دِل میں اِک عجیب سا سکون پیدا ہوگیا جس سے مجھے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ گویا جیسے میری دُعا قبول ہو گئی ہو، لہٰذا میں نے اپنی جیب پہ نگاہ ڈالی میں نے تمام رقم سامنے والے پاکٹ میں رکھی اور کُرتے کی دونوں اطراف کی جیبوں کو خالی کرلیا اور کسی مسکین سے بندے کو تلاش کرنے لگا کچھ ہی وقت میں مجھے ایک شخص نظر آیا جسکے چہرے

سے ہی میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ شخص بھوکا تھا میں نے سلام دُعا کے بعد اُس شخص سے کھانے کے متعلق معلوم کیا اُس نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا میں اُس شخص کو اپنے گھر سے کافی دُور ایک ہوٹل پہ لے گیا اور بہترین کھانے کا آرڈر دے دیا اُس نے کھانا آنے کے بعد مجھ سے اصرار کیا کہ میں بھی کھانے میں شریک ہو جاؤں ورنہ وہ بھی کھانا نہیں کھائے گا ناچار مجھے بھی اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا پڑا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے چائے کا آرڈر دے دیا۔

میں نے ہاتھ دھونے کے بعد کاؤنٹر کا رُخ کیا ہوٹل کے مالک نے گھنٹی بجائی جس پر ویٹر نے حسبِ عادت چِلا کر آواز لگائی صاحب سے اَٹھارہ روپے لینا، میں نے رقم ادا کی اور ہوٹل سے باہر آگیا (اُس وقت اَٹھارہ روپے کوئی معمولی رقم نہیں تھی ایک چھوٹی فیملی کا ایک وقت کا گُزارہ اس رقم میں ہو جاتا تھا ہوٹل پر روٹی کی قیمت غالباً ۵۰ پیسے ہُوا کرتی تھی) میں نے اُس شخص سے مُصافحہ کیا اور اُس سے اجازت لی اسکے بعد دِل ہی دِل میں یوں دُعا کی، اے میرے پروردیگار میں نے تیری راہ میں جو رقم خرچ کی ہے مجھے دِکھا کہ کسطرح یہ دَس گُنا رقم میں بدلتی ہے۔

ابھی میں ہوٹل سے نکل کر چند قدم ہی چلا تھا کہ کسی نے مجھے مُخاطب کرتے

ہُوئے سلام کیا میں نے متوجہ ہو کر جواب دیا ہی تھا کہ وہ صاحب والہانہ انداز میں مجھ سے بغلگیر ہونے کیلئے بڑھے میں حیرت زدہ تھا کہ اُنھوں نے ازراہِ مہربانی خود ہی اپنا تعارف پیش کردیا یہ میرے ہونے والے سسرال سے تعلق رکھتے تھے جس لڑکی سے میری منگنی ہوچکی تھی یہ اُسکے چچازاد بھائی تھے، کہنے لگے اقبال بھائی آج راستہ کیسے بھول گئے؟ (آجکل شائد اِن باتوں کو معیوب نہیں جانا جاتا لیکن اُس زمانے میں لڑکا سسرال کے گرد پایا جائے اِسے لڑکے والے، اچھا شگون نہیں سمجھتے تھے)۔

بہرحال اب مجھے احساس ہُوا کہ میں علاقہ سُسرال کی حُدود میں آ پہنچا ہوں اور اگر کسی رشتہ دار نے مجھے اِنکے ساتھ دیکھ لیا تو میری خیر نہیں!

چُنانچہ جان چُھڑانے کیلئے کہہ دِیا ایک اسلامی بھائی کی وجہ سے آیا تھا نماز عشاءَ کا وقت قریب ہے اس لئے اجازت چاہونگا وہ کہنے لگے نماز تو مجھے بھی پڑھنی ہے لیکن ابھی تو اذان بھی نہیں ہُوئی لہٰذا آپ کو میرے ساتھ ایک کپ چائے تو پینی ہی پڑے گی میں سٹپٹا گیا کہاں تو میں اِس علاقے سے نکلنے کے چکر میں تھا اور وہ گھر چلنے کی خواہش کا اظہار فرمارہے تھے میں نے بُہت ٹالنے کی کوشش کی مگر موصوف تو ایسے بضد تھے جیسے قسم کھائے بیٹھے ہوں میری جان یہ سوچ کہ ہلکان ہوئی جارہی تھی کہ کوئی دیکھ نہ لے اگر ابا جان

کو پتا چل گیا تو ٹھیک ٹھاک کلاس لگ جائے گی بہر حال میں اس شرط پر راضی ہوا کہ آپکے گھر والوں کو میرے متعلق معلوم نہیں ہونا چاہیے۔

اُنھوں نے وعدہ کرلیا اور مجھے اپنے ڈرائنگ روم میں لیجا کر بٹھا کر کہنے لگے بھائی آپ تشریف رکھیں میں چائے لیکر آتا ہوں مجھ پر ایک ایک لمحہ یوں بیت رہا تھا جیسے صدیاں گُزر رہی ہوں اور میرے اوسان تب خطا ہوگئے جب میں نے چند بزرگ خواتین کو اندر کی جانب سے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا، میں بے اختیار سلام کرنے کیلئے کھڑا ہوگیا اور اُن خواتین نے میری بلائیں لینی شروع کردی اِسکے بعد اُنھوں نے پانچ اور دس کے نوٹ نکال نکال کر مجھے پیش کئے جب میں نے رقم لینے سے انکار کیا تو اُن میں سے ایک عمر رسیدہ خاتون کہنے لگی کہ بیٹا ایسا کسطرح ممکن ہے ہمارا ہونے والا داماد ہمارے گھر آئے اور خالی ہاتھ چلا جائے۔

میں نے کہا وہ تو ٹھیک ہے مگر میرے گھر والوں کو اگر علم ہوگیا کہ میں آپ لوگوں کے گھر شادی سے پہلے پُہنچ گیا ہوں تو وہ ناراض ہونگے! وہ خاتون کہنے لگیں ہم کونسا تُمھارے گھر بتانے جارہے ہیں لیکن سلامی کی رقم تو تمھیں لینی ہی پڑے گی

اس یقین دِہانی کے بعد مجبوراً ہمیں وہ رقم لینی پڑی وہ دس بارہ خواتین تھیں سلامی وصول کرنے کے بعد میں نے واپسی کی اجازت مانگی تو کسی نے کہا کہ لڑکی کی دادی یا نانی آ رہی ہیں بس اُن سے مُلاقات کرلو پھر چلے جانا میں نے تمام رقم کو اپنی داہنی جیب میں رکھ لیا کچھ لمحوں بعد ایک بُہت ضعیف خاتون تشریف لائیں میں نے ادب سے اپنے سر کو جُھکایا اُنہوں نے میرے سر پر خُوب شفقت سے ہاتھ پھیرا اور اُس کے بعد ایک نوٹ میری ہتھیلی پر رکھ دیا مجھے بُہت حیا آ رہی تھی اس نوٹ کو بے خیالی میں اپنی بائیں جیب میں رکھ لیا اُس کے بعد اجازت پاتے ہی ایسی دوڑ لگائی کہ سیدھا گھر پُہنچ کہ دم لیا۔

نماز عشاءَ کے بعد جب بستر پر سونے کیلئے دراز ہُوا تو سوچنے لگا اللہ کرے کسی کو میرے سُسرال یاترا کی بھنک نہ پڑجائے ورنہ گھر والے میرے بارے میں کہیں اُلٹا سیدھا نہ سمجھ لیں اور پھر خود کو ملامت کرنے لگا کہ نہ مُشاہدہ کی ہٹ ہوتی نہ ہی سُسرال شادی سے پہلے جانا پڑتا تبھی ایک خیال کے تحت داہنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور نوٹوں کو سیدھا کرکے گننے لگا اب اُنہیں گِنا تو مایوسی ہوئی کیونکہ یہ صرف ایک سو تیس روپے تھے مجھے ایسا لگا تھا کہ شائد کہیں یہاں سے ہی تو رقم دس گُنا نہیں کی گئی لیکن یہاں تو پورے پچاس روپے کم تھے اور اللہ کریم سے دس گُنا کی اُمید تھی میں نے وہ رقم بے دِلی سے فرنٹ پاکٹ میں رکھ لی اور سونے کیلئے لیٹ گیا میں تمام واقعہ کے متعلق

دوبارہ سوچ میں گُم تھا کہ مُجھے وہ ضعیف خاتون یاد آنے لگیں جو بڑی شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیر رہیں تھیں اور مجھے ڈھیروں دُعا بھی دے رہی تھیں اور آخر میں مجھے ایک نوٹ اُنھوں نے بھی دیا تھا میں پُرامید ہو کر دُوبارہ اپنے بستر پر بیٹھ گیا اور اپنی بائیں جیب میں نوٹ تلاش کرنے لگا جب میں نے اُس نوٹ کو دیکھا تو فرط مُسرت سے میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے وہ پچاس روپے کا نوٹ تھا اسکا مطلب اللہ کریم نے مجھے ہاتھوں ہاتھ مُشاہدہ کروادیا تھا جو میں نے مانگا وہ مجھے عطا کردیا گیا تھا میں فوراً سجدہ شُکر بجالایا اور دوسرے دِن جب میں نے مسجد میں دوران تقریر یہ واقعہ سامعین کو سُنایا تو آپ یقین کریں لوگوں کی عجب جذباتی کیفیت تھی وہ نعرہ تکبیر بُلند کر رہے تھے اور اپنی جیبوں کو اللہ کے گھر کے لئے اُلٹ رہے تھے کسی طرح یہ واقعہ میرے گھر والوں تک بھی پُہنچ گیا لیکن بدلے میں مجھے اُنکی مُسکراہٹیں ملیں اور میں دل ہی دل میں کہہ رہا تھا میرے مالک مجھے معاف فرمانا بیشک تو جسے چاہے دِکھا بھی دیتا ہے۔

مائی پیج، فیس بُک سے بھی بہترین

محترم قارئین السلامُ علیکم

میں نے اسم اعظم کے کالم میں کافی عرصہ قبل کہا تھا کہ جب بھی ہماری ویب نے
پرائیویٹ میسج کی فیسلیٹی فراہم کی ہم فیس بُک کو چھوڑ دیں گے پھر کرنا خُدا کا یہ ہُوا کہ
ہماری ویب نے مائی پیج متعارف کرا دیا ابھی ہم سوچ ہی رہے تھے کہ کاش اس پر
پرسنل میسج کی سہولت بھی مُیسر آجائے کہ فیس بُک والوں نے لاکھوں مُسلمانوں کی
غیرت کو للکارہ جواباً مسلمانوں نے بھرپور یکجہتی کا مُظاہرہ کرتے ہوئے فیس بُک کا
بائیکاٹ کرڈالا بائیکاٹ تو میں نے بھی کرلیا لیکن ایک پریشانی تھی کہ کئی احباب اپنی
روحانی اُلجھنوں اپنی پریشانی کے سبب فیس بُک پر ہم سے روزانہ رابطہ کیا کرتے تھے
حکومت پاکستاں نے بھی اہم رول ادا کیا اور پی ٹی اے کی جانب سے فیس بُک پر پابندی
کا اعلان سپریم کورٹ کے فیصلے کے تناظر میں کیا گیا۔

ایک دوست نے پرائیویٹ ای میل کے ذریعے ہمیں بتایا کہ ایک ایسی ویب سائٹ ہے
جو بلاکڈ سائٹ کو بھی کھول دیتی ہے آپ اِس کے ذریعہ سے لوگوں سے رابطہ کرسکتے
ہیں۔ میں نے عرض کیا جناب بات یہ ہے کہ اگر حکومت پابندی نہ بھی لگاتی تب بھی
کس مسلمان کی غیرت گوارا کرے گی کہ وہ دُشمن مُصطفٰے صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی کسی بھی طرح اِعانت کرے یا اُس سے خفیہ میل جول رکھے لہٰذا اِن اغیار کو باور کرانے کیلئے کہ ابھی غیرت مسلم زندہ ہے ہم اس بائیکاٹ کو تا حیات قائم کرنے کی کوشش کریں گے انشاءَاللہ عزوجل۔

البتہ کوئی ایسا طریقہ بھی اختیار کریں گے کہ جِن مسلمانوں تک یہ پیغام نہیں پُہنچ پایا ہو اُنہیں بھی اِس ناپاک اور بدبُودار دلدل سے نکالیں۔

اب خُدا کی قدرت دیکھیے کہ جہاں فیس بُک نے اپنی مُسلم دُشمنی کا ثبوت دیتے ہوئے گُستاخانہ خاکوں کی اشاعت کا اہتمام کیا اور مسلمان دلبرداشتہ تھے اللہ کریم نے ہماری ویب کے ذمہ داران کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ اُنھوں نے " مائی پیج " کو فیس بُک کے متبادل کے طور پر پیش کردیا اگرچہ یہ خاص اس پس منظر میں نہیں بنائی گئی لیکن اسکا اجراء اُسی وقت کے قریب ترین تھا ہوسکتا ہے اللہ کریم نے اِن اِحباب کے قلوب میں یہ بات ڈال دی ہو کہ میرے سوھنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گُستاخی کا اردادہ کُفار ناہنجار و بدکار کئے بیٹھے ہیں تو اُنکی کوشش اُن ہی پر اُلٹ دو کہ کسی کے گُستاخی کرنے سے سوھنے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان تو ذرہ برابر بھی نہیں گھٹتی البتہ گُستاخ نبی علیہ السلام عبرت کا نمونہ بنتے رہے ہیں اور بنتے رہیں گے۔

جب میں نے اپنا پہلا کالم مائی پیج کے حوالے سے لکھا تو آپ سبھی نے اُسے پسند کیا تھا یہ در حقیقت میری نہیں بلکہ ہماری ویب کو خراج عقیدت تھا میں بھی ہماری ویب کو اِس کوشش پر خُلوص دِل سے سلام پیش کرتا ہوں اور خراج عقیدات کے طور پر یہ کالم اِن کی نظر کرتا ہوں ہماری ویب کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ ہماری ویب پر جو کالمز فیس بُک کی خباثت کے مُتعلق لکھے گئے اُنھوں نے بھی عوام میں بیداری کی لہر پیدا کی اور لوگوں کے خوابیدہ شعور کو جگانے کا سبب بھی بنی۔

یہ ہم سب مسلمانوں کا فرض بھی ہے اور عشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تقاضہ بھی کہ ہم اِن کُفار بد اطوار کی تخلیقات اور اشیاء کا نہ صرف بائیکاٹ کریں بلکہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی آگاہی دیں۔

اب آتے ہیں اس پہلو کی جانب کہ کس طرح " مائی پیج " فیس بُک سے بہتر ہے تو جناب مائی پیج پر آپ کو پرائیویٹ میسج، شئیرنگ، کیساتھ ساتھ، بیک وقت آن لائن گیم کھیلنے کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں، اگر آپ کا دِل شاعری پڑھنے کو چاہے یا اپنے من پسند آرٹیکل، اِسی صفحے پر یہ سہولت موجود ہے چیٹنگ کی سہولت بھی آپ کو حاصل ہے سب سے .بڑھ کر اسلامی رابطہ جس کی بدولت

قُرآنِ پاک پڑھ اور سُن سکتے ہیں، کھانا پکانے کی ترکیبیں، بھی ہیں تو ڈکشنری، اور تازہ ترین خبریں بھی ہیں۔ کیا یہ سب فیس بُک میں موجود ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس سے اپنائیت کی مہک آتی ہے۔

میری جانب سے ہماری ویب کے ذمہ داران سے التجا ہے کہ آپ اس میں ڈیزائینگ کا شوق رکھنے والوں کیلیئے پکچر فارمیٹ بھی شئیر کرنے کی اجازت دیں تاکہ جنکا تعلق فنون لطیفہ کے اس شعبہ سے ہے اُنکی تشنگی بھی دور ہُو اور لوگ اپنی ذاتی تخلیقات کو شئیر کر سکیں۔

محترم قارئین یہ ہم سب کی ویب ہے جسکا نام بھی ہماری ویب ہے اب ہم سب کی بھی ذمہ داری ہے کہ اس کی ترویج وترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اپنے دوست احباب کو یہاں آنے کی دعوت دیں اگر ابھی تک آپ نے مائی پیج پر اپنا اکاؤنٹ نہیں بنایا ہے تو آج ہی رجسٹرڈ ہوجائیں یقین کریں آپ کو بُہت لُطف آئے گا۔ اگر آپ کوئی تجویز دینا چاہیں تو ضرور دیں انشاءَ اللہ اُمید ہے کہ ہماری ویب کی ٹیم اس پر غور ضرور کرے گی ہماری ویب کی ٹیم سے میری درخواست ہے کہ اسکی پہچان اسکا انداز ہمیشہ پاکستانی اور اسلامی رہنا چاہیئے اِس بات کا آپ ہمیشہ اہتمام رکھیے گا اور اسکے ساتھ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں ہماری ویب کی ٹیم کا بھی شکریہ ادا ہونا

چاہیے سو سب سے پہلے میں ہماری ویب کی تمام ٹیم کو " مائی پیج " کے اجراء پر بہت بہت مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ آپ لوگ اسے دُنیا بھر میں پاکستان کی پہچان بنائیں گے۔

قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیاں اور ہمارا عمل

محترم قارئین السلامُ علیکم

جمعہ کی نماز کے بعد جب میں گھر پُہنچا تو ایک بچے نے اطلاع دی کہ لاہور کی مسجد میں بم دھماکے ہُوئے ہیں پہلی نظر میں مجھے بھی یہی محسوس ہُوا کہ کسی مسجد میں بم دھماکے ہوئے ہیں یا کسی مسجد میں دھشتگرد گھس گئے ہیں لیکن خبریں سُننے کے بعد یہ انکشاف ہُوا کہ یہ دھماکے کسی مسجد میں نہیں بلکہ قادیانیوں کی عبادت گاہ میں ہُوئے ہیں۔

سب لوگ خبریں سننے میں مُنہمک تھے لیکن میرا ذہن کہیں اور اُلجھا ہُوا تھا اول تو یہ کہ خبر دینے والے بچے نے یہ کیوں کہا کہ مسجد میں دھماکے ہُوئے ہیں چلیں اُسے چھوڑیں وہ تو بچہ تھا لیکن مجھے پہلی نظر میں ایسا کیوں محسوس ہُوا کہ یہ تخریب کاری واقعی کسی مسجد شریف میں وقوع پزیر ہُوئی ہے ظاہر ہے مجھے اور مجھ جیسے ہزاروں لوگوں کو یہ غلط فہمی صرف اِس وجہ سے ہُوئی کہ احمدیوں کی یہ عبادت گاہ دیکھنے میں بالکل مسجد کی طرح لگتی ہے۔

محترم قارئین مساجد اللہ کے گھر ہیں اور شعائر اسلام ہیں۔ اور اسلامی شعائر مسلمانوں کو دوسرے مذاہب سے ممتاز بناتے ہیں اس لئے کسی اقلیت یا غیر مسلم

فرقے کو اسلامی شعائر سے مُشابہت کی اجازت ہر گز نہیں دی جا سکتی جیسے ایک گرجا گھر کو دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کی عیسائیوں کی عبادت گاہ ہے کسی مندر کو دیکھ کر ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ہندوؤں کی دھرم شالہ ہے اسی طرح مساجد مسلمانوں کی پہچان ہیں اور کوئی مذہب کسی مذہبی عبادتگاہ کی نقل نہیں کرتا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں تو وہ کس طرح شعائر اسلام کو استعمال کر سکتے ہیں جب کہ پاکستان کے آئین میں بھی قادیانیوں کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ نہ وہ خود کو مسلم کہیں گے نہ خُود کو مسلم لکھیں گے نہ ہی اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کہیں گے اور نہ ہی اُنہیں مساجد کی مُشابہت پر تعمیر کریں گے نہ ہی اعلانیہ تبلیغ کریں گے کہ جس سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہو۔

لیکن گزشتہ کئی دھائیوں سے ہم دیکھتے چلے آ رہے ہیں کہ قادیانی ان تمام احکام کی دھجیاں اُڑاتے چلے آ رہے ہیں جسکی وجہ سے مُلک پاکستان کے اکثر شہروں میں تصادُم کی نوبت آ جاتی ہے لیکن حیرت بالائے حیرت ہے کہ گُزشتہ کئی دھائیوں کی سول نافرمانی کے باوجود کسی بھی حکمران نے قادیانی لابی کی اِن حرکتوں کا نوٹس نہیں لیا اور جب کبھی ایسا کوئی ایشو اُٹھایا جاتا ہے تو حکومت میں موجود قادیانی لابی اور اُنکے مفادات کے نگران نمک خوار ایسی تیزی دِکھاتے ہیں جس سے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کا نِقاب پہنا کر واقعہ

کا رُخ ہی دوسری جانب موڑ دیا جاتا ہے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گُزرا جب سندھ کے مشہور شہر کُنری (جو ایشیا کی سب سے بڑی مرچ منڈی) بھی کہلاتی ہے، میں اِن بد بختوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی کالے آئل سے روڈ پر لکھ کر بے حُرمتی کی تھی کُنری شہر کے مسلمان اِن کی کھلی تبلیغی سرگرمیوں سے پہلے ہی عاجز تھے اس واقعہ نے نا صرف اُنکے مذہبی جذبات کو ٹھیس پُہنچائی بلکہ جہاں جہاں تک یہ خبر پُہنچی مسلمان آبدیدہ و مشتعل ہوگئے کافی احتجاج کئے گئے لیکن مظبوط قادیانی لابی فوراً سرگرم ہو گئی اور بات کو دبا لیا گیا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک اسلامی مُلک جو صرف اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا جس کی اکثریت آبادی مسلم ہے اس اسلامی مملکت میں کب تک مسلمانوں کے جذبات سے کھیلا جاتا رہے گا اور کب تک ہمارے سیاستدان چند ووٹوں کی خاطر اِن کی طرفداری کرتے رہیں گے۔

کل جب محشر کا میدان سجے گا اور سب کو اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا تو کس طرح یہ لوگ شافع محشر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے آخر کیا جواز پیش کریں گے اپنے کریم آقا علیہ السلام کی بارگاہ میں۔

لیکن قارئین محترم کل جو واقعہ لاہور میں پیش آیا ہے مجھے اس طریقہ کی بھی مُذمت کرنی ہے کیونکہ جو طریقہ ان دھشگردوں نے اختیار کیا ہے وہ کسی بھی

طرح اسلامی تعلیمات کے مُطابق نہیں ہے اور اِسکی وجہ سے تمام اقوام عالم میں پاکستان کا امیج مزید مُتاثر ہوگا اور قادیانیوں کو اقوامِ عالم کی ہمدردی حاصل ہوگی اسلامی ریاست میں سزا دینا ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے ناکہ عوام کی اگر اس طرح لوگ قانون کو ہاتھ میں لیکر سزائیں دینے لگے تو پورے مُلک میں افراتفری کا بازار گرم ہوجائے گا اور کسی کی عبادت گاہ پر حملہ کی ویسے بھی اسلام میں مانعت ہے۔

اور مملکت پاکستان کے عُلماء کرام مُتفقہ طور پر ان قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے چُکے ہیں لہٰذا ہمیں اپنے علماء کرام کی پیروی کرتے ہوئے ان کیساتھ اقلیت جیسا برتاؤ کرنا چاہیے اور جب چُناؤ کا وقت آئے تو اپنے حکمران ایسے لوگوں کو بنانا چاہیے جن میں ناصرف سیاسی سوجھ بوجھ ہُو بلکہ جنہیں دین اسلام کی بھی سمجھ بوجھ ہو اور جنکے قلوب عشق مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جگمگا رہے ہُوں تاکہ آئندہ کسی کو قانون ہاتھ میں لینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے اور ہمارے وہ حُکمران اقلیت کے حُقوق کیساتھ ساتھ اُن کی منفی سرگرمیوں پر بھی نظر رکھ سکیں۔

روشنی کے مینار ہیں اولیاءَ اللہ

محترم قارئین کرام السلامُ علیکم
کسی دوست نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ عشرت بھائی آپ نیک صحبت کی بُہت زیادہ ترغیب دیتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ اُنکا خیال تھا کہ تنہائی میں جو مزہ عبادت کا ہے وہ محفل میں مُیسر نہیں اور خُدا عزوجل تو انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہے پھر کسی نیک یا بد کا قُرب کیا فائدہ دے سکتا ہے یا کیا نقصان پُہنچا سکتا ہے؟ لہٰذا آج میں نے سوچا کیوں نہ آپ سے آج اسی موضوع پر اپنے خیالات شئیر کروں۔
مسلم اور بُخاری شریف کی اِک حدیثِ پاک کا مفہوم ہے، نبی کریم رؤف الرحیم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان عالیشان ہے کہ اچھے اور بُرے مصاحب کی مثال مُشک اُٹھانے والے، اور بھٹی جھونکنے والی جیسی ہے۔ کستوری اُٹھانے والا تمھیں (خُوشبو) دیگا یا اُس سے خریدو گے یا تمھیں اُس سے عمدہ خُوشبو آئے گی۔ (جبکہ) بھٹی جھونکنے والا یا تُمھارے کپڑے جلائے گا یا تمھیں اُس سے ناگوار بدبو آئے گی۔

اس حدیث پاک میں پیارے آقا علیہ السلام نے اچھی اور بُری صحبت کی جانب اشارہ فرما کر نہائت خوبصورت طریقے سے اُمت کو مِثال دے کر سمجھایا ہے کہ صحبت ضرور اثر دِکھاتی ہے چاہے وہ اثر اچھا ہو یا کہ بُرا۔ اسی لئے سلف صالحین، اولیائے کاملین کے دور مُبارک کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانان عالم اس صحبت کی برکت حاصل کرنے کیلئے دور دراز ملکوں کا سفر جو کہ اُس زمانے میں بڑا دُشوار سفر ہوا کرتا تھا اختیار کیا کرتے تھے۔

اور اولیائے کرام کو چونکہ اللہ رَبُّ العالمین نے اپنے دوستوں میں شُمار کیا ہے اس لئے اِن اولیاءَ اللہ میں اللہ کریم کی صفات کا اثر بھی ضرور پایا جاتا ہے کیونکہ دوست اپنے دوست کی صُحبت کا اثر ضرور لیتا ہے اس لئے اگر اللہ کریم عالم ہے تو اُس کے دوست جاہل نہیں ہو سکتے چاہے وہ علم مدرسہ سے حاصل کریں یا اُنہیں اللہ کریم کی جانب سے علم لُدنی کی دولت سے نوازا جائے۔ اگر اللہ کریم کی صفت کریم، رحمٰن، اور رحیم، ہے تو کیسے ممکن ہے کہ جِسے رَبَّ العالمین اپنا دوست بنائے وہ ظالم ہو انسانوں سے سختی کا معاملہ فرمائے۔

اور جب اللہ کریم کی صفت سخی ہے تو یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ کسی بخیل کو اپنا دوست بنائے آپ چاہیں سیرت اولیاءَ اللہ کی ہزاروں کُتب پڑھ لیں اُن میں

آپکو ایک بھی جاہل، شقیّ القلب، اور بخیل، نہیں ملے گا اور جس میں یہ مذموم صفات ہونگی وہ اللہ کریم کا دوست ہر گز ہر گز نہیں ہوگا جِسے اللہ کریم اپنی دوستی کے لئے چُن لیتا ہے وہ عام نہیں رہتا خاص ہو جاتا ہے پھر اللہ کریم اپنے اِن دوستوں کے سینوں کو حکمت و دانائی سے بھر دیتا ہے اور اس حکمت اور دانائی کی قدر عالم سے پوچھو تو علامہ جلال الدین رومی جیسی عظیم الشان علمی اور نابغہ روزگار ہستی پُکار اُٹھی کہ

مولوی ہرگز نہ شُد مولائے رُوم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شُد

یعنی کوئی عالم تب تک عالم نہیں ہو سکتا جب تک کسی شمس تبریزی (رحمتہ اللہ علیہ) جیسے قلندر باصفا ولی کا غلام نہ بن جائے اور آپ حضرت جلال الدین رومی علیہ الرحمہ کی زندگی کا جب مُطالعہ کریں گے تو دیکھیں گے کہ جب تک حضرت جلال الدین رومی علیہ الرحمہ نے حضرت شمس تبریز (رحمتہ اللہ علیہ) کی غُلامی کا پٹہ اپنی گردن میں نہیں ڈالا تھا کوئی خاص مرتبہ نہ پا سکے تھے اور بعدِ غلامی یہ حال کہ آپکی مِثال کا عالم پورے رُوم میں نظر نہیں آتا۔

بَقولِ شاعر

جب تک بِکا نہ تھا تو کوئی پوچھتا نہ تھا
تُم نے خرید کے مجھے انمول کر دیا

وَمَن یُّضۡلِل فَلَن تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرۡشِدًا۔ سورہ کہف آیت نمبر 17

اس آیت کریمہ میں بھی اللہ کریم ارشاد فرمارہا ہے کہ (اور جسے وہ گمراہ ٹھہرا دے تو آپ اس کے لئے کوئی ولی مرشد (یعنی راہ دکھانے والا مددگار) نہیں پائیں گے۔

لیجئے اسکا فیصلہ بھی قُرآن مجید فرقان حمید نے فرما دیا کہ جسے اللہ کریم ہدایت دینا چاہے تو اُسکو رہنما مُرشد عطا فرما دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے تو اُسے اپنے محبوب بندوں سے اولیائے کاملین سے، مُرشد سے محروم کر دیتا ہے۔

لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ایسے اولیائے کاملین کے دامنوں سے خُود کو وابستہ کرلیں کہ جنکے قلوب نُورِ الٰہی سے جگمگا رہے ہوں جنکے اجسام ہر لحظہ انوارِ الٰہی سے مُستفید ہو رہے ہوں جنکے سینے حکمت و دانائی سے بھرے ہوں اور یقین جانیے جب آپ اِن کے در سے واقعی قلب اور ذہن سے وابستہ ہو جائیں گے تو یہ دُنیاوی تکالیف آپکو ہیچ نظر آنے لگے گی، شیطانی مکر وفریب کے جال آپ پر اثر انداز نہ ہو سکیں گے قلب کی سختی رفو ہو جائیگی، اوہام و ابہام دفع

ہو جائیں گے کہ جنکے لئے رَبِّ لم یزل ارشاد فرما رہا ہے یہ میرے دوست ہیں اِنکے قدم میری رضا کے واسطے اُٹھتے ہیں اِنکا بولنا میرا بولنا ہے اُن کی زُبان سے کوئی بات بِنا مقصد کے نہیں نکلتی یہ وہ رِجالُ العالم ہیں کہ اِنکی صحبت سے ہماری زندگی بھی سنور جاتی ہے اور آخرت کیلئے زادِ راہ بھی اِکھٹا ہوتا رہتا ہے۔ زندگی کا مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے، اور آخرت کی سمجھ بھی۔

یہ وہ لوگ ہیں کہ جس سے یہ خُوش ہو جائیں رَبِّ کریم اُس سے خُوش ہو جائے، اور یہ جس سے ناراض ہو جائیں تو وہ خُدا کی پکڑ سے نہیں بچ پاتا، یہی وہ لوگ ہیں جن کی بابت مدنی مُصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِرشاد نے فرمایا مفہوم، مومن کی فراست سے بچو کہ اللہ کہ نُور سے دیکھتا ہے اگر صرف اِس حدیث پاک پر ہی کلام کرلیا جائے تو مجھ سا کم علم بھی صفحات کے صفحات بھر دے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے دُشمنوں کیلئے اللہ کریم اعلان جنگ فرما دے۔

چُنانچہ یہ حدیث قدسی جو بُخاری میں موجود ہے پیش کر رہا ہوں، ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالٰی فرماتا ہے جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میں اُس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔

اور میرا بندہ ایسی کسی چیز کے ذریعے میرا قرب نہیں پاتا جو مجھے فرائض سے زیادہ محبوب ہو اور میرا بندہ نفلی عبادات کے ذریعے برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں (اللہ تعالیٰ) اس (بندے) کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ مانگتا ہے تو میں ضرور اسے پناہ دیتا ہوں۔ میں نے جو کام کرنا ہوتا ہے اس میں کبھی اس طرح متردد نہیں ہوتا جیسے بندۂ مومن کی جان لینے میں ہوتا ہوں۔ اسے موت پسند نہیں اور مجھے اس کی تکلیف پسند نہیں۔

البخاری فی الصحیح، کتاب : الرقاق، باب التواضع 5 / 2384

محترم قارئین کرام کس قدر عجیب بات ہے کہ دُنیاوی بادشاہوں کے جو دوست ہوں تو اُنکی اہمیت تسلیم کی جائے اُنکی نازبرداری کی جائے کہ یہ صدر مملکت کا مصاحب ہے یا گورنر صاحب کا یا وزیر اعلیٰ کا دوست ہے اِسکی ناراضگی کو

بادشاہ، گورنر، یا وزیر کی ناراضگی گردانا جائے اُسکی خوشامد کرتے پھریں کہ وہ حاکم کا مصاحب ہے۔ اور جسے خُدا کی دوستی نصیب ہو تو اُس سے کسی قلب میں بیزاری ہو دُشمنی ہو عداوت ہو تو کس قدر بدنصیب ہے وہ انسان جس سے اعلان جنگ کا اعلان اللہ کریم فرمائے اور کس قدر خُوش نصیب ہیں وہ اذہان وہ قلوب جن میں اولیاءَ اللہ کی مُحبت ہو احترام ہو اور جیسا کہ میں نے پہلے ہی کہا کہ اِنکے سینے حکمت اور دانائی منبع ہوتے ہیں تو کسی اللہ کریم کے ولی کی صحبت پا کر دیکھئے آپکا یقین پُختہ ہوجائے گا۔

مجھے اپنی جوانی کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے جِسے آپ کیساتھ شئیر کرنا چاہوں گا31 جولائی سنہ 1993 میں میری رفیقہ حیات کا انتقال ہوگیا یہ حادثہ زندگی پر ایسا اثر انگیز ہُوا کہ کامل ایک برس تک ذہن پر اِسکے صدمات کا اثر بُہت شدت کیساتھ باقی رہا اُنہی دِنوں ایک عجیب ساخُواب جِسے میں روزانہ دِیکھا کرتا لیکن تعبیر سے قاصر تھا کافی عُلماءَ کرام کی بارگاہ میں حاضر ہوا لیکن کوئی تشفی آمیز جواب مرحمت نہیں ہوا جس سے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا آخر میں ایک جید عالم صاحب نے مُجھے ایک درویش کا پتہ بتایا اور کہا اقبال میاں جس سوال کا جواب تُم تلاش کر رہے ہو اُسے کوئی درویش ہی حل کر سکتا ہے لہٰذا ایک اللہ کے ولی (حضرت علامہ علی اکبر نِظامی کمبل پوش۔ رحمتہ اللہ علیہ) کے آستانے پر حاضر ہوا، وہ مجھے دیکھ کر مُسکرائے اور بیٹھنے کا

اشارہ کیا میں نے عرض کیا حضورِ والا ایک خُواب دیکھتے ہُوئے کئی ماہ گُزر گئے ہر دوسرے دِن یہی خُواب دیکھ رہا ہوتا ہوں اگرچہ اپنے خوابوں کی تعبیر خُود اَخذ کر لیتا ہوں لیکن اِس خُواب کی تعبیر میں خُود کو معذور پاتا ہُوں مجھے آپ کے آستانے پر فُلاں عالم صاحب نے بھیجا ہے آپ ہی میرے حال پر رحم فرمائیں اور تعبیر عنایت فرما دیں، اسکے بعد میں نے اپنی حَالتِ زار اور اپنا خُواب بیان کردیا۔ جِسے سُن کر وہ چند لمحے خاموش رہے اور پھر اِرشاد فرمایا۔ بیٹا کیا تُم نے اپنی مرحومہ زوجہ سے قبلِ انتقال کوئی وعدہ کیا تھا؟

میں کافی دیر تک سوچتا رہا اور جب کُچھ یاد نہیں آیا تو اپنا سر نفی میں ہِلا دیا اُنہوں نے ایک اشارہ مزید دِیتے ہوئے فرمایا کسی مقدس مقام پر جانے کا وعدہ کیا ہُو؟ مُقدس مُقام کا سُنتے ہی دماغ میں جھماکہ سا ہُوا اور میں نے عرض کیا۔ حضورِ والا مجھے یاد آگیا اُس نے عمرہ پر جانے کی خُواہش کا اظہار کیا تھا اور میں نے وعدہ کیا تھا کہ آپ جیسے ہی صحتیاب ہوجا ئینگی میں آپکو عُمرہ کیلئے لے جاؤں گا!

حضرت علامہ علی اکبر نِظامی کمبل پوش۔ رحمتہ اللہ علیہ نے مُسکراتے ہوئے اِرشاد فرمایا بس اب تُم اپنا وعدہ پورا کرو اور عمرہ کیلئے تیاری کرو، میں

نے عرض کیا جناب میں اُسے عمرہ پر کس طرح لیجا سکتا ہوں اُسکا تو وصال ہُوئے کئی ماہ گُزر چُکے ہیں؟ حضرت علامہ علی اکبر نِظامی کمبل پوش۔ رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا میاں اُسے نہیں لیجا سکتے لیکن اُس کی جانب سے کسی اور عاشقِ مدینہ کو تو لیجا سکتے ہو کچھ لمحوں بعد عصر کی آذان کا وقت ہوگیا اور مجھے اِجازت مِل گئی میں مسجد کی جانب جاتے ہوئے یہی سوچ رہا تھا اِسے کہتے ہیں مومن کی فِراست اور اُسکی اُڑان، کہ جس سوال کیلئے کئی ماہ سے پریشان تھا ایک مردِ قلندر کے دَر پر یوں حل ہوگیا جیسے کوئی مسئلہ تھا ہی نہیں۔ جب میں عمرہ کی سعادت حاصل کرکے واپس آیا تو کُچھ عرصہ بعد ہی حضرت علامہ علی اکبر نِظامی کمبل پوش۔ رحمتہ اللہ علیہ کا وصالِ ظاہری ہوگیا اور مجھ سمیت ہزاروں لوگ اُس عظیم مرد قلندر کی ظاہری صحبت سے محروم ہوگئے۔

تقریباً 5 برس کے بعد آپکے صاحبزادے نے آپکو خُواب میں دیکھا آپ فرما رہے تھے بیٹا میری قبر میں پانی آگیا ہے مجھے یہاں سے دوسری جگہ منتقل کرو چند دِنوں میں باہر سے بھی مزار مُبارک کی حالت سے معلوم ہونے لگا کہ قبرِ مُبارک بیٹھنے لگی ہے لہذا ڈپٹی کمشنر سے اجازت حاصل کی گئی اور اعلیٰ افسران اور ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں جب جسم مُبارک کو منتقلی قبر کیلئے باہر نکالا جارہا تھا تو چہرہ مُبارک سے کپڑا ہٹ گیا اور لوگوں نے نعرہ

تکبیر کی صدا بُلند کرنی شروع کردی آپ رحمتہ اللہ علیہ کی زُلفیں لہرا رہی تھیں اور چہرہ مُبارک پر ایسی تابانی تھی گویا ابھی ابھی سوئے ہُوں ایک صاحب نے فرطِ جذبات سے مغلوب ہو کر چہرہ مُبارک کے ایک حصے پر انگلی رکھ کر ہٹائی تو اُس جگہ کے گرد سُرخی پھیل گئ اور پھر چہرہ مُبارک نارمل ہوگیا اور وہ صاحب لوگوں کو متوجہ کرکے کہہ رہے تھے لوگوں دیکھ لو یہ ہیں اولیاءَ اللہ جن کے جسموں کو بعد وفات نہ زمین نقصان پُہنچاتی ہے نہ زمانے کی گردش ہی اِنکے جسموں پر اثر انداز ہوتی ہے میرپورخاص میں اب بھی سینکڑوں ایسے افراد موجود ہیں جِنھوں نے یہ ایمان افروز واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

اللہ کریم سے دُعا ہے کہ تمام دُنیا کے مسلمانوں کے قلوب کو اپنے اولیاءَ کے بُغض سے محفوظ فرما کر اُنکی مُحبت کا مدینہ کردے اور تمام دُنیا کے مسلمانوں کو اِن روشنی کے میناروں سے مُستفید فرمائے (آمین بجاہِ النبی الامین)۔

فیضان اسم اعظم - ۸

محترم قارئین السلامُ علیکم

ظفر جلیل شرح حصن حصین میں لکھتے ہیں کہ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی (رحمتہ اللہ علیہ) نے اسم اعظم کی تحقیق میں مکمل ایک کتاب لکھی ہے جس میں لکھا ہے کہ بُزرگان دین سے کئی اسم اعظم روایات کے مُطابق منقول ہیں اور جیسا کہ ہم پچھلے اسم اعظم کے کالمز میں بھی کئی احادیث نقل کر چُکے ہیں اور ابھی کئی احادیث میری نظر میں موجود ہیں جنکا تذکرہ کرنا آپ سے باقی ہے لیکن آج جو دُعا میں آپ کو بتانے والا ہوں اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ اُن تمام اسمائے مُبارکہ کا مجموعہ ہے جنکے متعلق اسم اعظم کی نوید ملی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ یَا حَنَّانُ یَا مَنَّانُ یَا بَدِیْعُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا خَیْرَ الْوَارِثِیْنَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یَا سَمِیْعَ الدُّعَاءِ یَا اللّٰہُ یَا اللّٰہُ یَا اللّٰہُ یَا عَالِمُ یَا سَمِیْعُ یَا عَلِیْمُ یَا مَالِکَ الْمُلْکِ یَا مَلِکُ یَا سَلَامُ یَا حَقُّ یَا قَدِیْمُ یَا قَائِمُ یَا مُحِیْطُ یَا حَکِیْمُ یَا عَلِیُّ یَا قَاھِرُ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ یَا سَرِیْعُ یَا کَرِیْمُ یَا عَفُوُّ یَا

مُعْطِیْ یا مانِعُ یا مُحْیِ یا مُقْسِطِ یا حَیُّ یا قَیُّوْمُ یا اَحَدُ یا حَمْدُ یا رَبِّ یا رَبِّ یا رَبِّ یا وَھَابُ یا غَفَّارُ یا قَرِیْبُ یا لا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اَنْتَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَکِیلِ وَ اِسْمُ اللّٰہُ تَعَالٰی الْاَعْظَمُ الَّذِیْ اِذْ سُئِلَ بِہٖ اَعْطٰی وَاِذْ اُدْعِیَ بِہٖ اَجَابَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ لا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدُ۔

آپ کوشش کریں کہ اس دُعا کو اپنی زِندگی میں اس طرح شامل کرلیں کہ آپ کی ہر صبح اس دُعا کیساتھ شروع ہو آپ اگر غور فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں تقریباً پنتالیس (45) اسمائے الٰہی موجود ہیں جنکے متعلق سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ یہ اسم اعظم ہیں۔ تو اس دُعا کو پڑھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ جس قدر اسمائے اِلٰہی کے متعلق اسم اعظم کی بِشارت موصول ہوئی ہیں وہ سبھی ہمارے اوراد میں شامل ہیں۔

جب بھی کوئی دُعا پڑھیں یا اپنا اسم اعظم پڑھیں یا قُرآن کریم کی تلاوت کریں تو اول آخر طاق تعداد میں درود پاک بھی ضرور پڑھیں کہ احادیث صیحہ سے

ثابت ہے کہ دُرود پاک کا پڑھنا رَد نہیں کیا جاتا ہے جبکہ دوسرے اعمال کے متعلق ہمیں یہ خوشخبری اور حتمی یقین دہانی نہیں ملتی اب کسقدر پڑھیں۔ تو میں صرف اتنا کہوں گا کہ جسقدر عشق بڑھتا ہے محبوب سے مُحبت بھی بڑھتی ہے اور جس سے مُحبت ہو تو اُس کو تحائف گِن گِن کر نہیں بھیجے جاتے اور یہ تو وہ عمل ہے جسکی گواہی ہمارا پیارا رَبّ عزوجل دے رہا ہے اور حکم دے رہا ہے اے بندوں میرے محبوب علیہ السلام پر خوب کثرت سے درودِ پاک پڑھو یہاں تعداد کا تعین نہیں فرمایا بلکہ کثرت اور زیادتی کا حکم ہے۔ مطلب یہ کہ درودِ پاک پڑھنے میں سیری حاصل نہیں تو جو جسقدر پڑھ سکتا ہے پڑھ لے کہ کسی عبادت کے ذریعے سُنت الٰہی پوری نہیں کر سکوگے بجُز درود پاک کہ اور کسی خاص دورِدِ پاک کا حکم اِرشاد نہیں فرمایا کہ صرف اس طرح سے درودِ پاک پڑھو تو اب جو درود پاک زُبان پر آسان محسوس ہو وہ پڑھ لیں۔

آج ہمارے اس کالم کے سلسلے کو شروع ہوئے آٹھ (8) ماہ مکمل ہو گئے الحمدُ للہِ عزوجل عَلٰی اِحسانِہٖ اس مُدت میں بیشُمار ایسے برقی خُطوط بھی موصول ہوئے جنہیں پڑھ کر آنکھیں غَم سے نمبار ہو گئیں اور کبھی ایسے برقی خُطوط بھی موصول ہوئے کہ جِسے پڑھ کر اِحسان تشکر سے آبگینہءِ چشم چھلک پڑے اور سر سجدہ میں جا کر رَبّ عظیم کا شُکر بجا لایا۔

مجھے یاد ہے کہ آج سے تقریباً پانچ مہینے قبل ایک نوجوان کا برقی خط موصول ہُوا جس میں اُس نے اپنی ناکامیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ میں بُہت جلد خُود کشی کرنے والا ہُوں اگر آپ کے پاس میری محرومیوں کا کوئی حل موجود ہے تو مجھے بتائیں صرف تسلی دینے کیلئے خط لکھنے کی زحمت مت کیجئے گا۔

میں نے اپنا پرسنل سیل نمبر رِیپلائی کیا اور گفتگو کی درخواست بھیجی جب اُس نوجوان کی مجھے کال موصول ہوئی تو میں نے اُسے زندگی کی اہمیت پر لیکچر دینے کے بجائے اُس کے یقین کو ٹٹولا جو کانچ کی نازک شیشی کی طرح بکھر چکا تھا تھوڑی سی ہمت دِلانے کے بعد میں اُسے یقین دلانے میں کامیاب ہوگیا کہ اسم اعظم کی برکت سے اُس کی زندگی کی مشکلات ضرور آسان ہوجائینگی وہ مجھ سے یقین دہانی مانگ رہا تھا اور مجھ گُنہگار و بد اطوار کے پاس ایسا کوئی کمال نہیں تھا کہ اُس نوجوان کو حالات کے بدلنے کی گارنٹی فراہم کرسکتا لیکن اتنا ضرور کیا کہ اُس کے بکھرے ہوئے اعتماد کو بہر حال اللہ کریم کی مدد اور فضل سے بحال کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور راتوں کو رُو کر اُس نوجوان کیلئے دُعائیں کرنے لگا اگرچہ میری عادت ہے کہ جب بھی دُعا کرتا ہوں اپنے تمام احباب کو یاد رکھتا ہوں لیکن اُس وقت مجھے اُس نوجوان سے زیادہ ضرورت مند کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔

چند دِنوں کے بعد جب اُس نوجوان کی کال موصول ہوئی تو اُس نے بتایا کہ حالات بہتر ضرور ہورہے ہیں لیکن سب کچھ اب بھی ٹھیک نہیں ہے میں نے اُسکی کچھ اور ہمت بندھائی جس پر اُس نے میرا شُکریہ ادا کیا اور قارئین محترم آپ کو یہ جان کر بے حد خوشی ہوگی کہ اسم اعظم کی برکت سے وہ نوجوان آج ایک بہترین زندگی گُزار رہا ہے شادی کا معاملہ بھی حل ہوچکا ہے اپنا چھوٹا سا بزنس بھی شروع کرچُکا ہے اور بقول اُسکے اُنکی کوئی دُعا ایسی نہیں ہوتی جس میں وہ مجھے یاد نہ کرتے ہوں۔

اِسی طرح میری ایک مُلاقات ہمارے ایک دوست نے بذریعہ ویڈیو کال اپنے ایک دوست سے کروائی جو لندن میں مُقیم تھے چُوں کہ خاندان سادات سے تھے اِس لئے میرے دِل میں اُنکا احترام دوسروں کی نِسبت زیادہ ہے اُنہوں نے دوران گُفتگو مجھے بتایا کہ میرا ہر سیدھا کام اُلٹ ہوجاتا ہے ہر کام میں رُکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے تمام معاملات بگڑتے چلے جارہے ہیں میں نے اُنکی خدمت میں اسم اعظم پیش کیا اُنہوں نے پوچھا کتنے دِن تک پڑھنا ہے میں نے عرض کیا جناب آپ شروع تو کریں ختم کی بات بعد میں کریں گے اُنہوں نے جب اسم اعظم پڑھنا شروع کیا تو اُنھیں اسم اعظم کی تلاوت سے وہ لُطف و آگہی حاصل ہوئی کہ روز کال آنے لگی اور سید محمد صاحب میرے بہترین دوستوں میں شامل ہوگئے آئے دِن اُن سے گفتگو رہنے لگی ایک دِن پاکستان آنے کی اجازت بذریعہ استخارہ

مانگی اجازت مِل گئی تو اگلے ہفتے وہ سیدھے کراچی ائرپورٹ سے میرپورخاص پُہنچ گئے اب وہ دوبارہ تعلیم مکمل کرنے کیلیئے انگلینڈ گئے ہوئے ہیں پچھلے ہفتے اُنکی کال موصول ہوئی تو کہنے لگے عشرت بھائی ایک وقت تھا کہ کوئی کام سیدھا نہیں ہوتا تھا اور آج یہ حال ہے کہ کوئی مُشکل نہیں رہتی ہر کام ایسا لگتا ہے جیسے خود بخود تشکیل کی جانب بڑھ رہا ہے مجھے اُنکی تمام فیملی ہی سے ایسی اُنسیت ہوچکی ہے جیسے وہ میری فیملی ہو۔

اِسی طرح کینیڈا میں ایک بہن ہیں جنکے متعلق مجھے اکثر ایسا گُمان ہوتا ہے جیسے وہ میری حقیقی ماں جائی ہوں بُہت بہادر خاتون ہیں اسمائے اِلٰہی کی برکت سے اپنے مسائل سے تو نبردآزما ہیں ہی لوگوں کے مسائل کو بھی حل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اسی طرح کے اور بیشُمار لوگ ہیں جنکی زندگی میں انقلاب برپا ہوچُکا ہے اور وہ آج بھی اسم اعظم کی برکتیں دیکھ رہے ہیں کچھ کہہ دیتے ہیں اور کچھ نہیں کہہ پاتے لیکن ایسے بھی لوگ ضرور موجود ہوں گے جنھیں شائد بظاہر کوئی نفع نظر نہیں آتا تو اُنکی خِدمت میں عرض ہے کہ اپنے معاملات زندگی کا بغور مطالعہ کریں کہیں آپ کسی کی دل شکنی کے مُرتکب تو نہیں ہورہے اگر کوئی روٹھا ہُوا ہے تو پہلے اُسے مَنانے کی کوشش کریں اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات کیمطابق گُزارنے کی سعی کریں اگر بے یقینی کا ناسور دِل میں موجود ہے تو اُسکے علاج کی تدبیر کریں۔ ہر دوسرے مسلمان کو

خُود سے بہتر تصور کریں والدین کی عزت کریں۔
پھر آپ دیکھیں گے کس طرح اسم اعظم کی تلاوت آپ کی زندگی میں بھی انقلاب برپا کرتی ہے اپنی طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے یہ کالم لکھنے میں تاخیر ہو گئی جسکے لئے تمام احباب سے معذرت خُواہ ہوں۔
اسم اعظم نکالنے کا طریقہ اسم اعظم کی پہلی قسط میں تحریر کردیا تھا اگر آپ چاہیں کہ میں آپکا اسم اعظم نکال کر دوں تو صرف اپنا نام کمنٹ باکس میں لکھ دیں میں آپکا اسم اعظم آپکو بتادونگا اور پڑھنے کی تعداد بھی بتادوں گا۔ اگر کوئی دوسرا روحانی مسئلہ ہو۔ استخارہ کروانا ہو، یا جادو کی کاٹ، یا جنات سے حفاظت چاہیئے، یا کسی خواب کی تعبیر چاہیئے تو مائی پیج اپنا اکاؤنٹ بنالیں اور میرے اکاؤنٹ پر مجھے پرسنل میسج بھیج دیں انشاءَ اللہ جس قدر ممکن ہوگا آپکی رہنمائی کی کوشش کروں گا۔
تمام پڑھنے والوں سے استدعا ہے کہ 14 شعبانُ المعظم کو سات عدد بیری کے پتوں کو پانی میں جوش دے کر نہانے کے پانی میں مِلا کر نہالیجئے گا انشا اللہ عزوجل اگلے سال تک جادو سے حِفاظت رہے گی۔ ماہ رجب المرجب اپنی برکتوں کیساتھ بڑی تیزی سے ماہ شعبان المعظم سے ادغام کی جانب بڑھ رہا ہے موقع

غنیمت جانئے اور روحانی ترقی کیلئے نفلی روزوں کا اہتمام کر لیجئے۔ اپنی دُعاؤں میں مجھ گُنہگار کو بھی یاد رکھا کریں اللہ کریم تمام مسلمانوں کے غموں کو دور فرما کر اپنے مدنی محبوب ﷺ کی محبت کا مدینہ بنائے (آمین بِجَاہِ النَّبی الامین وصلی اللہ تعالی علیہ وآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبارَکَ وَسلم)

پاکستانی خزانے مگر کس کیلئے؟

مُحترم قارئین السلامُ علیکم

ماشاءَاللہ ہماری ویب کے فیچر کالمز کے توسط سے قارئین کی معلومات میں خوب اضافہ ہورہا ہے مورخہ 26 جون 2010 کے فیچر کالم بنام (ضلع چاغی، پاکستان میں سونے کی وادی) میں بتایا گیا کہ چاغی، قیمتی معدنیات کے لحاظ سے دُنیا بھر میں قیمتی معدنیات کے خزانوں کے حوالے سے اہم ترین پٹی ہے جس کی وجہ سے اگر اِسے سونے کی وادی کے نام سے موسوم کیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

اس قسم کے معدنی خزانوں سے ہماری پاک سرزمین لبریز ضرور ہے کہیں کوئلے کی عظیم ترین کانیں دریافت ہو رہی ہیں تو کہیں گیس کے قیمتی ذخائر موجود ہیں نہ پٹرول کی کمی ہے نہ ہی دوسری معدنیات کے حوالے سے ہم کسی کے مُحتاج ہیں دُنیا کا سب سے بڑا نہری نظام اسی پاک سرزمین میں موجود ہے تو اجناس کے حوالے سے بھی ہم اقوام عالم میں ایک مُقام رکھتے ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ دُنیا کا سب سے بڑا نہری نظام رکھنے والی قوم بجلی میں خُود کفیل نہیں بے شُمار پٹرول اور گیس کے ذخائر ہونے کے باوجود ہم آج بھی عرب عمارات سے اپنی ضروریات پوری کرنے کیلئے مُحتاج ہیں ہمارا مُلک دُنیا میں زرعی مُلک کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے لیکن عوام چینی اور دالوں کیلئے ترس رہے ہیں۔

ہمارے پاس اسٹیل مِل ہے لاکھوں چھوٹے بڑے صنعتی یونٹ ہیں لیکن لوگ بے روزگاری سے تنگ آکر خُودکُشیاں کر رہے ہیں وجہ صاف ہے کہ جو معدنیات کے خزانے ہمارے پاس موجود ہیں اس کے ثمرات تحقیق کے نام پر امریکہ یورپ اور دیگر اقوام ہم سے زیادہ پارہی ہیں اور وجہ صرف یہ ہے کہ یہ قیمتی خزانے ہیں تو ہماری زمین میں لیکن ٹیکنالوجی نہ ہونے کے سبب ہم اس سے بھرپور استفادہ حاصل نہیں کرپاتے اور جو کچھ پاکستان کے حصے میں آتا ہے اُسکا بیشتر حصہ بھی کمیشن کی صورت میں بیوروکریٹ کی جیبوں میں چلا جاتا ہے اور باقی جو کچھ بچتا ہے اُسکا کافی بڑا حصہ کرپٹ سیاستدانوں کی جیب میں چلا جاتا ہے کوئی سوئس اکاونٹ بھرنے میں مصروف ہے تو کوئی امریکہ میں اپنا مستقبل محفوظ بنا رہا ہے کسی کی دولت دُبئی میں محفوظ ہے تو کوئی بے دھڑک پاکستان میں اپنی جائیدادوں میں اضافہ کر رہا ہے ڈاکٹر عطاالرحمٰن نے چند دِن قبل اپنے ٹی وی انٹرویو میں بجافرمایا تھا کہ جہاں ہندوستانی وزراء دوسرے ممالک میں جاکر جدید ٹیکنالوجیز مانگ رہے ہیں تو دوسری طرف ہمارے وزراء وہاں اپنے کشکول میں بھیک سمیٹ رہے ہوتے ہیں اور یہ بھیک بھی قارئین کرام عوام کی بھوک مِٹانے کیلئے حاصل نہیں کی جاتی بلکہ اپنے پیاروں اور دُلاروں کے عیش اور آرام کی خاطر طلب کی جاتی ہے۔

ہماری تقریباً تمام معدنیات کا 50 فی صد حصہ ٹیکنالوجی نہ ہونے کے سبب گوروں کے خزانے میں پُہنچ جاتا ہے جب تک ہمارے سیاستدان تعلیم یافتہ، باکردار، اور متوسط طبقوں سے نہیں آئیں گے ہم ٹیکنالوجی میں دُنیا سے پیچھے ہی رہیں گے کیونکہ یہ 2 فی صد اشرافیہ کا طبقہ کبھی بھی ہمیں تعلیم کے میدان میں آگے بڑھنے کا موقع فراہم نہیں کرے گا ہم کبھی اپنی زندگیوں کے فیصلے نہیں کر پائیں گے اور نہ ہی یہ ہماری آوازوں کو اپنے آقاؤں تک پُہنچنے دیں گے جسکے سبب ہم پر ڈرون حملے ٹائپ کا عذاب مسلط ہے،

غربت کا عذاب مسلط ہے، بے روزگاری کا عذاب مسلط ہے جہالت کا عذاب مسلط ہے۔ اور سچ پوچھیے تو ہم اس عذاب کے مستحق بھی ہیں کہ 60 برس سے ہم اِنہی ظالموں کو چُن کر پارلیمنٹ میں پُہنچا رہے ہیں جنہوں نے ہمارے جسموں سے تمام لہو چُوس کر اپنے پنجوں اور دانتوں کو تقویت دی ہے ہم گُزشتہ 60 برسوں سے عصبیت، قومیت، علاقائیت، کے نام پر جذباتی نعروں کا شکار ہو رہے ہیں اور ماضی سے سبق حاصل کرنے کو تیار نہیں مجھے آج جدہ ایئرپورٹ پر ملنے والا وہ پٹھان مزدور یاد آرہا ہے جس نے مجھ سے کہا تھا کہ ہمارے جمہوری نظام سے تو سعودیہ کا بادشاہی نظام ہی اچھا ہے کہ اِنکا پیٹ کھا کھا کر بھر گیا ہے اور اب یہ عوام کو بھی کھانے دے رہے ہیں جبکہ پاکستان میں ایک پارٹی کا پیٹ بھرتا نہیں کہ دوسری بھوکی پارٹی عوام کے خُون پسینے سے جمع خزانے

کو لوٹنے کیلئے آجاتی ہے یہ تو ایسا ہی کھیل ہے جیسے لوگ میوزیکل چیئر کے گرد گھومتے ہوئے کھیلتے ہیں۔

مجھے نہ سیاست کی سمجھ ہے نہ سیاستدانوں کی لیکن اِتنا ضرور جانتا ہوں کہ یہ وہ رہنما نہیں جو ہمیں منجدھار سے نکالنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ہمیں چہروں کی تبدیلی کی ضرورت نہیں نظام کی تبدیلی کی ضرورت ہے ایسے رہنماؤں کی ضرورت ہے جو ہم میں سے ہوں جو غربت میں پروان چڑھے ہوں جنہوں نے علم ایئر کنڈیشنر کمروں کے بجائے تپتی دھوپ میں حاصل کیا ہو جن کے آئیڈیل کارل مارکس، بُش، یا ٹونی بلئیر نہ ہوں بلکہ طارق بن زیاد اور محمود غزنوی (رَحمُ اللہِ اجمعین) ہوں۔

جنہیں اسلام سے مُحبت ہو مسلمانوں سے پیار ہو جن میں قوم کیلئے کچھ کرنے کا جذبہ ہو جنہیں اپنے اکاؤنٹ سے زیادہ اپنا نام تاریخ میں امر کرنے کی خواہش ہو جو نظام مُصطفٰی کے نَفاذ کو پاکستانیوں کی پریشانیوں کا حل سمجھتے ہوں۔ اب ہمیں اپنے مستقبل کا فیصلہ خُود کرنا ہوگا کہ شاعر مشرق علامہ اقبال (علیہ الرحمہ) کی روح آج پھر ہم سے مُخاطب ہے

خُدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال خُود اپنی حالت بدلنے کا

یہ خُود کُش حملے آخر کب تک؟

محترم قارئین السلامُ علیکم

جمعرات اور جمعہ کی شب کچھ شقیُ القلب ازلی بد بختوں نے داتا کی نگری لاھور میں داتا علی ہجویری (رحمتہ اللہِ علیہ) المعروف داتا صاحب کے مزارِپُر انوار کے اِحاطے میں دو خود کَش دھماکے کر کے پاکستان کے کروڑوں مسلمانوں کو رنجیدہ کردیا۔اِس خُود کش حملے میں جہاں دو لوگ جہنم رسید ہوئے وہیں پنتالیس کے قریب مسلمانوں نے شہادت کا جام نوش کیا اور بیشُمار مسلمان زخمی بھی ہوئے۔

حضرت داتا علی ھجویری (رحمتہ اللہِ علیہ) کا شُمار اُن صوفیاءَ کرام کی فہرست میں سب سے پہلے ہوتا ہے جنھوں نے کُفر و شرک کی وادی میں اپنے کریم آقا علیہ السلام کے دین کی روشنی پھیلانے کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ کر سفر اختیار کیا اور کافروں کی اس بستی میں اسلام کو روشناس کرایا۔

حضرت داتا علی ھجویری (رحمتہ اللہِ علیہ) وہ عظیمُ الشان ہستی ہیں جن کہ دَر کی حاضری کو خواجہِ خُواجگان حضرت معینُ الدین چشتی (رحمتہ اللہِ علیہ) نے سعادت سمجھا یہ وہ شہنشاہِ سلسلہ چشت ہیں جن کے ہاتھ پر نوے لاکھ کُفار (ہندوؤں)

نے توبہ کی اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے جنکی بدولت آج ہم اور آپ کسی ہندو بنیے کی اولاد کے بجائے مسلمان ہیں ایسی عظیم الشان ہستی بھی حضرت داتا علی ھجویری (رحمتہ اللہِ علیہ) کے آستانے مُبارک کی حاضری سے سرفراز ہونے کے بعد چلتے چلتے اِن اشعار میں خِراجِ تحسین پیش کرتی ہے۔

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خُدا

ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنُما

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بھی اولیائے کرام کے مزارات اور مساجد پر اس قسم کے خود کش دھماکے ہوتے ہیں تو ایک مخصوص طبقہ کی جانب سے شور مچایا جاتا ہے کہ یہ کُفار کی سازش ہے اور جب حملہ آور کی شناخت ہوتی ہے تو وہ اکثر مسلمانوں کے ایک خاص طبقہ کے تربیت یافتہ دھشتگرد نکلتے ہیں کبھی یہ لوگ ان حملوں کی ذمہ داری قبول کرلیتے ہیں تو کبھی عوامی ردِ عمل کے پیش نظر اس سے صاف مُکر جاتے ہیں۔

ان دھماکوں میں ابتک جہاں چند ایک کُفار یا غیر مسلم ہلاک ہوئے ہیں تو دوسری طرف ہزاروں مسلمان شہید ہوئے ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کس طرح ایک مسلمان مسلمانوں کی مساجد اور اولیائے کرام کے مزارات پر حملوں کا

مرتکب ہوسکتا ہے تو ایسے دھشگرد پہلے تو ایسے لوگوں کو تلاش کرتے ہیں جو زمانے کے ٹھکرائے ہوئے ہوتے ہیں یا جن کی نظر میں زندگی کی اہمیت صفر ہوتی ہے یا پھر شہروں اور دیہات سے بچوں کو اغوا کیا جاتا ہے اور اُنکی برین واشنگ کی جاتی ہے اور اسلام کی اصل تعلیمات جو اخوت اور بھائی چارے کی فضاء کا درس دیتی ہیں سے ہٹ کر اُن کی تربیت کی جاتی ہے اور ایک خاص فرقہ کے علاوہ تمام مسلمانوں کو مشرک ثابت کیا جاتا ہے اور یہ زہر دھیرے دھیرے ان معصوم بچوں اور زمانے کے ٹھکرائے ہوئے لوگوں کی رگوں کے اندر پیوست کردیا جاتا ہے اور پھر اُنہیں یہ تعلیمات دی جاتی ہیں کہ یہ لوگ جو خود کو مسلمان کہتے ہیں درحقیقت مسلمان ہیں ہی نہیں بلکہ مُشرک ہیں اور واجب القتل ہیں اِنکا خون بہانا اللہُ سُبحانہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہیں اِنکو صفحہ ہستی سے مِٹانے والا جنت کا حقدار ہے حوروں کا حقدار ہے اس مِشن کیلئے اگر اپنی جان بھی گنوانی پڑے تو گھاٹے کا سودا نہیں کہ اس کے بدلے میں تمہیں دیدارِ الٰہی کی عظیم دولت ملنے والی ہے۔

قارئینِ کرام یہ ہے وہ کڑوا سچ جس کو بیان کرتے ہوئے اور سُنتے ہوئے ایک مسلمان کا دل دھل جاتا ہے روح کانپ جاتی ہے خود کش حملوں کی ابتدا ایران سے حسن بن صباح کے ذریعے ہوئی تھی جو مسلمانوں میں ایسے زہریلے پروپیگنڈے کہ ذریعہ جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں خودکُشی کی بدلے جنت کی نوید دیتا تھا

اور اپنے خود ساختہ مجاہدین کو حشیش استعمال کراتا تھا جس کے نشے کے سبب اور حوروں کی طلب میں اُس کے کارندے ہر وقت اپنی جانوں کو ہلاک کرنے کے درپے رہتے تھے۔ یہ ناسور اب بڑی تیزی سے ہمارے معاشرے میں بھی پھیلایا جارہا ہے ورنہ ذرا سوچئے توسہی جو مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت، جان، آبرو، کا مُحافظ تھا کیسے دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے مسلمان کی جان لینے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام مسالک کے علماء کھل کر خود کش حملوں کی مذمت کریں اور مساجد کے منبر پر بیٹھ کر صرف اصلاحی بیان کے بجائے اُنہیں خودکُشی اور جہاد میں تمیز کرائیں ورنہ وہ دِن دور نہیں جب یہ آگ تمام مُلک کو اپنی لپیٹ میں جلا کر خاکستر کردے گی پھر صرف ایک خاص طبقہ ہی نہیں ہر طبقہ میں خُود کش بمبار پیدا ہوجائیں گے پھر کسی طبقہ کی مسجد اس سے محفوظ نہ ہوگی ابھی وقت ہے کہ سب مل بیٹھ کر اس عفریت کا مقابلہ میں ایک ہوجائیں کہ وقت نکل گیا تو آج کی خاموشی ایسا دردناک عذاب بن کر سامنے آئے گی جس سے مُقابلہ کا حوصلہ کسی میں بھی نہیں ہوگا کسی میں بھی نہیں !

وہ کون تھے؟

محترم قارئین السلامُ علیکم
زندگی میں کُچھ واقعات ایسے پیش آتے ہیں جو تمام زندگی بُھلائے نہیں جا سکتے میری زندگی میں ایسے لاتعداد واقعات موجود ہیں جنہیں آپ سے شیئر کرنا چاہتا ہوں کہ آپکا اور میرا ایسا رشتہ ہے جو وقت گُزرنے کیساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جارہا ہے اور آپ کا حق ہے کہ آپ بھی اِن عجیب وغریب واقعات کو جانیں اور اُن رازوں کو سمجھیں جو قدرت ہمیں وقتاً فوقتاً سمجھانے کی کوشش کرتی ہے یہ سینکڑوں واقعات ہیں جن میں سے چند آپ سے اپنے کالموں کے ذریعے بیان کرچُکا ہوں۔
آج بھی ایک ایسا ہی عجیب وغریب واقعہ آپکی خدمت میں پیش کر رہا ہوں جسکو پڑھ کر شائد آپ محو حیرت رہ جائیں گے۔
یہ اُن دِنوں کی بات ہے جب میں نے میٹرک کا امتحان دیا تھا اور رزلٹ کا انتظار کر رہا تھا گرمیوں کے دِن تھے اس لئے راتیں چھتوں پر بسر کی جاتی تھیں اور جب صبح ٹھنڈک کا احساس شدید ہوجاتا تو اپنے کمروں میں آجایا کرتے تھے میرپور خاص کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ دِن چاہے کِتنا ہی گرم ہو

راتیں عموماً ٹھنڈک کا احساس دیتی ہیں اُس رات بھی ابو ڈھیر سارے آم لائے تھے جنہیں برف اور پانی کیساتھ ٹب میں ٹھنڈا کرتے ہوئے ابو نے مذاقاً مجھ سے یہ جُملہ کہہ دیا، یار اب تو مونچھیں بھی نِکل آئیں ہیں اور میٹرک بھی کرلیا ہے میرے خیال میں تو تمھیں کوئی کاروبار شروع کردینا چاہیے۔

یہ بات کہنے کے بعد ابو تو آم نوش کرنے لگے جب کہ میں پرسنل بزنس کے متعلق سوچنے لگا اور مجھے کیا کاروبار کرنا چاہیے اسی سلسلے میں پروگرام بنانے لگا، اور اِسی کیفیت میں کچھ دیر بعد نیند کی وادیوں میں کھو گیا صبح فجر کی نماز کے بعد میں نے ابو کی چابیوں میں سے ایک چابی جو ایک بند دوکان کی تھی جس میں اسٹاک سامان رکھا جاتا تھا خاموشی سے نِکالی اور اُس دُکان کی صفائی سُتھرائی کرنے کے بعد دُکان کا لک دینے لگا جس میں دو ایک گھنٹے کی کوشش کے بعد میں کامیاب بھی ہوگیا جب اَبو مارکیٹ پُہنچے تو اُنہیں حیرت کا جھٹکا لگا کہ میں ایک گودام کو دُکان کی شکل دے چُکا تھا ابو نے ماجرا دریافت کیا تو میں نے کہہ دِیا کہ آپ ہی نے تو رات کو کہا تھا کہ میں جوان ہوچُکا ہوں اور مجھے اپنا بِزنس کرنا چاہیے سو میں نے یہ دوکان کھول لی ابو نے مجھے کافی سمجھایا کہ وہ صرف ایک مذاق تھا لیکن میری آنکھوں میں نَمی دیکھ کر اور مارکیٹ میں کہیں میرا مذاق نہ بنے ابو اُس وقت خاموش ہوگئے اور وہاں سے چلے گئے لیکن مجھے اُن کے رویے سے ظاہر ہوگیا تھا کہ ابو گھر پر

ضرور اس بات پر میری خبر لیں گے لہٰذا شام تک وہاں بیٹھ کر میں جلدی گھر چلا گیا اور اماں کو اپنے حق میں رائے دینے کیلئے راضی کرنے لگا اماں چُوں کہ مجھ سے بُہت پیار کرتی تھیں۔ اسلیئے وہ خُود بھی راضی ہو گئیں اور ابو کو بھی کسی نہ کسی طرح راضی کر ہی لیا۔

اب میں نے باقاعدہ اُس دُکان پر جانا شروع کر دیا لیکن چند ماہ کی کافی کوششوں کے باوجود بھی وہ دُکان نہیں چل پائی جس کی وجہ سے میں دلبرداشتہ ہونے لگا اور میں سوچنے لگا کہ دُکان کے بجائے اپنی تعلیم پر توجہ دینی چاہیے کافی دِن میں اِنہی سوچوں میں گرفتار رہا، کہ ایک دِن عجیب واقعہ ہوگیا جس نے میری سوچ کو بدل دیا۔

ہُوا یوں کہ ایک دِن ابو میری دُکان پر آئے اور مجھے کہنے لگے اقبال ایک کام کر دو جب تک میں تُمہاری دُکان پر بیٹھ جاتا ہوں، میں خوشی خُوشی راضی ہوگیا، ابو نے کہا فُلاں کاٹن فیکٹری چلے جاؤ اور وہاں سے کچھ سیمپل لے آؤ میں ابو کو اپنی دُکان پر چھوڑ کر موٹر بائیک تک پُہنچا تو مجھے یاد آیا کہ موٹر بائیک کی چابی تو دُکان پہ ہی رہ گئی ہے چُنانچہ واپس دُکان پر آیا تو دیکھا کہ بڑے بھائی ابو سے کہہ رہے تھے اقبال سارا دِن دُکان پر فارغ بیٹھا رہتا ہے اگر میرے ساتھ ہوتا تو میرا ہی کچھ ہاتھ بٹاتا آپ اِس کی دُکان بند

کروائیں تاکہ یہ میرا کچھ ہاتھ بٹا دیا کرے میں پچوں کہ اُنکی پُشت کی جانب تھا اِس لئے اُنہیں میری آمد کی خبر نہ ہو سکی میں ابو کے جواب کیلیے متجسس تھا اس لئے خاموشی سے کھڑا رہا، ابو نے جو جواب دیا اُس نے میری ہمت بالکل توڑ کے رکھ دی، ابو میرے بڑے بھائی سے کہہ رہے تھے اقبال سے دُکان چل تو رہی نہیں ہے لیکن اگر میں منع کرونگا تو اپنی امی سے سفارش کروائے گا اسکو اسکے حال پر چھوڑ دو یہ خُود بیزار ہو کر دُکان چھوڑ دے گا، اس کے بعد ابو اور بڑے بھائی کیا باتیں کرتے رہے مجھے کُچھ خبر نہیں کیونکہ میرے جسم میں اتنی ہمت ہی نہیں رہی تھی وہ کھڑا رہ سکتا کسی طرح خُود کو سنبھالا اور وہاں سے چل دیا ایک بچے کو بھیج کر موٹر بائیک کی چابی منگوائی اور کاٹن فیکٹری کی جانب روانہ ہو گیا۔

کاٹن فیکٹری سے نکلتے ہوئے پھر آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں فیکٹری کی مین گیٹ کیساتھ اندر ایک مزار مُبارک بنا ہوا تھا جس پر حضرت رحمت علی شاہ بُخاری (رحمتہ اللہِ علیہ) کا نام کُندہ تھا اُس کیساتھ ایک نیم کا درخت تھا جِسکے سائے تلے ایک واٹر ہینڈ پمپ لگا ہوا تھا میں نے اپنی آنکھوں کو صاف کیا اور اُس ھینڈ پمپ کو چلا کر ہاتھ مُنہ دُھونے لگا۔ ہاتھ مُنہ دُھو کر خُشک کئے تو یہ سوچ کر کہ میرے والد بھی نہیں چاہتے کہ

میں کامیاب ہو جاؤں ایک بار پھر آنکھیں بھر آئیں میں وہیں مزار مُبارک کے پاس اُس درخت کے سائے میں بیٹھ کر سسکنے لگا کچھ دیر بعد میں نارمل ہو گیا اور وہاں سے اُٹھ کر اپنی دُکان پر چلا آیا۔ اگرچہ اس واقعہ کا ذکر میں نے اپنی والدہ تک سے نہیں کیا لیکن دِل ایسا غمگیں رہنے لگا مانو جیسے کوئی بھاری پتھر ہر وقت سینے پر پڑا ہو جب جُمعتہ المُبارک کا دِن آیا تو میں جُمعہ کی نماز پڑھ کر اپنے کزن جو اُس وقت میرا واحد دوست بھی ہُوا کرتا تھا اور جمعہ کا دِن میں اپنے اس خالہ زاد کے ساتھ ہی گُزارنا پسند کیا کرتا تھا میں اپنی سائیکل پہ سُوار چلا جا رہا تھا شہر کے درمیان میں ریلوے پھاٹک تھا جب میں پھاٹک کراس کرکے اُسی کاٹن فیکٹری کے نزدیک پُہنچا تو یکایک ایک نحیف و نزار عُمر رسیدہ بُزرگ نے مجھے ہاتھ کے اِشارے سے رُکنے کا اِشارہ دِیا مجھے اگرچہ بُہت جلدی تھی کہ مجھے معلوم تھا کہ میرے خالہ زاد بھائی نے میرے اِنتظار میں دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا اور مجھے اُس دِن ویسے بھی دِیر ہو گئی تھی لیکن اماں نے ہمیشہ بُزرگوں کا احترام کرنا سِکھایا تھا سو میں نے چند قدم آگے اپنی سائیکل کو روک لیا وہ بُزرگ پلٹ کر میرے پاس آئے اور کہنے لگے بیٹا مجھے ریلوے اسٹیشن جانا ہے کیا مجھے گیٹ تک پُہنچا دو گے اب مزے کی بات یہ تھی صرف پٹری عبور کرکے وہ صاحب اسٹیشن پر پُہنچ سکتے تھے جب کہ وہ چاہ رہے تھے کہ میں ایک طویل سفر طے کرکے اُنکو اسٹیشن کے گیٹ پر پُہنچاؤں۔

پہلے تو میرے دِل میں آیا کہ مُعذرت کرلوں لیکن پھر نجانے کس خیال کے تحت میں نے اپنی سائیکل کو واپس موڑ لیا اور اُن صاحب سے پیچھے بیٹھنے کی استدعا کی جب سائیکل پر کچھ لمحے تک وزن محسوس نہیں ہُوا تو پیچھے مُڑ کر دیکھا تو معلوم ہُوا کہ وہ صاحب تو نجانے کب پِچھلے اسٹینڈ پر بیٹھ بھی چُکے تھے اُس دِن ہُوا کے جھکڑ چل رہے تھے اور سائیکل چلانے میں دُشواری پیش آرہی تھی لیکن اُن صاحب کے بیٹھنے کے بعد تو گویا سائیکل میں پر لگ گئے ہُوں بہرحال اسٹیشن پر وہ صاحب جیسے ہی اُترے میں نے سائیکل کو یوٹرن دیا اور بھاگنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ اُن صاحب نے چِلا کرآواز دی.برخوردار! ذرا رُکنا تو سہی مجھے جِسقدر جلدی تھی وہ صاحب مجھے اُتنا ہی لیٹ کئے جانے کے در پے تھے۔

میں نے عرض کیا جناب اب کیا ہے؟ وہ گویا میرے اضطراب سے لُطف اندوز ہورہے تھے کہنے لگے.برخوردار دو روپے کا نوٹ ہے جیب میں؟

میں نے سوچا لوایک تو نیکی کی اِنکے پچاس پیسے جو پک اپ والے کو دینے پڑتے بچادیئے اب دو روپیہ اور اِنہیں دو، میں نے جُھنجلا کر جیب میں ہاتھ ڈالا تو دو روپیہ کا نوٹ خود بیقرار ہو کر ہاتھ میں آگیا میں نے دو روپیہ کا وہ نوٹ

اُنکے ہاتھ پر رکھ کر جونہی پیڈل مارا وہ پھر چِلائے میاں رُکو تو سہی کیا قلم ہے جیب میں ؟ مجھے اب غُصہ آنے لگا تھا مجھے ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ بُزرگ میرے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہے تھے۔

میرے اِنکار پر اُنھوں نے اپنی جیب سے قلم نِکالا اور نوٹ پر کُچھ لکھنے لگے اُس کے بعد اُنھوں نے وہ نوٹ مجھے واپس کردیا اور کہنے لگے.برخوردار یہ لو اپنا نُوٹ اور اِسے پیسوں کی دراز میں رکھ دِینا مجھے اُنکی حرکتیں عجیب سی محسوس ہورہی تھیں کبھی پیسے مانگ رہے تھے اور اب اپنا آٹو گراف خود ہی نوٹ پر ڈال کر یوں واپس کر رہے ہیں جیسے مُجھ پر اِحسان کر رہے ہوں میں نے وہ نوٹ اپنی جیب میں رکھا تو کہنے لگے میاں ذرا ذرا سی بات پر رویا نہیں کرتے ویسے تُم ہمیں پسند آئے ہو۔

میرا ذہن اپنے کزن میں اُلجھا ہُوا تھا یہ سب کچھ اُس وقت میرے لئے ہرگز اہم نہیں تھا بلکہ میں جلد از جلد اپنے کزن سے ملنے کیلئے بیقرار تھا لہٰذا گردن گھماتے ہوئے خُدا حافظ کہا اور سائیکل کی اسپیڈ بڑھانے لگا مجھے خُوف تھا وہ صاحب کہیں پھر پیچھے سے نہ پُکارلیں لیکن اُنھوں نے مجھے پھر کوئی صدا نہیں لگائی البتہ راستہ بھر مجھے اُنکی ذو معنی مُسکراہٹ کا مطلب سمجھ نہیں آسکا۔

جب میں اپنے کزن کے پاس پُہنچا تو اُس نے شکایت بھرے لہجے میں تاخیر کا سبب معلوم کیا؟ میں اُسے تمام واقعہ تفصیل سے سُنانے لگا کہ کس طرح ایک بوڑھے شخص کی مدد کے چکر میں آج مُجھے تاخیر ہو گئی میں یہ واقعہ اِتنے اِنہماک سے سُنا رہا تھا کہ مجھے خبر ہی نہ ہو سکی کہ کب میرے کزن کے ابو بھی وہاں آ موجود ہوئے نوٹ پر آٹو گراف والی بات سُن کر وہ خاموش نہ رہ سکے اور مجھے مُخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے بیٹا وہ نوٹ فوراً پھاڑ کر پھینک دو، میں نے حیرت سے استفسار کیا مگر کیوں؟

وہ کہنے لگے تم ابھی بچّے ہو نہیں سمجھ سکتے کہ کس طرح ٹھگ ٹائپ کے لوگ اپنے نِشان زدہ نوٹ بُھولے بَھالے لوگوں کی جیبوں اور پیسوں کی دراز میں داخِل کر دیتے ہیں اور پھر کوئی الزام لگا کر اپنے نوٹ کی نِشانی بتا کر لوگوں کو بلیک میل کرتے ہیں، مجھے اُنکی کوئی بات پلّے نہیں پڑی تو وہ کہنے لگے اگر یہ نوٹ تُم اپنی پیسوں کی دراز میں رکھو گے اور اُس شخص نے پولیس میں یہ رپورٹ لکھوا دی کہ تم نے اُس کی رقم چوری کی ہے اور اُسکی بتائی ہوئی نِشانی والا نوٹ پولیس نے تُمھاری دراز سے برآمد کر لیا تو سمجھو سال دو سال کیلئے جیل پُہنچ جاؤ گے۔

وہ تو تجویز دیکر چلے گئے لیکن میرے چہرے پر ۱۲ بج گئے یہ واقعی پریشانی والی بات تھی اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آگیا تو میں اور میرے گھر والے کسی کو مُنہ دِکھانے کے قابل نہیں رہیں گے لیکن نُوٹ پھاڑ کے پھینکنے والی تجویز مجھے قطعی پسند نہیں آئی کیونکہ یہ رقم میری ذاتی کمائی تھی میں نے سوچا شام کو گھر کی طرف جاتے ہوئے اِس رقم سے پیٹ بھر کر گول گپّے کھاؤں گا تاخیر سے آنے کی سزا کزن نے اسطرح دِی کہ اُس جُمعہ کو کافی دیر تک اُس نے مجھے واپس نہ آنے دِیا واپسی پر چُونکہ رات کا اندھیرا پھیل چُکا تھا لِہٰذا گول گپّے والا مجھے کہیں نظر نہیں آیا۔

گھر پُہنچتے ہی امّی نے خفگی کا اظہار کرتے ہُوئے تاخیر کا سبب معلوم کیا تو تمام دِن کی رُوداد امّی کو سُنانے لگا اُنھوں نے بھی اُس نُوٹ میں دِلچسپی کا اِظہار کیا اور اُس نُوٹ کی بابت معلوم کیا تو میں نے امّی کو وہ نُوٹ دیتے ہوئے کہا امّی آپ خود اپنے ہاتھ سے اِس نُوٹ کو پھاڑ ڈالیں امّی نے اُس نُوٹ کو غور سے دیکھا اور مجھ سے دریافت کرنے لگی تُم شکل سے دُکاندار کم اور طالب علم زیادہ لگتے ہو کیا تُم نے اُنہیں بتایا تھا کہ تُم دُکان پر بیٹھتے ہو؟ میں نے اپنا سر نفی میں گھمایا تو اُنھوں نے مجھے وہ نُوٹ واپس دیتے ہوئے کہا اِسے احتیاط سے جیب میں سنبھال کر رکھ لو اور اِسے صبح جاتے ہی اپنے پیسوں والی دراز میں چسپاں کر دینا۔

میں حیرت سے امّی کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا اور اگر وہ بڑے میاں پولیس کو لے آئے تو؟
امّی نے میری ہِمت بندھاتے ہوئے کہا ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا میرا دِل گواہی دے رہا ہے کہ تُمہارے دِن پھرنے والے ہیں، بس وہی کرو جو میں تُم سے کہہ رہی ہوں مجھے امّی کا یہ فیصلہ اگرچہ مُناسب نہیں لگا لیکن بہرحال مجھے امّی کے فیصلے کو ہر ایک فیصلے پر اہمیت دینی ہی تھی کیونکہ وہی تو تھیں جو مجھے ہمیشہ حوصلہ دِیا کرتی تھیں اور اِسطرح ہفتہ کی صُبح میں نے دُکان کھولتے ہی جو سب سے پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ اُس نوٹ کو ایک سادہ کاغذ پر چسپاں کیا اور کاغذ کے پیچھے نوٹ کو چُھپایا اور اُس کاغذ کو سلوشن ٹیپ کی مدد سے دراز کی سائڈ میں چُپکا دِیا۔ دراصل اِک خوف تھا جو میرے مَن میں جگہ بنا چُکا تھا۔ اِس لئے احتیاطً میں نے یہ طریقہ اپنایا تھا۔
مُجھے دُکان کھولے بَمُشکل ایک گھنٹہ ہی ہُوا ہوگا کہ ایک شَخص جس کے چہرے پہ چیچک کے پُرانے نَشان تھے میری دُکان پر آیا اور مجھ سے مُختلف آیٹمز کی قیمتیں دریافت کرنے لگا میں بڑی خوش اخلاقی سے دَام بتاتا رہا وہ کہنے لگا کیا آج ہی دُکان کھولی ہے؟

میں نے جواباً بتایا کہ نہیں دُکان کو تو کئی ماہ ہوگئے، وہ حیرت کا اظہار کرنے لگا کہ میں
!نے یہ دُکان پہلے کیوں نہیں دیکھی

بہر حال اُسنے اپنی جیب سے ایک فہرست نکالی اور مجھے سامان لکھوانے لگا اور کچھ دیر ہی میں اُس نے اسقدر بڑا آرڈر مجھے لکھوادِیا کہ مجھے اُس کی دماغی صحت پر شُبہ ہونے لگا کیونکہ یہ میری دُکان میں موجود 25 فی صد سامان کی لسٹ تھی اور اِسکا اَماؤنٹ میری دُکان کی 10 دِن کی سیل کے برابر تھا مجھے شُبہ ہُوا کہ شائد یہ میرے ساتھ کوئی مذاق کیا جارہا ہے لہٰذا میں نے اُس شخص کو اِس تمام سامان کی قیمت بتائی اور کچھ ایڈوانس رقم کا مُطالبہ کیا، وہ شخص یہ کہتا ہُوا دُکان سے روانہ ہوگیا کہ آپ تمام سامان کی پیکنگ کرلیں اور بِل تیار رکھیے گا میں دو گھنٹے بعد آکر سامان لیجاؤں گا اور آپکو پیمنٹ بھی تبھی کردونگا مجھے ابھی مارکیٹ سے مزید خریداری بھی کرنی ہے، میرا شک اب یقین میں بدل گیا کہ یہ شخص ضرور مجھ سے مذاق کر رہا ہے ورنہ مجھے کُچھ ایڈوانس رقم ضرور دے کر جاتا۔

اُس شخص کے جاتے ہی مزید چند نئے کسٹُمر دُکان پر آئے اور میں اُن میں مصروف ہوگیا، تقریباً دو گھنٹے کے بعد وہی شخص پھر دُکان پر آدھمکا اور مجھ

سے اپنا آرڈر طلب کیا تو میرے ماتھے پر پسینہ آگیا، مجھے پریشان دیکھ کر اُس نے استفسار کیا آپ نے میرا سامان پیک کر دیا؟

میں نے جب اُسے بتایا کہ اُسکا سامان ابھی تک نہیں نِکالا گیا ہے تو وہ پریشان ہو گیا اور کہنے لگا میں تو

ڈانسن بھی لے آیا ہوں اور مارکیٹ سے فارغ بھی ہو چکا ہوں آخر آپ نے میرے ساتھ پہلی مرتبہ میں ہی ایسا سلوک کیوں کیا؟

میں نے اُسے سچ سچ بتا دیا کہ میں نے آج تک اِتنا بڑا آرڈر بُک نہیں کیا ہے اِس وجہ سے مجھے لگا کہ آپ میرے ساتھ مذاق کر رہے ہیں۔

وہ شائد میری سچائی سے مُتاثر ہُوا تھا اُس نے مجھ سے پُوچھا آپ کم از کم کتنے وقت میں تمام سامان پیک کر سکتے ہیں؟ میں نے کہا بُہت جلدی بھی کروں تو 45 منٹ تو لگ ہی جائیں گے۔

اُس نے پرس نکالا اور مکمل رقم میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا کوشش کرنا اِس سے زیادہ وقت نہ لگے میں جب تک ڈرائیور کو چائے پِلا لاتا ہوں، میں نے کہا کہ چائے میں پِلوا دِیتا ہوں مگر وہ نہیں مانا کہ اسطرح آپ کا دھیان

مہمانی میں رہے گا آپ صرف کام میں دھیان رکھیں میں نے اُس کے جانے کے بعد سب سے پہلے اُن نوٹوں کی جانچ کی اور پھر سامان کی پیکنگ میں مصروف ہوگیا، تمام سامان منٹ سے قبل ہی پیک کرلیا گیا وہ شخص 45 منٹ بعد آیا اور اپنا سامان لے گیا اور 45 جاتے جاتے کہہ گیا میں دو چار دِن بعد پھر آؤں گا اَب مجھ پر بھروسہ کرنا میں اُسکی اِس بات سے کچھ شرمندہ ہوگیا۔

اُس شخص کے جانے کے بعد پھر شام تک دُکان پر ایسا رَش رہا کہ ایک گاہک جاتا نہیں تھا کہ دوسرا آ موجود ہوتا تھا اڑوس پڑوس کے دُکاندار بھی محوِ حیرت تھے کہ آج یہ ہو کیا رہا ہے شام تک میرا مارے تھکن کے بُرا حال ہوگیا مغرب سے قبل ہی میں نے دُکان سمیٹنا شروع کردی جب رقم گِننا شروع کی تو حیرت زدہ رہ گیا یہ رقم میری ایک ماہ کی سیل سے بھی زیادہ تھی دُکان تقریباً خالی ہوچکی تھی میں نے بڑے بھائی کو جب اپنی سیل کی رقم دی تو وہ بھی حیرت کرنے لگے میں نے اُنہیں بتایا کہ دُکان تقریباً خالی ہوچکی ہے مجھے صبح دُکان کے لئے سامان چاہیے آپ انتظام کردیجئے گا، اور اُسکے بعد سیدھا گھر چلا آیا، گھر میں داخل ہوتے ہی اِمّی نے سوال کیا اقبال آج کیسا دِن گُزرا میں اُنکو تمام دِن کی روداد سُنانے لگا، وہ بُہت خُوش تھیں۔

لیکن مجھے لگ رہا تھا کہ آج کا دِن واقعی میرے لئے لکی تھا لیکن ہر دِن تو

ایسا نہیں ہو سکتا جب میں نے اِس خدشے کا اظہار اپنی اِمّی سے کیا تو وہ کہنے لگی اَب تُمہارا ہر دِن لکی ہوگا بس اُس نوٹ کی حِفاظت کرنا۔

لیکن مجھے اب بھی نہیں لگتا تھا کہ یہ سب صرف ایک نوٹ کی وجہ سے ہو رہا ہے لیکن وقت نے ثابت کردیا کہ جب تک میں اُس نُوٹ کی حِفاظت کرسکا قسمت مجھ پر مہربان رہی لیکن دو سال بعد اپنی ایک اپنی دراز بدلنے کے چکر میں اُس نُوٹ کو بھول گیا چند دِن میں جب سیل ٹوٹنے لگی تو مجھے اُس نُوٹ کا خیال آیا جب اسٹور میں اُس دراز کو تلاش کرنے کے بعد دِیکھا تو اُس میں وہ نُوٹ موجود نہیں تھا شاید کسی مُلازم نے اُسے پالیا تھا۔

یہ دُکان تقریباً دو سال بڑے آب وتاب کیساتھ میں نے چلائی پھر ابو فیکٹری پر بُلانے لگے تو میں نے اُس شاپ کو خیرباد کہا اور ابو کیساتھ فیکٹری پر جانے لگا چند ماہ کے بعد مجھے امّی نے ایک عجیب بات بتائی کہ ایک بُزرگ جنکی عُمر ایک صدی سے زیادہ تھی اور اُنکے متعلق یہ بات مَشہور تھی کہ وہ صاحب کشف ہیں اکثر ہماری گَلی سے گُزرا کرتے تھے اور بارہا میں نے اُن سے اُس ہستی کے مُتعلق معلوم کرتی رہی جنھوں نے تُمہیں وہ نُوٹ دیا تھا مگر یہ بُزرگ ہمیشہ مجھے یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ قُدرت کے رازوں سے پردہ اُٹھانے کی کوشش مت کرو آج جب میں پھر وہی سوال کیا تو کہنے لگے لگتا ہے تو

اِس سوال کو جانے بِنا میرا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔
تُو سن ایک دِن تیرا بیٹا اقبال ایک مزار کے پاس بیٹھا رو رہا تھا وہاں سے ایک مَرد قلندر اپنی ڈیوٹی نبھاتے ہوئے گُزر رہے تھے کہ اُنکی نظر تیرے روتے ہُوئے بیٹے پر پڑی اُنہیں تیرے بیٹے پر پیار آگیا پھر وہی جُمعہ کے دِن تیرے بیٹے سے مِلے اُسے پرکھا اور اُس پر اپنی نظر ڈال کر چلے گئے تیرا بیٹا بڑا خُوش نصیب ہے یہ اولیاءَ اللہ کی نظر میں آگیا ہے ایک دِن آئے گا کہ لوگ اِسے پہچان جائیں گے جب میں نے اُن بُزرگ کا نام معلوم کیا تو وہ صاحبِ کشف بُزرگ کہنے لگے وہ ہمارے دوست ہیں حضرت سید اسماعیل شاہ بُخاری،
اُسکے بعد امّی نے حُکم دیا کہ مجھے اُن بُزرگ حضرت سید اسماعیل شاہ بُخاری سے دوبارہ جاکر مُلاقات کرنی چاہیے میں جب مطلوبہ مُقام پر پہنچا تو مجھے انتہائی حیرت ہوئی کہ وہاں اُن بُزرگ کا آستانہ نہیں بلکہ مزار مُبارک موجود تھا اور زیادہ حیرت تب ہوئی جب یہ پتہ چلا کہ اُنہیں پردہ فرمائے ہوئے دس برس کا عرصہ گُزر چُکا ہے۔
میں اپنا سر تھام کر رہ گیا یا اِلٰہی یہ کیا ماجرا ہے جس ہستی سے میں ڈھائی، تین برس قبل مِلا تھا اُنکے وصال کو 10 برس کیسے ہو سکتے ہیں؟ مجھے سر تھامے دیکھ کر ایک صاحب کو تشویش ہوئی تو وہ بڑی اپنائیت سے میرے قریب

آئے اور میری طبیعت دریافت کرنے لگے میں نے بتایا کہ میں ٹھیک ہوں مگر آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں؟ کیا آپ اِن صاحبِ مزار کے مُتعلق جانتے ہیں؟
اُنھوں نے بتایا کہ وہ یہیں مزار کے قریب میں ہی رہتے ہیں اور بابا اسماعیل شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ) کی حیات ظاہری کے زمانے سے ہی اُنکی خِدمت میں آیا کرتے ہیں)
میں نے سوال کیا باباکے وصال کو کتنا عرصہ ہوگیا؟
وہ کہنے لگے تقریباً 10 برس ہوگئے ہیں، میں نے پُوچھا کیا بابا صاحب کی کوئی یادگار تصویر آستانے میں موجود ہے؟ وہ کہنے لگے بابا کی کوئی یادگار تصویر تو موجود نہیں البتہ میرے پاس ایک محفل کی تصویر ضرور موجود ہے جس میں بابا صاحب موجود ہیں، میں نے اُن سے عرض کی کیا آپ مجھے وہ تصویر دِکھا سکتے ہیں؟ وہ کہنے لگے اچھا تُم بیٹھو میں اپنے گھر سے وہ تصویر لاتا ہوں، کُچھ دیر میں وہ صاحب آئے تو اُنکے ہاتھ میں ایک تصویر تھی جس میں ایک بُزرگ کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے وہ صاحب کہنے لگے یہ ہیں بابا اسماعیل (رحمتہ اللہ علیہ) میں نے اُس تصویر کو غور سے دیکھا تو فرطِ جذبات سے میرے مُنہ سے نکل گیا، واللہ یہ تو وہی ہیں، وہ شخص میری کیفیت کو دیکھ کر کُچھ پریشان ہو رہا تھا بلاآخر اس نے پوچھ ہی لیا بیٹا آخر بات کیا ہے مجھے بھی کُچھ بتاؤ؟

میں نے کہا کہ میں نے حضرت سید اسماعیل شاہ بُخاری رحمتہ اللہ علیہ سے دو ڈھائی برس قبل مُلاقات کی ہے وہ میری سائیکل پر سوار بھی ہوئے اور مجھ سے باتیں بھی کی اور مجھے انعام بھی دِیا تھا جِسے میں اب گَنوا چُکا ہوں، جب کہ یہاں سب یہی کہہ رہے ہیں کہ اُنکے وصال کو 10 برس کا عرصہ گزر چُکا ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ جو اِنسان دُنیا سے 10 برس قبل پردہ کر چُکا ہو میں اُس سے بعد پردہ فرمانے کے مُلاقات کرلوں۔ وہ صاحب کہنے لگے بیٹا یہ اللہ کے راز ہیں جو اللہ ہی بہتر جانتا ہے میں تو بس اِتنا جانتا ہوں کہ اولیاءَ اللہ ہماری طرح کے عام بشر نہیں ہوتے یہ وہ خُوش نصیب اشخاص ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی دوستی کیلئے چُن لیتا ہے اور اللہ ہی ہے جو اِنہیں ایسی قُوت اور طاقت عطا فرماتا ہے جسکا ادراک ہم جیسے معمولی لوگ جو اپنی تمام عُمر گُناہوں اور نافرمانی میں گُزار دیتے ہیں نہیں کرسکتے اللہ تعالیٰ تو قادر اور قُدرت والا ہے کیا وہ گُنہگار اور نیک کو ایک جیسی طاقت عطا کرے گا وہ تو بڑا عادل ہے یقیناً اپنے نیک بندوں کو اپنے اولیاءَ کو زمانے میں ممتاز کرتا ہے جس کے سبب لوگوں کے دِل میں اُنکی عظمت کا سکہ بیٹھ جاتا ہے۔

اس کے علاوہ بیٹا تُم پہلے شخص نہیں ہو کہ جس نے بعد وصال بابا اسماعیل (رحمتہ اللہ علیہ) کو جاگتی آنکھوں سے دیکھا ہے بلکہ اِس علاقے کے کئی لوگوں نے تہجد کیلئے مسجد جاتے ہوئے اپنی جاگتی آنکھوں سے بابا اسماعیل کو علاقے میں گشت کرتے دیکھا ہے لیکن تُم خُوش نصیب ہو جس نے بابا سے کلام بھی کیا اور کُچھ لمحے اُنکے ساتھ بھی گُزارے ہیں۔

میں نے فوراً مزارِ پاک پر حاضری دی فاتحہ پڑھی اور جائے نماز کے اِحاطہ میں سجدہ شُکر بجا لایا اور اللہ کریم کی بارگاہ میں دُعا کی اے میرے پروردِگار میں تیرا بُہت گُنہگار بندہ ہوں تیرے اِک دوست نے مجھ بدکار پر نظر کرم ڈالی ہے میں تُجھ سے مغفرت کا طلبگار ہُوں مجھ پر تیرے دوستوں کی نظر کرم ہمیشہ بنی رہے تو اور تیرے محبوبین ہمیشہ مجھ سے راضی رہیں اور میرے دِل کو اپنے محبوب بندوں کی مُحبت سے بھر دے اور میرے سینے کو کینہ اور بُغض سے پاک کردے۔

مُحترم قارئین مجھے لگتا ہے کہ اُس دِن میری دُعا مقبول ہو گئی تھی کیونکہ میں اُس خاندان میں پیدا ہُوا تھا جہاں اولیاءَ اللہ کا ذکر سُن کر ہی پیشانی پر بَل آجاتے تھے جَہاں مزارات اولیاءَ اللہ کو معاذ اللہ ثُمَّ معاذ اللہ بُت کدوں سے تعبیر کیا جاتا ہے مجھے اللہ کریم نے اپنے دوستوں کی

نظرِ عنایت کے سبب گُمراہی اور اندھیرے کی تاریک وادی سے نِکال کر اپنے دوستوں کے مُحِبّین کی صف میں شامِل کرلیا الحمدُ للہِ عزوجل (یارَبَّ العالمین یوں تو تیرے مجھ گُنہگار پر کروڑوں اِحسان ہیں لیکن فقط تیرا یہ ایک اِحسان ہی ایسا ہے کہ جسکا شُکر میں ساری زندگی سر بسجود ہو کر بجالاؤں تب بھی ممکن نہیں کہ شُکر ادا کرپاؤں) یارَبَّ العالمینِ تمام دُنیا کے مسلمانوں کے قلوب کو اپنے اولیاءَ کی مُحبت کا گہوارہ کردے (آمین بِجاہِ النّبیِ الامین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ وآلِہٖ واصحابِہٖ وازواجِہٖ وبارک وسلم)۔

دیر یا خیر، اِنسان یا فرشتے؟

محترم قارئین السلامُ علیکم
ہماری ویب نے "سچی کہانیوں" کے عُنوان کے تحت ایک نئے شعبہ کا اضافہ کیا ہے اُمید ہے آپکو یہ سلسلہ بھی بے حد پسند آئے گا اس شعبہ میں آپ بھی لکھ سکتے ہیں کیونکہ ہر اِنسان کی زندگی میں بیشُمار ایسے واقعات ہوتے ہیں جو دوسروں کے لئے جہاں بُہت دِلچسی کا باعث ہوتے ہیں تو دوسری طرف کچھ لوگوں کو اِس سے سیکھنے کا موقع بھی مِلتا ہے۔
اگر آپ ایسا کوئی واقعہ شئیر تو کرنا چاہتے ہیں لیکن آپ کو لگتا ہے کہ آپ اُس واقعہ کو صحیح طریقہ سے بیان نہیں کرپائیں گے تو آپ مجھ سے مائی پیج پر رجوع کریں جس قدر ممکن ہُوسکا معاونت کردونگا بس اِس بات کی اِحتیاط رکھیئے گا واقعہ سچائی پر مُبنی ہونا چاہیے۔
آج میں جو سچا واقعہ آپکو سُنانے جارہا ہوں یہ غالباً ۱۹۸۹ کا واقعہ ہے جب ہَمارا مُلک ایک عظیم حادثے سے دوچار ہُوا تھا میری زندگی میں اِس سال کی اہمیت یوں بھی ہے اِسی سال میری شادی ہُوئی اِسی برس میرے والدین نے حج کی سعادت حاصل کی اور اِسی برس ہمارے گھر ایک ننھی مہمان بہن کی صورت میں آئی

تھی۔

اُس سال موسم سرما کی آمد کیساتھ ہی میں پنجاب، کاٹن سیڈ کی خریداری کیلئے جب چُوک پرمٹ (چُوک پرمِٹ علی پُور کے نزدیک براستہ مُظفر گَڑھ مُلتان روڈ پر واقع ایک چھوٹا سا اِسٹاپ ہے) جہاں مَلک گُڈز کے نام سے ملک نذیر صاحب کی ایک بڑی ٹرانسپورٹ کمپنی ہُوا کرتی تھی جب میں وہاں پُہنچا تو اِس مرتبہ کام سے زیادہ دھیان گھر میں لگا تھا اور وجہ صاف تھی کہ ابھی میری شادی کو صرف چند ہی ماہ ہوئے تھے کہ سیزن شروع ہو گیا۔

میری کوشش تھی کہ کسی طرح بھی میں اپنی خریداری مکمل کر کے جلد از جلد گھر پُہنچ جاؤں لیکن وہ جو کہتے ہیں نا کہ تقدیر کے آگے انسانی تدبیر بے بس ہو جاتی ہے تو ایسا ہی کُچھ سلسلہ میرے بھی ساتھ پیش آتا رہا اور بَقُولِ شاعر مرض بڑھتا گیا جوں جُوں دَوا کے مصداق سبھی اپنا اپنا کام کر کے روانہ ہو رہے تھے سِوائے میرے لیکن جب قسمت مہربان ہوئی تو ایسے کہ ہفتہ دَس دِن کا کام صرف دو دِن میں مکمل ہو گیا میں آخری ٹرک لوڈ کروانے کے بعد تقریباً دوپہر ایک بَجے فارغ ہو گیا تو واپسی کا پروگرام بنانے لگا اُن دِنوں بہاؤالدین ذکریا ایکسپریس شام کے پانچ بجے مُلتان سے چلا کرتی تھی اور چوک پرمٹ پر ہر پندرہ منٹ کے بعد مُلتان جانے کیلئے کوسٹر اور وین دستیاب

ہو جاتی تھیں میں نے فوراً نماز ظہر ادا کی اور تقریباً ڈیڑھ بجے اپنا بیگ تیار کر کے کمپنی کے باہر ہوٹل پر وین کا انتظار کرنے لگا پروگرام یہ تھا کہ ساڑھے تین بجے تک ریلوے اِسٹیشن ملتان پُہنچ کر سیٹ کی ریزرویشن کروالوں گا اور اگر وقت ملا تو افتخار بھائی کے گھر پر حاضری بھی دے دُونگا افتخار بھائی ریلوے میں ملازم تھے اور ریلوے کے پیچھے ہی اُنکا مکان تھا کالونی کا نام فی الحال یاد نہیں شاید پھاٹک موڑ کے نزدیک تھا البتہ شہر سے چُوک شاہ عباس جاتے ہوئے ریلوے برج کے داہنے ہاتھ پر اُنکی کالونی تھی۔

ابھی وین آنے میں چند مِنٹ باقی تھے کہ ملک نذیر صاحب کے صاحبزادے یا بھتیجے ملک جاوید کو میں نے اپنی جانب آتے دیکھا ملک جاوید کالج میں پڑھا کرتے تھے اور خاموش طبع تھے لہٰذا اُن سے زیادہ علیک سلیک نہیں تھی لیکن اُس دِن اُنہوں نے بڑی گرمجوشی کا مُظاہرہ کیا اور سلام دُعا بلکہ جپھی شپھی پانے کے بعد میرے بیگ کو دیکھتے ہوئے بڑی خُوشدِلی سے اِستفسار کیا بھائی واپس جارہے ہُو؟

میں نے ملک جاوید کو بتایا کہ میرا کام خَتم ہوچُکا ہے لہٰذا گھر کا چکر لگانے جارہاہُوں اگر مزید خریداری کا اِرادہ ہُوا تو ایک ہفتے بعد پھر آؤں گا، ملک جاوید نے پُوچھا روٹی شوٹی کھالی آپ نے؟ میں نے صاف گوئی سے بتا

دیا کہ مجھے فی الحال بھوک نہیں ہے اگر بھوک لگی تو مُلتان میں کھانا کھالوں گا۔
ملک جاوید یہ سُن کر ضد کرنے لگا کہ یار ابھی بُہت وقت ہے تُمھاری گاڑی کے جانے میں ایسا کرو کہ روٹی کھالو۔ میں سوچنے لگا کہ بات تو ملک جاوید کی بھی معقول ہے اور پھر ملک جاوید جیسا خاموش طبع نوجوان جو زیادہ کسی سے بات چیت نہیں کرتا تھا اُس کا یہ وارفتہ پَن بھی مجھے حیرت زدہ کئے جارہا تھا چُنانچہ میں نے کھانے کیلئے حامی بھر لی اُس نے ہوٹل پر کڑھائی گوشت کا آرڈر دے دیا اور ہم آپس میں نجی گُفتگو میں مصروف ہوگئے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اُس نے لسی کا آرڈر دیدیا جب میں لسی پی کر فارغ ہُوا تو کلائی میں بندھی گھڑی پر نظر ڈالی جو پُونے تین بجنے کا اِشارہ دے رہی تھی ملک جاوید کا اصرار تھا کہ میں پان بھی کھالوں لیکن اَب میرے پاس وقت بُہت تنگ تھا لہٰذا مُعذرت کرتے ہوئے اپنے بیگ کو سنبھالنے لگا اور جیسے ہی وین آتی دِکھائی دی ملک جاوید سے اِجازت لے لی وین میں سوار ہونے سے قبل میں نے کلینر سے
معلومات حاصل کرلیں وین کنڈیکٹر نے بتایا کہ وین ٹھیک پونے پانچ بجے ملتان اسٹیشن کے قریب ہوگی میں وین میں سوار ہوگیا لیکن وین جب شہر سُلطان پہنچی تو ضرورت سے زیادہ وقت سواریوں کی اَدل بَدل میں صرف ہوگیا اور مُظفر گڑھ میں تو وین ڈرائیور ایسے اطمینان سے کھڑا ہوگیا جیسے اُسکی

منزل مُلتان شہر نہ ہو بلکہ مُظفر گڑھ ہو مُسافِروں کی بڑی لعن طعن کے بعد ڈرائیور صاحب مُظفر گڑھ سے چلنے پر آمادہ ہُوئے نتیجتاً جب وین مُلتان شہر کے ریلوے اسٹیشن کے باہر پُہنچی تو پانچ بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی تھے اِسٹیشن کے باہر ہی ٹکٹ گھر سے حیدرآباد تک کا ٹکٹ حاصل کیا اور جو نہی پلیٹ فارم پر قدم رکھا تو صدمہ سے بُرا حال ہوگیا بہاؤالدین ذکریا ایکسپریس پلیٹ فارم کو چھوڑ رہی تھی میں اُلٹے قدم واپس ٹکٹ گھر آیا اور ٹکٹ واپس کراتے ہوئے ٹکٹ سیلر سے دریافت کرنے لگا کہ ذِکریا ایکسپریس کو میں کس طرح پاسکتا ہوں وہ ٹکٹ سیلر کوئی نیک اِنسان تھا اُس نے مجھے بتایا کہ زکریا ایکسپریس پانی حاصل کرنے کیلئے راستہ میں رُکے گی تقریباً 20 مِنٹ کا اِسٹاپ خانپور شہر میں کرے گی اگر آپ بس اِسٹاپ سے فُلاں کوچ میں سوار ہو جائیں تو ذکریا ایکسپریس کی ٹائمنگ میں خانپور شہر پُہنچ جائیں گے میں نے اُسکا شُکریہ اَدا کیا اور بَس اِسٹاپ پُہنچ کر مطلوبہ کوچ میں خانپور شہر کیلئے سوار ہوگیا اُس کوچ میں ڈرائیور کی بائیں جانب تین افراد کے لئے بیٹھنے کی گُنجائش تھی دو نوجوان پہلے ہی براجمان تھے ایک سواری کی جگہ خالی تھی سو اُس پر میں بیٹھ گیا دوران سفر وہ دونوں نوجوان مجھ سے گُھل مِل گئے اور بڑی مُحبت سے پیش آنے لگے اُن دونوں نے بتایا کہ وہ خانپور شہر کے رہنے والے ہیں اُنہی کی زبانی مجھے معلوم ہُوا کہ یہ کوچ نان اِسٹاپ ہے اس لئے خانپور شہر ہی جا کر اِسٹاپ کرے گی۔

یہ سُن کر مجھے بُہت خُوشی ہوئی کہ چلو سابِقہ تجربے کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور میں وقت پر ذکریا ایکسپریس پر سوار ہونے میں کامیاب ہو جاؤں گا، دورانِ سفر جب اُنہوں نے مجھ سے میرے شہر کے مُتعلق پُوچھا تو میں نے بجائے میرپور خاص کے کراچی کی شُہرت کے پیشِ نظر یہ کہہ دِیا کہ میں کراچی شہر سے نزدیک ایک شہر میں رہتا ہوں کراچی شہر کا ذکر مجھے یوں بھی محبوب تھا کہ کراچی شہر ہی میری شریکِ سفر کا آبائی شہر تھا وہ تمام راستے مجھ سے کراچی کے حالات ہی پُوچھتے رہے اور میں تصور میں لانڈھی کی سیر کرتے ہُوئے اُنہیں ہاں ہُوں میں اُنکے سوالات کے جوابات دیتا رہا۔

جب کنڈیکٹر صاحب نے خانپور شہر آنے کی نوید سُنائی تو دِل چاہا کہ اُس کا مُنہ چُوم لوں لیکن جب آئل اور گریس سے بھرے چہرے پہ نِگاہ پڑی تو مُجھے مجبوراً اپنا اِرادہ بدلنا پڑا

.

کوچ سے اُترتے ہی اللہ کریم کا شُکر بجا لایا، میرے ساتھ وہ دُونوں نوجوان بھی اُترے اور مجھ سے کہنے لگے آیئے ہم آپکو اِسٹیشن تک چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے راستے میں ہی آئے گا میں خُوش ہوگیا کہ چلو اسطرح وقت بچ جائے گا جب ریلوے اِسٹیشن قریب آیا تو اُنہوں نے مجھے چائے کی پیشکش کردی،

میں نے اُن سے کہا کہ میرے لئے ذکریا ایکسپریس کا پکڑنا اِہم ہے آپکی پیشکش کا شکریہ، میرے اِس جواب پر اُن دونوں کے چہرے کے تیور بدل گئے۔ کہنے لگے چائے تو تمھیں پینی ہی پڑے گی چاہے خُوشی سے پیو یا ہمیں زبردستی پلانی پڑے مجھے اُنکے اچانک بدلتے ہُوئے تیور پر حیرت کیساتھ خُوف بھی محسوس ہونے لگا میں سوچنے لگا کہیں اِنکا اِرادہ مجھے لوٹنے کا تو نہیں ہے ورنہ کہاں غایت درجہ کی اپنائیت اور کہاں یہ دُرشتگی، میں نے سوچا کہ اِن سے یہاں تنہائی اور اندھیرے میں اُلجھنے سے بہتر ہے کہ ہوٹل چلا جائے وہاں کم از کم دوسرے لوگ بھی موجود ہُونگے۔

وہ مجھے ایک قریبی ہوٹل میں لے گئے وہاں کافی گہما گہمی تھی جس کے سبب میرا حوصلہ کچھ بحال ہُوا چائے پینے کے دوران ٹرین کی وِصل کی آواز سُنائی دی اُن میں سے ایک کہنے لگا آپ ایویں (ایسے ہی) پریشان ہو رہے تھے ذکریا تے ھُن آئی اے (ابھی آئی ہے) اُس نوجوان کے جواب سے مجھے مزید اطمینان حاصل ہُوا کیونکہ ملتان ٹکٹ سیلر کی زُبانی مجھے معلوم ہُو ہی چُکا تھا کہ خانپور اسٹیشن پر ذکریا ایکسپریس کافی ٹائم کا اِسٹاپ کرتی ہے چائے پی کر ہُم تینوں اِسٹیشن کیلئے روانہ ہوگئے جب اِسٹیشن پہنچے تو وہاں کوئی ٹرین نظر نہیں آئی اسٹیشن ماسٹر سے جب ذکریا کی آمد کا ٹائم معلوم کیا تو وہ کہنے لگا کہ ابھی پانچ منٹ پہلے ہی تو ذکریا ایکسپریس حیدرآباد روانہ ہُوئی

ہے۔

مجھے ایسا محسوس ہُوا کہ جیسے اِسٹیشن ماسٹر نے جواب نہ دِیا ہُو بلکہ میرے سِینے پر گھونسہ دِے مارا ہُو اِک یاس کی کیفیت تھی جُو مُجھ پہ طاری تھی مجھے ملک جاوید پر غُصہ آ رہا تھا جِس کی وجہ سے میں آج خُوار ہو رہا تھا اور اُسکے بعد یہ دو نوجوان تھے کہ چائے کہ چکر میں اُلجھا کر مجھے منزل کے سامنے ہُونے کے باوجود منزل سے دور لے آئے تھے میں نے خشمگیں نِگاہوں سے اُنکی جانب دیکھا تو اُنکے چہرے پہ بجائے شرمندگی کے اطمینان دیکھ کر دِل چاہا کہ کوئی بھاری پتھر اُن دونوں کے سر پہ دے ماروں، مجھ سے آنکھیں چار ہُوتے ہی ایک نوجوان بڑے اِطمینان سے بُولا جناب دِل چھوٹا نہ کریں اِس میں بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی بھلائی اور حِکمت ہی ہوگی۔ میں اُسکا جواب سُن کر خُون کے سے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

اُن میں سے ایک نوجوان نے اِسٹیشن ماسٹر سے دریافت کیا سر جی اگلی گَڈی کیس ویلے آئے گی؟

اسٹیشن ماسٹر نے بتایا کہ اگلی گاڑی کے آنے میں ابھی تقریباً ۲ گھنٹے باقی ہیں، وہ دونوں نوجوان کہنے لگے بھائی ہماری وجہ سے آپ کی ذکریا ایکسپریس

نِکل گئی ہے لہٰذا جب تک اگلی گاڑی نہیں آ جاتی ہم آپ کے ساتھ ہی رہیں گے۔ میں اُنکا یہ جواب سُن کر مزید پریشان ہُوگیا اور اُن سے یوں گویا ہُوا کہ بھائی آپ دونوں کی وجہ سے میرا پہلے ہی کافی بَھلا ہُوچکا ہے اب مہربانی فرما کر مجھے میرے حال پر چُھوڑ دو۔ وہ دونوں میری توقع کے بر خِلاف جانے کیلئے کھڑے ہوگئے میں نے کھڑے ہو کر اُن دونوں سے مُصافحہ کیا مُجھے پہلی مرتبہ اُن سے ہاتھ ہِلاتے ہُوئے ایک عجیب سا اِحساس ہُوا کہ اگرچہ سردی کا زمانہ تھا مگر اُن دونوں کے ہاتھوں میں ضرورت سے زیادہ ہی ٹھنڈک کا اِحساس تھا، اُن کے جانے کے بعد میں پلیٹ فارم پر چہل قدمی کرنے لگا تھکن کیساتھ ساتھ بُھوک کا اِحساس بھی ہُونے لگا تھا پلیٹ فارم پر جو دستیاب اشیاء مُیّسر آئی اُن سے پیٹ کی آگ بُجھانے کے بعد عِشاء کی نماز اَدا کی اور خانپور تا حیدرآباد کا ٹکٹ حاصل کرنے کے تھوڑی دیر بعد جونہی میری مطلوبہ ٹرین آئی میں اُس میں سوار ہوگیا کُچھ کوشش کے بعد مجھے ایک برتھ بھی مجھے مِل گئی میں نے اپنے بیگ کو تکیہ کی جگہ اِستعمال کیا اور تھوڑی دیر بعد میں تمام غم بُھلا کر سونے میں کامیاب ہوگیا صبح فجر کی نماز کے بعد جب اُجالا پھیلنے لگا تھا ٹرین کی رفتار غیر معمولی طور پر کم ہوتے ہوتے اسقدر دھیمی ہوگئی کہ مانو جیسے ٹرین چل نہ رہی ہُو بلکہ رینگ رہی ہو یا ٹھہر گئی ہو۔

اُس کے بعد آہستہ آہستہ لوگوں کا شور بڑھنے لگا یہاں تک کہ کان پڑی آواز بھی سُنائی نہ دے رہی تھی لوگ دروازے اور کھڑکیوں کی طرف بھاگ رہے تھے میں بھی بر تھ سے اُتر آیا اور جب میری نگاہ کھڑکیوں سے ہُوتی ہُوئی باہر پہنچی تو ایک دلخراش نظارہ میرا منتظر تھا جس بہاؤالدین ذکریا ایکسپریس کیلیئے میں کل سارا دِن بھاگتا پھرا تھا وہ میری نظروں کے سامنے سانگی کے اسٹیشن پر ایسے پڑی تھی جیسے کوئی بچہ کسی کھلونے سے کھیلتے ہوئے خفا ہو جائے اور اُس کو تُوڑ مَروڑ کے رکھ دیتا ہے۔

چاروں جانب قیامت کا سا سماں تھا جا بَجا سامان بکھرا پڑا تھا کہیں انسانی اعضاء پڑے تھے تو کہیں کھلونے اس حادثے میں جو میری معلومات کے مُطابق ایشیا کا سب سے بڑا ترین حادثہ تھا ساڑھے تین سو سے زائد مُسافر موت کا لُقمہ بَن گئے تھے سینکڑوں لوگ تمام عمر کیلیئے مُحتاج ہو کر رہ گئے تھے پاک فوج کے جَوان امدادی کاروائیوں میں مصروف تھے کوئی ایسا شخص نہیں تھا کہ جِس کی آنکھ نَم نہ ہُو عجیب بے کسی اور بے بسی کا عالم تھا۔

وہاں کے حالات دیکھنے کے بعد اکثر مُسافروں پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی مجھے نہیں خبر کہ کب میں حیدرآباد پُہنچا اور کب میرپور خاص لیکن کئی دِن تک جب بھی روٹی کھاتا تو کَٹے ہُوئے انسانی اعضاء نگاہوں کے سامنے آجاتے۔

میں تاحیات ملک جاوید کا ممنون رہوں گا ہی کہ اُنکی بدولت میں اُس دِن اُس حادثے سے اللہ کے فضل سے محفوظ رَہا لیکن آج بھی میں سوچتا ہوں کہ آخر وہ دو نوجوان کوں تھے؟ جنہوں نے مجھے خانپور شہر میں پُہنچنے کے باوجود اُس ٹرین میں سوار ہُونے سے تب تک روکے رکھا جب تک کہ ٹرین خانپور سے روانہ نہیں ہو گئی اور مجھے آج بھی اُس نوجوان کی بات یاد آتی ہے کہ اللہ کے ہر کام میں بھلائی اور حکمت ہوتی ہے۔ تبھی تو بُزرگوں نے یہ کہاوت کہی ہوگی کہ دیر آید دُرست آید۔

اللہ کریم تمام مُسلمانوں کی جان، مال، عزت، آبرو، کی حِفاظت فرمائے (آمین بِجاہِ النبی الامین وصلی اللہُ تعالی علیہ وسلم)۔

تمام کالمز نگار سے مجھے کچھ کہنا ہے

ہماری ویب پر لکھنے والے تمام کالمز نگار اور قارئین کرام کی خدمت میں سلام
میرا آج کا یہ کالم بالخُصوص کالمز لکھنے والوں کے لئے ہے اور بالعموم قارئین کیلئے بھی
ہے۔ کافی عرصے سے ایک کُڑھن دِل میں موجود تھی بَسا اوقات تو اِس تکلیف کی وجہ
سے دِل چاہتا ہے کہ قلم تُوڑ ڈالوں اور نیٹ سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رِشتہ اور رابِطہ تُوڑ
ڈالوں لیکن پھر یہ سوچ کر کہ کسی نہ کسی کو تُو آواز اُٹھانی ہی پڑے گی کسی نہ کسی کو تو
یہ محاذ جنگ بھی سنبھالنا ہی ہوگا۔ کِسی نہ کسی کو تو پہلا پتھر پھینکنا ہی ہوگا سو یہ پہلا پتھر
میں ہی پھیکنے کی سعی کیوں نہ کروں۔

پہلے تو میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ دِین اسلام میں اختلافِ
رائے جو کہ اُمت میں فروعی معاملات میں پایا جاتا ہے باعِث رحمت ہے جس کے
سبب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام سُنتیں زندہ ہیں جیسا کہ رفع یدین کے
معاملے اختلاف اُمت ہے تو کچھ لوگ آج بھی اِس سُنت کو زندہ رکھے ہوئے ہیں جبکہ
حنفی مسلک کی فقہی بُنیاد چونکہ صاحبُ النّعلین

حضرتِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے طریقہ پر قائم ہے تو اہلسُنت رفع یدین نہیں کرتے اس طرح دونوں سُنتیں آج چودہ سو برس گُزر جانے کے باوجود زندہ اور تابندہ ہیں اور اِس قسم کے بیشُمار فقہی اختلاف اُمت میں موجود ہیں جو کہ باعِث رحمت ہیں اور اُسکی مثال ہیں چاروں فقہی مسالک جن کے اِماموں کے درمیان بے اِنتہا فقہی اختلاف کے باوجود بھی بے مِثال مُحبت اور ایک دوسرے کیلیئے احترام کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ لیکن کافی عرصہ سے ہماری ویب کے مذہبی شعبہ میں ایک جنگ کا سَماں قائِم و دائِم ہے یہاں اگر صرف فقہی اِختلاف رائے ہوتا تو یہ ایک دوسرے کی اصلاح کا باعث ہوتا اور اِس کے ذریعے سے سب کے عِلم میں بھی اضافہ ہوتا ہے لیکن تکلیف دہ اَمر یہ ہے کہ یہاں ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالنے کیساتھ ساتھ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ عظیم کو بھی بعض لوگ ماپنے لگ جاتے ہیں وہ عظیم ترین ہستی جِن کے متعلق قُرآنِ مجید یہ ادب سِکھائے کہ اِنکا نام ایسے نہ لو جیسے دوسروں کا پُکارتے ہو اِن کی بارگاہ میں دھیما بُولو کہ کہیں تُمہارا ایمان نہ چِھن جائے جن کے لئے وَرفعنا لک ذکرک کا تاج آئے جو باعِثِ تخلیق کائنات ہوں جنکی شان یہ ہو کہ

لایمکن الثناء کما کان حقہ

بعد از خُدا بُزرگ توئی قصہ مختصر

اُنکی شان کو ہم اپنی عقلوں کے مُطابق پرکھیں یہ ہمارے ایمان کے ضائع ہونے کا سبب بھی بن سکتا ہے لہٰذا اس قسم کے کمنٹس یا کالمز جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی کا شائبہ بھی ہو پبلش نہ کی جائیں یہی وہ خرابی ہے جس کے سبب آگے چل کر یہود و نصاریٰ کو بھی بے ادبی کا موقع مِل جاتا ہے امید ہے کہ آپ تمام کالم نویس اس سلسلے میں اپنی قیمتی آراء سے ضرور نوازیں گے جس کی وجہ سے ہم ہماری ویب پر کسی ایسے اصول پر مُتحد ہو جائیں کہ آئندہ اِس قسم کے تکلیف دہ عمل سے بچا جاسکے اور ہماری ویب پر آنے والے یہاں کے ماحول سے مُتاثر ہو کر جائیں نہ کہ دِلبرداشتہ یا کبیدہ خاطر ہو کر لوٹیں۔ مجھے اُمید ہے کہ تمام کالمز نِگار اس سلسلے میں ضرور اپنی رائے دیں گے والسلام مع الاکرام

وہ کھانا کہاں سے آیا تھا؟

محترم قارئین السلامُ علیکم
یہ جون 2004 کی بات ہے چند دوستوں نے جو کہ شعبہ تعلیم سے منسلک ہیں میرے پاس تشریف لائے کہ اقبال بھائی ہماری موسم گرما کی تعطیلات شروع ہوچکی ہیں جس میں کُچھ دوستوں کا پروگرام تھا کہ اِن چھٹیوں کا فائدہ اُٹھاتے ہُوئے کیوں نہ سیر و تفریح کا پروگرام تشکیل دِیا جائے لیکن اَب تمام دوست اِس بات پر مُتفق ہو چُکے ہیں کہ کیوں نہ اِن چھٹیوں کا فائدہ اُٹھاتے ہُوئے مدنی قافِلہ میں سفر کیا جائے اِس طرح ایک تو حکم قُرآن کی تعمیل بھی ہوجائے گی کہ بھلائی کا پیغام اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں تک پہنچانے کی سعادت حاصل ہوجائے گی نیز سیر ضمناً ہوجائے گی۔
میں نے اُنکی خِدمت میں عرض کیا دوستو تجویز تو بُہت اچھی ہے لیکن اگر آپ لوگ سیر کرنے کو غیر اِسلامی عمل سمجھ رہے ہیں تو آپکی اِطلاع کیلئے عرض کئے دیتا ہُوں کہ سیر کا حکم تو قُرآ پاک میں موجود ہے (وسِیرُفی الارضِ، ترجمہ اور زمین کی سیر کرو) اب رہی یہ بات کے اِس سیر کے آداب کے کیا تقاضے ہیں تو اِس بحث کو پھر کبھی کیلئے اُٹھا رکھتے ہیں۔

فی الحال تُو مجھے یہ جاننے میں دِلچسپی ہے کہ آخر آپ لوگ مجھے کیوں اپنے پروگرام سے آگاہ کرنے کیلیئے تشریف لائے ہیں تب وہ کہنے لگے لو بتاؤ یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے بھئی ہم سبھی یہ چاہتے ہیں کہ آپ بھی اِس روحانی سفر میں ہمارے ساتھ رہیں۔

جوں ہی وہ دوست اپنی بات کہہ کر خاموش ہُوا تو ایک دوسرے دوست نے مذاقاً کہااور اگر آپ نے کوئی بہانے بازی کی تُو ہم سب بھی نہیں جائیں گے اور یہ گُناہ بھی آپ کے سر رہے گا۔ میں اُن دِنوں گوشہ نشینی کی زندگی گُزار رہا تھا نہ کوئی خاص مصروفیت تھی نہ ہی کوئی اسقدر کاروبار وسیع تھا کہ کوئی معقول بہانہ کرسکتا سُو حامی بھرلی۔

اور یوں جون کے وسط تک ہم مدنی قافلے میں روانگی کیلیئے حیدرآباد شہر میں حسن علی آفندی کے مدنی مرکز فیضانِ مدینہ جاپُہنچے وہاں جا کر ہمیں معلوم ہُوا کہ ہمارا قافِلہ راولپنڈی بھیجا جارہا ہے اور ہمارے قافِلے کی تشکیل وہیں جا کر ہوگی راولپنڈی کا نام سُنتے ہی ہمیں لگا کہ ہمیں پھر دَس برس پہلے کی طرح اسلام آباد کے جنگل نُما شہر میں بھیج دِیا جائے گا سو میں نے اِرادہ کرلیا کہ جیسے ہی امیر قافِلہ کا اعلان ہوگا میں اُن سے صاف صاف کہہ دونگا چاہے کسی قریبی گاؤں دیہات میں بھیج دو لیکن میں اسلام آباد نہیں

جاؤں گا اب کوئی اسلام آباد کا رہائشی بھائی یہ نہ سمجھ لے کہ ہمیں خُدانخواستہ اسلام آباد والوں سے کوئی دُشمنی ہے بلکہ ہماری بے رغبتی کی وجہ کُچھ ایسی تلخ یادیں ہیں کہ مجھے اِسلام آباد کے نام سے ہی اُس وقت اِلرجی محسوس ہوتی تھی، تھی سے مُراد یہ ہے کہ اب میں خود اِسلام آباد جانا چاہتا ہوں کہ وہاں سید محمد افضل کی امی رہتی ہیں اور میں ایک مرتبہ اُنکی قدم بوسی کی خُواہش اپنے دِل میں پاتا ہوں۔

ویسے اِسلام آباد کا ذکر آ ہی گیا ہے تو میں اسلام آباد کی یاد سے جُڑا ایک واقعہ آپکو سُناتا چلوں کہ 1994 میں ہمارے قافلہ امیر کے پاس ایک نوجوان آیا یہ نوجوان درس وتدریس کی ہر محفل میں شمولیت بڑی پابندی کیساتھ کیا کرتا تھا اور قافلہ والوں سے بڑی مُحبت کیساتھ پیش آیا کرتا تھا، اُس دِن وہ بڑی لجاجت کیساتھ امیر قافلہ سے درخواست کر رہا تھا کہ جناب کل جمعرات کی رات کا کھانا آپ تمام لوگ ہمارے گھر پہ کھائیں امیر قافلہ پہلے تو راضی نہیں ہُوئے لیکن کافی پَس و پیش کے بعد حامی بھر لی تمام شُرکائے قافلہ کے کھانے پکانے کی ذمہ داری مجھ فقیر کے حصے میں آئی تھی اگلے دِن صبح کے ناشتے کیساتھ ہی دوپہر کی سبزی بھی پکانے کے بعد میں نے برتن وغیرہ صاف کرکے رکھ دیئے دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر ہم سب ہی درس وتدریس میں مشغول ہوگئے مغرب کی نماز پڑھ کر ہمیں اجتماع میں جانا تھا لیکن مغرب سے پہلے تک

وہ نوجوان نہیں آیا بعد مغرب ہمیں اُس نوجوان نے یہ خبر آکر سُنائی کہ میری بڑی باجی نہیں مان رہیں وہ کہتی ہیں کہ اگر کسی مولوی کو گھر لائے تو تُمھارے ساتھ اُن مولویوں کی بھی ٹانگیں توڑ دونگی میں آپ لوگوں سے بے حد شرمندہ ہوں کہ آپ لوگوں کو اپنے گھر نہیں لیجاسکتا، امیر قافِلہ نے اُس نوجوان کو تسلی دی کہ کوئی بات نہیں آپ نے تو خلوص کیساتھ دعوت دی تھی اور آپکو اس نیت کا ثواب ضرور ملے گا، یہ سُن کر وہ نوجوان تو چلا گیا اور امیر قافِلہ نے مجھے بُلا کر کہا کہ کھانا بنانے کا وقت تو ہمارے پاس ہے نہیں لہٰذا آپ جائیں اور دیکھیں کوئی ہوٹل اگر کُھلا ہو تو اہل قافِلہ کو کھانا کِھلا دیں اُس وقت ہمارا قافِلہ ٹمبر مارکیٹ کی ایک زیر تعمیر مسجد میں ٹھہرا ہُوا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ مغرب کے بعد ہوٹل بند ہوجانے کی وجہ سے کھانا نہیں مِل سکے گا مگر اہل قافِلہ کی دِل جوئی کی خاطر مسجد سے باہر نکل آیا دور دور تک کہیں کھانا نہیں مِلا تو مسجد واپس آگیا۔

مسجد میں دَاخل ہوتے ہُوئے میری نظر ایک لفافے پر پڑی جس پر لکھا تھا، قافِلہ والوں کیلئے، میں نے وہ پیکٹ اُٹھایا اور امیرِ قافِلہ کو بتایا کہ جناب کھانا تو نہیں مِلا البتہ یہ پیکٹ دروازے کیساتھ رَکھا مِلا ہے امیر قافِلہ کے حُکم پر جب میں نے وہ پیکٹ کھولا تو اُس میں راجہ بازار کے ایک مشہور ہوٹل کے گتّے کے ڈبہ بند تین پیکٹ نِکلے جن میں بریانی، کباب، اور

بروسٹ، تھے لیکن یہ کھانا اِتنا کم تھا کہ تین افراد کا بمُشکل پیٹ بھر سکتا تھا ہمیں لگا کہ وہی نوجوان شرمندگی کی وجہ سے یہ کھانا رکھ گیا ہے اور چُونکہ کھانا تھوڑا ہے اس لئے شرمندگی کے باعث چِٹ لگا کر چلا گیا اور سامنے نہیں آیا ہم گیارہ افراد اُس کھانے کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے لیکن یہ کیسا کھانا تھا کہ تین افراد کا کھانا جو کہ بُہت لذیز بھی تھا خَتم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر بلکہ یوں کہیے کہ ڈٹ کر کھایا اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اللہ کا شُکر ادا کرتے ہوئے اجتماع گاہ کیلئے اسلام آباد کے مدنی مرکز کیلئے روانہ ہوگئے۔

دوسرے دِن ہمارے قافلہ کا کُوچ آبپارہ مارکیٹ سے نزد ایک مسجد کے لئے تھا کہ وہی نوجوان قافِلہ کی روانگی سے قبل آدھمکا اور ہم سے دوبارہ معذرت کرنے لگا امیر قافِلہ نے کہا کہ ماشاءَاللہ اسقدر زبردست کھانا آپ نے ہمیں کھلایا اگرچہ کھانا کم تھا لیکن قافِلہ کی برکت سے سب نے پیٹ بھر کر کھالیا تھا اب معذرت کیوں کر رہے ہیں وہ نوجوان حیرت سے کہنے لگا لیکن میں نے تو آپ لوگوں کو کوئی کھانا نہیں کِھلایا بلکہ میں نے خُود بھی احتجاجاً کل رات کھانا گھر پر نہیں کھایا میرے پاس تو اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ آپکو کسی معمولی ہوٹل میں ہی کھانا کھلا سکتا۔

امیرِ قافلہ نے اُس نوجوان سے دریافت کیا تو کل آپ کھانے کے پیکٹ مسجد میں رکھ کر نہیں گئے تھے؟ اس نوجوان نے کہا کہ آپ مجھ سے قسم لے لیں میں کچھ بھی رکھ کر نہیں گیا، اُس نوجوان کے جانے کے بعد ہم سب آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے اگر کھانا اِس نوجوان نے نہیں کِھلایا تو آخر ہمیں کِھلایا کس نے اور ہمارا وہ میزبان ہمارے سامنے بھی کیوں نہیں آیا۔

تبھی امیرِ قافلہ نے نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں ہمیں مُخاطب کرتے ہوئے کہا دوستوں! ہمیں کھانا یقیناً اُسی رَبَّ العالمین نے کِھلایا ہے جسکے گھر ہم مہمان ٹھہرے تھے جسکے دین کی خدمت کا جذبہ لیکر ہم اپنے گھروں سے نِکلے تھے دوستوں! حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا فرمان ہے، مفہوم، جو اللہ کے کاموں میں لگ جاتا ہے اللہ کریم اُسکے کاموں میں لگ جاتا ہے اور محترم قارئین ایسا ہمارے ساتھ ایک مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ ہُوا دوسری مرتبہ بڑی بہن کا کردار ایک امی جان نے نبھایا اور اُس دِن اِتفاق سے ہمارے پاس دِن کا بچا ہُوا سالن موجود تھا صرف روٹی تنور سے لانی پڑی تھی لیکن مُحترم قارئین کرام یہ وہ وجہ ہر گز نہیں تھی جسکے سبب ہمیں اسلام آباد پسند نہیں تھا بلکہ اِسلام آباد کی وہ خاموشی تھی جو مغرب کی نماز کے بعد سے ہی اسلام آباد کی سڑکوں پر اپنا راج کرلیتی تھی۔ جبکہ میرا تعلق اُس شہر سے ہے جہاں رات کے دو بجے تک بھی توے کی کھٹ کھٹ سُنائی دیتی ہے ہمارے شہر کی پلوشن

فضا میں ایک پتنگے کو زندہ نہیں رہنے دیتی جبکہ اسلام آباد کی ہریالی نہ صرف اُنہیں جنم دیتی ہے بلکہ وزیرستان کی طرح اُن حشراتُ الارض کو پناہ بھی فراہم کرتی ہے۔

محترم قارئین یہ تو ضمنی بات تھی جو درمیان میں آ گئی میری دِلچسپی حیدرآباد مرکز میں مُتوقع امیر قافلہ میں تھی اور جب امیر قافلِہ کا اعلان کیا گیا تو میری خُوشی کی اِنتہا نہ رہی امیر قافلِہ جناب محمد ندیم عطاری بھائی کو بنایا گیا تھا جو کہ میرے بُہت پُرانے دوست بھی تھے اور اب کافی عرصہ سے کوٹری شہر میں خِدمات اِنجام دے رہے تھے میری اُن سے قریباً پندرہ برس بعد مُلاقات ہورہی تھی۔ بہرحال قصہ مُختصر یہ کہ اسلام آباد والوں کی خُوش نصیبی تھی کہ پِنڈی پُہنچ کر قُرعہ مانسہرہ سے ناران تک کے نام نِکلا ہم سبھی مانسہرہ کیلئے روانہ ہوگئے اور یوں اسلام آباد والے میرے نکمے وَجود سے محفوظ ہوگئے۔

مانسہرہ سے ناران تک کا سفر بھی نہایت یادگار سفر ہے جِسے بُھلانا بھی ناممکن ہے ہو سکتا ہے آج پھر کسی کو میرا کالم پڑھ کر نیند آرہی ہو لہٰذا اگلا سفر آئندہ پیش کرونگا۔

اللہ حافظ

تذکرہ اِک پری کی مُحبت کا

محترم قارئین السلامُ علیکم
بعض لوگوں کی زندگی میں حادثات اسقدر تواتر سے آتے ہیں کہ وہ اِن حادثات کے عادی ہُوجاتے ہیں اور اُنہیں زندگی کی تلخی تکلیف کے بجائے مزہ دینے لگتی ہے جب کہ کُچھ لوگ چھوٹے چھوٹے حادثات پر ہی گھبرا جاتے ہیں اور زندگی سے فرار کی راہ ڈھونڈنے لگتے ہیں یا پھر وہ کِسی کو بھی خُوش نہیں دیکھنا چاہتے۔
آج میں جو سچی کہانی سُنانے جارہاہُوں اُسکے مرکزی کردار کی خُواہش ہے کہ اِس کہانی میں اُس کا نام نہ آنے پائے کیونکہ اُس نے کِسی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ کِسی کو اِن کرداروں کی سچی مُحبت کاتذکرہ نہیں کرے گا ویسے وہ کردار اِتنا نامانوس بھی نہیں کہ لوگ اُسے جانتے ہی نہ ہُوں شاید آپ بھی اُس کردار کو پہچان جائیں۔ لیکن یہ واقعہ سُنانے سے پہلے میں آپ سے ایک وعدہ لینا چاہُوں گا کہ چاہے آپ اُس کردار کو پہچان جائیں مُجھ سے نہ ہی کمنٹس باکس کے ذریعے اُس کردار کا اصل نام پوچھیں گے اور نہ ہی اُس کردار کو بُوجھنے کی کوشش کریں گے اگر آپ نے میری معروضات پر عمل کیا تو میں آپکی خِدمت میں بیشُمار مزید سچی کہانیاں بھی پیش کرنے کی سعی کرتا رہوں

گا۔

یہ کہانی جس نوجوان کی ہے وہ ایک کھاتے پیتے گھرانے کا چشمُ چراغ تھا نہایت ہی شرمیلا اور دِینی ذہن رکھنے والا ایک سیدھا سادھا سا بے ضرر نوجوان جو اپنے مُلازمین کیساتھ بھی دوستوں جیسا سلوک روا رکھتا تھا اِس نوجوان کی بچپن سے ہی ایک جسمانی کمزوری تھی کہ وہ اکثر پیٹ کے عارضے میں مُبتلا ہوجایا کرتا تھا ایک مرتبہ عین نوجوانی میں اُسکے پیٹ میں شدید درد رہنے لگا، کافی علاج معالجے کے بعد بھی جب کُچھ اِفاقہ نہیں ہُوا تُو اُسکے ایک طبیب دوست نے اُسے مشورہ دِیا کہ وہ زِیادہ سے زِیادہ پیدل چَلا کرے اِس طرح ممکن ہے کہ آپ کی تکلیف میں کُچھ کمی آجائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپکا مرض ہی جَڑ سے خَتم ہُوجائے۔

اُس نوجوان نے جسکا ہم فرضی نام (عمران احمد وقاص) تَصور کئے لیتے ہیں کو اپنے دوست کا یہ مشورہ بُہت پسند آیا اور عمران نے سوچا اِس طریقہ کو بھی آزمانا چاہیئے ہوسکتا ہے یہ واک کرنا اُسے اِس دائمی مرض سے نِجات دِلوا سکے لہٰذا عمران نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ اپنی موٹر بائیک کو اپنے سب سے چھوٹے بھائی کو دے ڈالا، اور خُود اپنے آفس کیلئے پیدل جانے کے فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جب پہلے دِن چار کلومیٹر کا سفر طے کیا تو عمران

کے پاؤں میں سوجن آ گئی کیونکہ کافی عرصہ سے عمران نے پیدل سفر کی عادت کو ترک کر رکھا تھا۔ اگلے دِن پیدل چلنے کے تصور ہی سے عمران کے ماتھے پر پسینہ آنے لگا تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اَب چھوٹے بھائی سے موٹر بائیک کس طرح واپس مانگی جائے بُہت سوچ بچار کے بعد عمران اس فیصلہ پر پُہنچا کہ کِسی نہ کِسی طرح ایک ہَفتہ گُزار لیا جائے اور اُسکے بعد کِسی حِکمت سے وہ گاڑی واپس لی جائے۔ لیکن جب ویک اینڈ آیا تو عمران اِس سفر کا نہ صرف عادی ہُوچکا تھا بلکہ اُسے اپنے مرض میں بھی کافی اِفاقہ محسوس ہُونے لگا تھا اور اب یہ سفر تھکن اور تکلیف کے بجائے عمران کو مَزہ دینے لگا تھا۔

لہٰذا عمران نے فیصلہ کیا کہ وہ اس واک کو مزید قائم رکھے گا، یہ سفر یونہی جاری تھا کہ عمران کیساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آگیا جیسا کہ میں ابتدا ہی میں عمران کے مُتعلق لکھ چُکا ہوں کہ وہ نہایت ہی شرمیلا نوجوان تھا اُسے کسی دوست کے گھر میں بھی داخل ہُوتے ہوئے شرم آتی تھی حتیٰ کہ اُسے اپنی بہنوں کے گھر جاتے ہُوئے بھی شرم محسوس ہُوا کرتی تھی، لیکن ایک دِن جب وہ واک کرتا ہُوا اپنے آفس کیلئے جارہا تھا یکایک اُسے نہ جانے کیا سوجھی کہ وہ ایک سنسان مقام سے گُزرتے ہُوئے وہاں موجود چند کچے پکے گھروں میں سے ایک گھر میں بِلا اِجازت مالک مکان کے بغیر دَستک دیئے داخل ہوگیا گھر میں داخل ہُوتے وقت اُسے بالکل احساس نہیں تھا کہ وہ ایک غیر اخلاقی اور غیر

شرعی عمل کا مُرتکب ہو رہا ہے مگر جونہی وہ گھر کی دِہلیز عبور کر کے اندر داخل ہُوا تو اُسے اِحساس ہُوا کہ اُس سے ایک جُرم سرزد ہُوچُکا ہے عمران فوراً پلٹنا چاہتا ہی تھا کہ اُسے برآمدے میں ایک بوڑھا شخص نظر آیا جو ایک بنیان اور تہبند میں ملبوس تھا اور ایک چارپائی پر بیٹھا عمران کو گھور رہا تھا۔

عمران کی نظر جونہی اُس بوڑھے شخص پر پڑی تو اُس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے ابھی عمران اپنے ذہن میں کوئی معقول بہانہ تراش ہی رہا تھا کہ اُس بوڑھے شخص نے گونجدار آواز میں عمران کو مُخاطب کرتے ہُوئے اُسے اپنے قریب آنے کی دعوت دِی اور بوڑھے شخص کی آواز میں ایسا سحر تھا کہ عمران بِلاچُون وچِراں کئے اُس بوڑھے شخص کے قریب پُہنچ کر شرمندہ سا کھڑا ہو کر کہنے لگا، جناب مجھے خبر نہیں کہ میں کس طرح آپکے مکان میں بلااِجازت کے داخل ہوگیا لیکن میں اپنے اِس عمل پر بُہت شرمندہ ہوں اور آپ سے معافی چاہتا ہُوں۔

وہ بُوڑھا شخص عمران کا یہ عُذر سُن کر مُسکراتے ہُوئے کہنے لگا میاں غلطی کی ہے تو غلطی کی سزا بھی ضرور پاؤ گے عمران نے نہایت عاجزی سے عرض کیا جناب آپ جو سزا دیں گے وہ مجھے قبول ہے لیکن میں پھر آپ سے یہی عرض کروں گا

کہ مجھ سے یہ جُرم بے ساختگی میں سرزد ہُوا ہے میں شائد بے خیالی میں آپکے گھر میں داخل ہُوا ہوں لیکن پھر بھی جُرمانہ دینے کے لئے تیار ہُوں آپ کہیں مجھے کیا جُرمانہ دینا ہوگا عمران اپنی بات کہہ کر خاموش ہُوگیا اور اُس بوڑھے شخص کے جواب کا انتظار کرنے لگا اُسے اِس بات پر بھی تعجب ہو رہا تھا کہ اتنے بڑے گھر میں کوئی شور شرابا نہیں تھا ایسی خاموشی تھی جیسا کہ عموماً قبرستانوں میں ہُوا کرتی ہے نہ ہی اتنی دیر ہُونے کے باوجود گھر کا کوئی دوسرا فرد ہی سامنے آیا تھا۔

بوڑھے شخص نے پاندان سے ایک پان نِکال کر اپنے مُنہ میں رکھتے ہُوئے عمران سے کہا کہ تُمھاری سزا یہ ہے کہ ایک گھنٹے تک تُمھیں میرے پاس بیٹھنا ہُوگا یہ عجیب سزا سُن کر عمران بُہت متعجب ہُوا کیونکہ عمران کا خیال تھا کہ یہ بوڑھا شخص شاید اُس سے جُرمانے میں کچھ رقم طلب کرے گا لیکن یہ عجیب شخص تھا جو اپنے گھر میں بِلا اِجازت گھسنے والے کو مزید کُچھ دیر اپنے گھر میں رکھنے کا خُواہشمند تھا اُس بُوڑھے شخص کی اِس معصوم خواہش پر عمران کے من میں پیدا ہوتے خدشات دَم توڑنے لگے عمران نے سوچا شاید یہ شخص تنہائی کا مارا ہے اور میرے ساتھ کُچھ ٹائم پاس کرنا چاہتا ہے لہذا عمران اُس بوڑھے شخص کے اِشارے پر چارپائی کے دوسرے کنارے پر بیٹھ گیا۔

جب عمران سے اُس بُوڑھے شخص نے نام دریافت کیا تو عمران نے اپنا پُورا نام دُھرا دیا نام سُنتے ہی اُس بُوڑھے شخص نے ایسا زوردار قہقہ لگایا کہ عمران بے ساختہ چارپائی سے اُتر کر اُس بوڑھے شخص کو دیکھنے لگا اب عمران کو اُس بُوڑھے شخص کی دِماغی صحت پر شُبہ ہُونے لگا تھا کہ کہیں یہ بُوڑھا شخص پاگل تو نہیں ہے جو اسقدر زور زور سے ہنس رہا تھا جیسے میں نے اپنا نام نہیں بتایا ہُو بلکہ کوئی لطیفہ سُنا ڈالا ہُو کُچھ دیر میں بوڑھے شخص کو ہنستے ہنستے کھانسی کا دورہ پڑگیا عمران نے قریب ہی رکھے مٹکے سے گلاس میں پانی اُنڈیل کر اُس بوڑھے شخص کو پیش کیا پانی پی کر وہ نارمل ہوگیا اور کہنے لگا بیٹھو، عمران کے بیٹھتے ہی وہ کہنے لگا۔برخوردار کیا میرا نام نہیں پوچھو گے ؟

عمران نے بڑے ادب و تحمل سے عرض کیا جناب کیا اِسمِ گرامی ہے آپ کا ؟ بوڑھے نے کہا (عمران احمد وقاص) اب حیرت زدہ ہونے کی باری عمران کی تھی کیونکہ آج سے پہلے عمران کو یہی گُمان تھا کہ شاید دُنیا میں وہ واحد شخص ہے جس کا کوئی مکمل ہم نام موجود نہیں لیکن آج اُسکا ہم نام اُسکے سامنے موجود تھا۔ عمران نے اُس بُوڑھے شخص کو مُخاطب کرتے ہوئے کہا اِسکا مطلب ہے کہ آپ میرے ہم نام ہیں؟ میں تُمہارا ہم نام نہیں ہُوں۔برخوردار بلکہ تُم میرے ہَم نام ہو کیونکہ میں تُم سے بڑا ہوں اور مجھے تُم سے پہلے یہ نام

مِل چکا تھا، اور ابھی کچھ ہی دیر پہلے ایک عمران احمد وقاص یہاں سے ناراض ہُو کر گیا ہے کمبخت کو بُہت جلدی تھی دس برس ساتھ رہا لیکن خالی ہاتھ ہی واپس چلا گیا بُوڑھے شخص نے تصیح کرتے ہُوئے جواباً کہا۔ یہ اطلاع عمران کیلئے مزید حیرت کا باعث تھی کہ کوئی اور عمران احمد وقاص بھی ہے جسکا اِس بوڑھے شخص کیساتھ پُرانا تعلق تھا۔ عمران کچھ مزید پُوچھنا چاہتا تھا کہ اُس بوڑھے شخص نے ہاتھ کے اِشارے سے خاموش رہنے کا اِشارہ کیا۔

تبھی کِسی نوجوان لڑکی کی سریلی آواز سُنائی دِی وہ دروازے سے داخِل ہُوئی اور اُس بوڑھے کو سلام کرتی ہُوئی چارپائی کے نزدیک آ پہنچی عمران نے چونکہ آواز سُنتے ہی اپنی نگاہیں جھکا لی تھیں جسکی وجہ سے وہ اُس نازنین کے چہرے اور سراپے پہ تو نظر نہ ڈال سکا لیکن عمران کی جُھکی ہوئی نگاہوں نے اُس کے حَسِین قدموں کو ضرور دیکھا وہ پاؤں واقعی خُوبصورتی کا شاہکار تھے آواز ایسی کھنکتی ہُوئی کہ مانو، کانوں میں رس گھولنے، والا محاورہ آج سچ محسوس ہورہا تھا اور جسم سے ایسی بھینی بھینی خوشبو اُٹھ رہی تھی کہ سیدھی مسام دماغ کو معطر کر رہی تھی گویا چمن کے تمام پھول عمران کی گود میں اتر آئے ہُوں۔

وہ وہاں بیٹھنے کی اجازت طلب کر رہی تھی اور وہ بُوڑھا شخص اُس پر برہم

ہو رہا تھا کہ دیکھتی نہیں ہو کہ ہم اپنے مہمان کا تعارف حاصل کر رہے ہیں اتنی جلد بازی اچھی نہیں ہوتی ابھی تُم جاؤ ہم بعد میں تُمھارا مسئلہ حل کر دیں گے اور جو تُمھارا ہے وہ تُمھیں مِل جائے گا ہمیں ابھی بُہت کام کرنا ہے بُہت تیاری کرنی ہوگی جب جا کر تُمھیں تُمھارا گوہرِ مُراد ملے گا۔ اُس نازنین کی چہکتی ہُوئی مترنم آواز اُداسی میں بدل گئی وہ سلام کرتے ہُوئے وہاں سے لوٹ گئی۔ اِس واقعہ کے بعد اُس بوڑھے کی شخصیت عمران کو کُچھ پُراسرار سی محسوس ہونے لگی تھی ابھی عمران اِس سحر آلود ماحول میں کھویا ہُوا تھا کہ بابا وقاص کے سوال نے عمران کو اُس ماحول سے باہر نکال لیا بابا وقاص عمران سے اُسکی دوسری شادی کے بابت معلوم کر رہے تھے عمران حیرت سے بابا وقاص کا چہرہ تکنے لگا کہ اِنہیں کس طرح دوسری شادی کے مُتعلق معلوم ہُوا کہ بابا وقاص پھر گویا ہُوئے کہ حیرت زدہ ہُونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جتنا مجھے اپنے متعلق معلوم ہے اُتنا ہی میں تُمھارے متعلق بھی جانتا ہوں کیونکہ تُم میرا عکس ہُو اور کوئی اپنے عکس سے بھلا کِس طرح غافِل ہو سکتا ہے اور اُسکے بعد گفتگو جاری رکھتے ہُوئے بابا وقاص نے چند ایک وہ باتیں بھی عمران کو بتانی شروع کردیں جو عمران کے سِوا اُسکے گہرے دوستوں کو بھی معلوم نہیں تھیں۔

اِسکے بعد بابا وقاص نے عمران سے ایک عجیب سا سوال کیا کہنے لگے عمران کبھی

تُم نے یہ سوچا کہ تُم اپنے تمام خاندان سے مُختلف کیوں ہُو تُم میں یہ انفرادیت کیسے پیدا ہُوئی؟ عمران نے جواباً کہا مجھے نہیں معلوم کہ کیوں میں اپنے خاندان والوں سے اِتنا مُختلف ہُوں مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ آپکو میرے متعلق اسقدر خاص معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میں یہاں کیا کررہاہُوں اور یہاں کیسے آیا ہُوں؟ وہ مُسکرا کر کہنے لگے میں نے کہا نا کہ تُم میرا عکس ہُو اور تُمھارے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ تُم یہاں اپنی مرضی سے نہیں آئے بلکہ لائے گئے ہُو۔ وہ عمران سے بات جاری رکھے ہُوئے تھے کہ اچانک اپنی دائیں جانب کی دیوار کو دیکھنے لگے اور پھر کہنے لگے عمران مِیاں اب تُم جاؤ کچھ ایمرجنسی ہو گئی ہے جسکی وجہ سے میں مزید تُم سے بات نہیں کرپاؤں گا لیکن رات کو ضرور واپس آنا مجھے تُم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں عمران نے گھڑی میں دیکھا تو معلوم ہُوا کہ وہ ڈیڑھ گھنٹے سے زائد وقت یہاں گُزار چُکا تھا عمران جونہی مُصافحہ کرنے کیلئے چارپائی سے اُٹھا تو دروازے کی بیل بج اُٹھی بابا وقاص نے مُصافحہ کرتے ہُوئے مجھے پھر آنے کی تاکید کی اور میرے ساتھ دروازے تک آئے دروازے پر کچھ لوگ ایک بیہوش بچے کو اُٹھائے کھڑے تھے بابا نے عمران کو رخصت کرتے ہوئے اُن لوگوں کو اندر آنے کی دعوت دِی وہ لوگ بچے کو لیکر بابا وقاص کے گھر میں داخل ہُوگئے۔

جبکہ عمران اپنے آفس کی جانب جاتے ہُوئے آج کے اِس عجیب حادثے کے مُتعلق سوچ رہا تھا کہ آخر بابا وقاص کو میرے معاملات کی آگاہی آخر کس ذریعے سے حاصل ہُوئیں، وہ نوجوان لڑکی کون تھی جو بابا وقاص سے مدد مانگنے آئی تھی، اور بابا وقاص کو آخر پہلے ہی سے کیسے معلوم ہوگیا کہ کوئی اُن کے دروازے پر ایمرجنسی میں بچے کو لانے والا ہے، اور آخر بابا وقاص کو مجھ کو کیا ضروری بات کرنی ہے جس کیلئے اُس نے مجھے پھر آنے کی دعوت دِی ہے، اِس کے علاوہ بابا وقاص خُود کون ہے اور اِس بیابان میں کیوں ٹھہرا ہے ایسے ہی بیشُمار سوالات تھے جنکے جوابات عمران کے پاس فی الحال نہیں تھے اور اُسے فیصلہ کرنے میں بُہت دشواری محسوس ہو رہی تھی کہ آیا اُسے شام کو واپس آنا بھی چاہیئے کہ نہیں؟

(جاری ہے)

تذکرہ اِک پری کی مُحبت کا (حصہ دوئم)۔

محترم قارئین السلامُ علیکم

عمران، بابا وقاص سے مل کر جب اپنے آفس پُہنچا تو تمام دِن اِسی اُدھیڑ بُن میں سوچتے ہُوئے گُزر گیا کہ آج کا دِن کس قدر عجیب و غریب واقعات کو خُود میں سَموئے ہُوئے تھا عمران ایک سِرا تھامتا تو دوسرا سِرا ہاتھ سے نکل جاتا کب دن ڈھلا اور کب شام کے سائے گہرے ہوگئے کچھ خبر ہی نہ ہوئی لیکن عمران ایک فیصلے پر پُہنچ چُکا تھا کہ اب وہ کِسی صورت اُس راستے سے نہیں گُزرے گا جس راستے پر بابا وقاص کا گھر موجود تھا۔

مغرب کی نَماز سے قبل عمران واک کرتا ہُوا ایک دوسرے راستے سے اپنی منزل کی جانب گامزن تھا مگر جُوں جُوں عمران اپنے گھر کے نزدیک تر ہوتا چلا جارہا تھا۔ یوں محسوس ہُورہا تھا جیسے قدم من بھر کے ہوگئے ہُوں ہر قدم پر سینے پر وزن بڑھ رہا تھا جب عمران کی منزل صرف چند مزید قدموں کی دوری پر تھی تبھی عمران کے دِل میں ایک عجیب سے خیال نے جگہ بنانی شروع کردی کہ کہیں جو کچھ عمران نے آج دیکھا تھا کہیں وہ ایک خُوشنما سَپنا تو نہیں تھا کیونکہ اِس راہ سے عمران ہزاروں مرتبہ اِس راہ سے گُزرا تھا لیکن کبھی بابا وقاص سے اِس راستے پر آمنا سامنا نہیں ہُوا تھا یقیناً یہ کوئی خُواب تھا کوئی

سَراب تھا جسکا حقیقت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہُو سکتا۔ یہ خیال اتنی سرعت اور یقین سے عمران کے سینے میں موجود دِل کے راستے دِماغ میں جگہ بنانے لگا تھا کہ عمران کے قدم گھر جانے کے بجائے بابا وقاص کے گھر کی جانب خُود بخُود اُٹھنے لگے تھے۔

اِس نئے تجسس نے عمران سے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحتیں جیسے چھین لی تھیں اور جب عمران بابا وقاص کے گھر کے نزدیک پُہنچا تو ایک ہجوم کو بابا وقاص کے گھر میں داخل ہوتے دیکھا عمران کو بھی تجسس ہُوا کہ دیکھوں آخر اس قدر لوگ بابا وقاص کے گھر میں آخر کرنے کیا جا رہے ہیں عمران بھی اُن لوگوں کے پیچھے پیچھے بابا وقاص کے گھر میں داخل ہوگیا وہ لوگ اندر بُچھی دَریوں پر بیٹھ رہے تھے جبکہ کُچھ لوگ پہلے ہی سے اُن دَریوں پر بیٹھے ہُوئے تھے اور بابا وقاص سفید رنگ کے لِباس میں ملبوس مصلے پر مغرب کی نماز ادا کر رہے تھے۔ چہرے پر موجود سفید داڑھی بھی اُنکی نورانیت میں مزید اِضافہ کئے دے رہی تھی۔ تب عمران کو خیال آیا کہ اُس نے تُو ابھی تک نماز مغرب ادا ہی نہیں کی لٰہذا فوراً بابا وقاص کے پیچھے زمین پر بُچھی چٹائی پر لوگوں کیساتھ نماز مغرب ادا کرنے میں مشغول ہوگیا عمران نماز سے فراغت کے بعد لوگوں کے پیچھے آکر بیٹھ گیا جب کہ بابا وقاص کچھ وظائف پڑھنے میں مشغول رہے وظائف سے فارغ ہونے کے بعد بابا وقاص نے چہرہ لوگوں کی جانب گھما کر

سب کو سلام کیا اور لوگ باباکے ہاتھ پر بوسہ دینے لگے بابا وقاص کے چہرے پر اِس وقت ایک عجیب سی آب وتاب تھی جو دِل کو اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔

عمران جب بابا وقاص کے ہاتھ پر بوسہ دینے کیلئے بڑھا تو بابا وقاص نے عمران کو کھینچ کر اپنے برابر بٹھا لیا عمران ایک عجیب سا کیف بابا وقاص کیساتھ بیٹھنے میں محسوس کر رہا تھا آہستہ آہستہ لوگ اپنے مسائل بابا وقاص کو بتانے لگے جبکہ بابا وقاص اُن لوگوں کو کُچھ پڑھنے کیلئے بتا دیتے اور کسی پر کچھ پڑھ کے دَم کر دیتے کچھ لوگ صرف سلام کرتے ہُوئے روانہ ہو رہے تھے جبکہ کچھ لوگ کچھ نذرانہ بھی پیش کر رہے تھے آخرکار یہ مرحلہ اپنے اِختتام کو پُہنچا اور عمران کے علاوہ صرف ایک دھان پان سا شخص اور باقی رہ گیا جو لوگوں کے جانے کے بعد دَریاں اور چٹائیاں سمیٹنے لگا۔

بابا وقاص نے اُس شخص کو پُکار کر اپنے پاس بُلایا اور تیز آواز میں اُس سے کہنے لگے خادم میاں ہمارے مہمان آئے ہیں اِنہیں چائے نہیں پِلاؤ گے ؟ اُس دھان پان سے شخص نے اثبات میں سر ہلایا اور چائے بنانے چلا گیا۔ تب بابا وقاص نے عمران کو متوجہ کرتے ہُوئے کہا کیا بات ہے عمران میاں ہمارے پاس آنے میں یہ تردد کیسا؟ عمران سوچنے لگا کہ کیا جواب دے اور جب کُچھ سمجھ نہیں آیا تو کہنے لگا مجھے یہ سب کُچھ بڑا عجیب سا لگ رہا ہے۔

اِسی وجہ سے ہمارے پاس نہیں آنا چاہ رہے تھے لیکن آنا تو پڑ ہی گیا تُمہیں بابا وقاص کی اِس بات نے عمران کو مزید چونکا دیا کہ آخر یہ تمام باتیں بابا وقاص کو ازخُود کیسے معلوم ہو جاتی ہیں۔ تبھی بابا وقاص دوبارہ گویا ہُوئے عمران مِیاں اپنے ذہن کو اِتنا مت تھکاؤ کہ ہم تُم سے وہ بات ہی نہ کرپائیں کہ جسکی خاطر تُمہیں تُمہاری مرضی کے بغیر دو مرتبہ یہاں لائے ہیں بس ایک بات جان لو کہ ہم تُمہارے خیر خُواہ ہیں تُمہارے دُشمن نہیں ویسے تُمہیں ایک بات اور بتانا چاہتے ہیں کہ اگرچہ ہم تُم سے عمر میں بڑے ضرور ہیں لیکن تُم ہمارے ایک رشتہ سے پیر بھائی بھی ہُو اور ہمارے پاس تُمہاری ایک امانت ہے جسے ہَم تُمہیں سونپنا چاہتے ہیں لیکن پہلے تُمہیں ہم پر اعتبار قائم کرنا ہُوگا تبھی کُچھ بات بنے گی۔

بابا وقاص کی گُفتگو جاری تھی کہ خادم میاں چائے لیکر حاضر ہوگئے چائے کے ساتھ کُچھ بِسکٹ بھی تھے جِن سے تازگی کی مِہک اُٹھ رہی تھی، بابا وقاص نے چائے کی ٹرے اپنے پاس رکھی اور مصلے کے نیچے سے وہ تمام رقم جو نذرانے میں آئی تھی خادم میاں کو تھماتے ہُوئے کہا اس رقم سے صبح نیاز کی تیاری کرلینا اور اب تُم اپنے گھر جاسکتے ہو۔ عمران نے اپنا والٹ نکالتے ہُوئے کچھ رقم اِس میں بطور حصہ مِلانے کیلئے کھولا ہی تھا کہ بابا وقاص نے ہاتھ کے اِشارے

سے منع کردیا اور کہنے لگے عمران میاں ابھی نہیں پہلے اعتماد کا رشتہ بحال ہو لینے دیجئے اُسکے بعد ہم آپ سے رقم ضرور لیں گے۔ خادم میاں کے جانے کے بعد عمران چائے پینے لگا جبکہ بابا وقاص اُٹھ کر سامنے والے کمرے میں چلے گئے تمام گھر صبح کی طرح خالی ہوچکا تھا بابا وقاص جس کمرے میں گئے تھے اُسکے سامنے والے کونے میں ایک بڑا سا چراغ جل رہا تھا جسکے اوپر کتابوں سے بھری ایک شیلف نظر آرہی تھی جس میں سے بابا وقاص کوئی کتاب نکال رہے تھے۔ کتاب نکال کر بابا وقاص نے کمرے کو دوبارہ کُنڈی لگائی اور یہ کتاب ایک چارپائی کے سرہانے رکھتے ہُوئے عمران سے کہنے لگے عمران میاں یہ کِتاب میں نے اپنی جوانی میں لکھی تھی تُم میری زندگی میں اُن چند اشخاص میں سے ایک ہو جنہیں میں نے یہ کِتاب پڑھنے کی اجازت دی ہے اِس کتاب کو پڑھنے کے بعد تُمہیں میری تمام باتیں باآسانی سمجھ آجائیں گی، چائے پی کر اِسے پڑھ لینا جب تک میں عشاء کی نماز ادا کرلوں، بابا وقاص نے جونہی نماز کی نیت باندھی عمران نے اُس کِتاب کا جائزہ لینا شروع کردیا یہ تقریباً دوسُو صفحات پر مُبنی کتاب تھی جو ہاتھ سے لکھی ہُوئی تھی کِتاب اگرچہ کافی اچھی حالت میں موجود تھی لیکن اِس کی بوسیدگی سے ظاہر ہُورہا تھا کہ کافی عرصہ پہلے لکھی گئی ہے یہ کِتاب انتہائی نفاست سے مُجلد کی گئی تھی جس کے سبب دور سے دیکھنے پر پبلش بُک ہی کی طرح نظر آرہی تھی اِس میں سات ابواب قائم کئے گئے تھے پہلے باب کو شروع کرتے ہی احساس ہوگیا کہ یہ قومِ اجنہ کے موضوع پر

لکھی ہُوئی کتاب تھی، کِتاب شروع کرتے ہی عمران مصنف کو داد دینے لگا کتاب کا اسلوب نہایت دلنشین انداز لئے ہُوا تھا عمران جونہی پہلے باب سے دوسرے باب کی جانب پیش قدمی کرنے لگا تو وہ اس بات کا قائل ہُوچکا تھا کہ بِلاشُبہ یہ ایک نایاب کِتاب تھی جواِس موضوع پر لکھی گئی تھی مصنف کا انداز بیاں پڑھنے والے قاری کو ایک سحر میں جکڑے رکھتا ہے کہیں کوئی جھول نہیں، کوئی ربط ٹوٹا ہُوا نہیں تھا کہ جس سے پڑھنے والے کو تشنگی یا بُوریت کا اِحساس ہُو پہلے باب میں جنات سے متعلق بُہت اہم معلومات تھیں کہ کِس طرح جنّات اپنی غذا حاصل کرتے ہیں اُنکی پیدائش سے لیکر موت تک کے تمام حالات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی تھی اور اِسمیں بتایا گیا تھا کہ کن معاملات میں جِنّات کو انسانوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اِنکا مزاج انسانی مزاجوں سے کیوں اور کیسے مُختلف ہُوتا ہے، اور جس طرح سے عام انسان جِنات سے خوفزدہ رہتے ہیں بِالکل اِسی طرح عام جِنات بھی انسانوں سے خُوفزدہ رہتے ہیں جس طرح انسانوں میں مذہبی اور غیر مذہبی لوگ ہوتے ہیں اِسی طرح قُومِ اَجِنّہ میں بھی مذہبی اور غیر مذہبی جنات ہوتے ہیں۔

اِسکے علاوہ جِناتوں کے کیا مشاغل ہُوتے ہیں، اور یہ کہاں رہنا پسند کرتے ہیں اور کس قسم کے اِنسانوں سے مانوس ہوتے ہیں علم دین کسطرح حاصل کرتے ہیں اور کیوں اَنسانوں کو تنگ کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔

جبکہ دوسرے۔ تیسرے اور چوتھے باب میں اِنکی بے شُمار حِکایات درج تھیں اور جنھیں پڑھنے میں عمران اس قدر مشغول رہا کہ جب چوتھے باب کو پڑھ چُکنے کے بعد کِتاب سے نظر اُٹھا کر دیکھا تو بابا وقاص کو اپنے قریب بیٹھے پایا عمران شرمندہ سا ہوگیا، اور بابا وقاص سے عرض کرنے لگا کہ اس قدر خوبصورت اور نایاب کِتاب کوتُو مارکیٹ میں آنا چاہیے تھا مجھے یقین ہے کہ یہ کِتاب ریکارڈ بزنس کرے گی۔ کیا آپکو کوئی پبلشر نہیں مِلا جو اِس کِتاب کو چھاپتا؟ بابا وقاص نے سنجیدگی سے صرف اِتنا کہا کہ جِن پبلشروں کو اِس کِتاب کی بھنک پڑی وہ بھی بُہت مصر رہے کہ آپ ہمیں اِس کِتاب کو چھاپنے کی اِجازت دیدیں یہ کِتاب مارکیٹ میں دُھوم مچا دے گی، لیکن عمران میاں میں نے یہ کِتاب ۔بزنس، یا اپنی شہرت کیلئے نہیں لکھی تھی بلکہ تشنہ کاموں کی پیاس بُجھانے کیلئے لکھی تھی لیکن یار لوگ اِسے بھی کمائی کا ذریعہ بنانے میں مگن تھے سُو میری حمیت نے اِسے گوارہ نہیں کیا اور یہ کِتابیں میرے بُڑھاپے اور تنہائی کا آخری سہارا بن گئیں اور مجھے خوشی ہے کہ میری ریاضت اور میرا مُشاہدہ دُکانوں کی سَستی زینت اور نمائش بننے سے بچ گیا۔

عمران میاں مجھے معلوم ہے کہ تُم اِس کتاب کو آج ہی خَتم کرنے کے خُواہشمند ہونگے لیکن رات کافی ہُوچکی ہے اور تُمہارے گھر والے بھی پریشان ہُورہے

ہُونگے اور ابھی تُم نے عشاء کی بھی نماز قائم کرنی ہے لہٰذا تُمھیں گھر جانا چاہیے، عمران یہ سُن کر مایوس سا ہُوگیا کہنے لگا بابا میں اِس کِتاب کو مکمل پڑھنا چاہتا ہُوں اگر آپ اِجازت دیں تو میں ایک ڈیڑھ گھنٹے میں یہ کِتاب ختم کرلونگا۔

بابا وقاص نے جواباً عمران کو سمجھاتے ہُوئے کہا عمران بیٹا میری یہ خُواہش نہیں ہے کہ تُم اِس کِتاب کو صرف پڑھ لو بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تُم اِس کِتاب کو سمجھ کرپڑھو تبھی اِس کتاب کی قیمت ادا ہوگی تبھی میری محنت وصول ہوگی اگرچہ میں اپنی ذاتی کِتابیں کسی کو پڑھنے کیلئے مُستعار ہر گز نہیں دیتا لیکن چُوں کہ تُم میرا عکس ہُو اسلئے میں تُمھیں یہ کِتاب ایک رات کیلئے دے سکتا ہُوں بشرطیکہ تُم مجھ سے یہ وعدہ کرو کہ اِس کِتاب کی حِفاظت امانت سمجھ کر کرو اور اِسے کسی اور کو میری اِجازت کے بِنا پڑھنے کیلئے نہ دو گے کہو کیا میری یہ شرط تُمھیں منظور ہے؟ عمران کو بے حد خُوشی تھی کہ بابا وقاص نے یہ نایاب کِتاب اُسے ایک رات پڑھنے کیلئے رضامندی ظاہر کردی تھی لہٰذا فوراً سے پیشتر وعدہ کرلیا کہ میں آپکے احکامات کی دِل وجان سے پاسداری کرونگا۔ اور اس کِتاب کو ایک لِفافے میں ڈال کر مُصافحہ کیلئے کھڑا ہوگیا۔

عمران جونہی بابا وقاص کے گھر سے نکل کر شاہراہ پر آیا تو اُسے یاد آیا کہ بابا وقاص نے اُسے کسی ضروری بات کیلئے بُلوایا تھا وہ ضروری بات تو رہ ہی گئی عمران کو واپس جانا بھی مُناسب نہیں لگا لیکن آخر ایسی کیا ضروری بات ہے جس کیلئے بابا وقاص نے مجھے بُلایا تھا اور آخر اُس بات کو سمجھنے کیلئے اِس کِتاب کا مُطالعہ کیوں ضروری ہے؟ یہ ایسے سوالات تھے جنکا جواب عمران جلد از جلد جاننے کا خُواہشمند تھا لیکن عمران کو ایک بات کا یقین ضرور ہوگیا تھا کہ بابا وقاص جو بھی ہُو ایک دیندار شخص ہے اور اب اُسے بابا وقاص سے کوئی خُوف محسوس نہیں ہُو رہا تھا نہ ہی اِس مُلاقات کے بعد اجنبیت کا اِحساس باقی رہا تھا بلکہ اِس مُلاقات کے بعد عمران کے اعتماد میں اِضافہ ہُوا تھا۔

(جاری ہے)

جو ہُونا ہے سُو ہُونا ہے۔ مگر جِسے اللہ رکھے

محترم قارئین السلامُ علیکم

یہ 1998 کا واقعہ ہے جِسے اپنے مُحترم قارئین کرام کی خِدمت میں پیش کر رہا ہوں جِسے پڑھ کر آپکے قلب سلیم میں اولیاءَ اللہ کی عظمت اِنشاءَاللہ مزید فزوں ہُو گی۔

یہ اُن دِنوں کی بات ہے جب مجھے اَبو نے اپنے بنگلے اور فیکٹری کی کنسٹرکشن کی ذمہ داری سُپرد کی ہُوئی تھی۔ جِسکا تیسرا سال مکمل ہُونے کو تھا اِس کے علاوہ ایک اِہم بات جو مجھے نہیں بھول سکتی وہ یہ تھی کہ میرے چھوٹے بھائی محمود کی فیملی اُن دِنوں حج پر روانگی کی تیاری میں مصروف تھی۔

ایک دِن میں کچھ سامان کی خریداری کے سلسلے میں گھر سے نِکلا، جب گھر سے کچھ فاصلے پر پُہنچا تُو یاد آیا کہ مجھے بلدیہ کے ایک انجینئر سے بھی مُلاقات کرنی ہے۔ تبھی میرے دِل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ کیوں نہ پہلے ٹیلیفون پر مُلاقات کا وقت طے کرلوں کہ مُبادا اِنتظار نہ کرنا پڑے اُس وقت موبائل فون کی اسقدر بے قدری نہیں تھی (بے قدری سے مُراد اِسکا غیر ضروری

اور غیر اخلاقی اِستعمال ہے) اب میرے پاس تین آپشن تھے

نمبر (۱) واپس گھر چلا جاؤں اور وہاں سے فون کرلُوں

نمبر (۲) بغیر وقت طے کیے مُلاقات کیلئے چلا جاؤں

نمبر (۳) نزدیک ہی موجود اَبُو کی فیکٹری سے فون کرلوں

اب مصیبت یہ تھی کہ گھر واپس جانے کا مطلب تھا کہ آدھا گھنٹہ مزید ضائع کَروں، اور بغیر وقت طے کئے ہوئے جانے میں یہ قباحت تھی کہ اکثر انجینئرز بغیر پیشگی اطلاع کیلئے وزٹ پر روانہ ہُوجاتے ہیں جسکے سبب لوگوں کو انتظار کی زحمت برداشت کرنی پڑتی ہے، سُو نہ چاہتے ہُوئے بھی اَبُو کی فیکٹری جو میرے راستے میں واقع تھی کی جانب بڑھ گیا اِس بات سے بے خبر کہ ایک ایسا حادثہ جسکے اثرات تازندگی میرے جسم پر موجود رَہیں گے اَبو کی فیکٹری جاپُہنچا فیکٹری کے آفس میں اُس وقت محمود بھائی، اور اَبو کے علاوہ میرا ایک دَس سالہ بھتیجا بھی موجود تھا میں سلام دُعا کے بعد ایک کُرسی سنبھال کر فون مِلانے لگا دوسری جانب سے فون بِزی تھا جسکی وجہ سے وقفے وقفے سے فون مِلاتا رہا تبھی میں نے دیکھا کہ دو مہمان ہاتھوں میں فروٹ کی تھیلیاں سنبھالے آفس میں سلام کرتے ہُوئے دَاخل ہُوئے۔

مجھے لگا کہ شائد وہ اَبو کے جاننے والے ہیں اور ہُو سکتا ہے کہ اَبو اور

محمود بھائی کے بھی یہی تاثرات رہے ہُوں، دونوں مہمانوں نے ایک طائرانہ نظر آفس میں موجود ہم چاروں پر ڈالی اور اُسکے بعد پھلوں کے شاپر ایک کُرسی پر رکھتے ہُوئے بڑی پھرتی سے اپنے اپنے پسٹل قمیض کے نیچے سے نکالتے ہُوئے ہم پر تان لئے۔
اَبو کی شرافت اور سادگی کے اگرچہ سبھی معترف ہیں لیکن اَبو ظُلم اور جبر کو برداشت کرنے والوں سے سخت نالاں رہتے آئے تھے اُنکا فلسفہ ہے کہ اگر لوگ ظُلم اور جبر سہنا چھوڑ دیں اور حالات کا ہمت سے مقابلہ کرتے ہُوئے ظالم کے سامنے ڈٹ جائیں تو کسی ظالم کی ہِمت نہ ہُو کہ وہ مظلوم کو دَبا سکے مجھے معلوم تھا کہ اُن ڈاکوؤں نے غلط جگہ کا انتخاب کرلیا ہے لیکن سچویشن ایسی تھی کہ ایک طرف محمود بھائی کی حج روانگی کا وقت قریب تھا، تُو دوسری جانب ایک بَچہ بھی ہمارے درمیان موجود تھا میں نے آنکھوں سے اِشارہ کرتے ہُوئے اَبو اور بھائی کو ایکشن سے باز رہنے کی درخواست کی جِسے اَبو اور بھائی نے اُس وقت مان بھی لیا۔
وہ دونوں مہمان نُما ڈاکو ہمیں باور کرانے لگے کہ ہمارے باقی ساتھی باہر موجود ہیں لہذا کوئی حماقت نہیں کرنا ورنہ کل تُم لوگوں کی خبر بمعہ تصویر کے اخبار میں چھپ سکتی ہے کیونکہ جان لینا ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے

اِسکے بعد وہ لوگ بڑی دیانتداری کیساتھ درازوں کی صفائی کرنے لگے جب تمام کیش نِکال چُکے تو ہمیں ایک مرتبہ پھر کسی مہربان اور مُشفق اُستاد کی طرح سمجھانے لگے کہ خاموشی اختیار کرنے ہی میں ہماری کامیابی اور صحت کا راز مضمر ہے۔

اِس واردات کے دوران اُنھوں نے ٹیلیفونوں کے تاروں کو بھی بڑے بیدردی کیساتھ کئی جگھوں سے تُوڑ ڈالا لیکن ایک خُوش آئند بات یہ ہُوئی کہ اُن شریف لوگوں نے دورانِ ڈکیتی نہ کوئی نازیبا کلمہ اپنے مُنہ سے نِکالا اور نہ ہی ہماری جیبوں کو ٹٹولا ورنہ مجھے قَوی اندیشہ تھا کہ محمود بھائی اور ابو کسی معمولی بے عزتی پر بھی اپنے غصہ پر کنٹرول نہ رکھ سکیں گے بہرحال جونہی وہ دونوں ڈاکو آفس سے نکلے تو محمود بھائی کہنے لگے کل ہی اَبو کے کہنے پر دونوں ہتھیار گھر بھیج دیئے گئے ہیں لگتا ہے کسی نے مُخبری کی ہے کہ آج ہم لوگ غیر مسلح ہیں لیکن میں اِن دونوں کو چھوڑوں گا نہیں ! وہ یہ کہتے ہُوئے آفس سے بھاگتے ہُوئے باہر نِکلے تو اُن ڈاکوؤں کی شامت اعمال تھی کہ اُنکی موٹر سائیکل اِسٹارٹ ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی محمود بھائی نے جمپ لگا کر ایک ڈاکو کو موٹر سائیکل سے نیچے گِرا لیا ڈاکو کے نیچے گِرتے ہی موٹر سائیکل کا بیلنس بِگڑ گیا اور باقی دو ڈاکو بھی نیچے آرہے لیکن وہ لوگ کافی تربیت یافتہ تھے نیچے گرتے ہی فوراً اُٹھ کھڑے ہُوئے اور

دو ڈاکوؤں نے پھر اپنے پسٹل نکال لئے اب سچویشن یہ تھی کہ وہ دونوں محمود بھائی کو ٹارگٹ بنارہے تھے تبھی میں نے بڑھ کر ایک ڈاکو کو قابو کرلیا چھینا جھپٹی میں اُس ڈاکو کا پسٹل میرے ہاتھ میں آگیا لیکن مجھے تو اسلحہ استعمال کرنا ہی نہیں آتا تھا للذا جونہی پسٹل میرے ہاتھ میں آیا میں نے اُس پسٹل کو کافی دور اُچھال دیا اور جیسے بن پڑا اُس ڈاکو کی مرمت میں مصروف ہوگیا، دوسرا ڈاکو مسلسل فائرنگ کر رہا تھا جسکی وجہ سے محمود بھائی کو دِفاعی پوزیشن لینی پڑی اور وہ ڈاکو سے کافی دور ہُوگئے اُس ڈاکو نے دو فائر ابو کی جانب دو فائر محمود بھائی کی جانب اور مجھ پر تین فائر کئے لیکن گولی لگنے کا اِحساس ایک مرتبہ بھی پیدا نہیں ہُوسکا جِسکے سبب میں یہ سمجھا کہ شائد یہ بھی اسلحہ چلانے کے معاملے میں میری طرح ہی اناڑی ہے اس وجہ سے میں اپنے شکار کی خوب مرمت میں مصروف رہا ہم دونوں سڑک پر گتھم گتھا پڑے تھے کبھی ڈاکو اوپر ہُوجاتا تھا تو کبھی میں اوپر ہوجاتا تھا اِس لڑائی میں دو تین مرتبہ مجھے ایسا محسوس ہُوا کہ جیسے کسی نے مجھے سُوئی چبھوئی ہُو مجھے لگا کہ شائد سڑک کے کنکر پتھر چُبھ رہے ہیں تبھی میں نے دیکھا کی اُس ڈاکو نے ایک مزید فائر محمود بھائی کی جانب کیا اور محمود بھائی لڑکھڑا کر گر گئے۔

مجھے لگا کہ اب کی بار نشانہ محمود بھائی کو لگ گیا ہے سُو میں نے ڈاکو کو

چھوڑا اور محمود بھائی کی جانب دوڑنا چاہا تبھی ایک مزید فائر ہُوا اور مجھے اپنی کولھے کی ہڈی کے چٹخنے کی آواز سُنائی دِی میں نے مزید چلنا چاہا مگر پاؤں میں ایسی شدید ٹیس اُٹھی کہ میں نہیں چل پایا اور وہیں گرگیا ڈاکوؤں نے اِس موقع کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے فرار کو غنیمت جانا اور موٹر سائیکل جِسے تیسرے شخص نے اِسٹارٹ کر رکھا تھا پر سوار ہُوئے اور دور موجود مجمع کی جانب ہوائی فائرنگ کرتے ہُوئے فرار ہُوگئے مجھ پر غُنودگی طاری ہونے لگی تھی جب اپنے کپڑوں کو دیکھا تو وہ خُون سے تر بتر تھے محمود بھائی پر ایسا غصہ سوار تھا کہ اُنھوں نے بجائے میری جانب توجہ کرنے کے اپنی بائیک پر پھر ڈاکوؤں کا پیچھا کرنا شروع کردیا کافی دور جانے کی بعد اُنہیں اِحساس ہُوا کہ وہ مجھے زخمی حالت میں چُھوڑ آئے ہیں تو واپس پَلٹے لیکن تب تک اِسٹاف میں سے کوئی صاحب مجھے گاڑی میں ڈال کر سول ہسپتال کیلئے روانہ ہُو چُکے تھے۔

پولیس کاروائی کے بعد جب مجھ پر انکشاف ہُوا کہ جِسے میں اناڑی سمجھ رہا تھا وہ کمبخت تو پکا نشانہ باز نکلا میرے جِسم کو پھاڑتے ہُوئے تین گولیاں جِسم سے آر پار ہوچکی تھیں جبکہ ایک گولی ڈاکٹروں کے مُطابق ابھی جسم میں موجود ہو سکتی ہے کیونکہ اُنکو میرے جسم پر زخموں کے سات نشانات مِلے تھے جِن میں سے چار سوراخ اِنٹری کے اور تین ایگزٹ کے تھے وہاں موجود سرجن میں

ایک میرے دوست تھے جنھیں میں نے بتایا کہ مجھے مثانہ کی جگہ بُہت تکلیف محسوس ہو رہی ہے جب اُنھوں نے اس جگہ کا معائنہ کیا تو اعلان کیا کہ یہیں آٹھواں سوراخ ہے چوتھی گولی مثانے کو پھاڑتے ہوئے نکل چکی ہے جُوں جُوں دوست احباب کو اِس حادثے کا علم ہُوتا گیا لوگوں کا رش ہسپتال میں بڑھتا جا رہا تھا۔

ایکسرے، الٹرا ساؤنڈ اور دوسرے ٹیسٹوں کے بعد مجھے جب آپریشن تھیٹر لیجایا جا رہا تھا تبھی میں نے اَماں کو بد حواسی کے عالم میں اپنی جانب آتے دیکھا مجھے معلوم تھا کہ اَماں کو اُس وقت تسلی کی ضرورت تھی ورنہ وہ رُو رُو کر اپنا بُرا حال کر لیتیں لہٰذا میں نے خُود کو سنبھالا، جونہی اَماں میرے نزدیک آئیں اُنھوں نے آتے ہی میرے چہرے پہ اپنے ممتا بھرے بوسوں کی بارش کردی، پھر یکدم ڈاکٹروں کی جانب مُتوجہ ہُوتے ہوتے ہوئے گویا ہُوئیں ڈاکٹر صاحب کہاں گولیاں لگیں ہیں میرے اقبال کو اور اِس کی زندگی کو کوئی خطرہ تو نہیں ہے نہ ؟

اِس سے پہلے کہ ڈاکٹر میرے مُتعلق کچھ کہتا میں نے اِماں کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہُوئے بُولنا شروع کر دیا، امّاں کُچھ نہیں ہُوا ہے مجھے بالکل ٹھیک ہُوں اگر مجھے کُچھ ہُوا ہوتا تُو اِتنے آرام سے باتیں کیسے کرپاتا

مجھے گولیوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے وہ تو میرے بدن کو صرف چھوتی ہُوئی گُزری ہیں بس یُوں سمجھ لے چند خراشیں جسم پر پڑ گئی ہیں تیری دُعا میرے ساتھ ہے مجھے کیا ہُونا ہے۔

لیکن فیکٹری کے باہر جو اِتنا خون پڑا ہے لوگ بتا رہے تھے کہ وہ تیرے جسم سے بَہا ہے، اَماں غیر مطمئین لہجے میں استفسار کرنے لگیں؟ خُون تُو اماں ڈاکوؤں کا بھی بُہت بَہا تھا ہو سکتا ہے وہی خُون تُم نے دیکھ لیا ہُو اَماں میرے اِس جواب سے اگرچہ بالکل مطمئین نہ ہوئیں ہُوں مگر اُن کی تشویش میں میرے پُر اعتماد لہجے نے کچھ نہ کچھ کمی ضرور کَر دِی تھی۔

اس کے بعد مجھے اسٹریچر پہ ڈال کر آپریشن تھیٹر منتقل کر دیا گیا جہاں ایک ڈاکٹر نے بیہوشی کا انجکشن لگایا اور اُسکے بعد ڈاکٹرز میرے اُدھڑے ہوئے جسم پر اپنے جوہر دِکھانے میں مصروف ہُوگئے۔ مجھ پر اگرچہ غنودگی طاری تھی لیکن میں اُن ڈاکٹرز کی تمام گفتگو لفظ بہ لفظ سُن رہا تھا جب میرے دوست سرجن نے دوسرے سرجن سے یہ کہا کہ، سر جی باہر بُہت ہجوم جمع ہُوگیا ہے اور پیشنٹ کی حالت سیریس ہے اِسکا مثانہ بھی گولی سے پھٹ چُکا ہے اور خون بھی بُہت زیادہ بہہ چُکا ہے مریض کے بچنے کے چانسز بُہت کم ہیں اگر خدانخواستہ اِسے کچھ ہُوگیا تو اِتنے لوگوں کو کون سنبھالے گا میرا مشورہ ہے کہ اِسے

حیدرآباد یا کراچی کی جانب ریفر کردیں۔
مجھے اُس ڈاکٹر پر اُس وقت بُہت غصہ آ رہا تھا جو دوست ہونے کے باوجود اپنی ذمہ داری سے جان چُھڑا رہا تھا میں نہیں جانتا کہ وہ بیہوشی کی حالت تھی یا کومہ کی لیکن میں سب کی بات سُن سکتا تھا لیکن کہہ کچھ بھی نہ سکتا تھا دوسرا فلیش بیک جب ہُوا تو میں حیدرآباد کے اسپتال میں پُہنچ چُکا تھا جہاں چار ڈاکٹر مجھ پر جُھکے ہوئے آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ میں رات بمشکل جی پاؤں گا لیکن میں جانتا تھا کہ مجھے کُچھ نہیں ہُوگا لیکن اُس وقت میں کُچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا صبح جب میری آنکھ کھلی تو میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ مجھے واپس میرپور خاص بھیج دیں اُس نے کہا کہ تُمھاری پوزیشن ایسی ہرگز نہیں کہ تُمہیں سفر کرایا جائے لیکن میں بضد تھا کہ مجھے اُسی سرجن دوست کے پاس جانا ہے جو میری بے بسی کی حالت میں مجھ سے جان چُھڑا رہا تھا کافی پس و پیش کے بعد ڈاکٹر نے مجھ سے ایک کاغذ پر دستخط کروائے جس میں لکھا تھا کہ اگر یہاں سے جانے کے بعد میری موت واقع ہوجاتی ہے یا میری حالت بِگڑ جاتی ہے تو اسپتال انتظامیہ جوابداہ نہیں ہُوگی بلکہ میں خود اِسکا ذمہ دار ہونگا۔
بہرحال اسپتال سے جونہی ایمبولینس مجھے لیکر باہر نکلی تو ناہموار سڑک کے

جھٹکوں کی وجہ سے پیشاب کی نلکی میں خون آنا شروع ہُوگیا لیکن میں نے واپسی کی تمام تجویز رد کرتے ہُوئے میرپور خاص کی جانب سفر جاری رکھنے کی تلقین جاری رکھی اور باالآخر دو گھنٹے بعد میرپور خاص کے سِول اسپتال پُہنچ گیا میرا دوست ڈاکٹر اپنے طرز عمل پر شرمندہ تھا لیکن اُسکے کُفارے میں اُس نے بِلاشُبہ میری وہ خِدمت کی کہ جِسے میں زندگی بھر نہ بُھلا پاؤں گا۔

اِس حادثے میں میرے داہنے پاؤں کی ایک ہڈی بھی ٹوٹ گئی اور ایک گولی کولھے کی پلیٹ سے ٹکرا کر مثانے کو پھاڑ گئی ڈاکٹر نے بتایا کہ اکثر اِس مُقام پر گولی لگنے کے بعد گُردوں کی جانب مُوو کر جاتی ہے جس سے فوری موت واقع ہونے کا اندیشہ لاحق رہتا ہے۔ میں تقریباً 20 دن اسپتال میں داخل رہا دوست احباب اِس کثرت سے تیمارداری کیلئے تشریف لاتے کہ اسپتال کے بجائے دوستوں کی محفل کا سماں ہوتا ڈاکٹر صاحب نے میرا بیڈ ایک نسبتاً پرسکون گوشے میں لگوا دِیا تھا جس کے سبب دوسرے مریض بھی اِس آمدورفت سے مُتاثر نہ ہُوتے تھے۔

محترم قارئین ابتدائی دِنوں میں ڈاکٹر میری زندگی سے زیادہ پُرامید نہیں تھے لیکن مجھ پر کبھی کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا جب میں اپنی زندگی سے نا اُمید ہُوا ہُوں میرے ایک دوست نے جب اِس بات کا تذکرہ مجھ سے اسپتال

میں کیا اور کہنے لگے کہ اقبال بھائی جب ہم ابتدائی دِنوں میں کسی بھی ڈاکٹر سے آپکی صحت کی بابت دریافت کرتے تھے تُو وہ زیادہ پُر اُمید نہیں دِکھائی دیئے لیکن آپ ہمیشہ آنے والوں کو بڑی خُود اعتمادی سے یہی بتاتے تھے کہ آپ بُہت جلد صحتیاب ہوجائیں گے اور بالاآخر آپکی قوتِ اِرادی نے آپ کو پھر سے ایک صحت مند اِنسان بنا دِیا تب میں نے اپنے اُس رفیق کو بتایا کہ یہ کوئی قُوتِ اِرادی کی جیت نہیں تھی بلکہ اِس کے پیچھے ایک کہانی ہے جِس کی وجہ سے مجھے یقین تھا کہ ابھی میری زندگی کا (دی اینڈ) ہونے میں وقت باقی ہے۔

وہ اصرار کرنے لگے کہ ہمیں بھی وہ کہانی ضرور سُنائیں جِس کے سبب آپکو ایسا کامِل یقین تھا کہ ہم نے یقینی موت بھی زندگی میں بدلتی دیکھی ہے دوستوں کے بے حد اصرار پر میں نے یہ واقعہ اپنے دوستوں کو سُنانا شروع کیا۔ یہ تقریباً 10 برس پُرانی بات ہے ایک رات میں اپنے مُرشد کریم سیدنا سراج الدین وارثی دامتْ برکاتہم عالیہ کی خِدمت میں حاضر تھا میرے مُرشد کریم اکثر اپنا بچا ہُوا کھانا یا پانی مجھے عطا فرما دیتے جِسے کھانے کے بعد میں خُود میں کافی زیادہ روحانی قُوت محسوس کیا کرتا تھا اُس رات بابا صاحب بُہت خُوش دکھائی دے رہے تھے اچانک بابا صاحب انگھیٹی کے پاس پُہنچے جِس پر ایک چھوٹی سی گَڑوی میں بابا صاحب کیلئے دودھ گرم ہُورہا تھا بابا صاحب نے

انگھیٹی کی نیچے موجود راکھ کو ہٹایا تو اُس میں ایک دیسی مرغی کا انڈہ دَبا ہوا تھا بابا صاحب، اُس انڈے کو نکال کر اُس پر جمی راکھ کو ہٹا کر چھیلنے لگے میرے لئے یہ معاملہ انتہائی دِلچپسی کا حامِل تھا جِسے میں بصد شوق سے دیکھ رہا تھا بابا صاحب نے آدھے سا زیادہ انڈہ کھانے کے بعد مجھے قریب آنے کا اِشارہ کیا میں جونہی بابا صاحب کے نزدیک پُہنچا بابا صاحب نے مُسکراتے ہُوئے وہ انڈہ میری جانب بڑھادِیا میں نے بڑے احترام سے وہ انڈہ لیا اور کھا لیا اِسکا ذائقہ بالکل بوائل انڈے جیسا تھا لیکن جونہی وہ انڈہ میرے حلق سے نیچے اُترا مجھ پر غشی طاری ہُوگئی چاروں جانب ایسا محسوس ہونے لگا جیسے آسمان پر ہزاروں چاند نِکل آئے ہُوں اور اُن سے نور کی برسات ہورہی ہو میرے پیر بھائی گھبرا کے میرے نزدیک جمع ہوگئے تبھی بابا صاحب نے اِرشاد فرمایا کہ گھبراؤ مت ابھی ہوش میں آجائے گا پھر ایک جملہ اِرشاد فرمایا، شوق بہت زیادہ ہے مگر ابھی برداشت کا وقت نہیں آیا، یہ کہہ کر کُچھ دودھ گڑوی سے نکال کر میرے حلق میں ٹپکایا جیسے ہی دودھ کا ذائقہ زُبان پر محسوس ہُوا تمام روشنی غائب ہوگئی اور میں نارمل ہُوگیا اُسکے بعد کافی دِیر تک بابا صاحب میری جانب مُحبت بھری نِگاہُوں سے دیکھتے رہے۔ رات ایک بجے کے قریب بابا صاحب پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہونے لگی بابا صاحب نے میرا ہاتھ تھاما اور آستانہ مُبارک سے باہر نِکل آئے دوسرے پیر

بھائیوں نے ساتھ آنا چاہا تو اُنہیں ہاتھ کے اِشارے سے منع فرمادِیا اِسکے بعد بابا صاحب میرا ہاتھ تھامے سنسان شاہراہوں پر چلتے ہُوئے مجھ سے کہنے لگے اقبال جانتے ہُو اگلے برس تُمہاری شادی ہُوجائیگی بُہت اچھی شریکِ حیات ملے گی تُمہیں پہلے بیٹی آئے گی اور پھر بیٹا آئے گا لیکن یہ سفر چار سال سے زیادہ نہیں چلے گا، اُسکے بعد تُم مکہ اور مدینہ دیکھوگے ایک برس بعد تُمہارا دوسرا نکاح ہُوگا اور اِسطرح کم و بیش بیس برس تک آئندہ پیش آنے والے واقعات کو بیان فرماتے رہے پھر اچانک نہ جانے کیا ہُوا کہ بابا صاحب نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور فرمانے لگے بُہت رات بیت گئی ہے گھر جاؤ تُمہاری ماں پریشان ہُورہی ہے میں بابا صاحب کی باتوں میں ایسا کھویا ہُوا تھا کہ بھول ہی گیا تھا کہ میرا ایک گھر بھی ہے جہاں میری ماں میرا انتظار کررہی ہُوگی اُسکے بعد بابا صاحب ایک لمحہ بھی نہیں ٹھہرے اور واپس آستانے کی جانب چل دیئے اور میں اپنے گھر کی جانب چل دیا۔

دوستوں بابا صاحب نے جو کچھ اُس رات مجھے بتایا تھا خُدا کی قسم ایک بات بھی اُس کے خِلاف واقع نہیں ہوئی اسلیئے جب سارے لوگ میری زندگی سے مایوس ہورہے تھے تبھی مجھے یقین کامل تھا کہ جن آئندہ آنے والے واقعات کا بابا صاحب نے ذکر فرمایا ہے وہ بھی ضرور پیش آکر رہیں گے جِسکے لئے میرا زندہ رہنا شرطِ اولین ہے اِسی لئے میں سب سے کہہ رہا تھا کہ ابھی مجھے کُچھ نہیں

ہُوگا کیونکہ ایک اللہ کا ولی مجھے کم از کم 20 برس کی زندگی کی نوید سُنا چُکا ہے جس میں سے 10 برس گُزر چُکے ہیں اور 10 برس کے واقعات کو ابھی ظہور میں آنا باقی ہے اور اللہ کریم کبھی نہیں چاہے گا کہ اُسکا کوئی دوست دُنیا میں جھوٹا ثابت ہُو اور محترم قارئین آج اِس واقعہ کو 22 برس گُزر چُکے ہیں اور وہ تمام باتیں جو ایک مرد قلندر حضرت سیدنا سراج الدین وارثی دامتُ برکاتہم عالیہ جو میرے پِیر ومُرشد بھی ہیں نے میرے مُتعلق اِرشاد فرمائی تھیں لفظ بہ لفظ ،، حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئیں آجکل آپ دامتُ برکاتہم عالیہ اکثر حالتِ وجد کی کیفیت میں رِہتے ہیں آپکی پیدائش ہندوستان کے ضلع مانکپور میں 1860 میں ہوئی تھی اِسطرح آپ کی عمر مُبارک آج 2010 میں تقریباً 150 برس بنتی ہے اللہ کریم سے دُعا ہے کہ میرے مُرشد کریم کا سایہ مسلمانوں پر تادیر قائم رہے تاکہ لوگ اُن کے دریائے فیض سے مستفید ہُوتے رہیں۔

آمین بِجاہِ سید الرسلین وصلی اللہُ علیہ وسلم)۔)

تذکرہ اِک پری کی مُحبت کا (حصہ سُوئم)۔

عمران نمازِ عِشاء سے فراغت کے بعد رات کے کھانے میں شریک ہُوگیا اور جب کھانے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں پُہنچا تُو بجے سُو چُکے تھے عمران نے بستر پر دراز ہُوتے ہی بابا وقاص کی لکھی کتاب نکالی اور اُسے پڑھنا شروع کردیا پانچواں باب جناتوں کی انسانوں میں دلچسپی اور محبت سے مُتعلق تھا۔

چھٹا باب پریوں کی زندگی اُنکی ترجیحات اُنکی اقسام اُنکے رہن سہن اور اُنکی مشہور مُحبتوں کے افسانوں سے مُزیّن تھا جس میں اِنکے قبائل کا بھی تفصیلی احوال پیش کیا گیا تھا تو دوسری جانب اِنکی انسانوں میں دلچسپی کی وجوہات کا بھی تذکرہ موجود تھا یہ کس طرح زمین کی سیر کرتی ہیں اور کسطرح دُنیائے زمین پر اپنے پَروں کو مخفی کرلیتی ہیں یہ مریخ اور پرستان سے آتے ہُوئے کسطرح وہاں کے کونسے جواہر لا کر یہاں کسطرح جوہریوں کو فروخت کرکے اُسکے عوض خریداری کرتی ہیں۔

کیا یہ اپنے مُحافظین کیساتھ سیر و تفریح کرتی ہیں یا تنہا سفر کرتیں ہیں۔ کیا پریوں کی انسانوں سے شادیوں کی کوئی اِمثال بھی دریافت ہوئیں ہیں، اگر

انسان اور پریوں کے درمیان ازدواجی تعلقات قائم ہُوجائیں تو یہ بچّے اِنسان کہلائیں گے یا جنات؟

جبکہ ساتویں باب میں بابا وقاص کے اپنی زندگی کے تجربات درج کئے گئے تھے اس میں ایک واقعہ جو ایک پری اور بابا وقاص کے درمیان مکالمے کی صورت میں تھا عمران کے لئے نہایت دلچسپی کا باعث تھا اِس کِتاب میں قاری کے لئے ایسی دلچسپ معلومات تھیں کہ شائد کوئی بھی قاری اِسے ایک مرتبہ پڑھ کر آسودہ نہیں ہُوسکتا تھا، عمران کو یوں تو تمام کِتاب ہی اپنے سحر میں جکڑے رہی لیکن چھٹے باب کو عمران نے کئی بار پڑھا یہاں تک کہ اُسے نیند آ گئی۔

حسبِ معمول جب عمران بابا وقاص کے آستانے پر پُہنچا تو خادم حُسین عُرف (خادم میاں) نے اُسے بتایا کہ بابا وقاص شہر کسی کام کے سلسلے میں گئے ہُوئے ہیں اور چونکہ کل بابا وقاص کراچی جارہے ہیں اِس لئے اُنہوں نے خاص تاکید کی ہے کہ عمران سے کہنا کہ آج رات مُلاقات کیلئے ضرور آئے عمران نے کِتاب خادم حُسین کے حوالے کی اور اُسے خاص حِفاظت کی خاص تاکید کرتے ہُوئے اپنے آفس کیلئے روانہ ہُوگیا۔

عمران کا یہ پُورا دِن بھی بے چینی کی حالت میں گُزرا سارا دِن نظر گھڑی کا

طواف کرتی رہی اللہ اللہ کرتے۔بڑی مشکل سے شام ہُوئی تو عمران نماز مغرب پڑھ کر بابا وقاص کے آستانے کیلئے چل پڑا۔دِل میں عجیب عجیب سے خیالات تھے کہ بابا وقاص سے اب بھی نجانے مُلاقات ہُو بھی پائے گی یا اُسے دوبارہ خالی ہاتھ لوٹنا ہوگا۔آخر ایسی کونسی بات ہے جِسکے لئے بابا اِتنے لیت و لعل سے کام لے رہے ہیں اور آخر اِس کتاب کا مجھ سے یا میری زندگی سے کیا ربط ہے کیا رشتہ ہے؟ سوالات کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جو تسلسُل سے عمران کے دِماغ میں ہلچل بَپا کئے ہُوئے تھے۔

عمران جونہی وقاص بابا کے آستانے پر پُہنچا تو کُھلے دروازے سے بابا وقاص کو برآمدے میں بیٹھا دیکھ کر اُسکی سانس میں سانس سمائی بابا نے اندر آنے کا اِشارہ کیا تو عمران نے برآمدے میں پُہنچ کر بابا وقاص کی دست بُوسی کی اور بابا وقاص کے سامنے ادب سے زانوئے تِلمذ ہوگیا۔ بابا وقاص نے عمران سے کِتاب پر تبصرہ کی خُواہش کا اِظہار کیا۔ جواباً عمران نے بابا وقاص سے عرض کیا بابا میری تمام زندگی کی معلومات آپ کی قُومِ اَجِنّہ پر لکھی گئی اِس نایاب کِتاب کے پانچ صفحات کے برابر بھی نہیں ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسی کِتاب پڑھی تُو کُجا دیکھی بھی نہیں مجھے لگتا ہے کہ اِس کتاب کو ضرورِ بہاش ہونا چاہیے میری تو یہی خُواہش ہے کہ آپ اپنے فیصلے پر ایک مرتبہ ضرور نظرِثانی فرمائیں۔

اچھا تُم اِتنا اصرار کر رہے تو میں اس پر سوچوں گا لیکن عمران تُم نے میرے اِس سوال کا جواب نہیں دِیا کہ تُم اپنے خاندان والوں سے اِتنے مُختلف کیسے ہُو گئے؟ عمران کی خاموشی پر بابا وقاص نے عمران سے دوسرا سوال پوچھا اچھا یہ بتاؤ خُواب دیکھتے ہُو عمران نے بتایا کہ وہ اکثر ایک شہزادی کو اپنے خُوابوں میں دیکھتا ہے جو آتی ہے اور مجھے ہمیشہ ایک ایسی جھیل پر اپنے ساتھ لے جاتی ہے جو ایک سر بفلک پہاڑ پر واقع ہے جس پر برف کی تہہ جمی ہے یہ خُواب میں نے اپنی زندگی میں متعدد بار دیکھا ہے اور اب تو خُواب میں بھی مجھے ہندی فلم فارمولے کی طرح پہلے ہی سے معلوم ہُوتا ہے کہ آئندہ میرے ساتھ کیا ہُونے والا ہے!

تو کیا تُمہیں بھی واقعی ایسا ہی لگتا ہے کہ تُم ہمیشہ خُواب ہی دیکھتے ہُو؟ بابا وقاص نے اگلا سوال داغ دِیا۔

سُوتے میں جو دیکھا جائے اُسے سب خُواب ہی کہتے ہیں عمران نے جواب دیتے ہُوئے کہا، ایسا تُمہارا خیال ہے کیونکہ رات کو سُوتے ہُوئے تُم جِس بستر پر ہُوتے

ہُو صبح اُس ہی بستر پر آنکھ کھولتے ہُو، خیر چُھوڑو اِس بحث کو رات جو کِتاب میں نے تمہیں پڑھنے کیلیئے دی تھی اِسکا ایک خاص پس منظر تھا۔ عام طور پر جب لوگ جنات کا ذکر سُنتے ہیں تو خُوف زدہ ہُوجاتے ہیں حالانکہ جس قدر انسان جِنات سے خائف رہتے ہیں اُس سے کہیں زیادہ عام جِنات اِنسانوں سے ڈرتے ہیں لیکن جب اُنہیں معلوم ہُوجاتا ہے کہ یہ حضرت اِنسان خُود اِن سے خُوفزدہ ہیں تو بعض جِنات اِسکا لطف اُٹھانے لگتے ہیں اور اِنسانوں کے ذہنوں پر ایسے حاوی ہُوجاتے ہیں کہ پھر تمام عُمر اِسی خُوف کے سائے میں زندگی گُزار دیتے ہیں لیکن عمران یہ تمام مخلوق اِتنے خونخوار ہر گز نہیں ہُوتے جس قدر اِسکا چرچا کیا جاتا ہے اِنکے بھی اِحساسات ہُوتے ہیں یہ بھی مُحبت کرنا جانتے ہیں جبکہ اِنکی مُحبت کو سمجھا جائے اِنکے ساتھ مُحبت کیساتھ پیش آیا جائے اِنکی عزت نفس کا خیال کیا جائے ایک ذرا سی غلط فہمی دونوں فریقین کے درمیان دیوار حائل کئے رکھتی ہے۔ جبکہ میں چاہتا ہُوں کہ تُمہارے من سے اس خوف کو نِکال سکوں اور میری اِس آرزو میں کسی کی التجا بھی شامل ہے، کیا تمہیں یاد ہے وہ پہلا دِن جب تُم پہلی مرتبہ میرے گھر آئے تھے اُس دِن ایک لڑکی بھی تمہارے آنے کے بعد میرے پاس آئی تھی۔

عمران بھلا کِس طرح اُس نازنین کو بھول سکتا تھا کہ جِس کے بدن کی خوشبو آج بھی عمران کے مسام دِماغ کو معطر کئے ہُوئے تھی، عمران نے نظریں جھکاتے

ہُوئے عرض کیا حضور کوئی خاتون آئیں ضرور تھیں لیکن میں اُنہیں دیکھ نہیں پایا تھا میری حیا مانع رہی جسکی وجہ سے میں اُسے دیکھ نہیں پایا اور اُنکی رویت سے محروم رہ گیا۔

عمران کی بات خَتم ہُوتے ہی بابا وقاص نے زور دار قہقہہ لگاتے ہُوئے کہا، یہ بھی خُوب کہی کہ دیدار سے محروم رِہ گئے ساری زندگی جسکے ساتھ سپنوں میں سیر کرتے رہے اور جب وہ حقیقت بن کر سامنے آئی تو دیکھنے سے محروم رِہ گئے بھئی بُہت خُوب لطیفہ سُنایا عمران میاں آپ نے مُجھے، عمران ہَونقُوں کی طرح بابا وقاص کو دیکھ رہا تھا اور بابا وقاص کی بات کو سمجھنے کی کوشش کررہا تھا۔ تو کیا یہ وہی لڑکی تھی جو میرے خوابوں میں شہزادی بن کر آتی رہی ہے عمران نے بابا وقاص سے سوال کیا؟

ہاں وہ وہی تھی جو پندرہ برس کی عُمر سے تُمہارے خوابوں میں آتی ہے بابا وقاص نے جواب دیتے ہُوئے کہا۔ لیکن تُم اب بھی نہیں جانتے کہ وہ کون ہے ایک زمانہ اُسکا دیوانہ ہے۔بڑے بڑے عامِل اُسکو پانے کی خُواہش اپنے دِل میں لئے اُسکی ایک جھلک پانے کیلئے دیوانے ہُورہے ہیں اور اِک تُم ہو جو اُسکی مُحبت سے بے خبر ہُو وَہی تو ہے جو تُمہارے اندر ایک آتش جلائے رکھتی آئی ہے جو تُمہارے بَچپن کی اِک ادا پر اپنا دِل ہارے تُم پہ فِدا ہے اُسی نے

مجھ سے درخواست کی تھی کی میں تُمھارے درمیان رابطہ کی کڑی بنُوں اور وہی تھی جو تُمھیں تُمھاری مرضی کیخلاف میرے گھرتک لائی تھی جس نے تُمھارے لئے اپنے خاندان سے بغاوت کی ہے جو ہزاروں پابندیوں اور پہروں کو تُمھاری چاہ میں کسی خاطر میں نہیں لاتی۔

لیکن آخر وہ ہے کُون؟ مجھے کیوں چاہتی ہے میرے سامنے کیوں نہیں آتی؟ اور اُس پر کس نے پہرے لگائے ہیں اور آخر کیوں لگائے ہیں؟ عمران نے ایک ہی سانس میں کئی سوالات کر ڈالے۔

بابا وقاص چند لمحے خاموش رہے گویا عمران کی بے چینی اُسکے تجسس سے لُطف اندوز ہُورہے ہُوں جب عمران کا ضبط ٹوٹنے لگا تو بابا وقاص گویا ہُوئے بیٹا اُس پر پہرے اُسکے والدین نے لگائے ہیں، رہا یہ سوال کہ وہ تُمھیں کیوں چاہتی ہے تو بیٹا مُحبت ایسا لطیف جذبہ ہے کب کس کے دِل میں گھر بنالے خبر نہیں ہُوتی اور جب یہ جذبہ قلب میں اپنی ماہیت کو پالیتا ہے تو دُنیا کی کوئی طاقت اِس کی بہار کو خزاں میں تبدیل نہیں کر سکتی دُنیا کو کوئی ظلم اِسکو پھلنے پھُولنے سے نہیں روک سکتا۔

اور بیٹا وہ کوئی عام لڑکی نہیں ہے نا ہی کوئی عام سی شہزادی ہے نا ہی

تُمھارے وطن سے تعلق رکھتی ہے بلکہ وہ اِک پری ہے جو قبیلہ ایمن کے ایک معزز سردار کی لختِ جگر ہے، نُور نظر ہے جس کا حُسن بیمثال ہے جِسکا خاندان ذیشان ہے جِسکا قبیلہ ممتاز ہے۔

(جاری ہے)

مُحترم قارئین میری کوشش ہوگی کہ یہ سچی کہانی رمضان المبارک کی آمد سے قبل ختم ہُوجائے جسکی وجہ سے میں نے اِس کہانی میں کافی اِختصار سے کام لیا ہے اگر رمضان المبارک سے قبل اِس کے اِختتام میں ناکام رہا تواِس کا بقیہ حصہ عید کے بعد پیش کروں گا تاکہ رمضانُ المبارک میں آپ یکسوئی کیساتھ عبادت کی سعادت حاصل کرسکیں۔

فیضانِ اِسمِ اَعظم (۹)۔

محترم قارئین السلامُ علیکم

حدیث پاک میں آیا کہ اِسمِ اَعظم قران مجید کی اِن دو آیتوں میں موجود ہے

اول ۔ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۔ سورہ البقرہ آیت نمبر163۔۔۔

دوئم ۔ الٓمّٓ (۱) اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ (۲) سورہ العمران آیت نمبر1 تا 2

(اَحْسَنُ الْوِعَاءِ لِاَدَابِ الدُّعاءِ)

حضرت ثابت بنانی (رحمتہ اللہِ علیہ) کافرمانِ مُبارک ہے، مجھے معلوم ہے کہ میرا رَبّ عزوجل کب مجھے یاد کرتا ہے، سُننے والے لوگوں کو بُہت حیرت ہوئی کہ بھلا کسطرح حضرت ثابت بنانی (رحمتہ اللہِ علیہ) کو معلوم ہوجاتا ہوگا کہ اللہ کریم اِس گھڑی اُنہیں یاد فرمارہا ہے کِسی نے استعجاب کے عالم میں اِستفسار کیا یا سیدی یہ بات کیسے ممکن ہے کہ کب اللہ کریم اپنے کِس بندے

کو یاد فرمارہا ہے۔ بندے کو خبر ہُوجائے اور وہ بندہ اِس بات کو جان جائے کہ اِس گھڑی میرا ارَبّ عزوجل مجھے یاد فرمارہا ہے۔ آپ ہِی ارشاد فرمادیں کہ آپ کے پاس آخر کیا دلیل ہے تاکہ ہماری حیرانگی خَتم ہُو۔

حضرت ثابت بنانی (رحمتہ اللہِ علیہ) نے اِرشاد فرمایا، کیا تُم نے قُرآن میں نہیں پڑھا کہ اللہ عزوجل اپنے پاک کلام قُرآنِ مجید فُرقانِ حمید میں اِرشاد فرماتا ہے،، (فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ) ترجمہ تم میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اِس آیت مُبارکہ کی تفسیر میں اِرشاد فرمایا: اللہ تعالٰی فرماتا ہے تم اطاعت بجالا کر مجھے یاد کرو میں تمہیں اپنی امداد کے ساتھ یاد کروں گا صحیٰن کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ اگر بندہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو ایسے ہی یاد فرماتا ہوں اور اگر وہ مجھے جماعت مِں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ قرآن و حدیث میں ذکر کے بہت فضائل وارد ہیں اور یہ ہر طرح کے ذکر کو شامل ہیں ذکر بالجہر کو بھی اور بالاخفاء کو بھی۔

سُبحان اللہ مُحترم قارئین ! کیا انداز تھا اللہ کے مُقرب بندوں کا بات کو

سمجھانے کا پہلے خُود ہی سوال پیدا فرمایا اور پھر قرآنِ مجید کی دلیل سے ایسے خُوبصورت انداز سے سمجھائی کہ کوئی اِبہام ہی نہ رہے اور کم علم اِنسان بھی سمجھ لے اور پھر کون ایسا بدنصیب ہُوگا کہ نہ چاہے کہ اُسکا ذکر بادشاہوں کے بادشاہ کے دربار میں نہ ہُو ہر اِنسان کے من میں کم یا زیادہ یہ خُواہش کہیں نہ کہیں ضرور انگڑائی لیتی رہتی ہے کہ اُسے بھی جانا جائے پہچانا جائے اُسکا تذکرہ اچھے الفاظ سے اور اچھے انداز سے کیا جائے۔ اور جب ہمیں معلوم ہے کہ جب ہم اللہ عزوجل کا ذکر کرتے ہیں تو وہ مالکُ الملک ہمارا ذکر کرتا ہے توکسقدر بدنصیب ہے وہ جو اللہَ عزوجل کے ذکر سے محروم رہے۔

اگر ہم سورہ البقرہ کی صرف اِسی ایک آیت پر غور کرلیں تُو شیطان لعین کی تمام تلبیس اُسی پر اُلٹ جائے جو وہ ذکر سے متعلق ہَمارے دِلوں میں وساوس کی صورت میں پیدا کرتا ہے چونکہ شیطانِ لعین ہمارا ازلی دُشمن ہے وہ اپنی سی پوری کوشش کرتا ہے کہ بنی آدم اللہ کے ذکر سے مَحروم رہے کہ جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو آہستہ آہستہ وہ اللہ کریم کی معرفت حاصل کرتا چلا جاتا ہے اُسکا قلب اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے لئے نرم ہُوجاتا ہے۔گُناہوں سے دِل میں بیزاری پیدا ہُوجاتی ہے جبکہ نیکی اور بھلائی کی جانب دِل مائل ہُوتا چلا جاتا ہے جِس کے سبب وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی خیر اور

بھلائی کا خُواستگار ہُوجاتا ہے اور وہ ایسے کاموں میں مشغول رہتا ہے جس سے وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی تکالیف کو کم کرنے کی کوشش میں مصروف ہوجاتا ہے یا ایسے کاموں کو پسند کرنے لگتا ہے کہ جس کے سبب وہ مسلمانوں کیلئے آسانی کا خواہاں ہوتا ہے۔

محترم قارئین یہی وہ مقصودِ گوہر ہے جو اللہ کریم کو بے حد پسند ہے علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے اکثر اشعار قُرآن و حدیث کی بہترین تشریح لئے ہوتے ہیں چُنانچہ وہ اِسی گوھر مقصود کی جانب اِشارہ کرتے ہُوئے فرماتے ہیں۔

خُدا کے بَندے ہیں ہَزاروں بَنوُں میں پَھرتے ہیں مارے مارے
میں اُسکا بندہ بَنوں گا جِسکو خُدا کے (بَندوں) سے پیار ہُوگا

جبکہ شیطانِ لعین یہ چاہتا ہے کہ کِسی نہ کِسی طرح بنی آدم کو اللہ کریم کے ذکر سے محروم رَکھے تاکہ وہ اِس گوھر مقصود کو نا پاسکے جو کہ مومن کی معراج ہے۔چُنانچہ جب شیطان اپنی تلبیس کے ذریعے کسی انسان کو اللہ کے ذِکر سے باز رکھنے میں کامیاب ہُوجاتا ہے تو تو وہ حقیقت میں اُس اِنسان کو خیر اور بھلائی کی تمام راہوں سے دور کردیتا ہے جِسکی وجہ سے اِنسان کے قلبِ سلیم میں سختی درآتی ہے اُسکے دِل میں اپنے مسلمان بھائیوں کی فلاح کی

کوئی تجویز بیدار نہیں ہُوتی اُسے تمام مسلمان خُود سے کمتر اور حقیر نظر آتے ہیں اور اِسطرح شیطان اُسکے دِل میں نِفاق کا بیج بُو دیتا ہے اور دھیرے دھیرے اِس رذیل پودے کی آبیاری کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ نِفاق اور تکبر کا پُودا ایک تناور دَرخت کی شکل اِختیار کرلیتا ہے۔

محترم قارئین کرام نِفاق کی ایک پہچان اللہ کریم نے قُرآنِ مجید کی سورہ النِساء میں اِس طرح اِرشاد فرمائی ہے۔

ترجمہ، بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کرکے مارے گا اور جب نماز کو کھڑے ہوں تو ہارے جی سے لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا

سورہ النساء آیت نمبر 142)۔)

محترم قارئین کرام جب مُنافقین خُود ذکر سے محروم رہ جاتے ہیں تب وہ یہی چاہتے ہیں کہ دوسرے مسلمان بھی اِس عظیم دولت سے محروم ہی رہیں مگر جنہیں اللہ کریم چاہتا ہے چُن لیتا ہے کہ وہ اپنے مالک کا ذکر صبح وشام کریں بلکہ کوئی گھڑی ایسی نہ ہُو جس میں وہ اللہ کریم کے ذکر سے غافل رہیں جِن گھروں میں اللہ کریم کا ذکر ہُوتا ہے وہ گھر بھی چمک جاتے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ

جس قلب میں اللہ کریم کی یاد ہُو وہ زنگ آلود رہے اور اللہ کریم کے ذکر کی بدولت نہ چمکے۔

حضرتِ ابوہُریرہ رضی اللہُ تعالیٰ عَنہُ اِرشاد فرماتے ہیں جسکا مفہوم ہے، آسمان والے اہل زمین کے لوگوں کے اُن گھروں کو سِتاروں کی طرح چمکدار دیکھتے ہیں کہ جن گھروں میں اللہ عزوجل کا ذکر کیا جاتا ہے۔

جبکہ اللہ کریم نے اُن لوگوں کو وعید سُنائی ہے جو لوگوں کو اللہ کریم کے ذکر سے حیلے بہانوں سے روکتے ہیں چُنانچہ اِرشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

ترجمہ کنزالایمان، اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نامِ خدا لئے جانے سے

سورہ البقرہ آیت نمبر 114)۔)

بعض لوگوں کے دِلوں میں یہ وسوسہ پیدا ہُوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہُ علیہ وسلم نے کسی اِسم اِلٰہی کیلئے وضاحت سے اِسم اعظم کا صیغہ استعمال نہیں کیا۔ اُنکی خدمت میں عرض ہے کہ بے شک کُھل کر تائید نہ کرنے کی بیشُمار حکمتیں ہُونگی۔ اِس میں کوئی شک نہیں لیکن اِسم اعظم کو چھپایا بھی نہیں کہ

نبی کریم رؤف الرحیم (صلی اللہُ علیہ وسلم) کی اپنی اُمت سے مُحبت ہی ایسی تھی کہ اِشارۃً بتاتے رہے اِس آیت میں اِسم اعظم ہے اب آپ بتایئے اسم اعظم چُھپا کہاں رہا۔

چلیں میں ایک مِثال سے آپکو سمجھانے کی کوشش کرتا ہُوں۔

اگر کوئی والد اپنے بیٹے کو ایک کپ میں کُچھ گندم ڈال کر کہے کہ بیٹا اِس کپ میں بظاہر گندم نظر آ رہی ہے لیکن اِس میں تُمھاری پسندیدہ ٹافی بھی ہے تُو اَب کون کہے گا کہ والد نے ٹافی چُھپا لی اور پتہ نہیں بتایا زیادہ سے زیادہ یہی کہیں گے کہ والد صاحب نے ٹافی تُو دی لیکن دِی چُھپا کر تاکہ جِسے ملنی ہے صرف اُسے ہی ملے دوسروں کی اُس پر نظر نہ پڑے۔ امید ہے اِس مثال سے بات سمجھ آ گئی ہو گی۔

آپ اپنے لئے اور اپنوں کیلیئے اسمائے اِلٰہی کمنٹس باکس میں اپنا یا اپنے پیاروں کا نام لکھ کر حاصل کر سکتے ہیں جس کے جوابات انشاءاللہ عزوجل میں یا مُحترم اِحسان الحق کھوکر صاحب آپ کو جسقدر جلد ممکن ہوا، دینے کی کوشش کریں گے جبکہ کسی بھی قسم کی روحانی امداد جو آپکو بالکل مفت دی جاتی ہے کیلیئے آپ اپنا مسئلہ مجھے ہماری ویب مائی پیج کے ایڈریس پر بھیج سکتے ہیں

جس کے ذریعے آپ چاہیں تو مجھ سے ٹیلیفون پر بھی اپنا مسئلہ بیان کر سکتے ہیں الحمدُ للہِ عزوجل ہماری ویب کے اِس تعاون کی وجہ سے ہزاروں پریشان حال لوگ مستفید ہُو چُکے ہیں اور اِنشاءَ اللہ عزوجل آئیندہ بھی ہُوتے رہیں گے۔

اللہ کریم سے دُعا ہے کہ تمام مسلمانوں کی دُنیاوی تکالیف کو وہ اپنے کرم سے اپنے مدنی محبوب کے طُفیل آسانی اور راحت میں تبدیل فرما دے اور اُنہیں آخرت میں، قبر میں، حشر میں، نزع میں، آسانی اور کامیابی عطا فرمائے (آمین بِجاہِ سیدُ المرسلین وصلی اللہُ تعالیٰ علیہ وَآلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وبارک وسلم)۔

یہ ہتسنی میری ہے

مُحترم قارئین السلامُ علیکم
اگر پردیس میں کوئی اپنا مِل جائے تُو کیا خُوشی حاصل ہُوتی ہے یہ کسی پردیس میں بیٹھے دیسی سے پُوچھیے وہ نہ صرف آپ کا مدعا جان کر آپکی راہ میں دُل و جان سے فَرشِ راہ ہُوجائے گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ اگر اُس مُلک کے مُعاشی حالات پاکستان سے مُختلف ہُوں تُو ایک آدھ وقت کی میزبانی کیلئے بھی آفر کردے۔
میرا واسطہ جب پردیس میں ایک ایسے ہی دیسی پردیسی سے ہُوا تُو مجھ پہ ایک انکشاف یہ بھی ہُوا کہ ایسے دیسی پردیسی بعض اوقات.بڑی کھری کھری اور سچی باتیں بھی اُگلنے لگتے ہیں جنھیں سُن کر ایسا محسوس ہُوتا ہے کہ جیسے کسی پہاڑ میں آتش فشاں پھٹنے کیلئے بیقرار رہتا ہے اور جیسے ہی مُناسب موقع مُیسر آتا ہے تو اپنا تمام لاوا دوسروں پر اُگل دیتا ہے۔
میں نے جب ایک ایسے ہی پردیسی سفید ریش بابا جی سے گُفتگو کی تو بابا جی زمانے کی رفتار اور نوجوانوں کی بے راہ روی کا رونا رُونے لگے اُنہیں نوجوانوں سے یہ بھی شکایت تھی کہ آج کے نوجوان اپنے بڑوں کا ادب نہیں کرتے

میں چونکہ مُسافر تھا لہٰذا اُنکی تمام باتیں تحمل سے سُنتا رہا لیکن جب میں نے یہ محسوس کرلیا کہ باباجی کا کوٹہ چند منٹوں میں ختم ہونے والا نہیں بلکہ اِس کیلئے ایک عُمر کیساتھ بھینسے کا سا جگر اور گُردہ بھی درکار ہے تو مجھے محسوس ہُوا کہ میرا بیمار جِگر اور پتھری زدہ گُردہ ہرگز اِس کا متحمل نہیں ہُوسکتا تو میں نے فقط اِتنا ہی کہا کہ باباجی یہ فصل تُو آپ ہی لوگوں کی لگائی ہُوئی ہے بھلا ببُول کا بیج بھی کبھی خُوشہِ گندم پیدا کیا کرتا ہے۔

بس جناب یہ وہ عظیم غلطی تھی جِسے کرنے کے بعد ہم بُہت پچھتائے کیونکہ ہمارا یہ جھوٹ نُما سچ سُن کر وہ صاحب ایسے بدکے کہ ظہرانہ کی وہ دعوت جو اُنہوں نے ابھی کچھ ہی دیر پہلے ہمیں بڑے اِخلاق یا اِخلاص جیسی چیز کیساتھ دِی تھی نہ صرف واپس لے لی بلکہ ہمیں وہ صلواتیں بھی سُنائیں کہ جِس کی نہ ہمیں کبھی اُمید تھی اور نہ ہی آرزو تھی۔

مگر صاحبو! وہ جو کہتے ہیں نا کہ تقدیر سے زیادہ اور وقت سے پہلے نہ کسی کو مِلا ہے نہ مِلے گا تو اِس بات کا مُشاہدہ ہمیں اُس دِن ہُوا اور ہم نے خُود سے عہد کیا کہ آئندہ ایسا جھوٹ نُما سچ ایسے وقت میں ہرگز نہ بُولیں گے کہ جب ہمیں زوروں کی بھوک لگی ہُو اِسکے ساتھ ساتھ باباجی سے یہ بات

بھی یکھنے کوہلی کہ موقع دیکھ کر بات کرنی چاہیے اور اگر آپ پردیس میں ہُوں اور آپکو بے اختیار بُولنے کی بیماری بھی ہُو تو پہلے پیٹ بھر کر کھانا ضرور کھالیں تاکہ بعد میں ڈانٹ اور پھٹکار کھانے کی گُنجائش ہی باقی نہ رہے۔

ویسے آج پتہ نہیں کیوں کچھ بھی قابو میں نہیں اب یہی دیکھ لیجئے کہ جو بات کہنے کے لئے ہم نے قلم سنبھالا تھامجال ہے جو قلم اُس راہ پر چلنے کو تیار ہُو ہماری خواہش تھی کہ آج آپکو مُربّہ بنانے کی ترکیب سکھائیں لیکن قیاس یہ کہتا ہے کے شائدمُربّہ تو نہیں البتہ اچار بنانا آپ ضرور یکھ جائیں گے ویسے ایک بات ہے مُربّہ ہو یا اچار دونوں ہی خواتین کو بے حد پسند ہیں سُو یہ تو طے ہے کی آپ یہاں سے بیگمات کو بنانا ضرور یکھ کر جائیں گے۔

بیگمات کے ذکر سے یاد آیا کہ کسی دانا کا قول ہے کہ بیگمات کے سامنے ہمیشہ جوابات بُہت سوچ سمجھ کر دینے چاہئیں ورنہ لینے کے دینے بھی پڑ سکتے ہیں اور کبھی بھی دوستوں کے درمیان یہ سُوچ کر کہ وقت آنے پر بیگم لاج رکھ لیں گی، گھریلو بہادری کے قصے اور ڈینگیں مارنے سے پرہیز کرنا شادی شُدہ افراد کی صحت کے لئے بے حد مُفید ہے ورنہ تمام عُمر دوستوں کے سامنے جھوٹ تو کُجا سچ بُولنے کے بھی قابل نہیں رہیں گے۔

بات ہُو رہی تھی بڑوں کی اور پہنچ گئی مُربہ جات اور اچار تک آیئے آپکی بُوریت دور کرنے کیلیئے آپکو ایک چٹکلہ نُما کہاوت سُناتا ہُوں جو کہ ایک بابا جی ہی کی زُبانی سُنی تھی اِن دُونوں باباؤں میں فرق صرف اِتنا تھا کہ ایک کو نوجوانوں سے گلہ تھا تو دوسرے کو باباؤں ہی سے شکایت تھی۔

ایک ہنس کو اپنی پُرسکون زندگی ایک لمحہ نہیں بھاتی تھی جب اُس نے اپنے ایک بندر دوست سے یہ ماجرا بیان کیا تو دانشمند بندر نے اُسے فی سبیل اللہ ایک صلاح دِی کہ یار ہنس تو شادی کیوں نہیں کرلیتا، بھائی شادی کرنے سے سکون خود بھاگ جائے گا اور تُمہاری زندگی میں ایڈوانچر ہی ایڈوانچر آجائے گا،ہنس نے بندر کی یہ صلاح سُن کر اُسے گلے لگا لیا اور دُعا دینے لگا کہ کاش انسانوں کو بھی تُمہارے جیسے دوست مُیسر آجائیں، تب بندر نے اُسکے علم میں اضافہ کرتے ہوئے خوشخبری سُنائی کہ تُمہاری یہ دُعا ایڈوانس میں قبول ہُوچکی ہے اور انسانوں کے پاس یک نہ شُد دو شُد بلکہ نجانے کتنے شُدھ ایسے بندر نُما دوست موجود ہیں جو اُنہیں اپنے قیمتی مشوروں سے میری طرح بالکل مُفت مُستفید کرتے رہتے ہیں۔

سُو بندر کے مشورے پر ہنس صاحب اپنا گھر پھنسانے کیلیئے ایک ہنسنی کی تلاش

میں روانہ ہُوگئے اِتفاق سے چند جنگل دور ہی اُنہیں اپنی مطلوبہ کوالٹی کی ہنسی صاحبہ دریافت ہُوگئیں نکاح سے فارغ ہُونے کے بعد وڈیو وغیرہ کی فارملیٹی میں رات زیادہ ہُوگئی اور ہنسنی صاحبہ وداع ہُوکر دوسرے جنگل تک ہی پُہنچی ہُونگی کہ دِن بھر کی رسومات کی وجہ سے تھک گئیں جب مزید پرواز کی ہمت نہ رہی تو دولہا ہنس کو حُکم دِیا کہ مزید سفر کو ملتوی کرتے ہُوئے یہیں رات بسر کی جائے ہنس بھی خُوش تھا کہ چلو کوئی تُو آیا جو مجھ پر بھی آرڈر چلا رہا ہے اور ہنس صاحب نے دُنیا کے پچانوے فیصد تابعدار شوہروں کی طرح سَر تسلیم خم کردیا۔

جس درخت پہ ہنس اور ہنسی محوئے اسراحت تھے اُسکی ایک شاخ پر ایک عدد مُحترم اُلو صاحب بھی براجمان تھے اُلو نے حسب عادت رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھاتے ہُوئے اپنی سُریلی آواز میں اپنی موجودگی کا احساس دِلایا ہنسنی صاحبہ کیلئے یہ آواز انوکھی تھی کہ اُس کا واسطہ کبھی اِس قبیل کی صدائے رندانہ سے نہ پڑا تھا، اُس نے حیرت سے اپنے دولہا سے پُوچھا ہنس رے ہنس یہ کُون بُولا، ہنس صاحب بیگم صاحبہ کی معیت میں ایسے مدہوش تھے کہ وہی غلطی کرگئے جو ہَم سے پردیس میں سرزد ہُوئی تھی بے سوچے سمجھے کہہ گئے بیگم صاحبہ کِس کا پوچھ رہی ہیں یہ حضرت جہاں بولتے ہیں وہ جگہ ہی اُجڑ جاتی ہے محترم اُلو صاحب جو کہ جعلی ڈگری یافتہ ہی صحیح مگر بڑے رسوخ کے

حامل تھے ہنس میاں کے اِس جھوٹ نُما سچ کی تاب نہ لاتے ہُوئے وہاں سے کوچ کر گئے اور سَر پنچوں کا دروازہ جا کھٹکایا تمام پنچ مُحترم اُلو صاحب کے ایماء پر شُوری گاہ میں پُہنچ گئے اب اُلو مہاراج نے پہلے تو اُن پر اپنی تعلیمی قابلیت کا سکہ جمایا اور اُس کے بعد کہنے لگا کہ جیسا کہ آپ تمام حضرات میرا رُسوخ بھی جانتے ہُو اور میری دیدہ وَری کے قصے بھی چہار دانگ میں مشہور ہیں میں بس آپ حضرات سے اِتنا فیور چاہتا ہُوں کہ آپکو بس اِتنا ثابت کرنا ہے کہ کل میں جِس ہنسنی کے ساتھ آپکی شوریٰ میں آؤں تو آپ سب ہنسنی کو میری بیوی ثابت کردیں اِسکے عوض میں آپکے بچوں کو بھی اعلیٰ اسناد اور یونیورسٹیوں میں فری داخلے دِلوادونگا اور ڈالروں سے آپ کے مُنہ بھر دونگا۔

تمام شُوریٰ کے ارکان کی رضامندی کے بعد اُلو صاحب اپنے چارٹرڈ طیارے کے ذریعے دوبارہ جنگل پُہنچے اور اُسی شاخ پر وِشرام کرنے لگے صبح جب مخمور ہنس اور ہنسنی صاحبہ سفر کے قصد سے اپنے پَر تُولنے لگے تبھی اُلو صاحب درمیان میں کِسی فِلمی وِلن کی طرح آدھمکے اور ہنسنی صاحبہ کی ملکیت کا دعویٰ پیش کرڈالا پہلے تو ہنس کو لگا کہ اُلو صاحب مذاق فرما رہے ہیں لیکن جب اُلو کا اصرار دھمکی آمیز ہُونے لگا تو ہنس صاحب کا تمام نشہ چُور ہُوگیا۔بڑی عاجزی سے عرض کرنے لگا جناب کہیں ایسا بھی ہُوا ہے کہ کِسی

اونچی ذات کے اُلو نے کسی ہنسنی جیسی بے نام چیز کو اپنے عُقد میں لیا ہو۔ لیکن اُلو کی ایک ہی رَٹ تھی کہ یہ نوخیز ہنسنی میری منکوحہ ہے اگر چاہو تو فیصلہ پنچوں کے پاس لے چلو ناچار ہَنس کو اُلو کی یہ انہونی بات ماننی پڑی اور یہ تینوں پنچوں کے پاس اپنا مقدمہ لے پُہنچے۔

پَنچوں نے جب اُلو کو آتے دیکھا تُو احتراماً کھڑے ہُو گئے جب مُقدمہ پیش کیا گیا تو سَرپنچ بُولا، اے ہَنس کیسی عجیب بات کرتا ہے کہ اُلو کی ہَنسنی بیگم کو اپنا کہتا ہے حالانکہ جب اِن دونوں کا نکاح ہُوا تھا میں بھی اُس محفل میں موجود تھا۔ تبھی سَرپنچ کا نائب آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ اِس شادی میں مجھے گواہ رکھا گیا تھا اور میں نے نکاح نامے پر اپنے دستخط بھی کیئے تھے پھر کیا تھا ہر ایک پنچ بڑھنے لگا اور اُلو اور ہنسنی کی شادی کی شہادتیں دینے لگا، کسی نے اِس شادی کا ولیمہ کھایا تھا تُو کسی نے اِس شادی میں باجا بجایا تھا جب سارے پنچ اپنی اپنی گواہی اُلو کے حق میں پیش کر چُکے تو ہَنس کے پاس اِس کے سِوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اپنا دعویٰ واپس لے کر چلتا بنے سُو ہَنس بیچارے نے کہا کہ اِتنے معزز ارکان جھوٹ نہیں بُول سکتے مجھ ہی کو کوئی دھوکہ ہُوا کہ ہنسنی کو اپنی بیگم سمجھ بیٹھا لگتا ہے کہ میری زندگی میں کوئی ہنگامہ نام کی شے ہی نہیں لکھی سُو مجھے مُعاف فرمادیں یہ کہہ کر ہَنس اپنی منزل کو اکیلا ہی چل دیا۔

اَبھی ہَنس چند گام ہی اُڑا ہُوگا کہ اُلو نے اُسے راستے میں جا لیا اور ہَنس سے کہنے لگا، اے ہَنس ذرا رُک اور مجھے میرے ایک سوال کا جواب دے کر اپنی ہنسنی کو ساتھ لیتا جا کہ یہ ہَنسنی جو واقعی تیری ہے اور میرے کسی کام کی نہیں ہے۔ اور سوال بڑا آسان ہے مجھے صِرف یہ بتا جا کہ میرے بولنے سے گھر اُجڑتے ہیں یا پنچوں کے بولنے سے ؟

مُحترم قارئین ایک شعر پڑھا تھا جو شعر سے زیادہ کسی کی شرارت محسوس ہُوتا ہے۔

ہر شاخ پہ اُلو بیٹھا ہے انجامِ گُلستاں کیا ہوگا۔

مجھے لگتا ہے یہ شعر کسی نے شرارتاً ہمارے پارلیمنٹ کے معزز ارکان کو دیکھ کر لکھا ہے جب کہ دیکھا جائے تُو یہی پارلیمنٹ ممبران اور وزراء ہیں جو دِن رات الیکشن میں ہماری خاطر دربدر ہوتے ہیں اب یہ بھی کوئی تُک ہے کہ پارلیمنٹ میں جانے کیلئے گریجویٹ ہونے کی شرط رکھ دِی گئی جس کی وجہ سے ہمارے محترم اور مکرم ممبران کو لاکھوں روپے اپنی جیب سے اضافی خرچ کرکے جعلی ڈگری حاصل کرنی پڑتی ہے اور یہ سارا خرچہ صرف اور صرف ہماری وجہ سے

اور ہماری مُحبت میں کیا جاتا ہے اب یہی دیکھ لیجئے کہ سیلاب کا بہانہ بنا کر ہمارے صدر محترم کو سیر و تفریح سے روکا جارہا ہے کہ یہاں ہزاروں مر رہے ہیں اور آپکو سیر سپاٹے کی اور اپنی اور اپنے صاحبزادے کی تقریر کی فِکر کھائے جارہی ہے اَب ایسی افواہیں پھیلانے والوں کو کوئی سمجھائے کہ بھائی ایسے موقع روز روز تھوڑا نہ آتے ہیں ہمارے صدر مملکت ہمارے غم میں رات دِن گھلے جارہے ہیں اگر تھوڑی بُہت سیر و تفریح کرلیں گے تو کونسی قیامت آجائے گی اور اِسی بہانے بُہت ساری امداد بھی سیلاب زدگان کے نام پر ہاتھ آجائے گی کم از کم اُس سے اِس سیر و تفریح کا خرچہ ہی نکل آئے گا عوام کا کیا ہے عوام تو ہُوتی ہی قُربانی دینے کیلئے ہے۔ سُو (دو چار ہزار کی قُربانی اور صحیح) شائد صدر صاحب کے پیش نظر یہ بات ہو کہ اِس طرح کم از کم قُوم کو طوفانوں میں تیرنا ہی آجائے گا۔

اور آخر میں تمام پڑھنے والوں سے گُزارش ہے کہ مہربانی فرما کر اُلو کی بات پر دھیان نہ دیں اور نہ ہی اُس کی شُوریٰ کو ہماری معزز پارلیمنٹ سے مِلانے کی کوشش کریں کہ ہمارے لوگ کہیں بڑھ کر ہیں اِن کا اُلو سے کوئی جُوڑ ہی نہیں بنتا۔

اِستقبالِ رمضان کیا آپ بھی تیار ہیں؟

محترم اِسلامی بھائیوں ! السلامُ علیکمُ

رمضانُ المُبارک کی آمد آمد ہے اہلِ ایمان ہمیشہ ہی سے رمضانُ المُبارک کی آمد کیلئے خُود کو ماہِ شعبان المعظم ہی سے تیار کرتے آئے ہیں ایمان والوں کو رمضانُ المُبارک کے آنے سے خُوشی اور اِسکے جانے پر غم محسوس ہُوتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہُو کہ رمضانُ المُبارک ایسا مہمان ہے جو خالی ہاتھ نہیں آتا بلکہ اَپنے ساتھ انعامات کے بادل بھی ساتھ لاتا ہے۔

جِس کی بارش میں نیکوکار ہی نہیں بلکہ گُنہگار بھی نہاتے ہیں اِس ماہ مُبارک میں نیکیوں کی بارش ایسے تواتر کیساتھ برستی ہے کی ماہِ رمضانُ المُبارک میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ہُوتا کہ جِس میں یہ بارشِ انوار نہ بَرستی ہو ہر دِن کے اِختتام پر دس لاکھ ایسے مجرموں کو جِن پر عذاب لازم ہُوچُکا تھا وقتِ افطار آزادی کا پروانہ عطا کردِیا جاتا ہے۔

حضور نبی کریم (صلی اللہُ علیہ وسلم) کا فرمانِ ذیشان ہے "مفہوم" کہ جب ماہ

رمضان کی پہلی شب آتی ہے تو جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور پورے مہینہ ایک بھی جنت کا دروازہ بند نہیں کیا جاتا اور اللہ کریم اِک نِدا دینے والے کو حُکم دیتا ہے کہ یُوں نِدا دو۔ اے بھلائی کے طلبگارو آگے بڑھو، اے بُرائی کے پرستارو پیچھے ہٹو۔

پھر فرماتا ہے، ہے کوئی بخشش کا طلبگار کہ اُسے بَخش دِیا جائے؟ ہے کوئی مانگنے والا کہ جُو مانگے عطا کیا جائے؟ ہے کوئی تُوبہ کرنے والا تاکہ اُس کی تُوبہ قبول کی جائے صبح طلوع ہُونے تک اِسی طرح صدائیں دِی جاتی ہیں۔

حضرت سلمانِ فارسی (رضی اللہُ تعالٰی عنہٗ) اِرشاد فرماتے ہیں کہ نبیِ رحمت شفیعِ اُمت نے شعبان المعظم کے آخری دِن اِرشاد فرمایا مفہوم اے لوگوں! تُم پر ایک عظیم مہینہ سایہ کر رہا ہے، اِس میں لیلتہُ القدر ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے اللہ کریم نے اِس کے روزے فرض کئے اور رات کا قیام نفلی (عبادت) ہے جِس نے اِس ماہ میں ایک نیکی کی گویا اُس نے دوسرے مہینے میں فرض ادا کیا اور جِس نے اِس ماہ میں ایک فرض اَدا کیا گویا اُس نے دوسرے مہینے میں 70 فرض ادا کئے یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے اور یہ مواسات کا مہینہ ہے، اِس میں ایماندار کی روزی فراخ کردِی جاتی ہے جِس نے اِس ماہ

مُبارک میں کسی کا روزہ اِفطار کروایا، اُس کے لئے ایک غلام آزاد کرنے کا اَجر ہے اور اُس کے گُناہوں کیلئے مُعافی ہے

مُحترم اِسلامی بھائیوں ! یہ وہ مُبارک مہینہ ہے کہ جس میں گُنہگاروں کے دِل اللہ کریم کی جانب مائل ہوجاتے ہیں اور ہزار ہاگُنہگار اس موسم بہار کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے گُناہوں سے تائب ہوجاتے ہیں یہ وہ ماہِ مُبارک ہے کہ جس کے سبب مسجدیں آباد ہُوجاتی ہیں مومنین کو شیاطین سے نجات مِل جاتی ہے گھروں سے قُرآن مجید کی صدائیں بُلند ہوتی ہیں۔

لیکن آہ افسوس صد افسوس بُہت سے ایسے بدنصیب مسلمان بھی ہوتے ہیں کہ اِس مہمان کا ادب نہیں کرپاتے جو فسق وفجور کی زندگی کو نہیں چھوڑ پاتے اور اپنی زندگی میں فیضان رمضان سے اِستفادہ حاصل نہیں کرپاتے جِن کے شب و روز میں کوئی انقلاب برپا نہیں ہُوتا کچھ ایسے ہُوتے ہیں جو ابتدائے رمضان میں توخُوب جوش و خروش کا مُظاہرہ کرتے ہیں لیکن جُوں جُوں ماہ رمضان گُزرتا ہے واپس نفسانی خُواہشات کا شکار ہوجاتے ہیں جسکی وجہ سے مسجدوں کی رونقیں معدوم ہونے لگتی ہیں تراویح کی قطاروں میں کمی آنے لگتی ہے پھر وہی لہوولعب کا بازار گرم ہوجاتا ہے۔

مُحترم قارئین آیئے عہد کریں کہ اِس سال ہم اِس شان سے ماہِ صیام کا اِستقبال کریں گے کہ انشاءَاللہ ماہِ شعبان سے ہی اپنے گُناہوں سے آلودہ جسموں کو رمضان کے استقبال کیلئے نیکیوں کی جانب مائل کریں گے ابھی سے عبادت پر کمر باندھیں گے اللہ کریم سے مدد لیتے ہُوئے اگر نماز نہیں پڑھتے تو نماز کی پابندی کریں گے جھوٹ سے خود کو بچائیں گے اپنی زُبان اپنی نگاہوں کی اپنی شرمگاہوں کی حِفاظت کریں گے تاکہ ہم رمضان الکریم کا اِستقبال اُس کے شایانِ شان طریقے سے کرسکیں۔

اور رمضان المبارک میں انٹرنیٹ کا استعمال صرف تلاوت قرآن کیلئے دینی مسائل کو سمجھنے کیلئے یا علم دین حاصل کرنے کیلئے کریں گے انشاءَاللہ عزوجل۔

اور فلموں ڈراموں یا گیم کھیلنے کیلئے کم از کم رمضانُ المُبارک کے احترام میں استعمال نہیں کریں گے اللہ کریم تمام مسلمانوں کو اِستقامت عطا فرمائے۔

(آمین بِجاہِ سیدُ المُرسلین و صلی اللہُ تعالیٰ علیٰ وَآلِہ واصحابِہ وبارک وسلم)

روزے کے احکامات، ممنوعات اور کفارے (حنفی)۔

رمضان المبارک کا رحمتوں بھرا مہینہ ہم پر سایہ فگن ہونے کو ہے۔ اس ماہ مبارک میں ہر مسلمان "اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ" کے فیض کو سمیٹنے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے روزے رکھتا ہے۔ قرآن کریم کی سورہ البقرہ آیت نمبر 183 تا 187 میں ماہ رمضان کے روزوں کے احکام مثلًا تعداد، روزے کی حدود، روزے کا مہینہ، روزہ توڑنے والی چیزیں، مسافر اور مریض کے لئے رخصت و رعایت اور قضاء کا حکم وغیرہ۔ یہ تمام احکامات نماز، زکٰوۃ اور حج کے مقابلے میں زیادہ تفصیل اور وضاحت سے بیان فرمائے گئے ہیں۔

روزہ اور اس کے ارکان

روزے کی تعریف یہ ہے کہ الأمساك عن المفطرات مع اقتران النية به من طلوع الفجر الی غروب الشمس. (القرطبی) "روزے کی نیت کے ساتھ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک ہر قسم کے مفطرات سے رک جانا"۔

درج بالا روزے کی شرعی اور اصطلاحی تعریف سے ہی اس کے ارکان کا تعین ہو جاتا ہے یعنی :

نیتِ روزہ .1

امساک یعنی کھانے پینے سے پرہیز کرنا اور مباشرت سے رکے رہنا .2

سحری سے غروبِ آفتاب تک کے معین وقت کی پابندی .3

نیت دل کے ارادے کا نام ہے۔ روزے کی صحت کے لئے نیت سب سے اولیت رکھتی ہے' ورنہ کھانے پینے سے محض رکے رہنے سے ہرگز روزہ نہیں ہوگا۔

روزے کی افطاری اور روزہ رکھنے کی دعا کے الفاظ کسی حدیث میں منقول نہیں۔ اصل نیت فرض ہے اور وہ دل کے ارادے کا نام ہے۔ اصطلاح شریعت میں نیت کا مطلب ہے کسی کام کے کرتے وقت اللہ کی اطاعت اور قرب حاصل کرنے کا ارادہ کرنا۔ نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور دیگر عبادات میں نیت فرض ہے لیکن الفاظ فرض نہیں۔ البتہ آج کل ذہن منتشر ہوتے ہیں لہٰذا ذہن کو یکسو کرنے کے لئے دل کے ارادے کے ساتھ ساتھ زبانی الفاظ بطور نیت دہرانا مستحب ہے۔

ہر عمل کو اس کی صحت کے اعتبار سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے چند شرائط اور لوازمات کا پایا جانا ضروری ہے اور ان کی عدم موجودگی میں وہ عمل ناقص رہتا ہے۔

اسی طرح روزے کے متعلق ضروری اور اہم مسائل واحکامات کا جاننا ہر

ایک کے لئے از حد لازم ہے۔

روزہ نہ رکھنے کے شرعی عذر

شریعت اسلامی نے ہر موقع پر اپنے ماننے والوں کو آسانی فراہم کی اور اکثر معاملاتِ دین میں مجبوریوں کے باعث رعایت بھی دی۔ اسی طرح رمضان المبارک کے روزے کے بارے میں بھی چند مجبوریوں کے باعث شریعت نے رخصت دی ہے کہ اگر وہ چاہے تو روزہ نہ رکھے' مگر مجبوری کے اختتام پر قضا روزوں کو ادا کرے۔ عام طور پر واقع ہونے والے بڑے بڑے عذر جن کے سبب روزوں کی قضاء کی جا سکتی ہے :

1. مرض یا بھوک و پیاس کی شدت: کوئی شخص کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے کہ روزہ رکھنے سے مرض کے بڑھ جانے کا خطرہ ہو یا پھر بھوک پیاس کی وجہ سے جان جانے کا خطرہ ہو۔ ان صورتوں میں دیندار اور مسلمان ڈاکٹر کی رائے ہی زیادہ قابلِ اعتبار ہو گی۔

2. سفر اس عذر کے لئے سفر کی مقدار وہی معتبر ہو گی' جس میں نماز کی قضا لازم آتی ہے۔ دورانِ سفر اگر روزہ باعث تکلیف نہ بنے تو روزہ رکھ لینا ہی افضل ہے۔

3. کمزور، لاغر اور بوڑھا ہونا: کوئی شخص کسی وجہ سے اتنا کمزور یا بڑھاپے کی وجہ سے بہت زیادہ لاغر ہو اور اسے دوبارہ طاقت آنے کی امید بھی نہ ہو تو اس کے لئے رخصت ہے کہ وہ ہر روزے کے بدلے صدقہ فطر کی مقدار میں فدیہ دیتا رہے یا کسی فقیر مسکین وغیرہ کو پیٹ بھر کر دو وقت کا کھانا کھلاتا رہے۔ معذور کو اس صورت میں یہ اختیار ہے کہ وہ یہ فدیہ شروع رمضان میں دے دے، ہر روز دیتا رہے یا آخر میں اکٹھا ادا کر دے۔

4. عورت کا حاملہ ہونا یا دودھ پلانا: رمضان المبارک میں کوئی عورت اگر حاملہ ہو یا بچے کو دودھ پلاتی ہو اور روزہ رکھنے سے اسے یا بچے کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو تو وہ بھی روزہ قضا کر سکتی ہے۔

5. جہاد میں شرکت: دشمن کے مقابلے میں لڑنا پڑے اور لڑائی میں حالت روزہ، کمزوری کی وجہ سے کسی رکاوٹ کا سبب بنے تو ایسے مجاہد کے لئے بھی رخصت ہے۔

ان تمام صورتوں میں معذور عورت یا مرد کو چاہئے کہ وہ سرعام کھانے پینے سے پرہیز کریں، کیونکہ اس سے رمضان المبارک کا تقدس پامال ہوتا ہے۔

متفرق احکامات

روزہ کی نیت رات سے کرلیں تو افضل ہے ورنہ نصف النہار سے قبل نیت کرلینا بھی *
درست ہوگا۔

اگر نیت کے مسنون الفاظ دہرا لئے جائیں تو افضل ہے ورنہ اگر کوئی سحر کے وقت *
روزہ رکھنے کے لئے اٹھا اور کچھ کھا پی کر روزہ رکھ لیا تو یہی اس کی نیت ہے۔

روزہ کی حالت میں محض روزہ توڑنے کی نیت سے روزہ نہیں ٹوٹتا' جب تک کہ کچھ *
کھایا پیا نہ جائے۔

نیت روزہ کے مسنون اور مختصر الفاظ

نویت بصوم غد للہ تعالی من شہر رمضان. "ماہِ رمضان کے روزے کی میں نیت کرتا
ہوں"۔

: اگر رات کو نیت نہ کرسکے اور دن کو کرے تو یوں کہے

نویت ان اصوم ہذا الیوم للہ تعالی من شہر رمضان. "میں ماہِ رمضان کے اس دن کے
روزے کی نیت کرتا ہوں"۔

دن کو نیت کرنی پڑے تو ضروری ہے کہ اپنے آپ کو صبح صادق سے روزہ دار تصور

کرے۔

سحری و افطاری کے احکام

1. سحری کرنا یعنی صبح صادق سے قبل کچھ کھا پی لینا سنت ہے۔

2. سحری کا وقت تو نصف شب کے بعد شروع ہو جاتا ہے مگر افضل ترین سحری آخری حصہ شب کی ہے۔

3. سحری میں تاخیر افضل اور افطاری میں جلدی کرنا سنت ہے۔

4. افطاری میں بلاوجہ تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

5. افطاری میں عجلت سے مراد یہ نہیں کہ وقت سے پہلے ہی افطار کر لیا جائے اس پر احادیث میں سخت سزا کا ذکر آیا ہے۔

6. روزہ کھجور، چھوہارے یا پانی سے افطار کرنا سنت ہے اور مستحب یہ ہے کہ تین، پانچ یا نو دانے کھائے۔

روزہ توڑنے والی چیزیں

1. عمداً کھانے پینے یا جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اگر بھول کر کھا پی لیا، جماع کر لیا تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

2. ہر قسم کی تمباکو نوشی سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

3. دانتوں میں رکی ہوئی چنے کے برابر یا اس سے کم چیز نکال کر کھا لی تو

بھی روزہ جاتا رہا۔

4. نتھنوں میں دوا چڑھائی یا کان میں تیل ڈالا یا دوائی‘ تیل وغیرہ حلق میں چلا گیا تو روزہ ٹوٹ گیا۔

5. بلا قصد بھی اگر کلی کرتے ہوئے پانی حلق سے نیچے چلا گیا تو روزہ نہ رہا۔

6. قصداً منہ بھر کر قے کی تو روزہ ٹوٹ گیا‘ بلا اختیار اور بلا قصد قے ہو گئی تو (ا) اگر منہ بھر کر ہوئی اور کوئی قطرہ واپس حلق سے اتر گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا (ب) اگر منہ بھر کر نہیں ہوئی اور اس کے چند قطرے واپس چلے گئے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

7. خون تھوک کے ساتھ پیٹ میں چلا گیا اور خون تھوک پر غالب تھا تو روزہ ٹوٹ گیا‘ ورنہ نہیں۔

8. کنکری‘ لوہے کا ٹکڑا یا کسی ایسی چیز کا کھا لینا جو عام طور پر نہیں کھائی جاتی تو بھی روزہ ٹوٹ گیا۔

9. منہ میں کوئی ایسی رنگین چیز رکھی جس سے تھوک پر اس چیز کا رنگ غالب آ گیا اور وہ تھوک اس نے نگل لی تو روزہ جاتا رہا۔

ماہ رمضان میں اگر اتفاق سے کسی کا روزہ ٹوٹ گیا تو روزہ ٹوٹنے کے بعد بھی کچھ کھائے پیئے نہیں‘ بلکہ سارا دن روزہ داروں کی طرح رہنا ضروری ہے۔

روزہ کے مکروہات

مندرجہ ذیل امور روزہ کے مکروہات ہیں :

1. جھوٹ، غیبت، چغلی، گالی گلوچ کرنا یا کسی کو تکلیف دینا۔

2. روزہ دار کا کوئی چیز بلاوجہ زبان پر رکھ کر چبانا یا چبا کر اگل دینا وغیرہ۔

3. قولًا یا عملًا جنسی رغبت اور شہوانی جذبات.برانگیختہ کرنے والے امور۔

4. روزہ کی حالت میں پانی چڑھانے یا کلی کرنے میں مبالغہ کرنا۔

5. پیاس کی حالت میں پانی کے غرغرے کرنا، کیونکہ اس صورت سے روزہ ضائع ہونے کا قوی امکان ہے۔

کن باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا

علاوہ ازیں غسل کرنا، ٹھنڈا پانی سر پر ڈالنا، کلی کرنا، سادہ مسواک کرنا، سرمہ لگانا، بدن پر تیل ملنا، خوشبو لگانا یا سونگھنا مکروہات روزہ میں شمار نہیں ہوتے۔

روزہ توڑ ڈالنے کا کفارہ

کسی شرعی عذر کی وجہ سے رمضان کا روزہ یا کوئی دوسرا نفلی روزہ ٹوٹ گیا تو

اس کی قضا لازم ہے، لیکن بلا عذر شرعی، رمضان المبارک کا روزہ توڑنے پر قضا کے ساتھ کفارہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ رمضان المبارک کے ایک روزے کا بدل تو سال بھر کے روزے بھی نہیں بن سکتے، لیکن شریعت نے اس کی کم از کم مقدار یہ مقرر کی ہے کہ وہ شخص لگاتار دو ماہ یعنی ساٹھ ایام کے روزے رکھے۔ اس میں تسلسل شرط ہے یا پھر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مساکین کو دونوں وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھلائے۔

از قلم مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی)۔)

زکواۃ کے احکامات، مع منکرِ زکواۃ قارون کا انجام

محترم قارئین السلامُ علیکم

اللہ کریم نے دُنیا کے نظام کو قائم رکھنے کیلیئے اور اپنے بندوں کی آزمائش کیلیئے انسانوں کو طبقات میں پیدا فرمایا کسی کو تنگدست کر دیا تاکہ اُنہیں آزمائے کہ کیا مال سے محرومی پر روتے ہیں یا اللہ کریم کا شُکر ادا کرتے ہیں جبکہ کچھ لوگوں کو مال عطا فرمایا اور اُنہیں حکم دیا کہ یہ مال دینے والا حقیقی مالک میں ربُ العالمین ہُوں اور یہ مال میں نے ہی تُم کو عطا کیا ہے لہٰذا اپنے مال میں سے غریبوں اور تنگدستوں کو بھی دو تاکہ وہ تنگدست بھی اللہ کریم کے مال سے تقویت پکڑیں اور مفلسی کی انتہا نہ پہنچ جائیں۔

لہٰذا اِس مصرف کو زکواۃ کے نام سے پُکارہ اور اِسے ہر صاحب نصاب مسلمان پر فرض کر دیا۔

اِنسان جو کچھ بھی اپنی محنت یا بنا محنت کے مال حاصل کرتا ہے یہ حقیقی معنوں میں اللہ عزوجل ہی کا مال ہے لیکن بعض انسانوں کو شیطان اِس وسوسے میں مُبتلا کر دیتا ہے کہ یہ مال بڑی محنت سے حاصل کیا گیا ہے لہٰذا میری

صوابدید پر منحصر ہے کہ میں یہ مال کسی کو دوں یا نہ دُوں۔ جبکہ بعض لوگ یہ مال اللہ کریم کی بارگاہ میں نکالنا تو چاہتے ہیں لیکن وہ اسقدر نہیں دینا چاہتے جسقدر دینے کا حکم اللہ کریم کے مدنی محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا بلکہ چند روپے نکال کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے زکواۃ کا حق ادا کردیا ہے اور اب ہم پر غریب مسلمانوں کا کوئی حق باقی نہیں ہے۔

جبکہ شائد وہ نہیں جانتے کہ جِس انسان نے بھی اللہ کریم یا انبیئا کرام علیہ الصلواۃ والسلام کے احکام کے آگے اپنی مرضی چلانے کی کوشش کی ہے وہ اِس دُنیا میں بھی عبرت کا نشان بنایا گیا ہے اور آخرت میں بھی صرف پچھتاوہ ہی اُسکا مُقدر ہوگا چُنانچہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ قارون جسے دُنیا کا سب سے دولت مند انسان مانا جاتا ہے کہ جس کے خزانوں کی کُنجیاں بھی ستر اونٹوں پر لادی جاتی تھیں جب زکواۃ کا مُنکر ہُوا تو وہ عبرت کا نشانہ بنادِیا گیا خود بھی تمام خزانوں سمیت زمین میں دھنس گیا اور قیامت تک دھنستا ہی رہے گا اور یہ بیمثال خزانہ بھی اُسے نہ بچا پایا۔

تفسیر نورالعرفان میں یہ واقعہ یوں مذکور ہے

قارون حضرت موسٰی علیہ السلام کے چچا یصمر کا بیٹا تھا نہایت خوب صورت شکیل

آدمی تھا اسی لئے اس کو منور کہتے تھے اور بنی اسرائیل میں توریت کا سب سے بہتر قاری تھا، ناداری کے زمانہ میں نہایت متواضع و بااخلاق تھا، دولت ہاتھ آتے ہی اس کا حال متغیر ہوا اور سامری کی طرح منافق ہوگیا۔ کہا گیا ہے کہ فرعون نے اس کو بنی اسرائیل پر حاکم بنا دیا تھا۔

قارون اور اس کے گھر کے دھنسانے کا واقعہ علماءِ سیر واخبار نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار لے جانے کے بعد مذبح کی ریاست حضرت ہارون علیہ السلام کو تفویض کی بنی اسرائیل اپنی قربانیاں حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس لاتے اور وہ مذبح میں رکھتے آگ آسمان سے اتر کر ان کو کھالیتی قارون کو حضرت ہارون کے اس منصب پر رشک ہوا اس نے حضرت موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام سے کہا کہ رسالت تو آپ کی ہوئی اور قربانی کی سرداری حضرت ہارون کی، میں کچھ بھی نہ رہا باوجودیکہ میں توریت کا بہترین قاری ہوں میں اس پر صبر نہیں کر سکتا۔ حضرت موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ منصب حضرت ہارون کو میں نے نہیں دیا اللہ نے دیا ہے قارون نے کہا خدا کی قسم میں آپ کی تصدیق نہ کروں گا جب تک آپ اس کا ثبوت مجھے دکھا نہ دیں حضرت موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے رؤساءِ بنی اسرائیل کو جمع کرکے فرمایا کہ اپنی لاٹھیاں لے آؤ انہیں سب کو اپنے قبہ میں جمع کیا، رات بھر بنی اسرائیل ان لاٹھیوں کا پہرہ دیتے رہے صبح کو حضرت

ہارون علیہ السلام کا عصا سر سبز و شاداب ہو گیا، اس میں پتے نکل آئے، حضرت موسٰی علیہ السلام نے فرمایا اے قارون تو نے یہ دیکھا؟ قارون نے کہا یہ آپ کے جادو سے کچھ عجیب نہیں۔

حضرت موسٰی علیہ السلام اس کی مدارت کرتے تھے اور وہ آپ کو ہر وقت ایذا دیتا تھا اور اس کی سرکشی اور تکبُر اور حضرت موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ساتھ عداوت دم بدم ترقی پر تھی، اس نے ایک مکان بنایا جس کا دروازہ سونے کا تھا اور اس کی دیواروں پر سونے کے تختے نصب کئے بنی اسرائیل صبح و شام اس کے پاس آتے، کھانے کھاتے، باتیں بناتے، اسے ہنساتے، جب زکوٰۃ کا حکم نازِل ہوا تو قارون موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کے پاس آیا تو اس نے آپ سے طے کیا کہ درہم و دینار و مویشی وغیرہ میں سے ہزارواں حصہ زکوٰۃ دے گا لیکن گھر جا کر حساب کیا تو اس کے مال میں سے اتنا بھی بہت کثیر ہوتا تھا اس کے نفس نے اتنی بھی ہمت نہ کی اور اس نے بنی اسرائیل کو جمع کر کے کہا کہ تم نے موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کی ہر بات میں اطاعت کی اب وہ تمہارے مال لینا چاہتے ہیں کیا کہتے ہو؟

انہوں نے کہا آپ ہمارے بڑے ہیں جو آپ چاہیں حکم دیجئے کہنے لگا کہ فلانی بد چلن عورت کے پاس جاؤ اور اس سے ایک معاوضہ مقرر کرو کہ وہ حضرت موسٰی

علیہ الصلٰوۃ والسلام پر تہمت لگائے ایسا ہوا تو بنی اسرائیل حضرت موسٰی علیہ السلام کو چھوڑ دیں گے چنانچہ قارون نے اس عورت کو ہزار اشرفی اور ہزار روپیہ اور بہت سے مواعید کرکے یہ تہمت لگانے پر طے کیا اور دوسرے روز بنی اسرائیل کو جمع کرکے حضرت موسٰی علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بنی اسرائیل آپ کا انتظار کر رہے ہیں کہ آپ انہیں وعظ و نصیحت فرمائیں حضرت تشریف لائے اور بنی اسرائیل میں کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل جو چوری کرے گا اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے جو بہتان لگائے گا اس کے اسی کوڑے لگائے جائیں گے اور جو زنا کرے گا اس کے اگر بی بی نہیں ہے تو سو کوڑے مارے جائیں گے اور اگر بی بی ہے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا یہاں تک کہ مر جائے، قارون کہنے لگا کہ یہ حکم سب کے لئے ہے خواہ آپ ہی ہوں فرمایا خواہ میں ہی کیوں نہ ہوں کہنے لگا کہ بنی اسرائیل کا خیال ہے کہ آپ نے فلاں بدکار عورت کے ساتھ بدکاری کی ہے حضرت موسٰی علیہ السلام نے فرمایا اسے بلاؤ وہ آئی تو حضرت موسٰی علیہ السلام نے فرمایا اس کی قسم جس نے بنی اسرائیل کے لئے دریا پھاڑا اور اس میں رستے بنائے اور توریت نازِل کی سچ کہہ دے وہ عورت ڈر گئی اور اللہ کے رسول پر بہتان لگا کر انہیں ایذاء دینے کی جرأت اسے نہ ہوئی اور اس نے اپنے دل میں کہا کہ اس سے توبہ کرنا بہتر ہے اور حضرت موسٰی علیہ السلام سے عرض کیا کہ جو کچھ قارون کہلانا چاہتا ہے اللہ عزوجل کی قسم یہ جھوٹ ہے اور اس نے آپ پر تہمت لگانے کے عوض میں میرے

لئے بہت مالِ کثیر مقرر کیا ہے۔

حضرت موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام اپنے رب کے حضور روتے ہوئے سجدہ میں گرے اور یہ عرض کرنے لگے یا رب اگر میں تیرا رسول ہوں تو میری وجہ سے قارون پر غضب فرما اللہ تعالٰی نے آپ کو وحی فرمائی کہ میں نے زمین کو آپ کی فرمانبرداری کرنے کا حکم دیا ہے آپ اس کو جو چاہیں حکم دیں۔ حضرت موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا اے بنی اسرائیل اللہ تعالٰی نے مجھے قارون کی طرف بھیجا ہے جیسا فرعون کی طرف بھیجا تھا جو قارون کا ساتھی ہو اس کے ساتھ اس کی جگہ ٹھہرا رہے جو میرا ساتھی ہو جدا ہو جائے، سب لوگ قارون سے جدا ہو گئے اور سوا دو شخصوں کے کوئی اس کے ساتھ نہ رہا پھر حضرت موسٰی علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ انہیں پکڑ لے تو وہ گھٹنوں تک دھنس گئے پھر آپ نے یہی فرمایا تو کمر تک دھنس گئے آپ یہی فرماتے رہے حتیٰ کہ وہ لوگ گردنوں تک دھنس گئے اب وہ بہت منّت و لجاجت کرتے تھے اور قارون آپ کو اللہ کی قسمیں اور رشتہ و قرابت کے واسطے دیتا تھا مگر آپ نے التفات نہ فرمایا یہاں تک کہ وہ بالکل دھنس گئے اور زمین برابر ہو گئی ۔ قتادہ نے کہا کہ وہ قیامت تک دھنستے ہی چلے جائیں گے۔

بنی اسرائیل نے کہا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے قارون کے مکان اور اس

کے خزائن و اموال کی وجہ سے اس کے لئے بد دعا کی یہ سن کر حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالٰی سے دعا کی تو اس کا مکان اور اس کے خزانے و اموال سب زمین میں دھنس گئے۔

قرآن مجید میں جا بجا صدقات واجبہ زکواۃ کا ذکر آیا ہے

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا

سورہ البقرہ آیت نمبر (177)۔

اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھوڑانے میں اور نماز قائم رکھے اور زکوۃ دے اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں

شانِ نزول

ایمان کے بعد اعمال کا اور اس سلسلہ میں مال دینے کا بیان فرمایا اس کے چھ

مصرف ذکر کیے گردنیں چھڑانے سے غلاموں کا آزاد کرنا مراد ہے یہ سب مستحب طور پر مال دینے کا بیان تھا مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ دینا بحالت تندرستی زیادہ اجر رکھتا ہے بہ نسبت اس کے کہ مرتے وقت زندگی سے مایوس ہو کر دے (کذافی حدیث عن ابی ہریرہ)

مسئلہ: حدیث شریف میں ہے کہ رشتہ دار کو صدقہ دینے میں دو ثواب ہیں ایک (صدقہ کا ایک صلہ رحم کا (نسائی شریف

یہاں جو سب سے پہلا مصرف زکواۃ کا بیان کیا گیا ہے وہ ہے رشتہ دار لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنے عزیزوں کو زکواۃ کی تقسیم کے وقت بھول جاتے ہیں جبکہ اگر رشتہ داروں میں اگر ضرورت مند موجود ہوں اور اُکے باوجود اُن غریب رشتہ داروں کو نظر انداز کردیا جائے تو یہ قرآن پاک کے احکامات کے خلاف عمل ہوگا اگرچہ زکواۃ ادا ہوجائے گی لیکن غریب رشتہ دار اپنی محرومی کے سبب کل قیامت میں اللہ کریم کی بارگاہ میں فریاد کرسکتے ہیں کہ یہ ہمارا رشتہ دار مالدار ہونے کے باوجود ہمیں بُھولے بیٹھا رہا۔ جبکہ اسکی زکواۃ اور صدقات کے ہم زیادہ مستحق تھے۔

لہٰذا جب زکواۃ دیں تو سورہ البقرۃ کی مذکور بالا آیت کی روشنی میں اُکے

مستحقین کو دیں۔

زکواۃ اندازاً نہ دیں بلکہ حساب لگا کر پوری ڈھائی فی صد کے حِساب سے ادا کریں۔

زکواۃ کو مال کا میل کہا گیا ہے اِس لئے اِس میل کو جونہی سال مکمل ہوجائے مال سے علیحدہ کردینا چاہیئے اس عمل سے انشاءَ اللہ عزوجل آپکا باقی مال محفوظ ہوجائے گا۔

زکواۃ کے مکمل مسائل آپ اِس کتاب کے لنک سے بھی حاصل کرسکتے ہیں

http://library.faizaneattar.net/Books/index.php?id=519

سیلاب آیا نہیں بُلایا گیا ہے

محترم قارئین السلامُ علیکم
آج جب سورہ سباء کی آیت نمبر ۱۶ تا ۱۷ نظروں سے گُزری تو نگاہ اِن آیات پر جیسے ٹھہر سی گئی۔
پھر انھوں نے (طاعت سے) مُنہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر زور دار سیلاب بھیج دیا اور ہم نے اُن کے دونوں باغوں کو دو (ایسے) باغوں سے بدل دیا جن میں بدمزہ پھل اور کچھ جھاؤ اور کچھ تھوڑے سے بیری کے درخت رہ گئے تھے، (۱۶) یہ ہم نے انہیں ان کے کفر و ناشکری کا بدلہ دیا، اور ہم بڑے ناشکر گزار کے سوا (کسی کو ایسی) سزا نہیں دیتے، (۱۷)۔
حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ شہرِ سبا صنعا سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر تھا۔
محترم قارئین سبا شہر یمن کا وہ خوبصورت شہر تھا کہ جسکے میوے دُنیا بھر میں مشہور تھے اور یہ میوے اِس کثرت سے درختوں میں پیدا ہوتے کہ یہ کہاوت مشہور ہوگئی کہ اگر کوئی شخص خالی ٹوکرا، اپنے سر پہ لیکراِن درختوں کے

نیچے سے گزرے تو وہ خالی ٹوکرا بھی خود بھر جائے۔
محترم قارئین کرام ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ شہر سبا کے لوگ اِس نعمت کو پا کر اللہ کریم کا شُکر بجا لاتے اور اللہ کریم کی جانب سے بھیجے جانے والے انبیا کی تعظیم کرتے لیکن اِن بد نصیب لوگوں نے جب نعمت کی فراوانی دیکھی تو اُسے اپنا کمال سمجھنے لگے انبیا کرام علیہمُ السلام کی بارگاہ میں زبان درازی کرنے لگے جس کے سبب اللہ کریم کے غضب کا شکار ہو گئے اور اُنہیں سیلاب کے عذاب نے آ پکڑا جس کے سبب وہ تمام نعمتیں جو اللہ کریم نے اپنے محبوب انبیا کے صدقے اُنہیں عطا فرمائی تھی چھین لیں گئیں۔
اس سورہ کی تلاوت سے یہ بات اُجاگر ہوتی ہے کہ جو اقوام اپنے انبیاء کرام علیہمُ اسلام کی تعظیم اپنے دلوں سے نکال دیتی ہیں جو انبیاءَ کرام علیہمُ السلام کی تعلیمات سے منحرف ہو جاتی ہیں اور اللہ کریم کی نعمتوں کی ناشُکری کرتی ہیں اُنہیں سیلاب کی طرح کے عذاب گھیر لیتے ہیں۔
محترم قارئین اِن آیات کے تناظر میں اگر ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں تو یقین جانیے میری طرح آپکے اندر سے بھی یہی آواز آئے گی کہ واقعی ہم اِس عذاب کے مستحق تھے۔

جس مملکت میں کہیں کُھلے عام تو کہیں دبے لہجے میں نبی اکرم صلی اللہُ علیہ وسلم کی شان میں گُستاخیاں کی جاتی ہوں جہاں تعلیمات مُصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلکی تعصب کی بھینٹ چڑھا دیا جائے جہاں خود کشی جیسے فعل کو جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت سے حرام کام ارشاد فرما دیا جہاد گردانا جائے جہاں اللہ کریم کے محبوب بندوں کے مزارات کو خود کش حملوں سے اُڑا دیا جائے جہاں اِس حرام فعل کو حلال قرار دینے والوں میں ایسے لوگ شامل ہوں جن کے ایک ہاتھ میں کلامُ اللہ ہو تو دوسرے ہاتھ میں صحاح ستہ کی مشہور کتاب بُخاری ہو اور جو معتدل لوگ ہوں وہ اِن لوگوں سے چشم پوشی کریں تو محترم قارئین ایسے ملک میں سیلاب اور زلزلے کے عذاب نازل نہ ہوں تو کیا رحمت کی بارش ہوگی۔

محترم قارئین کرام تمام قرآن مجید کا مطالعہ کرلیں تمام صحاح ستہ کی احادیث پڑھ لیں لیکن آپ کو ایک آیت ایک جملہ بھی خود کشی کی حمایت میں نہیں ملے گا اور اتنا تو سوچیے کہ اگر اس معاملہ میں کوئی رعایت ہوتی تو کیا اللہ کریم کے مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اسکا فائدہ اپنے مجاہد صحابی کا نہ پُہنچاتے اور اگر اس میں ذرہ بھر بھی بھلائی ہوتی تو کیا ہمارے کریم آقا علیہ السلام اپنے صحابی کو خود کشی کے باعث جہنمی قرار دیتے جواب صاف ظاہر

ہے کہ ہر گز اس حرام فعل میں کوئی بھلائی نہیں بلکہ یہ سراسر جہنم میں لیجانے والا عمل ہے اور یہ بھی یاد رکھیے کہ جب خود کشی کفار کیخلاف جنگ میں جائز نہیں تو مساجد میں دھماکے اور اولیائے کرام کے مزارات پر حملے کس قدر اللہ کریم کے عتاب کو دعوت دینے کے مترادف ہیں۔

محترم کس قدر ظلم ہے کہ افوج پاکستان جو حقیقی جہاد کر رہے ہیں کو ظالم کہا جائے اور اِن حقیقی مجاہدین کو جو جہاد کے تمام تقاضے بھی پورے کر رہے ہیں کے مقابل میں لڑنے والے کرائے کے قاتلوں کو جہادی کہا جائے محترم قارئین ابھی بھی وقت ہے کہ ہم اپنے گُناہوں کی معافی اللہ کریم سے سچے دِل سے مانگ کر اپنی اصلاح کا سامان کرلیں اور خود کُشی اور جہاد کے درمیان حد فاصل قائم کریں اِس مُلک پاکستان کی قدر کریں ناشُکری کی لعنت کے طوق کو اپنی گردنوں سے اُتار پھینکیں اور اگر ہم نے آج بھی ہوش کے ناخن نہ لئے اور خود کشی کو جہاد کا نام دیکر اپنی ضد پر اَڑے رہے تو اِس سے بڑے عذابات ہمارے منتظر ہیں اس لئے ہمیں اس ظلم کے خلاف آواز بُلند کرنی ہی ہوگی لوگوں میں شعور بیدار کرنا ہوگا جہاد کو زندہ رکھنا ہوگا لیکن خود کش حملوں کی مذمت بھی کرنی ہوگی کہ یہ تعلیمات مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نافرمانی ہے۔

اور حرام ۔ حرام ۔ حرام فعل ہے یہ بات وہ لوگ بھی جانتے ہیں جو خاموشی سے اِن ظالموں کی مدد پر کمربستہ ہیں اور اِنکی خفیہ امداد کر رہے ہیں۔

اے اللہ عزوجل ہماری خطاؤں کو معاف فرما اور ہمیں سُنت مُصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے کی توفیق عطا فرماتے ہوئے ہمیں ہمیشہ دامنِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ رکھ۔

آمین بجاہِ النبی الامین وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم)۔)

وہ آیا بھی اور چلا بھی گیا

محترم قارئین السلامُ علیکم

اُس کے آنے کا چرچا تھا جو اُس کے عاشق تھے وہ اُس کی آمد کے کئی ماہ سے منظر تھے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ اس کے آنے سے نیکیوں کا دام بڑھ جائے گا ایک کے بدلے ستائیس کا بھاؤ چلے گا روزانہ کی قرعہ اندازی میں لاکھوں لاکھ مسلمانوں کی مغفرت کا پروانہ الگ سے عطا کیا جائے گا۔

کتابوں میں پڑھا ہے کہ پہلے کے مسلمان ماہ رمضان کی آمد کی تیاری ماہ رجب سے ہی شروع کردیا کرتے تھے شعبان المعظم میں نیکیوں کی فصل کی خوب آبیاری کی جاتی یہاں تک کہ ماہ رمضان آ ہی جاتا اور مسلمان اِس ماہ میں خوب مسجدوں میں ڈیرے ڈال لیتے تھے سب کی خواہش ہوتی کہ 30 روزے مکمل ہوں لوگ اعتکاف سے اُٹھ کر گھروں کو بھاگتے اور پھر بازار کی رونق بننے سے گریزاں ہوتے اور لیلتہ الجائزہ میں شب بیداری کرتے اور اللہ کریم سے اپنی مغفرت کی بھیک مانگتے نظر آتے یہ ہمارا ماضی تھا۔

اب کچھ نظر ہمارے حال کی جانب اب مسلمانوں کو رمضان المبارک کی ویسی خوشی نہیں ہوتی کچھ لوگ تو بڑی بے باکی سے یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ بندشوں کا

مہینہ آرہا ہے۔ نہ کھل کر ٹی وی دیکھ سکیں گے نہ ہی اسپیکر پر گانے، اور نہ ہی سرعام پان گٹکے کی پچکاریاں مار سکیں گے۔۔بڑھے بوڑھوں کے لیکچر الگ سننے کو ملیں گے۔

اب کسی کو رمضان کا انتظار ماہ رجب سے نہیں ہوتا۔ اب کس کو رمضان کے جانے کا غم ہوتا ہے اب کون راتوں کو گریاں زاری کرتا ہے اب کسے معلوم ہے کہ چاند رات، تو دراصل انعام کی رات ہے، مزدوری وصول کرنے کی رات ہے۔

مگر افسوس ہم اس ماہ مبارک کا احترام نہ کرکے اور یہ اب ہم سے جُدا ہونے کو ہے ہمارا تو یہ حال رہا کہ نا قرآن پاک پڑھنے کی توفیق ملی نہ سننے کی تمام دِن سوتے ہوئے گُزرا یا ٹی وی پر فلمیں دیکھتے ہوئے نہ ہی اپنے غصہ پر قابو پاکے نہ ہی دیگر گُناہوں سے چھٹکارہ پاکے اب سوچتے ہیں کہ اگلے سال اصلاح کا سامان کریں گے مگر ایسا تو ہم ہر گُزشتہ سال بھی سوچتے رہے مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ کوئی افاقہ نہیں ہوا ہماری بد عملی نے روزے کی نورانیت ہی ہمارے چہرے سے چھین لی اور اِس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ اگلے سال استقبال رمضان کیلئے ہم موجود بھی ہونگے؟

صدقہ فطر

کنزالعمال میں خطیب اور ابن عساکر کے حوالہ سے حدیث پاک موجود ہے بندہ مؤمن کا روزہ اس وقت تک آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتا ہے جب تک کہ وہ صدقہ فطر ادا نہ کرے۔

(کنزالعمال، کتاب الصوم من قسم الاقوال، حدیث نمبر):24130)

صدقہ فطر اپنی حیثیت کے مطابق ادا کیجئے اگر آپ صاحب نصاب تو ہیں لیکن صاحب حیثیت نہیں تو گندم سے وگرنہ کشمش سے یا اس سے زائد رقم بھی صدقہ فطر میں ادا کر سکتے ہیں یہ انشاءَاللہ عزوجل نہ صرف آپ کے روزے کی قبولیت کی وجہ بنے گا بلکہ اُس میں جو خامیاں رہ گئ ہونگی اُسکا بھی ازالہ ثابت ہوگا

اللہ کریم اپنے مدنی محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نعلین کے طفیل ہماری مغفرت فرمائے اور تمام مسلمانوں کو ایک قوت بنائے۔ آمین بجاہِ النبی الکریم وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم

تذکرہ اِک پری کی مُحبت کا (حصہ چہارم)۔

محترم قارئین السلامُ علیکم
مجھے معلوم ہے کافی احباب اس سلسلے کی تاخیر کی وجہ سے مجھ سے شاید خفا ہیں اور کچھ بدگُمان بھی ہو سکتے ہیں لیکن کیا کروں ایک تو رمضان المبارک کے بعد سے اِک طرف میری صحت لکھنے لکھانے کی متحمل نہ تھی کہ عارضہ جگر میں مُبتلا تھا اور بے شمار لوگ ملاقات کیلئے آجاتے ہیں جس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا تو دوسری جانب کاٹن کا سیزن شروع ہونے کی وجہ سے فیکٹری میں کام کا اسقدر پریشر ہے کہ بالکل ہی لکھنے لکھانے کا سلسلہ موقوف سا ہو کر رہ گیا جس کیلئے آپ سب سے معذرت خواہ ہوں ویسے بھی میں کوئی رائٹر تو ہوں نہیں۔ بس ہماری ویب کی اس محفل سے ایسی اُنسیت سی ہو گئی ہے کہ چاہے لکھوں کچھ بھی نا اسے دیکھے بنا چین بھی نہیں آتا پس جسقدر صحت اجازت دے گی آپ کی خدمت میں حاضری دیتا رہوں گا
اب سلسلہ کو وہیں سے شروع کرتے ہیں۔
عمران بابا وقاص کی گفتگو میں ایسا کھو گیا کہ بابا وقاص کے خاموش ہونے کے بعد بھی اِس سحر سے باہر نا آسکا جب بابا وقاص نے اُس کے شانے کو جھنجوڑا تو عمران کو ایسا محسوس ہُوا کہ جیسے کسی نے نیند سے جگا دِیا ہو۔ کیا ہُوا

عمران میاں کہاں کھو گئے تھے؟ بابا وقاص نے سوال کیا تو عمران نے نہایت یاس کی کیفیت سے بابا کے قدموں کی جانب دیکھتے ہُوئے کہا بابا مجھے نہیں معلوم کہ کوئی پری مجھے کیوں چاہتی ہے نا ہی میں ایسا حسین ہوں کہ کوئی پری مجھ پر عاشق ہوجائے اور نہ ہی ایسی کوئی خواہش میرے دِل میں کبھی پیدا ہُوئی البتہ تمام بچوں کی طرح مجھے بھی اس مخلوق کی کہانیوں سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے لیکن ایسا تو کبھی سوچا بھی نہیں کہ کوئی پری میری ہوجائے چہ جائیکہ وہ مجھ پر عاشق ہوجائے البتہ جب سے آپ نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ وہ لڑکی جسے میں نہیں دیکھ پایا ایک پری تھی جسم میں ایک سنسنی سی محسوس کر رہا ہوں اور مجھے اُس لمحے پر افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اُس وقت کیوں اُس سے آنکھیں چُرائیں کاش میں اُسے ایک نظر ہی دیکھ لیتا، یہ کہہ کر عمران بابا وقاص کی جانب دیکھنے لگا۔

بابا وقاص نے بڑے پیار سے عمران کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا عمران بیٹا تمہارے پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ عشق صرف حسین چہروں سے نہیں کیا جاتا بلکہ جنکے اخلاق اچھے ہوں جنکی عادات اچھی ہوں اُنکے عشق میں بھی لوگوں کے دِل گرفتار ہوجایا کرتے ہیں یہ تو میں بھی نہیں جانتا کہ تُمھاری کس بات پر وہ اپنا دِل ہار بیٹھی ہے۔ لیکن مجھے اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہ تُمھاری خاطر کچھ بھی کر سکتی ہے کیونکہ وہ تُم سے واقعی سچا

پیار کرتی ہے اور جہاں تک بات ہے اُس دِن کی محرومی کا تو تمہارے لئے خوشخبری یہ ہے وہ کوئی پہلی اور آخری مُلاقات نہیں تھی بلکہ اب یہ مُلاقات کا سلسلہ رُکنے والا نہیں۔ بیٹا انسانوں کی آنکھ میں ایک پردہ ایسا حائل ہوتا ہے کہ مخلوق اجنہ جسکے سبب نظر نہیں آتی لیکن تُم اب جب چاہو اِس مخلوق کو باآسانی دیکھ سکوگے لیکن ہمیشہ احتیاط کے دامن کو پکڑے رہنا اور کوشش کرنا کہ جس قدر ممکن ہو اُنکی آنکھوں میں جھانک کر گفتگو نا کرنا کہ فی الحال تُمھاری بینائی کے زائل ہونے کا اندیشہ ہے۔

بابا کیا آپ میری اُس پری سے مُلاقات کرواسکتے ہیں؟ عمران نے استعجاب کے عالم میں سوال کیا،

کیوں نہیں ! بابا وقاص نے بڑے یقینی لہجے میں جواب دِیا لیکن اُس کے لئے تمہیں اب تین روز مزید انتظار کرنا ہوگا اور ملاقات سے قبل کچھ تیاری بھی کرنی ہوگی بابا وقاص کی اِس بات سے جیسے عمران کے بدن میں اِک خُوشی کی لہر بیدار ہوگئی بابا وقاص نے عمران کو ایک اسمِ اِلٰہی بتاتے ہوئے خاص تعداد میں روزانہ بِلا ناغہ پڑھنے کی تاکید کرتے ہوئے سورہ کوثر کو بھی ایک خاص تعداد میں پڑھنے کیلیۓ کہا اس کے علاوہ تیسرے دِن موتیا کے گجرے کیساتھ ایک خاص خوشبو نئے کپڑوں پر لگا کر آنے کی خاص تاکید کرتے ہوئے کافی معلوماتی باتیں

بتائیں جو کہ بابا وقاص کے مطابق عمران کے علم میں ہونا ضروری تھیں عمران پر اِک سرشاری کی کیفیت طاری تھی اُسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ تین دِن بعد اُسکی ایک پری سے ملاقات ہونے جارہی ہے جو اُس سے بے پناہ محبت بھی کرتی ہے اور نا صرف محبت کرتی ہے بلکہ خود بھی عمران سے مُلاقات کی مُتمنی ہے۔

اسکے بعد بابا وقاص نے تنبیہ لہجے میں عمران سے الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے ایک بات اور سرگوشی کے انداز میں کہی کہ بیٹا کچھ بھی ہوجائے اِس ملاقات سے قبل کسی سے اِس بات کا تذکرہ بھول کر بھی نہیں کرنا کہ خدانخواستہ ظالم شکاریوں کو اِس کی بھنک لگ جائے اور وہ شکنجہ لگا کر بیٹھ جائیں اگر ایسا کچھ ہُوا تو نہ صرف تم تمام عمر پچھتاؤ گے بلکہ میرا ضمیر بھی ہمیشہ مجھے ملامت کرتا رہے گا کہ اس معاملے میں رازداری شرط اولین کی حیثیت رکھتی ہے بابا وقاص یہ کہتے ہوئے عمران کو الوداع کرنے کیلئے کھڑے ہوگئے مجبوراً عمران کو بھی کھڑا ہونا پڑا اگرچہ اُسکا من ابھی بابا وقاص سے مزید باتیں کرنے کو چاہ رہا تھا لیکن ادب کے پیش نظر عمران خاموشی سے جانے کیلئے تیار ہوگیا بابا وقاص کے گھر سے نکل کر اپنے گھر جاتے ہوئے عمران کو ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے وہ شاہراہ پر نہیں بلکہ فضاؤں میں اُڑ رہا ہو

(جاری ہے)

انشاء اللہ کوشش کروں گا کہ اب بلاتاخیر یہ سلسلہ جلد از جلد اپنے انجام کو پُہنچ جائے
اپنی دُعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیئے گا والسلام مع الاکرام آپ سب کیلئے دُعا گو آپکا
بھائی۔۔۔

ڈرون حملوں کا انتقام مزاراتِ اولیا اللہ سے کیوں؟

محترم قارئین السلامُ علیکم

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گُزرا جب داتا نگر لاھور میں۔برصغیر کی مشہور روحانی ہستی داتا علی ھجویری رحمتہ اللہ علیہ کے مزارِپُرانوار پر خود کش حملے کئے گئے تھے جس کے سبب کئی مسلمانوں کو جہاں اِن خود کش حملوں کی وجہ سے جامِ شہادت کی سعادت حاصل ہوئی تھی وہاں مزار مبارک کی بے حُرمتی کی وجہ سے مسلمانانِ عالم کے سینے فِگار تھے اُن حملوں کی ذمہ داری میڈیا کے مطابق تحریک طالبان نے قبول کر لی تھی اور وجہ یہ بتائی تھی کہ یہ سب ڈرون حملوں کے ردِ عمل کے طور پر کیا گیا ہے ابھی یہ زخم مندمل بھی نہیں ہُوا تھا کہ کل۔بروز جمعرات مورخہ 07 اکتوبر، 2010 کو پھر ایک مرتبہ شہر کراچی کی مشہور درگاہ اور پاکستان کی معروف روحانی ہستی حضرت عبداللہ شاہ غازی (رحمتہ اللہ علیہ) کے مزار مُبارک پر دو خود کش حملوں کے ذریعے۔بربریت پھیلائی گئی جس کے سبب سینکڑوں مسلمانوں کو زخمی کر دیا گیا اور دَسیوں مسلمان اس حملے میں شہادت عظمیٰ کے منصبِ اعلیٰ پر فائز ہوئے یہ حملہ بھی میڈیا کی رپورٹ کے مطابق کالعدم تحریک طالبان نے کرایا ہے جس کی ذمہ داری وہ قبول کر چُکے ہیں۔

وجہ آج بھی یہی بیان کی جارہی ہے کہ یہ سب امریکی ڈرون حملوں کے رد عمل میں کیا گیا ہے۔

محترم قارئین آپ مُنصف بن کر اِن دھشگردوں کی اس منطق پر غور کریں تو آپ خود اس فیصلے پر باآسانی پُہنچ جائیں گے کہ وجہ چاہے جو بھی بیان کی جارہی ہو اِن دھشتگردوں کے عزائم درحقیقت کچھ اور ہی ہیں جن پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کی جارہی ہے۔

قارئین کرام آپ سے میری استدعا ہے کہ میری معروضات پر مسلکی وابستگی سے بالا ہو کر صرف ایک مسلمان کی حیثیت سے غور کریں تو آپ کا دِل بھی اس نامعقول حرکت پر آپ کے ضمیر کو جھنجوڑنے کیلئے تیار ہوجائے گا کہ اگر یہ سب کچھ صرف ڈرون حملوں کے ردِ عمل کے طور پر ہورہاہے اور وہ لوگ جو اس بات کا از خود بدلہ لینے کا اِرادہ رکھتے ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اس کا انتقام بھی امریکی حکومت سے لیتے نظر آتے یا اگر وہ اس قدر کمزور ہیں کہ امریکی حکومت سے اِن ڈرون حملوں کا بدلہ لینے کی استطاعت نہیں رکھتے تو کم از کم انکا نشانہ وہ حکومت بنتی جو امریکی حکومت کو سپورٹ فراہم کررہی تھی یا وہ اعلیٰ قیادت اسکا نشانہ بنتی جو ڈرون حملوں کو جائز گردانتے ہوں اگرچہ یہ طریقہ بھی اسلامی اصول اور قوانین کیخلاف ہی ہوتا کہ اسلامی نظام حکومت میں

انصاف فراہم کرنا عدلیہ کی ذمہ داری ہے نا کہ عوام از خود انتقام لینے لگیں البتہ عوامی شعور بیدار کرکے ایک احتجاجی تحریک کے ذریعے عوامی نمائندگان پر دباؤ کے ذریعے بھی اپنے مطالبات منوائے جاتے ہیں اور یہی تمام دُنیا کی باشعور اقوام کرتی ہیں۔

لیکن ڈرون حملوں کا انتقام مزارات اولیا اللہ سے لینے کا مطلب سمجھ سے بالاتر ہے کیا وہ دھشتگرد جو ان حملوں میں اپنی دُنیا اور آخرت کو جہاد کے نام پر برباد کر رہے ہیں کیا وہ اِن حملوں کے ذریعے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اِن ڈرون حملوں کی اِجازت ان مزاراتِ مبارکہ سے امریکیوں کو دِی جاتی ہے جسکی وجہ سے وہ اپنے ناپاک عزائم کے حصول کی خاطر ان مزارات پر حملے کر رہے ہیں۔

یا وہ ڈرون حملے اِن نفوس قدسیہ کے عشاق کی جانب سے کئے جارہے ہیں کیا وجہ ہے کہ یہ بُزدل کلفٹن میں موجود صدر آصف علی زرداری کے محل نُما بنگلہ کے سامنے اپنا احتجاج ریکارڈ نہیں کراتے لیکن مزارِ حضرت عبداللہ شاہ غازی پر حملہ کر دیتے ہیں کیا وجہ ہے کہ لاھور میں وزیر اعلیٰ پنجاب اور گورنر ہاؤس کے سامنے اپنی قربانیاں نہیں پیش کرتے، جو کہ سراسر خودکُشیاں ہیں لیکن داتا صاحب کے مزار مبارک پر حملہ کردیتے ہیں۔

آخر اُنکے وہ کونسے پوشیدہ اھداف ہیں جنکی خاطر وہ مزارات اولیا اللہ اور صرف مساجد اہلسنت اور امام بارگاہوں پر ہی خود کش حملے کرتے ہیں اور خود جن مسالک کے مدرسوں سے فارغ ہوتے ہیں اُنہیں ان حملوں سے استثنٰی حاصل ہے۔ آپ جوں جوں اس معاملے پر غور و فکر کرتے چلے جائیں گے کہ دراصل یہ حملے ڈرون حملوں کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ اس کی آڑ میں ایک مخصوص فرقہ ہے جو اہلسُنت مسلک کو دیوار سے لگانے کا عمل جاری رکھے ہُوئے ہے جنکے عقائد میں اولیا اللہ کے مزارات کو بت کدوں سے تشبیہ دی جاتی ہے جنکی کوشش ہے کہ کسی طرح مزارات اولیا اللہ پر مسلسل حملوں کے ذریعے جہاں ایک طرف حکومت پر دباؤ پیدا ہوگا تو دوسری جانب انتظامیہ ان مزارات مبارکہ کی حفاظت کے پیش نظر انہیں سیل کرنے پر مجبور ہو جائیگی۔

لیکن یہ ناعاقبت اندیش لوگ نہیں جانتے کہ ان مٹھی بھر دھشگردوں کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی مُلک پاکستان کی اکثریت اولیائے عظام رَحمُ اللہِ اجمعین سے عقیدت اور عشق کرنے والی ہیں وہ کبھی بھی ان ناپاک عزائم کو پورا نہیں ہونے دیں گی اور اللہ کے فضل وکرم سے یہ سلسلہ فیض یونہی جاری و ساری رہیگا اور اُنہیں یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ ہر عمل کا ایک ردِ عمل ہوتا ہے جس دھشتگردی کا بیج اُنہوں نے اِس پُرامن دھرتی پر بُویا ہے ایک دن آئے گا

جب اُکے کانٹے اُنہیں بھی چُھبنے پڑیں گے جس دِن عشاق اولیا اللہ کی برداشت کا مادہ ختم ہوگیا تو ایسا سیلاب آئے گا جو اُن دھشگردوں کو کہیں سائبان مُہیا نہیں ہونے دیگا اگر آج بھی طاقت کے نشے میں چُور اُن لوگوں نے ہوش کے ناخن نہیں لئے جو صرف تماش بین بنے بیٹھے ہیں کہ فی الحال یہ آگ مُخالف کا گھر جلارہی ہے تو وہ دِن دور نہیں جب یہ آگ کسی گھر میں تمیز باقی نہیں رکھے گی آج تمام مسالک کے علما کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس خونی ڈرامے کو بند کرائیں حرام کو حرام کہیں ورنہ تاریخ اُنہیں بھی کبھی مُعاف نہیں کرے گی۔

مزارات اولیا اللہ پر حملے کے مرتکبین اور اُنکے حامی عذابِ آخرت سے قبل دُنیا میں بھی ذلیل رہیں گے کہ یہ حدیث قدسی جو بُخاری میں موجود ہے پیش کررہا ہوں، ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالٰی فرماتا ہے جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میں اُس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔

اور جب وہ جبار وقہار عزوجل اپنے اولیا کا انتقام لیگا تو کون ہے جو اُسکے انتقام کی تاب لاسکے

اللہ کریم تمام مسلمانوں کو اس فتنے کی تباہکاریوں سے محفوظ و مامون رکھے۔

آمین بجاہ نبی الخاتمین و سید المرسلین) وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم (

ہر آنکھوں دیکھا اور کان سے سُنا بھی سچ نہیں ہوتا

محترم قارئین السلامُ علیکم

کہتے ہیں کہ پہلے جب لوگ جھوٹ بولا کرتے تھے تو اُنکے منہ سے ایسی بدبو پیدا ہُوا کرتی کہ سامنے والے کو فوراً علم ہو جاتا کہ گفتگو کرنے والا جھوٹ بول رہا ہے جسکی وجہ سے جھوٹا شرمندہ ہو جایا کرتا۔ لیکن آج کل ہمارے معاشرے میں جھوٹ اتنے تواتر سے بولا جاتا ہے کہ وہی سچ محسوس ہونے لگا ہے جبکہ شرمندہ ہونے کی روایت بھی دَم توڑ چکی ہے اور بالفرض کوئی آج ہمارے اِس معاشرے میں اللہ کریم کی توفیق سے سچ کہنا شروع کردے تو لوگوں کو لگتا ہے کہ شائد سامنے والا جھوٹ کہہ رہا ہے۔

جس طرح عرف عام میں مولوی کی دوڑ مسجد تک مشہور ہے بالکل اُسی طرح مجھے جب کوئی مسئلہ درپیش آتا ہے یا کوئی ایسی بات جسکا روایتی جواب دِل کو مطمئین نہ کرپائے تُو میں کسی دُرویش کی کُٹیا پر جا کھڑا ہوتا ہوں اور جب تک جواب نہیں پا لوں دہلیز نہیں چھوڑتا، جب میں نے ایک درویش سے یہی سوال کیا کہ بابا کل تک تو لوگ جھوٹے شخص کا پتہ اُسکے مُنہ کی بدبو سے لگا لیا کرتے تھے اب بدبو کیوں نہیں آتی؟

تب اُنھوں نے جو بات مجھے بتائی اُس نے مجھے ورطہ حیرت میں ڈال دیا وہ درویش کہنے لگے کون کہتا ہے کہ آج جھوٹ بولنے والے کے مُنہ سے بدبو نہیں آتی بدبو تو آج بھی جھوٹے کے مُنہ سے آتی ہے اور ایسی آتی ہے کہ رحمت کے فرشتے بھی اُس سے فاصلے پر چلے جاتے ہیں رہی بات یہ کہ ہمیں بدبُو کیوں نہیں آتی تُو بیٹا اِس کا جواب بڑا آسان ہے جس طرح بھینسوں کے طبیلے میں رہنے والے گوالے کو گُوبر کی بدبُو محسوس نہیں ہوتی کہ اُسکی ناک اُس ماحول میں رَچ بس جاتی ہے پس اُسی طرح ہماری دُنیا میں بھی جھوٹ اِس کثرت سے بولا جاتا ہے کہ ہماری ناک بھی اِس گندی بدبُو سے اَٹ (بھر) چُکی ہے۔

لِہٰذا ہمیں اس بدبو بھرے ماحول میں علم ہی نہیں ہوپاتا کہ کِس کِس کے مُنہ سے جھوٹ بولنے کے سبب بَدبو پیدا ہو رہی ہے آج بھی کسی ایسے مقام پر جہاں سچ کثرت سے بولا جاتا ہو، جھوٹے کے مُنہ کی بَدبو سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ جھوٹ بُول رہا ہے۔

قارئین کرام کوئی بھی مذہب وُ دِین ہو جھوٹ کو پسند نہیں کرتا بلکہ اُس کی مذمت ہی کرتا نظر آئے گا سوائے حالتِ اضطرار کے اسلام میں بھی اِس کی قطعاً گُنجائش نہیں لیکن ہم لوگوں نے جھوٹ کو ایسا اُوڑھنا بِچھونا بنا لیا ہے کہ چاہے ضرورت ہو یا نہ ہو جھوٹ بُولے بِنا نہیں رِہ پاتے جسکے سبب ایک دوسرے

پر اعتماد کا فقدان بھی پیدا ہوگیا ہے۔

حالانکہ مؤمن کی یہ شان نہیں کہ ہر سُنی سُنائی بات کو بِلا تحقیق آگے بڑھا دے یا کسی بات میں مزہ پیدا کرنے کیلئے اس میں اپنی جانب سے ایسا اِضافہ کردے کہ جس کے سبب اُس بات کا اصل سیاق و سباق ہی تبدیل ہو کر رہ جائے چنانچہ مدنی آقا علیہ الصلوٰۃُ والسلام کے فرمانِ عالیشان کا مفہوم ہے، کسی کے جھوٹا ہونے کیلئے اِتنا ہی کافی ہے کہ ہر سُنی سُنائی بات کو بِنا تصدیق کے آگے پیش کردے۔

(جاری ہے)

تذکرہ اِک پری کی مُحبت کا (حصہ پنجم)۔

عمران بابا وقاص سے ملکر جب اپنے گھر پُہنچا تو اُسکے چہرے پہ خوشی کے تاثرات اُسکی بیوی سے بھی چُھپے نہ رہ سکے عمران کو کھانا پروستے ہوئے کہنے لگی کیا بات ہے آج کل بڑے خوش نظر آرہے ہیں نہ کسی سے زیادہ بات کرتے ہیں نہ ہی مجھے پہلے جیسی اہمیت دِی جارہی ہے کیا بات ہے کہیں کوئی چکر تو نہیں چل رہا؟

عمران نے بیگم کے لہجے میں چُھپے ہوئے طنز کو محسوس کرتے ہُوئے سوچا آج اِسے بھی بتادینا چاہیے کہ جس انسان کو وہ ایک عام سا مرد سمجھتی ہے اُسکے عشق میں کوئی عام لڑکی نہیں بلکہ ایک اعلیٰ نسب کی پری گرفتار ہے، عمران کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اُسے بابا وقاص کی بات یاد آگئی کہ اس معاملے کو ابھی کسی پر عیاں نہیں کرنا ہے ویسے بھی عمران کو یقین تھا کہ اُس کی بیگم اِس کی بات کا کبھی بھی اعتبار نہیں کرے گی بلکہ ہوسکتا ہے وہ سارے گھر میں اسکا مذاق بنادے کیونکہ وہ اکثر عمران سے اپنا موازنہ کرتے ہوئے احساس۔برتری کے مرض میں مُبتلا ہوجاتی تھی اُسکا خیال تھا کہ عمران جیسے بندے سے کوئی لڑکی عشق تو کجا محبت کا اظہار بھی نہیں کرسکتی تھی کیونکہ عمران کے پاس پیسہ تو تھا لیکن اِتنا سادہ طبعیت کہ اُسے فرق ہی

نہیں پڑتا کہ اُس نے جو کپڑے پہن رکھے ہیں وہ استری شُدہ ہیں یا سلوٹ زدہ ہیں اور اِسٹائل تو جیسے عمران کو کبھی چُھو کر بھی نہیں گُزرا بھلا ایسے مرد میں کون بے وقوف عورت انٹرسٹ لے سکتی ہے۔

عمران نے موقع کی نزاکت کے پیش نظر اس طنزیہ سوال کا مُبہم سا جواب دیتے ہوئے کہا یہ بات تو تُم مجھ سے بہتر جانتی ہو کہ میں کسی کے عشق کے قابل کہاں!

ہاں یہ بات تو ہے! مگر چچا غالب کا وہ شعر ہے نا۔ بے وقوفوں کی کمی نہیں غالب ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں۔ بیگم نے بھی تُرکی بہ تُرکی جواب دیا۔

عمران جانتا تھا کہ اِس گُفتگو کا انجام خطرناک ہونے والا تھا، لہٰذا جلد جلد لقمے مُنہ میں ڈالے اور ہاتھ مُنہ دھو کر لائٹ آف کی اور بستر پر دراز ہو کر آنکھیں موند لیں اور تصور میں اُس مہ جبیں شیریں کلام حسینہ کا جلوہ تلاش کرنے لگا جو ہمیشہ خُوابوں میں اُسکے ساتھ رہا کرتی تھی اِس ناکام کوشش میں کب عمران کو نیند آ گئی پتہ ہی نہیں چلا۔

عمران بڑی بے تابی سے دِنوں کے گُزرنے کا انتظار کر رہا تھا اللہ اللہ کرتے

جب تیسرا دِن آیا تو عمران خلافِ معمول صبح سات بجے ہی بابا وقاص کے آستانے پر حاضر ہوگیا بابا وقاص کسی کتاب کا مُطالعہ کر رہے تھے عمران کو دیکھتے ہی مُسکرا کر کہنے لگے بیٹا لگتا ہے تُم رات بھر نہیں سوئے ہُو بھائی تھوڑا سا صبر مزید کرلو بس آج دوپہر تک تُمھاری مُلاقات اُس سے ہو جائے گی۔

عمران خجل سا ہو کر کہنے لگا نہیں بابا ایسی بات نہیں وہ تُو میں یہاں سے گُزر رہا تھا سوچا آپ کو سلام کرتے ہوئے جاؤں۔

اچھا بیٹا اب تُم اپنے کام پر جاؤ اور ظہر کے وقت مطلوبہ سامان کے ساتھ آجانا اور دوپہر کا کھانا بھی ہمارے ساتھ ہی کھانا عمران سلام کرتے ہوئے واپس پلٹ آیا آفس پہنچ کر کام تو خیر کیا کرتا گھڑی کا طواف نظروں سے کرتا رہا جونہی گھڑی نے دوپہر کے 12 بجنے کا اعلان کیا عمران نے موٹر بائیک نکالی اور بازار روانہ ہوگیا سب سے پہلے عمران نے مطلوبہ پرفیوم خریدا اُسکے بعد موتیا کا ایک گجرا بنوایا پھر ایک خیال کے تحت دو عدد موتیا کے کنگن بھی بنوا لئے یہاں سے فارغ ہونے کے بعد عمران شہر کی مشہور مٹھائی کی دُکان سے مٹھائی خرید کر بابا وقاص کے آستانے پُہنچ گیا جس وقت عمران بابا وقاص کے آستانے پر پُہنچا تو گھر سے لذیذ کھانوں کی مہک آرہی تھی بابا وقاص نے عمران کو دیکھتے ہوئے شُوخی سے کہا بس میاں ایک گھنٹہ اور باقی ہے تُم

ظہر کی نماز پڑھ آؤ واپسی میں یا باسِطُ کا ورد کرتے ہوئے نظریں جھکائے واپس آ جانا تب تک کھانا بھی تیار ہو جائے گا اور مہمان بھی آ جائیں گے۔

عمران ظہر کی نماز سے سوا ایک بجے تک فارغ ہو گیا اُسکے بعد نجانے عمران کے دِماغ میں کیا سمائی کے بابا وقاص کے گھر سے دور راستہ پر ایک پُرانی کوٹھری بنی ہوئی تھی موٹر سائیکل اندر کھڑی کرنے کے بعد عمران بابا وقاص کے مکان کی جانب تکنے لگا عمران کا مقصد اگرچہ صرف اِتنا ہی تھا کہ وہ اُس مہ جبین کو ایک نظر مُلاقات سے قبل دیکھنا چاہتا تھا اور اُسکی راہ کا تعین کرنا چاہتا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ گُزر گیا مگر وہ نہ آئی عمران مجبوراً کوٹھری سے باہر آیا اور بابا وقاص کے گھر کی جانب چل دَیا بابا وقاص کے آستانے پر پُہنچ کر جونہی عمران بابا وقاص کے سامنے آیا تو عمران کے پیروں تلے زمین نکل گئی بابا وقاص غضبناک آنکھوں سے عمران کو گھور رہے تھے۔

بابا وقاص گرجتے ہوئے لہجے میں عمران سے گُویا ہوئے کرآئے جاسوسی تُمہیں اگر جاسوسی ہی کرنی تھی تو کیوں بُلایا تھا اُسے۔ کِس پر شک کر رہے اُس پر یا مجھ پر، وہ روتی ہوئی چلی گئی ہے اب شائد کبھی نہ آئے لہٰذا تُم بھی اپنا سامان اُٹھاؤ اور یہاں سے چلے جاؤ اور آئندہ اپنی صورت مجھے پھر کبھی نہ دِکھانا۔

بابا وقاص اِسکے بعد ایک کمرے میں چلے گئے جبکہ عمران حیران و پریشان گُم سُم سا کھڑا تھا کہ کسی نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

(جاری ہے)

بقیہ۔ ہر آنکھوں دیکھا سچ نہیں ہُوتا ایک کہانی

ایک بُزرُگ عَالِم (علیہ الرحمہ) سے ایک شخص نے سوال کیا جناب میں نے دیکھا کہ ایک کُتا میرے گھر میں داخل ہُوا گھر کے جس کمرے میں کُتا داخل ہُوا اُس کمرے میں دَھی کا کونڈا بھی رکھا تھا میں نے للکارا تو کُتا باہر نکلا اُس کا مُنہ گیلا تھا مجھے لگتا ہے کہ کُتّے نے دَھی کے کونڈے میں مُنہ ڈالا ہُوگا۔

اب آپ بتائیں کیا وہ دَھی قابل استعمال ہے یا نجس ہوگیا ہے؟

اُن بُزرُگ عَالِم (علیہ الرحمہ) نے سائل کی جانب توجہ فرماتے ہُوئے اِرشاد فرمایا کیا تُو نے خُود اُس کُتّے کو دَھی کے کونڈے میں مُنہ مارتے دِیکھا ہے؟

اُس شخص نے اکھڑ لہجے میں جواب دیا، کہ آنکھوں سے تو نہیں دیکھا مگر مجھے لگتا ہے کہ اُس کتے نے ضرور اُس دَھی کے کُونڈے میں مُنہ مارا ہوگا!

تب اُن بُزرُگ عالِم (علیہ الرحمہ) نے بڑے تحمل سے اِرشاد فرمایا کہ اگر

تُو نے آنکھوں سے نہیں دیکھا تو یہ صرف تیرا شک ہے لِہٰذا اُس دَھی کو پاک مانا جائے گا اور اِستعمال بھی کیا جائے گا۔

وہ شخص بیزاری کے عالَم میں کہنے لگا عجیب بات کہی آپ نے کہ میں نے آنکھوں سے نہیں دیکھا اِس لئے دَھی پاک ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کمرے میں دَھی بھی موجود تھا اور کُتا بھی موجود تھا اور یہ کُتّے کی مرغوب غذا بھی ہے تو کیسے ممکن ہے کہ کُتّے نے دَھی میں مُنہ نا مارا ہُو، یہ کہتے ہُوئے وہ شخص انتہائی غصہ کے عالَم میں وہاں سے بکتا جھکتا روانہ ہُوگیا۔

کچھ عرصہ بعد وہی شخص اپنے گھر میں مُرغی ذبح کرنے کے بعد اُسکی بُوٹیاں بنا رہا تھا تبھی اُسکی بیگم نے ایک سونے کا ہار اپنے شوہر کو لا کر دِکھایا، ہار انتہائی خوبصورت اور بے مثال کام سے مُزیّن تھا وہ شخص ہار دیکھ ہی رہا تھا کی ایک چیل نے اچانک مُرغی کی ایک بُوٹی پر جھپٹا مارا بے خودی میں اس شخص نے ہار والے ہاتھ سے چیل کو بھگانے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں وہ ہار بھی چیل کے پنجوں سے اُلجھ گیا اور چیل گوشت کی بُوٹی کیساتھ ہار بھی لے اُڑی یہ شخص دیوانہ وار چھری لئے اُس چیل کے پیچھے لپکا چیل نے بستی سے کافی دور جا کر اُس ہار کو خود سے جُدا کردیا۔ ہار چیل کی گرفت سے آزاد ہو کر چند جھاڑیوں میں آگرا یہ شخص جھاڑیوں میں ہار تلاش کر رہا تھا

کہ اُسے ایک تازہ لاش خُون میں لت پَت نظر آئی لاش دیکھتے ہی اُس شخص کی چیخ بُلند ہو گئی وہاں سے کچھ فاصلے پر چند سِپاھی گُزر رہے تھے چیخ کی آواز سُن کر وہ سِپاھی موقعہ واردات پر آگئے اُنھوں نے ایک لاش کو خُون میں لَت پَت دیکھا تو اُس شخص کو گرفتار کرلیا وہ شخص چیخنے لگا کہ بھائی یہ قتل میں نے نہیں کیا!

سِپاھی کہنے لگے واہ کیا بات کہی ،، لاش موجود ہے، چھری تُمھارے ہاتھ میں ہے ہار بھی تُمھارے ہاتھ میں موجود ہے خُون لاش پر بھی موجود ہے اور تُمھارے ہاتھوں پر بھی لگا ہے پھر بھی کہتے ہُو کہ قتل میں نے نہیں کیا لِہذا اُس شخص کو حوالات میں ڈال دِیا گیا۔

حوالات میں قید ہُونے کے بعد یہ اپنے سابقہ گُناہوں کو یاد کرتے ہُوئے معافی مانگنے لگا تبھی ایک رات اُسے درویش عَالِم سے کی گئی اپنی بحث یاد آئی اور ساتھ ہی اپنی گرفتاری کا طریقہ بھی اُسے یہ سمجھنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی کہ وہ اِس اِمتحان میں صرف اُس درویش سے گُستاخی کے سبب مُبتَلا ہُوا ہے تب اُس نے اللہ کریم کے حضور سچے دِل سے توبہ کی اور آسانی کیلئے دُعا کُرنے لگا صبح داُروغہ حوالات نے اُسے خوشخبری سُنائی کہ اصل قاتل پکڑا گیا ہے اب جلد تُمھیں آزاد کردِیا جائے گا

قارئین مُحترم اِس واقعہ سے مجھے کئی خُوبصورت باتیں سیکھنے کو ملی تھیں سو آپ سے شیئر کر لیں

نمبر 1 اللہ والوں سے اور صاحبان علم سے نہیں اُلجھنا چاہیئے

نمبر 2 اللہ والوں کی تعظیم دِل سے کرنی چاہیئے

نمبر 3 کبھی کبھی آنکھوں دیکھا بھی جھوٹ ہوسکتا ہے اس لئے آگے بیان کرنے میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چُھوڑنا چاہیئے

نمبر 4 خوامخواہ بدگمانی اور شک کو دِل میں جگا نہیں دینی چاہیئے

والسلام مع الاکرام آپکا بھائی

تذکرہ اک پری کی مُحبت کا (حصہ ششم)۔

عمران نے پلٹ کر دیکھا تو بابا وقاص کے خادمِ خاص خادم حُسین کو اپنی جانب متوجہ پایا ایک لمحے کیلئے عمران کو لگا تھا جیسے وہ پلٹ آئی ہو کہ جس کی دید کیلئے عمران تڑپ رہا تھا مگر یہ تُو بابا کے خدمتگار تھے عمران کی بھیگی آنکھیں چھلک پڑیں تبھی خادم حُسین نے اپنے ہاتھوں کو جوڑتے ہوئے کہا عمران بابا اِس وقت آپ چلے جاؤ سائیں بُہت غصے میں ہیں اِتنا غصے میں بابا صاحب کو میں نے کبھی نہیں دیکھا لیکن میں اِتنا ضرور جانتا ہُوں بابا صاحب آپ سے بھی بے حد پیار کرتے ہیں اِسلئے آپ پھر کسی وقت آکر بابا صاحب کو منا لینا مجھے اُمید ہے وہ ضرور مان جائیں گے۔

عمران نے خادم حُسین سے کہا، نہیں خادم حُسین میں اُس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک کہ اپنی صفائی پیش نہ کردوں آج اگر میں یہاں سے چلا گیا تو شائد پھر کبھی نہ آسکوں،، خادم حُسین کافی دیر تک عمران کو سمجھاتا رہا لیکن عمران نے تُو جیسے آج قسم کھالی تھی کہ آج ورنہ کبھی نہیں۔

عمران اپنے آنسو پونچھ کر وَہیں مہمان خانے والے حصے میں بیٹھ کر بابا

صاحب کی آمد کا منتظر رہا یہاں تک کہ عصر کی آذان ہُو گئی لیکن بابا وقاص اپنے حُجرے سے نہیں نِکلے عمران نے وضو بنا کر عصر کی نیت باندھ لی نماز سے فارغ ہُو کر عمران دُعا مانگتے ہُوئے ہچکیاں باندھ کر روپڑا دُعا سے فارغ ہُو کر جونہی عمران کھڑا ہُونے کے بعد پلٹا تو بابا وقاص کھڑے تھے عمران نے بابا کی آنکھوں کو بھی نم پایا عمران بابا وقاص کو دیکھتے ہی بابا کی جانب بڑھا بابا وقاص نے عمران کو کھینچ کر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا بڑے بے وقوف نکلے تُم۔ اب خُود بھی رو رہے ہُو اور مجھے بھی رُلا رہے ہو حالانکہ میں نے دِل میں تہیہ کرلیا تھا کہ تُمہاری اِس غلطی کو معاف نہیں کرونگا لیکن تُمہاری حالت اور تُمہاری بے اِختیاری کے سبب اپنے ہاتھوں کو نہیں روک پایا، اچھا اب مجھے بھی نماز پڑھنی ہے تُم کچھ دیر بیٹھو تاکہ میں بھی نماز ادا کرلوں، عمران بابا وقاص کے سینے سے الگ ہو کر چٹائی پر بیٹھ گیا جبکہ بابا وقاص نماز میں مشغول ہو گئے۔

عمران بابا صاحب کو نماز ادا کرتے ہُوئے دیکھنے لگا، اور سوچنے لگا واقعی نماز تُو بابا صاحب پڑھا کرتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ جیسے وہ نماز پڑھتے ہوئے دُنیا و مافیہا سے بیگانہ ہُو جاتے ہیں ایک مرتبہ عمران نے بابا وقاص سے پُوچھا بھی تھا کہ بابا ایسی نماز ہم سے کیوں نہیں پڑھی جاتی؟ تب بابا نے ایک شعر پڑھا تھا

جب تک بِکا نہ تھا تُو کوئی پُوچھتا نہ تھا
تُم نے خرید کر مجھے انمول کر دیا

اور جب عمران نے بابا وقاص سے اِسکا مطلب پُوچھا تو بابا وقاص نے کہا تھا کہ بیٹا کبھی ہماری نماز بھی بڑی بے کیف تھی زندگی میں صرف رِیاکاری ہی رِیاکاری تھی 20 برس تک ڈھونگ کرتا رہا ڈھونگ کرتے کرتے ڈھنگ آگیا اور پھر ایک کامل کی نظر پڑ گئی تو صرف ایک نظر میں رَنگ کر چلے گئے ۔ یوں ڈھونگ سے ڈھنگ اور ڈھنگ سے رنگ آگیا۔ سو ہم بھی رَنگ گئے اور یہ کیف و مستی صرف اِک نظر کا کمال ہے میاں صرف ایک مرتبہ اُس کامل کی دِید سے وہ کچھ مِل گیا جسکی میں کبھی تمنا بھی نہیں کر سکتا تھا کبھی تمام عمر مانگنے سے بھی اسقدر نہیں مِلتا کہ جھولی میں سما جائے اور کبھی بِن مانگے اِتنا مِل جاتا ہے کہ دامن کی تنگی کا احساس ہُوتا ہے اور جب عمران نے پُوچھا کہ بابا اِس مقام تک پُہنچنے میں آپ کا کیا کمال ہے تو بابا وقاص نے صرف اِتنا ہی فرمایا تھا،، صرف ادب،، اِس کے سِوا کچھ بھی نہیں یہ بزرگوں کا اَدب ہی تھا جس نے میرا اقبال بھی بُلند کر دیا اور ایک مردِ قلندر کی نگاہِ لطف کا امیدوار بنا ڈالا۔

بابا وقاص نماز سے فارغ ہُو کر چارپائی پر جا بیٹھے اور عمران کو بھی اپنے

پاس بُلا لیا کچھ لمحے یونہی خاموشی میں گُزرے پھر بابا وقاص ہی نے خاموشی کو توڑتے ہوئے استفسار فرمایا، بیٹا کیوں چُھپ کر بیٹھے تھے اُس کُٹیا میں ؟

سُوچا تھا کہ آستانے میں شائد دِل بھر کر نہ دیکھ سکوں کہ ادب آستاں مانع رہے گا۔ اِس لئے ایک نظر دِل بھر کر دیکھنا چاہتا تھا عمران نے نگاہیں جھکا کر جواب دِیا

اب کیا اِرادے ہیں ؟ بابا وقاص نے اگلا سوال کیا

بابا غلطیاں بچوں سے ہوجاتی ہیں مجھ سے بھی سرزد ہوئی ہے چاہیں تو مُعاف فرمادیں چاہے سزا دے لیں لیکن خود سے جُدا نہ فرمائیں آپ چاہیں تُو اُسے پھر سے بُلا سکتے ہیں اگر آپ نے مجھے موقع عنایت فرما دیا تُو میں مزید شُکر گُزار ہُوں گا اور اگر اُسے نہیں بُلایا تب بھی کوئی شِکوہ کبھی اپنی زبان پر نہیں لاؤں گا عمران نے نگاہیں بدستور نیچے رکھتے ہوئے جواب دیا۔

عمران میاں ہمیں معلوم تھا کہ تُمہاری سعادتمندی تُمہیں ہمیشہ ہم سے قریب رکھے گی بُزرگوں سے ہمیشہ ایک ہی بات سُنی ہے،، با ادب با نصیب اور بے ادب

بد نصیب،، سُو تُمھاری فرنبرداری ہمیں بھی پسند آئی ہے اب چونکہ غلطی تُم سے سرزد ہُوچکی ہے اِس لئے اِس کی معمولی سی سَزا بھی تُمھی بُھگتو گے لٰہذا تُمھاری سَزا یہ ہے کہ مزید ایک ہَفتہ تُمھیں انتظار کرنا ہُوگا جبھی تُمھاری مُراد پُوری ہوگی۔ عمران معافی مِلنے پر اگرچہ سرشارِ قلب تھا مگر پھر بھی ایک نامعلوم سی بے چینی تھی جسکا اِدراک عمران اُس وقت نہیں کرپارہا تھا۔

گھر پُہنچ کر عمران جان گیا کہ یہ بے چینی اُس مہ جبین کی ناراضگی کی وجہ سے تھی جِسے منانا ابھی باقی تھا اور ابھی اُسے یہ صبر آزما ہفتہ بھی تُو گُزارنا تھا لیکن یہ بات بھی اٹل تھی کہ اُس کی مُلاقات ایک ہفتہ بعد ہی سہی لیکن لکھی جاچکی تھی یہی سب کچھ سوچتے ہوئے عمران اپنے بستر پر دراز ہوگیا رات کسی پہر اُسے احساس ہُوا کہ کوئی اُسکے سینے پر اپنا چہرہ رکھے سِسک رہا ہے بے اِختیار عمران کی آنکھ کھل گئی لیکن یہ کیا اُسکے بستر پر کوئی نہیں تھا دوسرے بیڈ پر بچّے اپنی ماں سے لپٹے سو رہے تھے۔

عمران کے تمام جِسم کے رونگھٹے کھڑے ہوگئے کسی نِسوانی سسکیوں کی آواز ابھی تک عمران کے کانوں میں گونج رہی تھی عمران پر خوف کی کیفیت سوار تھی حلق میں پیاس کی وجہ سے کانٹے سے پڑ گئے تھے پانی کا جگ سامنے ٹیبل پر پڑا تھا

لیکن اُٹھنے کی ہمت بھی نہیں ہو پا رہی تھی تبھی ایک سائے کو دیوار پر رینگتے دیکھ کر عمران نے چیخنے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش بھی ناکام ہی رہی۔

(جاری ہے)

قارئین محترم امید کرتا ہُوں کہ آپکی ناراضگی کافی حد تک کم ہو گئی ہوگی میں اپنی بھرپور کوشش کرونگا کہ اب یہ تسلسل نہ ٹوٹنے پائے اس کے علاوہ ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ یہ ایک ایسی انمول سچی کہانی ہے جسکی قیمت شائد کوئی عام انسان دے ہی نہیں سکتا ہماری ویب کے علاوہ میں نے اس کہانی کو آج تک کہیں بھی پوسٹ نہیں کیا اور دُنیا میں صرف آٹھ دس ہی افراد ہُونگے جو اِس سچّی کہانی کے مُتعلق جانتے ہیں۔

والسلام مع الاکرام آپ سبکی دُعاؤں کا طالِب آپکا بھائی

تذکرہ اک پری کی مُحبت کا (ساتواں حصہ)۔

عمران کا تمام جسم پسینے سے شرابور تھا جسم پر کپکی طاری تھی ہاتھوں پر لرزہ کی سی کیفیت تھی تبھی کہیں دور سے فجر کی آذان سُنائی دی یہ یقیناً اُس آواز کا فیضان تھا کہ یک لخت عمران کو یوں محسوس ہُوا کہ جیسے کسی نے عمران کے جسم سے کسی کثیف چادر کو اُتار پھینکا ہو جسکے سبب عمران کا خُوف رفتہ رفتہ کم ہُونے لگا کیفیت تبدیل ہونے لگی تبھی عمران نے ہمت کی اور اُٹھ کر سوئچ آن کردیا۔

کمرے میں روشنی ہوتے ہی بچوں نے کسمسا کر چادر اپنے چہروں پہ تان لی روشنی ہوتے ہی عمران نے اپنی حالت میں مزید اعتماد محسوس کیا اور کمرے کا دروازہ کھول کر واش روم میں داخل ہو کر وضو بنانے لگا وُضو سے فارغ ہونے کے بعد عمران مکمل طور پرپُرسکون ہُوچکا تھا لیکن ابھی بھی کوئی انجانا خُوف تھا جو کہیں دِل میں چُھپا بیٹھا تھا اور عمران کو اِس بات کیلئے اُکسا رہا تھا کہ نماز کمرے ہی میں پڑھ لی جائے لہٰذا عمران نے لاؤنج میں فجر کی نماز ادا کرلی۔

نماز سے فارغ ہُونے کے بعد عمران نے سونے کی دوبارہ کوشش نہیں کی ویسے بھی

نیند عمران کی آنکھوں سے رَفو ہُوچکی تھی عمران اپنے بیڈ پر کچھ لمحے تسبیح کے دانوں پر اپنے مُرشد کے عطا کئے ہُوئے وظائف پڑھتا رہا تبھی کسی نے چپکے سے اُسکے کانوں کے قریب آ کر کہا، ہر بات اپنے مُرشد کو بتاتے ہُو لیکن اِس پری کا تذکرہ کیوں نہیں کرتے ؟ عمران نے فوراً گردن گھما کر دائیں بائیں دیکھا لیکن کمرے میں کوئی نظر نہیں آیا البتہ ایک عجیب سی دلفریب خوشبو ضرور عمران کے مسام دِماغ کو معطر کرتے ہُوئے عمران کو سمجھا رہی تھی کہ کوئی اور بھی ہے جو اگرچہ عمران سے بُہت قریب ہے لیکن اِک راز کی طرح پُوشیدہ ہے عمران نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام لیا اور بڑبڑانے لگا۔ یا خُدا آخر یہ سب کچھ میرے ہی ساتھ کیوں ہُو رہا ہے۔

تبھی عمران کو بیگم کی آواز سُنائی دِی کیوں رات میں لائٹ آن کئے بَڑبَڑا رہے ہُو۔ بچے جاگ جائیں گے لائٹ آف کردو۔ بیگم رات گُزر چکی اور آپکی اِطلاع کیلئے عرض ہے کہ صبح ہُوچکی ہے اگر ہُوسکے تو مجھے بھی چائے بنا دیجئے عمران نے بڑے تحمل سے جواب دیا لیکن کیا مجال ہے جو بیگم کے کان پر جُوں بھی رینگی ہُو اُس اللہ کی بندی نے کروٹ بدلی اور دوبارہ سو گئی۔ عمران سوائے خون کا گھونٹ پینے کے کچھ بھی نہیں کرسکا کبھی کبھی وہ اُس دِن کو بُہت کوستا جب اماں کی نظر انتخاب اس عورت پر آکر ٹھہر گئی تھی۔

جُوں جُوں آفتاب اُونچا ہُوتا گیا ماحول پہ طاری جمود بھی ٹوٹنے لگا چڑیوں کے چہچہانے کیساتھ ساتھ کہیں کہیں سے. برتنوں کے کھڑکھڑانے کی آوازیں بھی آنے لگی تھیں عمران کو اچانک بھوک کا اِحساس ہُونے لگا۔ لہٰذا خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا کیوں نہ آج حلوہ پُوری کا ناشتہ کیا جائے اور حلوائی کی دُکان پر بیٹھ کر گرما گرم ناشتے کے خیال نے عمران کی بُھوک مزید بیدار کردی چناچہ مین گیٹ کو لاک کرنے کے بعد عمران واک کرتے ہُوئے حلوائی کی دُکان پر پُہنچ گیا ناشتہ کا آرڈر دیتے ہُوئے عمران نے سوچا کیا ہی اچھا ہُو اگر یہ ناشتہ بابا وقاص کیساتھ کیا جائے یہی سوچ کر عمران نے ناشتہ پارسل کروالیا اور جلدی جلدی قدم اُٹھاتا ہُوا بابا وقاص کے گھر کی جانب روانہ ہُوگیا صبح کی واک عمران کو بُہت مزاہ دے رہی تھی دور سے عمران کو بابا وقاص کا گھر نظر آنے لگا تھا جس کے گیٹ کا ذیلی دروازہ کُھلا دیکھ کر عمران کی اُمید کو مزید تقویت حاصل ہُوئی کہ بابا وقاص جاگ رہے ہیں دروازے سے داخل ہُوتے ہی عمران کی نگاہ بابا وقاص پر پڑی جو غالباً چاشت اشراق کی ادائیگی میں مصروف تھے۔

خادم حُسین کچن میں چائے بنا رہے تھے عمران کو دیکھ کر آگے.بڑھے تو عمران نے ناشتے کی تھیلی خادم حسین کو تھمادی خادم حُسین نے مُسکراتے ہُوئے تھیلی وصول کی اور عمران کو حیرت زدہ کرتے ہُوئے کہنے لگے اب سمجھ آیا کہ بابا

صاحب نے کیوں تین افراد کی چائے بنانے کے لئے کہا تھا ورنہ روزانہ ناشتے میں صرف دو ہی کپ چائے بنتے ہیں اور یہ بھی سمجھ آگیا کہ بابا نے کیوں آج ڈبل روٹی لانے کو منع کیا تھا حالانکہ میں سمجھ رہا تھا کہ شائد بابا میرا امتحان لے رہے ہیں خادم حُسین تُو یہ کہتے ہوئے واپس کچن میں چلے گئے جبکہ عمران ہونقوں کی طرح کھڑا ہی رہ گیا۔
تبھی بابا وقاص کی آواز نے عمران کو اِس سحر سے نکالا،، آگئے عمران میاں ناشتہ لیکر ؟عمران بابا وقاص کی دست بُوسی سے فارغ ہُوکر دوزانو بیٹھا ہی تھا کہ بابا وقاص کے اگلے سوال نے عمران کو چونکا دِیا۔ رات بُہت پریشان رہے ہو؟ لیکن اب ہم نے انتظام کردیا ہے کہ تمہیں کوئی پریشان نہ کرے ! ویسے پریشان ہونے کی بات بھی تھی اب اگر کوئی اچانک کسی کی آنکھ بند کرکے اُس سے چمٹ جائے تو اچھا بھلا انسان بھی مخمصے کا شکار ہوجائے گا کہ یااِلٰہی کون ہے جو ایسی وارفتگی سے لِپٹ رہا ہے، اب چاہے وہ کیسا ہی مُحبت کرنے والا ہُو جب تک آنکھ سے دیکھ نہ لے دِل پریشان رہتا ہی ہے۔
بابا کون تھا رات کو میرے پاس رات کو مجھے ایسا لگا جیسے کوئی میرے سینے پہ سر رکھے رُو رہا ہُو؟ عمران سے رہا نہ گیا تُو پوچھ ہی بیٹھا کیونکہ عمران جانتا تھا کہ اِس سوال کا جواب جسکا جاننا عمران کے لئے بے حد ضروری تھا

صرف ایک شخص دے سکتا تھا اور وہ بابا وقاص تھے جنہیں نہ جانے کیسے ہر بات کی
پہلے ہی خبر ہوتی تھی جیسے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ عمران رات پریشان رہا ہے اور یہ بھی
جانتے تھے عمران ناشتہ لیکر اپنے گھر نہیں بلکہ بابا وقاص کے آستانے پر آرہا ہے۔
بیٹا ہر اِنسان میں ایک تجسس کا پودا ہوتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اُسے ہر سوال کا جواب
مِل جائے اور جب تک اُسے اپنے سوال کا جواب نہیں ملتا وہ بے چین ہی رہتا ہے اور
جونہی اپنے سوال کا جواب پالیتا ہے مطمئین ہوجاتا ہے جیسے کھانے کے بعد بھوک نہیں
رہتی جیسے پینے کے بعد تشنگی نہیں رہتی میرا بھی جوانی میں یہی حال تھا ہر وقت ذہن
میں سوالوں کا جوار بھاٹا اُمنڈتا رہتا تھا بُزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرتے کرتے اِدراک
بڑھنے لگا مَن میں روشنی کے سُوتے پُھوٹنے لگے اور میں خود اُس سمندر کا حصہ بن گیا
جو ہر وقت مجھے اپنی جانب کھینچتا رہتا تھا پہلے تو پیاس اتنی بڑھی کہ تن من میں ایک
جُوالا مُکھی کی موجودگی کا احساس رہنے لگا جو آتش فشاں کی طرح مجھے اندر ہی اندر دِہکاتا
رہتا اور پھر نہ جانے کب یہ احساس آہستہ آہستہ خود ہی تحلیل ہوگیا اور صرف سکون ہی
سکون رہ گیا کبھی کبھی تو ایسے لگنے لگتا جیسے میں اِنسانوں کے درمیاں نہیں کسی سُنسان
جزیرے میں آگیا ہوں بابا وقاص نہ جانے کس جہاں میں کھوئے ہوئے تھے عمران
نہایت انہماک سے بابا وقاص کی باتوں

کو سُن رہا تھا یہ الگ بات تھی کہ ایک بھی بات عمران کی سمجھ میں نہ آ سکی اُسے تو اپنے سوال کا سیدھا سادہ سا جواب چاہیئے تھا جو شائد بابا وقاص دینا نہیں چاہ رہے تھے۔

جونہی خادم حُسین ناشتے کی ٹرے لیکر آئے بابا وقاص بھی اُس جہان سے نِکل آئے اور عمران کی جانب دیکھتے ہوئے مسکراتے ہُوئے کہنے لگے چلو بھئی آپ کا ناشتہ آگیا بسم اللہ کرو۔ میں بھی کیسی نا سمجھ آنے والی باتیں کرنے لگا تھا تُم سے۔ بابا وقاص کے اِس جملے سے عمران کو یوں محسوس ہُوا جیسے کسی نے اُسے چوری کرتے ہُوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا کہیں بابا وقاص میرے دِل کی بات تو نہیں پڑھ لیتے مگر نہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی کسی کے دِل کی بات پڑھ لے یہ ضرور اِتفاق ہے کہ بابا بھی اکثر وہی بات کہہ دیتے ہیں جو میں دِل میں سوچ رہا ہوتا ہوں۔

عمران خاموشی سے نگاہیں جھکائے بابا کیساتھ ناشتے میں مصروف تھا کہ بابا کہنے لگے عمران میاں کیوں خاموش ہوگئے بھی مسلمان کھانا کھاتے ہوئے خاموش نہیں رہتے یہ تو مجوسیوں کا طریقہ ہے۔ چلو میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہُوں اِسے ہمیشہ یاد رکھنا۔

جی بابا صاحب آپ فرمائیں میں ضرور یاد رکھوں گا عمران نے لقمہ منہ میں رکھنے سے قبل جواب دیا۔

دیکھو جب بھی کسی عالم کے پاس حاضری کی سعادت حاصل ہو تو بڑے ادب سے بیٹھنا اور جو بات کہنا چاہو پہلے سوچ لینا کہ کہنے کے قابل بھی ہے یا کہ نہیں کہ زُبان سے نکلی بات پرائی ہو جاتی ہے اور عالم کسی بے ادب جملے کی گرفت ضرور کرے گا تاکہ تُم دوبارہ غلطی نہ کرو لیکن ۔۔۔ اتنا کہہ کر بابا وقاص خاموش ہو گئے۔

چند لمحے کی خاموشی بھی عمران پر گراں تھی اس لئے فوراً بُول پڑا جی بابا لیکن؟

بابا وقاص نے لیکن پر زور دیتے ہُوئے گفتگو کا سلسلہ جُوڑا۔ لیکن جب کسی اللہ کے ولی کی بارگاہ میں حاضری دُو تُو اپنی زُبان کیساتھ ساتھ اپنے دِلی خیالات پر بھی قابو رکھنا کہ اللہ کا ولی دِلی خیالات سے بھی بے خبر نہیں رہتا تبھی تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے

عمران جان چُکا تھا کہ جس سوال کو لے کر وہ ابھی پریشان تھا وہ بھی بابا وقاص سے مخفی نہیں تھا اسلئے اِشارۃً اُسے خبردار کر رہے تھے لیکن بابا آخر اُس سوال کا جواب کیوں نہیں دے رہے جس کا اظہار وہ اپنی زُبان سے بھی کر چُکا تھا کہ آخر رات کو میرے کمرے میں کون تھا؟

زیادہ مت سُوچا کرو کیا پھر رات والی بات کو لیکر پریشان ہو؟ بابا وقاص نے سوال کیا تو عمران سے رھا نہ گیا اور بول پڑا۔جی بابا آپ لیکن اگر آپ نہیں بتانا چاہتے تو کوئی بات نہیں۔

نہیں بیٹا ایسی بات نہیں کہ میں تُم سے کچھ چُھپانے کی کوشش کر رہا ہوں بس میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ تُم پریشان ہُو لیکن مجھے معلوم ہے جب تک تُم پوچھ نہیں لوگے یونہی پریشان رہوگے سُو تُمھیں بتا دیتا ہُوں کہ کسی کو تُمھاری مُحبت پسند نہیں آئی تو کل تُم پر حملے کی ناکام کوشش کی گئی تھی بے خبر ہم بھی نہیں تھے لہٰذا تُمھارے دُشمن ہماری قید میں ہیں اور کل وہی تُمھارے سینے سے لپٹ کر رو رہی تھی جو اُس دِن تُم سے ناراض ہو کر چلی گئی تھی اور جونہی اُسے خبر ہُوئی کہ اُس کی قُوم کے کچھ شرارتی لوگ تُمھارے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا ارادہ رکھتے ہیں تو سیدھی میرے پاس دوڑی چلی آئی ہمیں بھی تمام معاملے کی بھنک پڑ چکی تھی سُو ہَم پہلے ہی سے تیار بیٹھے تھے

کہ کب شکاری اپنے شکار کی جانب جھپٹے اور ہمارے جال میں آ پھنسے سُو وہی ہُوا۔ اور دام میں خُود آپ ہی صیاد آگیا،، رات کوثر ہی کے ایما پر ہم نے تُمھاری حِفاظت کیلیے مُحافظین کا بندوبست بھی کر دیا ہے۔

عمران کو ایسا محسوس ہُو رہا تھا جیسے کوئی ماورائی کہانی سن رہا ہُو، لیکن بابا یہ کوثر کون ہے اور وہ مُحافظ کہاں ہیں جو میری حِفاظت کر رہے ہیں؟

(جاری ہے)

فیضانِ اسم اعظم 10 کلمہ طیبہ

مُحترم قارئین کرام السلامُ علیکم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور آپ کے پیچھے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ ایک ہی کجاوے پر سوار تھے ، حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے معاذ ! حضرت معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ کا فرمانبردار ہوں۔ حضور نے پھر فرمایا : اے معاذ ! حضرت معاذ نے پھر عرض کیا : یا رسول اللہ میں حاضر خدمت ہوں اور فرمانبرداری کیلئے تیار ہوں۔

تین مرتبہ حضور نے اسی طرح فرما کر ارشاد فرمایا: جس شخص نے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، کی صدق دل سے گواہی دی اللہ تعالی نے اُسے دوزخ پر حرام فرما دیا ہے۔ حضرت معاذ نے عرض کیا : یا رسول اللہ ! کیا میں لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سنادوں ؟ فرمایا: پھر تو عام طور پر لوگ اسی پر بھروسہ کر لینگے۔ حضرت معاذ نے اپنے انتقال سے کچھ پہلے کتمانِ علم کے گناہ سے بچنے کیلئے یہ حدیث بیان فرما دی۔

اظہار الحق الجلی ص ۳۴

٦۔ جامع صحیح بخاری، کتاب العلم، ۲۴/۱

صحیح مسلم، کتاب الایمان، ۴٦/۱

حضرت محی الدین ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

"انہ بلغنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: انہ من قال لا الٰہ الا اللہ سبعین الفا، غفر اللہ تعالیٰ لہ و من قیل لہ غفر لہ ایضا۔"

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص ستر ہزار بار لا الٰہ الا اللہ پڑھے، اسکی مغفرت کردی جائے گی اور جس کے لیے پڑھا جائے، اسکی بھی مغفرت ہوجائے گی۔"

مزید فرماتے ہیں کہ میں نے اتنی مقدار میں یہ کلمہ پڑھا ہوا تھا لیکن اس میں کسی کے لیے خاص نیت نہ کی تھی۔ ایک مرتبہ اپنے دوستوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا، اس دعوت کے شرکاء میں سے ایک نوجوان کے "کشف" کا بڑا شہرہ تھا۔ کھانا کھاتے کھاتے وہ نوجوان رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا تو اس نے کہا: "میں اپنی والدہ کو عذاب میں دیکھتا ہوں۔" میں نے دل ہی دل میں 70 ہزار کلمہ کا

ثواب اس کی ماں کو بخش دیا، وہ نوجوان فوراً ہی مسکرانے لگا اور کہا: "اب میں اپنی ماں
" کو بہترین جگہ دیکھتا ہوں۔
حضرت ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ
فعرفت صحۃ الحدیث بصحۃ کشفہ و صحۃ کشفہ بصحۃ الحدیث))
میں نے اِس حدیث کی صحت کو (صحیح ہونے کو) اس نوجوان کے کشف کے ذریعے اور
"اس نوجوان کے کشف کی صحت کو حدیث کے ذریعے پہچانا۔
الملفوظ حصہ اول)۔)
مرقاۃ شرح مشکوۃ۔ الفصل الثانی۔ باب ما علیٰ العموم من المتابعۃ)
آج زندگی کی رفتار اسقدر بڑھ گئی ہے کہ کوئی گوشہ عافیت کا نظر نہیں آتا ایسا لگتا ہے کہ
جیسے حادثات ہر لحظہ ہمارے منتظر ہیں کہیں گولیوں کی بوچھاڑ ہے تو کہیں بے ہنگم ٹریفک
کی یلغار ہے کہیں خود کش حملے ہیں تو کہیں ڈاکوؤں کا راج ہے بندہ گھر سے نکلتا ہے تو
پیچھے گھر والوں کو یقین نہیں ہُوتا کہ واپسی بھی سلامتی کیساتھ ہی ہُوگی یا کسی بُری خبر
کیساتھ لہٰذا مسلمانوں کی خیر خواہی کے جذبے کیساتھ یہ دُعا شیئر کر رہاہُوں اللہ کریم
(قبول فرمائے (آمین بِجاہِ النبی الامین و سیدُ المرسلین

حادثات سے حِفاظت کی دُعا

حضرت طلق فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابوالدرداء صحابی (رضی اللہُ عنہُ) کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا سیدی آپ کا مکان جل گیا۔ آپ (رضی اللہُ عنہُ) نے ارشاد فرمایا نہیں جلا، پھر دوسرے شخص نے آ کر یہی اطلاع دی۔ آپ رضی اللہُ عنہُ) نے ارشاد فرمایا نہیں جلا، پھر تیسرے شخص نے آ کر یہی اطلاع دی۔) آپ (رضی اللہُ عنہُ) نے ارشاد فرمایا نہیں جلا، پھر ایک اور شخص نے آ کر کہااے ابوالدرداء آگ کے شرارے بہت بلند ہوئے مگر جب آپ کے مکان تک آگ پہنچی تو بجھ گئی۔ آپ (رضی اللہُ عنہُ) نے ارشاد فرمایا مجھے معلوم تھا اللہ تعالیٰ ایسا معاملہ ہر گز نہ ہونے دے گا۔ (کہ میرا مکان جل جائے کیونکہ میں نے اللہ عزوجل کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم) سے سنا ہے کہ جو شخص صبح کے وقت یہ کلمہ پڑھ لے) شام تک اس کو کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی)۔

میں نے صبح یہ کلمات پڑھ لیے تھے،اس لیے مجھے کامل یقین تھا کہ میرا مکان نہیں) جل سکتا)۔

وہ کلمات یہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآاِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ عَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ

وَاَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ مَاشَآءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِيْمِ ط اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (لا) وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَآبَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی o صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ o

محترم قارئین یہ دُعا ایک مُدت سے میرے وظائف میں شامل ہے اور اُسکی بے پناہ اِفادیت میں مُلاحظہ کرچکا ہُوں آپ سے بھی استدعا ہے کہ روزانہ ایک مرتبہ بعد فجر اور ایک مرتبہ بعد مغرب پڑھ لیا کریں انشاءَ اللہ ہر مُصیبت سے محفوظ رہیں گے بلکہ اِس دُعا کے دو پرنٹ نِکال لیں اور ایسی جگہ پر آویزاں کردیں جہاں آپ کی نگاہ صبح اور شام کو ضرور پڑتی ہو انشاءَ اللہ عزوجل چند دِن پڑھنے کی برکت سے یہ دُعا آپکو حِفظ ہُو جائیگی پرنٹ حاصل کرنے کیلئے اس لنک پر کلک کریں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہاں پکچر فارمیٹ میں یہ دُعا آپکو صحیح نظر نہ آئے

http://mypage.hamariweb.com/photo.aspx?photoid=308

یا مائی پیج پر اکاؤنٹ بنالیں اور وہاں سے اِسے حاصل کرلیں جو اِحباب اِسے اپنے معمولات میں شامل کرلیں گے یقیناً مجھے اپنی دُعا میں ضرور یاد رکھیں گے اسم اعظم کیلیۓ حسب سابق کمنٹس باکس میں لکھ سکتے ہیں جہاں برادرِ محترم احسان الحق وارثی بھائی آپکی خدمت کیلیۓ حاضر ہیں دیگر روحانی مسائل کیلیۓ مجھے پرائیویٹ میسج کرسکتے ہیں جہاں مفت میں آپکی رہنمائی کردی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ تمام خِدمت صرف حصول ثواب کی خاطر ہی کی جاتی ہے

آپ تمام احباب سے یہ بھی مدنی گُزارش ہے کہ اپنے اُن عزیزاقارب کو بھی ضرور یادرکھیں جو دُنیا سے پردہ فرما چُکے ہیں اُن کے ایصال ثواب کی خاطر 70000 مرتبہ کلمہ طیبہ ضرور پڑھیں اگر آپ نہیں پڑھ سکتے تو مجھے کہیں انشا اللہ عزوجل جس قدر ممکن ہُوا میں ایصال ثواب کیلیۓ اپنے پڑھے میں سے آپ کو دے دونگا۔

والسلام مع الاکرام آپ سبھی کی دُعاؤں کا طالب آپکا بھائی

قُربانی کے مسائل ضرور سیکھیے (حنفی)۔

قربانی ہر صاحب نصاب بالغ مرد و عورت پر فرض ہے۔ زکوۃ کی فرضیت کے لیے کم از کم نصاب پر پورا قمری سال یا سال کا اکثر حصہ گزرنا شرط ہے، جب کہ قربانی اور فطرے کے وجوب کے لیے بالترتیب عیدالاضحیٰ اور عید الفطر کی صبح صادق کو محض کم از کم نصاب کا مالک ہونا کافی ہے، سال گزرنا شرط نہیں ہے۔

قربانی کے جانور کم از کم حسب ذیل عمر کے ہونے چاہئیں

اونٹ، اونٹنی پانچ سال گائے و بیل دو سال بھینس و بھینسا، دو سال بکرا و بکری، بھیڑ و دنبہ، ایک سال البتہ بھیڑ اور دنبہ اگر اتنے فربہ ہوں کہ دیکھنے میں ایک سال کے نظر آئیں تو ان کی قربانی جائز ہے۔

اگر صاحب نصاب مال دار شخص نے قربانی کا جانور خریدا اور وہ گم ہوگیا یا قربانی سے پہلے مر گیا تو اس پر لازم ہے کہ دوسرا جانور خرید کر قربانی دے یا قربانی کے جانور میں حصہ ڈالے۔ اگر قربانی سے پہلے گم شدہ جانور مل جائے تو مالدار شخص کو اختیار ہے کہ جس جانور کی چاہے قربانی دے، دونوں کی

قربانی لازمی نہیں ہے۔
اگر نادار شخص نے قربانی کا جانور خریدا اور وہ قربانی سے پہلے گم ہوگیا یا مرگیا، تو اس پر دوسرے جانور کی قربانی لازم نہیں ہے۔ اگر اس نے دوسرا جانور خرید لیا تو اس پر دونوں کی قربانی لازم ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو اُس پر ایک بھی واجب نہیں ہے، جب اُس نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا تو وہ قربانی کے لیے متعین ہوگیا اور اس کی قربانی واجب ہوگی، اسی طرح دوسرے جانور کا حکم ہے۔
قربانی کے جانوروں کی عمر پورا ہونے کی ظاہری علامت ثَنِّی (دو دانت کا) ہونا ہے، لہٰذا کھیرا جانور یعنی جس کے سامنے کے دو دانت ابھی نہیں گرے، اسے قربانی کے لیے نہیں خریدنا چاہیے۔ البتہ جانور گھر کا پلا ہوا ہے یا کسی دیانت دار، قابل اعتماد شخص کے پاس ہے اور اس کی مطلوبہ عمر پوری ہوگئی ہے تو اس کی قربانی شرعاً جائز ہے، خواہ سامنے کے دو دانت ابھی نہ گرے ہوں، عام کاروباری لوگوں پر اعتماد کرنا مشکل ہے۔
قربانی کا جانور تمام ظاہری عیوب سے سلامت ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں فقہائے کرام نے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ ہر وہ عیب جو کسی منفعت اور جمال کو بالکل

ضائع کردے، اس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں ہے اور جو عیب اس سے کم تر درجے کا ہو، اس کی وجہ سے قربانی ناجائز نہیں ہوتی۔

جو جانور اندھا کانا یا لنگڑا ہو، بہت بیمار اور لاغر، جس کا کوئی کان، دم یا چکتی تہائی سے زیادہ کٹے ہوئے ہوں، پیدائشی کان نہ ہوں، ناک کٹی ہو، دانت نہ ہوں، بکری کا ایک تھن یا گائے بھینس کے دو تھن خشک ہوں، ان سب جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔

جس جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں، یا سینگ اوپر سے ٹوٹا ہوا ہے، کان، چکتی یا دم ایک تہائی یا اس سے کم کٹے ہوئے ہیں تو ایسے جانوروں کی قربانی جائز ہے۔

قربانی کے جانور کے سینگ جانور میں حسن پیدا کرنے کے لیے سر کے اوپر سے توڑ دیے ہیں اور ان کا بڑا ہونا رک گیا ہے، لیکن سر یا دماغ کے اندر تک جڑ کو نہیں نکالا، نہ ہی اس سے جانور کے دماغ پر کوئی اثر ہوا ہے اور پوری طرح صحت مند ہے تو اس کی قربانی جائز ہے۔

صاحب نصاب نے عیب دار جانور خریدا یا خریدتے وقت بے عیب تھا بعد میں عیب

دار ہوگیا تو ان دونوں صورتوں میں اس کے لیے ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ دوسرا بے عیب جانور خریدے اور قربانی کرے اور اگر خدانخواستہ ایسا شخص صاحب نصاب نہیں ہے تو دونوں صورتوں میں اس جانور کی قربانی کر سکتا ہے۔

خصی جانور کی قربانی آنڈو کے بہ نسبت افضل ہے کیونکہ اس کا گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے، اگر گائے کے ساتویں حصے کی قیمت بکری سے زیادہ ہو تو وہ افضل ہے اور اگر قیمتیں برابر ہوں تو بکری کی قربانی افضل ہے، کیونکہ بکری کا گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔

بکرا بکری، بھیڑ دنبے کی قربانی صرف ایک فرد کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ اونٹ گائے وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ سات افراد شریک ہو سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ سب کی نیت تقریب یعنی عبادت اور حصول اجر و ثواب کی ہو۔ سات سے کم افراد بھی ایک گائے کی قربانی میں برابر کے حصے دار ہو سکتے ہیں، مثلاً چھ یا پانچ یا چار یا تین یا دو حتیٰ کہ ایک آدمی بھی پوری گائے کی قربانی کر سکتا ہے، سات حصے داروں کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

سات افراد نے مل کر قربانی کا جانور خریدا، بعد ازاں قربانی سے پہلے ایک

حصے دار کا انتقال ہوگیا اگر مرحوم کے سب ورثاء باہمی رضامندی سے یا کوئی ایک وارث یا چند ورثاء اپنے حصۂ وراثت میں سے اجازت دے دیں تو استحساناً اس کی قربانی کی جاسکتی ہے۔ اپنی واجب قربانی ادا کرنے کے بعد اللہ توفیق دے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ایصالِ ثواب کی نیت سے قربانی کرنا افضل ہے اور کرنے والے کو نہ صرف پورا اجر و ثواب ملے گا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے اس کی قبولیت کا بھی یقین ہے۔

شریعت مطہرہ کی رو سے ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد و عورت اللہ تعالی کی بارگاہ میں اپنے اعمال کا جواب دہ ہے، لہذا اگر کسی مشترکہ خاندان میں ایک سے زیادہ افراد صاحب نصاب ہیں تو سب پر فرداً فرداً قربانی واجب ہے، محض ایک کی قربانی سب کے لیے کافی نہیں ہوگی، بلکہ تعین کے بغیر ادا ہی نہیں ہوگی۔

گائے کی قربانی میں ''عقیقہ'' کا حصہ بھی ڈال سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ لڑکے کے لیے دو حصے ہوں اور لڑکی کے لیے ایک حصہ، اگر دو حصوں کی استطاعت نہ ہو تو لڑکے کے لیے ایک حصہ بھی ڈالا جاسکتا ہے۔

قربانی کے جانور نے ذبح سے پہلے بچہ دے دیا یا ذبح کرنے کے بعد پیٹ سے زندہ

بچہ نکلا تو دونوں صورتوں میں یا تو اسے بھی قربان کر دیں یا زندہ صدقہ کر دیں یا فروخت کرکے اس کی قیمت صدقہ کر دیں، اگر بچہ مردہ نکلے تو اسے پھینک دیں قربانی ہر صورت میں صحیح ہے۔

ذبح کرتے وقت قربانی کا جانور اچھلا کودا اور اس میں کوئی عیب پیدا ہوگیا، یا ذبح ہوتے ہوئے اُٹھ کر بھاگا اور وہ عیب دار ہوگیا تو اسے اُسی حالت میں ذبح کر دیں قربانی ہو جائے گی۔

افضل یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کیے جائیں۔ ایک حصہ ذاتی استعمال کے لیے، ایک حصہ اعزاء واقرباء اور احباب کے لیے اور ایک حصہ فقراء اور ناداروں پر صرف کیا جائے۔ سارا گوشت رضائے الٰہی کے لیے مستحقین کو دے دینا عزیمت اور اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔ اور بصورت ضرورت شدیدہ کل یا اکثر گوشت ذاتی استعمال میں لانے کی بھی رخصت واجازت ہے، لیکن یہ روح قربانی کے منافی ہے۔

نوٹ: شریعت کے مطابق ذبح کیے ہوئے حلال جانور کے مندرجہ ذیل اعضاء کھانے منع ہیں۔ دم مسفوح (ذبح کے وقت بہنے والا خون)، ذکر (نر جانور کا آلہ تناسل) گائے، بکری کے پیشاب کی جگہ (فرج)، خصیتین (کپورے)، مثانہ

دبر (جانور کے پاخانے کی جگہ)، حرام مغز، اوجھڑی اور آنتیں ان میں دمِ مسفوح حرام قطعی اور باقی مکروہِ تحریمی ہیں۔

قربانی کا وقت 10 ذی الحجہ کی صبح صادق سے لے کر 12 ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ہے۔ گیارھویں اور بارھویں شب میں بھی قربانی ہو سکتی ہے، مگر رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔ ایسے دیہات اور قصبات جہاں عید کی نماز پڑھی جاتی ہے، وہاں نمازِ عید سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے۔

(ذبح کا طریقہ)

قربانی کرتے وقت جانور بائیں پہلو پر قبلہ رُخ لٹائیں اور خود ذبح کریں یا کسی سے ذبح کرائیں، چھری تیز ہو اور کم از کم تین رگیں کاٹنی چاہئیں۔

ذبح سے پہلے کی دعا

اِنِّی وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا o اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

) اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ عَنْ o مِنَ ا لْمُسْلِمِیْنَ

فُلَانٍ اور فُلَانَۃ۔

جس کی قربانی ہے، اس کا نام لیں اور گائے کی قربانی ہو تو سب شرکاء کا نام لیں) پھر بلند آواز سے بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھ کر ذبح کر دیں اور ذبح میں چاروں یا کم از کم تین رگیں کٹنی چاہئیں۔

ذبح کے بعد کی دعا

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَحَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم

اگر دوسرے کی طرف سے ہو تو "مِنِّی" کی جگہ "مِنْ فُلَانٍ" (اس شخص کا نام) لیں، اگر گائے واونٹ وغیرہ ہو تو تمام شرکاء قربانی کے نام لیں۔

ذوالحجہ کی نمازِ فجر سے 13 ذوالحجہ کی نماز عصر تک ہر باجماعت نماز کے بعد ایک 9 مرتبہ بلند آواز سے یہ تکبیر کہنا واجب ہے اور تین مرتبہ کہنا افضل ہے۔ عیدگاہ آتے اور جاتے بھی بہ آوازِ بلند یہ تکبیر کہنا چاہیے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

O

قربانی کی کھال

قربانی کے جانور کی کھال قصاب کو اجرت میں دینا جائز نہیں ہے، کھال بیچ کر اس کی قیمت صدقہ کردیں یا کسی نادار مستحق کو شخصی طور پر بھی دی جاسکتی ہے، لیکن دینی اداروں کو دینا افضل ہے، کیونکہ یہ تبلیغ واشاعت دین کے کام میں اعانت بھی ہے اور صدقہ جاریہ بھی ہے۔

پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم نعیمیہ

تذکرہ اک پری کی مُحبت کا (آٹھواں حصہ)۔ عید ایڈیشن۔

کوثر کون ہے۔۔۔۔۔ ؟ یہ کیسا سوال ہے میاں۔ کیا ہم نے آپ کو نہیں بتایا تھا کہ اُس مہ جبین پری کا نام کوثر ہے بابا وقاص نے مصنوعی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا عمران بابا کی خفگی پر سٹپٹا گیا۔ بات سنبھالتے ہوئے کہنے لگا بابا آپ نے ضرور بتایا ہوگا مگر شاید میں ہی بُھول گیا ہونگا۔

بابا وقاص نے عمران کے بوکھلائے ہوئے چہرے کو دیکھا تو مُسکرا دیئے۔ ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ میں ہی بتانا بھول گیا ہوں لیکن تمھیں تو کم از کم اُسکا نام معلوم کرنا چاہیے تھا۔ بابا وقاص عمران کی پریشانی سے لُطف اندوز ہو رہے تھے عمران نے ،،جی بابا،، کہنے میں ہی عافیت جانی ۔

لیکن بابا وہ مُحافظین کے متعلق کچھ اِرشاد فرمارہے تھے آپ ۔

بیٹا وہ کوئی عام سیکیورٹی گارڈ تو ہیں نہیں جو تمھیں نظر آجائیں پس جس طرح تُم اپنے دُشمنوں کو نہیں دیکھ پائے اُسی طرح اپنے مُحافظین کو بھی ایک خاص وقت تک نہیں دیکھ پاؤ گے کیونکہ ہر انسانی آنکھ اُس مخلوق کو دیکھنے سے

قاصر ہے کیونکہ انسانی آنکھ پر بے شُمار پردے ہیں جو اُن مخلوقات کو دیکھنے میں مانع ہیں۔ بابا وقاص نے اپنی گفتگو کو چند لمحوں کیلئے روک کر عمران کی جانب دیکھا عمران کی محویت کو دیکھتے ہوئے پھر سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہنے لگے۔

دیکھو بیٹا اللہ کریم نے صرف یہی ایک جہان نہیں پیدا فرمایا ہے۔ بلکہ وہ تو رَب العالمین ہے اِنسانی تجسّس نے اگرچہ انسان کو کئی جہانوں کے نشان دِکھائے ہیں لیکن ابھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کسی عام انسان نے تمام عَالموں کا اِدراک حاصل کرلیا ہے ویسے تو حضرت انسان میں خُود ایک جہان موجود ہے جِس کے مُتعلق ہر ایک نہیں جان پاتا۔ بس جِسے اللہ کریم چاہتا ہے چُن لیتا ہے اور وہ اُس جہان کا مُشاہدہ کرلیتا ہے اور پھر منزل بہ منزل چلتے ہوئے اُس معراج کو حاصل کرلیتا ہے جو ایک مومن کا مقصود ہوتی ہے۔

جس طرح تالاب میں رہنے والا مینڈک صرف اُسی تالاب کو کائنات سمجھ لیتا ہے اور نہیں جانتا کہ اُس تالاب سے آگے ندیاں بھی ہیں، دریا ہیں، سمندر ہے جہاں اللہ کریم کی بیشُمار مخلوق رہتی ہیں پس اُسی طرح عام انسان بھی اپنی چھوٹی سی دُنیا میں مگن رہتا ہے اور نہیں جانتا کہ اُسکی پیدائش کا مقصد صرف وہ نہیں جو یہ سمجھ بیٹھا ہے بلکہ اگر وہ مقصود کائنات کا گوہر نایاب

پا جائے تو ایک جہاں کیا چیز ہے کئی جہانوں کو مسخر کر سکتا ہے۔
ویسے ہو سکتا ہے کہ ابھی تمہیں میری باتیں بُہت مشکل معلوم ہوتی ہوں اور بے مقصد بھی محسوس ہوتی ہُوں۔ لیکن ایک وقت آئے گا جب تمہیں یہ سب سمجھ آ جائیں گی۔
البتہ یہ ہو سکتا ہے اُس وقت میں تُمھارے پاس موجود نہ ہُوں۔
عمران بابا وقاص کی گفتگو میں ایسا مگن تھا کہ وقت گُزرنے کا احساس ہی نہ ہو سکا۔
اچانک بابا وقاص نے گُفتگو رُوک دِی عمران نے نِگاہیں اُٹھا کر بابا وقاص کی جانب دیکھا تو بابا صاحب کو حالتِ استغراق میں دیکھا۔ یہ بابا صاحب کو اچانک کیا ہُوا؟ عمران نے سوچتے ہُوئے دیوار پر آویزاں وال کلاک کو دیکھا تو معلوم ہُوا کہ آفس جانے کا وقت ہُوچُکا تھا۔
چند لمحوں کے بعد بابا صاحب نے آنکھیں کھول کر عمران کو مُسکراتے ہوئے دیکھا اور دریافت کیا عمران میاں کیا اِرادے ہیں آج آفس نہیں جاؤ گے کیا؟
بابا میرا بَس چلے تو ساری دُنیا کو چُھوڑ کر صرف آپ کی خِدمت میں ہی حاضر رہوں عمران نے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہُوئے جواب دِیا۔

جواباً بابا وقاص کہنے لگے۔ نہیں بیٹا میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا۔ تم پر تُمھارے ماں باپ، تمہارے بیوی بچوں، سمیت دُنیا والوں کا بھی حق بنتا ہے اُنہیں تمہاری ضرورت ہے۔ ویسے بھی محبت قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ کچھ وقت دوری بھی اِختیار کی جائے۔ ورنہ یہی قُربت کبھی ایسا ناسور بن جاتی ہے کہ شجرِ الفت کو نفرت بھری دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔

اسلئے اب تُم جاؤ۔ لیکن آج ہمارے پاس تُمھارے لئے ایک خُوشخبری موجود ہے۔ لیکن اُس خوشخبری کو سُننے کیلئے آج تُمھیں دوبارہ ہمارے پاس آنا ہوگا۔

ٹھیک ہے بابا میں رات کو واپسی پر آستانے پر حاضری دیتا ہُوا جاؤں گا۔ عمران نے مُصافحہ کیلئے ہاتھوں کو تھامتے ہُوئے کہا۔

لیکن میں چاہُوں گا کہ آج تُم ہماری خاطر شام کو نہیں بلکہ سہ پہر 3 بجے آجاؤ۔ بابا وقاص نے عمران کے ہاتھوں کو شفقت سے دَباتے ہُوئے کہا۔

عمران نے بابا وقاص کے ہاتھوں کو بُوسہ دیتے ہُوئے سہ پہر 3 بجے آنے کی حامی بھرلی۔

عمران جب آفس پُہنچا تو، کسی نے بتایا کہ آپ کیلئے گھر سے کئی مرتبہ کال آچکی ہے۔
عمران نے گھر فون مِلایا تو دوسری جانب سے بیگم کی آواز سُنائی دی۔ کون ہے وہ جس سے مُلاقات کیلئے رات کے اندھیرے میں گھر سے چلے گئے تھے؟
دورانِ گفتگو عمران سوچ رہا تھا کہ کسقدر شکی ہے یہ عورت۔ وہ جو بھی ہُو؛ میں ضروری نہیں سمجھتا کہ ہر بات تمہیں بتاؤں۔ یہ کہتے ہُوئے عمران نے رِیسیور پٹخ دِیا۔
چند لمحے عمران پیشگی اُس خطرے کے مُتعلق سُوچتا رہا۔ جو رات کو گھر میں پیش آسکتا تھا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ جو ہُوگا دیکھا جائے گا۔ عمران آفس کے کاموں میں اُلجھ گیا۔
ظہر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد عمران اُس خُوشخبری کے مُتعلق سوچنے لگا جو بابا وقاص آج اُسے سُنانے والے تھے کافی سُوچ بِچار کے بعد عمران اِس نتیجے پر پُہنچا کہ ہُو نہ ہُو یہ خبر کوثر، سے جُڑی ہُوگی کیونکہ مجھے اس سے زیادہ کسی خبر میں خوشی محسوس نہیں ہو سکتی۔

لیکن آخر کیا پیغام ہے جو کوثر کی جانب سے بابا وقاص کو موصول ہُوا ہوگا۔اِسی گُتھی کو سُلجھانے میں عمران کا آدھا گھنٹہ صرف ہُوگیا لیکن عمران کِسی نتیجے پر نہ پُہنچ سکا۔ عمران نے اپنی رسٹ واچ پر ڈھائی بجے کا اَلارم لگایا ہُوا تھا جو نہی گھڑی نے بَزر بجایا عمران نے اپنے آفس کو چھوڑ دیا۔

عمران جب بابا وقاص کے گھر پُہنچا تُو اُس وقت تین بجنے میں صرف پانچ مِنٹ باقی تھے۔ گھر میں داخِل ہونے کے بعد عمران نے دِیکھا کہ کافی خَواتین نئے زرق.برق لباس پہنے موجود ہیں اور تقریباً سبھی خواتین نے گھونگٹ نِکالا ہُوا تھا۔ بابا وقاص حسبِ سابق چارپائی پہ.براجمان تھے البتہ آج چارپائی پر ایک نہایت خوبصورت رَلّی (چادر) نے قبضہ جمایا ہُوا تھا۔

بابا نے جُونہی عمران کو دیکھا تُو فرمانے لگے لُو جی نوشہ میاں بھی تشریف لے آئے۔ بابا وقاص نے جو نہی یہ لفظ ادا فرمائے اَچانک وہ خَواتین کھڑی ہُوگئیں عمران جب بابا وقاص کے نزدیک پُہنچا تو اُن خواتین نے ہاتھوں میں موجود گلاب کے نفیس ہار عمران کے گلے میں ڈالنے شروع کردیئے۔

عمران اِس سچویشن کیلئے قطعی تیار نہ تھا گھبرا کر بابا وقاص کی جانب دیکھنے لگا۔

عمران میاں گھبراؤمت اور آرام سے ہار پہن لو بابا وقاص کی آواز سُن کر عمران نے اپنی گھبراہٹ پر تو قابو پالیا لیکن یہ معمہ ابھی تک عمران کی سمجھ سے بالا تھا۔ دوسری بات جو عمران کو حیرت زدہ کئے ہُوئی تھی کہ اگرچہ اُن تمام خَواتین کے چہرے گھونگٹ میں پُوشیدہ تھے لیکن اُن کے ہاتھوں کو دیکھ کر ہی عمران اندازہ لگا چُکا تھا کہ وہ سب نوخیز لڑکیاں ہیں جو سونے کے زیوارت سے لَدی پھندی تھیں اور وہ نہ جانے کیسی دل فریب خُوشبو تھی جو اُنکے لباس اور بدن سے اُٹھ رہیں تھیں۔ جب آخری لڑکی بھی عمران کے گلے میں ہار ڈال چُکی، تُو بابا وقاص نے عمران کو اپنے پاس بیٹھنے کا اِشارہ کیا۔ عمران نے چارپائی کے قریب پڑی دری پہ بیٹھنا چاہاتُو بابا وقاص نے کہا میاں آج آپکی جگہ وہاں نہیں ہمارے پاس ہے۔

عمران بابا وقاص کے قریب بیٹھ کر گلے سے ہار نکالنے ہی لگا تھا کہ بابا وقاص کی پُر وقار آواز سُنائی دی، میاں اِتنی بھی کیا جلدی ہے،، جس تقریب کیلئے یہ سب اہتمام کیا گیا ہے اُس تقریب کو پُورا تو ہو لینے دو۔

عمران کے ہاتھ جو ہاروں کو گلے سے جُدا کرنے کیلئے بڑھے تھے پلٹ کر واپس گود میں آپہنچے۔ تبھی بابا وقاص نے عمران کا ہاتھ تھاما اور اپنے کمرے کی

جانب بڑھے۔ دروازے پہ خِلافِ معمول آج ایک خُوبصورت پردہ لٹکا ہُوا تھا۔
دروازے کے نزدیک پُہنچ کر بابا وقاص کی سرگوشی سُنائی دی۔
عمران میاں آج ہم نے آپ سے وعدہ کیا تھا نا؟ کہ آپکو ایک خُوشخبری سُنائیں گے۔ تُو سُنو آج وہ مہ جبیں پری اندر موجود ہے، جاؤ اور جا کر مِل لو اُس سے۔ ہماری جانب سے صرف اور صرف مُلاقات کی اِجازت ہے یہ بات مت بھولنا۔ اور اُسکی آنکھوں میں ہرگز مت جھانکنا۔ یہ کہتے ہُوئے بابا وقاص عمران کو کمرے کے دروازے پر چُھوڑ کر پلٹ گئے۔
عمران جونہی کمرے میں داخل ہوا تو حیرت سے اُسکی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔
جاری ہے

تمام کالم نویس خُدا کے واسطے احتیاط کریں

مُحترم قارئین کرام السلامُ علیکم

(یہ تحریر اُن تمام کالم نویسوں کے نام جو ہماری ویب پر لکھتے ہیں خاص طور پر وہ جو اسلامی سیکیشن میں اپنی خوبصورت تحریریں پوسٹ کرتے ہیں)

ایک سوال:

فرض کیجئے کوئی شخص راہ چلتے ہُوئے اگر آپ کی جانب تھوکنے کی کوشش کرے تو آپ کا ردِ عمل کیا ہوگا؟

میرے خیال میں ممکنہ طور پر چند جوابات ہیں جو آپ مجھے دے سکتے ہیں

نمبر ایک: اُس شخص سے پہلو بَچا کر نِکل جائیں گے

نمبر دو: اُس شخص کو سمجھانے کی کوشش کریں گے

نمبر تین: اُس شخص کو سبق سکھائیں گے تاکہ آئندہ وہ کسی کے ساتھ ایسی نازیبا حَرکت نہ کرے

نمبر چار: اُس کی شکایت پولیس اسٹیشن پر درج کرائیں گے
اور یہ تمام جوابی رَدِ عمل انسانی نفسیات کے مطابق ہیں اگرچہ اِن میں معمولی رَدُ بدل ہو سکتا ہے۔
لیکن اگر کوئی شخص رَدِ عمل میں اپنی ہی شہہ رگ کاٹ لے اور خُود کو ہلاکت میں ڈال لے اِس جواز کیساتھ کہ چُونکہ میری عزت نفس کو مجروح کیا گیا ہے۔اِس لئے اِنتقاماً میں نے یہ اِقدام کیا ہے۔ تُو کوئی بھی اِنسان ایسے شخص کو صحیح الدماغ نہیں کہے گا۔
کیونکہ عزت نفس قیمتی متاع ضرور ہے لیکن اسکے لئے جان دینے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ اُن اقدامات کی ضرورت تھی جو اوپر بیان کئے گئے ہیں۔
جس طرح زندگی اللہ کریم کی نعمت ہے، اور اِسکا ٹھکرانا کُفران نعمت۔ اور اِسے ضائع کرنا خُدا کو سخت ناپسند ہے اِسی طرح دولتِ ایمان بھی اللہ کریم کی عظیم نعمت ہے اور ایک مسلمان کی قیمتی ترین متاع یہی دولت ایمان ہے جو اپنے ایمان کو اس دُنیا میں شیطان سے بچّانے میں کامیاب رہا وہی آخرت میں بھی سرخُرو ہوگا۔ جبکہ شیطانِ لعین وقت نزع تک اِسی تگ و دُو میں رہتا کہ

کسی نہ کسی طرح سے مؤمن کی اِس متاعِ عظیم کو لُوٹ سکے۔
محترم قارئین میری اِس تمام تمہید کا مقصد صرف اِتنا ہے دُنیا کی کوئی بڑی سے بڑی نعمت اِسکا مقابل نہیں ہُوسکتی اگر یہ نعمت چِھن جائے اور ہم چاہے دُنیا میں کتنا ہی نام کمالیں کِتنی ہی عزت کمالیں اور چاہے جِتنی دولت کمالیں ہم خسارے ہی میں رہیں گے یہ دُنیا بِلاآخر فانی ہے کل جب حشر کا میداں بَپا ہُوگا تو وہاں عزت کا معیار صرف ایمان اور پرہیزگاری ہوگی اور ہمارے اعمال بھی تبھی کارآمد ہونگے جب کہ ایمان سلامت ہُوگا۔
لیکن کسقدر بدنصیب ہوگا وہ شخص جو میدانِ حشر میں لاکھوں اعمال کے باوجود بھی ناکام ہُوگا لیکن وہاں سوائے حسرت اور ناکامی کے کچھ بھی نہ پاسکے گا۔
ہماری ویب پر لکھنے والے تمام ہی اِحباب یقیناً حصول ثواب کا جذبہ لیکر اپنی تحریریں اسلامی سیکشن میں پوسٹ کرتے ہیں لیکن بعض تحریریں ایسی ہُوتی ہیں جِن پر لوگ اپنے مسلک کی نمائندگی کرتے ہُوئے مثبت کمنٹس دیتے ہیں اور بعض اِختلاف رائے کرتے ہُوئے کالم نویس سے دَلیل طلب کرتے ہیں یہاں تک تو معاملہ ٹھیک ہے کہ فقہی اختلاف کرتے ہُوئے کوئی بھی دَلیل طلب کرسکتا ہے لیکن بِگاڑ تب پیدا ہُوتا ہے جب کمنٹس باکس میں ایسے کمنٹس بھی شامل کردیئے

جاتے ہیں جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مُبارک کو نِشانہ بنادیا جاتا ہے یا کبھی صحابہ کرام رضوان اللہِ اجمعین کے فیصلوں پر اعتراض شروع ہوجاتا ہے۔ یا صالحین اُولیائے کاملین (رَحمُ اللہِ اجمعین) کی ذات بابرکات کو نِشانہ بَنایا جاتا ہے۔ اور اسطرح نہ صرف بے اَدبی کے مُرتکب ہوجاتے ہیں بلکہ بعض اوقات جُوشِ خِطابت میں اپنے ایمان ہی کو داؤ پر لگادیتے ہیں۔

ادب والوں کا ذکر قران مجید میں اللہ کریم اس طرح ارشاد فرماتا ہے

)اَلَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (١٦

وہ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے تو ہمارے گناہ معاف کر اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے

(اور وہ کون لوگ ہیں اگلی آیت میں اِرشاد فرماتا ہے)

)اَلصّٰبِرِيۡنَ وَالصّٰدِقِيۡنَ وَالۡقٰنِتِيۡنَ وَالۡمُنۡفِقِيۡنَ وَالۡمُسۡتَغۡفِرِيۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ (١٧

صبر والے اور سچے اور ادب والے اور راہ خدا میں خرچنے والے اور پچھلے پہرے

معافی مانگنے والے

(سورہ آل عمران آیت نمبر 17)

اور جب ہَم سورہ الحجرات کا مُطالعہ کرتے ہیں تو اِس کی ابتدا ہی اَدبِ مُصطفٰی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہُوتی ہے جس میں اللہ کریم مسلمانوں کو اَدبِ مصطفٰی کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمارہا ہے کہ تُمھاری ذرا سی بے اَدبی تُمھارے اعمال کو اکارت کرسکتی ہے۔

اور سورہ مائدہ میں اِرشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنے والوں کیساتھ ہوں

اور اللہ نے فرمایا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں ضرور اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو۔۔۔۔ (سورہ المائدہ آیت نمبر 12)

اور صحابہ کرام (رضوان اللہ اجمعین) کے لئے قران مجید میں اللہ کریم جا بجا ارشاد فرما رہا ہے

اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی کبھی اِن نُفوسِ قُدسیہ کیلئے ارشاد

فرماتا ہے کہ یہ اللہ کی جماعت ہے اور کبھی اِرشاد فرماتا ہے کہ یہی کامیاب ہیں۔
اب جس سے اللہ کریم راضی ہو جائے اور جو اللہ کریم سے کامیابی کی سند پالے اُن پر اعتراض اُنکے فیصلوں پر نکتہ چینی کیا (معاذ اللہ) ذاتِ باری تعالیٰ پر اعتراض نہیں۔

(اور یہ ہیں صالحین (رحمُ اللہِ اجمعین
)اِنَّ وَلِیِّ اللّٰہُ الَّذِی نَزَّلَ الْکِتٰبَ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ (۱۹۶
بے شک میرا والی اللہ ہے جس نے کتاب اتاری اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے
(سورہ الاعراف آیت نمبر196۔)
کیا اللہ کریم کے دوستوں کی شان میں زبان درازی اللہ کریم کے غضب کو آواز دینے کے مترادف نہیں۔
بھاڑ میں جائے ایسی شہرت، ایسی عزت، ایسی پہچان، جو ہمیں ہمارے رَبّ عزوجل

کی بارگاہ میں مُجرم بنادے۔ جُو ہماری ہلاکت کا پیش خیمہ ہُو۔ جو کل میدان محشر میں ہمیں تنہا کردے۔ جو ہماری روحانی نشو ونُما کے درمیان دیوار حائل کردے۔

ہم مُسلمان ہیں اور وجہ کیا ہے ہمارے مُسلمان ہونے کی کہ اللہ عزوجل کی عطا سے ایک مُسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے اور ہمیں فخر ہے کہ الحمدُ للہ ہم مُسلمان ہیں لیکن کِتنا مُشکل ہے کسی کو مُسلماں کرنا۔ اس بات کی اہمیت کو سمجھنا ہو تو ہمیں اپنے مدنی آقا علیہ السلام کی مدنی اور بالخُصوص مکی زندگی کا مُطالعہ ضرور کرنا چاہیے صحابہ کرام رضوان اللہِ اجمعین کا شب و روز اس کے لئے سعی ءِ مُسلسل کرنا بھی دیکھنا چاہیئے۔

اور ہمارے اسلاف رَحمُ اللہِ اجمعین کا دور دراز مُلکوں کیلیئے سفر اور صعوبتیں سہنا بھی نہیں بھولنا چاہیئے کس قدر خُوش نصیب ہیں یہ نُفوسِ قدسیہ کے جنکے ہاتھوں پہ لاکھوں مُشرک ایمان لائے کل جب محشر کا میدان لگا ہوگا تو لاکھوں لوگ یہ گواہی دے رہے ہونگے کہ یہی ہیں وہ اللہ کے عظیم بندے جنکی وجہ سے ہمیں دولتِ اسلام کی لازوال نعمت مُیسر آئی۔

اور کسقدر شرمندگی کا باعث ہوگی اُس وقت یہ بات جب ہم شفاعت کیلیئے کریم آقا

کی بارگاہ میں رُجوع کریں گے اور ہمارے نامہ اعمال میں کسی کو مُسلماں کرنا تو کُجا دین کی خدمت تو درکنار البتہ یہ بدنامی کا سہرا ضرور سجا ہوگا کہ کہیں سے آواز آئے یہی ہیں وہ لوگ جو کسی کو مُسلماں تو نہ کرسکے مگر مسلمانوں کو کُفر و شِرک کا فتویٰ ضرور دیا کرتے تھے۔

ذرا سوچیئے اِک ہمارے وہ اسلاف تھے جو کسی میں ایک ایمان کی نِشانی دیکھ کر اُس کے ایمان کی گواہی دیا کرتے تھے اور اک ہم ہیں جو ہزار نشانیاں دیکھ کر بھی مُسلمان ماننے کو تیار نہیں کسی کے کافر قرار پانے کیلئے ضروری ہے کہ وہ خُدا کی وحدانیت کا منکر ہو یا کلام الٰہی کا مُنکر ہو یا کلام الٰہی کی کسی آیت کا صریح انکار کرے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی یا بے ادبی کا مُرتکب ہو یا کسی اور نبی علیہ السلام کی شان کو گھٹانے کی کوشش کرے یا قولِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کرے فرشتوں کی یا جنت کی یا جَہنُم کی تحقیر کرے وغیرہ وغیرہ لیکن کسی بھی مُسلمان کو فروعی معملات کی وجہ سے کافر نہیں کہا جاسکتا۔

لیکن ایک ہَم ہیں جو اپنی عزت نفس کو قائم رکھنے کیلئے اپنی اَنَا کی تسکین کی خاطر ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالے چلے جارہے ہیں اور صرف اِسی پر اِکتفا نہیں کرتے اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کیلئے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں

پر کفر کا فتویٰ لگانے کی ہمت بھی رکھتے ہیں اور خُود سے بھی شرمندہ نہیں۔
جبکہ اللہ کریم قران مجید میں ارشاد فرمارہا ہے اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے۔۔۔۔۔
(سورہ الانعام آیت نمبر 108)
ہمارا رَب عزوجل تُو ہمیں کُفار کو گالی دینے سے منع فرمائے کہ کہیں کُفار پلٹ کر اللہ کریم کی شان میں گُستاخی نہ کر بیٹھیں اور ایک ہم ہیں کہ مسلمانوں کو بھی نہ بخشیں۔
لہٰذا ضروری ہے جہاں ہماری ویب کے ذمہ داران کی یہ ذُمہ داری بنتی ہے کہ ایسی تحاریر جن میں گُستاخی اور بے اَدبی کا پہلو ہُو اور جس سے مسلمانوں کی دِل آزاری ہوتی ہو پوسٹ نہ کی جائیں وہیں ہماری بھی ذِمہ داری بنتی ہے کہ اُن کالموں پر کمنٹس دینے سے قبل موڈریٹر کو ضرور ایسے کالموں کی نشاندھی کریں۔
خاص طور پر ہماری ویب کے اسلامی سیکشن پر کوئی ایسی تحریر نہ بھیجیں جس میں

کسی خاص مسلک کو نشانہ بنایا گیا ہُو۔
آپکی تحریریں اصلاحی اور معاشرتی فوائد سمیٹے ہوئے ہُوں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اُس سے مُستفید ہُو سکیں۔
کمنٹس چاہے کِسی بھی شعبے میں دیں ایک دوسرے کو احترام سے مُخاطب کریں۔
کسی کو مُخاطب کرتے ہُوئے لفظ جاہل یا کم علم، یا اِس سے مُماثل الفاظ سے نہ کریں کہ یہ سامنے والے کو اشتعال دِلانے کا باعث ہو سکتے ہیں۔
اپنا نقطہ نظر ضرور پیش کریں کہ یہ آپکا حق ہے لیکن دوسروں کی بات بھی تحمل سے سُنیں۔
کمنٹس باکس میں مائی پیج پر رجسٹر افراد کیلیۓ ایک اضافی سہولت موجود ہے جس کے سبب آپکے کمنٹس فوری شائع ہوجاتے ہیں اسکا غلط استعمال نہ کریں ورنہ ممکن ہے کہ ہم سے یہ سہولت واپس لے لی جائے۔
چونکہ ہماری ویب پر قارئین میں ایک کثیر تعداد خواتین کی بھی ہُوتی ہے

اسطرح ہم سب ایک فیملی کی مانند ہیں جس طرح آپ اپنے گھر میں کسی غیر اخلاقی سوال اور گفتگو سے احتراز کرتے ہیں یہاں بھی ایسی گفتگو سے پرہیز کریں۔

تمام ویب فورمز پر لکھنے والوں اور کمنٹس دینے والوں کے لئے قواعد اور ضوابط تحریر کئے جاتے ہیں ایسے ہی مفید قواعد اور ضوابط یہاں شعبہ مضامین میں نمایاں تحریر کئے جانے چاہئیں۔

اور ہماری ویب کے ذِمہ داران سے میری گُزارش ہے کہ جب اِس طرح کے قواعد اور ضوابط کو اصولی طور پر طے کرلیا جائے تو تمام ممبران سے اُنکی پاسداری کروائی جائے اگر کوئی ممبر انکی خلاف ورزی کرے تو اُنکی تحریر یا کمنٹس کو آئندہ ہماری ویب کے فورم سے شائع نہ کیا جائے۔

امید ہے اِس معاملے کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے تمام ممبران اور قارئین کرام اس سلسلے میں مزید بہتر تجویز بھی دیں گے۔

میرا بیانواں کالم

محترم قارئین کرام السلامُ علیکم آپ بھی سوچ رہے ہونگے کہ کیا عجیب شئی اِنسان ہے جو اپنے بیانوے کالم کو ٹائیٹل بنارہا ہے جبکہ عموماً لوگ سنگ ِمیل کیلئے اپنے سوویں کالم کو اپنا ٹائیٹل بناتے ہیں لیکن قارئین کرام میں اِسکا کیا کروں کہ میری زندگی میں ہمیشہ بیانوے عدد کی اہمیت بُہت زیادہ رہی ہے بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ میری تمام زندگی ہی بیانوے عدد کے گرد گھومتی ہے تو بیجا نہ ہُوگا۔

دیکھئے کل ہی کی بات ہے کہ میں نے انٹرنیٹ پر لکھنے کا اِرادہ کیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے ڈیڑھ برس کا عرصہ بیت گیا اور کچھ خبر ہی نہ ہُو سکی لیکن میرا انٹرنیٹ پر لکھنا اور اُس سال میں بیانوے کے عدد کا ہُونا کُچھ عجب نہیں؟ اگرچہ بیانوے اُلٹا ہی سہی۔

کہتے ہیں کہ والدین کا نام و نسب بیٹے سے چلتا ہے تو میرے گھر بلال بھی تُو بیانوے میں آیا تھا میں نے ٹیلی نار کا نمبر لیاتُو اُسکا آخری عدد بھی اتفاق سے بیانوے تھا ناروے سے گُستاخی ہُوئی ٹیلی نار کمپنی خاموش رہی خاموشی بھی جُرم سے کم نہیں مانی جاتی سو ہم نے اِک نئی سِم خَریدی اور

زونگ پر چلے گئے لیکن وہاں بھی اگرچہ تمام نمبر تبدیل ہُوگئے لیکن حُسنِ اِتفاق دیکھیے کہ آخری ہِندسہ بیانوے ہی کا مِلا پھر ہمیں دوستوں نے اِحساس دِلایا کہ ہمارا سابقہ نمبر تمام دوستوں کے پاس محفوظ ہے اور ہمارے پاس سب کے نمبر نہیں لٰہذا اپنے سابقہ ٹیلی نار نمبر کو یوفون سے کنورٹ کروالینا چاہیئے اگرچہ ٹیلی نار سے یُوفُون کیلئے ہجرت کرنا اسقدر آسان بھی نہیں تھا جیسا کہ یار لوگوں نے سمجھایا تھا جیسے ہی ہم نے اپنا نمبر یوفون پر کنورٹ کرنے کی درخُواست دی ایک خاتون ٹیلی نار کسٹمر سینٹر سے میرے پیچھے ہاتھ دُھو کرپڑ گئیں.

اُنکا پہلا سوال تھا آپ ٹیلی نار کی بہترین سروس کیوں چھوڑنا چاہتے ہیں؟

ہم نے پہلے تُو جان چُھڑانے کیلئے کہہ دِیا کہ ٹیلی نار کی سروس بہتر نہیں ہے لیکن دوسرے ہی لمحے دِل سے صدا آئی کہ وہ بات کیوں نہیں کہتے کہ جس کے سبب جگر زخمی ہے سُو جونہی دوسرا سوال اُن خاتون نے پوچھا. اِسکے علاوہ کوئی دوسری شکایت؟ تب بناوٹی اِخلاق کی دیوار کو گراتے ہُوئے میں نے اُن خاتون سے کہا بہن میری پہلی شکایت کاٹ دیں کیونکہ وہ ٹھیک نہیں ہے ٹیلی نار کی سروس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

وہ میرے اِس جواب سے چُونک گئی اور حیرت زدہ لہجے میں استفسار کرنے لگی اگر آپ سروس سے مطمئین ہیں تو پھر اور کیا وجہ ہُو سکتی ہے ہمارے بہترین نیٹ ورک کو چھوڑ کر جانے کی؟

میری بہن میرے پاس جو وجہ موجود ہے اُسکے بعد کسی اور وجہ کی گُنجائش ہی نہیں بچتی میں نے اُس خاتون کو جواب دِیا

میں وہی وجہ معلوم کرنا چاہتی ہُوں آپ سے ؟

بہن میں ایک مسلمان ہُوں ایک نکما مُسلمان جو بُہت گنہگار بھی ہے اور بُہت نافرمان بھی لیکن بے غیرت بالکل نہیں ہے جب سے ڈِنمارک سے میرے کریم آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں گُستاخی کی گئی ہے میرا دِل گوارا نہیں کرتا کہ میرا ناطہ میرا تعلق کِسی بھی طرح اُن لوگوں سے ہُو جو اِس گُستاخی میں شریک ہُوں چونکہ آپکی کمپنی ٹیلی نار کا تعلق بھی اُسی سرزمین سے ہے تو میرا دِل نہیں مانتا کہ میرا تعلق آپ کی کمپنی سے رہے سو میں اُس نیٹ ورک سے نکنا چاہتا ہُوں کیونکہ آپ کے نیٹ ورک اور ہمارے نیٹ ورک میں ازل سے جنگ ہے جو ابد تک قائم رہے گی۔

اچانک اُس خاتون نے میری گُفتگو کاٹ دی اور کہنے لگی اگر آپ کا اشارہ اُس گُستاخ کارٹونسٹ کی جانب ہے تو معاف کیجئے گا بھائی میں بھی مسلمان ہُوں مجھے بھی اُس گُستاخ کارٹونسٹ سے اُسی قدر نفرت ہے جتنی کسی دوسرے مسلمان کو ہُوسکتی ہے۔ لیکن اِس میں ٹیلی نار کمپنی کا کیا قصور ہے یہ گُستاخی نہ ہی ٹیلی نار کمپنی سے وابستہ کسی ادنٰی یا اعلٰی شخص نے کی ہے نہ ہی ٹیلی نار کمپنی کے ایماءَ پر کی گئی ہے۔

میری بہن یہ بات دِل کو سمجھانے کیلئے کافی نہیں اگر ایسا ہُوتا تو ٹیلی نار کمپنی اِس اقدام کی مذمت ضرور کرتی وہ اعلانیہ کہہ دیتی کہ ہمارا ناصرف اِس تمام معاملے سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اِس معاملے پر ہم پاکستانی عوام کیساتھ ہیں اور اُس کارٹونسٹ پہ لعنت بھیجتے ہیں لیکن ایسا کیا نہیں گیا اور نہ ہی ہمیں آئندہ اُن سے ایسے اقدام کی اُمید ہے۔

وہ کہنے لگی بھائی اِس قسم کے اعلان کسی بھی کمپنی کی پالیسی کا حصہ نہیں ہوتے اِسی وجہ سے یہ ممکن نہیں آپ اپنے فیصلے پر دوبارہ غور کریں۔

میں نے کہا بہن غور و فکر نفع اور نقصان کاروبار میں ہوتا ہے عشق میں نہیں مجھے اُمید ہے کہ آپ میرے احساسات کو سمجھنے کی کوشش کریں گی اور یہ مصرعہ

پڑھتے ہُوئے کال ڈسکنیکٹ کردی ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے اور اسطرح چند ماہ کی کافی کوشش رنگ لائی اور ایک مرتبہ پھر وہی بیانوے نمبر ہمارے پاس آگیا۔

زندگی کے چالیس برس دَبے قدموں بیت گئے بُہت سے وعدے ہم نے لوگوں سے کئے اور بُہت سے پیان لوگوں نے ہَم سے کئے کچھ وہاں سے چُوٹ کھائی کچھ ہم بھی سبھی کو خوش رکھنے میں ناکام رہے۔

لیکن زندگی کا سفر چلتا رہااور کوئی رہے نہ رہے زندگی کا سفر تُو چلتا ہی رہنا چاہیئے جو باہمت ہوتے ہیں منزل اُنہی کو ملتی ہے جُو ٹہر جاتے ہیں بھول بھلیوں میں گُم ہُو کر رہ جاتے ہیں۔

چلتے چلتے اپنے اِس بیانوے کالم میں آپ کو ایک حقیقت اور بتانا چاہتاہُوں کہ آپ کے تمام خُطوط جو ہماری ویب پر بڑے چاؤ سے ہمیں بھیجتے ہیں اب احسان بھائی کے توسل سے ہمیں ملتے ہیں کیوں کہ ایک مدت سے اپنی حد سے بڑھتی ہُوئی مصروفیت کے پیش نظر ممکن نہیں تھا کہ اپنی پرسنل اِی میل کے علاوہ مائی پیج پر آنے والے میسجز کا بھی جواب دے سکوں لہٰذا ہم نے اپنا مائی پیج

کا اکاؤنٹ بھی احسان وارثی بھائی کے سپرد کردیا ہے آپ کو جو جوابات ملتے ہیں وہ بھی احسان بھائی مجھ سے مشورے کے بعد لکھتے ہیں اسلئے اگر آپ چاہیں تو ڈائریکٹ اپنے میسج احسان الحق وارثی بھائی کو بھی بھیج سکتے ہیں جو روحانی سلسلہ فیضان اسم اعظم کی صورت میں چل رہا ہے اُسکے میر کارواں بھی اب احسان الحق وارثی بھائی ہیں۔

احسان بھائی جب میرے سامنے ہُوتے ہیں تو اکثر سوچتا ہُوں کہ اُنکا شکریہ ادا کروں لیکن زُبان ساتھ نہیں دیتی وہ نہایت دردمند اِنسان ہیں سب کی بھلائی میں گُم رہنے والے انسان آج اپنے اس بیانوے کالم کے ذریعے اُنکا بھی شُکریہ ادا کرنا چاہتا ہُوں اور آخر میں ہماری ویب کا بھی شُکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جسکی وجہ سے یہ اپنا بیانواں کالم لکھنا مُیسر آیا اور انٹرنیٹ پر میری پہچان اور آپ سے تعلق کا ذریعہ بَنا۔

ویسے اِس وقت رات کے ڈیڑھ بجے ہیں اور مجھے اپنے ایک روحانی اُستاد کا اِک جُملہ رِہ رِہ کر یاد آرہا ہے کہ (گُمنامی بھی کسی نعمت سے کَم نہیں) اور آج مجھے اُس جُملے کی قیمت کا اِحساس ہو رہا ہے۔

اپنے اس بیانوے کالم کے ذریعے اُن تمام احباب سے بھی معافی کا خواستگار

ہوں جن کا دِل کسی وجہ سے میں نے دُکھایا ہو اللہ کریم سے دُعا ہے کہ میری زندگی کی شام بھی اِسی بیانوے کی نسبت سے قائم ہو اور جب تک حیات رہے اس بیانوے عدد کا سایہ ہمیشہ مجھ پر بنا رہے کہ اِسم مُحمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا عدد بھی تو بیانوے ہی ہے!

ـ

تذکرہ اِک پری کی مُحبت کا (نواں حصہ)۔

گُذشتہ سے پیوستہ

عمران میاں آج ہَم نے آپ سے وعدہ کیا تھا نا؟ کہ آپکو ایک خُوشخبری سُنائیں گے، تُو سُنو آج وہ مہ جبیں پری اندر موجود ہے، جاؤ اور جا کر مِل لو اُس سے۔ ہماری جانب سے صرف اور صرف مُلاقات کی اِجازت ہے یہ بات مت بھولنا۔ اور اُسکی آنکھوں میں ہر گز مت جھانکنا۔ یہ کہتے ہُوئے بابا وقاص عمران کو کمرے کے دروازے پر چُھوڑ کر پَلٹ گئے۔

عمران جونہی کمرے میں داخل ہوا تو حیرت سے اُسکی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کیونکہ کمرہ بالکل خالی تھا وہاں پَری تو کُجا ایک چڑیا کا بچہ بھی موجود نہیں تھا کچھ لمحے اضطراب کی حالت میں عمران خالی دیواروں کو گھورتا رہا بے بَسی اور بے کسی عمران کے بُشرے سے عیاں تھی بابا وقاص سے کسی گھٹیا مذاق کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی مگر جو کُچھ عمران کیساتھ ہُورہا تھا وہ رُلانے کیلئے کافی تھا کیا بابا وقاص میرا کسی قسم کا امتحان لے رہے ہیں یا واقعی بابا وقاص مذاق کررہے ہیں اب اِس بات کا جواب تو بابا وقاص ہی بہتر دے سکتے تھے۔

لہٰذا عمران اِنہی سوچوں کیساتھ گومگوں کی کیفیت سے نبرد آزما کمرے سے باہر نکل آیا بابا وقاص کمرے کے باہر جیسے عمران ہی کی راہ تک رہے تھے۔ عمران کو دیکھتے ہُوئے مُسکرا رہے تھے بابا کمرہ تو بالکل خالی ہے عمران نے بابا وقاص کے پُر تبسم چہرے کی جانب دیکھتے ہُوئے کہا۔

ہاں بیٹا مُعاف کرنا دراصل میں تُمہیں بتانا بُھول گیا تھا۔ یہ کمرہ صرف اُس مہ جبین سے ملنے کا ذریعہ ہے وہ اِس کمرے میں موجود نہیں لیکن اِس کمرے کے دوسرے دروازے سے نِکلتے ہی تُم اپنی منزل کو پالوگے بابا وقاص ایک لمحے کو خاموش ہُوئے تو عمران نے کہا لیکن بابا کمرے میں کوئی دوسرا دروازہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے تو میں اُسے عبور کیسے کروں گا؟

ایسا نہیں ہے بیٹا شاید تُمھاری نظر اُس دروازے پر نہیں پڑی چلو میں تُمہیں وہ دروازہ دِکھا دیتا ہُوں یہ کہتے ہُوئے بابا وقاص نے پردے کو ایک جانب کرتے ہُوئے کمرے کی شمالی دیوار کی جانب اشارہ کیا جہاں اب ایک دروازے کے آثار نظر آرہے تھے عمران مبہوت کھڑا اُس دروازے کو دیکھ رَہا تھا جو ابھی کچھ پَل پہلے وہاں موجود نہیں تھا لیکن اب نظر آرھا تھا عمران بابا کو بتانا چاہتا تھا کہ ابھی کچھ دیر قبل یہ دیوار بالکل سپاٹ نظر آرہی تھی جہاں اب وہ لکڑی کا دروازہ نظر آرہا تھا لیکن بابا وقاص نے اچانک اُس کے

شانے کو دَباتے ہُوئے کہا، اور ہاں اندر ایک ہار کی مالا ٹیبل پر رکھی ہے وہ اُسے پہنا دینا یہ تُمھارے اُس ہار کا بَدل ہے جو تُم اُس دِن لائے تھے اور میری تمام نصیحتوں کو بھی فراموش نہیں کرنا کیوں اُنہی میں تُمھارا فائدہ چُھپا ہے !

بابا وقاص نے ایک مرتبہ پھر عمران کو کمرے کے اندر دھکیل دِیا تھا عمران کو ابھی تک یہ بات ہضم نہیں ہُوپارہی تھی کہ جِس کمرے میں ابھی لمحہ بھر پہلے تک کوئی دوسرا دروازہ سرے سے موجود ہی نہیں تھا وہاں یکایک کیسے ایک دروازہ نمودار ہُوگیا تھا۔

عمران اِنہی سوچوں میں گُم تھا کہ ایک بھینی بھینی سی خُوشبو عمران کے مسامِ دِماغ کو معطر کرنے لگی عمران نے گھوم کر تمام کمرے کا ایک طائرانہ جائزہ لیا تو اُسے محسوس ہُوا کہ وہ خُوشبو کہیں اور سے نہیں بلکہ اُسی دروازے سے آرہی تھی اِس خُوشبو نے عمران کی تمام سوچوں کا محور اپنی جانب کھینچ لیا۔ عمران نے آگے بڑھ کر دروازے کو اندر کی جانب دھکیلا تو ایک ریشمی پردہ عمران کے چہرے کو چُھونے لگا عمران کے گُمان میں بھی نہ تھا کہ بابا کے گھر کی شُمالی جانب کوئی مزید کمرہ بھی موجود ہُوسکتا ہے کیونکہ عمران نے کچھ برس آرکیٹیکٹ کا کورس بھی کیا تھا جِسکے سبب وہ کسی بھی مکان کو ایک

نظر باہر سے دیکھنے کے بعد اُس کے حُدود واربع کا صحیح تجزیہ کرلیا کرتا تھا لیکن یہاں تمام اندازے ہی غلط ثابت ہُورہے تھے۔

جونہی عمران نے اُس ریشمی پردے کو ایک جانب سمیٹا عمران پر گویا حیرتوں کے پہاڑ ٹُوٹ پڑے کیونکہ یہ کوئی عام سا کمرہ نہیں ایک تاحدِ وسیع کمرہ تھا جو انتہائی خُوبصورت انداز سے سجایا گیا تھا زمین پر بیش قیمت قالین بچھے ہُوئے تمام کمرہ ہی انتہائی قیمتی نوادرات اور قیمتی پینٹنگز سے سَجا ہُوا تھا اُس وسیع وعریض کمرے کے درمیان چھت پر ایک نہایت خُوبصورت فانوس جگمگا رہا تھا اور بالکل اُس کے نیچے ایک خُوبصورت مسہری تھی جس پر کوئی دُلہن شادی کا انتہائی قیمتی لباس پہنے لمبا سا گھونگٹ نکالے بیٹھی تھی۔

ایک مرتبہ عمران کو ایسا محسوس ہُوا جیسے وہ غلطی سے کسی محل میں داخل ہوگیا ہُو جہاں کوئی شہزادی اپنے ساتھی کے انتظار میں سراپا مجسم بنے بیٹھی ہُو۔ عمران کا جی چاہا کہ اُس کمرے سے نِکل بھاگے کیونکہ اگر کسی نے اُسے اِس طرح شاھی حرم میں دیدہ وری سے گھومتے دیکھ لیا تو اُسکی شامت آسکتی ہے عمران اِسی تذبذب کی حالت میں تھا کہ عمران کو اپنے کان میں بابا وقاص کی سرگوشی سُنائی دی عمران میاں گھبراؤمت یہ کسی شہنشاہ کا محل نہیں ہے یہاں کسی شہزادے کا نہیں بلکہ تُمھارا انتظار ہُورہا ہے وقت ضائع نہ کرو وہ مالا

اُسے پہنا دو۔
عمران نے پلٹ کر دیکھا تو کمرے میں کسی کو نہ پایا بہرحال اِس سَرُوشِ غیبی کا اتنا فائدہ ضرور ہُوا کہ عمران کا اعتماد اِس ندائے غیب کے توسل سے نہ صرف بحال ہُوا بلکہ وہ بیگانگی کی کیفیت جو ابھی کچھ لمحات قبل تک عمران کو خُوفزدہ کئے ہُوئے تھی یکایک خَتم ہُو گئی اور عمران نے اُس دُلہن کی مسہری کے قریب جانے کی ہمت بھی خُود میں جمع کرلی جُوں جُوں عمران اُس دُلہن کے نزدیک ہُوتا جارہا تھا اُسکے مسامِ دماغ سے وہ خُوشبو کی لہریں بھی مزید توانائی کیساتھ ٹکرا رہیں تھیں۔
دُلہن نے اگرچہ روایتی دُلہنوں کا لباس زیب تن کیا ہُوا تھا البتہ تمام عروسی لباس نگینوں اور زری کے کام سے جگمگا رہا تھا۔ تمام مسہری کو دیدہ زیب پھولوں نے اپنی آغوش میں لے رکھا تھا عمران جب مزید اُس دُلہن کے نزدیک پُہنچا تو اُسے دُلہن کے ہاتھ نظر آئے دونوں ہاتھوں پر نفیس حنائی نقوش بنائے گئے تھے اور دونوں ہاتھوں میں سچے موتیوں سے مُزین خُوشنما کنگن اُن ہاتھوں کو مزید سُندر بنا رہے تھے۔
عمران کی قربت کا احساس ہُوتے ہی اُس دُلہن نے اپنے پیروں کو سمیٹا تو

عمران کو اُسکے داہنے پاؤں پر وہ نِشان بھی نظر آگیا جو عمران نے بابا وقاص کے گھر پہلی مُلاقات میں اپنی نیچی نظروں سے دیکھا تھا وہ مہ جبین عمران کی قربت سے کسمسا رہی تھی اور اُسکے سانسوں کی تیزلے عمران کو صاف سُنائی دے رہی تھی۔
اچانک عمران کی نظریں مسہری سے مُلحقہ تپائی پر پڑی جس پر ایک خوبصورت پھولوں کی مالا ایک منقش چاندی کی ٹرے میں رکھی تھی یہ پھول سائز میں اگرچہ موگرے ہی کے برابر تھے لیکن ایسے تروتازہ اور اتنے سفید کے چھوئے بِنا کوئی بھی اُنہیں اصل ماننے کو تیار نہ ہُو عمران نے اُس مالا کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا اور دُلہن کے گھونگٹ سے گُزار کر اسکی گردن میں پہنا دیا جِس وقت عمران اُس دُلہن کے گلے میں ہار پہنا رہا تھا ایک نظر اُسنے گھونگٹ سے جھلکتے اُسکے حسین چہرے کو دیکھا اور مبہوت ہُوگیا اور سوچنے لگا کیا کوئی اسقدر بھی حسین ہو سکتا ہے۔
یکبارگی اُس نازنین نے بھی اپنی پلکوں کو اُٹھاتے ہوئے عمران کو دیکھا تب عمران کو احساس ہُوا کہ شائد ہر بڑے شاعر نے ایسی حسین آنکھیں دیکھیں ہونگی تبھی تو کسی شاعر نے اپنے محبوب کی آنکھوں کو مہ کا پیالہ کہا اور کسی نے گہری جھیل سے تشبیہ دی ہوگی۔اِسی سرور و مستی کی کیفیت میں عمران نے بات

بڑھاتے ہُوئے اُس نازنین سے اُسکا نام دریافت کیا جواب میں ایک نقرئی جلترنگ بجاتی آواز عمران نے سُنی۔ سب مجھے کوثر کہتے ہیں لیکن آپ مجھے عین بھی کہہ سکتے ہیں یہ آواز بھی سحر پیدا کر رہی تھی

عمران کا دِل شدت سے اُسے اِس بات کیلئے اُکسانے لگا کہ اُس مہ جبین کو چُھو کر اُسکے لمس کی حدت کو ماپے اُس نے اِسی اِرادے کے تحت اپنا ہاتھ اُسکے چہرے کی جانب بڑھایا ہی تھا کہ بابا وقاص کی گونجدار آواز نے عمران کو اس سحر سے نِکال لیا۔

جاری ہے

ہم تُو ڈوبے تھے صنم تیری ہی اُمید پر

محترم قارئین کرام یوں تُو ہمیں اِس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہُوتا کہ ہماری سیاسی بصیرت نہ ہُونے کے برابر ہے لیکن روزانہ سیاستدانوں کی اُکھاڑ پچھاڑ اور نئے نئے پینترے دیکھ کر کچھ کچھ سمجھ آہی جاتا ہے بس یہ تحریر بھی اُس کُچھ کُچھ کا حِصہ ہے ویسے بھی یہاں سیاسی بصیرت کے حامِل بے شُمار ساتھیوں کی موجودگی ہمیں یہ سمجھاتی رہتی ہے کہ یہاں کھلاڑی موجود ہیں اور مجھ جیسے سیاست سے نابلد کی یہاں کوئی خاص ضرورت نہیں۔ لیکن کیا کریں اِن سیاستدانوں کا جو ہمیں بالکل ہی احمق اور بودا سمجھ بیٹھے ہیں اِس لئے یہ سب نہ صرف ایک دوسرے کو مِیڈیا پر کھلے عام گالیاں دیتے بھی نظر آتے ہیں بلکہ کھلے عام کرپشن میں اپنے حصے کی کمی کا رونا بھی ایسے روتے ہیں جیسے کوئی مزدور کام ختم کرنے کے بعد اپنی مزدوری کا تقاضہ بھی نہیں کرتا ہُوگا۔ لوگ کہتے ہیں کہ سیاست میں جیسی سیاست ایک مولوی صاحب نے کی ہے شائد ہی کسی کو سیاست کے ایسے رموز اور گُر آتے ہوں جی ہاں میں بات کررہا ہُوں محترم مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی جنہوں نے ہمیشہ ہر حکومت سے اپنی پارٹی کی محدود نشست کے باوجود وہ فوائد حاصل کیئے ہیں کہ مُلکی سیاست کی بڑی بڑی پارٹیاں بھی اس قدر فوائد شائد ہی حاصل کرپائیں ہُوں، ابھی موجودہ حکومت کو ہی لے لیجئے کہ

جہاں مولانا صاحب کی جے یو آئی اپنی پارٹی کی قومی اسمبلی میں کُل سات نشستوں کے بل بُوتے پر نہ صرف تین وفاقی وزارت کے قلمدان سنبھالے بیٹھی تھی بلکہ کشمیر کمیٹی کی سربراہی پر بھی قابض تھی جبکہ اُنکے مقابلے میں متحدہ قومی موومنٹ 25 نشستوں کے باوجود صرف 2 وزارت بلکہ ڈیرھ واررت کی حقدار بن سکی اور عوامی نیشنل پارٹی جیسی گھاگ پارٹی بھی قومی اسمبلی کی 13 نشستوں کے کے عوض صرف تین چھوٹی موٹی ہی وزارت حاصل کر سکی۔ویسے دیکھا جائے تو یہ (جے یو آئی) کی حکومت سے اچھی بارگیننگ تھی جِسے کچھ یار لوگ بارگیننگ سے زیادہ بلیک میلنگ پر محمول کرتے ہیں لیکن ہمیں اِس تمام معاملے سے کچھ لینا دینا نہیں تھا اگر مورخہ 21 دسمبر کی شب جناب اعظم سُواتی صاحب کا حکومت سے علحیدگی کا سبب نہ سُنا ہُوتا جناب اعظم سَواتی صاحب حامد میر صاحب کے پروگرام میں فرما رہے تھے کہ ہَم نے حکومت سے علحیدگی کا اصولی فیصلہ گُستاخیء رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آرڈینیس میں تبدیلی کے پیش نظر کیا ہے اور مُلکی معیشت سے جو مذاق حکومت کرر ہی ہے اُسکےپَس منظر میں کیا ہے۔ محترم قارئین یہ تھا وہ سبب جس کی وجہ سے ہم یہ کالم لکھنے پر مجبور ہُوئے جناب ایک ہم ہی نہیں ساری دُنیا جانتی ہے اور خُود مولانا فضل الرحمان صاحب بارہا اس بات کا اظہار الیکٹرونک میڈیا پر بھی کر چُکے ہیں مولانا فرماتے ہیں کہ ہَم نے حکومت سے علحیدگی کا فیصلہ صرف اِس وجہ سے کیا ہے کہ وزیر اعظم صاحب نے اعظم سواتی کی برطرفی سے قبل ہمیں

اعتماد میں کیوں نہیں لیا۔ اور جب بابر غوری صاحب مولانا کی چائے کی دعوت پر گئے تو امید یہ کی جارہی تھی کہ شائد بابر غوری کوئی اہم اعلان اور مولانا کیساتھ حکومت کے خلاف شانہ بشانہ چلنے کا اعلان کرنے والے ہیں لیکن بابر غوری صاحب نے وہاں بُہت نپی تُلی گفتگو فرمائی جس سے اُن صحافی حضرات کو شائد ناکامی کا مُنہ دیکھناپڑا جو وہاں کسی اِہم خبر کی تلاش میں آئے ہُوئے تھے۔اور آخر میں بابر غوری صاحب نے مولانا کو چائے کی دعوت کے بدلے جِس طرح کھچڑا اور نہاری کی دعوت دِی وہ بھی اپنے اندر بُہت سے پیغام رکھتی ہے ایک وقت تھاجب متحدہ قومی موؤمنٹ جذباتی دھارے میں بہہ جایا کرتی تھی لیکن اب شائد مُتحدہ والے اِس بات کو سمجھ چُکے ہیں کہ وہ کسی کو شکار کیلیۓ اپنا کاندھا مُہیا نہیں کریں گے اِس لئے بُہت محتاط گفتگو کرتے ہیں اگرچہ مولانا نے بابر غوری کو جُوش دِلانے کیلیۓ ذوالفقار مِرزاکے بیان کا بھی سہارا لینا چاہا لیکن اُنہیں اِس میں بھی کوئی خاطر خُواہ کامیابی نی مِل سکی۔اور جب حامد میر کے پروگرام میں اعظم سواتی صاحب بار بار بابر غوری کو طیش دِلانے کی ناکام کوشش کررہے تھے تو اُنہوں نے نہ صرف ایک پنجابی گانا سُنایا بلکہ یہ بھی کہاکہ یہ ہمیں طے کرنے دِیں کہ ہمیں حُکومت کا حِصہ بنے رہنا ہے یا حُکومت سے علحیدگی اِختیار کرنی ہے اور جب اُنہوں نے تیروں کا رُخ مسلم لیگ (ن) کی جانب موڑا اور بیگانے پَن کی شکایت کرنے لگے تو احسن اقبال نے بھی کوئی خاص لفٹ نہیں کرائی۔ محترم

قارئین ویسے تُو ہمیں بھی معلوم ہے کہ مولانا فضل الرحمان ایک منجھے ہُوئے سیاستدان ہیں لیکن لگتا یہی ہے کہ اِس مرتبہ مولانا جلد بازی میں غلط چال چَل گئے ہُوں۔ ہُو سکتا ہے اُنہیں مُلکی حالات کے پیشِ اِس بات کی اُمید ہُو کہ وہ جو نہی حُکومت سے علحیدگی کا اعلان فرمائیں گے عوامی نیشنل پارٹی اور مُتحدہ قومی موؤمنٹ بھی اُنکے نقشِ قدم پر چلتے ہُوئے اُنکے ساتھ آملیں گے اور آخر میں میاں نواز شریف عوامی رِدِ عمل کے پیشِ نظر مجوراًہی سہی اُنہی کے ساتھ کھڑے ہونے پر تیار ہُوجائیں گے۔ لیکن ایسا کُچھ بھی ہُوا نہیں جِسکے سبب ہمیں اعظم سواتی دیگر پارٹییز کے رہنماؤں سے گِلا کرتے نظر آئے ہیں لگتا ہے وہ یہی کہنا چاہ رہے ہیں کہ ہم تواِس اُمید پر گَڑھے میں کودے تھے کہ ہمارے ساتھ متحدہ اور اے این پی بھی اِس گڑھے میں کودے گی لیکن تُم ہو کہ آتے ہی نہیں !

اور شاید دوسری جانب تمام پارٹیاں یہ کہہ رہی ہُوں کہ مولانا حلواہ کھاتے ہُوئے جب آپ نے ہمیں یاد نہیں رکھا تو فاقوں میں کیوں ہماری آمد کے منتظر ہیں آپ

مذہبی اور غیر مذہبی کی تقسیم حکومت کون کرے؟

محترم قارئین السلامُ علیکم مجھے نہیں معلوم کہ مملکت پاکستان میں یہ جو مذہبی اور غیر مذہبی کی اصطلاح استعمال کیجاتی ہے اِس اصطلاح کا بانی کُون ہے اور اِس اصطلاح کے مقاصد کیا تھے اور اِس کی ضرورت کیوں اور کیسے پیش آئی لفظ مذہب عربی زبان سے مشتق اسم ہے۔ اردو میں بطور اسم ہی استعمال ہوتا ہے جِسکے (لفظاً) معنٰی ہیں۔ گزرنا، جانے کی جگہ؛ اور (مجازاً) اسکے یہ معنی لئے جاسکتے ہیں راستہ، راہ (کسی شخص یا گروہ کا) مسلک، آئین، طریق وغیرہ وغیرہ۔۔۔

یا مذہبی کا ایک معنی ہے کہ اعمال صالحہ کرنے والے لوگ اب اگر یہ معنی لئے جائیں تو اِسکا مقصد ہے کہ غیر مذہبی لوگ وہ ہُونگے جِن کا اعمال صالحہ سے کوئی دینی تعلق نہیں اِسی طرح اگر ہَم مذہبی جماعتوں کا معنی تلاش کریں تو یہ معنی بنتے ہیں کہ وہ لوگ جو راہِ راست پر ہیں اور اعمال صالحہ کرتے ہیں جبکہ غیر مذہبی جماعت کے معنی یہ نِکلیں گے کہ وہ لوگ جو اعمال صالحہ سے دور ہَیں راہِ راست سے بھٹکے ہُوئے ہیں اگرچہ میرا تعلق بھی ایک دینی جماعت سے وابستہ ہے لیکن مجھے اِس تقسیم سے حیرت ہُوتی ہے کیونکہ اگر اِس تقسیم کو صحیح مان لیا جائے تو ہر ایک دانشمند جانتا ہے کہ پیپلز پارٹی ہُو یا مسلم لیگ ایم کیو ایم ہُو یا عوامی نیشنل پارٹی نہ ہی خُود کو مذہبی جماعت کہتی ہیں اور نہ ہی یہ، پارٹیاں خُود کو مذہبی جماعت کہلوانا پسند کریں گی اِس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو کیا ہَم یہ کہیں گے کہ یہ تمام سیاسی جماعتیں خُدانخواستہ راہ راست سے بھٹکی ہُوئی جماعت ہیں اور دین اسلام سے اِنکا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

جب کہ یہ حقیقت ہر ایک پر عیاں ہے کہ مذکورہ بالا پارٹیاں بھی اسلام سے اُسی قدر مُحبت کرتی ہیں جِتنا مذہبی جماعت کہلوانے والی پارٹیاں کیونکہ کوئی بھی مسلمان دینی حمیت سے خالی نہیں ہُوسکتا ہاں البتہ یہ ضرور ہُوسکتا ہے کہ کوئی اِسکا اظہار کرتا ہے اور کوئی اظہار نہیں کرپاتا لیکن یہ بات تو روزِ روشن کی طرح ہر ایک پر عیاں اور صاف ہے کہ چاہے کسی مسلمان کا تعلق کسی بھی سیاسی جماعت سے ہُو وہ دینِ فطرت دین اسلام سے بیگانہ نہیں رِہ سکتا اسلیئے کم از کم مجھے تو یہ اصلاح قطعی سمجھ نہیں آتی جیسا کہ آجکل عرف عام میں کہا جاتا ہے کہ فُلاں شخص کا تعلق ایک مذہبی جماعت سے ہے اور فُلاں کا تعلق ایک غیر مذہبی جماعت سے ہے۔

اور اِس تمام بحث سے قطع نظر ہَم اِسی تقسیم کو اگر کچھ لمحوں کیلئے تسلیم کرتے ہُوئے اگر اِس بات کا جائزہ لیں کہ اگر بالفرض یہ تقسیم صحیح ہے تو کیا ہَمیں موجوہ مذہبی لوگوں کو اقتدار میں لانا چاہیئے اور اگر ہاں تو کیوں؟

اور اگر جواب یہ ہُو کہ چُونکہ غیر مذہبی جماعتیں مُلک میں انارکی پھیلا رہی ہیں بے حیائی پھیلا رہی ہیں اور کرپشن پھیلا رہی ہیں۔ اور مزہبی جماعتیں حکومت اور اقتدار میں آنے کے بعد اِن تمام لعنتوں سے نہ صرف عوام کو چھٹکارہ دِلوانا کا باعث ہُونگی بلکہ وہ عدل بھی قائم کریں گی۔ مُلک سے غربت اور جہالت کے خاتمے کا باعث ہُونگی اور حضرت عُمر (رضی اللہُ عنہُ) کے دور حکومت کی طرح چاروں طرف خُوشحالی پھیل جائے گی لوگوں کو انصاف اُنکی دہلیز پر مُہیا کیا جائے گا۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔۔

اِس قِسم کے دلائل رکھنے والے دوستوں کی خِدمت میں صرف اِتنا عرض کرنا چاہُوں گا ۔ کہ میرے بھائی یہ تمام باتیں اگر درست اور بَجا ہیں تُو کیا وجہ ہے مُلک پاکستان کے عوام مذہبی جماعتوں کو ووٹ نہیں ڈالتے؟

کیوں وہ نہیں چاہتے کہ مُلک میں اِن مذہبی جماعتوں کے ذریعہ خُوشحالی آئے اور اُنہیں اِنصاف کیلئے نَسل در نَسل انتظار نہ کرنا پڑے اور اُنکے بچّے رات کو بھوکے نہ سوئیں۔ آخر کیوں نہیں؟

تُو میرے بھائی جواب اگرچہ تلخ ہے مگر حقیقت یہی ہے اور اِس سچائی سے مُنہ نہیں موڑا جاسکتا کہ عوام نے اِن مذہبی جماعتوں کو بھی آزما کر دیکھا ہے جنکے پاس 2 صوبوں کی حکومت ہونے کے باوجود اُن صوبوں کی قسمت نہیں بدلی اور مذکورہ وعدے کم از کم صوبوں کی حد تک بھی قائم نہیں کئے جاسکے لوگوں نے دیکھا کہ مذہبی لوگوں کی حکومت میں بھی اُنکا معیار زندگی بُلند نہ ہُوسکا اُس دوران بھی اُنکے بچے بھوکے پیٹ سوتے رہے۔ اُس وقت بھی انصاف کی خاطر وہ سُولی پر لٹکتے رہے جبکہ دوسر جانب اِن مذہبی شخصیات کے بنک بیلنس میں اضافہ ہُوتا رہا۔ اُنکی جائیدادوں میں اضافہ ہُوتا رہا اُنکے عزیز واقارب کے محلات بنتے رہے۔ کرپشن اور کمیشن کی سیاست کی جاتی رہی۔

اب آپ ہی ایمانداری سے کہیئے کہ کسطرح ایک عام آدمی اِن مذہبی کہلائے جانے والے لوگوں پر ایک مرتبہ پھر سے اعتماد کرے کیونکہ کسی کا اعتماد حاصل کرنے کیلئے کچھ عملی اِقدام کی ضرورت بھی پیش آتی ہے خُلفائے راشدین کی مثال دینے والے پہلے حضرت عُمر بن عبدالعزیز (رحمتہ اللہ علیہ) جیسا کردار تُو لیکر آئیں۔ جنکے پاس جب کوئی مہمان ذاتی غرض سے حاضر ہُوتا تو آپ چراغ بُجھا دیا کرتے تھے اور جب ایک مرتبہ آپ کی بیگم نے روزانہ کی مد میں سے چند پیسے بَچا کر ایک دِن حلواہ تیار کرلیا تھا اور جب آپ کے علم میں اس بچت کا علم آیا تُو روزانہ کے خرچے میں سے اسقدر پیسے بیت المال سے لینے کم کردیئے کہ ہمارا گُزارہ جب اِتنے کم پیسوں میں بھی ہُوسکتا ہے تو زائد بیت المال سے کیوں حاصل کریں۔

حضرت عُمر رضی اللہُ عنہُ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز (رحمتہ اللہ علیہ) کی مِثال دینے والوں سے کوئی یہ تُو پُوچھے کہ کیا وہ شخصیات بھی اِسی طرح حکومتی فنڈ سے اللّے تلّلے اُڑایا کرتی تھیں کیا وہ بھی سرکاری خرچ پر عمرہ اور حج کیلئے جایا کرتیں تھیں۔ کیا اُن نُفوسِ قُدسیہ کے ہاں بھی کرپشن، کمیشن، کا کوئی جواز موجود تھا جو کہ یقیناً نہیں تھا تُو آپ کس مُنہ سے اُن نُفوسِ قُدسیہ کی اِمثال دے سکتے ہیں۔

پہلے آپ حضرات اُن نفوسِ قُدسیہ کے نقشِ قدم پر تُو چل کر دِکھائیں خُدا کی قسم اِقتدار خُود چَل کر آپکے قدموں کو بُوسہ دینے آئے گا ہُوسکتا ہے اِس تحریر کو پڑھ کر آپ ہمیں بھی غیر مذہبی لوگوں میں شُمار کرنے لگیں لیکن جو احباب باقاعدگی سے ہمارے کالم پڑھتے ہیں وہ اِس بات کے گواہ ہیں کہ میری تمام تحریریں اِسلامی اِقدار کا رَنگ لئے ہُوتی ہیں۔ اور میں یہ ہرگز نہیں کہتا کہ تمام کی تمام ہی مذہبی شخصیات خُدانخُواستہ کرپٹ ہُوچکی ہیں اور کرپشن میں ملوث ہیں یقیناً اچھے بُرے لوگ ہر جگہ ہُوتے ہیں اور مذہبی جماعتوں میں بھی اعلیٰ اقدار کی حامل شخصیات ضرور موجود ہونگی اور میری بھی یہی خُواہش ہے کہ اِس مُلک پاکستان میں نِظام مُصطفٰے کا دستور ہُو اِس مُلک کے حُکمراں دیندار ہُوں پابند شرع ہُوں کہ دردِ مسلم اگر کسی سینے میں ہُوسکتا ہے تو وہ سینہ کسی سچے عاشقِ رسول (صلی اللہُ علیہ وسلم) کا ہی سینہ ہُوسکتا ہے نہ کہ کسی گُمراہ کا سینہ لیکن میں کیا کروں جب میں اِن مذہبی اور غیر مذہبی کی تقسیم کے دونوں رُخ دیکھتا ہُوں تو اُجالے کی کرن مجھے کسی ایک حصہ پر بھی نظر نہیں آتی۔

اب شائد آپ یہ سوچ رہے ہُونگے کہ پھر آخر کسطرح مُلک پاکستان کو بَچایا جائے جبکہ یہ بھی اٹل سچائی ہیکہ موجودہ حُکمرانوں نے کرپشن کے تمام سابقہ رِیکارڈ توڑ ڈالے ہیں۔ اب کس طرح اِس مُلک میں ایسا انقلاب بَرپا کیا جائے کہ ہم بھی پَس ماندگی اور ذلت کی زندگی سے نِکل سکیں۔

میرے خیال میں ہَمیں اِس مذہبی اور غیر مذہبی کی تقسیم سے باہر نِکل کر ایسے دیانتدار لوگوں کو اِقتدار میں لانا ہُوگا جِن کے قلوب مسلمانوں کیلئے تڑپتے ہُوں جو نہ صرف قائدِ اعظم محمد علی جناح (رحمتہ اللہ علیہ) کی طرح اغیار کے داؤ پیچ کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہُوں بلکہ اُنکو منہ توڑ جواب بھی دینے کی اہلیت رکھتے ہُوں جنکی نظر حکومت کے خزانوں پر نہیں پر آخرت کے اِحتساب پر ہُو۔ جنکی قُوتِ پرواز علامہ اقبال (رحمتہ اللہ علیہ) کے افکار کو چُھولے۔

اور خُدا کی قسم جِس دِن ہمیں ایسے حُکمراں مُیسر آگئے تو آپ دیکھیں گے کہ نہ صرف ایشیا میں بلکہ پُوری دُنیا میں اِس مملکتِ اسلامی کی وہ دھاک ہُوگی کہ صرف نام سُن کر اغیار کو پسینہ آجائے گا بس بات ہے سمجھ کی حضرت امام احمد بن حنبل) رحمتہ اللہ علیہ) کا قولِ مُبارک ہے کہ وقت کا حُکمران اُسی شخص کو بنانا چاہیئے جس میں اُس وقت اور حالات کے مطابق صلاحیت موجود ہُو (یعنی اگر سپہ سالار کی ضرورت ہُو تو میدانِ حرب سے لاؤ مدبر کی ضرورت ہُو تو اقبال علیہ الرحمہ سا لاؤ اور مقدمہ کی ضرورت ہُو تو محمد علی جناح جیسے کو لایا جائے آج ضرورت ہیکہ ہَم تمام تعصبات قومیت اور فرقہ واریت سے اپنی گردن آزاد کرواکر ایک جماعت بن جائیں اور مُنافرت کے بجائے اَخوت اور بھائی چارگی کی فضا کو قائم کریں اور اپنے وطن کے گوشے گوشے میں سے صرف ایسے لوگوں کو مُنتخب کریں جو حقیقت میں اسلام اور مسلمانوں کی مُحبت اپنے دِلوں میں رکھتے ہُوں چاہے وہ بظاہر مذہبی نظر آتے ہُوں یا کم مذہبی۔ ہُوسکتا ہے کہ جِنھیں ہَم غیر مذہبی سمجھ کر نظر انداز کر رہے ہُوں اُنہی میں کوئی اقبال اور محمد علی جناح (رحم اللہ علیہم) چُھپا بیٹھا ہُو۔

تذکرہ اک پری کی مُحبت کا حصہ ۱۰

عمران نے پلٹ کر دیکھا تو بابا وقاص کمرے میں موجود نہیں تھے لیکن تبھی کوثر کی مترنم ہنسِی نے تمام کمرے میں جلترنگ بکھیر دِی اب عمران کوثر کی بے اختیار ہنسی کی وجہ سے خجِل ہُو رہا تھا۔

کسے تلاش کر رہے تھے اِس کمرے میں کوثر نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا؟

کسی کو نہیں، کِسی بھی کو تو نہیں عِمران نے بوکھلاتے ہُوئے جواب دیا

شائد کِسی سے کوئی پیمان کر آئے تھے یہاں آنے سے قبل اور اب اُس عہد کی صدا تُمہارا تعاقب کر رہی ہے یہ عہد بھی کیا شے ہے اور اِحساس بھی کیا خُوب ہے جب تک عہد شکنی نہ کرو خیر ہے اور جونہی عہد شکنی کا اندیشہ دِل میں پیدا ہونے لگتا ہے تُو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی دیکھ رَہا ہُو کوئی پُکار رہا ہُو کہ عہد کا پاس کرو۔ ہے نا ! کوثر نے ہے نا پر زور دیتے ہُوئے کہا۔

عمران کا دَل شدت سے اُس نازنین کو قریب سے دیکھنے کو چاہ رَہا تھا لیکن بابا وقاص سے کیا وعدہ اُسے خبردار کر رہا تھا کہ وعدہ نہ ٹوٹنے پائے۔ لیکن جب عمران سے رَہا نہ گیا تو اُس نے ایکبار پھر کوثر کے چہرے پر نگاہ جمانے کی کوشش کی لیکن کوثر کے رُعب حُسن نے اُسکی نظروں کو جُھکنے پر مجبور کر دیا کیسی پُرسکون جھیل جیسی آنکھیں تھیں کوثر کی عمران سوچ رہا تھا شائد شاعروں نے ایسی ہی حَسین آنکھیں دیکھیں ہُونگی تبھی کسی نے اِنہیں ساگر کہا تو کسی نے ساغر، کسی نے جھیل سے تشبیہ دِی تو کسی نے نرگس سے۔

عمران کی زُبان سے بھی بے ساختہ کچھ اشعار ادا ہُو گئے

عجب مُعمّوں سے پیکار ہیں تیری آنکھیں
جیسے صدیوں کی رازدار ہیں تیری آنکھیں
کوئی کِسطرح نِگاہُوں کو اُٹھا کر دیکھے
دِل پہ خنجر کی کاری دھار ہیں تیری آنکھیں
جب سے دیکھا ہے اِنہیں نیند نہیں آتی مُجھے
رُوبرو میرے، میرے یار ہیں تیری آنکھیں

کیا تُمھیں میری آنکھیں پسند ہیں ؟ کوثر نے محظوظ ہوتے ہُوئے اِٹھلا کر عمران سے استفسار کیا

عمران نے اثبات میں اپنی گردن ہِلادی

جھوٹ، اگر تُمھیں میری آنکھیں اسقدر پسند ہیں تو مجھ سے نظریں کیوں چُرا رہے ہو۔

کوثر کافی دیر تک عمران کے جواب کی مُنتظر رہی لیکن عمران نے اپنی گردن نہ اُٹھائی اور لگاتار کوثر کے مَرمَریں پیروں کو دِیکھتا رہا۔

اچھا رہنے دو نہ دیکھو میری آنکھوں میں مگر خُدا کیلئے کُچھ بات تُو کرو میں کب سے مُنتظر تھی اِس گھڑی کی اور جب یہ گھڑی نصیب ہو گئی ہے تو اَب آپ اِن لمحات کو ضائع نہ کریں۔

عمران کو بھی اِحساس ہونے لگا کہ واقعی وقت اپنی رفتار سے گُزر رہا ہے اگرچہ کوثر کی رفاقت نے اِسکا احساس نہ ہونے دِیا تھا عمران نے ایک مرتبہ پھر اُس حَسین نازنین کے چہرے کی جانب نِگاہ اُٹھائی لیکن کوثر کے حُسن

رُعب نے اُسکی نظروں کو ایک بار پھر جھکنے پر مجبور کر دیا

عمران نے کوثر کی کلائیوں پر نظر جماتے ہُوئے کوثر سے دریافت کیا کوثر ایک بات اگر تُم سے پوچھوں تُم خفا تو نہ ہو نگی

ضرور پوچھو بلکہ ایک کیا ہزار سوال پوچھو کوثر نے اِٹھلاتے ہوئے اِک ادائے خاص سے کہا۔

جیسا کہ تُم ایک پری ہُو اور انتہائی حَسین بھی ہُو بلکہ بابا وقاص بتا رہے تھے کہ ایک معزز قبیلے کی شہزادی بھی ہُو جب کہ تُمھارے برعکس میں نہ ہی بُہت زیادہ خُوبصورت ہُوں نہ ہی مُجھ میں کوئی ایسا فَن ہے کہ جو مجھے دوسروں سے ممتاز کرتا ہُو پھر کیا سبب ہے کہ تُم نے اپنے پیار کیلئے میرا ہی انتخاب کیوں کیا۔

عمران کے خاموش ہوتے ہی ۔ کوثر نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔ کون کہتا ہے کہ تُم خُوبصورت نہیں ہُو مجھے بتاؤ میں اُسکا مُنہ نوچ لو نگی۔

کوثر کے اِس والہانہ طرز عمل سے عمران کی ہنسی نِکل گئی جبکہ کوثر کا چہرہ

دیکھنے کے قابل تھا کوثر نے اپنی خفگی پر قابو پاتے ہُوئے کہا کیا ہُوا، میں نے کوئی لطیفہ تُو نہیں سُنایا آپ کو؟

عمران نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہُوئے کہا ابھی تُمہارا انداز بالکل لڑاکا عورتوں جیسا تھا جیسے کِسی عورت نے کسی دوسری عورت کے بچّے کو بدصورت کہہ دِیا ہو اور وہ اُس پر اپنا ردِ عمل ظاہر کر رہی ہو۔

اِس طرح تو میری بیگم بھی شائد میرے لئے کِسی سے نہ لڑیں

ویسے تُم نے میرے سوال کا جواب نہیں دِیا کوثر؟

عمران تُم عام اَنسان نہیں ہُو لیکن ابھی تُم یہ بات نہیں جانتے کیوں کہ تُمہیں اپنی قابلیت کا فی الحال اِدراک نہیں ہے اور میری زُبان پر بھی اِس وقت کسی وعدہ کا قفل ہے لیکن میں تُو تُمہیں جب سے جانتی ہُوں جب کسی نے تُم پر اپنا حق نہیں جمایا تھا میرا مطلب ہے جب تُم صرف 14 برس کے تھے اور ایک حادثاتی مُلاقات نے مجھے تُمہارا غائیبانہ دوست بنا ڈالا۔ تُمہیں یاد ہے وہ دِن جب تُم ایک کھلونا لئے ایک میدان میں شام کے وقت کھڑے تھے تُمہاری آنکھوں میں آنسو تھے اور تُم اللہ سے دُعا مانگ رہے تھے کہ کسی طرح وہ مشین چل پڑے۔ کوثر سانس لینے کیلئے رُکی تو عمران کو وہ واقعہ یاد آگیا۔

جب عمران کی عُمر واقعی 14 برس رہی ہُوگی وہ آٹھویں جماعت پاس کرکے نویں کلاس میں آیا تھا کلاس میں ایسے لڑکے بھی موجود تھے جو گُذشتہ 4 برسوں سے فیل ہُوتے آ رہے تھے اور ایک دِن جب عمران ایک شاپ سے وڈیو گیم کرائے پر حاصل کرنے کے بعد اپنے گھر لیجارہا تھا کہ وہیں اُسکا ایک مذکورہ کلاس فیلو اپنے دوست پر پانی کا گلاس اُچھال رہا تھا وہ لڑکا تو ایکدم نیچے بیٹھ گیا اور گلاس کا تمام پانی عمران پر اور اُس گیم پر آپڑا تھا وہ دوست تو وہاں سے رَفو چکر ہُوگیا اور گیم کی ڈیوائس پانی جانے کے سبب خراب ہُو گئی تھی۔

اُس گیم کو خُشک کرنے کیلئے عمران میدان گیا تھا اور مغرب تک اُس گیم کے ٹھیک ہُونے کا انتظار کرتا رہا تھا لیکن وہ گیم نہیں بَنا اور دوکاندار کسی صورت راضی نہیں ہُورہا تھا اُس وڈیو ڈیوائس کی قیمت اُس وقت 550 رُوپے تھی جبکہ عمران کو پاکٹ منی کے نام پر صرف ایک روپیہ روزانہ مِلا کرتا تھا۔ بلاآخر عمران کے کافی رونے دھونے کے بعد دوکاندار اِس بات پر راضی ہُوا تھا کہ عمران روزانہ ایک روپیہ اُس دوکاندار کو جمع کرائے گا اور غیر حاضری کی صورت میں یہ بات عمران کے والد کو بتادی جائے گی جِسکے سبب عمران تقریباً 2 برس تک اپنی جیب خرچ سے محروم رہا تھا۔ تمام بچّے اسکول ہاف ٹائم میں اپنی من پسند چیزیں مزے لے لیکر کھایا کرتے تھے جبکہ عمران اُس روپیہ کو

دوکاندار کو روزانہ جمع کرادیا کرتا تھا۔

عمران بھلا اپنی زندگی کے اُن حسرت بھرے 2 بَرسوں کو کسطرح بھول سکتا تھا عمران ماضی کے اُن دِنوں میں گُم تھا کہ کوثر کی آواز اُسے پھر حال میں لے آئی جہاں اِس وقت ایک حسین اور نازنین پری کی رفاقت اِسے مُیسر تھی۔

جِس وقت تُم میدان میں کھڑے تنہا گریہ وزاری کر رہے تھے میں اپنی سہیلیوں کیساتھ وہاں سے گُزر رہی تھی تُمہیں بلکتا اور سسکتا دیکھ کر تُمہارے نزدیک آ گئی جب تُم وہاں سے واپس لوٹے تب بھی میں تُمہارے ساتھ ساتھ چلدی تھی پہلے میں نے سوچا کہ تُمہاری مدد کروں لیکن جب میں تُمہارے گھر تک پُہنچی تو معلوم ہُوا کہ تُم ایک کھاتے پیتے گھرکے بچّے ہو وہ رَقم گھر والوں سے حاصل کر سکتے تھے سُو میں واپس پلٹ گئی لیکن عجب اِتفاق تھا کہ جب 6 ماہ بعد میں نے تُمہیں ایک دِن اسکول کے بچوں کیساتھ ہَلول دیکھا تب مُجھے معلوم ہُوا کہ تُم نہایت خُوددار ہُو اگر چاہتے تو وہ رقم اپنے والدین سے حاصل کر لیتے یا اگر کوئی اور بچّہ ہُوتا تُو شائد گھر سے پیسے چوری کرکے اپنی جان آزاد کرالیتا لیکن تُم نے جو راستہ چُنا اُس نے مجھے تُمہارا گرویدہ بنا دِیا

پھر اکثر ایسا ہُونے لگا کہ میں تُمھاری خیریت دریافت کرنے کیلئے آنے لگی پتہ نہیں تُم سے کیوں اسقدر اُنسیت پیدا ہُونے لگی اور ایک لطیف سا جذبہ میرے دِل کے کسی نہاں خانے میں پنپنے لگا پھر تُمھاری شادی ہُو گئی میرا بار بار زمین پر آنا اور تُمھارے ساتھ وقت گُزارنا میرے بابا سے بھی مَخفی نہ رہ سکا اُنھوں نے مجھے بُہت پیار سے سمجھایا اور ایک مرتبہ ڈانٹ کر بھی سمجھایا کہ اِس راہ پر نہ چلوں لیکن مجھے کوئی بھی نصیحت تُم سے دور نہ کر سکی

عمران جب کوئی تُم کو ستاتا یا تنگ کیا کرتا تھا تُو مجھ سے.برداشت نہیں ہُوتا کوئی تُمھاری بے عزتی کرتا تُو مجھےیُوں محسوس ہُوتا کہ جیسے وہ میری عزت پر سوال اُٹھا رہا ہُو۔اِس وجہ سے کئی لوگوں کو میں نے نِشانہ بھی بنایا میں نے کئی بار تُمھیں اپنی موجودگی کا اِحساس دِلانے کی کوشش کی لیکن میری وہ کوششیں بے سود رہیں۔

حتیٰ کہ جب تُم ایکبار اپنی گھر کی سیڑھیوں سے پھسل گئے تھے قریب تھا کہ تُم نیچے جا کر بُہت زخمی ہُو جاؤ اُس وقت میں نے ہی تُمھیں سَنبھالا تھا اور ایسا کئی مرتبہ ہُوا لیکن تُم میری قربت کے اِحساس سے بے خَبر ہی رہے یہاں تک کہ ایک دِن میری بابا وقاص سے مُلاقات ہُو گئی ۔

ویسے میں تُم سے کُچھ چُھپاؤنگی نہیں میری بابا صاحب سے یہ پہلی مُلاقات نہیں تھی 10 برس پہلے بابا صاحب ایک پَری کو قابو کرنے کیلئے چِلہ کاٹ رہے تھے میں نے تب بابا وقاص کا وہ چلہ اُنہی پر اُلٹ دیا تھا جِسکی وجہ سے بابا وقاص کو کافی نقصان اُٹھانا پڑا تھا۔ بابا وقاص پر ضد سوار تھی کہ وہ مجھے ہرا کر دَم لیں گے لیکن پھر میرا بابا وقاص سے ایک معاہدہ ہُوا تھا کہ ہَم آئیندہ ایسی کوئی حرکت نہیں کریں گے جس سے کسی بھی فریق کو نقصان پُہنچے اور ضرورت پڑنے پر ایک دوسرے کی مدد بھی کریں گے جب میں نے بابا وقاص کو تُمہارے مُتعلق بتایا تو نہ صرف اُنہوں نے مدد کا وعدہ کیا بلکہ اُس وعدے پر عمل درآمد کیلئے اپنے شہر کو بھی خیر آباد کہہ کر تُمہارے شہر چلے آئے اور تُمہاری راہ گُزر میں ہی اپنا آستانہ بنالیا۔

کوثر کی سرگُزشت نے عمران کو ورطہ حیرت میں ڈالدیا تھا وہ تمام کہانی جو کوثر نے بیان کی تھیں اُنہیں جُھٹلانا عمران کے بَس میں نہیں تھا لیکن بابا وقاص کے ذکر نے اُسے سوچنے پر مجبور کرِدیا تھا کہ کیا کوئی اپنا عہد نبھانے کیلئے اِس حد تک بھی جاسکتا ہے کہ اپنے بچّوں اور اپنے گھر بار کو اپنے پیان کی خاطر چُھوڑ دے بابا وقاص کی عزت عمران کے دِل میں مزید بڑھ گئی تھی۔

ہُوچکی تھی۔

دیکھو عمران میں نے اپنی زندگی کا ایک ایک ورق جو تُم سے متعلق تھا تُمھارے سامنے رکھ دِیا ہے مگر میری ایک اِلتجا ہے اگر مان لُوگے مجھے مُسرت ہُوگی اور بالفرض ٹھکرا بھی دوگے تو آپ سے کوئی تعرض نہ کرونگی دیکھو انتظار کرنا کہ بابا وقاص ایک دِن خُود میری تمام باتوں کی تصدیق کردیں خاص طور پر میری بابا وقاص سے پہلی مُلاقات کا احوال اگر تُم معلوم کروگے تو ہو سکتا ہے اُنہیں اچھا نہ لگے!

اسلئے میری خاطر انتظار کرلینا کوثر نے آخری جُملہ میں التجا سموتے ہُوئے کہا

اچھا کوثر ایک بات اور بتادو کیا آج کی اِس مُلاقات کے بعد ہَم ہمیشہ ساتھ ساتھ رَہیں گے؟

نہیں عمران میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے آج کے بعد ہماری مُلاقات صرف اُس صورت ممکن ہے کہ جب تُم مجھے اپنے نِکاح میں لیکر اپنی شریک حیات کے طور پر قبول کرلو۔

کوثر نے اپنی گُفتگو ختم کرتے ہُوئے عمران کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

تُمھارا مطلب ہے کہ میری اور تُمھاری شادی ! لیکن یہ کسطرح ممکن ہے ؟

جاری ہے)۔)

گُڈو میاں ۔۔۔۔۔۔ ہے نا

ابھی ذیادہ دِن ہوئے کل ہی کی سی بات لگتی ہے۔
جب گُڈو میاں کسی بَلائے ناگہانی کیطرح ہمارے آفس میں داخل ہوئے تھے
ویسے تو گُڈو میاں کا اصل نام آصف خان ہے لیکن سب پیار سے گُڈو میاں ہی پُکارتے تھے حالانکہ شکل و صورت سے ہمیں کبھی بھی گُڈو نہیں لگے البتہ میاں ضرور لگا کرتے تھے۔
تکلفات کے ذرا بھی قائل نہیں تھے اکثر فرماتے میاں تکلفات سے کبھی دوستی پائیدار نہیں ہُو سکتی لہٰذا ہمیں بھی اکثر تُو تڑاخ سے مُخاطِب کیا کرتے ، ہر وقت خَبروں کی تلاش میں مارے مارے پھرا کرتے تھے جبکہ اُنکا کہنا تھا کہ مِیاں مجھے خَبروں میں دِلچسپی نہیں ہے بلکہ خَبریں میری تاک میں رِہتی ہیں۔
جب کِسی سے مُلاقات ہُوجاتی پہلا فقرہ اُنکی زُبان سے یہی نِکلتا میاں کُچھ خَبر ہے ، یا میاں آپکو بھی پتہ چلا۔ اور اُنکا یہ ایسا تیر بَہدف نُسخہ تھا کہ اِسکے بعد لامُحالہ سامنے والے کو اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہُوئے استفسار کرنا ہی پڑتا کہ نہیں کیا ہُوا؟
اور اُسکے بعد جب گُڈو مِیاں شروع ہُوتے تُو اپنی قابلیت ، باخَبری ، اور علمیت کا اعتراف کرائے بِنا جان نہیں چُھوڑتے۔
تُو صاحبو جونہی ہماری نظر گُڈو میاں پر پڑی ہم سمجھ گئے تھے کہ آج ہمارے ستاروں کی

چال ضرور اُلٹی ہے اور ہمیں اپنی شامت اعمال صاف نظر آنے لگی تھی اکثر جب کبھی دوستوں کی محفل میں گُڈو میاں آدھمکتے تُو ہم اکثر کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر رَفوچکر ہُوجایا کرتے تھے لیکن اُس دِن ہمیں واقعی کوئی راستہ سُجھائی نہ دِیا کہ موصوف آفس آدھمکے تھے اور وہ بھی قبل از دوپہر اَب ہَم جاتے بھی تُو کہاں جاتے نہ نماز کا وقت تھا اور نہ ہی ٹھہرانے کا۔

بہرحال ہَم نے آدابِ میزبانی بجاتے ہُوئے نہ صرف کھڑے ہُوکر مُسکراتے ہُوئے اُنکا استقبال کیا بلکہ اُنہیں چائے کا بھی پُوچھ بیٹھے وہ فرمانے لگے میاں چائے کا مُوڈ تُو نہیں لیکن ہَم جانتے ہیں کہ اگر ہَم منع کریں تُو آپ کا اِصرار مَزید بَڑھ جائے گا سو ہَم چائے پی لیں گے لیکن شَرط یہ ہے کہ کِسی پَٹھان کے ہُوٹل کی چائے پَلوایئے اور ڈبہ پیک بسکٹ کے بجائے صِرف سادہ کیک منگوا لیجئے کیونکہ ہَم سے آپکی اِس نانہجار مشین کی چائے ہَضم نہیں ہُوگی گُڈو میاں ہَمارے ٹِی میکر کی جانب اِشارہ کرتے ہُوئے کُرسی پر براجمان ہُوگئے۔

ہَم نے دِل ہی دِل میں خُود کو کوستے ہُوئے جیب سے سُو روپیہ کا نُوٹ نِکالا اور چپڑاسی کے حَوالے کردیا ہمارے کُرسی پر بیٹھتے ہی اُنھوں نے حَسبِ عادت وہی رَٹا رَٹایا جُملہ دُھرایا میاں کُچھ خَبر بھی شِہر میں کیا کُچھ ہو رہا ہے ہَم نے بُہت مُحتاط انداز اَپناتے ہُوئے کہا نجانے آپ کِس خَبر کے مُتعلق پُوچھ رہے ہیں کُچھ حَوالہ دِیں تُو شائد بتاسکوں ۔ مُجھے محسوس ہُوا کہ گُڈو میاں کو ہمارا یہ انداز ایک آنکھ نہیں بھایا کیونکہ ہمارے جواب سے اُنکے چہرے پر ایک رَنگ آکر گُزر گیا اور یہ قطعی بات تھی کہ وہ رَنگ مُحبت

کا ہرگز نہیں تھا۔

عشرت میاں کل شب غریب آباد میں ایک خاتون نے اپنے شوہر کو قتل کیا تھا اُسی کے مُتعلق پُوچھ رہے تھے ،آپکو تُو خبر ہی ہوگی گُڈو میاں نے آخری جُملہ استہزائیہ انداز اپناتے ہُوئے کہا۔

اِس خَبر نے وقتی طور پر مُجھے دِہلا کر رکھ دِیا اور میرے مُنہ سے وہ جُملہ خُود بخود نِکل گیا جِسے سُننے کیلئے گُڈو میاں کے کان کافی دیر سے ترس رہے تھے

نہیں گُڈو میاں یہ حادثہ کیسے اور کب رُونما ہُوگیا؟

گُڈو میاں کے چہرے پر ایک اطمینان کی لہر دوڑ گئی ہُوسکتا ہے اُس لمحے وہ دِل ہی دِل میں اپنی فتح کا جَشن مناتے ہُوئے کہہ رہے ہُوں۔۔۔۔ ہُونہہ۔۔ بیٹا اب آیا نا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔ اور صرف گُڈو میاں نے اِسی پر اِکتفا نہیں کیا بلکہ دِل کی بھڑاس نِکالتے ہُوئے ہَم پر یہ جُملہ بھی کَس دِیا،، عشرت میاں کیا انٹرنیٹ پر سارا دِن جَھک مارتے رہتے ہُو اور اپنے شہر کی ذرا خَبر نہیں۔

گُڈو مِیاں کی خَبر ایسی سنسنی خیز تھی کہ ہم یہ پھبتی فی الحال ہَضم کرگئے ہَمیں دِلچسپی تھی تُو اِس خَبر کی تفصیلات میں جِس نے ہمارے جِسم کی ہَر رَگ میں تجسس بیدار کردیا تھا۔ گُڈو میاں ہماری بے چینی سے بے خَبر نہیں تھے شائد اِسی لئے بَڑی بے اعتنائی سے اَخبار

اُٹھا کر پڑھنے میں مصروف ہُو گئے کُچھ لمحوں میں ہَمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہُو گیا اور بلاآخر ہم پُوچھ بیٹھے،، آخر ایسی کیا وجہ رہی ہُو گی کی ایک شادی شُدہ خاتون نے اپنا ہی سُہاگ اُجاڑ لیا؟

گُڈو میاں نے اخبار سے نظریں ہٹائے بغیر بڑی لاپرواہی سے کہا عشرت میاں اِتنے اُتاولے کیوں ہُو رہے ہیں آپ ذرا چائے آجائے تب تلک میں یہ اِداریہ پڑھ لوں پھر تفصیل سے سُناتا ہُوں آپکو خبر !

اور ہم مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق برقی اخباروں میں اُس خبر کو تلاشنے میں مصروف ہُو گئے تاکہ گُڈو میاں پر اپنی علمیت کا سِکہ بِٹھا سکیں لیکن شائد اُس دِن قسمت گُڈو میاں پر مہربان تھی کافی سرچنگ کے باوجود بھی ہَم اِس خبر کا سراغ لگانے میں ناکام ہی رہے اِس دوران چائے آ بھی گئی اور تمام کی تمام کیک سمیت گُڈو میاں کے پیٹ میں پُہنچ بھی گئی۔

جب ہَماری نظر گُڈو میاں پر پڑی تو وہ چائے اور کیک سے اِنصاف کے بعد مُنہ میں پان کی گلوری ٹھونس رہے تھے ہمیں اپنی جانب متوجہ دیکھ کر فرمانے لگے عشرت میاں کل کے واقعے نے تمام شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

لیکن آخر ہُوا کیا تھا؟ ہَم نے بڑی بے صبری سے دَریافت کی

ارے عشرت میاں ہُونا کیا تھا بَس کل شبراتی میاں اپنا گیراج بند کرکے گھر کیلئے جا رہے تھے اور اُنھوں نے دروازے میں روزینہ بیگم کو کھڑے دِیکھ لیا۔

میں نے گُفتگو قطع کرتے ہُوئے معلوم کیا اب یہ روزینہ بیگم کہاں سے درمیان میں آگئیں اور وہ دروازے میں کیوں کھڑیں تھیں؟

اَرے حد کرتے ہیں آپ بھی عشرت میاں روزینہ بیگم زوجہ ھیں شُبراتی میاں کی اور دروازے میں کھڑا ہونے سے پہلے ہَم سے اِجازت نہیں لی تھی اُنھوں نے ہوسکتا ہے کسی بچّے کو تلاش رہی ہُوں کوئی سودا منگوانا ہُوا اُنہیں گھر کا لیکن شبراتی میاں کسی غلط فہمی کا شِکار ہُوگئے اور دروازے ہی سے چُٹیا تھام کر اندر رَگیدتے ہوئے لے گئے اور اُن پر بد چلنی کا اِلزام لگاتے ہُوئے دو چار ہاتھ بھی رَسید کردئے زرینہ بیگم کے۔

اُس وقت تُو زرینہ بیگم چُپکے سُو رہیں لیکن نجانے آدھی رات کو اُنہیں کیسا دُورہ پڑا کہ موصلی مار مار کر شبراتی میاں کا سر پاش پاش کردِیا۔

گُڈو میاں جِس انداز سے یہ واقعہ بیان کررہے تھے اُس نے میرے تمام بدن کو سرد کردیا تھا اور ھلاکت کا یہ انداز سُن کر مجھے جُھرجُھری سی آگئی، میرے اِسٹاف کے تمام لوگ بھی تجسّس کے مارے اپنی اپنی سیٹوں سے کھسک کر گڈو میاں کے گِرد جمع ہُو چُکے تھے میں نے مُداخلت کے پیش نظر تمام ٹیلیفوں سیٹوں کے ریسیور سیٹ سے جُدا کردیئے اور دوبارہ ہَمہ تن گُوش ہُوگیا پھر کیا ہُوا گُڈو میاں؟

میرا سوال سُن کر گُڈو میاں بھی تن کر بیٹھ گئے اور سلسلہ وہیں سے جُوڑ دِیا ہُونا کیا تھا عشرت میاں شبراتی میاں کا دَم نِکل گیا مگر روزینہ بیگم پر تُو ایسی

وحشت سوار ہُوئی کہ شبراتی کو ہلاک کرنے کے بعد بھی زرینہ بیگم کا دِل نہیں بھرا اور وہ بُگدا نِکال کر شبراتی میاں کی بُوٹیاں بنانے لگ گئی۔

قتل کی یہ حیرت انگیز داستان سُن کر مجھے ایسا محسوس ہُورہا تھا کہ جیسے میرا گلہ خُشک ہوچکا ہو یہاں جِسم کا رُواں رُواں کھڑا ہوچکا تھا۔ میں نے تھوک حلق میں نِگلتے ہُوئے اگلا سوال کیا مگر یہ راز کُھلا کیسے ؟

ارے عشرت میاں کیسی بات کرتے ہُو کبھی خُون اور عشق بھی کِسی کے چُھپائے سے چُھپے ہیں بہرحال تھوڑی دیر بعد جب زرینہ بیگم کا اِنتقام کا نَشہ ہَرن ہُوا تو وہ خُون اور انسانی ٹکڑے دیکھ کر خُوفزدہ ہرنی کی طرح کمرے کے ایک کونے میں دُبک کر بیٹھ گئی۔ اور بس وہ جو کہتے ہیں نا نیند تُو سُولی پر بھی آجاوے ہے بس زرینہ بیگم کی بھی آنکھ لگ گئی جیسے ہی وہ سوئی اُسکے خُواب میں ایک سفید ریش بابا جی آگئے اور زرینہ بیگم کو تسلی دینے لگے کہ بیٹا جو ہُونا تھا سُو ہُوگیا اب گھبراؤ نہیں بلکہ ہِمت سے کام لُو تمام لاش کے ٹکڑوں کو ایک بُوری میں بند کردو اور اپنے کپڑوں سے خُون کے داغ بھی صاف کردو۔ تبھی کِسی کی پیچھے سے آواز آئی کوئی نیک بُزرگ ہُونگے جو اُس بیچاری کی مدد کیلئے آئے ہونگے

گُڈو میاں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہُوئے ایک مرتبہ پھر سلسلہ شروع کیا بَس جناب اچانک زرینہ بیگم کی آنکھ کُھل گئی اُس نے ہِمت کرکے لاش کے تمام ٹکڑوں کو ایک بُوری میں بند کیا سارا کمرہ پانی سے دُھو کر صاف سُتھرا کیا اور اتنی مِحنت کے بعد تھکن سے نِڈھال

ایک مرتبہ پھر سو گئی اَب کیا دیکھتی ہے کہ وہی بابا جی پھر اُسکے پاس آئے ہیں اور ناراضگی کا اِظہار کرتے ہُوئے کہہ رہے ہیں تُم نے ابھی تک اپنے کپڑوں سے خُون کے داغ صاف نہیں کیئے؟

زرینہ بیگم روتے ہُوئے اُن بابا جی سے کہنے لگی بابا جی میں نے لاش کے تمام ٹکڑے بُوری میں بھر دیئے تمام کمرے سے بھی خُون کے نِشانات مِٹا ڈالے لیکن شُبراتی کے خُون کے داغ میرے کپڑوں سے نہیں جا رہے۔

اِتنا کہہ کر گُڈو میاں نے اِشارے سے پان کی پِچکاری پھینکنے کی اِجازت مانگی جو کہ ہَم نے بادِل نخُواستہ دِی

گُڈو میاں نے دروازہ کھول کر پان کی پِچکاری قریب رکھے ایک گَملے پر ماری اور دروازے میں کھڑے کھڑے ہی کہنے لگے عشرت میاں جانتے ہُو اُن بابا جی نے زرینہ بیگم سے کیا کہا تھا؟

ہَم نے گَردن نفی میں ہِلا کر اپنی لاعلمی کا اِظہار کی

تبھی گُڈو میاں نے ایک اور پچکاری گملے پر رسید کی اور دروازے کو پکڑ کر کہنے لگے عشرت میاں وہ بابا جی مُسکرائے اور جیب سے ایک تھیلی نکال کر زرینہ بیگم کو تھماتے ہُوئے کہنے لگے

ارے بے وقوف گھبراتی کیوں ہے

! سرف ایکسل ہے نا

یہ کہتے ہُوئے گُدو میاں نے دروازے سے باہر دوڑ لگادی۔۔۔

ہمیں جب تک گُڈو میاں کا جُملہ سمجھ آیا گُڈو میاں ہماری دسترس سے باہر جا چُکے تھے

اور ہم صرف اِتنا ہی کہہ سکے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ

آپ جو کہنا چاہیں گُڈو میاں سے کمنٹس باکس میں کہہ سکتے ہیں

فیضانِ اسم اعظم 11 اِسم اللہ جَلَّ جَلالہٗ

یُوں تُو اللہ عزوجل کے تمام ہی اسمائے مُبارک اپنے اندر دُنیا جہان کی برکتیں اور رِحمتیں سمیٹے ہُوئے ہیں اور بقول مفسرین کرام کے اِن اسمائے مُبارک کی تعداد تین ہزار کے لگ بھگ ہیں جِن میں سے 100 اسمائے اِلٰہی قرانِ مجید میں موجود ہیں اور اللہ کریم کا کوئی بھی نام لے لیں اُسکے بیشمار فضائل آپکو کُتب احادیث سے مِل جائیں گے لیکن اسمیں بھی کوئی شک نہیں کہ تمام صِفتی نام ایک طرف تو اسم اللہَ دوسری جانب سب سے منفرد اور ممتاز نظر آئے گا اور تمام صِفات کا مجموعہ دِکھائی دیگا۔ یا یُوں سمجھ لیجئے کہ ہر صِفتی اسمِ اِلٰہی ایک خُوشنُما پھول ہے تو اِسمِ اللہ اِن تمام پھولوں کا ایک حسین گُلدستہ ہے اور بِلا تشبیہ یُوں سمجھ لیجئے کہ ہر صفتی اِسم ایک شاخ کی مانند ہے تو اِسم ذات وہ درخت ہے جِس پر یہ تمام شاخیں اِیستادہ ہیں۔

اِسم اللہ اِسم ذات کا مظہر ہے اور یہ تب بھی تھا جب کُچھ نہ تھا اسلئے جب سیدُنا آدم صَفی اللہ کے جسد اطہر میں رُوح پھونکی گئی اور آپ نے چشمانِ کرم کو کھولا تو سب سے پہلے عرشِ مُعلی پہ نِگاہ گئی جہاں کلمہ طیبہ چمک

رہا تھا اور کلمہ طیبہ میں اسم اللہ (عزوجل) اور اِسمِ مُحمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی پوری آب وتاب کیساتھ چمک رہے تھے۔

لہٰذا معلوم یہ ہُوا کہ اسم اللہ ظہورِ اسلام سے قبل بھی بُولا اور لکھا جاتا تھا اسلئے اسلام سے ماقبل کے عربی شُعرا کے کلام میں بھی اسم اللہ مُستعمل نظر آتا ہے

اِسم اللہ ایسا جامع اِسم ہیکہ اسکی نظیر کسی دوسرے اِسم میں نہیں مِلتی عموماً اگر کسی نام کا پہلا حُرف مِٹا دِیا جائے تُو اسکے معنی تبدیل ہوجائے ہیں یا اُس اِسم کی اہمیت کم ہُوجاتی ہے یا بالکل خَتم ہو کر رہِ جاتی ہے۔

جبکہ اِسم اللہ کے چاہے ابتدائی ایک، دو، یا تین حَرف بھی نِکال دیئے جائیں تَب بھی اسکی اہمیت اپنی جگہہ قائم ودائم رہتی ہے

لفظِ اللہ چار حَرفوں کا مجموعہ ہے اللہ۔ الف + لام + لام + ھ۔ (ا + ل + ل + ھ)۔

اللہ کے معنی ہیں معبود، پروردیگار اگر پہلا حَرف الف نِکال دِیں تو باقی

بچتا ہے للہ اور للہ کے معنی ہیں اللہ کے واسطے ، اللہ کیلئے اب اگر پہلا اور دوسرا حرف نکال دِیں تو باقی رہے گا ہٗ جسکا معنی ہیں موجِد۔ بانی۔ بنانے والا۔ صانع اور اگر پہلا ، دوسرا ، اور تیرا حرف بھی اسم اللہ سے نِکال دیں تو باقی بچتا ہے ھو اور ھو کے معنی ہیں موجود ، ظاہر ،اور اسطرح آخری حَرف تک تصور خُدا باقی بچتا ہے اور ایسی ہی خاصیت اللہ کریم نے اپنے محبوب صلی اللہُ علیہ وسلم کے اِسم مُبارک میں بھی رکھی ہے جِس پر مزید گُفتگو انشاءَاللہ عزوجل اپنے آئیندہ کسی کالم میں کرونگا۔

آج دُنیا بھر میں بے چینی اور عدمِ اِطمینان کی کیفیت پہلے کہ مُقابلے میں ہزار ہا فیصد بڑھ چکی ہے۔بڑے بڑے مُلکوں کی معیشت ٹھپ ہُو کر رِہ گئی ہےَ دُنیا بھر میں لوگوں کی کثیر تعداد ہے جو رُوز بَروز نفسیاتی امراض میں مُبتلا ہُوتی جارہی ہے۔

دیگر مَذاہب کا ذکر تو چھوڑیئے لیکن الحمدُ للہِ عزوجل ہم مسلمان ہیں اور اللہ کریم کے مدنی محبوب (صلی اللہُ علیہ وسلم) کے طُفیل ہمیں قران مجید عطا کیا گیا ہے جِس میں صاف لکھا ہے کہ بے چینی بے اطمینانی کو دور کرنا اللہ کے بابرکت ذکر سے ہی ممکن ہے۔ لیکن افسوس کا مُقام ہیکہ ہمارے مسلمان بھائی اِس مَسئلے کا بہترین حَل جاننے کے باوجود بھی چَشم پُوشی سے کام

لیتے ہیں اور صرف دُنیاوی اسباب پر نِگاہ رکھتے ہیں جسکی وجہ سے پریشانیاں تُو دور نہیں ہوتیں البتہ اللہ کے ذِکر سے دُوری کے باعث وہ بھی اِن نفسیاتی اُلجھنوں کا شکار ہُوجاتے ہیں۔

حالانکہ اب تو غیر مسلم معاشروں میں بھی مُحققین نفسیاتی مسائل سے چھٹکارہ حاصل کرنے کیلیئے اِسم اللہ کے ذکر کے قائل ہُوتے جارہے ہیں اور اِن مُحققین کی رائے کیمُطابق اسم اللہ کے وِرد کے دوران میکانیکی انداز میں دِماغ کی ورزش کا عمل شروع ہُوجاتا ہے جسکی وجہ سے دِماغ میں مثبت لہریں پیدا ہُوتی ہیں اور تحقیق سے ثابت ہُوا ہے کہ اسم اللہ کے ذکر کی بدولت نفسیاتی اور دِماغی اَمراض پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

اسم اللہ کے چار حرفوں کی نسبت سے اگر آپ روزانہ عِشاء کی نماز کے بعد 400 مرتبہ اِسم یا اللہ کا ذکر چاہے جلی یا خفی یعنی زُبان سے یا دِل ہی دِل میں کرنا شروع کردیں تُو بُہت جلد ڈپریشن سے نجات حاصل کرسکتے ہیں عمومی طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ ڈپریشن کو خاص اہمیت نہیں دیتے جبکہ یہی ڈپریشن آگے چل کر شیزوفرینیا جیسی خطرناک بیماری میں بھی تبدیل ہُوسکتی ہے یا پاگل پن کی صورت اختیار کرسکتی ہے۔

اسمائے اِلٰہی کیساتھ اپنی زندگی کو مثبت انداز میں لوگوں کی خِدمت میں بھی صرف کریں ذاتی مفادات کے بجائے اجتماعی مفادات کو اہمیت دِیں شریعت کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھیں اپنے بڑوں کا احترام کریں اس عمل سے بھی انشاءَاللہ عزوجل آپکو ذہنی سکون ملے گا اپنی فیملی کیساتھ جس قدر ہُوسکے وقت گُزاریں اور اپنے والدین کو حتی الامکان خوش رَکھنے کی کوشش کریں اِس سے آپ کی زندگی میں انشاءَاللہ بُہت مثبت تبدیلی واقع ہُوگی۔

آخر میں کمالاتِ صالحین سے ایک واقعہ آپکی خِدمت میں پیش کرنے کی سعی حاصل کرونگا جس کے ذریعہ آپکو اَدب کی اہمیت کا اندازہ بخُوبی ہُوجائے گا

حضرت جُنید بغدادی (رحمتہ اللہِ الہادی) ایک مرتبہ دریا پر وضو بنانے کیلئے تشریف لائے وہاں ایک نوجوان پہلے ہی سے موجود تھا اور ہاتھ مُنہ دھونے کیلئے بیٹھا تھا اُس نوجوان نے جب یہ دِیکھا کہ جُنیدِ بغدادی (رحمتہ اللہِ الہادی) دَریا پر وضو کے لئے تشریف لائے ہیں تُو دِل باغ عقیدت سے جُھوم اُٹھا یہ نوجوان دریا کی بالائی جانب بیٹھا تھا جبکہ جُنید بغدادی (رحمتہ اللہِ الہادی) دریا کی نِچلی جانب تشریف فرما تھے۔

اِس نوجوان کے دِل میں اچانک ایک خیال آیا کہ اللہ کریم کا ایک برگزیدہ بندہ اور ایک عالِمِ باعمل دریا کی ڈھلان کی جانب بیٹھے ہیں جبکہ میں

انتہائی گُنہگار بندہ ہُوں جس کے رات دِن گُناہوں میں بَسر ہُوتے ہیں پانی میرے گُناہ آلود جسم کی نَحوست کو چُھو کر آگے بڑھ رہا ہے اور اللہ کے ایک ولی کے جسم کا بُوسہ لے رَہا ہے اور یہ سراسر بے اَدبی ہے کیوں نہ میں اِن سے ڈھلان کی جانب بیٹھوں تاکہ اِن سے برکت حاصل کرسکوں۔
یہ سوچ کر وہ نوجوان خاموشی سے ڈھلان کی جانب جاکر بیٹھ گیا کُچھ عرصے بعد اُس نوجوان کا انتقال ہُوگیا کسی نے خُواب میں بعد موت کا ماجرا دریافت کیا تو وہ نوجوان کہنے لگا اگرچہ قریب تھا کہ میری بداعمالیوں کے سبب مجھے جہنم رسید کردِیا جاتا میری قبر کو آگ کے عذاب سے بھر دِیا جاتا لیکن اچانک اللہ کریم کی رحمت اُسکے غضب پر حاوی ہُوگئی ھاتِف غیبی سے ایک نِدا آئی کہ تُجھے صرف اُس دِن جُنید بغدادی کیساتھ احترام سے پیش آنے کے سبب بَخش دِیا گیا ہے۔
محترم قارئین کرام اسم اعظم یا کسی دوسرے روحانی مسئلے کیلیئے احسان بھائی کو لکھ سکتے ہیں یا مجھے مائی پیج پر میسج کرسکتے ہیں اگر کوئی خاص معاملہ ہُو تو احسان بھائی سے میرا کونٹیکٹ نمبر بھی حاصل کرسکتے ہیں اللہ کریم سے دُعا ہیکہ وہ احسان بھائی کے عِلم و عمل میں اضافہ فرمائے اور اُنہیں دونوں جہانوں میں سُرخرو فرمائے۔ کہ دِن کا بیشتر حِصہ لوگوں کی خِدمت کے جذبے سے

سرشار ہُو کر انتہائی مصروفیت میں گُزارتے ہیں۔
اسکے ساتھ ساتھ آپ سب سے مدنی التجا ہیکہ اپنی دُعاؤں میں ہماری ویب کی تمام ٹیم
کو بھی یاد رکھا کریں کہ اِنکی وجہ سے ہمارا اور آپکا یہ رشتہ قائم ہے اور خاص طور پر بھائی
رضوان شیخ صاحب کیلیے جن کی خاص کرم فرمائی اور شفقت کے سبب آپکو جوابات بُہت
جلد ارسال ہُو جاتے ہیں میری بھی یہی دُعا ہیکہ اللہ کریم اِن تمام احباب کی اس کوشش
کو اپنی بارگاہ میں قبول فرماتے ہُوئے اپنے مدنی محبوب ﷺ کے طُفیل انکی تمام جائز
حاجات کو پُورا فرمائے اور اِنہیں دُنیا اور آخرت میں کامرانی نصیب فرمائے
آمین بِجاہِ النبی الامین وصلی اللہُ تعالیٰ علیہ وسلم

کوئی ہے جو مجھ سے مُحبت رکھتا ہے

بغدادِ مُعَلٰی جِسے عُروسِ البلاد کے نام سے بھی پہچانا جاتا ہے اگر آپ بغداد شریف کی تاریخ کا مُطالعہ کریں تُو آپ دیکھیں گے کہ یہ وہ سرزمین ہے جو علم و دانش کا گھوارہ ہے یہی وہ مقدس سرزمین ہیکہ جہاں دُنیا بھر سے تشنگان علم اپنی پیاس بجھانے کیلئے بڑی بیقراری سے دور دراز کا سفر اختیار کیا کرتے تھے جِس کے بطن سے ایسے ایسے گوہر نایاب آسمان فلک پر چمکے کہ دُنیا کو مُنور کرڈالا ہزاروں اولیا اللہ نے اِسے اپنا مسکن بنایا اور یہی وہ سرزمین ہے جس پر ہزاروں مہتاب ولایت اندھیروں کو اُجالوں میں بدلتے رہے۔یُوں تُو حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت جُنید بغدادی رحمتہ اللہِ الہادی کے نام ہی اسکی پہچان کیلئے کافی ہیں لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ لاکھوں اولیاءَاللہ نے اِسے شرف عزت بخشا ہےاِسی سرزمین بغداد کا ایک مختصر سا واقعہ آج آپکو گوشِ گُزار کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہُوں۔

موسمِ بہار کی ایک سُہانی شام کا ذکر ہےیُوں توپہلی بارش نے تمام شہر کی سڑکوں کو دُھوڈالا تھا لیکن چند ایک بارشوں کی تاب نہ لاکر شہر کی چند سڑکوں پر پانی جمع ہُوچُکا تھا زمین کی مٹی اپنی پیاس بجھانے کیلئے اُس

پانی کے ساتھ اٹھکلیاں کر رہی تھی جسکی وجہ سے شفاف پانی گُدلا ہُوچکا تھا لگاتار بارشوں کی وجہ سے موسم میں خنکی پیدا ہُوچکی تھی۔

ایک مجذوب درویش بھی اِس بارش کے پانی میں عشق و مستی سے لبریز چلا جارہا تھا کہ اُس درویش نے ایک مٹھائی فروش کو دِیکھا جو ایک کڑھائی میں گرما گرم دودھ اُبال رہا تھا تُو موسم کی مُناسبت سے دوسری کڑھائی میں گرما گرم جلیبیاں تیار کر رہا تھا مجذوب کچھ لمحوں کیلیئے وہاں رُک گیا شائد بھوک کا احساس تھا یا موسم کا اثر تھا۔ مجذوب حلوائی کی بھٹی کو بڑے غور سے دیکھنے لگا مجذوب کُچھ کھانا چاہتا تھا لیکن مجذوب کی جیب ہی نہیں تھی تو پیسے بھلا کیا ہُوتے ۔

مَجذوب چند لمحے بھٹی سے ہاتھ سینکنے کے بعد چلا ہی چاہتا تھا کہ نیک دِل حَلوائی سے رَہا نہ گیا اور ایک پیالہ گرما گرم دودھ اور چند جلیبیاں مَجذوب کو پیش کردِیں مَجذوب نے گرماَگرم جلیبیاں گَرما گرم دودھ کیساتھ نُوش کی اور پھر ہاتھوں کو اُوپر کی جانب اُٹھا کر حَلوائی کو دُعا دیتا ہُوا آگے چلدِیا۔

مَجذوب کا پیٹ بھر چُکا تھا دُنیا کے غموں سے بے پرواہ پھر اِک نئے جُوش

سے بارش کے گدلے پانی کے چھینٹے اُڑاتا چلا جارہا تھا وہ اِس بات سے بے خبر تھا کہ ایک نوجوان نو بیاہتا جُوڑا بھی بارِش کے پانی سے بچتا بچاتا اُسکے پیچھے چلا آرھا ہے یکبارگی اُس مَجذوب نے بارش کے گَدلے پانی میں اِس زور سے لات رَسید کی کہ پانی اُڑتا ہُوا سیدھا پیچھے آنے والی نوجوان عورت کے کپڑوں کو بھگو گیا اُس نازنین کا قیمتی لِباس کیچڑ سے لَت پَت ہُوگیا تھا اُسکے ساتھی نوجوان سے یہ بات برداشت نہیں ہُوئی۔ لِہٰذا وہ آستین چڑھا کر آگے بَڑھا اور اُس مَجذوب کو گریبان سے پکڑ کر کہنے لگا کیا اندھا ہے تجھے نظر نہیں آتا تیری حَرکت کی وجہ سے میری مَحبوبہ کے کپڑے گیلے ہو چُکے ہیں اور کیچڑ سے بھر چُکے ہیں۔

مَجذوب ہکا بَکا سا کھڑا تھا جبکہ اُس نوجوان کو مَجذوب کا خاموش رِہنا گراں گُزر رہا تھا۔ عورت نے آگے بڑھ کر نوجوان کے ہاتھوں سے مَجذوب کو چھڑوانا بھی چاہا لیکن نوجوان کی آنکھوں سے نِکلتی نفرت کی چنگاری دیکھ کر وہ بھی دوبارہ پیچھے کھسکنے پر مجبور ہُو گئی۔

راہ چلتے راہ گیر بھی بے حِسی سے یہ تمام منظر دیکھ رہے تھے لیکن نوجوان کے غُصے کو دیکھ کر کِسی میں ہِمت نہ ہُوئی کہ اُسے رُوک پاتے اور بلاآخر طاقت کے نشے سے چُور اُس نوجوان نے ایک زور دار تھپڑ مَجذوب کے چہرے پر جَڑ دِیا بوڑھا مجذوب تھپڑ کے تاب نہ لا سکا اور لڑکھڑاتا ہُوا کیچڑ میں جا پڑا

نوجوان نے جب مجذوب کو نیچے گِرتا دِیکھا تُو مُسکراتے ہُوئے وہاں سے چلدیا۔

بوڑھے مَجذوب نے آسمان کی جانب نِگاہ اُٹھائی اور اُس کے لَب سے نِکلا واہ میرے مالک کبھی گَرما گَرم دودھ جلیبیوں کیساتھ اور کبھی گَرما گَرم تھپڑ،، مگر جِس میں تُو راضی مجھے بھی وہی پسند ہے،، یہ کہتا ہُوا مَجذوب ایکبار پھر اپنے راستے پر چلدِیا۔

دوسری جانب وہ نوجوان جُوڑا جوانی کی مَستی سے سرشار اپنی منزل کی طرف گامزن تھا تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد وہ ایک مکان کے سامنے پُہنچ کر رُک گئے وہ نوجوان اپنی جیب سے چابیاں نِکال کر اپنی محبوبہ سے ہنسی مذاق کرتے ہُوئے بالاخانے کی سیڑھیاں طے کر رہا تھا۔

بارش کے سبب سیڑھیوں پر پھِسلن ہُو گئی تھی اچانک اُس نُوجوان کا پاؤں رَپٹ

گیا اور وہ سیڑھیوں سے نیچے گرنے لگا۔

عورت زور زور سے شور مچا کر لوگوں کو اپنے محبوب کی جانب متوجہ کرنے لگی جسکی وجہ سے کافی لوگ فوراً مدد کے واسطے نوجوان کی جانب لپکے لیکن دیر ہُو چکی تھی نوجوان کا سَر پھٹ چُکا تھا اور بُہت زیادہ خُون بہہ جانے کی وجہ سے اُس کڑیل نوجوان کی موت واقع ہُو چکی تھی۔

کُچھ لوگوں نے دور سے آتے مَجذوب کو دِیکھا تُو آپس میں چہ میگوئیاں ہُونے لگیں کہ ضرور اِس مجذوب نے تھپڑ کھا کر نوجوان کیلئے بَددُعا کی ہے ورنہ ایسے کڑیل نوجوان کا صرف سیڑھیوں سے گر کر مرجانا بڑے اَچھنبے کی بات لگتی ہے۔

چند منچلے نوجوانوں نے یہ بات سُن کر مَجذوب کو گھیر لیا ایک نوجوان کہنے لگا کہ آپ کیسے اللہ والے ہیں جو صِرف ایک تھپڑ کی وجہ سے نوجوان کیلئے بَددُعا کر بیٹھے یہ اللہ والوں کی روِش ہَرگز نہیں کہ ذرا سی تکیلف پر بھی صبر نہ کرسکیں۔

وہ مَجذوب کہنے لگا خُدا کی قسم میں نے اِس نوجوان کیلئے ہرگز بددُعا

نہیں کی !

تبھی مجمعے میں سے کوئی پُکارا اگر آپ نے بَددُعا نہیں کی تُو ایسا کڑیل نوجوان سیڑھیوں سے گِر کر کیسے ہلاک ہوگیا؟

تب اُس مَجذوب نے حاضرین سے ایک انوکھا سوال کیا کہ کوئی اِس تمام واقعہ کا عینی گَواہ موجود ہے؟

ایک نوجوان نے آگے بَڑھ کر کہا، ہاں میں اِس تمام واقعہ کا عینی گَواہ ہُوں

مَجذوب نے اگلا سوال کیا، میرے قدموں سے جو کیچڑ اُچھلی تھی کیا اُس نے اِس نوجوان کے کپڑوں کو داغدار کیا تھا؟

وہی نوجوان بُولا نہیں،، لیکن عورت کے کَپڑے ضرور خَراب ہُوئے تھے

مُجذوب نے نوجوان کی بانہوں کو تھامتے ہُوئے پوچھا، پھر اِس نوجوان نے مجھے کیوں مارا؟

نوجوان کہنے لگا،، کیوں کہ وہ نوجوان اِس عورت کا محبوب تھا اور اُس سے یہ برداشت نہیں ہُوا کہ کوئی اُسکے محبوب کے کپڑوں کو گندہ کرے اسلئے اپنی معشوقہ کی جانب اُس نوجوان نے آپکو مارا۔

نوجوان کی بات سُن کر مجذوب نے ایک نعرہَ مستانہ بُلند کیا اور یہ کہتا ہُوا وہاں سے رُخصت ہُوگیا پس خُدا کی قسم میں نے بَددُعا ہرگز نہیں کی تھی لیکن کوئی ہے جو مجھ سے مُحبت رکھتا ہے اور وہ اِتنا طاقتور ہے کہ دُنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی اُسکے جبروت سے گھبراتا ہے۔

میں نے اپنا پہلا کالم کیسے لکھا

محترم قارئین کرام السلامُ علیکم
آج محترم کاشف اکرم بھائی (کویت) کا ایک میسج بذریعہ نیٹ موصول ہُوا جس میں کاشف بھائی نے لکھا کہ اُنہیں ہمارا اندازِ تحریر پسند ہے اور ساتھ ہی اُنھوں نے مجھے حکم دِیا کہ ہَم اُنہیں یہ بتائیں کہ کالم کیسے لکھا جاتا ہے۔
قارئین کرام کِتنی عجیب سی بات ہے کہ آج یہ ہمارا سُوواں کالم ہے جِس میں آپ سے اپنے پہلے کالم لکھنے کا تجربہ بیان کر رہاہُوں ویسے دِیکھا جائے تُو آج ہَم اِس کالم کی وجہ سے وہیں پر پُہنچ گئے کہ جہاں سے آغاز کیا تھا بَقولِ شاعر۔ پُہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خَمیر تھا۔ آج بھی وہی اِکائی کا ہِندسہ ہے اگر کُچھ فرق ہے تُو بَس اِتنا کہ دو سال کے لمبے سفر میں ہمارے کالموں نے اپنے ساتھ دو ساتھی صِفر کی صورت میں شامِل کرلئے ہیں۔
یہ غالباً 17 جولائی 2009 کا واقعہ ہے دِن بروز جُمعہ تھا میں اپنے آفس میں

کسی ضروری کام سے آیا تھا ورنہ جُمعہ ہماری چُھٹی کا دِن ہُوتا ہے وقت گُزارنے کیلیے انٹرنیٹ پر موبائیل فون کیلیۓ اسلامی سافٹ وئیر سرچنگ کر رہا تھا ہمیں چند لنک نظر آئے ہمیں لیکن جِتنے بھی لِنک نظر آئے وہ نام کے اعتبار سے بیگانگی کا اظہار کررہے تھے جبکہ ہمیں ایک لِنک ایسا بھی نظر آیا جو اپنے نام کی وجہ سے ہمیں نا صرف اپنی جانب متوجہ کر رَہا تھا بلکہ کُچھ اپنا اپنا سا بھی لگ رَہا تھا۔

سُو ہَم نے اللہ کریم کا نام لیا اور وہ لِنک کھول لیا ویب اوپن ہُونے کے بعد ہَم نے دِیکھا کہ ہر شعبے کیلیۓ الگ الگ ٹائٹل رَکھے گئے تھے اور بڑی نِفاست سے اُنکی ترتیب بنائی گئی تھی ہَم نے پہلے تُو جلدی جلدی اپنا مطلوبہ سافٹ وئیر ڈاؤن لوڈ کیا اور اُسکے بعد ایک سرسری سا جائزہ ہُوم پیج کا لیا اِس میں ایک شعبہ ہمیں شاعری کا بھی نظر آیا اُس دِن چُونکہ نمازِ جُمعہ کا اہتمام بھی کرنا تھا لہذا تفصیلی مُطالعہ کل کریں گے یہ سوچ کر سائٹ کو بند کیا اور آفس سے گھر چلے گئے۔

دوسرے اور تیسرے دِن کاروباری مصروفیت کی وجہ سے ہَم اُس لنک کو نہ کُھول پائے لیکن چوتھے دِن 20 جولائی کا ہمارا دِل چاہا کہ ہَم اُس لنک کو کھولیں لیکن اب مسئلہ یہ تھا کہ مجھے نام یاد نہیں آرہا تھا بس اِتنا معلوم تھا کہ

کُچھ اپنا اپنا سا نام تھا اور پھر ہمیں نام یاد آ ہی گیا کہ اُسکا نام تھا (ہماری ویب ڈاٹ کام)

۔

لِہٰذا کُچھ وقت شاعری پڑھنے کے بعد جب ویب سائٹ کا تفصیلی مطالعہ کیا تُو ایک بات صاف ہُوچکی تھی کہ بِلاشُبہ یہ ایک ایسی مکمل سائٹ تھی کہ جس پر وہ سب کُچھ موجود تھا جو ایک قاری کی ضرورت ہو سکتی ہے۔

آخر میں شعبہ آرٹیکل میں ایک کالم پڑھتے ہُوئے ایک جانب لکھا دِیکھا،، اپنی تحریر شائع کریں، سُو ہَم نے بھی ایک کالم بعنوان ،، ہَم پریشان کیوں ہیں،، کہ عنوان سے لکھ ڈالا اُس وقت خبر نہیں تھی کہ یہ سلسلہ اِتنا دراز ہُوگا 21 جولائی 2009 کو یہ کالم ہماری ویب پر پوسٹ بھی ہوگیا آج یہ کالم لکھتے ہُوئے اِحساس ہورہا ہے کہ یہ کِتنا عجیب اور حَسین اِتفاق ہے کہ ہماری شادی کی تاریخ بھی 21 جولائی تھی اور ہماری پہلی تحریر بھی جولائی کو پوسٹ ہوئی شائدٖ اِسی واسطے ہَم ہمیشہ کہتے رہے ہیں کہ نیٹ کی دُنیا میں 21 ہماری ویب) میری پہلی مُحبت ہے اور اللہ کریم سے دُعا ہے کہ تا زِندگی یہ مُحبت قائم) رِہ سکے (آمین)۔

اب کاشف بھائی کے سوال کے جواب میں اپنی تحریر کا طریقہ درج کر رہا ہُوں

تاکہ نئے لکھنے والوں کیلئے کُچھ رہنمائی ہُو سکے۔
ویسے تُو اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ لکھنے کی صلاحیت عطیہ خُداوندی ہُوتی ہے کیونکہ نہ ہی مجھے کسی نے لکھنا سکھایا اور نہ ہی میں نے اِس کام کیلئے کسی کی شاگردی اختیار کی لیکن حقیقت یہی ہے کہ کسی بھی شعبہ میں اگر اُستادوں کی رہنمائی حاصل ہوجائے تو اُس شعبہ میں بارہ چاند لگ جاتے ہیں اگرچہ میں خُود بھی اِس فن میں خاص مہارت نہیں رکھتا لیکن چند ایسی باتیں جس پر عمل کرنے کے بعد ہوسکتا ہے کہ آپکی قوت استعداد میں اضافہ ہوجائے پیش خِدمت ہیں۔
(1) سب سے پہلے جس موضوع پر لکھنا چاہتے ہیں اُس موضوع کا خُوب مُطالعہ کرلیں تاکہ اپنی بات کو بھرپور انداز سے قاری تک پُہنچا سکیں آجکل کافی کُتب انگلش اور اُردو زُبان میں انٹرنیٹ پر دستیاب ہیں جن سے آپ فیضیاب ہو سکتے ہیں۔
(2) جس موضوع پر لکھنے جارہے ہیں اِس موضوع کو گُوگل پر بھی سرچ کرلیں اسطرح آپکو دوسرے کالم نویسوں کی رائے بھی معلوم ہُوجائے گی اور آپ کے مُطالعے میں اِضافے کا سبب بھی ہُوگی۔

اگر کسی دوسرے کی تحریر کا کوئی حِصہ اپنے کالم میں شامِل کرنا چاہتے ہیں تو صاحب (3)
مضمون کا حوالہ نیچے دیدیں کیونکہ کسی دوسرے کی تحریر کو اپنا بنا کر پیش کرنا علمی خیانت
ہے اِس عمل سے احتراز برتیں۔
اپنا نقطہ نظر ضرور پیش کریں لیکن اُسکے لئے دلیل بھی قائم کریں اور انداز کو سلیس (4)
رکھیں تاکہ ہر ایک آپ کی بات کو سمجھ سکے۔
اسلامی آرٹیکل لکھتے ہُوئے سب سے پہلے قرانی حوالے مع آیت نمبر دیں اُسکے بعد (5)
احادیث مُبارکہ سے استفادہ کریں اور اسکے بعد سلف صالحین کے واقعات اور ارشادات
نقل کریں اسطرح نہ صرف آپکے مضمون میں جامعیت ہوگی بلکہ آپکی تحریر نکھر کر
قارئین کے سامنے آئیگی۔
لفظوں کی تکرار سے بچیں اور اتنا طویل کالم نہ لکھیں کہ پڑھنے والے کو بُوریت کا (6)
اِحساس ہُونے لگے نہ ہی اُتنا مُختصر لکھیں کہ کوئی آپکا پیغام سمجھ ہی نہ پائے۔
عامیانہ اور بازاری گُفتگو سے گُریز کریں کہ یہ آپکے وقار کیخلاف ہے اور (7

آپکی شخصیت پر اثرانداز ہوگی ایسی تحریر لکھیں جو آپ اپنے گھر میں بھی پڑھ کر سُنا سکیں کیونکہ پڑھنے والوں میں ہر عُمر کے لوگ شامل ہُوتے ہیں اِسکے علاوہ خَواتین بھی یہ کالمز پڑھتی ہیں۔

(8) اپنی تحریر تکمیل ہُونے کے بعد ایک سے دو بار اسکا باریک بینی سے از سرِ نو مُطالعہ کرلیں جب مطمئین ہوجائیں تبھی پوسٹ کریں۔

(9) کمنٹس باکس میں آنے والی آرا کا مطالعہ کریں اور دوسروں کی رائے کا احترام کریں اگر کسی غلطی کی نشاندھی کی جائے تو بلا جھجک اُس پر عمل کریں یہ آپکی اصلاح کا سبب بنے گی۔

نوٹ۔ تحریر چاہے روزانہ لکھیں یا مہینے میں ایک بار لیکن با مقصد تحریر لکھیں اس طرح ایک حلقہ خُود بخود آپکی تحریروں کا منتظر رہے گا وگرنہ بے مَقصد تحریریں قارئین کو آپ سے متنفر کرنے کا باعث بن سکتی ہیں۔

والسلام مع الاکرام آپکی دُعاؤں کا طالب

ملک مُمتاز قادری تیرے نثار

محترم قارئین السلام علیکم

جب سے گورنر پنجاب سلمان تاثیر کا قتل ہُوا ہے ہمیں ایک بات شِدت سے محسوس ہُورہی ہے کہ ہمارا قومی میڈیا شائد امریکیوں کی جانبداری اور خُوشنودی حاصِل کرنے کیلئے جسطرح اِس تمام واقعہ کو پیش کررہا ہے اِسمیں عوامی اُمنگوں کو پامال کیا جاتا رہا ہے اور تمام قوت اِس بات پر صرف کی گئی کہ لوگ اِس معاملہ پر تعزیت اور مُعذرت کریں اور ملک ممتاز قادری کو ایک قاتل، اور مُتشدد کے روپ میں پیش کیا جاتا رَہا لیکن میں سلام پیش کرتا ہُوں اُن تمام غیور مبصرین اور سیاسی شخصیات کو جنھوں نے اِس تمام امریکی ایجنڈے کا حِصہ بننے کے بجائے ملک ممتاز قادری کو قُوم کا ھیرو ثابت کیا اور اِس تمام معاملے پر معذرت اور تعزیت سے بَرملا بڑی جُراَت کیساتھ اِنکار کردِیا۔

جبکہ ایک نام نہاد مذہبی اِسکالر جو اپنی جان بچانے کے خوف سے پاکستان سے مفرور بیرونِ مُلک چُھپ کر بیٹھا ہے اِسے آزادیِ اظہار کے قتل سے تعبیر کرتا رَہا۔

بہر حال کُچھ مادر پدر آزاد لبرل ذہن سماجی کارکنوں اور غامدیت کے پرستاروں کے ذریعہ اِس تمام معاملے پر میڈیا کے توسط سے اِتنی گرد اُڑائی گئی کہ چاہے آدھا فیصد ہی سَہی بھولے بھالے اور ناپُختہ ذہنوں میں سوال اُٹھنے لگا کہ کیا اسلام اِختلاف رائے کا حق نہیں دیتا جو ایک شخص کی جان ملک ممتاز قادری نے چھین لی اِس طرح تُو کوئی بھی اپنے خیالات کا اظہار نہیں کرپائے گا۔

یہ کالم اپنے اُنہی بھولے بھالے مسلمان بھائیوں کیلئے لکھ رہا ہُوں ورنہ پُورے پاکستان کے غیور مسلمان ہی اِس مُعاملے کی حقیقت سے باخبر ہیں۔

مُحترم قارئین کرام اسلام ہرگز ہرگز اِختلافِ رائے کا مُخالف نہیں بلکہ اسلام تو دِینِ رحمت ہے اور مسلمانوں میں فقہی اختلاف زِحمت نہیں بلکہ رِحمت ہے اسی لئے مسلمانوں میں بے شُمار فقہی اختلاف موجود ہُونے کے باوجود مسلمانوں میں اخوت بھی ہے اور بھائی چارہ بھی موجود ہے۔

لیکن رِسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گُستاخی کی سزا کا تعین انسانوں کا بنایا ہُوا نہیں بلکہ یہ قانون تو خُود خُدائے رَحمٰن عزوجل کا ترتیب دِیا ہے اور خُدا کے قانون کو کالا قانون کہنے والا کسطرح دائرہِ

اسلام میں باقی رہ سکتا ہے۔

اور جہاں تک یہ سوال اُٹھایا جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے زمانے میں یہ قانون کیوں نہیں تھا تو ایسا سوال کرنے والے امریکی ایجنٹ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں کیونکہ اس قانون کا اِطلاق تُو حضرت عُمر رضی اللہُ تعالیٰ کے ایک فیصلے نے اُسی دِن کردیا تھا جب ایک نام نہاد مسلمان (مُنافق) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو ماننے سے اِنکار کرتے ہُوئے اپنا فیصلہ حضرتِ عُمرِ فاروق رضی اللہُ تعالیٰ عنہُ سے کروانا چاہاتُو حضرت عُمر رضی اللہُ تعالیٰ نے اُسکی گردن سر سے جُدا کرتے ہُوئے اِرشاد فرمایا تھا کہ جِسے اللہ کے رَسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ پسند نہیں اُسکا فیصلہ عُمر کی تلوار کرے گی (رضی اللہُ عنہُ)۔

میرے بھائی ایک مِثل مشہور ہے کہ دُشمن کا دوست بھی دُشمن ہُوتا ہے اور سلمان تاثیر نے ملک ممتاز قادری کے ماں باپ کو گالی نہیں دِی تھی جو ملک ممتاز قادری خاموش رہتا بلکہ سلمان تاثیر نے حکومت کے نشے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گُستاخ کو نا صِرف مظلوم و بیگُناہ کہا بلکہ جُوشِ خِطابت میں قانونِ توھینِ رسالت (صلی اللہُ علیہ وسلم) کو ہی کالا قانون کہہ گئے جِس سے جہاں ایک طرف وہ خُود گُستاخی کے مُرتکب ہوئے تو دوسری طرف

اُنکے اِس بیان سے کروڑوں مسلمانوں کی دِل آزاری بھی ہُوئی اگر یہ اقدام ملک ممتاز قادری نہیں اُٹھاتا تُو شاہَد کوئی اور اُٹھاتا کیونکہ سوال ہماری عزت نفس کا نہیں تھا نہ ہی یہ کوئی قومی معاملہ تھا یہ تو غیرت ایمانی کا سوال تھا یہ جواب تھا اُمت مسلمہ کی جانب سے اُن صیہونیوں کو کہ ابھی غیرت مُسلم زندہ ہے کہ جان لو جب ہَم اپنے کلمہ گُو بھائی کو صِرف گُستاخ کی حِمایت پر مُعاف نہیں کر سکتے تُو تُمہاری گُستاخی کو کیسے مُعاف کر سکتے ہیں۔

اور یہ اقدام یُوں بھی ضروری تھا کہ آئندہ کوئی بھی اپنے منصب اور اپنی پوزیشن کے غرور میں مُبتلا ہُو کر تُوھین رِسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قانون پر لَب کُشائی کرتے ہُوئے ہَزار مرتبہ سوچ لے کہ نہ ہی یہ کوئی سیاسی مسئلہ ہے اور نہ ہی کوئی فِقہی مسئلہ ہے بلکہ یہ ایک غیرت ایمانی کا مُعاملہ ہے کہ جِس پر تمام اُمت مسلمہ نہ صرف مُتحد ہے بلکہ ہر ایک مُسلمان اِسکی خاطر اپنی جان دے بھی سکتا ہے اور کسی گُستاخ کی حمایت پر اُس حامی کی جان لے بھی سکتا ہے۔

اور یہ سعادت مَلک ممتاز قادری کے حصے میں لکھی جاچکی تھی اور آج کراچی سے لیکر خیبر تک اور جہاں جہاں تک یہ خَبر پُہنچ رہی ہے وہاں کے مسلمانوں

کے دِل میں مَلک مُمتاز قادری کیلئے عقیدت کا جذبہ بیدار ہو رہا ہے۔

اور آج ہر ایک مسلمان جذبہ ایمانی سے لبریز ملک ممتاز قادری کے اِس اقدام پر نثار ہونے کیلئے بے چین ہے اور ایک غریب مزدور کا بیٹا آج ہر ایک مسلمان کی دُعاؤں کا محور ہے لاکھوں مسلمانوں کی آنکھیں ملک ممتاز قادری کو یو ٹیوب پر پولیس اسٹیشن میں نعتیں پڑھتا دیکھ اشکبار ہیں اور ملک ممتاز قادری کی رِہائی کیلئے اللہ کریم کی بارگاہ میں دُعا گو ہیں۔

آج میری جھولی میں ہماری ویب پر لکھے ہُوئے صرف 100 آرٹیکل ہیں جنہیں مَلک ممتاز قادری کے نام کرتے ہُوئے اُس جَذبہ ایمانی پر نِثار کرتا ہُوں جو جذبہ ایمانی اللہ کریم نے اپنے مدنی محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نعتیں پڑھنے کے سبب مَلک ممتاز قادری کو عطا فرمایا

مَلک ممتاز قادری تیرے نِثار
میری ہر سُوچ ہر افکار
تُو نے رَکھی ہے لاج مُسلم کی
تُجھ پہ رِحمت کرے پروردگار

تُجھ کو ہَر دَم سلام کرتی ہیں
چشمِ پاکیزہ ہُو کہ اشکبار
مَلک مُمتاز قادری تجھے سلام

تذکرہ اِک پری کا (گیارہواں حِصہ)۔

گُذشتہ سے پیوستہ

دیکھو عمران میں نے اپنی زندگی کا ایک ایک ورق جو تُم سے متعلق تھا تُمہارے سامنے رکھ دِیا ہے مگر میری ایک اِلتجا ہے اگر مان لُوگے مجھے مُسرت ہُوگی اور بالفرض ٹھکرا بھی دوگے تو آپ سے کوئی تعرض نہ کرونگی دیکھو انتظار کرنا کہ بابا وقاص ایک دِن خُود میری تمام باتوں کی تصدیق کردیں خاص طور پر میری بابا وقاص سے پہلی مُلاقات کا احوال اگر تُم معلوم کروگے تُو ہوسکتا ہے اُنہیں اچھا نہ لگے ! اسلئے میری خاطر انتظار کرلینا کوثر نے آخری جُملہ میں التجا سموتے ہُوئے کہا

اچھا کوثر ایک بات اور بتادو کیا آج کی اِس مُلاقات کے بعد ہَم ہمیشہ ساتھ رہیں گے ؟

نہیں عمران میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے آج کے بعد ہماری مُلاقات صرف اُس صورت ممکن ہے کہ جب تُم مجھے اپنے نِکاح میں لیکر اپنی شریک حیات کے طور پر قبول کرلو۔ کوثر نے اپنی گُفتگو ختم کرتے ہُوئے عمران کی جانب سوالیہ نظروں سے

دیکھا۔

تُمہارا مطلب ہے کہ میری اور تُمہاری شادی ! لیکن یہ کسطرح ممکن ہے ؟

اَب آگے پڑھیئے۔۔۔۔

کیوں آخراِس میں عجب کیا ہے ؟ کوثر نے عمران کے استعجاب کو بھانپتے ہُوئے کہا میرے لئے تُو یہ بالکل نئ اور انوکھی بات ہے میں نے نہ ہِی ایسی کِسی شادی کے مُتعلق کبھی کِتابوں میں پڑھا اور نہ ہی کبھی کِسی سے کوئی ایسا تذکرہ سُنا کہ کسی اِنسان کی پَری سے شادی ہُوئی ہُو۔

عمران ضروری تُو نہیں کہ جِس بات کو تُم نہ جانتے ہُو تُو اُس بات کا کوئی وُجود ہی نہ ہُو۔

کوثر کا لہجہ چُغلی کھا رہا تھا کہ اُسے عمران کا جواب پسند نہیں آیا تھا۔

نہیں میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا میں تُو یہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا ایسا

ممکن ہے؟ اور کیا اِس کی ہَمارے مُعاشرے میں کوئی مِثال موجود ہے؟ عمران نے کوثر کے لہجے کی کاٹ کو محسوس کرتے ہُوئے حتیٰ الامکان اپنے لہجے میں مٹھاس سموتے ہُوئے دریافت کیا۔

کیوں نہیں تُمہارے ہی مُعاشرے میں کیا ہمارے یہاں بھی اگرچہ ایسی شادیوں کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا مگر میں ایسی بے شمار واقعات کی خُود شاھد ہُوں اور تُمہاری اِسی دُنیا میں ایسے بے شُمار جوڑے موجود ہیں جن میں کسی پری یا پری زاد کی شادی کسی مَرد یا عورت سے ہُوئی ہے اور وہ اپنی زِندگی بہترین انداز سے گُزار رہے ہیں کوثر کا لہجہ یکدم عمران کے لہجے کی مٹھاس کی وجہ سے بالکل نَرم ہوگیا تھا۔

لیکن کوثر مسلمانوں کی شادیاں تو صرف مسلمانوں میں ہی ہُو سکتی ہیں نا؟ عمران نے سابقہ تجربے کی بُنیاد پر اپنے سُوال کو پھر نہایت نَرمی اور شائستگی سے کوثر کے چہرے کی جانب دیکھتے ہُوئے اَدا کیا۔

عمران تُمہاری اِس بات کا آخر مقصد کیا ہے۔ کیا میں مسلمان نہیں ہُوں؟ کیا بابا وقاص نے تُمہیں میرے مُتعلق یہ نہیں بتایا کہ الحَمدُللہ میں نہ صرف مسلمان ہُوں بلکہ ہم دونوں ایک ہی فِقہہ اور مسلک سے بھی تعلق رکھتے ہیں

کوثر عمران کے اِس سوال سے پھر کُچھ پریشان دِکھائی دے رَہی تھی۔
عِمران نے جب کوثر کی پَریشانی کو مِحسوس کیا تُو پھر سے گَڑبَڑا گیا نہیں شائد بابا صاحب نے بتایا تھا لیکن کوثر حَقیقت تُو یہ ہے کہ جب سے میں نے بابا صاحب سے تُمہارا تذکرہ سُنا ہے مجھے کُچھ بھی صحیح سے یاد نہیں رِہتا تم میرے حَواس پہ ایسی چھائی رِہتی ہُو کہ اکثر میری بیوی بھی میری اِس کیفیت سے بیزار ہُوجاتی ہے۔
کوثر عمران کے اِس والہانہ انداز سے کُچھ شرما گئی اور چند لمحوں کیلئے کوثر کے چہرے پر قوسِ وقزح کے رَنگ سے بِکھر گئے لیکن جلد ہی اُس نے اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہُوئے بناوٹی ناراضگی کا اِظہار کرتے ہُوئے کہا۔ ہونہہ۔۔ عجیب منطق ہے تُمھاری بھی۔ ایک طرف کہتے ہُو کہ میں ہَر دَم تُمھارے حَواس پہ چھائی رِہتی ہُوں تُو دوسری طرف تُمھیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ہَم ایک ہی مذہب اور مسلک سے تعلق رَکھتے ہیں۔
کوثر بُرا نہ ماننا لیکن یہ حَقیقت ہے کہ اِس مُعاملے میں میری معلومات نہ ہُونے کے برابر ہیں تُمھیں دیکھنے کے بعد کُون ایسا سنگدل ہُوگا کہ تُمھیں پانے کی کوشش نہ کرے لیکن میری تُم سے التجا ہے کہ مجھے کُچھ وقت دو تاکہ

میں خُود کو ذہنی طُور پر تیار کرلوں اور اگر ممکن ہُو تو مجھ سے خُدا کے واسطے قطع تعلق نہیں کرنا دیکھو تُم مجھے پہلے سے ہی جانتی ہُو میری چھوٹی چھوٹی باتوں کی تمھیں خبر ہے اِس وجہ سے تمھیں فیصلہ لینے میں کوئی دِقت پیش نہیں آئی ہُوگی لیکن مجھے یہ سب کُچھ بُہت عجیب سا لگ رِہا ہے۔کیا یہ ممکن نہیں کہ شادی سے قبل ہماری کُچھ مُلاقاتیں مزید ہُو جائیں تاکہ میں کچھ اور تُمھارے متعلق تُمھاری زُبانی سُن سکوں۔عمران اپنی گفتگو خَتم کرتے ہوئے کوثر کی جانب متوجہ ہُوگیا۔

نہیں عمران تُم نہیں جانتے مجھے اِس مُلاقات کیلیئے بھی کتنے پاپڑ بیلنے پڑے ہیں تب کہیں جاکر تُمھاری رَفاقت تُمھارے احساس کیساتھ پا سکی ہُوں میرے لئے یہ قطعی ممکن نہیں کہ میں بار بار مُلاقات کیلیئے آسکوں لیکن تُم نے جو کُچھ بھی ابھی کہا مجھے اِس سے اِنکار نہیں میں خُود بھی یہ نہیں چاہُونگی کہ تُم مجھ پر اندھا اعتماد کرتے ہُوئے مجھے اَپناوَ لیکن میری مجبوری ہے کہ میں تمھیں زیادہ وقت بھی نہیں دَے سکتی اسلیئے تمھیں جو بھی فیصلہ لینا ہو وہ جلدی لینا ہوگا۔ کوثر اِتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

ٹھیک ہے کوثر میں کوشش کروں گا کہ جلد از جلد یہ مُعاملہ اپنے انجام کو پُہنچ جائے لیکن کیا تم مجھے یہ بتاسکتی ہُو کہ یہ شادی کسطرح اور کہاں

انجام پائے گی اور کیا اِس شادی میں میرے گھر والے اور تُمھارے والدین بھی شریک ہُونگے؟

اور کیا مجھے اپنی بیگم سے بھی اِس شادی کیلئے اِجازت لینی ہُوگی؟ عمران نے نیم رضامندی کا اظہار ظاہر کرتے ہُوئے کہا۔

دیکھو عمران میری والدہ چُونکہ حیات نہیں ہیں اسلئے میری جانب سے میرے بابا اور میری کُچھ سہلیاں ہی اِس شادی میں شریک ہُونگے اور ہاں ایک بات اور تُمھیں شادی سے قبل میرے بابا جان سے میرا ہاتھ مانگنے کیلئے آنا ہُوگا۔

رہی تُمھارے والدین کی بات تُو یہ تُم پر منحصر ہے کہ تُم اُنہیں اور اپنی بیگم کو اِس شادی سے آگاہ کرتے ہُو یا نہیں لیکن میرا تجربہ کہتا ہے کہ اِس شادی کیلئے تُمھاری بیگم ہی کیا تُمھارے والدین بھی رضا مند نہیں ہُونگے چُونکہ میرا تعلق قُومِ اَجنہ سے ہے اس لئے شائد تُمھارے والدین بھی اِس معاملے سے خُوفزدہ ہُوجائیں آگے تُمھاری مرضی ہے جیسا تُم پسند کرو۔ کوثر نے عمران کو رائے دیتے ہوئے اپنی گُفتگو خَتم کردی۔

لیکن تُمھارے بابا سے ملنے کیلئے مجھے جانا کہاں ہُوگا؟ اور یہ کیسی عجیب

شادی ہُوگی جس میں میرے گھر والے بھی شریک نہ ہُونگے عمران کا سوال ابھی پُورا بھی نہیں ہُو پایا تھا کہ دروازے پہ ہُونے والی مسلسل دَستک نے دونوں کو اپنی جانب متوجہ کرلیا۔

(جاری ہے)

کافی احباب کی فرمائش تھی کہ کوئی ایسا سلسلہ بھی پیش کروں کہ جس میں قوم جنات سے متعلق معلومات ہُوں انشاءَ اللہ بُہت جلد آپکی خِدمت میں ایک نہایت دلچسپ سلسلہ (احمد بشیر اور افلاطون) کے عنوان سے معاشرہ اور ثقافت کے شعبے میں پیش کرنے کی سعی حاصل کرونگا۔ جس میں آپکی مُلاقات معاشرے کے ایک ایسے ناآسودہ شخص احمد بشیر سے کراؤنگا جو اپنی خُواہشات کی تکمیل کیلئے عملیات کے سحر میں گرفتار تھا اور بلاآخر اُسکی ملاقات ایک جن زادے (افلاطون) سے ہوجاتی ہے جِسے شہرت کی طلب نے دیوانہ بنا رکھا تھا۔ اور جب یہ دونوں ایک موقع پر حادثاتی طور پر مل جاتے ہیں تو کیا گُل کِھلاتے ہیں یہ تو کہانی پڑھ کر ہی آپکو معلوم ہُوگا لیکن اتنی اُمید ضرور ہے کہ آپ اس طلسمی کہانی کے سحر میں کھو کر رِہ جائیں گے۔

تذکرہ اک پری کی مُحبت کا قسط نمبر ۱۲

گُذشتہ سے پیوستہ

دیکھو عمران میری والدہ چُونکہ حیات نہیں ہیں اسلئے میری جانب سے میرے بابا اور میری کُچھ سہلیاں ہی اِس شادی میں شریک ہُونگے اور ہاں ایک بات اور تمھیں شادی سے قبل میرے بابا جان سے میرا ہاتھ مانگنے کیلئے آنا ہُوگا۔

رہی تُمہارے والدین کی بات تُو یہ تُم پر منحصر ہے کہ تم اُنہیں اور اپنی بیگم کو اِس شادی سے آگاہ کرتے ہُو یا نہیں لیکن میرا تجربہ کہتا ہے کہ اِس شادی کیلئے تُمہاری بیگم ہی کیا تُمہارے والدین بھی رضامند نہیں ہُونگے چُونکہ میرا تعلق قُومِ اَجنہ سے ہے اس لئے شائد تُمہارے والدین بھی اِس معاملے سے خُوفزدہ ہُوجائیں آگے تُمہاری مرضی ہے جیسا تُم پسند کرو۔ کوثر نے عمران کو رائے دیتے ہوئے اپنی گُفتگو خَتم کردی۔

لیکن تُمہارے بابا سے ملنے کیلئے مجھے جانا کہاں ہُوگا؟ اور یہ کیسی عجیب شادی ہُوگی جِس میں میرے گھر والے بھی شریک نہ ہُونگے عمران کا سوال ابھی پُورا بھی نہیں ہُوپایا تھا کہ دروازے پہ ہُونے والی مسلسل دَستک نے دونوں کو اپنی جانب متوجہ کرلیا۔

اب آگے پڑھیئے

دروازے پر ہُونے والی دستک نے عمران کیساتھ ساتھ کوثر کو بھی چُونکا دِیا تھا عمران دروازے کی جانب بڑھا ہی چاہتا تھا کہ کوثر نے عمران کو روکتے ہُوئے کہا ٹھہرو عمران یہ دستک تُمھارے لئے نہیں بلکہ میرے لئے تھی لیکن میں جانے سے پہلے تُم سے کُچھ کہنا چاہتی ہُوں۔

عمران کوثر کی آواز سُن کر واپس لوٹ آیا کیا تُم واقعی چلی جاؤ گی کوثر ؟ عمران کوثر کی بات سُن کر کُچھ مغموم دِکھائی دے رہا تھا

ہاں عمران اب مجھے جانا ہی ہوگا لیکن اُداس کیوں ہُوتے ہُو۔ میں واپس لُوٹ کر آوں گی اور اگر تُمھارا فیصلہ میرے حق میں ہُوا تو نا صرف ہماری مُلاقاتیں ہُونگی بلکہ ہم تا عُمر ایک دوسرے کا ساتھ بھی نِبھائیں گے کوثر نے عمران کی ڈھارس بندھاتے ہُوئے کہا۔

لیکن عِمران میری وجہ سے تُمھارے کُچھ نادیدہ دُشمن پیدا ہُو چُکے ہیں اگرچہ بابا وقاص نے خاطر خُواہ انتظام کردِیا ہے لیکن میں تُمہیں اِتنا مضبوط دیکھنا چاہتی ہُوں کہ تُم بغیر کسی سہارے کے بھی اپنی حِفاظت خُود کر سکو۔

میرے بابا اکثر مجھے ایک درویش عالم صاحب کی محفل میں لیجایا کرتے تھے وہاں ہم حاضر ضرور ہوتے تھے لیکن ہمیں اُن درویش کے علاوہ وہاں کوئی دِکھ نہیں پاتا تھا۔ میں نے جب تک وہ درویش حیات رہے اُنکی کافی مجلسوں میں شرکت کی ہے نہایت ہی نفیس انسان تھے وہ اور میں نے اِتنا قناعت پسند اور صابر انسان اپنی زندگی میں دوبارہ نہیں دیکھا یایُوں کہہ لُو کہ مجھے ایسی سعادت دوبارہ نہیں ملی۔

ایک مرتبہ اُنکی محفل میں ایک پریشان حال شخص آیا تھا اُسکی ظاہری حالت اور چہرے ہی سے مجھے اندازہ ہُوگیا تھا کہ وہ کوئی زمانے کا ستایا ہُوا انسان ہے محفل کے اختتام پر جب کافی لوگ واپس جا چُکے تھے وہ حضرت کی خِدمت میں حاضر ہُوا تھا اور دورانِ گفتگو اُس نے بتایا تھا کہ شریر جنات نے اُس کے گھر پہ قبضہ کرلیا ہے اور رات دِن اسکے تمام گھر والوں کو ستاتے ہیں اور تمام گھر میں اسقدر غلاظت بکھیرتے ہیں کہ ہمارا گھر میں رہنا دوبھر ہُوگیا تھا۔

حضرت صاحب نے اُس مفلوک الحال شخص سے وعدہ کرلیا کہ وہ اُس کے گھر آئیں گے اور اسکے تمام گھر والوں کو اِس پریشانی سے نجات دِلوائیں گے جب وہ شخص

چلا گیا تو میں نے حضرت صاحب سے ایک سوال پُوچھا تھا کہ جب اِنسان اشرف المخلوقات ہے تو قومِ اِجنّہ کے شرارتی لوگوں کے چُنگل میں کس طرح گرفتار ہُوجاتا ہے؟

میرے سوال کا حضرت صاحب نے بُہت خوبصورت جواب دِیا تھا کہ حضرت اِنسان واقعی بُہت طاقتور ہے اگر اپنی زندگی کو خُدا کی مرضی کے مطابق گُزارے۔ اور پھر مجھے سَمجھانے کیلئے ایک مِثال بھی دِی۔ فرمانے لگے یوں تو اللہ کریم کیلئے انسانوں کی مِثال نہیں دینی چاہیے لیکن بِلا شبیہ تمہیں سمجھانے کیلئے ایک مِثال سے سمجھانے کی کُوشش کرتا ہُوں تم میرے ایک سوال کا جواب دُو۔ اگر کوئی بادشاہ کا خاص مُصاحِب ہُو تو کیا کوئی اُسے گزند پُہنچا سکتا ہے یا اُس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی حِماقت کا متحمل ہُو سکتا ہے۔ اور جب میں نے نَفی میں گردن ہِلائی تو حضرت صاحب نے پھر پُوچھا مگر وہی مصاحب اگر بادشاہ کا نافرمان ہُوجائے اور دربار سے واسطہ تُوڑ لے اور بادشاہ سے اپنا تعلق خَتم کرلے تُو کیا اب بھی لوگوں میں اُسکا رُعب اور دبدبہ قائم رَہے گا؟ میں نے دوبارہ نَفی میں گردن ہِلا دی تب حضرت صاحب نے مجھے سمجھایا تھا کہ بیٹی بَس اس مِثال سے سمجھ لو کہ جو اللہ کریم کی نافرمانی پر آمادہ ہُوجاتا ہے بس اُس کے رُعب اور دبدبہ بھی قومِ اَجنّہ کے دِل سے نِکل جاتا ہے اور یُوں وہ لوگ اُس پر حاوی ہوجاتے ہیں۔

لیکن اگر کوئی اپنے عہد کو نہ توڑتے ہُوئے اپنی زندگی کو اللہ کریم کی فرمانبرداری میں گُزارتا ہے تو لوگوں کے دِل ہی میں نہیں بلکہ تمام مخلوق کے دِل میں اُس نیک بندے کی ہیبت قائم ہُوجاتی ہے اور اِنسان فرائض اور واجبات کے بعد نوافِل اور اَذکار کے ذریعے اللہ کریم کا قُرب اور روحانی طاقت حاصل کرتا رِہتا ہے ہم اِنسانوں کی بس یہی بد قسمتی ہے کہ رِزق کی پرواتُو کرتے ہیں لیکن رَازق کو بھول جاتے ہیں۔
اور جب میں نے حضرت صاحب سے پوچھا کہ اب آپ کیا کریں گے؟
تُو اُنھوں نے فرمایا تھا کہ بس کرنا کیا ہے اِنشاءاللہ جونہی اُنہیں (شیطانوں کو) میری آمد کی اطلاع مِلے گی مجھے یقین ہے کہ وہ وہاں سے رَفو چکر ہوجائیں گے لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ واپس اپنی آماجگاہ پر آنے کی کوشش ترک نہیں کریں گے۔
اور جب میں نے کہا کہ حضرت صاحب اِسکا مطلب ہے کہ یہ صرف عارضی حَل ہُوگا اور کُچھ عرصے بعد وہ دوبارہ اُس مشکل کا شکار ہُوجائیں گے؟

تو حضرت صاحب مسکراتے ہوئے کہنے لگے بڑی سمجھدار ہو بہت دور تک سوچتی ہو نہیں بیٹا ایسی بات نہیں میری کوشش ہوگی کہ اِن لوگوں کو اِتنا مضبوط کردوں کہ دوبارہ وہ شریر لوگ وَہاں قدم نہ جما سکیں۔

مگر حضرت صاحب یہ سب ہوگا کس طرح؟

تب حضرت صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ تیسرے کلمے کے آخری حصے (لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم) میں اتنی طاقت ہے کہ اِس کے ذاکر پر اگر شیطان اپنی ذریت سمیت بھی حملہ آور ہوجائے تب بھی ممکن نہیں کہ اس کلمہ کے ذاکر کو کوئی ذرہ برابر بھی نقصان پہنچا سکے کیوں کہ اس کلمہ میں اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے بندہ کہتا ہے کہ میں تو کچھ بھی نہیں مگر جس مالک سے میرا رابطہ ہے جو میرا نگہبان ہے وہ بہت طاقتور ہے۔ اور بس اس طرح وہ خود بھی اپنی طاقت کا اِظہار کررہا ہوتا ہے اور کوئی اُسے نقصان نہیں پہنچا پاتا بس میں بھی اُنہیں فرائض کیساتھ ساتھ اس وظیفہ کی جانب مائل کردونگا تاکہ وہ ہمیشہ کیلئے طاقتور ہوجائیں۔

اس لئے عمران میری خواہش ہے کہ تُم بھی اِس کلمہ کو اپنے معمولات کا حِصہ بنا کر طاقتور ہوجاؤ۔ اور ہاں اِس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ کوئی

تُمھارے سامنے میری صورت میں آکر تُمھیں دھوکہ نہیں دے پائے گا۔
اِسکا مطلب یہ ہے کہ جب بھی ہماری مُلاقات ہُو میں اس کلمہ کو پڑھ لیا کروں؟
ہاں تُو اِس میں ہرج ہی کیا ہے میں نہیں چاہتی کہ کوئی تُمھیں میرے نام پر دُھوکہ دِے یا ہمارے دَرمیاں کوئی غَلط فہمی پیدا کرے عمران کے استفسار پر کوثر نے جَواب دِیا
۔
اچھا عمران اَب تُم جاؤ کیوں کہ مُجھے بھی جانا ہُوگا اچھی طرح سے سُوچ لینا اور جب مطمئین ہُو جاؤ تو بابا وقاص کو بتا دِینا وہ مجھ تک تُمھارا پیغام پُہنچا دیں گے اور اُسکے بعد ہم مِل جُل کر تمام معملات طے کرلیں گے۔
اِتنا کہنے کے بعد کوثر کھڑی ہُو گئی پہلے کوثر کی نِگاہوں نے عمران کے چہرے کا الوداعی طواف کیا اور پھر ڈبڈبائی آنکھوں کیساتھ دیوار کی جانب پَلٹ گئی عمران سمجھ گیا کہ اُس میں الوادع کی تاب نہیں ہے کہ بابا وقاص کی آواز آئی عمران مِیاں نماز کا وقت نِکلا جارہا ہے جلدی آجاؤ ورنہ نماز کا وقت نِکل جائے گا۔ کوثر ہنوز دیوار کی جانب مُنہ کئے کھڑی تھی البتہ اُسکے جسم کا

ارتعاش اِس بات کی چُغلی کھا رہا تھا کہ وہ صرف خاموش نہیں کھڑی تھی بلکہ جُدائی کے اِحساس کی وجہ سے شائد دُکھی ہُو رہی تھی ۔عمران کی حالت بھی اگرچہ ایسی تھی کہ لگتا تھا جیسے وہ بھی ابھی رُو دے گا لیکن عمران نہ چاہتے ہُوئے بھی کوثر کو فی اَمان اللہ کہتے ہُوئے کمرے سے باہر نِکل آیا۔

باہر بابا وقاص جیسے عمران کی آمد کے منتظر بیٹھے تھے عمران پر نظر پڑتے ہی کہنے لگے بیٹا فوراًنماز ادا کرلو وقت بُہت قلیل رِہ گیا ہے عمران نماز کی ادائیگی سے فراغت کے بعد بابا وقاص کے سامنے آ بیٹھا۔ تمام گھر خالی پڑا تھا یکایک عمران کو یاد آیا کہ ابھی کُچھ دیر پہلے جب وہ یہاں آیا تھا تُو کافی خَواتین یہاں موجود تھیں جنھوں نے بڑے والہانہ انداز سے عمران کا استقبال کیا تھا۔ بابا وہ ساری خَواتین کہاں گئیں ؟

بابا وقاص مسکراتے ہُوئے کہنے لگے بیٹا باراتی ہمیشہ کیلئے نہیں آتے ۔اُنکا کام تُو بس اِتنا ہی ہوتا ہے کہ وہ تقریب کو رُونق بخشدیں سو جب اُنکا کام خَتم ہُوجاتا ہے اُنہیں تُو واپس جانا ہی ہُوتا ہے بابا وقاص کے جواب سے عمران کا چہرہ حَیا سے سُرخ ہُوگیا۔

اچھا بابا مُجھے آپ سے کُچھ پُوچھنا ہے عمران نے زمین کو کریدتے ہُوئے کہا۔

کیوں عمران میاں نظریں کیوں نہیں مِلا پا رہے ہُو کہیں کوثر نے نکاح کی دعوت تو نہیں دے ڈالی آپکو؟ بابا نے لہجے کو شُوخ بناتے ہُوئے کہا۔

بابا یہ بات بھی ہے لیکن مُجھے کُچھ اور بھی پوچھنا ہے آپ سے میرا پہلا سوال تو یہی ہے کہ مجھے کوثر کی اِس خُواہش کے جواب میں کیا کرنا چاہیئے اور میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا ہمیں شریعت اِس بات کی اِجازت دیتی ہے کہ ہم دوسری مخلوق سے نِکاح قائم کر سکیں اور تیسرا سوال ایک درویش سے مُتعلق ہے جسکا تذکرہ آج کوثر نے بڑی عقیدت اور احترام سے کیا ہے اور بَقول کوثر کے وہ اُن کی محفلوں میں اپنے والد کیساتھ شریک ہُوتی رَہی ہے۔ اور کوثر نے مجھ سے یہ بھی کہا ہے کہ مجھے اُسکا ہاتھ مانگنے کیلئے اُسکے والد کے پاس جاؤں گا لیکن مجھے یہ نہیں بتایا کہ مُجھے جانا کہاں ہُوگا۔ عمران نے اپنے ذہن میں پیدا ہُونے والے تمام سوالات کو حَسبِ دستور زمین کو کُریدتے ہُوئے بابا وقاص کے سامنے پیش کردِیا۔

عمران کے خاموش ہُونے کے بعد بابا وقاص نے عمران کو چند لمحے بَغور دِیکھا اور پھر گُویا ہُوئے دیکھو بیٹا اگر تُم مجھ سے میری رائے معلوم کرنا چاہتے ہُو تُو میں یہی کہوں گا کہ تُم کوثر سے نِکاح کرلُو اور جہاں تک بات ہے

شریعت کے اِحکامات کی تو میں اِس معاملے میں کُچھ نہیں کہونگا اگر تُمہیں شرعی احکام جاننے ہیں تُو کسی عالم سے رُجوع کرو۔

اور رہی بات کوثر کے والد سے مُلاقات کی تُو تُم اسکی بالکل فکر نہ کرو یہ میری ذمہ داری ہے لیکن اِس سے پہلے تُمہیں فیصلہ لینا ہُوگا کہ آیا تُم اس شادی کیلئے رضامند بھی ہُو یا کہ نہیں۔ اور ہاں مُلاقات کیلئے ہمیں شائد لاھور کے شاہی قلعے تک جانا پڑے بابا وقاص کی گفتگو جاری تھی کہ کہیں دور مسجد سے آذان کی صدا بُلند ہُوئی اور بابا وقاص خاموش ہُوگئے

(جاری ہے)

کافی احباب کی فرمائش تھی کہ کوئی ایسا سلسلہ بھی پیش کروں کہ جس میں قوم جنات سے متعلق معلومات ہُوں انشاءَ اللہ بُہت جلد آپکی خِدمت میں ایک نہایت دلچسپ سلسلہ (احمد بشیر اور افلاطون) کے عنوان سے پیش کرنے کی سعی حاصل کرونگا۔ جس میں آپکی مُلاقات معاشرے کے ایک ایسے ناآسودہ شخص احمد بشیر سے کراؤنگا جو اپنی خُواہشات کی تکمیل کیلئے عملیات کے سحر میں گرفتار تھا اور بلاآخر اُسکی ملاقات ایک جن زادے (افلاطون) سے ہوجاتی ہے جسے شہرت کی طلب نے دیوانہ بنا رکھا تھا۔ اور جب یہ دونوں ایک موقع پر حادثاتی طور پر

مِل جاتے ہیں تو کیا گُل کِھلاتے ہیں یہ تو کہانی پڑھ کر ہی آپکو معلوم ہُوگا لیکن اتنی اُمید ضرور ہے کہ آپ اس طلسمی کہانی کے سحر میں کھو کر رہِ جائیں گے۔ اور شاہدٗ اِس کہانی کو کبھی نہ بُھلا پائیں۔

کوئی دیکھے تو کس طرح

شہلا حیران و پریشان ایک شاہراہ پر کھڑی سوچ رہی تھی، کہ نجانے آج تمام شہر کے نوجوانوں کو کیا ہوگیا ہے لگتا ہی نہیں کہ یہ وہی شہر ہے جہاں شریر نوجوان آئے دِن کسی دوشیزہ کی آبرو کو تار تار کردیا کرتے تھے جہاں تنہا عورت گھر سے نکلتے ڈرتی تھی جہاں سرِ شام خواتین اپنے گھروں میں دُبک کر بیٹھ جایا کرتی تھیں اور جہاں کسی عورت کو ضرورت کے تحت گھر سے نکلنا بھی ہوتا تو اسقدر چادروں کو خُود پر لپیٹ لیا کرتی کہ کوئی شناخت ہی نہیں کرپاتا کہ کس عُمر کی اور کس گھر کی خاتون بازار سے گُزری ہے۔

مگر شہلا نے تو کوئی لبادہ خُود پر طاری نہیں کیا تھا اور اُسے بازار میں گُھومتے پھرتے پَل دو پَل کا عرصہ نہیں گُزرا تھا بلکہ وہ تُو سہ پہر سے بازار میں کبھی یہاں سے وَہاں اور کبھی وَہاں سے یہاں گھوم رَہی تھی شہلا حیران اسلئے بھی تھی کہ اُس نے جان بوجھ کر چہرے پہ نقاب نہیں لگایا تھا تاکہ منچلے نوجوان اُس کے حُسن سے لُطف اندوز ہو سکیں اور اُسکے قریب بِلا جھجک آسکیں۔

اور وہ ایسی گئی گزری بھی نہیں تھی کہ اُسے نظر بھر کے دیکھا نہ جائے اُسکی سہلیاں اُسے اکثر کہا کرتی تھیں کہ شہلا تُمھارے حُسن کے آگے تو مہتاب کی چمک بھی مدہم پڑ جاتی ہے ہَم لڑکیوں کی نِگاہیں تُمھارے چہرے سے نہیں ہٹتیں اگر شہر کے مَنچلے نوجوان تُمہیں دیکھ لیں تو شہر میں قیامت برپا ہُوجائے تُم انسانی رَنگ و رُوپ میں کوئی اَپسرا محسوس ہُوتی ہُو یہی وَجہ تھی کہ خُود شہلا بھی اکثر اپنے حُسن سے خُوفزدہ رَہا کرتی۔

وہ ہَمیشہ سے خُود کو صرف گھر تک محدود رکھا کرتی تھی کَبھی گھر میں بھی دوپٹہ سر سے گرنے نہیں دِیتی اُسے زیادہ ہَنسی مذاق بھی پسند نہیں تھا ہمیشہ لئے دِیئے انداز میں سب سے پیش آتی اگرچہ بُہت ملنسار تھی لیکن سنجیدگی اور متانت ہمیشہ اُسکی شخصیت کا اِحاطہ کئے رِہتی تھی۔ لیکن آج وہ گھر سے بن سنور کر نِکلی تھی اور خُود چاہتی تھی کہ کوئی اُسے دَعوت گُناہ دے۔

کیونکہ آج بھوک سے لَڑتے ہُوئے تیسرا دِن تھا گھر کی تمام تر ذِمہ داری ماں کے انتقال کے بعد سے شہلا کے ناتواں کاندھوں پر آپڑی تھیں بابا زندہ تھے لیکن اپنی آنکھوں کی بینائی کھو بیٹھے تھے غُربت کی وجہ سے بابا کا جِسم کافی لاغر ہُوچُکا تھا جوڑوں کے شدید درد کی وجہ سے مسجد بھی نہ جاسکتے تھے

تمام دِن چارپائی پرپڑے کھانستے رِہتے شہلا سے چھوٹے دو بہن بھائی بھی اپنی ضرورت کیلئے شہلا کی کڑھائی سِلائی پر انحصار کرتے تھے لیکن کئی دِن ہُوئے شہلا کو کوئی کام نہیں مِلا تھا۔

اگر گھر میں صِرف بابا ہی ہوتے تُو شائد وہ یہ انتہائی قدم نہ اُٹھاتی لیکن چھوٹے بہن بھائیوں کی بھوک نے اُسے جھنجوڑ کر رکھ دِیا تھا اُسکی اُمید کیساتھ ساتھ اب اُسکی ہمت بھی دَم توڑ چکی تھی اُس نے یہ سُوچ کر آج اپنے گھر سے پہلی مَرتبہ قدم نِکالا تھا کہ چاہے اُسے آج اپنی عِصمت کا سودا کرنا پڑجائے لیکن وہ آج خالی ہاتھ گھر نہیں لُوٹے گی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اُسکے چُھوٹے بہن بھائی اِس اُمید پر دروازے پہ نِگاہیں جمائے بیٹھے ہُونگے کہ ابھی آپی دروازے سے کھانا لئے دَاخل ہُوگی۔

لیکن شام ہُونے کو آئی تھی اور اُسے کسی نے نظر بھر کے دِیکھنا تُو درکِنار نِگاہ اُٹھا کر بھی نہیں دِیکھا شام ہوتے ہی دُکانداروں نے اپنی دُکانوں کو سمیٹنا شروع کرِدیا تھا اور اب بازار میں اندھیرا پھیلنے لگا تھا یکایک ایک جانب سے ایک سنتری نِکل آیا اور اُسے ڈانٹتے ہُوئے گھر جانے کی تلقین کی اب اُسکے پاس اسکے سِوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ گھر لُوٹ جائے اور اپنے چُھوٹے بہن بھائیوں کو دِلاسہ دیکر مزید ایک دِن اِس کرب

کیساتھ گُزارے کہ اسکے بہن بھائی رات بھر بھوک سے سسکتے ہُوئے گُزاریں۔

گھر کی دِہلیز سے گُزر کر جونہی وہ بابا کی چارپائی کے سامنے سے گُزرنے لگی بابا کی آواز نے اُسکے قدموں کو جکڑ لیا۔ کہاں گئی تھیں شہلا بیٹی؟ آج دوپہر سے تُمھارے قدموں کی چاپ نہیں سُنی۔

شہلا کیا بتاتی کہ وہ کس خاردار راہ کی تلاش میں گھر سے نِکلی تھی مگر شائد کانٹوں نے بھی اُسکے دامن میں سَمانا پسند نہیں کیا تھا۔

کہاں ہُو بِٹیا جواب کیوں نہیں دیتیں تُم؟ شائد شِہلا کی خاموشی سے بابا گھبرا گئے تھے بابا کی پریشانی شِہلا سے کب.برداشت ہُوسکتی تھی ، بھری دُنیا میں اِک وہی تُو تھے جنکے دَم قدم سے شِہلا کا حُوصلہ بُلند تھا شہلا آگے بڑھی اور بابا کے قدموں سے لِپٹ گئی اُس نے بُہت چاہا کہ اپنے اِحساسات پر کنٹرول رکھ سکے لیکن قدموں سے لپٹے ہی شہلا کی ہچکیاں بُلند ہُونے لگیں تھیں بابا مسلسل شِہلا کے سَر پر ہاتھ پھیرے جارہے تھے اور اُسکی تکلیف جاننا چاہتے تھے اُس نے اپنے باپ سے کبھی جُھوٹ نہیں بُولا تھا اب وہ روتے ہُوئے سُوچ

رہی تھی کہ آخر یہ کڑوا سچ کسطرح اپنے باپ کیسامنے بیان کرپائے گی۔
بٹیا جُو بھی دِل میں ہے کہدو دِل کا غُبار ہلکا ہُوجائے گا ورنہ دِل کا بوجھ کبھی کبھی ضمیر کا بُوجھ بن جاتا ہے اور ضمیر کا بوجھ سہنے کی طاقت انسانوں میں نہیں ہُوتی۔
شِہلا نے چند لمحے سُوچا اوراِس نتیجے پر پُہنچی کہ بابا نے ہمشہ سچائی کا درس دِیا ہے اور وہ آج بھی اپنے بابا سے سچ ہی کہے گی اور اُس نے سسکیوں اور آہوں کے درمیان کسی مُجرم کی طرح اپنی آج کی کہانی بابا کے گُوش گُزار کردی اُسے یقین تھا کہ اُسکی کہانی سن کر بابا بھی رُوپڑیں گے لیکن یہ کیا شِہلا کی بات سُن کر بابا کے قہقہے بُلند ہورہے تھے اور شہلا سوچ رہی تھی کہیں بابا پر رنج کی وجہ سے دورہ تُو نہیں پڑگیا۔
کُچھ دِیر میں اِن قہقہوں نے کھانسی کے دُورے کی شکل اِختیار کرلی شِہلا نے بھاگ کر صراحی سے پانی گلاس میں اُنڈیلا اور بابا کے مُنہ سے لگا دِیا کُچھ دِیر میں بابا کی کھانسی سنبھلی تو بابا نے شِہلا کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہُوئے کہا۔

تُمھیں اِس بات کا رَنج ہے نا کہ کِسی نے تُمھاری جانب نِگاہ اُٹھا کر کیوں نہیں دِیکھا۔
تُو میری پیاری بِٹیا تُمھیں تو کوئی جب نِگاہ اُٹھا کر دیکھتا نا جب تُمھارے بابا نے اپنی جوانی میں کِسی کو نِگاہ اُٹھا کر دیکھا ہوتا۔

۔

۔

اور جہاں تک بات ہے تُمھارے چھوٹے بہن بھائیوں کے بھوک کی تُو ایک اللہ کا بندہ آیا تھا اور مہینے بھر کا راشن اور آج کیلئے سالن روٹی دے گیا تھا جِسے کھا کر تُمھارے بہن بھائی کب کے سُو چُکے ہیں۔

میں حاجی ہُوں

سیٹھ عبدالرزاق آج بُہت خُوش تھا اور خُوش کیوں نہ ہُوتا کہ آج اُسکی برسوں پرانی مُراد بَر آنے والی تھی۔ وہ ایک ایسے قافلے میں شریک ہُونے جارہا تھا کہ جِس قافلے کی منزل حَرمِ پاک تھی۔ وہ کئی دِنوں سے اپنے رشتہ داروں سے مُلاقات کر رہا تھا اور ہر ایک آنے والے کو بتا رہا تھا کہ آخر اسکا بُلاوہ بھی دیارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگیا ہے، وہ اپنے شہر کا جانا مانا رَئیس تھا ایک مُدت سے دِیارِ حَرم کی زمین کو بوسہ دینے کی خُواہش اُسکے دِل میں مچل رہی تھی اور بِلاآخر آج وہ دِن آپُہنچا تھا کہ اُسے اِس مُبارک سفر کی سعادت حاصل ہُونے جارہی تھی۔

اور پھر وہ گھڑی بھی آپُہنچی کہ وہ اپنے بیوی، بَچوں سے الوداع ہو کر عازم سفر ہُوگیا دیار حَبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کے تصور کی خُوشی اسقدر تھی کہ اس احساس نے اِسے اپنوں کی جُدائی کا کوئی خاص مَلال نہ ہُونے دِیا۔ وداع کرتے ہُوئے مُحلہ داروں، دوست احباب اور گھر والوں نے سو امن پھول کی پتیاں بھی اُس پر نچھاور کر ڈالیں تھیں اُس نے برقی قمقموں سے جگمگاتے ہوئے اپنے گھر پر الوداعی نِگاہ ڈالی اور اپنے مُلازم عبداللہ کیساتھ قافلے والوں کیساتھ عازم سفر ہُوگیا۔ عبداللہ اُسکا خاص مُلازم تھا جِسے گھر

والوں نے اِسرار کرکے سیٹھ عبدالرزاق کیساتھ کردِیا تھا تاکہ عبداللہ سفر میں آنے والی تکلیفوں کو خُود پر بَرداشت کرتے ہوئے سیٹھ عبدالرزاق کیلئے آسائش پیدا کرسکے اور عبداللہ کی خِدمت نے ثابت کردِیا تھا کہ سیٹھ عبدالرزاق کے گھر والوں کا فیصلہ بالکل صائب تھا۔ واقعی عبداللہ کی موجودگی میں کبھی سیٹھ عبدالرزاق کو شکایت کا کوئی موقع ہاتھ نہیں آیا تھا۔

عبداللہ جہاں ایک بہترین خِدمتگار ثابت ہُوا تھا وہیں وہ ایک بہترین باورچی بھی ثابت ہُوا تھا تمام سفر میں اپنے مالک کی ہر ایک ضرورت کا اُس نے دھیان رکھا تھا بلکہ جب کبھی سیٹھ عبدالرزاق آرام کی زیادتی کے سبب اپنی تھکن کا اِظہار کرتا تُو فوراً عبداللہ اپنے مالک کے ہاتھ پاؤں دَبانا شروع کردیتا جِسکی وجہ سے سیٹھ عبدالزاق کا کاہل جسم پھر سے توانا ہُوجاتا اور آخر وہ دِن بھی آپُہنچا کہ مِیر کارواں نے منزل کے آنے کامژدہ جاں فِزا سب کو سُنایا۔ تب ہر چہرہ خُوشی سے تمتمانے لگا تھا۔

کعبۃ اللہ پر پہلی نظر پڑتے ہی ہر آنکھ اشکبار نظر آرہی تھی اور ہَر چہرے کو دیکھ کر یُوں محسوس ہُورہا تھا کہ جیسے صدیوں سے محبوس غلاموں کو آزادی کا پروانہ مِل گیا ہُو۔ طواف و سعی کے بعد سب ایک قطار میں اپنے سر مُنڈوا رہے تھے کِسی نے بَڑھ کر آبِ زم زم پیش کیا۔ تُو کوئی عمرہ کی

مُبارکباد دے رہا تھا رہائش چونکہ حرم سے نزدیک تر تھی اِس لئے جسکا جب جی چاہتا حرم میں چلا آتا اور گھنٹوں گُزر جاتے لیکن وقت کا احساس نہیں ہوتا۔
وقت مگر کسی کیلئے کب ٹھہرتا ہے سو گُزرتا رہا۔۔ گُزرتا رہا۔۔۔ اور ایک دِن چاروں جانب سے مِنٰی چلو۔ مِنٰی چلو کی صدائیں آنے لگیں اور عبداللہ تمام سامانِ ضرورت اپنے توانا کاندھوں پر سنبھالے سیٹھ عبدالرزاق کے پیچھے پیچھے چلا جارہا تھا 2 دِن بعد وہ عرفات کے میدان میں موجود تھے اور رُو رُو کر خُدائے رحمٰن سے اپنے گُناہوں کی معافی مانگ رہے تھے مغرب کی آذان سُنتے ہی وہ مُزدلفہ کے میدان کی جانب چل دیئے تھے اگلے دِن شیطان کو کنکریاں مارنے اور قربانی سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ اپنے خیموں میں داخِل ہوئے تُو عبداللہ اپنے مالک کو نمکین گوشت کھلانے کیلئے تیاری کر رہا تھا۔
آج سب طوافِ زیارت سے فارغ ہوچُکنے کے بعد اپنے خیموں میں موجود تھے اور امیر قافِلہ کے حُکم کے منتظر تھے آج پھر سب کو اِک مبارک سفر درپیش تھا کوئی خُوبصورت لِحن میں،، حاجیوں آؤ شہنشاہ کا روضہ دِیکھو۔ کعبہ تُو دیکھ چُکے اب کعبہ کا کعبہ دیکھو۔۔ پڑھ کر حاجیوں کے عشق کو مزید بیدار کر رہا تھا اور آخر وہ مُبارک ساعت بھی آپُہنچی جب اَمیرِ قافِلہ نے کُوچ کا حُکم

سُنا ڈالا اور تمام حاجی مُجرموں کی طرح سَروں کو جھکائے ادب سے قافلہ میں شریک سفر تھے۔

سفر جاری تھا کہ کسی دیوانے نے صدا لگائی وہ دِیکھو سبز گُنبد نظر آرہا ہے اور ساتھ ہی مسجد نبوی کے نُور بار مینار بھی نظر آرہے ہیں ہر آنکھ دیوانے کے ہاتھوں کا اِشارہ پاتے ہی شوقِ دیدار کی خاطر دیوانہ وار طوافِ مینار و گُنبد میں مصروف تھی مگر ایک دیوانہ تھا جو اپنی نِگاہوں کو باوجود ہزار خُواہش نہیں اُٹھا پا رہا تھا۔

مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پُہنچ کر اَمیر قافلہ نے اعلان کیا سب بقیع کی جانب چلو ہم باب جبرائیل سے باادب طریقے سے قدموں کی طرف سے داخل ہونگے ہر ایک پروانہ وار وجد کی کیفیت طاری کئے حاضر ہُونے کیلئے بیقرار تھا لیکن وہ دیوانہ اپنی نظریں جُھکائے دروازے کے باہر ہی ٹھہر گیا تھا عبدالرزاق نے اُس دیوانہ کی اِس حَرکت کو مُلاحِظہ کیا تُو دیوانے کے قریب چلا آیا اور کہنے لگا عبداللہ ہر مسلمان کی خُواہش ہوتی ہے کہ اپنے کریم آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے روضے پر حاضر ہُو کر شفاعت کی سند حاصل کرے لیکن عبداللہ میں دیکھ رَہا ہُوں کہ تُم اندر داخل ہونے کے بجائے باہر ٹہر گئے ہو کیا تُمھیں یہ اندیشہ ہے کہ کوئی ہمارا سامان یہاں سے اُٹھا کر لیجائے گا۔ سُنو اگر

ایسا کوئی وہم تُمھارے دِل میں موجود ہے تُو اِسے باہر نِکال پھینکو اور یہ سعادت حاصل کرلُو یہ موقع ہر ایک کو نہیں مِلتا تُم خُوش نصیب ہُو جو یہاں تک پُہنچنے میں کامیاب ہُو گئے ہُو۔

عبداللہ کے قدم سیٹھ عبدالرزاق کی بات سُن کر بھی ٹس سے مَس نہ ہوئے سیٹھ عبدالرزاق کو عبداللہ کی اِس نافرمانی سے تشویش لاحق ہُونے لگی تھی ایکبار پھر سیٹھ عبدالرزاق نے عبداللہ کے کاندھوں کو جھنجوڑتے ہُوئے دھیمے لہجے میں کہا عبداللہ کیا میری بات سمجھ میں نہیں آرہی تُمہیں؟

عبداللہ نے نہایت غمگین لہجے میں مالک کو جواب دِیا میرے آقا میں جانتا ہُوں کہ ہر مسلمان کے دِل کی خُواہش ہوتی ہے کہ وہ ایکبار ضرور اِس دربار میں حاضر ہُو اور مجھے قُرآن مجید کا وہ فرمان بھی معلوم ہے کہ جسمیں گُنہگاروں کو بخشش کیلئے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) کے قدموں میں حاضر ہو کر معافی چاہنے کا حُکم دِیا گیا ہے لیکن) میرے آقا میں کروں کہ مجھ میں اِتنی ہمت نہیں کہ اپنی زندگی بھر کی گُناہوں کی پُوٹلی لیکر اپنے کریم آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رُوبرو حاضر ہُوسکوں اِس لئے مجھے اپنے حُکم کی تعمیل سے قاصر سمجھتے ہوئے مُعاف فرمادیجئے وہ جانتے ہیں کہ اُنکا ایک غلام شرمندگی کے سبب اُن کے سامنے حاضر ہونے سے شرما رہا ہے اور مجھے یہ

نہیں یقین ہے کہ وہ میرے اِس عُذر کو قبول فرماتے ہُوئے میری شفاعت کا ذِمہ بھی اپنے مقدس ہاتھوں میں ضُرور لیں گے اور میں بھی اُنکے دربار سے خالی ہاتھ نہیں جاؤنگا۔

دِیارِ حبیب (صلی اللہُ علیہ وسلم) سے حاجیوں کا قافِلہ رحمتیں برکتیں اور مغفرتیں سمیٹ کر واپس اپنے وطن کیلئے رَواں دواں تھا مدینہ طیبہ سے روانہ ہوتے جو قافلہ جُدائی کے سبب مغموم اور بیقرار تھا اب معمول کے مُطابق آپس میں ہنسی مذاق کرتا ہُوا آگے بڑھ رَہا تھا مگر عبداللہ کو جیسے چُپ سی لگ گئی تھی عبداللہ کی خِدمت گُزاری میں حالانکہ کوئی کَمی نہیں آئی تھی مگر اب عباللہ کی شوخیاں نہ جانے کہاں گُم ہو کر رِہ گئی تھی۔

تمام قافلہ والوں کو اگرچہ اَمیر قافلہ نے تاکید کی تھی کہ واپسی سے قبل سفر کی ضرورتوں کا مکمل سامان ساتھ رَکھا جائے مگر بُہت کَم لوگ تھے جِنہوں نے اَمیرِ قافلہ کی بات پر کان دَھرا تھا۔ البتہ ایسا کوئی حاجی نہ تھا جس نے تَحائف خَریدنے میں کوئی کَمی چھوڑی ہُو۔

شائد یہی وجہ تھی کہ اکثر حاجیوں کا زاد راہ نصف راستے میں ہی خَتم ہُونے لگا تھا۔ ایک دِن عبداللہ نے اپنے مالک کو خبر دِی کے کھانا پکانے کیلئے

گھی موجود نہیں ہے اور قافِلہ میں بھی ایسا کوئی شخص موجود نہیں جو وافر مِقدار میں گھی رکھتا ہُوا اگر آپ حُکم دیں تُو سادہ پانی سے ہی شوربہ تیار کرلوں۔ سیٹھ عبدالرزاق نے عبداللہ کو سمجھایا کہ جب تک قافِلہ ٹھہرا ہُوا ہے تُم نزدیک کی بستی میں چلے جاؤ اور اُنہیں بتانا کہ ہم حاجی لوگ ہیں اور واپسی کے سفر میں ہیں وہ ضرور حاجیوں کا سُن کر تُمہیں گھی دے دیں گے۔ اَگلے پڑاؤ پر عبداللہ نے اپنے مالک کو آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ ہمارے پاس اب نمک بھی خَتم ہُوچکا ہے۔ مالک نے پھر وہی جُملہ دُھرایا کہ اس بستی کے مکینوں کو جاکر بتاؤ کہ ہم حاجی ہیں کوئی تُمہیں نمک دینے میں تامل نہیں کرے گا۔

اور ایک دِن یہ قافِلہ واپس شہر کی حُدود میں داخل ہو رہا تھا تمام حاجیوں کا اُنکے گھر والوں نے پر تپاک استقبال کیا اور جب سیٹھ عبدالرزاق اپنے گھر میں داستانِ حرم سُنا رہا تھا تو تمام گھر کے افراد عقیدت واِشتیاق سے یہ داستان سُن رہے تھے کبھی سُننے والوں کے چہرے وفودِ خُوشی سے چمک چمک جاتے کبھی حیران رِہ جاتے اور کبھی کسی موڑ پر سامعین کی آنکھیں ڈبڈبا جاتی تھی لیکن کسی کی بھی نظر کونے میں اُداس بیٹھے عبداللہ کی جانب نہیں گئی۔

وقت گُزرتا رہا لیکن عبداللہ کے چہرے کا تبسم جیسے کہیں کُھو کر رِہ گیا تھا کُچھ عرصہ کے بعد کسی دوسرے شہر کے کُچھ تاجر سیٹھ عبدالرزاق کے گھر

مہمان ٹھہرے وہ لوگ اِس بات سے نابلد تھے کہ سیٹھ عبدالرزاق ابھی چند ماہ پہلے حج کی سعادت حاصل کرچکا ہے۔ کافی دیر گُزرنے کے بعد بھی باتوں کا کوئی ایسا سلسلہ نہیں چَل سکا جس کے ذریعے سیٹھ عبدالرزاق اپنے حج کی داستان اپنے کاروباری مہمانوں کے گُوش گُزار کر سکتا یہاں تک کہ کھانے کا وقت ہوگیا جب دسترخُوان بچھایا جانے لگا تُو اچانک سیٹھ عبدالرزاق نے عبداللہ کو مُخاطِب کرتے ہُوئے کہا عبداللہ وہ دَسترخُوان کیوں نہیں بچھاتے جس پر ہم دورانِ حج کھانا کھایا کرتے تھے۔ اچانک کسی مہمان کی آواز بُلند ہوئی عبدالرزاق بھائی کیا آپ اِمسال حج پر گئے تھے؟ سیٹھ عبدالرزاق جیسے اِس موقع کی تلاش میں تھا فوراً تمام مہمانوں کو اپنے سفر کی روئیداد سُنانے لگا اور سلسلہ کھانے کے بعد تک جاری رَہا ہر ایک مہمان اُسکے مقدر پر رَشک کر رہا تھا اور اُسے مبارکباد پیش کر رَہا تھا۔

شام کو مہمانوں کے جانے کے بعد سیٹھ عبدالزاق نے عبداللہ کو تنہائی میں بُلا بھیجا جب عبداللہ خِدمت میں حاضر ہوگیا تو سیٹھ عبدالرزاق نے عبداللہ کو اپنے سامنے بیٹھنے کا اِشارہ کیا عبداللہ کے فرش نَشین ہوتے ہی سیٹھ عبدالرزاق نے عبداللہ کو مُخاطب کرتے ہُوئے کہا،، کیا بات ہے عبداللہ میں دِیکھ رَہا ہُوں کہ جب سے تُم نے حج کی سعادت حاصِل کی ہے تُم یکسر خَاموش ہُوگئے ہُو وہ خُوشی جو ایک حاجی کے چہرے پر اِس سعادت کے حاصِل ہُوجانے کے

باعِث ہونی چاہیئے وہ مجھے کبھی تُمہارے چہرے پہ نظر نہیں آئی؟

عبداللہ چند لمحے خاموش بیٹھا دیواروں کو گھورتا رہا۔ لیکن جب سیٹھ عبدالرزاق نے عبداللہ کو حاجی عبداللہ خاموش کیوں ہُو۔ کہہ کر مُخاطِب کیا تُو عبداللہ کی خَاموشی بھی ٹُوٹ ہی گئی۔

مالک مجھے حاجی کہہ کر مُخاطِب نہ کریں عبداللہ کی آواز میں التجا سے زیادہ احتجاج کی جھلک نظر آ رہی تھی۔

کیوں حاجی نہ کَہوں تُمہیں۔ کیا تُم نے میرے ساتھ حج کی سعادت حاصل نہیں کی؟ سیٹھ عبدالرزاق نے عبداللہ کو حیرت سے دیکھتے ہُوئے سُوال کیا۔

مالک ہم اپنا حج تُو بُہت پہلے گھی اور نمک کے عِوض فروخت کر چُکے ہیں۔ عبداللہ جواب دیتے ہُوئے روہانسہ ہُوگیا تھا۔

کیا بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو عبداللہ کہیں کِسی ہُوا کی جھپٹ کا شِکار تُو نہیں ہُوگئے تُم؟

عبداللہ : نہیں مالک میں کسی فریب میں مُبتلا نہیں ہُوں اور نہ ہی میں کوئی دیوانہ ہُوں۔ مگر آپ شائد بھول گئے ہیں۔

سیٹھ عبدالرزاق : کیا بُھول گیا ہُوں میں۔ جو کہنا ہے ذرا صاف صاف کہو۔

عبداللہ : کیا آپ بُھول گئے کہ حج سے واپس آتے ہُوئے سفر میں جب گھی خَتم ہونے پر آپ نے مُجھے حُکم دِیا تھا کہ بَستی والوں کو بتاؤں کہ ہم لوگ حاجی ہیں سُو اسطرح میں نے بستی والوں سے صرف اِتنا ہی کہا تھا کہ میرا مالک حج کا فرض اَدا کرنے کے بعد یہاں سے گُزر رَہا تھا کہ ہمارے سامان میں گھی خَتم ہوگیا آپ مہربانی کریں اور اِس حج کی لاج رکھتے ہُوئے ہمیں کُچھ گھی عنایت کردیں اور یوں آپ کے حج کے عوض میں مفت گھی لے آیا تھا۔ اور آپکے دوسرے حُکم کوپُورا کرنے کیلئے میں نے اگلی بَستی والوں کو اپنے حج کے مُتعلق بتایا اور یُوں اپنا حج بھی داؤ پر لگا دِیا۔ میرے مالک میرے پاس تو صرف اِک حج کی دولت تھی جِسے میں نَمک کے بدلے دے آیا ہوں لیکن نجانے آپ کے پاس کتنے حج ہیں کہ ہر موقع پر آپ دوسروں کو یہ باور کرانے میں مصروف رِہتے ہیں کہ آپ حج کی سعادت حاصل کر چُکے ہیں اور کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے چُنانچہ جب آپ نے آج اپنے مہمانوں کو جتانے کیلئے مجھ سے کہا تھا کہ وہ دستر خُوان بِچھاؤں جس پر ہم دورانِ حج کھانا کھایا کرتے تھے تو میں

یہی سوچ رہا تھا کہ میں نے تُو آپ کیساتھ صرف ایک ہی جج کیا تھا جِسے نمک کے عوض بیچ چکا ہوں لیکن خبر نہیں آپ کے پاس کتنے جج ہیں جو روزانہ کئی جج بیچے چلے جا رہے ہیں۔

اِنسان کسی حالت میں خُوش نہیں رہتا

کہتے ہیں کسی زمانے میں ایک نیک دِل بادشاہ تھا جُو اپنی رعایا کا بُہت زیادہ خیال رکھا کرتا تھا ایک مرتبہ اُس کے دِل میں ایک انوکھی عمارت کی خُواہش ایسی سمائی کہ اُس نے اپنے محل کیساتھ ایک نہایت حسین محل بنانے کا اِرادہ ظاہِر کیا جِس میں وہ دوسرے ممالک سے آنے ولے بادشاہوں، شہزادوں، اور سفیروں کو ٹھہرانے کا اِرادہ رکھتا تھا۔

بادشاہ کا خُواہش ظاہر کرنا تھا کہ ہر ایک حکومتی کارندہ بادشاہ کی اِس خُواہش کی تکمیل میں مصروف ہوگیا سب سے پہلے جگہ کا اِنتخاب کیا گیا اور پھر جب اُس حِصہ کی صفائی کا مُعاملہ پیش آیا تو حکومتی کارندوں کو ایک ایسی مشکل پیش آئی کہ جسکا کوئی حل اُنہیں سمجھ نہیں آرہا تھا اور بظاہر ایسا محسوس ہونے لگا کہ جیسے یہ محل تعمیر نہ ہُوسکے گا۔

واقعہ کُچھ یُوں پیش آیا کہ جس جگہ کا انتخاب کیا گیا وِہاں ایک بوڑھی عورت کی جھونپڑی نِکل آئی حکومتی کارندوں نے اُسے بادشاہ کی خُواہش سے آگاہ کیا اور اُسے یقین دِہانی کرائی گئی کہ اُسے تبادل کے طور پر دوسرا مکان

فراہم کردِیا جائے گا بس وہ اپنی جھونپڑی سے دستبردار ہُو جائے لیکن وہ بُڑھیا اس پیشکش پر آمادہ نہیں ہُوئی اور چُونکہ بادشاہ کی جانب سے عوام پر سختی کی مُمانعت تھی اسلئے حکومتی کارندے پریشان تھے کہ آخر اِس مسئلے کا کیا حل نِکالا جائے۔

بہرحال قِصہ مُختصر جب کسی طرح بھی یہ مسئلہ باہمی اِتفاق سے حل نہ ہُو سکا تو بادشاہ کی خِدمت میں پیش کردِیا گیا بادشاہ کے ایما پر اُس بُڑھیا کو نِہایت احترام سے محل میں لایا گیا اور اُسکی رائے جاننی چاہی۔

بُڑھیا نے بادشاہ کی خِدمت میں اپنے خدشات کا اِظہار کرتے ہُوئے کہا بادشاہ سلامت میں عمر کے اس حصہ میں ہُوں جہاں مُجھ میں کام کی بالکل بھی سکت نہیں اور گُستاخی مُعاف بادشاہ اکثر وعدے کرکے بھول جاتے ہیں جہاں پناہ۔ اگر میرا مکان ہتھیانے کے بعد آپ کے کارندوں کی نیت بدل گئی تو میں بے سہارا عورت کہاں جاؤنگی۔ لِہٰذا مجھے میرے مکان میں رہنے دِیا جائے اور جب میرا دانا پانی اِس دُنیا سے اُٹھ جائے تُو بیشک آپ میری جھونپڑی گِرانے کا حُکم صادر فرما دیجئے گا۔

بادشاہ نے بڑے تحمل سے بُڑھیا کی گُفتگو سُنی اور پھر ایک تجویز بُڑھیا کو پیش کی کہ اگر وہ اپنی جھونپڑی ہمیں ہدیہ کردے تُو تا عُمر وہ بادشاہ کے

محل سرا میں ایک مہمان کے طور پر رہ سکتی ہے اور اُسے ماہانہ 400 اشرفیاں بھی کھانے کے علاوہ دی جائیں گی اس کے علاوہ تاحیات اُسے سالانہ 6 کپڑوں کے جوڑے بھی دیے جائیں گے اور وہ شہر میں جانے کیلئے شاہی سواری کا استعمال بھی کر سکے گی اور ایک خادمہ چوبیس گھنٹے اُسکی خدمت کیلئے حاضر رہے گی۔

بُڑھیا نے بادشاہ کی پیشکش کو فوراً قبول کرلیا اور یُوں ایک بُڑھیا جھونپڑی سے شاہی محل کے حرم سرا میں منتقل ہو گئی۔

وقت پَر لگائے گُزرتا رہا اور یُوں آہستہ آہستہ وہ بُڑھیا محل کے ماحول سے مانوس ہوتی چلی گئی اور اُسے تعلقات بھی محل کے سبھی لوگوں سے استوار ہُوتے چلے گئے بادشاہ نے اپنے وعدہ کے مطابق وہ تمام سہولتیں بُڑھیا کو فراہم کروادیں جسکا وعدہ اُس نے اِس بُڑھیا سے کیا تھا وہ بُوڑھی عورت بھی اتنی پُر تعیش زندگی پاکر ہر وقت بادشاہ کیلئے دُعا گو رہنے لگی اور اپنا زیادہ تر وقت عبادت میں گُزارنے لگی۔

اگرچہ بادشاہ بادشاہ بُہت نرم خُو تھا لیکن کُچھ سازشی عناصر کو یہ نیک دِل بادشاہ ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا اور بُڑھیا کا رات دِن بادشاہ کو دُعائیں

دینا بھی اُن پر کوہِ گراں کی طرح گُزرتا چُنانچہ اُن لوگوں نے آہستہ آہستہ اُس بُڑھیا کو بادشاہ سے بدگُمان کرنا شروع کردِیا اُسے سمجھایا گیا کہ جو قربانی اُس نے بادشاہ کی خاطر اپنا مکان دیکر کی ہے جِس کے سبب بادشاہ کا مَحل تعمیر ہُوا ہے بادشاہ نے اُسکو اِسکا صحیح اور جائز حق نہیں دِیا۔ اگر کوئی دوسرا بادشاہ ہوتا تُو ضرور اُسے اِن تمام نعمتوں کیساتھ ساتھ ایک خُوبصورت گھر بھی بَنا کردِیتا یہ بات دھیرے دھیرے بُڑھیا کے ذِہن میں بیٹھتی چلی گئی اور بلآخر اُس نے بادشاہ کو دُعائیں دینے کے بجائے رات دِن کوسنا شروع کردِیا اور گھنٹوں اِس بادشاہ کی موت کی دُعائیں کرنے لگی تاکہ کوئی دوسرا بادشاہ آکر اُسے اِسکا جائز حق دے سکے۔

چَند دِنوں کے بعد اُس بادشاہ کا انتقال ہُوگیا اور ایک دوسرا بادشاہ براجمان ہُوگیا نئے بادشاہ نے تمام معاملات کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد ایک دِن حَرم سرا کے دُورے پر آیا جب اُس بادشاہ کی نِگاہ اِس بُڑھیا پر پڑی تُو نئے بادشاہ نے اُس بُڑھیا کا احوال جاننے کی خُواہش کا اظہار کیا بادشاہ کو بُڑھیا کی قُربانی کا بتایا گیا جِسے سُننے کے بعد بادشاہ نے اعلان کیا کہ پِچھلا بادشاہ بے وقوف تھا جو صرف ایک جھونپڑی کے عوض بُڑھیا کو مَحل اُٹھا لایا اور بُڑھاپے میں آخر بُڑھیا کو چار سُو اشرفیاں ماہانہ دینے کی کیا تُک ہے لِہٰذا یہ 400 اشرفیاں آج سے بند کی جاتی ہیں۔

بُڑھیا اِس نئے بادشاہ کے اِقدام پر حیرت زدہ رِہ گئی کہ جس کے لئے اِتنی دُعائیں کی وہ اِتنا ظالم نِکلا کہ آتے ہی میرا ماہوار خَرچہ ہی بند کرِدیا اس سے بھلا تو پہلا بادشاہ ہی تھا چُنانچہ اُس بُڑھیا نے اِس بادشاہ کیلیئے بھی موت کی دُعائیں مانگنی شروع کردیں خُدا کا کرنا ایسا ہُوا کہ ایک سال بعد اِس بادشاہ کی بھی مُوت واقع ہُو گئی اور ایک نیا بادشاہ اِن پر حکومت کرنے لگا اور جب وہ بادشاہ حَرم سرا پُہنچا اور اسکے معاملات سے آگاہ ہُوا تُو کہنے لگا کہ بُڑھاپے میں 6 جُوڑوں کی بھلا اس بوڑھی عورت کو کیا ضرورت ہے اور خادِمہ بھی اُس بوڑھی عورت سے واپس لے لی یُوں وہ بوڑھی عورت اِس بادشاہ کے اِقدامات سے بھی متنفر ہُو گئی اور کہنے لگی اِس سے بہتر تو وہ دونوں بادشاہ تھے لِہٰذا وہ اِس بادشاہ کے مرنے کی دُعائیں کرنے لگی اور بلاآخر یہ بادشاہ بھی ایک جنگ میں کام آگیا اور ایک نئے بادشاہ کو حُکمرانی مِل گئی۔

اِس طرح ہر نئے بادشاہ کی آمد کے بعد اُس بُڑھیا کو اِحساس ہُوتا کہ اِس بادشاہ سے اچھے تو سابقہ حُکمران تھے مگر یہ بُڑھیا اِس اُمید پر کہ نیا حُکمران شائد رَحم دِل ہُو وہ ہَر نئے دِن اِک نئی خُواہش اپنے دِل میں پالتی رَہی اور آخر ایک دِن قید کردی گئی اور مشقت کے ذریعہ سے روزی کمانے

گئی۔

محترم قارئینِ کرام اگر غور کریں تو ہم سب کی حالت بھی اِس بڑھیا سے ذرا مختلف نہیں ہے ہَم میں سے اکثر لوگ اِسی اُمید پر اپنی زندگی گُزار رہے ہیں کہ کبھی تُو کوئی تُو نیک دِل حُکمران ہَم پر حکومت کرنے آئے گا لیکن جب ہمارے ہی ووٹوں سے منتخب حُکمران ہم ہی پر مہنگائی ، بیروزگاری ، اور ٹیکسوں کا نیا نظام لادتے ہیں تُو ہم بھی چلا کر یہی واویلا کرتے نظر آتے ہیں کہ اِس سے بہتر تُو سابقہ حُکمران تھا۔

ویسے دیکھا جائے تُو قُصوروار تُو ہَم بھی ہیں کہ اِنہیں ہَم ہی چُن کر لاتے ہیں اور ہماری بے حِسی کا حال یہ ہے کہ کہاں تُو چینی پر صرف 25 پیسہ بڑھانے پر ایک مطلق العنان آمر کو۔۔۔کُتا کُتا۔۔۔اور۔۔۔ہائے ہائے۔۔۔کے نعروں کی گونج میں گھر بھیج کر دَم لیا اور کہاں 52 روپیہ فی کلو اضافہ پر بھی ہماری زُبان گنگ ہو کر رِہ گئی ہے۔ شائد ہم نِڈھال ہُو چُکے ہیں یا ہم بے حِس ہو چُکے ہیں یا شائد ہماری ایکتا تعصب ، قومیت اور لِسانیت کے بدبودار لحاف تلے دَب کر رِہ گئی ہے شائد اِسی لئے ہماری آواز بھی ہمارے حلقوں میں پھنس کے رِہ گئی ہے اور شائد ہمارے حُکمران بھی ہماری اِس کیفیت سے آگاہ ہُو چُکے ہیں اور اِسکا خُوب فائدہ بھی اُٹھا رہے ہیں۔

شائد ہمارے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اِس لئے بھی مفقود ہو گئی ہے کہ ہم کل تک اپنے خُدا سے اور اُسکے پسندیدہ دین سے مضبوط تعلق رکھتے تھے جبکہ آج ہم اپنے دِین ہی سے نہیں بلکہ اپنے مالک اپنے پروردگار کو بھی بھولے بیٹھے ہیں شائد اِسی لئے ہم پر یہ عذاب مسلط ہے۔

اور جس دِن ہم نے حکمرانوں سے اُمیدیں رکھنے کے بَجائے اپنے خُدا سے لو لگانی شروع کردی تو وہ ضرور ہمارے حال پر رَحم فرماتے ہُوئے ہمیں بہتر سوچ کی دُولت عطا فرما دے گا کہ جسکے سبب ہم علاقائی ، گروہی اور لِسانیت کا یہ جوا اپنی گردنوں سے اُتار پھینکیں گے تب وہ ہمیں ایسا عادل اور انصاف پسند حکمران عطا فرمادے گا جو اِس مُلک سے اقربا پروری ، کرپشن ، اور رشوت ستانی کے بدبودار ماحول سے ہمیں باہر نِکال لے گا ۔انشاءَاللہ۔ عزوجل

کہتے ہیں کہ رات کی سیاہی جب بُہت زیادہ بڑھ جائے تو وہ نوید سحر کا اعلان ہُوتی ہے اور ہمیں بھی اُسی صُبح کا انتظار ہے کیونکہ اب چہار سُو اندھیرا ہی اندھیرا نظر آرہا ہے اور اِسکا مطلب صاف ہے کہ صبح نزدیک ہے۔

(ہماری بے وقوفیاں (تاحیات بے وقوف

ہَم روزانہ کئی دِن سے یہی سُوچ کر حکیم جی کی محفل میں شریک ہو رہے تھے کہ اُن کی خِدمت میں اپنی تنگدستی کاتذکرہ کریں اور اُنکی دُعا پائیں۔

کہ بَقول ہماری بیگم کے حکیم جی اِس زمانے کے ایسے کیمیا گر ہیں کہ اُنکی صُحبت سے فیضیاب ہُونے والا کبھی محروم اور نامُراد نہیں ہُوتاچُنانچہ ہَم بھی اپنی محرومیوں سے خُلاصی کیلئے کئی دِن سے اُنکی خِدمت میں حاضر ہُورہے تھے ویسے اللہ بہتر جانتا ہے کہ واقعی ہَم محرومیوں سے خُلاصی کیلئے حاضر ہُورہے تھے یا اپنی اکلوتی بیگم سے محروم نہ ہُوجائیں اِس ڈر سے حکیم جی کی حکیمانہ گُفتگو سُننے جایا کرتے تھے۔

اور حکیم جی کی ایک کرامت کے تُو ہَم بھی معترف تھے کہ جِتنی دِیر ہَم حضرت جی کی محفل میں شریک رِہتے اپنی بیگم کی ڈانٹ پھٹکار سے محفوظ رہتے اور کبھی کبھار موقع مُیسر آجانے پر وہیں اپنی نیند بھی پُوری کرلیا کرتے تھے۔ ویسے حکیم صاحب کوئی دیسی دوائیوں سے علاج کرنے والے حَکیم صاحب ہرگز نہیں تھے بلکہ اُنکے والدین نے اُنکا نام ہی حَکیم رکھا تھااَب کیوں رکھا

تھا یہ تُو ہم نہیں بتا سکتے لیکن خُوب رکھا تھا اِس کی تائید ہَم ضرور کریں گے اور شائد ہماری بیگم کو یہ خبر قطعی معلوم نہیں تھی کہ تمام مُحلہ بھر کے مظلوم خاوندوں کے وہ واحِد خیر خُواہ تھے اور اُنکی مِحفل دراصل خاوندوں کیلئے بیگمات کے ظُلم و سِتم سے محفوظ رہنے کیلئے ایک یُونیورسٹی کا درجہ رکھتی تھی۔

حَکیم صاحب نے اگرچہ خُود شادی نہیں فرمائی تھی یا یُوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حَکیم صاحب کسی کی نظر التفات کا شِکار نہ بن سکے تھے لیکن گُفتگو سے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اُنھوں نے بیگمات پر پی ایچ ڈی کی ہُوئی ہُو اور اگر مجھے جنموں جنم پر یقین ہوتا تُو ہم بھی یہی سمجھتے کہ شائد پچھلے جنم میں وہ بھی کسی بیگم کے ڈسے ہُوئے ہیں اور اپنی خار مِٹانے کیلئے اِس جَنم میں اپنی بیگم سے بدلہ لینے کیلئے تشریف لائے ہیں۔

نجانے تمام مُحلہ کی خواتین میں یہ بات کیسے اور کیوں مشہور ہُو گئ تھی کہ حَکیم صاحب بُہت پُہنچے ہُوئے ہیں غالباً اسکی وجہ اُنکی وہ پیش گوئیاں رہی ہُوں جو وہ اپنی فطانت کے باعث اکثر شگوفوں کی صورت میں چُھوڑا کرتے تھے جیسے دسمبر کا مہینہ آتے ہی وہ فرماتے کہ اس سال غضب کی سردی پڑے گی اور میٹھے پانی کی قلت ہوجائیگی ، یا کبھی فرماتے کہ چاروں جانب اندھیرا پھیلنے

والا ہے اور واپڈا والے اُنکی یہ پیشگوئی بھی توقع سے زیادہ پُوری کردیتے ۔ یا کبھی کہتے کہ مٹی سونا ہوجائے گی اور مُلک بھر کے دکاندار اُن کے شانہ بشانہ کھڑے ہُوجاتے اور اسطرح وہ تمام مُحلہ بھر میں مشہور ہُوتے چلے گئے باقی مشہوری خُود مُحلہ بھر کی خواتین کی بدولت تھی جنکی بدولت یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح تمام شہر کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی ۔

ویسے ہمارے گھر پُہنچنے پر بیگم صاحبہ کا ایک ہی سوال ہُوتا کہ کیا فرمایا حکیم جی نے ہماری تنگی کا سبب اور ہَم روزانہ یہی بتا کر بستر میں دُبک جاتے کہ بیگم رَش بُہت تھا اور ہَم سے بڑے ضرورت مند وہاں آئے ہُوئے تھے یُوٹیلٹی اسٹور پر جس طرح ہمیں کبھی چینی نہیں مِلی تُو دُعا کیونکر اتنی آسانی سے مفت میں مِل جاتی ۔ یہ تُو غنیمت تھا کہ حکیم صاحب نے اپنی جان چُھڑانے کیلئے یہ افواہ اُڑا رکھی تھی کہ وہ نا محرم خواتین سے بالمشافہ مُلاقات نہیں فرماتے اِس لئے بیگم نے یہ ذِمہ داری ہمارے ناتواں کاندھوں پر ڈال دِی تھی۔

حالانکہ ہوسکتا ہے حکیم صاحب کے کہنے کا مطلب یہ ہُوتا ہُو کہ وہ بذریعہ وڈیو ہی خواتین سے مِل سکتے ہیں کیونکہ حکیم صاحب کے گھر میں ایک ٹی وی ہم نے ضرور دیکھا تھا اور کیا مجال ہے جو کبھی اُس پر انڈین چینلز کے علاوہ

کوئی خرافات دیکھی ہو ویسے ٹی وی کا ایک فائدہ تو ضرور ہے کہ جتنا آپکی سماعت برداشت کرسکے اِتنا ہی سُن سکتے ہیں حالانکہ بیوی کے مُعاملے میں یہ سہولت بالکل ناپید ہے اور چینلز بدلنے کی کوشش میں ہم نے کئی دوستوں کے دانت ٹوٹتے دیکھے ہیں جسکی وجہ سے ہم ایک ہی چینل گُذشتہ بیس برس سے دیکھنے پر مجبورِ محض ہیں۔

لیکن کل جو بیگم نے ہماری درگت بنائی تھی اُس کے پیش نظر ہمیں قوی اُمید تھی کہ آج یہ حربہ کارگر ہُونے والا نہیں ہے لہٰذا تمام سُستی اور کاہلی کے باوجود ہم نے اپنا مُدعا حکیم صاحب کے گُوش گُزار کرڈالا۔ ہماری تنگدستی کا تذکرہ سُن کر حکیم صاحب کُچھ لمحوں کیلئے خاموش ہُوگئے پھر کسی خیال کے تحت اُنھوں نے ہم سے پوچھا کہ میاں آپ کام کیا کرتے ہیں؟ ہم نے بڑی عاجزی سے بتایا کہ ہم لکھتے ہیں۔

حکیم صاحب فرمانے لگے بُہت اچھی بات ہے کہ آپ لکھتے ہیں لیکن ہم آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کاروبار کیا کرتے ہیں؟

ہم نے عرض کیا۔ جناب میں کاروبار نہیں کرتا ہُوں بلکہ کالم نویس ہُوں

وہ مُسکرا کر فرمانے لگے کاروبار نہیں کرتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تُو اِسکا مطلب ہے کہیں مُلازمت کرتے ہُو۔

میں نے عرض کیا حُضور والا میں مُلازمت بھی نہیں کرتا میں تو صرف لکھتا ہُوں

تُو کیا لکھنے کے مُعاملے میں تنگدست ہیں آپ؟ اگر ایسا ہے تو مُعاف کرنا اِس معاملے میں ہَم خُود کافی تنگدست واقع ہُوئے ہیں حکیم صاحب نے نہایت عاجزی سے جواب دِیا

میں نے عرض کیا جناب میں لکھنے میں تنگدستی کا شکار نہیں ہُوں بلکہ رزق کی تنگی کا شکار ہُوں

وہ فرمانے لگے میاں جب آپ کوئی کام ہی نہیں کرتے تو تنگدستی کا شکار ہی ہُونگے۔۔۔۔

میں نے عرض کیا۔جناب میں نے آپ کو بتایا تُو ہے کہ میں کالم نویس ہُوں۔

وہ فرمانے لگے تُو اسکا مطلب ہے کہ آپ کالم نویسی کے ذریعہ سے گھر کا خرچ چلاتے ہیں۔۔۔۔

میں نے اُنہیں بتایا کہ گھر کا خرچہ میں نہیں چلاتا بلکہ بیگم کی تنخواہ سے گھر چلتا ہے اور وہ اسکول میں پڑھاتی ہیں۔

تُو آپ کیا کرتے ہیں؟ اُنھوں نے پھر وہی سوال دُہرایا

میں گھر چلانے میں اور خرچ کرنے میں اُنکا ہاتھ بٹاتا ہُوں، میں نے ٹھہر ٹھہر کر سمجھاتے ہُوئے کہا۔

اُنھوں نے لمبی سی۔ہونہہ۔۔ بھری اور گویا ہُوئے اسکا مطلب ہے کہ تنگدست آپ

نہیں بلکہ آپکی بیگم ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ بات درست ہے مگر آدھی کو نکہ تنگ صرف میں ہُوں جبکہ دست اُنکا بڑا ہے۔

اُنھوں نے مجھے بغور دیکھا اور فرمانے لگے میاں ایک تُو غریب ہُو اُس پر احمق بھی ہُو۔

ہمیں ویسے دونوں جملوں پر ہی اعتراض نہیں تھا مگر اپنی عادت سے مجبور ہُو کر پُوچھا وہ کیسے جناب ؟

وہ فرمانے لگے اچھا یہ بتاؤ احمق کتنی قسم کے ہُوتے ہیں؟

! میں نے کہا حضور اگر یہ معلوم ہُوتا تُو احمق کیوں کہلاتا

وہ فرمانے لگے میاں یُوں تو احمقوں کی کئی اقسام ہیں مگر پانچ قِسم کے بے وقوف بُہت کثرت سے پائے جاتے ہیں

اول،، ایک دِن کا بے وقوف

دوئم ،، چھ ماہ کا بے وقوف

سوئم ،، ایک برس کا بے وقوف

چہارم ،، پانچ برس کا بے وقوف

پنجم ،، عمر بھر کا بے وقوف۔

میاں ایکٹ دِن کا بے وقوف تو وہ ہوتا ہے جو کسی دوست پر آسرا رکھتے ہُوئے خالی پیٹ
اور خالی جیب دوست کے گھر جاپُہنچے اور وہاں سے بھوکا ہی لوٹ آئے جبکہ
چھ ماہ کا بے وقوف ۔ وہ شخص ہوتا ہے جو اپنی مرضی کیمطابق نہیں بلکہ دکاندار کی مرضی
کیمطابق جُوتا خرید لائے اور پھر چھ ماہ تکٹ اُسی کا رُونا رُوتا رہے جبکہ
ایکٹ برس کا بے وقوف بھی معاشرے میں بکثرت پایا جاتا ہے جو صرف موبائیل پر
آواز سُن کر بیلنس بھیجتا رہتا ہے اور اُسے ایکٹ سال بعد خبر ہو پاتی ہے کہ وہ تھی نہیں
بلکہ تھا ہے۔ یا ہے تو (شی) لیکن مشغلہ کے طور پر اُلو بنا رہی ہے۔ جبکہ پانچ برس کے بے
وقوف وہ لوگٹ ہُوتے ہیں جو ووٹ دیکر سمجھتے ہیں کہ اب ہمارے حالات بدل جائیں گے
اور یُوں کبھی ڈھائی برس تُو کبھی پانچ برس کیلئے بے وقوف بن جاتے ہیں۔ جبکہ عُمر بھر کا
بے وقوف وہ ہوتا ہے جو اپنی مرضی سے اپنی گردن ایکٹ عورت کے ہاتھ میں دے دیتا
ہے بِنا یہ جانے کہ وہ اِسکا کیا حشر کرنے والی ہے اور یُوں تمام عُمر کا بے وقوف کہلاتا
ہے۔

خواتین کی خِدمت میں عرض ہے کہ یہ رائے ہماری قطعی نہیں ہے اسلئے اگر غصہ آئے)
تُو آپ یہ غُصہ حکیم صاحب پر نکال سکتی ہیں) پتہ ہم دینے سے قاصر ہیں

کہ اسطرح چپٹ بھی ہمیں ہی پڑے گی اور پٹ بھی۔

جاگتے رہنا بھائیوں جاگتے رہنا

وہ پچاس برس کا سُرخ و سفید پٹھان تھا جس کی کُشادہ پیشانی اور با وقار چہرہ مجھے اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا۔ میرا دِل نہ چاہتے ہُوئے بھی اُس کی جانب کھنچا جارہا تھا۔ میں نے گاڑی کو رُوکا، اور اُسکی جانب چلنے لگا۔ میرے ساتھیوں نے مجھے پیچھے سے پُکارا ۔۔۔ عشرت بھائی ٹہرو کہاں جارہے ہُو؟ مجھے اپنے دوستوں کی آوازیُوں محسوس ہُوئی ، گویا کوئی گہرے کنویں سے مجھے پُکار رَہا ہو۔

لیکن وہ سب جُو مجھے پُکار رہے تھے میرے اپنے تھے ۔ سُو میں ایک لمحے کیلئے رُکا اور پلٹ کر اپنے دوستوں سے گویا ہُوا مجھے اُس شخص سے مِلنا ہے۔

سب گاڑی سے اُتر آئے اور مجھے سمجھانے لگے۔۔۔ کیا دِماغ خراب ہُوگیا ہے تُمھارا؟

میں نے کہا۔ کیوں کیا ہُوا؟

وہ کہنے لگے وہ ایک انجان اِنسان ہیں جب کہ ہَم تُمھارے اپنے ہیں ہمیں چھوڑ

کر کیوں ایک انجان رَاہی کے پیچھے جارہے ہُو۔
میں نے جواباً کہا نہ جانے اس شخص کی آواز میں کیسا درد ہے؟ جو مجھے اپنی جانب متوجہ کر رَہا ہے جیسے وہ بوڑھا شخص مجھ سے کُچھ کہنا چاہتا ہے مجھے اُسکی بات سُن لینے دو۔
وہ کہنے لگے ہَم جانتے ہیں اِس شخص کو۔ وہ ایک جادوگر ہے اسکی باتوں میں نہ جانے کیسا فسوں ہے جو اِسکی بات سن لیتا ہے وہ پتھر کا بن جاتا ہے اور پھر پلٹ کر نہیں آتا اسلئے عشرت بھائی ہَم آپکو وہاں جانے نہیں دیں گے۔
میں نے بیخُودی میں کہا لیکن ایسا کیسے ممکن ہے مجھے صرف ایکبار اُس کی بات سُن لینے دو۔
وہ سب کہنے لگے سنو عشرت اگر تُم اُس شخص سے جاکر ملے تُو ہمیں کھو دوگے اُن کے لہجے میں مُحبت کی مٹھاس کی جگہ نیم کی کڑواہٹ عود کر آئی تھی۔
دوستوں آج چاہے کُچھ بھی ہُوجائے چاہے مجھے اسکی کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے میں اپنے دِل کی آواز ضرور سُن کر رہوں گا آخر تمہیں مجھ پر اور خُود

پر اعتماد کیوں نہیں ہے۔

وہ کہنے لگے اسکا مطلب ہے کہ تُم ہماری بات نہیں مانوگے؟

میرے مُنہ سے بے اِختیار نِکلا۔۔۔ نہیں۔

اُنھوں نے کہا پھر بھاڑ میں جاؤ اگر تُم واپس پلٹ بھی آئے تُو ہم سے کوئی توقع نہیں رکھنا۔

تبھی دِل سے صدا آئی عشرت میاں برسوں کی رفاقت کو ایک انجانے شخص کیلئے قُربان کرنا سراسر حماقت ہے، بے وقوفی ہے، پاگل پن ہے لُوٹ جاؤ۔

میں نے پلٹنا چاہا کہ میں بھی کسی انجان شخص کیلئے اتنی بڑی قیمت دینے کو تیار نہیں تھا میں نے ایک لمحے کیلئے پلٹ کر دیکھا وہ سب دور گاڑی کے پاس کھڑے تھے لیکن اب اُن سب کے چہرے دھندلے دِکھائی دے رہے تھے، اجنبی اجنبی سے چہرے تھے وہ سارے چہرے جو ابھی کُچھ لمحے قبل میرے اپنے تھے۔

میں نے ایک نظر اُس پٹھان پر ڈالی تو اُس چہرے کی چمک آنکھوں کو خیرہ کئے

دے رہی تھی کیسا سکون تھا اُسکے چہرے پر اور کیسا یقین تھا اُسے خُود پر جیسے وہ جانتا ہُو کہ میں پلٹ کر بھی واپس نہیں جاسکوں گا۔

پھر وہی صدا سُنائی دِی جاگتے رہنا بھائیوں جاگتے رِہنا اور پٹھان بے فکری سے آگے بڑھ گیا جیسے اُسے میری پرواہ ہی نہ ہُو یا جانتا ہُو کہ میں ابھی تمام بندھن تُوڑ کر اُسکے پیچھے پیچھے چلا آؤں گا۔ میں بیخُودی کے عالم میں اُسکے پیچھے پیچھے چلنے لگا کُچھ دور جا کر وہ ٹھہر گیا جیسے میرے قریب آنے کا منتظر ہُو میں اُسکے عقب میں کچھ فاصلہ رکھ کر رُک گیا تبھی اُس نے پیچھے مُڑے بغیر کہا۔۔۔ عشرت میاں رُک کیوں گئے ؟

کیا مجھ سے خُوفزدہ ہُو؟ سُنو اگر ایسا ہے تُو واپس لُوٹ جاؤ یا اپنے خُوف کو پیچھے چھوڑ آؤ میں نے ہمت جُٹائی اور چند قدم اور آگے بڑھ آیا۔۔۔ کیسا پُرسکون چِہرہ تھا اُسکا اور اِس عُمر میں بھی کتنا باوقار لہجہ تھا اُسکا۔ نہ چال میں تھکاوٹ تھی نہ کِسی غم کا اندیشہ ہی اُسکی جبین سے چھلکتا تھا۔ میں اُسکے مُقابل جا کر کھڑا ہُوگیا۔ اُس کے پیچھے مجھے اپنے دوست بھی نظر آرہے تھے لیکن وہ سب مجھے بُونوں کی طرح نظر آرہے تھے اِور میں سُوچ رہا تھا کہ اِس شخص کا قد کتنا بُلند ہے کہ جسکے سامنے میرے اپنوں کا قد کِتنا گھٹ کر رہ گیا ہے۔

میں نے اُسکے چہرے پر نظریں جما کر پُوچھا کیا نام ہے تُمہارا؟
وہ کہنے لگا نام میں کیا رکھا ہے عشرت میاں۔۔۔۔۔ ویسے لوگ مجھے رضائے محمد کے نام سے بھی پہچانتے ہیں۔
کیا تُم جادوگر ہو؟ میں نے جھجکتے ہُوئے پُوچھا۔
کیوں تُم ایسا کیوں کہہ رَہے ہُو کیا میں تُمہیں چہرے سے جادوگر نظر آتا ہوں؟
نہیں میں ایسا نہیں کہتا لیکن میرے دوست ایسا کہتے ہیں کہ جُو تُمہارے پاس آتا ہے وہ پتھر کا بن جاتا ہے کیا یہ سچ نہیں ہے؟
وہ کہنے لگا دراصل تُمہارے دوست یہ تُمہارے اپنے سچ سُننا نہیں چاہتے اِنہیں جھوٹ سے مُحبت ہے یہ سب جان کر بھی انجان بنے رِہنا چاہتے ہیں اسلئے مجھ سے دور دُور رہتے ہیں کیوں کہ انکے پاس نہ ہی میرے سوالوں کا جواب ہے اور نہ ہی کوئی دلیل ہے اِس لئے یہ سب مجھ سے خُوفزدہ رِہتے ہیں لیکن میں

جانتا تھا کہ ایک دِن تُم میری صدا پر ضرور کان دھروگے اور میرے پاس لَوٹ آؤ گے۔
تُم کیا کرتے ہُو بابا؟ میرے دِل میں لمحہ بہ لمحہ اُس بوڑھے شخص کیلئے احترام کا جذبہ
بیدار ہُورہا تھا اب وہ مجھے اجنبی بھی ہر گز نہیں لگ رَہا تھا وہ کہنے لگا میں چوکیدار ہُوں۔
میں نے کہا اتنی سرد رات میں کیوں جاگ رہے ہیں آپ ۔ سُو کیوں نہیں جاتے۔ کیا
آپکے بچے گھر پر آپکا انتظار نہیں کررہے ہُوں گے۔
وہ کہنے لگے اگر میں سُو گیا تُو پھر رکھوالی کُون کرے گا؟ چُور نڈر ہوجائیں گے۔ اور پھر
کوئی نہیں سُو پائے گا۔
میں نے کہا جب سبھی سُو رہے ہیں تُو پھر آپ یہ صدا کیوں لگا رہے ہیں ؟ کہ ۔۔۔ جاگتے
رِہنا بھائیوں جاگتے رِہنا۔
وہ مجھے دیکھ کر ایسے مُسکرائے جیسے کسی نادان بچے نے کوئی عجیب بات بوجھ لی ہُو۔

وہ کہنے لگے کیا تُمہیں لگتا ہے کہ میں لوگوں کو جگانے کیلیئے یہ صدا لگاتا ہُوں۔
میں نے حیرت سے اُنکے مُسکراتے چہرے کو دِیکھ کر کہا۔اگر لوگوں کو جگانا مقصود نہیں تُو پھر آپ صدا پر صدا لگا کر خُود کو کیوں تھکا رہے ہیں؟
اُنہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہُوئے کہا بیٹا صدا لوگوں کو جگانے کیلیئے نہیں لگائی جاتی بلکہ خُود کو جگانے کیلیئے لگائی جاتی ہے اِتنا کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے جب تک بات مجھے سمجھ آئی وہ نظروں سے اوجھل ہُو چُکے تھے میں نے بھی پلٹ کر صدا لگائی ۔۔ جاگتے رِہنا بھائیوں جاگتے رِہنا اور جب میں اپنوں کے نزدیک سے گُزرا تُو میں نے دِیکھا کہ وہ سب پتھر کے بن چُکے تھے اور اِتنا تُو مجھے بھی معلوم تھا کہ پتھر آوازوں کا جواب نہیں دِیا کرتے سُو میں آگے بڑھتا گیا اور صدا لگاتا گیا۔۔ جاگتے رہنا بھائیوں جاگتے رہنا اور بُہت جلد میں جان گیا کہ واقعی صدا لگانے سے نیند میری نظروں سے دُور چلی گئی تھی اور مجھے اندھیرے میں بھی ہر چیز واضح اور چمکتی ہُوئی نظر آ رہی تھی۔

تذکرہ اِک پری کا قسط ۱۳

گُزشتہ سے پیوستہ

بابا وقاص نے عمران کو چند لمحے بغور دیکھا اور پھر گویا ہُوئے دیکھو بیٹا اگر تُم مجھ سے میری رائے معلوم کرنا چاہتے ہُو تو میں یہی کہوں گا کہ تُم کوثر سے نِکاح کر لُو اور جہاں تک بات ہے شریعت کے اِحکامات کی تو میں اِس معاملے میں کُچھ نہیں کہونگا اگر تُمہیں شرعی احکام جاننے ہیں تو کسی عالم سے رُجوع کرو۔ اور رہی بات کوثر کے والد سے مُلاقات کی تو تُم اُنکی بالکل فکر نہ کرو یہ میری ذمہ داری ہے لیکن اِس سے پہلے تُمہیں فیصلہ لینا ہُوگا کہ آیا تُم اس شادی کیلئے رضامند بھی ہُو یا کہ نہیں۔ اور ہاں مُلاقات کیلئے ہمیں شائد لاھور کے شاہی قلعے تک جاناپڑے بابا وقاص کی گفتگو جاری تھی کہ کہیں دور مسجد سے آذان کی صدا بُلند ہُوئی اور بابا وقاص خاموش ہُو گئے

اب مزید پڑھیے

بابا وقاص نے آذان ختم ہوتے ہی دُعا کے واسطے ہاتھ بلند کر دیئے دُعا سے فراغت کے بعد بابا وقاص عمران سے فرمانے لگے بیٹا پہلے نماز اَدا کر لیں

اُسکے بعد چاہو تو گھر چلے جانا یا چاہو تو اپنے بقیہ سوال کا جواب سُن لینا
عمران نے جواباً کہا۔ بابا میرے بچے تو اپنی امی کیساتھ اپنی نانی کے گھر گئے ہُوئے ہیں اِسلئے مجھے گھر جانے کی آج کوئی جلدی نہیں ہے میں نماز کے بعد آپ کے پاس مزید ٹھہرنا چاہوں گا اگر آپ کو پریشانی نہ ہو۔

بابا وقاص نے رضامندی کا اِشارہ دیتے ہُوئے نماز کی نیت باندھ لی ۔ عمران بھی نماز کی ادائیگی میں مشغول ہوگیا نماز کی ادائیگی کے بعد بابا وقاص وظائف میں مشغول ہُوگئے جبکہ عمران تپائی سے کتاب اُٹھا کرپَڑھنے میں مشغول ہوگیا لیکن جلد ہی عمران کو بوریت کا احساس ہُونے لگا کیونکہ یہ کتاب عملیات اور نقوش پر مشتمل تھی ۔ کتاب کافی پُرانی دِکھائی دِے رہی تھی کافی صفحات جلد کا ساتھ چُھوڑ چُکے تھے اور کئی پیراگراف صِرف چھپائی کا عکس پیش کررہے تھے ناجانے بابا وقاص اِس کتاب کو کیسے پڑھ پاتے ہُونگے یہی سُوچ کر عمران نے کتاب کو واپس تپائی پر رکھ دیا۔

تُھوڑی دیر میں بابا وقاص وظائف سے فارغ ہُوچُکنے کے بعد عمران کے قریب آکر بیٹھ گئے۔ بابا وقاص کی آمد کیساتھ ہی عمران بھی مُؤدب ہُو کر بیٹھ گیا

بابا وقاص تشریف فرما ہُو کر فرمانے لگے عمران بیٹا ویسے تُو تُمھاری یہاں آمد سے ہمیں بھی مسرت حاصل ہُوتی ہے لیکن ہم نے اپنے بڑوں سے سُنا ہے کہ بُہت زیادہ میل جُول مُحبت کا دُشمن ہُوتا ہے اسلیئے میری بات کا کوئی اور مقصد نہیں نکالنا مگر آجکل آپ بُہت زیادہ وقت ہمارے ساتھ گُزارنے لگے ہیں جسکی وجہ سے یقیناً آپ کی نجی زِندگی بھی مُتاثر ہُورہی ہُوگی اگرچہ ابھی اِس بات کا آپکو شائد اِدراک نہ ہُو لیکن اِس طرح میاں بیوی میں ایک خلیج پیدا ہُوتی چلی جاتی ہے آپ کی بیگم اور آپ کے بچّوں کا بھی آپ پر بُہت حق ہے اور ہمارا مُشاہدہ ہے کہ کوئی بھی عورت اِس بات کو برداشت نہیں کرپائے گی کہ اُسکا خاوند کام کاج سے فارغ ہُونے کے بعد گھر کے بجائے کہیں اور وقت بِتائے۔ حالانکہ وہی عورت رِزق کی تلاش میں اپنے خاوند کا خُود سے دور رِہنا ہفتوں کیا مہینوں بھی برداشت کرلیتی ہے۔

بابا میں کوشش کروں گا کہ آپکی ہِدایت پر ممکن حد تک عمل پیرا ہُوسکوں اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ جب سے آپکی صحبت مُجھے میسر آئی ہے میرا دِل یہی چاہتا ہے کہ تمام دِن آپ کی ہی خِدمت میں حاضر رہوں۔ عمران نے اپنی دِلی کیفیت کا اِظہار کرتے ہُوئے کہا۔

جیتے رَہو عمران میاں۔۔ ہم تُمھارے جذبات کی قدر کرتے ہیں لیکن اِتنا ضرور

جانتے ہیں کہ بزرگوں کی باتوں میں بڑی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے اور یہ بات اگر سمجھنی ہو تو کسی مقدس مقام پر اِسکا مشاہدہ کرلینا کہ جتنا ادب دوسرے شہر یا مُلک سے آنے والے زائرین وہاں اُس مقدس احاطہ کا کرتے ملیں گے اُس ادب و احترام کا مقامی لوگوں سے موازنہ کر دیکھنا فرق اسقدر نظر آئے گا کہ میری بات دِن کی روشنی کی طرح صاف نظر آنے لگے گی بابا وقاص نے عمران کو سمجھاتے ہُوئے کہا۔

اچھا بابا میں کوشش کروں گا کہ میری فیملی کو میرے رَویوں سے تکلیف نہ پُہنچے۔ اب آپ میرے باقی سوال کا جواب اگر عنایت فرمادِیں تُو مجھ پر بڑا کرم ہُوگا ورنہ رات بھر سُو نہیں پاؤں گا عمران نے سعادت مندی سے بات کا رُخ موڑنے کی کوشش کرتے ہُوئے کہا۔

بیٹا جِن بُزرگ کا تذکرہ تُم سے کوثر نے کیا ہے وہ اب اِس فانی دُنیا میں نہیں ہیں یہ بُزرگ اکثر کراچی کے ایک مشہور قبرستان میں پائے جاتے تھے اور اِنکا اصل نام تُو اب مجھے بھی یاد نہیں رہا لیکن میری اِن سے دو ایک مُلاقات ضرور رہی ہیں اور وہ بھی انکے وصال ظاہری کے آخری سال میں ممکن ہُوئیں تھیں چُونکہ آپ ہمیشہ قبر میں رِہنا پسند کرتے تھے اور چہرے پر جلال اسقدر رِہتا تھا کہ کسی عام اِنسان کو اُن سے گفتگو کی مجال بھی نہ ہوتی

تھی لیکن وصال ظاہری سے تقریباً دو برس قبل وہ اچانک ایک دِن واپس گھر لُوٹ آئے اور لوگوں سے مُلاقات بھی فرمانے لگے میں نے اپنی زِندگی میں ایسا سیف زُبان بُزرگ نہیں دیکھا۔

بابا وقاص سانس بحال کرنے کو رُکے تُو عمران سے نہ رہا گیا اور فوراً بُول پڑا بابا یہ سیف زُبان،، کیا ہُوتا ہے؟،،

بیٹا سیف زُبان کا لغوی معنی تو یہی ہوتا ہے کہ تلوار جیسی زُبان لیکن اِسے کسی کے لئے تب بھی استعمال کیا جاتا ہے جب کوئی شخص زُبان سے کوئی انہونی بات بھی کہدے تُو وہ بات فوراً قبول ہُوجائے اور اِن بُزرگ کا یہ لقب پڑنے کی ایک وجہ جو میرے علم میں آئی وہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ نوجوانی میں آپ کا ایک بچہ آپ کی زُبان سے نِکلے ایک جُملے کے سبب فوراً مرگیا تھا۔

بابا اُن بُزرگ کے دہن سے آخر ایسی کیا بات نِکل گئی تھی کہ اُنہی کا اپنا صاحبزادہ اسکا شکار ہُوگیا؟

بیٹا زیادہ تفصیل تُو مجھے بھی معلوم نہیں ہے مگر اتنا جانتا ہُوں کہ ایک مرتبہ جب حالت سلوک میں تھے اپنے گھر کی بیٹھک میں چند لوگوں کیساتھ بیٹھے

گُفتگو فرمارہے تھے اور اُنکا بچہ گھر میں کھیل رہا تھا اُنہوں نے بچے کو مہمانوں کی خاطر مدارت کیلیئے آواز لگائی لیکن بچہ کھیل میں ایسا مگن تھا کہ پلٹ کر جواب ہی نہیں دِیا دو یا تین مرتبہ آواز لگانے پر بھی جب بَچہ نہیں آیا تُو آپ پر جلال کی کیفیت طاری ہُو گئی اور اُسی کیفیت میں آپ نے فرمادِیا کہ،، مر تو نہیں گیا،، بس آپکا اِتنا کہنا تھا کہ بچہ پھڑک کر زمین پر ایسا گرا کہ دوبارہ اُٹھنے کا نام نہیں لیا اس بِچے کے انتقال کے بعد آپ پر اکثر ایسی جلالی کیفیت طاری ہُوجاتی اور اُس حالت میں جو کُچھ آپکی زُبانِ مُبارک سے نِکل جاتا وہ فوراََ ہی ظاہر ہوجاتا تھا جس کی وجہ سے لوگ بھی آپ سے ملنے سے کترایا کرتے کہ مُبادا کسی کو بددُعا نہ دے ڈالیں پھر آہستہ آہستہ آپ لوگوں کی بھیڑ سے ایسے متنفر ہوئے کہ خلوت اختیار فرمالی اور جب لوگ آپکو اُس حالت میں بھی تنگ کرنے سے باز نہ آئے تُو آپ نے اپنا ٹھکانہ ایک قبرستان میں بنالیا پھر ایک دِن نجانے اُنکے دِل میں کیا سمائی کہ ایک قبر تیار کرکے اُس میں رہنے لگے اور بلاآخر وصالِ ظاہری سے دو قبل برس ہی اُنکی یہ کیفیت ختم ہوئی۔

ایک مرتبہ ایک عجیب واقعہ میری موجودگی میں بھی پیش آیا تھا جسکا میں چشم دید گواہ ہُوں میں نے ایک شخص کو آپکی خِدمت میں دیکھا جو سب سے پیچھے گھٹنوؤں میں سر دیئے بیٹھا تھا مغرب کے بعد سب لوگ چلے گئے میں بھی اِجازت

لینا چاہتا تھا کہ وہ بُزرگ اپنی نشست سے اُٹھے اور اُس شخص کے پاس جا کر بیٹھ گئے اُس شخص کو جیسے ہی آپکی موجودگی کا اِحساس ہُوا اُس نے اپنا چہرہ گھٹنوں سے نکالا اور مؤدب ہو کر بیٹھ گیا اُس شخص کی آنکھوں کی سُرخی سے معلوم ہُو رہا تھا کہ وہ کافی دیر سے رُو رہا تھا۔

پہلے حضرت کے چہرہ پر جلال آیا لیکن دوسرے ہی لمحے آپکا چہرہ سراپاً شفقت کا مظہر نظر آنے لگے اور اُس شخص سے فرمانے لگے احمق اِنسان اپنے خُون پسینے کی کمائی جب لُٹا رہا تھا تب خیال نہیں آیا، اور جب اپنے بچوں کی خُوشیوں کو آگ لگا چُکا تبھی ہماری یاد آئی ہے تُجھے وہ شخص دہاڑیں مار مار کر رونے لگا اور رُوتے ہُوئے کہنے لگا حضرت میں نے کئی بار سوچا تھا کہ اِس گورکھ دھندے سے نِکل جاؤں مگر ساری پونجی لُٹانے کے بعد بھی ایک آس تھی کہ شائد آخری پرچی میرے نصیبوں پر پڑی گرد ہٹا دے سُو یوں کھیلتا گیا اور اب جب کہ کوئی مجھے اُدھار دینے کیلئے بھی تیار نہیں میری بچی کے سسرال والے شادی کا فوری تقاضہ کرہے ہیں۔

اور اب اُنہوں نے کہلا بھیجا ہے کہ اگر پندرہ دِن میں بچی نہیں بیاھی تو وہ کہیں اور رشتہ کرلیں گے میری حرکتوں کی وجہ سے میری بیوی ٹی بی کی مریضہ بن کر رِہ گئی ہے اور میری بچی کی حسرت زدہ نگاہیں روز مجھ سے ایک ہی سوال

کرتی ہیں کہ بابا کیا میرے نصیب میں سہاگن بننا نہیں لکھا ہے۔ حضرت اب آپ ہی کُچھ کریں ورنہ میری بچی کی زندگی برباد ہُو جائے گی۔

اچھا اب بس بھی کر زیادہ ٹسوئے نہ بہا میرے پاس کیا لینے آیا ہے میں تو خُود تہی دامن ہُوں میرے پلے کیا ہے جو تیری مدد کرونگا؟ جا اُسی کی بارگاہ میں سر ڈال دے جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور بڑا بے نیاز ہے حضرت صاحب اُسے منزل کا پتہ دے رہے تھے مگر وہ نا سمجھ اپنا ہی راگ الاپ رہا تھا کہنے لگا کئی روز سے رات دِن التجائیں کر رہا ہُوں مگر کوئی سُنوائی نہیں ہُو رہی تب آپ سے سِفارش کرانے آیا ہُوں کہ دوست دوست کی بات کو نہیں ٹالتا۔

کمبخت سٹہ بازی کرتے ہُوئے کیا اُسکی اجازت لی تھی تُو نے؟ جُواب خُدا پر الزام رکھ رَہا ہے کہ نہیں سُنتا۔ حالانکہ وہ تُو سب کی سُنتا ہے چاہے کوئی کتنا ہی نافرمان کیوں نہ ہُو مگر مانگنے کا ڈھنگ بھی تو ہونا چاہیئے بھکاری کی طرح مانگنا چاہیئے تختی سے۔ نا کہ قرضدار کی طرح حق جتا کر مانگا جائے بابا نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

وہ کہنے لگا حُضور آپ سچ کہتے ہیں مجھے مانگنا ہی نہیں آتا شائد۔ تبھی تُو آپکی خِدمت میں حاضر ہوا ہُوں اُسکا لہجہ بُہت مُلتجیانہ تھا۔

اچھا ایسا کرو میں تُمھیں ایک کاغذ دیتا ہُوں اُسے فُلاں سیٹھ کے پاس لیجاؤ تمام شہر میں سٹہ کی وبا اُسی کی پھیلائی ہُوئی ہے وہی تُمھارے سمیت ہزاروں لوگوں کا مُجرم ہے لہٰذا تُمھارے نقصان کی تلافی بھی اُسی کا حق بنتا ہے اُسے ہمارا خط دِکھانا اور کہنا کہ اب بچی کی شادی کا تمام خرچ وہی اُٹھائے ورنہ ہمارے شہر سے دفع ہُوجائے اُسکے بعد حضرت صاحب نے مجھے حُکم دیا کہ میں بھی اُس پریشان حال شخص کیساتھ روانہ ہُوجاؤں اور عمران میاں جب ہم اُس سیٹھ کے پاس پُہنچے اور اپنا مُدعا بیان کیا تو وہ سیٹھ ہم پر ہنسنے لگا لیکن جونہی ہم نے اُسکے ہاتھ میں پرچی تھمائی تو وہ سیٹھ خط پڑھتے ہی تھر تھرانے لگا جو شخص ابھی کُچھ لمحوں قبل ہمارا مذاق اُڑا رہا تھا اب ہمارے ساتھ ایسے پیش آنے لگا جیسے ہم نے اُسے حضرت صاحب کا خط نہ تھمایا ہو بلکہ اُسکی موت کا پروانہ اُسکے ہاتھ میں دیدیا ہُو۔ اُس نے وہ خط نہایت احترام سے چُوما اور اُسے اپنی آنکھوں سے لگا کر جیب میں رکھنا چاہا لیکن اُسکے ہاتھوں سے وہ پرچی نیچے گِر گئی میں نے احتراماً اُس پرچی کو زمین سے اُٹھایا تو میں حیرت زدہ رِہ گیا کیونکہ وہ ایک سادہ کاغذ تھا جسکے دونوں جانب کُچھ بھی نہیں لکھا ہُوا تھا۔

تُو کیا اُس نے واقعی شادی کا خرچہ اُٹھایا تھا بابا عمران نے تجسس سے

پُوچھا۔

ہاں بیٹا تمام شادی کا خَرچہ اُسی سیٹھ نے برداشت کیا تھا اور ایک مرتبہ ہَم نے بھی اُس سیٹھ سے ایک غریب شخص کا علاج مفت میں کروایا تھا اور اُس نے صرف حضرت صاحب کے نام لیتے ہی ایک خطیر رَقم علاج کیلیئے مُہیا کردی تھی حالانکہ وہ بھی بابا کے وِصال سے بے خبر نہیں تھا لیکن یہ قِصہ پھر کبھی سُن لینا اب رات کافی ہُو گئی ہے اس لئے اب جاؤ اور جا کر آرام کرو اور جلد از جلد کِسی فیصلے پر پُہنچنے کی کوشش کرو بابا وقاص گویا رُخصت کا اشارہ دِے رہے تھے۔

بابا ایک بات اور بتادیں اُس خالی کاغذ کے مُتعلق کبھی آپ نے حضرت صاحب سے دریافت نہیں کیا؟ عمران نے رخصت لینے سے قبل معلوم کیا۔

معلوم کیا تھا لیکن حضرت صاحب نے بس اِتنا ہی فرمایا تھا کہ جس کیلیئے تحریر تھی اُس نے پڑھ بھی لی اور سمجھ بھی گیا ہر ایک کیلیئے وہ تحریر نہیں تھی اور نہ ہی ہر ایک وہ تحریر سمجھنے کی اہلیت رکھتا تھا لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ اُس سیٹھ نے خُود اس راز سے پردہ اُٹھا دیا۔ اُس نے بتایا تھا کہ حضرت صاحب نے اُس میں ایک بات یہ بھی لکھی تھی کہ چُونکہ تُمھاری وجہ سے ہی

یہ شخص مفلس اور قلاش ہُوا ہے لہٰذا یا تو ہر جانے میں اس کی مدد کرو ورنہ ہم ہر قرعہ سے قبل ہی نتائج کا اعلان کردیں گے جس کے نتیجے میں تُمھاری حالت بھی اِس مفلس شخص سے مُختلف نہ ہُوگی۔

اچھا بیٹا اب تُم جاؤ کیونکہ کوئی اور بھی مُلاقات چاہتا ہے لیکن اسکے لئے تنہائی کا متمنی ہے۔

عمران بابا وقاص کی بات کو سمجھ چکا تھا لہٰذا الوداعی مصافحہ کے بعد وہاں سے رُخصت ہوگیا۔

(جاری ہے)

تذکرہ اِک پری کے اِختتام پر انشاءَ اللہ آپکی خِدمت میں ایک نہایت دلچسپ سلسلہ (احمد بشیر اور افلاطون) کے عنوان سے پیش کرنے کی سعی حاصل کرونگا۔ جس میں آپکی مُلاقات معاشرے کے ایک ایسے ناآسودہ شخص احمد بشیر سے کراونگا جو اپنی خُواہشات کی تکمیل کیلئے عملیات کے سحر میں گرفتار تھا اور بلاآخر اُسکی ملاقات ایک جن زادے افلاطون) سے ہوجاتی جِسے شہرت کی طلب نے دیوانہ بنا رکھا تھا۔ اور جب یہ دونوں) ایک موقع پر حادثاتی طور پر مِل جاتے ہیں تو

کیا گُل کِھلاتے ہیں یہ تو کہانی پڑھ کر ہی آپکو معلوم ہُوگا لیکن اتنی اُمید ضرور ہیکہ آپ
اس طلسمی کہانی کے سحر میں کھو کر رہ جائیں گے۔

جُملہ حُقوق محفوظ نہیں ہیں

محترم قارئین کرام آپ نے اکثر یہ جُملہ کتابوں پر لکھا ضرور دِیکھا ہُوگا کہ اس کتاب کے جُملہ حُقوق محفوظ ہیں لہٰذا اس کے کسی بھی حصے کی نقل نا قابل مُعافی جُرم ہے لیکن اس انتباہ کے باوجود بھی لوگ بڑے دھڑلے سے نقل بھی کرتے ہیں اور صِرف نقل ہی نہیں کرتے بلکہ بڑی بے باکی کیساتھ اُس تحریر کو بڑی بے شرمی سے اپنی تحریر کہتے بھی نہیں شرماتے۔

انٹرنیٹ کی دُنیا میں بھی کاپی پیسٹ کا عذاب اکثر کالم نویسوں پر آسمانی بجلی کی طرح اثر انداز ہوتا ہے اور بقولِ شاعر ایسی تحریریں پڑھتے ہُوئے ایک شعر اکثر ہماری زُبان پر جاری ہُوجاتا ہے کہ،، میں خیال ہُوں کِسی اور کا مجھے چھاپتا کوئی اور ہے۔

مجھے بھی کئی مرتبہ دوستوں کے ذریعہ ایسی اطلاع موصول ہوتی رہیں جس میں نہ صِرف میری تحریروں کو من وعن کوئی صاحب اپنے نام سے پیش کرتے رہے ہیں بلکہ اِس سے بھی ایک قدم آگے میری وہ سیریل جو ابھی اِختتام پذیر بھی نہیں ہُوئیں صاحبان نے اپنے نام سے وہ سلسلے آگے پیش کرنا شروع کر دیئے بِنا یہ

سُوچے کہ اگر دوران سیریل ہی عشرت اقبال وارثی صاحب کا بُلاوا (اِنتقال) آگیا تُو وہ کس طرح اِن سلسلوں کو آگے چلا پائیں گے۔

لیکن آپ کو یہ جان کر شائد حیرت ہُو کہ باوجود علم رکھنے کہ بھی ہَم نے کبھی کِسی فورم یا سائٹ پر رَنگ میں بھنگ نہیں ڈالا اور وجہ صِرف اتنی ہے کہ میں سمجھتا ہُوں کہ علم پر سب کا حق ہے اور چُونکہ میرے ہر کالم میں کوئی نہ کوئی قارئین کیلئے میسج ضرور ہُوتا ہے اگرچہ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میرا میسج شائد سب کی سمجھ میں نہیں آتا لیکن مجھے یہ بھی خَبر ہے کہ میرے مضامین پر لوگ آپس میں بحث بھی کرتے ہیں اور نتائج بھی اَخذ کرتے ہیں سُو جب تک ایسے قارئین موجود ہیں میں لکھتا رَہوں گا اور کاپی پیسٹ والوں کا کام بھی چلتا رہے گا کیونکہ میری کسی تحریر کے،، جُملہ حُقوق محفوظ نہیں ہیں،، اسلئے سب کو دعوتِ عام ہے جو چاہے یہاں سے میرے کالموں یا سیریلز کو اپنے نام سے پیش کرے میں کبھی تعرض نہیں کروں گا۔

لیکن اِتنا ضرور یاد رکھیئے کہ اس طرح آپکی صلاحیتوں کو زَنگ لگتا جائے گا اگر آپ کوشش کریں تُو بُہت اَچھوتے خَیال اور نادِر روزگار مَضامین آپ خُود بھی لکھ سکتے ہیں کیونکہ عشرت اقبال وارثی بھی دو سال قبل تک رائیٹر نہیں تھا کہانی اور مضامین تو رہے ایک طرف ایک خط لکھنا بھی جسکے لئے مشکل تھا

وہ سینکڑوں لوگوں کی نظر میں اُنکا محبوب رائٹر بن گیا میں چاہتا تو میں بھی لوگوں کی تحریروں کو اپنے نام سے پیش کرسکتا تھا لیکن اسطرح میرے مضامین کی تعداد میں ضرور اِضافہ ہوجاتا لیکن یہ عزت یہ مان کبھی حاصل نہیں کرپاتا جو آج مُجھے حاصل ہے۔

میری جانب سے حالانکہ آپکو استثنا حاصِل ہے لیکن خُدارا اپنی صلاحیتوں کو پہچاننے اور کاپی پیسٹ کی کاہلی اور سُستی کی دُنیا سے نِکل کر اپنی پہچان بنایئے تاکہ لوگ آپکو چُور نہیں بلکہ ایک رائیٹر کے طور پر پہچان سکیں ویسے بھی دُنیا مکافاتِ عمل کا نام ہے اگر آپ نے آج کسی کے حَق پر ڈاکہ ڈالا تو جان لیجئے اسطرح آپ نے کسی اور کو اپنے گھر کا رستہ بھی دِکھا دِیا ہے اگر کوئی تحریر پسند آجائے تو اُسے ضرور آگے بڑھائیں لیکن کم از کم اجازت لیکر یا کم از کم جسکی محنت ہے اُسکا چھوٹا سا نام تحریر کے آخر میں ڈال دیجئے۔

یہ تحریر لکھتے ہُوئے خُدا گواہ ہے کسی کی دِل شکنی مقصود نہیں پھر بھی کسی بھائی یا بہن کو میرے جُملوں سے ٹھیس پُہنچی ہو تو مجھے مُعاف فرما دیجئے گا کیونکہ نیت اِصلاح کی تھی لفظوں کے ذریعہ دِل دُکھانے کی ہرگز نہیں میرے مضامین کے تُو ویسے بھی ،، جُملہ حُقوق محفوظ نہیں ہیں ،، لیکن دوسروں کا خیال ضرور رکھیئے ضروری نہیں کہ اُنکا برتاؤ بھی اَتنی کُشادہ

دَلی کیساتھ ہُو اور اُنکے مضامیں کے بھی جُملہ حِقوق محفوظ نہ ہُوں۔

ریمنڈ ڈیوس اور عافیہ صدیقی

محترم قارئین ہمیں کُچھ گمنام نمبروں سے ایسے میسج موصول ہُوئے جن میں التجا کی گئ ہے کہ اِس میسجز کو خُوب فارورڈ کریں، میسج میں حکومت پاکستان سے مُطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ ریمنڈ ڈیوس کے بدلے میں امریکی حُکومت سے عافیہ صِدیقی کی رِہائی کا سودا کرے یعنی رِیمنڈ ڈیوس کی رِہائی کے عوض عافیہ صِدیقی کو پاکستان واپس لایا جائے اِس میسج کو پڑھ کر ہمیں یُوں محسوس ہُوا جیسے کِسی نے بھرے بازار میں ہمارے چہرے پر تھپڑ مار دیا ہُو۔

اول تو اِس قِسم کا مُطالبہ ہی ہمیں اِنصاف کا خُون اور ہماری عدلیہ کی پیٹھ میں چُھرا گھونپنے کے مُترادف نظر آتا ہے دوئم اس قسم کے مطالبات بھی حِماقت کی تصویر نظر آتے ہیں کیونکہ عافیہ صِدیقی اور ریمنڈ ڈیوس کا کوئی تقابل ہی نہیں بنتا۔

ایک طرف عافیہ صِدیقی ہیں جن سے گرفتاری کے وقت نہ ہی جعلی پاسپورٹ برآمد ہُو تھا نہ ہی غیر قانونی اسلحہ اور گولیاں برآمد ہوئیں تھیں اور نہ ہی کسی نے اُنہیں سی آئی اے ایجنٹس کو اپنی آنکھوں سے قتل کرتے دِیکھا تھا جبکہ

ریمنڈ ڈیوس کو مُزنگ چونگی لاھور سے ناصِرف جعلی پاسپورٹ، غیر قانونی اسلحہ اور پچھتّر کے قریب گولیوں کیساتھ گرفتار کیاگیا ہے اور اِس قتل کے کئی عینی شاھدین بھی موجود ہیں۔

اور ریمنڈ ڈیوس کا یہ کہنا کہ فہیم اور فیضان اُسے لوٹنے کی نیت رکھتے تھےیُوں بھی بُوگس اور جھوٹ کا پُلندہ نظر آتا ہے کہ گرفتاری کے وقت ریمنڈ ڈیوس کے پاس سے موقع واردات پر ایسی کوئی قیمتی شئے سِرے سے برآمد ہی نہیں ہوسکی کہ جس کو لُوٹا جاسکے اور دوسری بات جو ہماری حیرانی کا باعث ہے وہ یہ کہ کیا امریکیوں کو یہ استثنا حاصِل ہے کہ وہ بِلا اِجازت واِطلاعِ انتظامیہ کے شہر میں دندناتے پھریں۔

ریمنڈ ڈیوس پہلا امریکی نہیں ہے جو بغیر اِطلاع لاھور شہر میں گھوم رَھا تھا بلکہ اِس سے پہلے بھی اسلام آباد اور لاھور میں ایسے واقعات پیش آچُکے ہیں جس میں امریکی شہری بِلا اِجازت واِطلاع مذکورہ شہروں میں قانون کی دھجیاں اُڑاتے نظر آئے ہیں اور پولیس انتظامیہ کی سرگرمی دِکھانے پر ایسے شہریوں کو فوراًسے پیشتر امریکی سفارتکاروں نے مُداخلت کرکے چھُڑوالیا اور پُولیس انتظامیہ مُنہ دیکھتے رِہ گئی۔

اِن خبروں کی اشاعت کے بعد کافی اخباروں میں یہ انکشاف ہُوا تھا کہ مذکورہ لوگوں کا تعلق بلیک واٹر نامی تنظیم سے تھا جوپسِ پردہ امریکی مفادات کیلئے کام کرتی ہے۔ ریمنڈ ڈیوس کے معاملے میں بھی جس طرح امریکی حکومت ایڑی چوٹی کازور لگارہی ہے اور پاکستانی حکومت پر دباؤ بنارہی ہے اور بشمول اصلی نام اور سفارت خانے میں اسکاعہدہ اور حیثیت چُھپانے کی کوشش کرتی نظر آرہی ہے اِس سے صاف نظر آرہاہے کہ ریمنڈ ڈیوس کا تعلق بھی امریکہ کی کسی خُفیہ تنظیم یا بلیک واٹر سے ہو سکتا ہے۔

اسکے ساتھ ساتھ جس حربی مہارت سے ریمنڈ ڈیوس نے فیضان اور فہیم کو قتل کیا ہے یہ سمجھانے کیلئے کافی ہے کہ ریمنڈ ڈیوس ناصِرف اسلحہ چلانے میں مہارت رکھتا ہے بلکہ وہ ایک خاص ٹریننگ سے گُزر کرکسی خاص مقصد کو حاصِل کرنے کیلئے پاکسان میں آیا ہے اور وہ خاص مقصد کیاہے یہ جاننا ہمارے لئے بُہت ضروری یُوں بھی ہے کہ عوام امریکہ کا اصل چہرہ دیکھ پائیں کہ وہ کسطرح دوست بن کر کئی عشروں سے ہماری پیٹھ میں چُھرا گھونپ رہاہے۔

دوسری طرف مجھے یُوں بھی محسوس ہورہاہے کہ ہماری حُکومت ریمنڈ ڈیوس پر بیان بازی کرکے ریمنڈ ڈیوس کی اچھی قیمت امریکہ سے وصول کرنے کے چکر میں ہے جہاں امریکہ نے ایک بہترین قیمت اپنے اِس ایجنٹ کیلئے دینے کی حامی

بھری تمام حکومت بشمول دُشمن نُما فرینڈلی اپوزیشن کے اپنی تمام کوششیں ریمنڈ ڈیوس کو بچانے میں صرف کرتی نظر آئیں گی اسلئے عوام کی اُمیدیں بجا طور پر حکومت سے نہیں بلکہ پاکستان کی عدلیہ پر مذکور ہیں۔

عافیہ صِدیقی یقیناً بے گُناہ ہیں اور وہ اپنے ناکردہ جُرموں کی سزا بِنا ثبوت کے امریکی عقوبت گاہوں میں پا چکی ہیں ایک خاتون پر جس طرح ظُلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے یہ امریکہ کا ہی خاصہ ہو سکتا ہے لیکن سلام ہے عافیہ صدیقی اور اُسکی فیملی کو جِس نے بڑی جُرأت اور پامردی سے اس تمام سلوک کو برداشت کیا لیکن اسکے ساتھ ساتھ بطورِ ملت اور قوم اِس درد کو اِس اذیت کو ہر ایک پاکستانی نے بھی محسوس کیا ہے۔

لِہٰذا ضروری ہے کہ امریکی نیشن بھی اس تکلیف کو محسوس کریں اور سمجھیں کہ جیسے عافیہ صِدیقی کے مُعاملے میں جو درد اور اذیت ہم نے سہی ہے۔ ہمارا مذہب اگرچہ ہمیں ایسی بربریت اور ظُلم کی اِجازت نہیں دیتا۔ جیسا ظُلم اور سفاکی،، ابو غریب جیل،، میں مُقید قیدیوں کے ساتھ روا رکھی گئی لیکن اِتنا تو ہو کہ کم از کم جس طرح عافیہ صِدیقی ایمل کانسی اور عامر چیمہ پر امریکی عدالتوں میں مقدمات قائم کئے گئے بالکل اُسی طرح ریمنڈ ڈیوس پر بھی مقدمات لاھور کی کورٹس میں چلائے جائیں اور ریمنڈ ڈیوس کیساتھ وی آئی پی

قیدیوں کے بجائے ایک عام قیدی جیسا سلوک روا رکھا جائے تاکہ آئندہ امریکیوں کو اِحساس ہوسکے کہ انسان چاہے امریکہ کا ہُو یا پاکستان کا ایک برابر ہیں اور قتل کی سزا بھی دونوں کی ایک جیسی ہُونی چاہیئے یقین جانئے کہ اگر حکومت اپنے ذاتی مفادات کے بجائے قومی مفادات میں ایکبار بھی ایسے مجرموں کے ساتھ واقعی آہنی ہاتھوں سے نِمٹ لے تو کبھی امریکی ایجنٹ ہمارے مُلک میں مُداخلت کا خیال تک بھی اپنے ناپاک دِل میں نہ لائیں اور رہی عافیہ صدیقی کی رِہائی کی بات تو انشاءَاللہ لاکھوں لوگوں کی دُعائیں رائیگاں نہیں جائیں گی حقیقت کو عارضی طور پر چُھپایا تو جاسکتا ہے ہمیشہ کیلئے دَبایا نہیں جاسکتا۔

تذکرہ اِک پری کا قسط 14

گزشتہ سے پیوستہ

بابا ایک بات اور بتا دیں اُس خالی کاغذ کے مُتعلق کبھی آپ نے حضرت صاحب سے دریافت نہیں کیا؟ عمران نے رخصت لینے سے قبل معلوم کیا۔

معلوم کیا تھا لیکن حضرت صاحب نے بس اِتنا ہی فرمایا تھا کہ جس کیلئے تحریر تھی اُس نے پڑھ بھی لی اور سمجھ بھی گیا ہر ایک کیلئے وہ تحریر نہیں تھی اور نہ ہی ہر ایک وہ تحریر سمجھنے کی اہلیت رکھتا تھا لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ اُس سیٹھ نے خُود اس راز سے پردہ اُٹھا دیا۔ اُس نے بتایا تھا کہ حضرت صاحب نے اُس میں ایک بات یہ بھی لکھی تھی کہ چُونکہ تُمھاری وجہ سے ہی یہ شخص مفلس اور قلاش ہُوا ہے لہٰذا یا تو ہرجانے میں اس کی مدد کرو ورنہ ہم ہر قرعہ سے قبل ہی نتائج کا اعلان کردیں گے جس کے نتیجے میں تُمھاری حالت بھی اِس مفلس شخص سے مُختلف نہ ہُوگی۔

اچھا بیٹا اب تُم جاؤ کیونکہ کوئی اور بھی مُلاقات چاہتا ہے لیکن اسکے لئے تنہائی کا متمنی ہے۔

عمران بابا وقاص کی بات کو سمجھ چکا تھا لہٰذا الوداعی مصافحہ کے بعد وہاں سے رُخصت ہوگیا۔

اب مزید پڑھیے

عمران بابا وقاص کے مکان سے کُچھ فاصلے پر ہی پُہنچا تھا کہ وقت دیکھنے کیلئے جونہی اپنی کلائی کو اوپر اُٹھایا تو خالی کلائی دیکھ کر عمران کو یاد آیا کہ وہ اپنی گھڑی دورانِ وضو وہیں رکھ کر بُھول آیا تھا ویسے تُو گھڑی صُبح بھی لی جاسکتی تھی لیکن کمرے کا وال کلاک بھی کافی دِن سے بند پڑا تھا اور فجر کی نماز اکثر عمران اپنی کلائی پر موجود گھڑی ہی کے توسط سے اَدا کررہا تھا چُنانچہ گھڑی لینے کیلئے واپس بابا وقاص کے آستانے کی جانب چَل پَڑا۔ آستانے کے دروازے پر پُہنچ کر عمران دستک دینا ہی چاہتا تھا کہ بابا وقاص کی دور سے ناراضگی بھری آواز سُنائی دِی اور اِسکے بعد کوئی نِسوانی آواز بھی سُنائی دی۔ فاصلہ کافی ہونے کی وجہ سے آوازیں اگرچہ کافی معدوم تھیں لیکن گفتگو کے اُتار چڑھاو سے معلوم ہورہا تھا کہ گفتگو خُوشگوار ماحُول میں بالکل نہیں ہُورہی تھی۔ عمران کافی دِیر سوچتا رَہا کہ دستک دی جائے یا واپس چل دِیا جائے پھر عقل نے سمجھایا کہ اِس وقت یہاں سے چلے جانا ہی عمران کے حق میں بہتر رہے گا۔ اور عمران نے عقل کی رائے کو

ترجیح دیتے ہُوئے واپسی کا فیصلہ کر لیا۔
تمام راستے ایک بھینی بھینی خُوشبو عمران کیساتھ محو سفر رہی عمران گھر پُہنچا تو آج امّاں کو برآمدے میں اپنا مُنتظر پایا عمران سلام کرکے جونہی آگے بڑھنے لگا اَماں کی آواز نے عمران کے بڑھتے قدموں کو رُوک دِیا بیٹا کہاں رِہتے ہُو سارا دِن؟ بیوی بچے گھر میں نہ ہُوں تو اسکا مطلب یہ نہیں ہُوتا کہ انسان اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے بھی بے خبر رَہے۔
نہیں اَماں ایسی کوئی بات نہیں ہے بَس ایک بُزرگ ہمارے شہر میں آئے ہُوئے ہیں بَس اُنہی کی صُحبت میں بیٹھنے کیلئے چلا جاتا ہوں۔ عمران نے اَماں کے پاس بیٹھتے ہُوئے کہا۔
بیٹا کبھی مُجھے بھی لے کر چلو نا اُنکے پاس۔ اور یہ خُوشبو کونسی لگائی ہے آج تُم نے؟ اَماں نے عمران کے بیٹھتے ہی سوال کر ڈالا۔
اَماں خُوشبو تو کوئی بھی نہیں لگائی شائد بابا صاحب کے سَر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کُچھ خُوشبو میرے بالوں پر لگ گئی ہُو۔ ویسے اَماں میں کوشش کروں گا کہ کسی دِن اُنہیں اپنے گھر لے کر آؤں لیکن اَبا تُو ناراض نہ ہونگے؟

عمران نے اپنے خدشے کا اِظہار کرتے ہُوئے کہا۔
نہیں بیٹا وہ کیوں ناراض ہُونگے۔ تُمھارے اَبا دُنیا دار ضرور ہیں لیکن بد اِخلاق اور بے اَدب بالکل نہیں ہیں۔ ویسے میں اُن سے اِجازت لے لُونگی۔ اَب تُم ہاتھ مُنہ دُھو لو میں تُمھارے لئے کھانا لگاتی ہُوں۔ عمران ہاتھ مُنہ دُھونے کے بعد جب دستر خُوان پر بیٹھا اور جُونہی پہلا لقمہ عمران نے چبایا تو کُچھ بھولی بِسری یادیں تازہ ہُو گئی۔ اَماں آج کھانا تُم نے پکایا ہے؟ عمران نے اَماں کی جانب دیکھتے ہُوئے کہا۔
کیوں تُمھیں ایسا کیوں لگا جب کہ تُم جانتے ہُو کہ باورچی خانہ تو گُزشتہ سولہ برسوں سے تُمھاری بھابیوں نے سنبھال رکھا ہے اَماں نے جواب دینے کے بجائے اُسے یاد دِہانی کراتے ہُوئے کہا۔
لیکن اَماں چاہے کُچھ بھی ہُوجائے میرا دِل نہیں مانتا کہ یہ کھانا میری کسی بھابی نے بنایا ہے وہ لاکھ مزیدار کھانا بناتی ہُوں لیکن اِتنا لذیز کھانا ہرگز نہیں بناسکتیں۔ پہلے ہی لقمے نے تُمھارے ہاتھ کے کھانوں کی یاد تازہ کَروادِی اَماں صحیح بتاؤ نا یہ کھانا کس نے بنایا ہے؟ عمران کے لہجے میں بچّوں کی طرح فریاد تھی۔

اَماں کے چہرے پر ایکدم خُوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اَمّاں نے عِمران کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہُوئے کہا آج خاص طور پر تُمہارے واسطے ہی کھانا تیار کیا تھا لیکن مُجھے ہر گز اُمید نہیں تھی کہ تُم سولہ برس بعد بھی میرے ہاتھ کی لذت کو یاد رکھوگے اور پہچان جاؤ گے کہ آج میں نے اپنے ہاتھ سے تُمہارے لئے کھانا تیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تُمہیں خُوش رکھے اور تُمہیں خُوب کامیابی عطا کرے۔

عِمران اپنے بستر پر لیٹا سُوچ رہا تھا کہ کتنی عجیب بات ہے کہ آج ہی میری پہلی مرتبہ کُوثر سے رُوبرو مُلاقات ممکن ہُوئی اور اَمّاں نے میرے لئے خاص طُور پر آج ہی کھانا تیار کیا جیسے اَماں نے مجھے انعام کے طُور پر اپنے ہاتھ سے بَنا کھانا کھلایا ہُو۔ عِمران کافی دیر تک سُونے کی کوشش کرتا رہا لیکن کامیابی حاصل نہ ہُو پائی وہ جب بھی اَپنی آنکھیں مُوندتا کُوثر کا حَسین چہرہ عِمران کی آنکھوں میں سَما جاتا۔ اور وہ تمام باتیں جو آج کُوثر سے ہُوئیں تھیں کِسی فِلم کی طرح عمران کے سامنے آجاتیں کافی وقت یہ آنکھ مچولی جارہی رہی پھر نہ نجانے کب عِمران کی آنکھ لگ گئی پھر عمران کی آنکھ تب کُھلی جب فجر کی آذان ہُورہی تھی۔

فجر کی نماز پڑھ کر اپنے گھر میں داخل ہوتے ہُوئے عمران کی نِگاہ دُودھ والے گَوالے پر پڑی جو اپنی آمد کا اِحساس کرانے کیلیۓ اپنا ہاتھ سلام کے انداز میں ہلا رہا تھا عمران جواب دیتے ہُوئے اپنے گھر میں داخل ہُوگیا کِچن سے دودھ کا برتن اُٹھا کر دروازے پر پُہنچا اور برتن گَوالے کی جانب بڑھا دِیا گَوالے نے دُودھ برتن میں ڈالتے ہُوئے کہا عمران صاحب بُہت دِن بعد مُلاقات ہوئی آپ سے کیسے مزاج ہیں آپ کے عمران نے جان چُھڑاتے ہُوئے کہا سب ٹھیک ہے بھائی ۔۔۔۔ گُوالے نے اچانک دوسرا سُوال کیا عمران صاحب آپ نے خُوشبو بُہت بڑھیا لگائی ہوئی ہے کونسی خُوشبو ہے یہ ؟
میں نے تُو کوئی خُوشبو نہیں لگائی میرے بھائی ۔تُو تُمھیں نام کیا بتاؤں ۔
صاحب کیوں مذاق کر رہے ہیں ؟ آپ کے آنے سے پہلے تُو کوئی خُوشبو نہیں تھی یہاں۔ جب سے آپ باہر آئے ہیں ایسا لگتا ہے جیسے آپکے گھر نہیں آیا ہوں بلکہ کسی پرفیوم کی دُکان پر آگیا ہُوں ۔ صاحب کیا کوئی بُہت مہنگی خُوشبو ہے ؟ وہ شائد عمران کی جان اتنی آسانی سے چُھوڑنے کیلیۓ تیار نہیں تھا۔
عمران نے ایک لمبی سانس لیکر خُوشبو کو محسوس کرنا چاہا لیکن اُسے کوئی

خُوشبو محسوس نہ ہوئی تب اُس نے گوالے سے کہا پہلی بات تُو یہ ہے میں نے کوئی خُوشبو لگائی ہی نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہاں ایسی کوئی خُوشبو ہے بھی نہیں ورنہ مُجھے بھی محسوس ہو جاتی۔

صاحب میں جھوٹ نہیں بُول رہا آپ سے۔ اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں تو گھر میں کِسی سے معلوم کرلیں وہ بھی آپ سے یہی کہے گا

اچھا ٹھیک ہے۔ ہو سکتا ہے کِسی اور نے یہ خوشبو میرے کپڑوں پر لگادی ہُو۔ ویسے بھی مجھے تُو سخت ُکام ہے۔ عِمران جان چُھڑاتے ہُوئے گھر میں داخل ہوگیا۔

عمران جونہی گھر میں داخل ہُوا تُو امّاں مُصلی لپیٹ کر رکھ رہی تھیں عمران کو دیکھتے ہی کہنے لگیں بیٹا کِس سے باتیں کر رہے تھے دروازے پر؟

امّاں کوئی نہیں دودھ والا تھا۔بڑا باتونی لگتا ہے خُوامخواہ میں مجھے عطر والا بنانے پر تُلا تھا عِمران نے دودھ کا برتن اَماں کو تھماتے ہوئے کہا۔

کیا مطلب کیا تُمھیں عطر والا کہہ رَہا تھا وہ ؟ اَماں نے دوسرا سوال کر

ڈالا۔
نہیں اَماں ایسی بات نہیں بس کُچھ اُوٹ پٹانگ سی باتیں کر رہا تھا کہ آپ سے ایسے خُوشبوئیں آ رہی ہیں جیسے عطر کی دُکان سے آتیں ہیں عمران نے ہنستے ہُوئے جواب دِیا۔
عمران کی بات سُن کر اَمّاں کے چہرے پر تفکرات در آئے۔
ویسے بیٹا وہ کُچھ غلط بھی نہیں کہہ رَہا تھا تُم سے مجھے بھی کُچھ ایسا ہی محسوس ہُو رہا ہے جیسے تُم نے پرفیوم کی شیشی خُود پر اُنڈیل رکھی ہُو۔ تُم آج اپنے پیر صاحب کے پاس چلے جانا کتنے دِن ہوئے میاں صاحب بتا رہے تھے کہ آجکل تُم نے وہاں جانا بالکل چُھوڑا ہُوا ہے۔
بیٹا یہ خُوشبوؤں کا آنا ایسے ہی نہیں ہُوتا۔ کہتے ہیں کہ ایسی بے وجہ خُوشبو کسی دوسری مخلوق کا بھی پتہ دیتی ہیں پھر اَماں نے عمران کا بازو پکڑ کر اُس پر دَم کرنا شروع کر دیا۔
عمران اَماں کے سامنے کھڑا یہاں وہاں دیکھ رَہا تھا کہ اُسے کُچھ بے چینی

محسوس ہونے لگی۔ اُسے یُوں محسوس ہُوا کہ جیسے کوئی چُھپ کر اُسے دیکھ رہا ہُو عمران کی
نِگاہ جیسے ہی اپنے کمرے کی جانب لپکی اُسے محسوس ہُوا کہ جیسے کوئی ایکدم کھڑکی کی
اُوٹ میں ہُوا ہو۔

(جاری ہے)

کل شام کچھ چڑیاں دیکھیں

کل شام گھر کی جانب جاتے ہُوئے میری نِگاہ اِک شجر پر پڑی شجر پہ چند چڑیوں کو چہچہاتے دیکھ کراِک خوشگوار حیرت سے میرے قدم خود بخود وَہاں رُک گئے چڑیوں نے جُو مُجھے اپنے قریب آتے دِیکھا تُو پرواز کیلئے پَر تُولنے لگیں میں نے پکار کر رُکنے کی التجا کی اور اُنہیں بتایا کہ میں صیاد نہیں بلکہ خُود اُنکے حُسنِ دام میں مقید ایک پنچھی ہُوں جو اُنکی دید کیلئے ایک مُدت سے تڑپ رہا ہے۔

اُنھوں نے آپس میں کُچھ صُلح مشورہ کیا اور اُسکے بعد اُن میں سے ایک پُختہ عُمر سمجھدار چڑیا آگے آئی اور یُوں گُویا ہُوئی اگرچہ اب ہمیں اِنسانوں کا ذرہ بھر بھی بھروسہ نہیں لیکن تُمھارے لہجے کی یاسیت اور تُمھاری التجا کو دیکھتے ہُوئے ہَم چند لمحوں کیلئے یہاں رُکنے کو تیار ہیں مگر ہماری دُو شرطیں ہیں اگر منظور ہُوں تُو ٹھیک ورنہ تُم اپنی راہ لُو اور ہمیں ہماری راہ جانے دو۔

میں نے گڑگڑاتے ہُوئے کہا مُجھے تُمھاری تمام شرائط منظور ہیں مگر خُدا کیلئے یہاں سے مت جاؤ مُجھے میری آنکھوں کی پیاس بُجھا لینے دُو میرے چند

سوالات ہیں جو ایک مُدت سے میرے دِل میں ہیں اور بجز تُمھارے جواب کے کوئی مُجھے مُطمئین نہیں کر پائے گا۔

وہ کہنے لگی تُو ہماری پہلی شَرط یہ ہے کہ تُم ہمارے قریب بالکل نہیں آؤ گے جبکہ ہَماری دوسری شَرط یہ ہے کہ تُم ہماری جانب نہیں دِیکھو گے بلکہ جُو بھی سَوال کروگے اپنی نِگاہُوں کو جُھکا کر کروگے۔

میں نے اپنی گردن کو اَثبات میں ہِلاتے ہُوئے کہا مُجھے تُمھاری دُونوں شَرائط منظور ہیں کیا اَب میں اپنے سوالات پیش کرسکتا ہُوں؟

اور اُنہوں نے جُونہی مُجھے سُوالات کرنے کی اِجازت دِی میں ایک فاصِلہ بناتے ہُوئے اُن سے دور چلا گیا اور دوسری شَرط کے اِحترام میں اَپنی نِگاہُوں کو جُھکا کر بیٹھ گیا اور اپنے سوالات یُوں پیش کرنے لگا۔

میرا پہلا سوال یہ ہے کہ ایک عرصہ ہُوا میں نے اپنے گھر کے آنگن میں تُمھیں اُترتے نہیں دیکھا اِس کی کیا وجہ ہے؟

میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ پہلے میری آنکھ تُمھاری چہچہاہٹ کے سبب کُھلتی

تھی مگر اب صبح کسی شجر پر تُمھاری چہچہاہٹ سُنائی نہیں دیتی ؟
اور میرا تیسرا اور آخری سُوال یہ ہے کہ اَب جبکہ تُم نے شہر میں آنا چُھوڑ دِیا ہے تُو تُمھارا گُزر بَسر کیسے ہُوتا ہے ؟
وہی چِڑیا کہ جس نے مُجھے سوالات کی اِجازت دِی تھی مُسکراتے ہُوئے کہنے لگی کیا واقعی بَس اِتنی سی بات ہے یا پِھر اِن باتوں کے بہانے ہَمارے شِکار کا منصوبہ بنا رہے ہُو؟
مُجھے اُنکی بے اِعتمادی سے اَب کوفت محسوس ہونے لگی تھی لیکن میرے لئے چُونکہ اِن سوالات کے جوابات نہایت اِہم تھے لِہٰذا بدستور نِگاہیں جُھکائے اُنہیں یہ یقین دِلانے میں مصروف رَہا کہ میں صِرف اُنکے جوابات کا طلبگار ہُوں اور مُجھے چِڑیوں کے شِکار سے نفرت ہے کہ چِڑیا سے قُدرتی فِطرت کا حُسن ہے نہ کے غِذا و رِزق کا ذریعہ میرے جَواب سے شائد اُس چِڑیا کی کُچھ تشفی ہو گئی تھی تبھی اُس چڑیا کی پُر اعتماد آواز میری سَماعت سے ٹکرائی۔
سُنو ہَم نہیں جانتے کہ تُم یہاں کِس اِرادے سے آئے ہُو لیکن ہَمارے پاس ایسا کوئی پیمانہ بھی تُو نہیں کہ جِس کے ذریعہ تُمھارے دِل کی بات کو جان

سکیں ویسے بھی قُدرت کے لکھے کو بھلا کُون ٹال سکتا ہے اگر آج ہمارے مُقدر میں اسیری لکھی جاچکی ہے تو بھلا ہم آزاد کیسے رہ سکتے ہیں۔

میں سب سے پہلے تُمھارے دوسرے سُوال کا جواب دینا چاہو نگی تُم نے کہا کہ اب تُمھاری آنکھ ہماری چہچہاہٹ سے نہیں کُھلتی تُو میں سمجھتی ہُوں کہ اس میں سراسر تُمھارا ہی قصور ہے ہم تُو آج بھی طُلوعِ فجر کیساتھ ہی اپنے مالک ورَب کی حمد وثنا کے ترانے گانے کیلئے اور اُسکا شُکر بجالانے کیلئے شجروں سے اَپنا رِشتہ جُوڑے ہُوئے ہیں لیکن ایک تُم اِنسان ہی ہُو کہ اُس وقت شُکر و عِبادت کے بجائے خُوابِ غفلت میں پڑے رِہتے ہو۔ ہَم اپنا کام کرکے چلے جاتے ہیں لیکن تُمھیں نہ ہی حَی عَلٰی الفلاحَ کی آواز بیدار کرپاتی ہے نہ ہی ہمارے چہچہانے کی آواز تُم سُن پاتے ہُو لِہٰذا اِس میں قصور ہَمارا نہیں صرف تُمھارا ہے۔۔

اور تُمھارے تیسرے سُوال کا جواب یہ ہے کہ شائد تُم تھوڑا سا اناج اور پانی رَکھ کر یہ سمجھنے لگے تھے کہ ہمارے دانہ وُ پانی کا وسیلہ صرف حضرتِ انسان ہیں اگر ایسا ہُوتا تو کیا تمام جنگل میں رہنے والے پرندے نابُود نہ ہُوجاتے ہمیں بھی رِزق وہی مُہیا کرتا ہے جو تُم سمیت تمام عالموں کو عطا فرماتا ہے تُم سمجھتے ہُو کہ تُمھیں رزق صرف تُمھاری کوششوں کے سبب مِلتا

ہے تو مجھے یہ تو بتاؤ کہ پتھر میں موجود کیڑے کو رزق کیسے مِلتا ہے اور جو مجبور اور معذور ہوں وہ اپنا حِصہ کیسے وصول کرپاتے ہیں اِس لئے تمہارا تیسرا سوال تمہاری حماقت کا شاخسانہ ہے ورنہ کوئی ایسا نہیں جو اپنے رازق کو پہچانتا نہ ہو۔
اور اب میں تمہارے پہلے سوال کا جواب دینا چاہونگی اگرچہ مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے ہم جنسوں کی محبت اور تعصب کی وجہ سے میری بات کو ہنسی میں اُڑادوگے لیکن تم نے مجھ سے ایک سوال کیا ہے مجھ پر ایک الزام لگایا ہے کہ میں اپنی کوتاہی سے نظامِ فطرت کو بدل رہی ہوں۔ حالانکہ اسکے ذمہ دار بھی تم خود ہی ہو۔
اچھا مجھے ایک بات بتاؤ کیا تم جب اپنی مسجدوں میں نماز ادا کرتے ہو تو کیا تمہارا دِل تمہاری زبان سے نکلنے والے کلموں کی تصدیق کرتا ہے یا تمہیں یہ اندیشہ گھیرے رہتا ہے کہ کوئی خود کش حملہ آور تمہاری صفوں میں داخل نہ ہوگیا ہو۔ یا بازاروں میں خریداری کرتی ہوئی خواتین اور بچوں کو کوئی یہ ضمانت دے سکتا ہے کہ وہ زندہ سلامت اپنے گھر پہنچ پائیں گے۔ کیا مذہبی جلسہ گاہوں میں ثواب کی نیت سے بیٹھے حاضرین کو کوئی یہ گارنٹی دے سکتا ہے کہ وہ خون میں نہیں نہائیں گے۔ کیا اسکول میں جانے

والے بچّوں کی ماؤں کو کوئی یہ یقین دِلا سکتا ہے کہ اُنکے بچّے چیتھڑوں کی شکل اِختیار نہیں کریں گے اور چلو یہی بتادو کہ جو اللہ کریم کے دوست ہیں جنکا قرب دِلوں کو سکون بخشتا ہے کیا اُنکے دربار کی حاضری ہی محفوظ ہے؟

میں نے پہلی مرتبہ اپنی نگاہوں کو اُٹھایا تو مجھے اُس چڑیا کے چہرے پر طنزیہ ہنسی اور نفرت کے سِوا کُچھ دِکھائی نہیں دِیا میں نے جونہی اپنی جُھکی نِگاہوں کو بُلند کیا وہ سب پرواز کیلئے پر تولنے لگیں میں صرف اِتنا ہی معلوم کرسکا۔ لیکن اِن سب باتوں سے میرے آنگن میں تُمہارے نہ آنے کا کیا تعلق ہے؟

وہ کہنے لگی جس انسان کے ہاتھوں سے انسان تک محفوظ نہ ہُوں وہ پرندوں کا اِحترام کیا خاک کرے گا جب ایک اِنسان کا قاتل تمام اِنسانیت کا قاتل ہُوتا ہے یہ معلوم ہوتے ہُوئے بھی ایک انسان دوسرے بیگُناہ اِنسان کا خون جائز سمجھنے لگے اور اُس سے اپنے ہاتھ رنگنے کو جنت کا ذریعہ سمجھنے لگے تُو ایسے اِنسانوں سے بھلا ہَم کیوں نہ گھبرائیں اسلئے جب سے اِنسانوں نے اِنسانوں کا خون بہانہ جائز سمجھ لیا ہم نے بھی انسانوں سے کنارہ کرنا سیکھ لیا ہے اب ہمیں تُمہارے آنگن ہی سے نہیں ہر ایک انسان کے آنگن میں اُترنے

سے ڈر لگتا ہے یہ کہتے ہُوئے چڑیوں کی وہ ڈار پُھر سے اُڑ گئی۔
اور میں سوچنے لگا اچھا ہوا کہ اُنھوں نے مُجھ سے جواب طلب نہیں کیا ورنہ میرے پاس تو اُنکے کِسی ایک سُوال کا بھی جواب نہیں تھا۔

کیا کبھی اسطرح بھی سُوچا

کیا آپ نے کبھی جہاز کا سفر کیا ہے؟ اگر نہیں کیا تُو کوئی بات نہیں ٹرین کا سفر تُو ضرور کیا ہوگا آپ نے۔۔۔

کیا آپ نے کبھی یہ غور کیا کہ سفر جہاز سے ہُویا کہ ٹرین سے۔ ہر سفر تکلیف دہ ضرور ہوتا ہے اس سفر میں کئی پابندیاں آپ کی ذات پر لاگو کردی جاتی ہیں جنہیں آپ باہمی رضامندی سے قبول بھی کرلیتے ہیں۔

مثال کے طور پر آپ کو ایک خاص نشست تک محدود کردِیا جاتا ہے۔ لیکن آپ بِلا چُوں چِراں کے مان جاتے ہیں

آپ کو اس سفر میں دورانِ سفر یہ آزادی نہیں ُہوتی کہ آپ اپنی مرضی سے دوران سفر چہل قدمی کرتے ہُوئے اندر باہر جاسکیں بلکہ جہاز کے سفر میں تُو آپ کو سیٹ بیلٹ سے باندھ دِیا جاتا ہے اور آپ اعتراض بھی نہیں کرتے۔

اِسی طرح ٹوائلٹ کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہ ہونے کے باوجود بھی آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوتی حالانکہ ٹرین کے مُقابلے میں ہوائی جہاز کا ٹُوائلٹ

اسقدر تنگ ہُوتا ہے کہ خبر ہی نہیں ہُوپاتی کہ کب شروع ہوا۔ اور کب خَتم بھی ہُوگیا۔
چاہے وہ ائرپورٹ ہُو۔ یا ریلوے اسٹیشن عموماً دھکم پیل کی وجہ سے آپ کو ایذا پُہنچتی ہے لیکن آپ خاموش رِہتے ہیں اور زیادہ واویلا نہیں مَچاتے۔

کبھی سَخت سردی اور کبھی چلچلاتی دُھوپ کا مُناسب انتظام نہ ہُونے کی وجہ سے برداشت کرنا پڑتا ہے لیکن کبھی کوئی مُسافر اسکی بھی شکایت نہیں کرتا اور نہ ہی آپ نے آج تک کوئی ایک ایسی مِثال سُنی ہوگی کہ موسم کی سختی سے بچنے کیلئے کسی مُسافر نے کسی ریلوے اسٹیشن پر کوئی سائبان تعمیر کیا ہُو یا کوئی کمرہ بنایا ہُو۔

آخر کیوں لوگ اس طرح کی عمارت کسی ریلوے اسٹیشن پر اپنی آسانی کیلئے تعمیر نہیں کرتے؟

جواب بُہت آسان ہے۔۔۔۔

کیونکہ سب جانتے ہیں کہ یہ تکلیفیں عارضی ہیں۔۔۔۔

کس مُسافر کو پڑی ہے کہ عارضی جگہ پر عمارتیں تعمیر کراتا پھرے۔۔ کیونکہ سبھی جانتے ہیں کہ ہمیں کونسا ہمیشہ اس پلیٹ فارم پر رہنا ہے۔

اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ انتظار گاہ ہے نا کہ آرام گاہ۔۔۔۔

اِسی واسطے تکلیف چاہے ٹرین کے سفر میں درپیش ہُو یا جہاز کے سفر میں ہر ایک ہنس کر اِن تکالیف کو برداشت کرلیتا ہے کہ وہ جانتا ہے یہ تکلیف عارضی ہے یہ ٹھکانہ بھی عارضی ہے اور آگے منزل ہے جس پر پُہنچ کر آرام ہی آرام ہے۔

ذرا ٹھہریئے۔۔ یہاں رُک جایئے۔ اور اتنا ضرور سوچیئے

کیا یہ دُنیا ریلوے اسٹیشن کی طرح نہیں؟

کیا یہ عارضی ٹھکانہ نہیں؟

کیا ہمیشہ ہمیں یہیں رِہنا ہے یا ہماری منزل کہیں اور ہے۔

کیا آپ نے کبھی پلٹ کر اپنی گُزشتہ زندگی کے سفر کے متعلق سُوچا کیا آپکو نہیں لگتا کہ جو زندگی آپ گُزار آئے ہیں۔ وہ چاہے بیس.برس ہو یا کہ ساٹھ.برس کی کیوں نہ ہُو۔کیا ایسا محسوس نہیں ہُوتا کہ جیسے ابھی دُنیا میں آئے چند ہی لمحے ہوئے تھے اور ہم زندگی کے کئی سنگ میل عبور کر آئے۔

کیا کل ہمارے بُزرگ بچے، نوجوان، اور جوان نہیں تھے۔۔۔

کیا آپکو ایسا محسوس نہیں ُہوتا کہ سال پلک جھپکتے ہُوئے گُزر رہے ہیں ابھی ایک عید جاتی نہیں کہ دوسری عید سر پہ آ کھڑی ہُوتی ہے

کیا ہماری منزل جنت میں اللہ کریم کا دیدار نہیں؟

کیا ہماری منزل جنت میں اپنے آقا علیہ السلام کا پڑوس پانا نہیں؟

تُو پھر ہمیں دُنیا کے مصائب پر صبر کیوں نہیں آتا۔۔ پھر کیوں ہم اِس عارضی گھر کی زیبائش کیلئے اپنی جان ہلکان کئے جارہے ہیں۔

اور آخر ہم کس کو دھوکا دے رہے ہیں؟ کہیں ہم خُود کو تو یہ دھوکا نہیں دے
رہے۔۔۔۔ سوچیئے گا ضرور۔
کہ کہیں یہ دُنیا کے ساڑھے تین گھنٹے کے سفر سے بھی تُو چھوٹا سفر نہیں جسے منزل سمجھ کر
ہم اسی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں اور اسکی زیبائش میں اتنے مگن ہیں کہ اب تو گاڑی
چھوٹ جانے کا خُوف بھی ہمارے دِل سے نِکل چُکا ہے۔

تذکرہ اک پری کی مُحبت کا قسط (15)۔

گزشتہ سے پیوستہ

عمران کی بات سُن کر اَماں کے چہرے پر تفکرات در آئے۔

ویسے بیٹا وہ کُچھ غلط بھی نہیں کہہ رہا تھا تم سے مجھے بھی کُچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے جیسے تُم نے پرفیوم کی شیشی خُود پر اُنڈیل رکھی ہو۔ تُم آج اپنے پیر صاحب کے پاس چلے جانا کتنے دِن ہوئے میاں صاحب بتا رہے تھے کہ آجکل تُم نے وہاں جانا بالکل چھوڑا ہُوا ہے۔

بیٹا یہ خُوشبوؤں کا آنا ایسے ہی نہیں ہُوتا۔ کہتے ہیں کہ ایسی بے وجہ خُوشبو کسی دوسری مخلوق کا بھی پتہ دیتی ہیں پھر اَماں نے عمران کا بازو پکڑ کر اُس پر دَم کرنا شروع کر دیا۔ عمران اَماں کے سامنے کھڑا یہاں وہاں دیکھ رہا تھا کہ اُسے کُچھ بے چینی محسوس ہونے لگی۔ اُسے یُوں محسوس ہُوا کہ جیسے کوئی چُھپ کر اُسے دیکھ رہا ہُو عمران کی نِگاہ جیسے ہی اپنے کمرے کی جانب لپکی اُسے محسوس ہُوا

کہ جیسے کوئی ایکدم کھڑکی کی اُوٹ میں ہُوا ہو۔

اب آگے پڑھیے

عِمران نے جونہی کِسی سائے کو کھڑکی کی اُوٹ میں ہُوتے دیکھا۔ اُس کی چھٹی حِس نے اُسے کسی انجانے خطرہ کا اِحساس دِلایا کہ اس وقت گھر کا کوئی فرد کمرے میں نہیں ہُوسکتا تھا۔ اور ویسے بھی تمام فیملی کے ممبر بِلااِجازت کسی دوسرے کے کمرے میں نہیں جاتے تھے اس لئے عمران فوراً اپنے کمرے کی جانب لپکا۔

عمران کی بدحواسی دیکھ کرامّی نے آواز لگائی کیاہُوا عمران خیریت تو ہے؟

جی امّی خیریت ہے مگر شائد میرے کمرے میں ٹی وی آن رہ گیا تھا اُسی کو آف کرنے جارہا ہوں عمران نے بات بناتے ہوئے اپنی رفتار مزید بڑھا دِی۔

عمران سیڑھیاں چڑھتے ہوئے جونہی اپنے کمرے کے سامنے پُہنچا تو کوریڈور میں کوئی نہیں تھا اور عمران کے کمرے کا دروازہ بھی بظاہر بند ہی نظر آرہا تھاعمران نے مُحتاط انداز سے ہینڈل کو گُھمایا اور دروازہ کھول دِیا لیکن یہ

کیا کمرے میں تُو کوئی بھی نہیں تھا عمران نے بیڈ کے نیچے جھانکنے کا فیصلہ ہی کیا تھا کہ اچانک ایک سفید رنگ کی بِلّی بیڈ کے نیچے سے برآمد ہوئی وہ بِلّی نہ ہی عمران کو دیکھ کر جھجکی اور نہ ہی اُس نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی بلکہ ایک ادا سے چلتے ہوئے دروازے کے قریب جا کر کھڑی ہُو گئی بِلّی کے تمام بال نہایت سفید اور ریشم کی طرح چمکدار تھے جبکہ اُس کی سبز آنکھیں اُسے مزید حَسین بنا رہی تھیں۔

عمران نے آگے بڑھ کر نیٹ ڈور بھی کھول دِیا۔بِلّی نہایت اطمینان سے دروازے سے باہر نِکل کر دروازے کے سامنے بیٹھ گئی۔عمران کو یہ بِلّی بُہت پُراسرار لگ رہی تھی کیونکہ نہ ہی وہ عمران کو دیکھ کر گھبرائی اور نہ ہی اُس نے بند کمرے میں کوئی بھاگ دوڑ مچائی اور سب سے عجیب بات یہ تھی عمران نے آج سے پہلے نہ ہی اُسے اپنے گھر میں دِیکھا تھا بلکہ وہ کبھی مُحلہ میں بھی نظر نہیں آئی تھی۔

وہ بِلّی ایک خاص انداز سے چلتی ہوئی ایکدم چھلانگ لگا کر دیوار کی مُنڈیر پر جا بیٹھی عِمران بھی بڑے انہماک سے اُسے دیکھے جا رہا تھا تبھی عِمران کو بِلّی کی گردن میں بندھی وہ گلابی ڈور نظر آئی جس میں ایک موتی جھلملا رہا تھا۔عِمران کو محسوس ہُوا جیسے یہ ڈوری اور اسمیں موجود جھلملاتے

مُوتی کو عمران پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے۔

عمران نے ذہن پر زور دیتے ہُوئے یہ یاد کرنے کی بُہت کوشش کی کہ آخر یہ ڈوری اور اسمیں موجود مُوتی کو عمران نے کب اور کہاں دیکھا ہے لیکن عمران کی یہ کوشش بے سود ہی رہی کافی کوشش کے بعد بھی عمران کو یاد نہیں آیا۔ تبھی بڑے بھائی کی آواز نے عمران کی سوچوں کے تسلسل کو توڑ ڈالا۔۔ کیا دیکھ رہے ہُو عمران دیوار پر ؟

بڑے بھائی کی آواز سُن کر عمران نے گردن گھما کر بڑے بھائی کو دیکھتے ہُوئے کہا۔۔ بھائی دیکھیں تُو کتنی خُوبصورت بِلّی ہمارے گھر آئی ہے۔

کہاں ہے وہ بِلّی جسے اتنے انہماک سے دیکھ رہے تھے ؟ ذرا ہم بھی تُو دیکھیں کس نے اپنے حُسن کے جال میں ہمارے بھائی کو گرفتار کیئے رکھا ہے۔۔بڑے بھائی نے شوخ لہجے میں کہا۔

عِمران نے دیوار کی جانب اِشارہ کیا۔۔۔ لیکن یہ کیا۔۔ وہ بِلّی اب وہاں نہیں تھی۔

عمران نے بُہتیرا یہاں وہاں نِگاہ دوڑائی لیکن وہ بِلّی کسی چھلاوے کی طرح غائب ہُوچکی تھی۔

اچھاچلو مان لیتے ہیں کہ آپ کسی بِلّی ہی کو دیکھ رہے ہونگے جِسے شائد ہماری آمد پسند نہیں آئی ہُوگی اور وہ واپس چلی گئی ہُوگی۔بڑے بھائی نے اپنے لہجے میں شرارت سموتے ہُوئے کہا۔

بھائی میں مذاق نہیں کررہا آپ سے۔ میرے کمرے میں واقعی ایک بِلّی گھس آئی تھی انتہائی سفید اور لچکدار بالوں والی ایک بِلّی جس کے گلے میں ایک خُوبصورت موتی بھی گُلابی ڈوری میں موجود تھا۔

ٹھیک ہے بھائی ہمیں کب انکار ہے لیکن ابھی چل کر میرے ساتھ ناشتہ کرلو کافی دِن سے ہم نے ایک ساتھ کُچھ کھایا پیا بھی نہیں ہے اسی بہانے تُم سے کچھ ضروری باتیں بھی ُہو جائیں گی۔

عمران آفس جاتے ہُوئے سُوچ رہا تھا کہ آج وہ آفس سے واپسی پر ضرور اپنے مُرشد کی بارگاہ میں حاضر ہوگا کیونکہ ایک تُو اَماں کی بھی تاکید تھی دوسرے وہ کوثر سے نِکاح کی اجازت بھی اپنے مُرشد سے حاصل کرنا چاہتا تھا۔

جونہی شام ہُوئی عمران اپنے مُرشد سے مُلاقات کیلئے آفس سے نِکل گیا جب

عمران اپنے مُرشد کے آستانے پُہنچا تو وہاں آستانے سے مُلحقہ مسجد میں عمران کے مُرشد نماز عصر کی اِمامت فرما رہے تھے عمران بھی جماعت میں شریک ہُوگیا نماز کے بعد جب سب لوگ مُرشد کریم سے مُصافحہ کی سعادت حاصل کر رہے تھے عمران نے بھی آگے بڑھ کر دست بُوسی کی سعادت حاصل کی عمران پر نِگاہ پڑتے ہی مُرشدِ کریم کے چہرے پر مُسکراہٹ آ گئی اُنھوں نے عمران کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہُوئے خُوب دُعائیں دی اور اپنے نزدیک بڑی مُحبت سے بِٹھالیا۔

کہاں ہیں عمران میاں آپ آجکل ؟ کافی دِن سے آستانے نہیں آئے ؟ کم از کم ہفتہ وار محفل میں تو شرکت کر لیا کریں یہ روحانی ترقی کیلئے بُہت اہم ہوتا ہے۔

جی سرکار آپ ہی کے قدموں میں ہُوں بس چند دِنوں سے کچھ کاروباری مصروفیت اسقدر زیادہ رہیں کہ حاضری کی سعادت حاصل نہیں کرپایا۔ عمران نے اپنے مُرشد کو سبب بتاتے ہُوئے عرض کیا۔

آج کیسے آنا ہُوگیا آپ کا اِس وقت ؟ کوئی خاص وجہ تو نہیں ہے اگر کوئی مسئلہ ہے تو ابھی بیان کردیں کیونکہ ہمیں مغرب کی نماز کے بعد کہیں جانا ہے۔ اور آپکی والدہ کی طبیعت کیسی ہے ؟ مُرشد کریم نے عمران کی جانب مُحبت سے دیکھتے ہُوئے اِرشاد فرمایا۔

سرکار امّی بالکل ٹھیک ہیں اور آپ کے لئے سلام کہا تھا میں بتانا بھول گیا تھا۔ اور آج امّی کی خاص تاکید کی وجہ ہی سے یہاں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی ہے عمران سُوچ رہا تھا کہ اپنے مُرشد سے اُس خاص خُوشبو کا ذِکر کروں یا نہیں جو عمران کے علاوہ ہر ایک کو عمران کے بدن سے آ رہی تھی۔

کِن خیالوں میں ڈوبے ہو عمران میاں کیا امّی نے کوئی پیغام بھیجا ہے ؟ مُرشدِ کریم نے عِمران کی جانب پیار بھری نظروں سے دِیکھتے ہوئے کہا۔

سرکار کوئی خاص بات نہیں ہے بس امّی کا خیال ہے کہ میرے بدن سے کوئی خاص قسم کی خُوشبو آ رہی ہے حالانکہ مُجھے اپنے وجود میں ایسی کوئی خاص تبدیلی محسوس نہیں ہو رہی عمران نے بلآخر دِل کی بات مُرشد کریم سے کہہ ڈالی۔

مُرشد کریم نے چند لمحوں کیلئے اپنی گردن کو جُھکالیا شائد وہ مراقبہ فرمارہے تھے پھر آنکھ کھولتے ہوئے اُنکے مُنہ سے نِکلا،، اَچھا تُو یہ بات ہے،، اُسکے بعد اُنکے چہرے سے مُسکراہٹ یکسر غائب ہُو گئی کُچھ لمحے خاموش رِہنے کے بعد مُرشدِ کریم فرمانے لگے اِس کے عِلاوہ بھی کُچھ معلوم کرنا چاہتے ہو؟

جی سرکار ایک بات اور معلوم کرنا چاہتا ہوں اگر اجازت ہو تو عرض کروں۔ عمران نے لہجے کو حتیٰ الامکان عاجزانہ بناتے ہوئے کہا۔

دیکھو عمران ہمیں معلوم ہے کہ تُم یہاں بُہت اہم مُعاملے کے سلسلے میں ہماری رائے معلوم کرنا چاہتے ہُو لہٰذا بہتر یہی ہوگا کہ یہاں وَہاں کی باتوں میں وقت برباد کرنے کے بجائے اصل موضوع پر بات کرو تاکہ وقت کے ضیاع سے بچا جائے اور ہم یہ وقت فضول گفتگو کے بجائے کام کی باتوں پر صَرف کرسکیں۔

جی سرکار میں اصل موضوع کی طرف آتا ہُوں میں دراصل آپ سے چند سوال کرنا چاہتاُ ہوں۔

سرکار کیا انسانوں کی شادیاں پریوں سے ممکن ہیں؟

اگر مجھے کوئی پری شادی کی پیشکش کرے جس سے مجھے قلبی مُحبت بھی ہُو تو آپکی رائے میں کیا مُجھے اُس سے نکاح کرلینا چاہیئے۔

اور شریعت مطہرہ اس معاملے میں کیا کہتی ہے؟
مُرشد کریم چند لمحے خاموش رہے تاکہ عمران کے ذہن میں اگر کوئی اور سوال بھی ہُو تو معلوم کرلے لیکن جب کافی دِیر تک ِعمران کی جانب سے کوئی اور سُوال نہیں آیا تُو مُرشد کریم نے عمران کو حُکم دِیا کہ سامنے سے بُخُور دان اُٹھا لائے۔
عمران نے بُخور دان جس میں دہکتے انگاروں پر لُوبان سلگ رہی تھی مُرشد کریم کی بارگاہ میں پیش کردِیا۔
مُرشد کریم نے ایک چِمٹی کی مدد سے ایک دِہکتا انگارہ بُخور دان سے نکالا پھر پھونک مار کر اُس پر پڑی راکھ کو ہٹایا تُو وہ انگارہ چمکنے لگا مُرشد کریم نے انگارہ ِعمران کی جانب بڑھاتے ہُوتے ِعمران کو حُکم دِیا کہ وہ اِس انگارے کو اپنے مُنہ میں رکھ لے۔
ِعمران نے جونہی مُرشد کریم کا یہ انوکھا مُطالبہ سُنا اُسکا مُنہ حیرت سے کُھل گیا۔

(جاری ہے)

احمد بشیر اور افلاطون۔ (تذکرہ اِک پری) کے اختتام کے فوراً بعد پیش کردی جائے گی۔

جشن میلاد النبی منانا بدعت ہے مگر کیسے ؟

بازار میں جشنِ آمد مُصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کی تیاری میں رنگ برنگی لیڈ لائٹس خریدتے ہُوئے ایک چہرے نے مُجھے اپنی جانب ایسا متوجہ کیا کہ ہزار کوشش کے باوجود بھی اُس چہرے سے نِگاہ ہٹانا بُہت مشکل اَمر نظر آرہا تھا میرے بار بار دیکھنے پر وہ صاحب بھی میری جانب متوجہ ہوگئے کُچھ دیر وہ صاحب میری جانب دِیکھتے رَہے اور پھر میرے قریب چلے آئے اور یُوں گُویا ہُوئے کیا آپ کا نام عشرت اقبال ہے ؟

اُس خُوبرو باریش نوجوان کے مُنہ سے اپنا نام سُن کر مجھے مزید حیرت ہوئی اور اب مُجھے اس بات کا قوی یقین ہو چلا کہ ضرور وہ خُوبرو نوجوان میرا شناسا ہے ورنہ میرا نام کیسے پُکارتا میں نے خندہ پیشانی سے مُسکراتے ہوتے جواب دِیا۔ جی ہاں میرا یہی نام ہے مگر آپ کون ہیں ؟

وہ نوجوان ایکدم مُسرت سے بانہیں پھیلائے میری جانب بڑھا اور مُجھ سے بغلگیر ہوتے ہوئے کہنے لگا عشرت بھائی 27 برس کے بعد یُوں اچانک سرِراہ آپ سے مُلاقات ہوجائیگی کبھی سُوچا بھی نہیں تھا۔

اُس خوبرو باریش نوجوان کے مُنہ سے 27 برس کا سُنتے ہی میرا ذہن ماضی کا سفر کرتے ہوئے اسکول کے زمانے میں جاپُہنچا کہ 27 برس قبل ہَم میٹرک کے امتحانات کی تیاری میں دِن رات مصروف رَہا کرتے تھے اور اُن دِنوں ہمارا ایک دوست بھی اکثر ہمارے ساتھ کبھی گھر اور کبھی پارک میں امتحان کی تیاری میں ساتھ ساتھ رَہا کرتا تھا اور اب ہمیں سمجھ آرہا تھا کہ کیوں ہماری نظریں اس نوجوان سے نہیں ہٹ پارہی تھیں

میرے مُنہ سے فوراََ نِکلا ریحان یہ تُم ہو ؟

ریحان نے اپنا نام سُن کر اپنی گرفت کو میری کمر پر مزید سخت کرتے ہوئے کہا،، ہاں میرے یار میں رِیحان ہی ہُوں۔

مگر ریحان میں نے تو سُنا تھا کہ تُم امریکہ چلے گئے تھے۔ اور تُمہارے چہرے پہ داڑھی دیکھ کر مجھے یقین ہی نہیں آرہا۔ وہ تُم ہی تھے نا جو اکثر اسکول لائف میں مولویوں پر پھبتی کسا کرتے تھے یہ انقلاب کیسے آیا اور تُم امریکہ سے کب واپس آئے ؟

یار سانس تو لینے دِے کیا سارے سوال یہیں بازار میں پُوچھ لے گا۔ گھر لیکر

نہیں چلے گا؟ ریحان نے مُسکراتے ہوئے کہا۔
کیوں نہیں میرے یار چلو ابھی گھر چلتے ہیں میں نے خریداری کا اِرادہ موقوف کرتے ہُوئے کہا۔
وہ کہنے لگا میں ضرور تُمہارے گھر آؤں گا لیکن ابھی نہیں چل سکتا کیونکہ اپنی فیملی کیساتھ ہُوں تُم اپنا کارڈ مُجھے دے دو۔ تاکہ میں آنے سے قبل تمہیں فون پر اِطلاع دے سکوں۔
میں نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اُسکے ہاتھ میں تھمایا اور الوداع ہونے سے قبل ایک مرتبہ ہم دونوں پھر بغلگیر ہُوگئے۔
اگلے دِن دوپہر میں مجھے ایک گُمنام نمبر سے کال رِیسیو ہوئی جسے میں نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر اٹینڈ نہیں کیا چند ایک مِس کالوں کے بعد اگلے چند منٹوں میں مجھے اُسی نمبر سے ایک میسج موصول ہوا جس میں ریحان فرام امریکہ لکھا دیکھ کر میں کال بیک کی تو دوسری جانب سے رِیحان کی آواز سُنائی دِی،، عشرت بھائی ابھی آپ کہاں ہیں میں نے بتایا کہ اس وقت میں اپنی فیکٹری میں موجود ہُوں اُنہوں نے پتہ معلوم کرنے کے بعد کہا کہ اس وقت میں

آپ کے نزدیکی علاقے میں ختم بُخاری کی محفل میں موجود ہُوں اگر اِجازت ہُو تو یہاں سے فارغ ہونے کے بعد آپکی فیکٹری چلا آؤں ؟

میں نے کہا اِس میں پُوچھنے والی کیا بات ہے۔ سر آنکھوں پہ میرے یار،، جب جی چاہے چلے آؤ۔

کُچھ لمحے اِنتظار کے بعد میں اپنے اسٹاف کیساتھ فیکٹری کو جشنِ آمد سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کیلئے سجانے میں مصروف ہُوگیا تبھی ایک کار فیکٹری کے گیٹ پر آکر رُکی جس میں سے رِیحان برآمد ہُوا۔ میں نے آگے بڑھ کر ریحان کا استقبال کیا اور اُسے لیکر اپنے آفس کی جانب بڑھنے لگا۔

ریحان کی آمد کیساتھ ہی میں اُسکی خاطر مدارت میں لگ گیا اور وہ مُجھے اپنے امریکہ کے قصے سُناتا رَہا اور وہ بھی اس بات پر بے حد خُوش تھا کہ 27 برس بعد ہی سہی لیکن کسی کلاس فیلو کے یُوں اچانک مِل جانے کی اُسے بالکل توقع نہیں تھی۔

اچانک وہ کہنے لگا عشرت بھائی میں نے آپکو ڈسٹرب کردیا۔آپ شائد کسی تقریب کی تیاری میں مصروف تھے۔

میں نے اُسے بتایا کہ یہ کوئی دُنیاوی تقریب کی تیاری تُو ہے نہیں جو آج شروع اور آج ہی خَتم ہو جائیگی بلکہ عیدِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کی تیاری ہے جو 12 ربیع الاول تک جاری رہے گی۔

رِیحان : اسکا مطلب ہے کہ تُم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کی پیدائش کے جشن کی تیاری کر رَہے تھے ؟

میں نے کہا۔ تُم بالکل ٹھیک سمجھے ہُو۔ میں اپنے آقا علیہ السلام کے یوم ولادت کی خُوشی میں اپنی فیکٹری پر چراغاں کر رہاہُوں۔

ریحان : عشرت بھائی آپ بھی ایسی باتیں کر رہے ہیں جبکہ میں تو آپکو کافی سمجھدار سمجھ رہا تھا۔ یہ تُو بِدعت ہے۔

بِدعت ہے مگر وہ کیسے ؟ ریحان کے جواب سے میں حیرت زدہ رِہ گیا۔

رِیحان : عشرت بھائی سیدھی سی بات ہے جو کام نہ ہمارے نبی صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہُو نہ ہی صحابہ کرام رِضوان اللہ اجمعین نے کیا ہو اُسے

بدعت نہیں تو کیا سُنت کہیں گے؟

رِیحان میرے بھائی میں نے تُم سے ایک سوال کیا تھا لیکن تُم نے مزید ایک سوال اور داغ دِیا۔ لیکن خیر میں تُمھاری بات سمجھ گیا ہُوں۔ تُمھارے کہنے کا مطلب ہے کہ جو کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یا صحابہ کرام رِضوان اللہ اجمعین کے زمانے میں نہ پایا جائے وہ بدعت ہے اور ایسے کام کو نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن میرے بھائی اس طرح کے تو ہزاروں کام ہیں جو آج تمام مسلمان کرتے ہیں۔ اور اُنہیں کوئی بدعت کا نام نہیں دِیتا جیسے کہ ہوائی سفر یا مسجد کی توسیع یا قرآن مجید میں اعراب کا اضافہ وغیرہ ۔وغیرہ۔

رِیحان : لیکن عشرت بھائی یہ بھی تو دیکھیں کہ کوئی بھی مسلمان اِنہیں دین کا حِصہ سمجھ کر نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی ہَوائی جہاز میں سفر کرتے ہُوئے ثواب کی نیت رکھتا ہے اور نہ ہی ٹرین یا کار میں سفر کرنے کو ثواب کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

ریحان بھائی لگتا ہے تُم کوئی ایسی کتاب پڑھ کر آرہے ہُو جس میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کی ممانعت لکھی ہے کیا تُم مجھے اپنی معلومات کا ماخذ بتانا پسند کرو گے تاکہ میں جان سکوں کہ تُم کس قبیل کے

لوگوں کی کتابیں آجکل پڑھ رہے ہُو؟

نہیں عشرت بھائی نہ ہی میں کسی خاص فرقہ کی کتابیں پڑھ رہا ہوں اور نہ ہی فرقہ واریت پر یقین رکھتا ہوں البتہ میری معلومات کا ذریعہ کُچھ وڈیو کلپس ہیں جنکے لنکس گاہے بگاہے میرا ایک دوست بقول اُسکے وہ ثواب کی نیت سے مجھے ای میل کے ذریعہ بھیجتا رِہتا ہے۔

اچھا اُن مولوی صاحب کا نام کیا ہے ؟ جو اُن وڈیوز میں بیان کرتے ہیں۔ میں نے اگلا سوال دہرایا۔

رِیحان : عشرت بھائی نام تُو مجھے یاد نہیں ہیں البتہ دونوں ہی زبردست عالمِ دین ہیں اُن میں سے ایک عالمِ دِین ہمیشہ سُرخ رنگ کا رومال سر پہ لئے ہُوتے ہیں اور اُنکی داڑھی کافی بڑی اور خوبصورت دِکھائی دیتی ہے وہ دیکھنے میں بالکل عربی عالم محسوس ہُوتے ہیں۔ جبکہ دوسرے عالم دین تقابل ادیان میں خاص مہارت رکھتے ہیں اور ہمیشہ جالی والی ٹوپی میں ہی نظر آتے ہیں اور اُنکے جلسہ میں ہزاروں لوگ موجود ہوتے ہیں اور ماشاءَ اللہ دونوں ہی علمائے کرام میڈیا کے ذریعہ زبردست تبلیغی خِدمات سرانجام دے رَہے ہیں۔

اچھا تو کیا کہتے ہیں یہ علمائے کرام اپنی وڈیوز میں ؟ میں نے اگلا سوال پیش کرتے ہوئے استفسار کیا۔

رِیحان : وہ کہتے ہیں کہ جس کام کی قرآن میں اصل موجود نہ ہو یا دُورِ نبوی صلی اللہ علی وآلہ وسلم میں موجود نہ ہو اور بعد میں ثواب کی نیت سے کیا جائے تو ایسا عمل بدعت اور ناجائز ہے۔

اچھا رِیحان بھائی اب میرے کُچھ سوالات ہیں جنہیں میں چاہونگا کہ تُم بغور سُنو اور ہر سوال کے اِختتام پر اسکا جواب مجھے خُوب سوچ سمجھ کر دو تاکہ ہم کسی نتیجے پر پُہنچ سکیں۔

سب سے پہلے آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ نے آج جو خَتمِ بُخاری کی مَحفل اٹینڈ کی ہے تو آپ وہاں کس اِرادے سے گئے تھے؟

عشرت بھائی سیدھی سی بات ہے میں اس جلسہ میں حُصول ثواب کی نیت سے گیا تھا اور اسکے ذریعہ سے مُجھے کافی علمی مسائل بھی سیکھنے کو ملے ہیں۔

ریحان بھائی ویسے تو میں بھی ایسی محافل کو حُصولِ خیر وبرکت کا ذریعہ

مانتاہُوں لیکن جو قواعد ابھی تُم نے بدعت ہونے کیلئے ثابت کئے ہیں اُکی روشنی میں تو آپکا یہ عمل بھی بدعت کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ صحابہ کرام نے کبھی ختم بُخاری کی مجلس اٹینڈ نہیں کی کیونکہ بُخاری تو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے زمانے میں تھی ہی نہیں۔

اچھا یہ بتاؤ کہ جب نبی اکرم صلی اللہُ علیہ وآلہ وبارک وسلم کے خاکے بنائے گئے تھے تو کیا امریکہ میں بھی مسلمانوں نے اس پر احتجاج کیا تھا۔ اور احتجاج کی نوعیت کیا تھی اور کیا تُم اس احتجاج میں شریک ہُوئے تھے اور کیوں ہُوئے تھے؟

رِیحان : جی ہاں عشرت بھائی پوری دُنیا کی طرح امریکہ میں بھی اُس گُستاخ کارٹونسٹ کے خلاف الحمدُللہ احتجاج ریکارڈ کرایا گیا تھا البتہ دُنیا کے دوسرے ممالک کی طرح ہمیں ہڑتال کرانے کی اجازت حاصل نہیں تھی اُس وقت مجھے خاص طور پر پاکستانی مسلمانوں پر رشک آتا تھا جنھوں نے نہ صرف بھرپور احتجاج ریکارڈ کرایا بلکہ کئی دِن احتجاجاً اپنے کاروبار کو بھی بند رکھا اور مُجھے اس بات کی بھی بے حد خوشی تھی کہ تمام مسلمانوں نے اِس میں بھرپور یکجہتی کا مُظاہرہ کیا تھا اور ہر مکتبِ فکر کے علماءَ اس میں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ چل رہے تھےَ اور سبھی مسلمان صرف حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی مُحبت اور حصول ثواب کیلیئے ایسا کر رہے تھے۔ لیکن آخر آپ یہ بات مُجھ سے کیوں پُوچھ رہے ہیں اسکا میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم سے کیا تعلق ہے؟

تعلق ہے میرے بھائی تبھی تو پوچھ رہا ہُوں جیسا کہ ابھی تُم نے مجھے بتایا کہ

نمبر (ایک) تُم نے یہ احتجاج گُستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کے خلاف رِیکارڈ کروایا تھا۔

نمبر (دو) مُحبت رسول صلی اللہُ علیہ وسلم میں یہ عمل کیا۔

نمبر (تین) اسے ثواب اور نیکی کا ذریعہ سمجھتے ہو۔

نمبر (چار) اسکے لئے ہڑتال کی کال کو بھی جائز اور مستحسن عمل سمجھتے ہو۔

رِیحان: جی ہاں اس میں کیا شک ہے۔ دُنیاکے کسی بھی خطہ میں بسنے والا کوئی بھی مسلمان ایسی گُستاخی بھلا کسطرح برداشت کرسکتا ہے۔

نہیں بھائی مُجھے بھلا اسمیں کیا شک ہوسکتا ہے لیکن میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہُورہا ہے کہ اگر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کا جلوس

صرف اس وجہ سے ناجائز ہے کہ نہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کے زمانے میں تھا اور نہ ہی صحابہ کرام رِضوان اللہِ اجمعین کے زمانے میں تھا اور مسلمان اسے ثواب کا ذریعہ سمجھ کر کرتے ہیں تو یہ تمام علتیں تو اس جلوس میں بھی نظر آ رہی ہیں کہ ابو جہل اور دوسرے کُفار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی بے شُمار مرتبہ گستاخیاں کی تھیں لیکن نہ ہی صحابہ کرام رضوان اللہِ اجمعین نے اس طرح کا کوئی جُلوس اُن کُفار بد اطوار کی گُستاخیوں کے جواب میں نِکالا نہ ہی اُسکے لئے اپنی دوکانوں کو بند کیا یعنی کوئی ہڑتال بھی نہیں کی اور نہ کافروں کے خِلاف نعرے بازی کی لیکن آپ نے یہ سب کُچھ صرف مُحبت میں ہی نہیں کیا بلکہ اس پر ثواب کی اُمید بھی رکھتے ہیں جو کہ نہ ہی صحابہ کرام رِضوان اللہ علیہ اجمعین کے عمل سے ثابت ہے اور نہ ہی جب کہ ہمارے پیارے آقا علیہ السلام نے اس کی تعلیمات مسلمانوں کو دِی تو جب اسطرح کے جلوس بدعت نہیں تو یہ تلوار صرف عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کیلئے ہی کیوں ہے۔ کیا آپ کے پاس اسکا کوئی عقلی یا نقلی ثبوت ہے؟

رِیحان : نہیں میرے پاس آپ کے سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔

اچھا چلیں اسے چھوڑیں ابھی کُچھ دیر پہلے آپ نے بتایا تھا کہ آپکا دوست

آپکو دینی جذبے کے تحت حصول ثواب کی خاطر وڈیو بھیجتا ہے تُو کیا آپکا وہ دوست ایسے کام کو دین کا حصہ اور ثواب کا ذریعہ نہیں سمجھ رہا جو صحابہ رِضوان اللہ اجمعین نے کبھی انجام دِیا ہی نہیں کیا یہ بدعت کے زُمرے میں نہیں آتا کہ اسمیں بھی دینی خدمت اور ثواب کی نیت بدعت کے زمرے میں آجائیگی دونوں میں ہی وہی جذبہ موجود ہے اور طریقہ کا ثبوت یہاں بھی مفقود ہے۔

پھر آپ جِن علمائے کرام سے مُتاثر ہُو کر عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کے جلوس پر بدعت کا لیبل لگانے پر مصر ہیں آپ ہی کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں اُنکے اعمال تضادات کا شکار ہیں۔

وہ کیسے عشرت بھائی میں سمجھا نہیں وہ تو خالصتاً شریعت کی پاسداری کرتے ہیں اور سُنت کو بدعت پر مقدم رکھنے والے لوگ ہیں آپ کی یہ بات مجھے بالکل ہضم نہیں ہُورہی لیکن ایک بات کا اعتراف میں ضرور کرنا چاہوں گا اور وہ یہ کہ آپ سے مُلاقات کے بعد میری معلومات میں کافی اضافہ ہورہا ہے اور مجھے ایک ہی سوال کی کئی جہتیں آپکی گُفتگو کے ذریعہ نظر آرہی ہیں۔

رِیحان بھائی یہ توآپکا اعلیٰ ظرف ہے جو میری باتوں کوآپ اتنے غور سے سُن بھی رہے ہیں اور اُس پر غُور بھی کر رہے ہیں ورنہ ہم مسلمانوں میں سے تو

ایسا لگتا ہے کہ جیسے برداشت کا مادہ ہی خُتم ہوچکا ہے کوئی کسی کی بات سننے کیلئے تیار نہیں چاہے سامنے والے کے پاس لاکھ عقلی اور نقلی دلائل ہُوں ہم ایک دوسرے کی بات بھی تحمل سے نہیں سُن سکتے میں سچ کہتا ہُوں کہ اگر آپ کی جگہ اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا تو اب تک مجھ پر کئی بار لاحول پڑھ کر رُخصت ہوگیا ہوتا۔

ریحان ۔ اچھا عشرت بھائی ابھی آپ تضادات کی بات کررہے تھے میں آپکی رائے جاننا چاہتا ہُوں کیونکہ آپ کے اِس جملے نے میرے اندر عجیب سی بے چینی پیدا کردی ہے۔

دیکھیں رِیحان بھائی آپ ایک طرف کہہ رہے ہیں کہ وہ دونوں حضرات قاطع بدعات اور شریعت اور سُنت کے حامی ہیں اور ہر ایسی بات کو گُناہ جانتے ہیں جو اسلاف رحمُ اللہ اجمعین کے زمانے کے بعد دین میں پیدا ہوئی ہُوں اور وہ اُنہیں ناجائز اور گُناہ میں شامل کرتے ہیں جبکہ آپ نے اُن دونوں حضرات کا جو حُلیہ اور جو طریقۂ تبلیغ ابھی بیان کیا ہے وہ نہ صرف تضادات کا شکار ہے بلکہ اُنکے بیان کردہ اصول کی روشنی میں بدعت اور ناجائز نظر آرہا ہے جیسا کہ آپ نے بتایا کہ اُن میں سے ایک عالم صاحب عرب شریف کی طرز پر سر ڈھانپتے ہیں تُو دوسرے سر پر جالی والی ٹوپی رکھتے ہیں اب آپ خود ہی کہیئے کیا وہ

اپنا سر رومال اور ٹوپی سے اس لئے ڈھانپتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ اپنا سرِمُبارک ڈھانپ کر رکھا یا یونہی شوق میں اپنا سر ڈھانپ کر رکھتے ہیں؟

رِیحان ۔ عشرت بھائی یہ تُو اچھی بات ہُوئی نا اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سُنت کی پاسداری میں کتنے مستعد ہیں اِس میں آپکو تضاد کہاں نظر آگیا؟

تضاد ہے رِیحان بھائی لیکن آپ کی آنکھوں پر اُنکی مُحبت کی جو پٹی چڑھی ہے وہ آپکو یہ تضاد نہیں دِکھا پارہی ۔ دِیکھو صحاح ستہ کی تمام کُتب کو کھول کر دِیکھ لو کوئی ایک حدیث مجھے ایسی دِکھادو کہ آپ صلی اللہُ علیہ وسلم نے کبھی عمامہ کے بجائے کوئی جالی دار ٹوپی یا آجکل عرب شریف میں رائج یہ سُرخ رومال کبھی اپنے سرِ مُبارک پر باندھا ہُو آپ صلی اللہُ علیہ وسلم نے ہمیشہ عمامہ شریف ہی سر پر سجایا اور صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین نے بھی آپکی اتباع اور اطاعت میں ہمیشہ عمامہ شریف ہی اپنے سروں پہ سجایا تھا پھر جب صحابہ کرام رِضوان اللہ اجمعین کے مُبارک دور تک نہ ہی ٹوپی تھی اور نہ ہی یہ رُومال تھا تو مجھے بتاؤ کہ یہ سب سُنت کی پاسداری ہے یا بدعت ہے؟

کیا یہ کُھلا تضاد نہیں ہے کہ اپنے لئے بدعت حلال کر لی جائے اور دوسروں کیلئے حرام بنا دی جائے اور دوسری بات یہ بھی دِیکھو کہ جو یہ مولوی صاحبان الیکٹرانک میڈیا کو اپنے بیانات کے لئے استعمال کر رہے ہیں کیا اسطرح کی وڈیوز دین کی خدمت اور ثواب کی نیت سے سے شائع کر رہے ہیں یا یہ اپنا شغل پُورا کر رہے ہیں یقیناً یہ سب کُچھ وہ دین کی خِدمت کے جذبے سے سرشار ہو کر حصول ثواب کی نیت سے ہی کر رہے ہُوں گے شغل میلہ کیلئے تو ہر گز نہیں کر رہے ہونگے تُو کیا یہ بدعت ہے یا طریقہَ سُنت ہے؟

ریحان۔ عشرت بھائی آپکی باتوں سے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہم سب ہی بدعت کے جُنگل کا شکار ہیں اور کوئی بھی راہِ سُنت پر نہیں چل پا رہا یہاں تک کہ وہ لوگ بھی اس مرض میں گرفتار ہیں جو صبح شام بدعت بدعت کا نعرہ لگاتے ہیں۔

دیکھو ریحان بات دراصل یہ نہیں ہے کہ ہم کس راہ پر چل رہے ہیں بلکہ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ آخر ہماری منشا کیا ہے اگر اللہ کریم کی رضا مقصود ہے تو دِین اسلام اتنا تنگ نظر نہیں کہ آپکو چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے ہی محروم کر دے جیسے خَتم بُخاری کا جلسہ مُحبت رسول میں قائم کیا جاتا ہے اور ڈھیروں خیر و نیکیوں کا مخزن ہے اسی طرح میلاد النبی صلی اللہ علیہ کی محافل ہُوں یا جشن میلاد کا جلسہ دونوں ہی اللہ کریم کی رضا کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں

جب عیسٰی علیہ السلام کی اُمت پر انعام ہو تو اُسے عید کا دِن بنا دیا جائے تو کیا جس کے صدقے ہمیں یہ زندگی عطا فرمائی گئی جو باعثِ تخلیق کون و مکاں ہو اُس سے بڑھ کر اور کونسی نعمت ہو گی کیا ہمیں اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرنا چاہیے حالانکہ اللہ کریم نے اپنے محبوب کی دُنیاوی آمد کو نا صرف اپنی سب سے بڑی نعمت کہا بلکہ مومنین پر اِس احسان کو جتایا بھی جبکہ اپنی اور کسی نعمت کو اسطرح نہیں جتایا۔

اور جہاں تک بات ہے کسی نئے طریقہ کی تو اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ کہیں یہ طریقہ قرآن و حدیث سے ٹکراتو نہیں رہا اسی لئے آقائے نامدار ہم غریبوں کے غمخوار صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا مفہوم،، جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تُو اُسے اسکا ثواب ملے گا اور اسکا بھی ثواب ملے گا جو (بعد والے) اُس پر عمل کریں گے اور انکے ثواب میں کُچھ کمی نہ ہو گی (ابو داؤد شریف)۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہُ تعالٰی عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے نئے کام کی وضاحت جو کتاب و سنت میں نہ ہو کہ متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہُ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس امر محدث کے بارے میں عابدین و مومنین کو غور و فکر کرنا چاہیئے۔

اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر نئے کام کو بُرا سمجھنے کے بجائے مجتہدین اور اہل اللہ سے اُس کے متعلق معلوم کیا جائے گا اور وہ اِس پر اپنا فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں دیں گے ناکہ ہر نئی چیز پر ڈائریکٹ بدعت اور ناجائز کا فتویٰ صادر کردیا جائے کیونکہ دین اسلام بنی نوع انسان کی آسانی کیلیۓ آیا ہے نہ کی مسلمانوں کیلیۓ مشکلات پیدا کرنے کیلیۓ ورنہ جس قسم کے فتوی آجکل کے ماڈرن مولوی مسلمانوں پر چسپاں کر رہے ہیں انکی روشنی میں توخُود یہ مولوی صاحبان بھی صرف بدعتی ہیں اور اگر ہر نئی چیز بدعت کے زمرے میں شامل کردی جائے اور بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ میں تمیز روانہ رکھی جائے تو تمام مسلم اُمہ ایک ایسی پریشانی میں مُبتلا ہو سکتی ہے جسکا حل ان جیسے کسی نام نہاد مولویوں کے پاس بھی نہیں ہوگا کیونکہ سب پر قانون کا اطلاق ایک جیسا ہونا چاہیۓ ناکہ خود کیلیۓ وہی چیز حلال کرلی جائے جو دوسرے مسلمانوں کے لئے حرام تفویض کردی جائے۔

ہاں اس سے بہتر طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ آپ اس دِن کو اپنے طریقہ سے منالیں اور دوسرے مسلمانوں کیلیۓ اپنی رائے کُشادہ رکھیں جسکا جی چاہے جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم اپنے کو اپنے گھر میں درود و نوافل کے ساتھ گُزارے اور جو جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کے جلوس

میں شریک ہو کر اس دِن کو منانا چاہے اُسکے جذبات کا بھی احترام کیا جائے۔
ریحان۔ عشرت بھائی آپکی باتوں نے اگرچہ میرے تمام شکوک رفع کردیئے ہیں لیکن ایک آخری سوال اور معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ سُنا ہے کہ بارہ ربیعُ الاول وفات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کا دِن ہے تو اس دِن مسلمانوں کا خُوشی منانا کیسا؟
میرے بھائی جب ہم تاریخ اسلام کا مُطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات کنفرم ہوجاتی ہے کہ آپ صلی اللہُ علیہ وسلم کی ولادت مبارک اور وصال ظاہری دونوں ہی اس ماہ مُبارک میں وقوع پذیر ہُوئی ہیں لیکن یہاں مسلمانوں کی نیت دیکھی جائے گی کیونکہ تاریخوں میں اختلاف اپنی جگہ سہی مگر تمام مسلمانوں نے اس دِن کو کثرت روایات کی وجہ سے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کے لئے چُن لیا ہے بس جب اُمت کا اجماع اس تاریخ پر ہوگیا تو کیا فرق پڑتا ہے کہ ولادت باسعادت کس دِن ہوئی اللہ کریم دِلوں کے بھید خُوب جانتا ہے کہ کون اس دِن کو کیوں اور کیسے منا رہا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ وصال ظاہری کوئی غم منانے کا دِن نہیں ہے بلکہ انعام اور اجر دیئے جانے کا دِن ہے شرفِ مُلاقات لایزدی کا دِن ہے اور صحابہ کرام اُس دِن اپنی تکلیف کا اِحساس صرف اس لئے کر رہے تھے کہ وہ جانتے تھے کہ اب وہ ظاہری جلوؤں میں کیسے گم رہیں

گے کس کے انتظار میں صبح کا انتظار کریں گے کہ جس سے شرف مُلاقات اور رُخِ زیبا کے دیدار کی تمنا لئے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کی جانب دوڑے چلے جاتے تھے۔ وہ والضحیٰ کا حسین چہرہ اب نظر نہیں آئے گا اور وہ جانتے تھے کہ اب وہ جانِ جاناں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم میں کب نظر آئے گا جس کو دوران نماز بھی وہ تکا کرتے تھے۔ نہ کہ وہ اس لئے غمزدہ تھے کہ خُدانخواستہ اُنکا نبی زندہ نہ رَہا تھا کیونکہ ہر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا یہ عقیدہ تھا کہ ہر نبی علیہ السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ بھی ہے اور اللہ کریم نے زمین پر حرام کر دیا ہی کہ وہ انبیا علیہم اسلام کے جسموں کو کھائے۔

ریحان۔ عشرت بھائی سمجھ نہیں آتا کہ آپکا شُکریہ کسطرح ادا کروں آپ نے جو اسلامی زاویہ مجھے آج دِکھایا ہے مرتے دَم تک اِس گفتگو کو نہیں بھول پاؤں گا اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جتنے بھی سال میں جشن ولادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کی سعادت سے محروم رہا ہوں اسکے ازالہ کی بھی کوشش کرونگا اور آپ کے پیغام کو مرتے دَم تک عام کرتا رہونگا۔

اور ہمیشہ یہ دُعا بھی کرتا رَہونگا کہ اللہ کریم تمام مسلمانوں کو یہ عید کا دِن نہایت ادب و احترام سے منانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ریحان کی دُعا پر میرے مُنہ سے خود بخود یہ جُملہ ادا ہوگیا آمین بجاہِ النبی الامین وصلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

اے کاش یہ آمین فرشوں کی آمین سے مِل گیا ہو اور ریحان کی دُعا تمام مسلمانوں کے حق میں قبول کی جا چکی ہُو اور اسطرح تمام مسلمان اس خوشی کی گھڑی میں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ کھڑے ہُوں۔

عشرت وارثی حاضر ہُو

جب مُجھے ہُوش آیا تو سب سے پہلے میں نے جس چیز کو محسوس کیا وہ میرے بدن میں اُٹھتی ہُوئی دَرد کی لہریں تھی پورے جسم میں اتنی شدید ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں ۔مانو جیسے کسی نے مجھے بُری طرح دھنک کر رکھ دِیا ہُو۔ لیکن یہ اِحساس بھی زیادہ دیر قائم نہ رِہ سکا۔ پھر مجھے اِحساس ہُوا کہ میرے بدن پر ایک بھی کپڑا موجود نہیں ہے ۔ ایک ہلکی سی شرم کی لہر میرے حَواس پر غالب ہُوئی لیکن جونہی میں نے اپنے اِرد گرد کے ماحُول پر نِگاہ ڈالی تو میں نے جانا کہ میں جس مقام پر موجود ہُوں ۔ وہاں کسی کے بھی جِسم پر پیراہن نام کی کوئی شئے موجود نہیں ہے۔

ہر طرف انسانوں کے سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ لوگوں کے جتھے کے جتھے یہاں سے وہاں پریشانی کی حالت میں دوڑتے پھر رہے تھے عجیب نفسا نفسی کا عالم تھا۔ کانوں میں لوگوں کے سسکنے، بلکنے، کی آوازیں اس کثرت سے آرہی تھیں ۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے لاکھوں مکھیاں ایک ساتھ بھنبھنا رہی ہُوں۔ یہ ماحُول دیکھ کر مجھے اِحساس ہُونے لگا کہ کوئی خاص واقعہ پیش آگیا ہے جسکی وجہ سے لوگ یُوں سَر گرداں نظر آرہے ہیں کہ اِنہیں یہ بھی اِحساس نہیں ہوپارہا کہ وہ بِنا لباس کے یوں بے پرواہ گھوم رہے ہیں اگرچہ یہ برہنگی بھی عجیب تھی

کہ لوگ برہنہ بھی تھے لیکن ایک دھند نے ہر انسان کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا جسکی وجہ سے وہ برہنہ ہونے باوجود بھی برہنہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

خیر میں نے ہمت کی اور میں اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ موقع کی نزاکت نے ویسے بھی میری تکلیف کو بُہت کم کردِیا تھا جب میں زمین سے اُٹھ کر کھڑا ہُوا تو مجھے معلوم ہُوا کہ میں ایک سپاٹ میدان میں کھڑا ہوں جہاں کروڑوں لوگوں کا مجمع موجود ہے۔ جہاں نِگاہ اُٹھاتا انجان ہراساں لوگوں کے جھٹ کے جھٹ موجود نظر آرہے تھے پھر مُجھے محسوس ہُوا کہ اس میدان میں بلا کی تیز گرمی ہے جسکی وجہ سے زمین کسی جلتی ہُوئی دَھات کی طرح معلوم ہُورہی تھی۔ اور جب میں نے آسمان کی جانب نِگاہ اُٹھائی تو مجھے آسمان نام کی کوئی شئے نظر نہ آئی اب مُجھے حالات کی سنگینی کا مزید اِحساس ہُونے لگا تھا۔ میں نے ایک خوفزدہ نوجوان کو بھاگتے دِیکھا اس کا چہرہ مُجھے کُچھ جانا پہچانا محسوس ہورہا تھا لیکن وہ کافی ذِہن پر زُور دینے کے باوجود پہچانا نہیں جارہا تھا۔۔ میں نے بھی بے اِختیار اُس نوجوان کے ساتھ بھاگنا شروع کردِیا اور دوڑتے دوڑتے اُس نوجوان سے معلوم کیا۔ بھائی یہ کونسی جگہ ہے؟

اُس نے صرف ایک لمحے کیلئے میری جانب دِیکھا اور کہنے لگا کیا تُمھیں ابھی

تک سمجھ نہیں آئی کہ ہم میدانِ حشر میں موجود ہیں اور آج جزا اور سزا کا دِن ہے کسی کو انعام کی خِلعتوں سے نوازا جارہا ہے اور کسی کو جہنم کا ایندھن بنایا جارہا ہے۔ یہاں آج کوئی کسی کا نہیں ہے میرا حِساب ہوچُکا ہے اور میرا حِساب پیش ہوچکا ہے لیکن میرے گُناہوں کے پلڑے میں صرف 10 گُناہ میری نیکیوں سے زیادہ ہیں میں نے کُچھ مُہلت طلب کی ہے تاکہ اپنی ماں سے 11 نیکیاں حاصل کرسکوں مجھے اُمید تھی کہ اس مُصیبت کی گھڑی میں میری ماں ہی مجھے اپنی نیکیاں دے سکتی ہے لیکن میرا حِساب دیکھنے کے بعد میری ماں نجانے کہاں چلی گئی ہے وہ شائد مُجھ سے چھپتی پھر رہی ہے تاکہ اُسے اپنی نیکیاں مُجھے نہ دینی پڑ جائیں۔ اتنا کہنے کے بعد وہ لوگوں کے ہجوم میں ماں۔ ماں چِلاتا ہُوا گم ہوگیا۔

اب مُجھے اِحساس ہوچُکا تھا کہ میں میدان حشر میں آ پُہنچا ہُوں اور آج مجھے بھی اپنے کئے ہوئے ہر اچھے بُرے عمل کا حِساب دینا ہُوگا پھر میں نے سُنا کوئی صدا لگانے والا صدا لگا رَہا تھا کہ عبداللہ بن صاعقہ کو پیش کیا جائے اور پھر چند ہیبتناک فرشتے ایک کمزور سے آدمی کو گھسیٹ کر لیجاتے ہُوئے نظر آئے وہ آدمی شائد میزان پر جانے سے گھبرا رَہا تھا لیکن اُس شخص کی فرِشتوں کے آگے ایک نہیں چل پارہی تھی بہرحال وہ شخص جب میرے سامنے سے لیجایا جانے لگا تُو میرے کانوں نے اُسکی صدا سُنی مجھے چھوڑ دو میرے پلہ

کونسی نیکیاں ہیں جو مُجھ سے میرا حِساب چاہتے ہُو۔
لیکن فرشتوں نے اُسکی ایک نہ سُنی اور اُسے میزان پر لے گئے میں سوچنے لگا نیکیاں تو میرے پلے بھی کُچھ نہیں۔ تو کیا اگر میرے پاس نیکیاں نہ نکلیں تو کیا مجھے بھی جہنم کا ایندھن بنادِیا جائے گا ؟ جہنم کا خیال آتے ہی مُجھے سورج کی تپش مزید جھلسانے لگی میرے جسم سے پسینہ بہنے لگا اور جب میں نے زمین کو دیکھا تُو زمین پر میرا پسینہ بہہ رَہا تھا لیکن یہ کیا۔۔ کیا میرے اکیلے جسم سے اِتنا پسینہ نِکل سکتا ہے کہ زمین پہ بہنے لگ جائے ؟ تب مُجھے معلوم ہُوا کہ صرف میرے ہی جسم سے پسینہ نہیں نکل رہا تھا بلکہ ہر انسان کے جسم سے پسینہ بہہ رَہا تھا اور اب یہ پسینہ تیز بارش کے بعد زمین پر بہنے والے پانی کی طرح نظر آرہا تھا اور اِسکی سطح لحظہ بالحظہ بُلند ہورہی تھی تبھی کمرہ میزان سے عبداللہ برآمد ہُوا لیکن یہ کیا وہی عبداللہ جو ابھی کُچھ لمحے پہلے فرشوں سے میزان پر نہ لیجائے جانے کی درخواست کررہا تھا اب اُس کے چہرے کی خُوشی اُسکے چہرہ کو گُلنار کئے دے رہی تھی۔
میں نے اُسکی خُوشی کا سبب معلوم کیا تو وہ کہنے لگا میں دُنیا میں بُہت غریب تھا میرے پاس کبھی اتنے پیسے جمع نہیں ہوسکے کہ میں زکواۃ ادا کرپاتا لیکن میں ہمیشہ یہ نیت کیا کرتا تھا کہ اگر میرے ہاتھوں میں خزانے کی

کُنجیاں آجائیں تو سارا خزانہ مسکینوں میں تقسیم کردوں۔ بس آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ میری نیتوں کو قبول کرتے ہوئے اس عمل کے برابر نیکیوں کو میرے نامہ اعمال میں جمع کردیا گیا تھا اور یُوں میں آج اس مشکل گھڑی میں سرخُرو ہُوگیا ہوں۔

میرا دِل مجھے مشورہ دے رَہا تھا کہ میں کہیں چُھپ جاؤں لیکن میرا دماغ مُجھے سمجھا رہا تھا کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا کُچھ دیر دِل اور دماغ کی جنگ جاری رہی اور دماغ دِل پر غالب آگیا۔ اور میں یہ جان گیا کہ ایسا ممکن نہیں ہے لِہٰذا میں لوگوں کو میزان پر آتا جاتا دیکھنے لگا۔ میں نے ایک انسان کو بڑی بے پرواہی سے اپنے حساب کتاب کے لئے میزان پر جاتے دیکھا اُسکی نخوت سے مجھے احساس ہونے لگا کہ وہ کوئی نہایت پرہیزگار عابد ہے جسکے پاس نیکیوں کے خزانے موجود ہیں۔

لیکن جب وہ میزان سے فارغ ہُوا تو اُسکے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی اور وہ گڑگڑا کر اللہ عزوجل کا فضل طلب کر رہا تھا۔ میرے استفسار پر مُجھے بتایا گیا کہ یوں تو اسکے پاس واقعی نیکیوں کے خزانے موجود تھے لیکن اس نے اللہ کریم کی چادر میں خیانت کی تھی جسکے سبب اسے اپنے جرموں کی پاداش میں جہنم لیجایا جارہا ہے یہ نیک انسان لوگوں کو خُود سے حقیر سمجھا کرتا تھا اور

تکبر کا شکار تھا۔ اِس پارسا کے حشر نے مجھے وقتی طور پر ہراساں کر دیا لیکن پھر میں دوسرے لوگوں کے حساب کتاب کو دیکھنے میں مصروف ہوگیا ہر سزا یافتہ مجرم کو دیکھنے کے بعد میرا حُوصلہ ٹوٹنے لگتا لیکن جب میں کسی پر انعام اکرام کی بارش دیکھتا تو مجھے بھی اُمید اپنے حِصار میں جکڑ لیتی یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک صدا بُلند ہوئی عشرت اقبال کو حساب کیلئے میزان پر پیش کیا جائے۔

یہ صدا سُننے کے بعد میرے ہُوش اُڑنے لگے یہ کیا میرے حِساب کا وقت بھی آ پُہنچا ابھی کُچھ لمحے پہلے تک دوسروں کے حساب میں گُم تھا اور یہ سُوچا بھی نہیں تھا کہ مجھے اسقدر جلد بُلا لیا جائے گا دِل میں ہزار اندیشے تھے کہ نجانے میرے ساتھ کیا مُعاملہ پیش آنے والا ہے کیا مجھے چھوڑ دِیا جائے گا۔ یا جہنم کی عمیق گہری وادیوں میں دھکیل دیا جائے گا میری نِگاہیں میرے اپنوں کو تلاش کرنے لگیں مجھے اپنے اِرد گرد بُہت سے شناسا چہرے نظر آئے لیکن یہ کیا تمام چہرے سپاٹ تھے ایسا لگتا تھا کہ جیسے میری سزا و جزا کے مُتعلق وہ جاننا ضرور چاہتے تھے مگر اُنہیں اس بات کی پرواہ ہرگز نہیں تھی کہ کامیابی میرا مُقدر بنتی ہے یا ناکامی میرے حصے میں آتی ہے۔

مجھے میزان پر لے جایا جا رہا تھا ہر ایک انسان یوں تُو نفسا نفسی کا شکار

تھا کئی ایک مُجرم سزا کا پروانہ پا چُکے تھے اور کئی لوگ کامیابی کی نوید سُن چُکے تھے لیکن جب مُجھے میزان پر لیجایا جانے لگا تو میں نے دیکھا کئی ایک لوگ جو مُجھے دُنیا میں جانتے تھے میرے اعمال نامہ کو جاننے میں دِلچسپی رکھتے تھے شائد وہ جاننا چاہتے تھے کہ دیکھیں اس شخص کیساتھ کیا مُعاملہ ہوتا ہے اور بظاہر نیک نظر آنے والا انسان دُنیا میں کس قدر کامیاب رہا۔ اور کیا یہ کامیاب بھی ہُوگا یا اسکے حِصہ میں بھی ناکامی اور وحشتیں لکھی ہیں۔

مجھے میزان پر پیش کیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ یہ ایک بُہت بڑی اسکرین تھی جو خلاؤں میں آویزاں تھی اور ایک فرشتہ ایک مشین کے پاس کھڑا اُس مشین کو آپریٹ کر رہا تھا ہر آدمی کا نام اس مشین میں محفوظ تھا جونہی وہ فرشتہ کسی انسان کا نام پُکارتا تو اسکرین پر اُس انسان کی تصویر اُبھر آتی اور اُسکے بعد ایک جانب اُسکی ایک ایک نیکی نمایاں کی جاتی جو کہ نہ صرف تحریری شکل میں اسکرین پر نمُودار ہوتی بلکہ ایک جانب اِسکی وڈیو بھی نمایاں ہوجاتی تھی اور اگر اس نیکی میں کوئی گُفتگو بھی شامل ہوتی تو وہ گُفتگو بھی سُنائی دینے لگتی جبکہ اسکرین کی دوسری جانب وہ تمام چھوٹے بڑے گُناہ جو دُنیاوی زندگی میں اِنسان ظاہری یا پوشیدہ طُور پر کرتا رہتا ہے۔ اسکرین پر اسی طرح دوسری جانب ظاہر ہوجاتے ایک طرف نیکیوں کا شُمار جاری تھا تو دوسری

جانب گُناہ بھی شُمار کیۓ جارہے تھے۔ نجانے کتنا وقت گُزر گیا اور نتیجہ ظاہر ہونے لگا ایک خُودکار مشین نتیجے کو تحریری صورت میں پرنٹ کرنے میں مصروف تھی۔

پھر ایک فرشتہ کی صدا سُنائی دی عشرت وارثی دُنیا میں اپنے مقصد کو پانے میں ناکام رہا ہے۔اِسکے گُناہ اسکی نیکیوں پر حاوی ہیں۔لِہٰذا اِسے سزا پانے کیلیۓ لیجایا جاۓ۔۔ میں ناکامی کا سُن کر رونے لگا اور فرشتوں سے التجا کرنے لگا دیکھو ایسا نہ کہو مجھے ناکام نہ کہو میرے حِساب کو ایک مرتبہ اور جانچ لُو۔۔ اگرچہ مُجھے اقرار ہے کہ میں دُنیا میں اپنے آنے کے مقصد کو بھول گیا تھا۔ہاں۔۔۔ میں دُنیا کی رنگینوں میں کھوگیا تھا لیکن مجھے اسطرح سزا کیلیۓ نہ لے جاؤ خُدا کیلیۓ مجھے چھوڑ دو۔۔۔۔ مُجھے چھوڑ دو۔

لیکن مُحافظ فرشتوں پر میری صدا کا کوئی خاطر خُواہ اثر نہیں ہُوا وہ مجھے گھسیٹنے کے انداز میں لئے جارہے تھے۔کہ میں پُکارا۔ سُنو مجھے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دُنیا میں بُہت مُحبت تھی اگرچہ میرا عشق کامل نہیں تھا لیکن مجھے قوی توقع تھی کہ میری یہ مُحبت رائیگاں نہیں جاۓ گی۔۔۔ تُم میرے ساتھ ایسا نہیں کرسکتے خُدا کے واسطے میری مُحبت کی لاج رکھو۔۔۔۔ مجھے

چھوڑ دو۔۔۔ مُجھے سزا کیلئے نہ لیکر جاؤ۔

تبھی ایک صدا بُلند ہوئی۔۔ ہر دعویٰ دلیل چاہتا ہے۔۔ کیا تُمھارے پاس کوئی دلیل ہے جو ثابت کرے کہ تُم واقعی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مُحبت کرتے تھے کیونکہ تُمھارے عمل نے ثابت کیا ہے کہ تُمھارے پاس صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے عمل نام کی کوئی شئے تُمھارے نامے سے برآمد نہ ہو سکی۔ صدا کو سُننے کے بعد فرشتوں کی گرفت مُجھ پر کمزور ہو گئی تھی۔۔۔۔۔۔ میں اپنی پھولی ہوئی سانسوں کو درست کرنے لگا۔۔۔ اور سُوچنے لگا کہ میں ایسی کونسی دَلیل پیش کروں کہ میرا دعویٰ سچ ثابت ہوجائے اور میری گُلو خُلاصی ممکن ہوجائے سزا کے نام ہی سے میری جان نکلی جارہی تھی کہ مجھے اپنا ایک عمل یاد آنے لگا جِسے میں عشق کی دلیل کے طُور پر پیش کرسکتا تھا۔ اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ اپنے اِسی عمل کو اپنے دعوے کے طور پر پیش کرونگا اور مُجھے قوی اُمید تھی کہ اللہ کے فضل سے میں ناکامی سے کامیابی کی طرف ضرور سفر کروں گا میں نے اپنے عشق کا دعویٰ پیش کرنا شروع کیا۔۔۔۔۔۔

میرا رَب خُوب جانتا ہے کہ کہ میرے خاندان میں میرا ایک کزن میرا محبوب

تھا جسکے بِنا نہ مجھے کھانا اچھا لگتا تھا اور نہ ہی پانی ہم نے بچپن سے جوانی تک کا سفر ایک ساتھ طے کیا تھا پھر ہماری راہیں جُدا ہونے کا وقت آ پُہنچا چونکہ ہمارے خاندان میں میرے دادا اور میرے بڑے تایا کے علاوہ سبھی اولیاءَ اللہ کے ناموں سے چِڑا کرتے تھے اور ہمارے خاندان میں اکثر لوگ متشدد تھے جو ذرہ ذرہ سی باتوں کیلئے مسلمانوں پر کُفر کے فتوے صادر کردیا کرتے تھے اُنہیں اولیاءَ اللہ کے ناموں سے جتنی بیزاری تھی میرے دِل میں چُپکے چُپکے اتنی ہی زیادہ اولیاءَ اللہ کی مُحبت پیدا ہوتی جارہی تھی اور جوانی میں قدم رکھتے رکھتے اس مُحبت نے خاموش عشق کی شکل اِختیار کرلی پھر ایک دِن میرے کزن نے مجھے اس عمل سے باز رِہنے کیلئے کہا لیکن میرے دِل میں اب اپنے کزن کے علاوہ اِن اولیاءَ اللہ کی مُحبت بھی نجانے کب کی جڑ پکڑ چکی تھیں میں نے اُسے لاکھ سمجھایا کہ ہم دونوں اگرچہ الگ الگ راہوں کے مُسافر ہیں لیکن یہ بھی تُو ممکن ہے کہ ہم ایک دوسرے کے طریقے کا احترام کرتے ہُوئے اپنی منزل کی جانب چلتے رہیں۔ اور جب جب زندگی کے کسی پڑاؤ پر ہماری مُلاقات ہوجائے تو ہم ایک دوسرے سے باہمی احترام کیساتھ ملتے رہیں اور اپنی راہوں کے جُدا ہونے کے باوجود بھی اپنے بچپن کی مُحبت کو قائم رکھیں۔ لیکن وہ اِس بات پر مُصر تھا کہ یا تو واپس لُوٹ آؤ یا پھر ہمیشہ کیلئے ہماری زندگیوں سے نِکل کر دفع ہوجاؤ۔

میں اگرچہ ہر قیمت پر اس بچپن کی مُحبت کو قائم رکھنا چاہتا تھا لیکن مجھ سے جو قیمت اولیاءَ اللہ کی مُحبت سے دستبردار ہونے کی مانگی جارہی تھی میں یہ قیمت دینے سے قاصر تھا میرا جواب سُن کر میرے دوست نے ایسا کام کیا جسکا تصور تو میں کبھی خیال وخُواب میں بھی نہیں کرسکتا تھا میرے کزن میرے دوست نے میرا جواب سُننے کے بعد غُصہ میں اللہ کریم کے مدنی محبوب کی سُنت کی توہین کرڈالی۔

یہ سب میرے لئے ناقابل برداشت تھا۔ ایک طرف بچپن کی مُحبت تھی تو دوسری جانب اللہ کریم کے سوہنے رسول صلی اللہُ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کی بات تھی شائد مُجھے چند لمحے لگے ہُونگے کہ میں اِس نتیجے پر پُہنچ گیا کہ اللہ کے رسول (صلی اللہُ علیہ وسلم) کی حُرمت پر ایسی لاکھوں دُوستیاں نثار کی جاسکتی ہیں اور پھر تا عُمر میں اپنے کزن سے صرف اس لئے نہیں مِلا کہ اس نے اللہ کے رسول (صلی اللہُ علیہ وسلم) کی سُنت کی اہانت کی تھی۔ اور میرا رَبّ خُوب جانتا ہے کہ میری یہ قطع تعلّق صرف اور صرف اللہ کے رسول (صلی اللہُ علیہ وسلم) کی خاطر تھی میرے پاس اس کے سِوا مُحبت کی کوئی اور دلیل موجود نہیں ہے اِتنا کہنے کے بعد میں ایک مُجرم کی طرح زمین پر بیٹھ گیا اور سسکنے لگا۔

میرے کانوں نے وہی صدا پھر سُنی ۔صدا دینے والا کہہ رہا تھا۔۔یہ سچ کہتا ہے اسکا یہ عمل خالص اللہ عزوجل کے رسول (صلی اللہُ علیہ وسلم) کی مُحبت میں کیا گیا عمل ہے ۔اس عمل کی جزا اِسے ملنی ہی چاہیئے عشرت اقبال کو دوبارہ میزان پر لیجایا جائے اور اسکے اس عمل کی خصوصی جزا بھی اِسے ضرور دِی جائے گی۔

مجھے دوبارہ میزان پر لیجایا گیا میرا پچھلا حساب دوبارہ اسکرین پر نمودار ہوگیا اُسکے بعد میری نیکیوں کا پلڑہ آہستہ آہستہ بھاری ہونے لگا یہاں تک کہ میری نیکیاں اور میرے گُناہ برابر ہوگئے لیکن میری نیکیوں کا میٹر رُکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھایُوں میری نیکیوں کو پلڑہ دھیرے دھیرے بڑھتا رہا۔۔۔بڑھتا رہااور ہر جانب سے صدا آنے لگی مُبارک ہو۔۔۔ مُبارک ہو میں سجدہ بجالانے کیلئے زمیں پر جھکتا چلا گیا۔۔۔

تبھی اچانک میری آنکھ کُھل گئی کہیں دور مؤذن تکبیریں بُلند کررہا تھا۔۔۔۔ الصلواۃ خیر مِن النّوم۔۔ الصّلواۃُ خَیر مِن النّوم

اور میں باوضو ہو کر سجدہ شُکر بجالانے لگا۔۔

تذکرہ اک پری کی مُحبت کا قسط (16)۔

گُزشتہ سے پیوستہ۔۔۔۔

سرکار کیا انسانوں کی شادیاں پریوں سے ممکن ہے؟

اگر مجھے کوئی پری شادی کی پیشکش کرے جس سے مجھے قلبی مُحبت بھی ہُو تو آپکی رائے میں کیا مُجھے اُس سے نکاح کرلینا چاہیے۔

اور شریعت مطہرہ اس معاملے میں کیا کہتی ہے؟

مُرشد کریم نے عمران کو حکم دِیا کہ سامنے سے بَخُور دان اُٹھا لائے۔

عمران نے بَخور دان جس میں دہکتے انگاروں پر لُوبان سلگ رہی تھی مُرشد کریم کی بارگاہ میں پیش کردِیا۔

مُرشد کریم نے ایک چِمٹی کی مدد سے ایک دِہکتا انگارہ بَخور دان سے نکالا پھر پھونک مار کراُس پرپڑی راکھ کو ہَٹایا تُو وہ انگارہ چمکنے لگا مُرشد

کریم نے انگارہ عمران کی جانب بڑھاتے ہوئے عمران کو حکم دیا کہ وہ اِس انگارے کو اپنے مُنہ میں رکھ لے۔

اب آگے پڑھیں۔۔۔

عمران مُرشد کریم کا یہ انوکھا مُطالبہ سُن حیران رہ گیا۔۔

دِہکتا ہُوا اَنگارہ مُنہ میں رکھ لُوں ۔۔ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں سرکار؟

کیوں اِس میں ایسی عجیب بات کیا ہے جو تم پریشان نظر آرہے ہو؟ مُرشدِ کریم نے عمران سے استفسار کیا۔

سرکار یہ کیسے ممکن ہے ؟ اگر دِہکتا ہوا انگارہ میں نے اپنے مُنہ میں رکھا تو میری زُبان جل جائے گی اور یہ بھی مُمکن ہے کہ میری قُوت گویائی ہمیشہ کیلئے مُتاثر ہوجائے عمران نے اپنی حیرت کی وضاحت کرتے ہُوئے کہا۔

مگر یہ نا مُمکن کیسے ہُو سکتا ہے کیوں کہ میں نے ایسے کئی شعبدہ باز اپنی زندگی میں دیکھے ہیں جو جلتے ہُوئے انگارے کو اپنی زُبان پر رکھ لیتے ہیں

اور دہکتا ہُوئے انگارے نے نہ ہی اُنکی زُبان جلائی اور نہ ہی انگارے کی وجہ سے اُنکی قوتِ گویائی مُتاثر ہوئی تھی۔ مُرشد کریم نے عمران کو جتلاتے ہُوئے کہا۔

سرکار ہوسکتا ہے اُنہیں اس عمل میں مہارت حاصل ہُو یا یہ بھی ممکن ہے کہ آگ اُن پر اپنا اثر ہی نہ دِکھاتی ہُو۔ لیکن سرکار اِس طرح ہر کوئی اُن شعبدہ بازوں کو انگارہ مُنہ میں رکھتا دیکھ کر اپنے مُنہ میں تُو انگارہ نہیں رکھ سکتا نا۔ یہ تو اُن شعبدہ بازوں کا ہی خاصہ ہُوتا ہوگا۔ مگر سرکار مجھے کُچھ سمجھ نہیں آرہا کہ آخر آپ مجھے کیا سمجھانا چاہ رہے ہیں؟ کیوں کہ بہرحال اِتنا تُو میں ضرور جانتا ہُوں کہ آپکی کوئی بھی بات حِکمت اور دانائی سے خالی نہیں ہُوتی۔ عمران نے نہایت ادب سے اپنی گُفتگو کو سمیٹتے ہُوئے کہا۔

عمران بیٹا یہ دراصل تُمہارے ایک سوال کا جواب تھا۔ اور تُمہارے جواب ہی میں تُمہارے سوال کا جواب پنہاں ہے۔ مُرشد کریم نے اپنے چہرے پہ مُسکراہٹ سجاتے ہوئے عمران کو مُحبت سے سمجھاتے ہُوئے کہا۔

سرکار میں کُچھ سمجھا نہیں اگر آپ مزید وضاحت فرمادیں تو مہربانی ہُوگی۔

عمران نے پُوری سچائی سے اپنی کم مائیگی کا اظہار کرتے ہُوئے کہا۔
دیکھو بیٹا تُم نے ابھی پُوچھا تھا کہ،، کیا پریوں سے انسان کی شادی ممکن ہے؟ تُو بیٹا جس طرح ہر ایک شخص کیلئے دَہکتے ہُوئے انگارے کو مُنہ میں رکھا ممکن نہیں ہے کیوں کہ جہاں انسانی خمیر خاکی ہے اور آگ کو برداشت نہیں کرسکتا اِسی طرح قوم اَجنہ کا خمیر آتش سے اُٹھا ہے۔ اور جس طرح دہکتا ہُوا کوئی انگارہ جسم کو جلا دیتا ہے اسی طرح آتشی بدن کا ملن جب خاکی جسم سے ہُوگا تو خاک پر آتش اپنا اثر ضرور چُھوڑے گی۔ مُرشد کریم نے عمران کو سمجھاتے ہُوئے کہا۔
لیکن سرکار میں نے سُنا ہے کہ دُنیا میں ایسی بے شُمار شادیاں رچائی گئی ہیں جو کامیاب بھی ہُوئی ہیں۔ عمران نے اپنی بات پر اِصرار جاری رکھتے ہُوئے کہا۔
بیٹا ابھی تُم نے ہی کہا تھا نا۔ کہ ہر ایک شخص کسی شعبدہ باز کو دیکھ کر انگارہ اپنے مُنہ میں نہیں رکھ سکتا کہ ہوسکتا ہے اُنہیں اس میں خاص مہارت حاصل ہو یا اُنکے جسم پر آگ اثر ہی نہ کرتی ہُو تُو کیا یہ ممکن نہیں کہ جن لوگوں نے ایسی شادیوں کی مِثال قائم کی ہُوں اُنہیں بھی ہوسکتا ہے انکے اس

عمل نے نقصان نہ پُہنچایا ہُو تُو کیا ضروری ہے کہ ہر ایک شخص انکی تقلید میں اندھا دھند عمل پیرا ہُو جائے تم کیوں اس آزمائش میں اپنے آپ کو مُبتلا کرنا چاہتے ہُو۔
اور جہاں تک تُمہارا سوال ہے کہ شریعت مُطہرہ ایسی شادیوں کے مُتعلق کیا کہتی ہے تو ایک مسئلہ سمجھ لو کہ کسی سے نِکاح قائم کرنے کیلئے اُسکا ہم جنس ہونا بُہت ضروری ہے انسانوں کا نِکاح انسانوں ہی سے ممکن ہے شریعت میں کسی اور جنس سے نِکاح قائم کرنے کی اِجازت نہیں ہے اب جبکہ یہ اُصول سمجھ آگیا تُو یہ بھی خُوب اچھی طرح سمجھ لو کہ انسان اور پریاں ایک جنس نہیں بلکہ جُدا جُدا جنس ہیں اسلئے جب یہ شرط ہی نہیں پائی جائے گی تُو انسانوں اور پریوں کا نِکاح کس طرح مُمکن ہو سکتا ہے۔
اور اگر کوئی شریعت کا پاس نہیں کرے گا اور اپنی مَن مانی کرے گا تُو خُود سوچ لُو کہ ایسے نِکاح قائم کرنے کے بعد انسان اپنی نفسانی خُواہشات کو چاہے ضرور پُورا کرلے لیکن ایسے رِشتے نہ ہی کامیاب زندگی کی ضمانت فراہم کرسکتے ہیں اور نہ ہی انسان کو دُنیاوی سکون فراہم کرسکتے ہیں۔
اِس لئے عمران میری رائے یہی ہے کہ تُمہیں اس شادی کے خیال کو دِل سے نِکال

دینا چاہیئے اِسی میں دُنیا اور آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے یہی فلاح کا راستہ ہے ویسے بیٹا کیا تُم مُجھے بتانا پسند کروگے کہ تمھیں اس طرح کی شادی کا خیال کیونکر اور کیسے آیا؟ مُرشد کریم نے عمران سے استفسار فرمایا۔

اور عمران نے بابا احمد وقاص سے اپنی پہلی مُلاقات سے لیکر اپنی آج تک کی گُفتگو کو اِختصار کیساتھ پیش کرنا شروع کردیا۔

مُرشد کریم نے عمران کی تمام گفتگو کو بُہت غور سے سماعت فرمایا اور جونہی عمران اپنی بات مکمل کرکے اپنے مُرشد کریم کی جانب متوجہ ہوا تو عمران نے دیکھا کہ مُرشد کریم کے چہرے پر ایسا جلال موجزن تھا کہ عمران زیادہ دیر تک اپنے کریم مُرشد کے چہرے پر نِگاہیں نہ جما سکا۔

عِمران مُرشد کریم کے چہرے پر جلال دیکھ کر کشمکش وپیچ میں مُبتلا ہوگیا کہ مُرشد کریم کو کس طرح اپنے دِل کی کیفیت سے آگاہ کرے کہ وہ اب کوثر کے بغیر زندہ نہیں رِہ سکتا۔ اُسے کوثر ہر حال میں چاہیئے اور وہ کوثر کو پانے کیلئے ہر امتحان سے گُزرنے کیلئے تیار ہے مگر کسی قیمت پر بھی کوثر سے جُدائی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

عمران اِنہی سوچوں میں غلطاں تھا کہ مُرشد کریم کی آواز اُسے اِن خیالات کی نگری سے باہر نکال لائی۔

بیٹا میں جانتا ہُوں ابھی میری کوئی بھی بات تُمھیں اس سحر سے نہیں نِکال پائے گی لیکن جِس راہ پر تُم چل پڑے ہُو وہاں جاتا دیکھ کر میں خاموش بھی تُو نہیں رِہ سکتا تُمھیں چاہے اُن مصیبتوں کو ابھی ادراک نہ ہُو جو تُمھاری راہ تک رہی ہیں لیکن میں دیکھ رَہا ہُوں کہ اگر تُمھیں نہیں روکا گیا تُو تُم نہ صرف اپنوں کو کھو دُوگے بلکہ عنقریب خُود کو بھی نہیں پہچان پاؤگے۔

اِسی اثنا میں کُچھ لوگ مُرشد کریم کی بارگاہ میں حاضر ہُوئے اور مُرشد کریم سے ساتھ چلنے کیلئے استدعا کرنے لگے مُرشد کریم نے عِمران کو مُخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا عِمران میاں اب ہمیں جانا ہُوگا اِس لئے آپ بھی اپنے گھر چلے جائیں انشاءَ اللہ بُہت جلد ہماری دوبارہ مُلاقات ہوگی۔ مُرشد کریم نے عمران کو اطلاع دیتے ہوئے مُصافحہ کیلئے اپنا ہاتھ بڑھا دِیا۔

(جاری ہے)

تذکرہ اک پری کی مُحبت کا قسط (17)۔

عمران کے ذِہن میں بیشُمار سوالات کُلبلا رہے تھے جنکے جوابات وہ مُرشد کریم سے حاصِل کرنا چاہتا تھا لیکن مہمانوں کے آنے سے تمام ماحُول ہی یکسر تبدیل ہوگیا تھا حالانکہ عمران کو قوی اُمید تھی کہ وہ جونہی مُرشد کریم کو اپنی خُواہشات سے آگاہ کرے گا۔ تُو مُرشد کریم اُسے نا صِرف کوثر سے نِکاح کی اجازت مرحمت فرمادیں گے بلکہ اِس نِکاح کیلئے کوئی شرعی دلیل بھی فراہم کردیں گے۔ لیکن مُرشدِ کریم کی باتوں اور اُنکے رویے نے عمران کو سمجھادِیا تھا کہ مُرشد کریم کو عمران کی یہ جُراِت قطعی پسند نہیں آئی تھی بلکہ مُرشدِ کریم نے شرعی قوانین کا حوالہ دیتے ہُوئے ایسے بندھن کی صاف نفی فرمائی تھی۔

عِمران اپنے مُرشدِ کریم کے آستانے سے نِکل کر سوچنے لگا کہ اب وہ کہاں جائے؟ کیا بابا وقاص سے ملے اور اُنہیں اپنے مُرشدِ کریم کے فیصلے سے آگاہ کرے یا اپنی والدہ سے جاکر کہے کہ وہ مُرشد کریم کی بارگاہ میں میرے لئے عرض کریں۔۔۔۔ یا وہ کسی کو کُچھ بھی نہ بتائے۔ اور کسی اچھے موقع کا انتظار کرے اور اپنے مُرشِد کی خِدمت میں ہی دوبارہ عرض کرے اور اُنہیں اپنی دِلی کیفیت سے آگاہ کرتے ہُوئے کہے کہ وہ اب کوثر کے بنا ایک پل بھی

زندہ نہیں رہ سکتا۔
عِمران اِنہی سُوچوں میں غلطاں آستانے سے نِکل کر اپنی بائیک کی جانب بڑھ رہا تھا کہ اُسکی نِگاہ قمر بھائی پہ پڑی جو اپنی سائیکل پر سُوار آستانے کی جانب ہی آرہے تھے قمر بھائی اگرچہ پینسٹھ ، ستر،،برس کی عُمر کو پُہنچ چُکے تھے لیکن اب بھی بُہت اچھی صِحت کے مالک تھے اگرچہ کار ورکشاپ کے مالک تھے اچھا کھاتے پیتے تھے لیکن اپنی سائیکل سے ایسی مُحبت تھی کہ 40 برس گزرنے کے بعد بھی سواری بدلنے پر رضامند نہیں تھے۔
عِمران کبھی کبھار مذاق میں قمر بھائی سے کہہ دِیا کرتا تھا کہ قمر بھائی آپکا بس چلے تو اِس سائیکل کو قبر میں بھی اپنے ساتھ لیجانے کی وصیت کرڈالیں ۔ قمر بھائی اگرچہ عِمران کے پیر بھائیوں میں سب سے ذیادہ جہاندیدہ اور عُمر رسیدہ بُزرگ تھے لیکن کافی خُوش مِزاج واقع ہُوئے تھے ۔ہنس کر بات کو ٹال جاتے۔ قمر بھائی مُرشد کریم کی بارگاہ میں اُس وقت سے حاضر ہورہے تھے ۔جب کہ شائدؔ اِنکی مَسِیں بھی نہ بھیگی ہُونگی۔ اور مُرشِد کریم کی نِگاہوں میں بھی قمر بھائی کیلئے ایک خاص مُحبت چمکتی تھی اور مُرشدِ کریم کبھی بھی قمر بھائی کی کسی بھی بات کو ٹالا نہیں کرتے تھے۔

قمر بھائی کو آتا دیکھ کر عمران کی آنکھوں میں ایکبار پھر اُمید کے ہزاروں چراغ جگمگانے لگے۔ عمران تمام حسرتوں اور ناکامیوں سے دامن چُرا کر اپنے چہرے پہ مسکراہٹیں سجاتے ہُوئے قمر بھائی کی جانب بڑھا جو اپنی سائیکل کو آستانے کی دیوار کے سہارے کھڑا کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ عمران نے سلام کرتے ہُوئے کہا کیا بات ہے قمر بھائی کیا سائیکل کا اسٹینڈ خراب ہوگیا ہے جو اِسے دِیوار کے سہارے روکنے کی جدوجہد ہورہی ہے؟ وعلیکم السلام عِمران میاں بس اب یہ بھی ہماری طرح بوڑھی ہُوتی جارہی ہے۔۔ جس طرح بوڑھے آدمی کا ڈاکٹر کے پاس روز آنا جانا چلتا رِہتا ہے بس اِسی طرح اِسے بھی روزانہ مستری کے پاس جانے کی عادت ہو گئی ہے کبھی بریک فیل ہوجاتے ہیں تو کبھی اسٹینڈ خراب ہوجاتا ہے کبھی چین ڈِھیلی پڑجاتی ہے تو کبھی چین کَور چین کا ساتھ نہیں دیتا۔۔ مگر عمران میاں آپ کہاں گم رہتے ہیں ایک مُدت سے آپکا چہرہ ہی نہیں دِیکھا ہم نے؟

بَس قمر بھائی کیا بتاؤں کُچھ زیادہ ہی دُنیاداری کے چکر میں مُبتلا ہوگیا تھا اِسی وجہ سے آنے میں کُچھ تاخیر ہو گئی لیکن اب سُوچ رہاہُوں کہ آئندہ ایسی تاخیر نہیں کرونگا۔

لیکن قمر بھائی آج تاخیر تُو آپ سے بھی سرزد ہو ہی گئی۔۔ کیونکہ شائد ایسا پہلی مرتبہ ہی ہُوا ہوگا کہ مُرشد کریم آپ کے بِنا ہی اکیلے کہیں تشریف لے جاچُکے ہیں عِمران نے باتوں باتوں میں قمر بھائی کو

اطلاع دِیتے ہُوئے کہا۔
آپ سچ کہتے ہیں عِمران میاں کہ بابا صاحب آج اکیلے ہی تشریف لے گئے ہیں لیکن عمران میاں یہ تاخیر ہماری جانب سے ہرگز نہیں تھی بلکہ نجانے کیوں آج بابا صاحب نے مُجھے حُکم دِیا تھا کہ ہم ساتھ نہ چلیں اور جو وقت بابا صاحب نے ہمیں یہاں آنے کا دِیا تھا ہم بالکل اُسی وقت حاضر ہُوئے اور اب یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ بابا صاحب نے ہمیں ایسا کرنے کا کیوں حُکم ارشاد فرمایا۔۔ لیکن اتنا ضرور جانتے ہیں کہ اس میں بھی کوئی حِکمت کوئی راز ضرور پُوشید ہُوگا۔
بے شک قمر بھائی اسمیں کوئی شک نہیں ہے۔ قمر بھائی کے خاموش ہوتے ہی عمران نے جواب دِیا،،، اچھا قمر بھائی مجھے آپ سے ایک بُہت ضروری بات کرنی ہے کیا آپ مُجھے کُچھ وقت دیں گے؟
ضرور عمران میاں اسمیں پوچھنے والی کیا بات ہے لیکن پہلے ہم آذان دے لیں قمر بھائی نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نِگاہ ڈالتے ہُوئے کہا۔
نماز سے فارغ ہونے کے بعد قمر بھائی عِمران کو لیکر ایک نزدیکی ہوٹل کے

نسبتاً پُرسکون حصے میں جا بیٹھے اور عمران نے قمر بھائی کو تمام رُوداد مختصر الفاظ میں سنا ڈالی۔ تمام کہانی سُننے کے بعد قمر بھائی نے عمران سے استفسار کرتے ہوئے کہا،، عمران میاں اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں ؟

دراصل قمر بھائی سب جانتے ہیں کہ مُرشدِ کریم آپکی بات کبھی نہیں ٹالتے میں چاہتا ہوں کہ میری جانب سے آپ مُرشد کریم سے میری اور کوثر کے نِکاح کی بات کریں مجھے معلوم ہے کہ وہ آپ کو منع نہیں کرپائیں گے۔ میں آپکو بتا نہیں سکتا کہ مجھے کوثر سے کتنا دِلی لگاؤ ہے میں شائد اب اُسکے بِنا جی نہیں پاؤنگا۔ اب آپ ہی میری آخری اُمید ہیں۔ دیکھیں قمر بھائی میں نے آپ سے آج تک کوئی سوال نہیں کیا لیکن آج میں آپ کے آگے ہاتھ جُوڑ کر بھیک مانگ رہا ہوں آپ مجھے مُرشدِ کریم سے اس نِکاح کی اِجازت دِلوادیں۔

عمران میاں آپ کیوں مجھے امتحان میں مُبتلا کرنا چاہتے ہیں میں جانتا ہُوں کہ بابا صاحب اپنے سبھی مُریدوں کو اولاد کی طرح جانتے ہیں اور اگر بابا صاحب نے آپکو منع کیا ہے تو ضرور اسمیں بھی آپ ہی کا کوئی فائدہ پوشیدہ ہوگا لیکن آپ اتنے ہی بضد ہیں۔ تو میں ایک مرتبہ اور بابا صاحب سے آپکے متعلق گفتگو کرلونگا لیکن آپ ایسی کسی خُوش فہمی میں نہ رہیے گا کہ میرے بات کرنے سے بابا صاحب ضرور حامی بھرلیں گے کیونکہ میں جتنا بابا صاحب کو

جانتا ہُوں وہ ایسے کسی کام کی اجازت ہر گز نہیں دیں گے جو شریعت کے اُصولوں سے ٹکراتا ہُو۔

ٹھیک ہے قمر بھائی آپ ایک مرتبہ بات کرکے دیکھ لیں اگر بابا صاحب نے آپکو بھی انکار کردِیا تو میں آپ سے وعدہ کرتا ہُوں کہ چاہے میں اپنی جان سے ہاتھ دُھولوں مگر آپکو دوبارہ تنگ نہیں کرونگا۔

(جاری ہے)

میں نے اگرچہ ایک مہربان دوست سے وعدہ کیا تھا کہ سترہویں قسط میں تمام کہانی سمیٹ کرِاسے اختتام تک پُہنچا کر ہی دَم لونگا لیکن ایک تو طبیعت لکھنے پر آمادہ نہیں ہورہی دوئم دوسرے کاموں کا بُوجھ اسقدر ہے کہ بُہت جبر کرنے کے باوجود بھی اس سے زیادہ نہیں لکھ پارہاہُوں اسلئے اپنے مہربان دوست سے بھی اور تمام قارئین سے بھی مُعذرت خواہ ہوں کہ اتنی تاخیر برداشت کر رہے ہیں انشاءَاللہ جونہی کُچھ طبیعت بہتر ہوئی اسکی اختتامی قسط پیش کردونگا۔

تذکرہ اک پری کی مُحبت کا قسط (18)۔

قمر بھائی سے رُخصت ہو کر عمران نے اپنی موٹر بائیک اسٹارٹ کی اور اپنے گھر کیلئے روانہ ہُوگیا۔ قمر بھائی سے مُلاقات ہُونے کے بعد عمران کو کافی ڈھارس ملی تھی عمران کو یقین تھا کہ جب قمر بھائی مُرشدِ کریم سے عمران اور کوثر کیلئے گفتگو کریں گے تُو مشکل ہے کہ بابا صاحب قمر بھائی کی بات کو ٹال سکیں۔ لیکن نجانے کیوں کوئی اندیشہ کوئی وہم اُسکی قلبی حالت کوپُرسکون نہیں ہونے دے رہا تھا اُسے بار بار ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے قمر بھائی نے بھی اُسے صاف منع کردِیا ہو۔۔ حالانکہ قمر بھائی نے تُو عمران سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بابا صاحب کو منانے کی بھرپور کوشش کریں گے ۔ لیکن کوئی ایسی بات قمر بھائی کے لہجے میں ضرور تھی جو عمران کو پریشان کئے جارہی تھی ۔ جُوں جُوں عمران قمر بھائی کی گُفتگو پر غور کررہا تھا اُسکی پریشانی بڑھتی ہی چلی جارہی تھی۔

عمران انہی سوچوں میں گُم اپنے گھر کی جانب بڑھا چلا جارہا تھا کہ اچانک ایک رکشہ مُخالف سمت سے اپنی لائن سے نِکل کر عمران کے بالکل سامنے آکر گھوم گیا یہ سب اتنی برق رفتاری سے ہُوا کہ عمران کی سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیت اُس وقت ماؤف ہو کر رِہ گئی۔ بائیک کو سنبھالنا عمران کے بس میں نہیں

تھا اور نہ اتنی جلدی بریک لگا کر بائیک کو روکنا ہی ممکن تھا ایک بڑا حادثہ یقینی امر نظر آ رہا تھا۔عمران نے اپنی آنکھوں کو ایک لمحے کیلئے موند لیا پھر عمران کو یُوں محسوس ہُوا جیسے کسی نے عمران کو بایئک سمیت زمین سے اوپر اُٹھایا ہو اور پھر دوسرے ہی لمحے واپس زمین پر اُتار دِیا ہو اب جو عمران نے اپنی آنکھوں کو کھولا تو ایک حیرت انگیز منظر عمران کی آنکھوں کے سامنے تھا اُسکی بائیک رکشہ کو کراس کرچکی تھی عمران اسقدر بدحواس ہُو چُکا تھا کہ گاڑی ایک سائیڈ پر کرنے سے قبل ہی اُس نے اپنی بائیک کی اِگنیشن سے چابی نِکال لی بائیک کا انجن بند ہوتے ہی عمران کو اپنی حماقت کا اِحساس ہُوا عمران نے اپنے اعصاب کو بحال کرنے کیلئے موٹر بائیک کو شاہراہ کی ایک جانب لگا دِیا۔ چُونکہ اس تمام ممکنہ حادثہ کا ذِمہ دار عمران رِکشہ ڈرائیور کا مان رہا تھا اسلئے عمران موٹر بائیک کو کھڑا کرنے کے بعد رکشہ ڈرائیور کی جانب بڑھا تاکہ اُسے اِس غیر ذمہ دارانہ حرکت کیلئے سبق سِکھا سکے لیکن جونہی عمران کی نِگاہ رکشہ ڈرائیور پر پڑی تو عمران کا تمام غُصہ صابن کے جھاگ کی مانند بیٹھ گیا وہ کوئی چودہ پندرہ برس کی عُمر کا لڑکا تھا جو شائد حالات کی مجبوری کی وجہ سے رکشہ ڈرائیو کر رہا تھا اور اِس وقت بدحواسی کے عالم میں اپنے رکشہ کو اسٹارٹ کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھا اُس کی جونہی نظر

عمران پر پڑی تو وہ مزید گھبرا گیا اور ہاتھ جوڑ کر معافی طلب کرتے ہُوئے کہنے لگا۔ جناب مجھے مُعاف کر دیجئے نا جانے یہ سب کیسے ہوگیا میں نہیں جانتا لیکن چھ ماہ میں میرے ساتھ ایسا پہلی مرتبہ ہُوا ہے آپ مجھے ماریئے گا نہیں اور نہ ہی پولیس کے حوالے کیجئے گا کیونکہ میرے سِوا گھر میں کمانے والا کوئی دوسرا نہیں ہے۔

اُس بچے کا لہجہ چُغلی کھا رہا تھا کہ وہ اسکول میں تعلیم حاصل کرتا رہا ہے یا اب بھی زیرِ تعلیم ہے ورنہ اتنا مُہذب لہجہ کسی ان پڑھے بچے کا ہرگز نہیں ہُو سکتا تھا۔ عمران کا غُصہ تو پہلے ہی اُسکی عُمر دیکھ کر رَفو ہُوچکا تھا باقی ماندہ بھی اُسکے مُہذب لہجے اور التجا سے خَتم ہُوگیا۔ عمران سوچنے لگا ضرور اسکے گھر میں کوئی بڑا کمانے والا نہیں ہوگا ورنہ کونسی ماں ہوگی جو اِس عمر میں اپنے بچے کو رکشہ چلانے کی اجازت دے گی یہی سوچ کر عمران نے اپنی جیب سے والٹ نِکالا اور اُسمیں سے ایک پانچسوں کا نُوٹ نِکال کر اُس لڑکے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا یہ لو شاہدٗ کوئی بڑی خرابی ہو گئی ہے پہلے کسی مکینک کو دِکھا لو اُس کے بعد ہی رِکشہ روڈ پر نکالنا۔ بلکہ ہوسکے تو کوئی ڈھنگ کا کام بھی تلاش کرتے رِہنا ابھی تُمھاری عمر ایسی نہیں کہ رِکشہ چلا سکو۔ وہ لڑکا کُچھ دیر تک پیسے لینے سے اِنکار کرتا رہا بلاآخر عمران نے وہ نُوٹ اس لڑکے کی جیب میں ٹھونس دِیا اور اپنی بائیک کی جانب

بڑھ گیا۔

عمران نے بائیک اِسٹارٹ کی اور گھر جانے کیلئے بابا وقاص والی شاہراہ پر اپنی بائیک دوڑانے لگا عمران سوچ رہا تھا کہ آج کا تمام دِن ناکامیوں کی نذر ہوگا ہے اِس لئے گھر جانے سے قبل کُچھ وقت بابا وقاص احمد کی صحبت میں گُزار لینا شائد اسکے مُوڈ کو بدلنے میں مُعاون ثابت ہُو۔

بابا وقاص احمد کے آستانے پُہنچ کر عمران کی مُلاقات خادِم حُسین سے ہُوئی تب عمران کو معلوم ہُوا کہ بابا وقاص احمد بھی کسی خاص محفل میں شمولیت کی خاطر ابھی کُچھ ہی لمحوں قبل عمران کی راہ دیکھ دیکھ کر آستانے سے روانہ ہُوئے ہیں اور بابا وقاص احمد عمران کیلئے پیغام چھوڑ گئے تھے کہ کل صبح آفس جانے سے پہلے عمران آستانے پر ضرور آئے خادم حُسین سے ہی عمران کو یہ بھی معلوم ہُوا کہ بابا صاحب نے لاہور جانے کیلئے ایک ہفتہ بعد کی دو ٹکٹیں بھی آج بُک کرائیں ہیں بابا صاحب عمران کو اگلے ہفتے اپنے ساتھ لاہور لیجانا چاہتے ہیں ۔عمران بابا صاحب سے مُلاقات نہ ہونے پر اُداس ضرور تھا لیکن لاھور کے ذکر سے وہی یاسیت خُوشی میں تبدیل ہوگئی تھی۔

عمران ۔ خادم حُسین سے صبح آنے کا وعدہ کرنے کے بعد آستانے سے رُخصت ہو کر

گھر چلا آیا تمام رات خادم حُسن کی زبانی بابا وقاص کے پیغام اور قمر بھائی کی باتوں پر غور کرتے ہوئے گُزر گئی فجر کی نماز کے بعد عمران نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔ جسکی وجہ سے صبح کافی دیر تک سونے کے باوجود بھی عمران کے تمام بدن میں تھکن کے آثار باقی تھے لیکن بابا وقاص سے مُلاقات کی خُوشی میں عمران نے ناشتہ بھی آفس پُہنچ کر کرنے کے خیال سے بائیک خاموشی سے گھر سے نِکالی تاکہ اَمّی کو خبر نہ ہونے پائے اور جونہی بائیک گیٹ سے باہر نِکلی عمران بائیک پر سوار ہو کر بابا وقاص کے آستانے کیلئے روانہ ہوگیا۔

بائیک آستانے کے باہر کھڑی کرنے کے بعد جونہی عمران کی نِگاہ مین گیٹ پر پڑی تو عمران پریشان ہوگیا۔ کیونکہ پہلی مرتبہ عمران کو بابا صاحب کے دروازے پر ایک بڑا سا تالا نظر آرہا تھا۔ اور اُسے بابا وقاص کا وہ جُملہ بھی ابھی تک یاد تھا جب بابا صاحب نے ایک موقع پر کہا تھا کہ ،، فقیروں کو ہر وقت اپنے دروازے کُھلے رکھنے پڑتے ہیں نجانے کب کوئی ضرورتمند آجائے ،، مگر آج بابا صاحب کے دروازے پر پڑا یہ تالا عمران کا مُنہ چِڑا رہا تھا۔

عِمران نے بے صبری سے قریبی پڑوسی کا دروازہ بجا ڈالا۔ کُچھ لمحوں کے بعد اندر سے ایک ضعیف خاتون برآمد ہوئیں۔۔ عمران نے بابا صاحب کے دروازے کی

جانب اِشارہ کرتے ہوئے استفسار کیا۔۔ کیا آپکو معلوم ہے کہ بابا صاحب آج کہاں گئے ہیں اُنکے گھر کے دروازے پر تالا لگا ہُوا ہے۔

بیٹا معلوم نہیں کیا بات ہوئی لیکن رات بابا صاحب اپنا تمام سامان ٹرک میں لوڈ کرنے کے بعد مکان خالی کرکے ہمیشہ کے لئے واپس چلے گئے ہیں یہاں بابا صاحب کرائے پر رہتے تھے ہم بھی بابا صاحب سے بُہت مانوس تھے اور ہم نے بُہت پوچھا کہ آخر ایسی کیا بات ہو گئی ہے کہ آپ اچانک واپس جارہے ہیں ۔ مگر بابا صاحب نے کسی کو کُچھ نہیں بتایا البتہ وہ رومال سے بار بار اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کررہے تھے۔۔۔۔۔۔ وہ بُڑھیا بے تکان بولے چلی جارہی تھی مگر اب عمران کو کُچھ سُنائی نہیں دے رہا تھا۔۔ وہ آہستہ آہستہ زمین کی طرف .بڑھا چلا جارہا تھا.بڑھیا کو احساس ہونے تک عمران بے ہوش ہو کر زمین بوس ہوچُکا تھا

(جاری ہے)

تذکرہ اک پری کی مُحبت کا قسط (19)۔

چھ ماہ کا عرصہ گُزر گیا۔۔ لیکن بابا وقاص کے اچانک جانے کی وجہ عمران کو معلوم نہ ہُو سکی۔ اوراِس عرصہ میں کبھی کوثر نے بھی عمران کی پلٹ کر خبر نہ لی۔

عمران کی صحت پر اس واقعہ کی وجہ سے کافی منفی اثرات مُرتب ہوئے تھے اور اب ہر وقت چہکنے والا عمران اکثر خاموش رہنے لگا تھا۔

نہ ہی کسی سے مذاق نہ کسی سے دِلگی کی باتیں۔۔۔ بس ہر وقت آنکھوں میں ایسی اُداسی چھائی رہتی جیسے کوئی اپنا۔۔ جو بُہت خاص ہُو خفا ہوگیا ہو۔

وقت پر لگا کر اُڑتا گیا پھر اچانک ایک دِن عمران کی نگاہ خادم حُسین پر پڑی وہ کسی سبزی فروش سے بھاؤتاؤ پر اُلجھ رَہا تھا۔۔

عِمران کی آنکھوں میں خادم حُسین کو دیکھ کر اُمید کی ایک کرن چمکی وہ فوراً خادم حُسین کی جانب بڑھا۔ خَادم حُسین سُودا اُٹھا کر پلٹ رہا تھا کہ عمران سے ٹکرا گیا۔ تمام سودا خادم حُسین کے ہاتھوں سے نیچے گِر گیا۔

ایک لمحے کیلئے خَادم حُسین کے چہرے پر غُصہ کے تاثرات اُبھرے لیکن عِمران کے چہرے پہ نِگاہ پڑتے ہی فوراً تمام غُصہ خادم حُسین کے چہرے سے رَفو ہوگیا اور خادِم حُسین کے مُنہ سے نِکلا،، عمران بابا آپ ،، کہاں تھے عِمران بابا میں کب سے آپکو تلاش کر رہا تھا؟ خادم حُسین تُم نہیں جانتے مجھے تُمھارے مِلنے سے جو اطمینان آج مجھے حاصِل ہوا ہے یہ چھ مہینے سے میری زِندگی سے مفقود تھا،، تُم سامان اُٹھاؤ اور میری بائیک پر بیٹھ جاؤ مجھے تُم سے ڈھیروں باتیں کرنی ہیں۔ خادم حُسین نے سامان کا شاپر اُٹھایا اور عِمران کی بائیک پر سَوار ہوگیا۔

عِمران نے خادم حُسین سے معلوم کیا کہ وہ کہاں جارہا تھا۔ جواب میں خادم حُسین نے عمران کو اپنے گھر کا پتہ بتا دِیا۔ عِمران نے مُناسب سمجھا کہ بجائے کسی ہوٹل پر بیٹھ کر بات کرنے کہ خادم حُسین کے گھر ہی چلنا چاہیئے ورنہ خادم حُسین کے گھر والے اُسکا انتظار ہی کرتے رہیں گے۔

گھر پُہنچنے کے بعد خادم حُسین نے چند لمحوں کے انتظار کے بعد اپنی بیٹھک کا دروازہ کُھول دیا تمام بیٹھک خالی پڑی تھی سوائے ایک چارپائی کے کوئی

اور شے عمران کو اِس بیٹھک میں نظر نہیں آئی خادم حُسین نے ننگی چارپائی پر ایک رَلی بچھا دِی۔

خادم حُسین عمران کیلیئے چائے بنوانا چاہتا تھا لیکن عمران کو اُسکی چائے سے زیادہ اِس بات کو جاننے میں زیادہ دلچسپی تھی کہ آخر کیوں اُس دِن بابا وقاص اچانک واپس چلے گئے تھے۔ اور اب بابا صاحب کہاں ہیں۔ عمران کی ضد پر خادِم حُسین چارپائی کے دوسرے کِنارے پر بیٹھ گیا۔

خادم حُسین بابا وقاص کہاں ہیں اور اُس دِن اچانک واپس کیوں چلے گئے تھے آخر ایسی کیا مجبوری آ پڑی تھی کہ بابا صاحب کو مُجھے بھی اطلاع دینے کا مُوقع مُیسر نہیں آیا ؟

یہ تُو مجھے بھی نہیں پتہ کہ اُس دن ایسی کیا بات ہُوئی تھی۔ مجھے تُو بس اتنا معلوم ہے کہ اُس دِن آپ کے جانے کے بعد جب بابا صاحب محفل سے واپس تشریف لائے تو بُہت رنجیدہ تھے آستانے میں داخل ہونے کے بعد مسلسل اپنا سر پکڑے بیٹھے رہے میں نے بابا صاحب سے بُہت معلوم کیا کہ وہ اتنے دِل گرفتہ کیوں ہیں مگر بابا صاحب نے مجھے کوئی جواب نہیں دِیا سوائے اِسکے کہ ایک مرتبہ اُنہوں نے اِتنا ضرور کہا تھا کہ،، مجھ سے بڑی غلطی سرزد ہو گئی جو

بِنا جانے کسی بادشاہ کی رِیاست میں مُداخلت کر بیٹھا، اسکے بعد اُنھوں نے میرے کسی سوال کا جواب نہیں دِیا اور اپنا سامان پیک کرنا شروع کردِیا میں بھی بادل نخواستہ اُنکا ہاتھ بٹاتا رہا۔

کیا ایک مرتبہ بھی بابا صاحب نے جانے سے قبل میرا تذکرہ نہیں کیا تھا؟ عمران نے خادم حُسین کی بات کو درمیان سے کاٹتے ہوئے سوال کیا۔

نہیں عمران بابا اُنھوں نے تو کوئی تذکرہ نہیں فرمایا تھا لیکن جب بابا صاحب گاڑی میں سُوار ہو رہے تھے تُو میں نے بابا صاحب کو یاد دِلایا تھا کہ آپ تو عمران بابا کے ساتھ لاہور جانے والے تھے اور میں اُنہیں کیا جواب دُونگا جب وہ مُجھ سے آپکے متعلق سوال کریں گے۔ میرے سوال کے جواب میں بابا صاحب نے فقط اتنا فرمایا تھا کہ عمران کی پرواتُم نہ کرو بُہت بڑی بڑی ہستیوں کی اُس پر نظر ہے وہی اُسکا خیال رکھیں گے۔

لیکن بابا صاحب اب ہیں کہاں؟ عمران نے اپنے سوال کو دوبارہ دُہرایا۔

کیا آپکو معلوم نہیں کہ بابا وقاص صاحب کو دُنیا سے پردہ فرمائے ہوئے تُو چار ماہ سے زائد کا عرصہ ہوگیا ہے۔ خادم حُسین نے حیرت سے عمران سے استفسار

کیا۔

خادِم حُسین کی اِس اطلاع سے ِعمران کو یُوں محسوس ہُوا گویا جیسے کسی نے عمران کے دِل کو اپنی مُٹھی میں پکڑ کر دَبوچ ڈالا ہُو۔

کیا بابا وقاص اب اِس دُنیا میں نہیں رہے۔ ِعمران کے مُنہ سے بھنچی بھیچی سی آواز نکلی۔

نہیں ِعمران بابا میں تو سمجھا آپکو معلوم ہوگا۔ یہاں سے جانے کے بعد بابا صاحب نے بستر پکڑ لیا تھا کراچی کے بڑے بڑے اسپتالوں میں بابا صاحب کو دِکھایا گیا لیکن کوئی اِفاقہ نہیں ہُوا۔

مزید دو مہینے کا عرصہ گُزر گیا پہلے دِل کے کسی کونے میں جو بابا وقاص سے مُلاقات کی ایک اُمید قائم تھی اب وہ بھی نہ رہنے سے عمران کی صحت مزید گرتی چلی گئی۔

ایک شام عمران کو اچانک کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ حالانکہ ایسی کھانسی عمران کو کبھی زندگی میں لاحق نہیں ہُوئی تھی۔ جب کھانسی کی تکلیف عمران کی

برداشت سے باہر ہونے لگی تو ناچار عمران بائیک پر سوار ہو کر ڈاکٹر کی جانب روانہ ہوگیا شہر جاتے ہوئے آج پھر طبیعت نے چاہا کہ اُنہی گلیوں سے گُزرا جائے جو کبھی زندگی کا محور ہُوا کرتی تھیں بابا وقاص کے مکان آنے سے قبل ہی حیرت انگیز طور پر موٹر بائیک کا پٹرول ختم ہوگیا اور کھانسی بھی اچانک ختم ہو گئی عمران نے بائیک اسٹارٹ کرنے کی حتی الامکان کوشش کی لیکن کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

عمران بائیک سے اُتر کر موٹر بائیک کو گھسیٹنے لگا چند قدم چلنے کے بعد ایک مانوس سی خُوشبو عمران کے مسام دِماغ کو مُعطر کرنے لگی۔

عمران اِس خُوشبو کو بھلا کیسے بھول سکتا تھا۔ یہ خُوشبو تُو اُسکے محبوب کی خُوشبو تھی۔ بے ساختہ عمران کے لبوں سے نِکلا،، کوثر، کوثر۔۔ کہاں ہُو تُم ؟

اور پھر عمران نے ایک سائے کو درختوں پر رینگتے دِیکھا۔

یہ سایہ بھی کسی غیر کا نہیں تھا بلکہ اُسی کا تھا کہ جسکی وجہ سے عمران کی آج یہ حالت تھی۔ عمران چِلانے لگا۔۔ کوثر کہاں ہُو تُم سامنے کیوں نہیں آتی ہو۔۔۔ دیکھو تو سہی تُمہاری جُدائی نے مُجھے کِس حال کو پُہنچا دِیا

ہے۔

اچانک ایک درخت کے عقب سے کوثر کی مترنم آواز گونجی۔۔ عمران آج تُم مجھے دیکھ نہیں پاؤ گے اور خُدا کیلئے مجھ سے زیادہ سوال بھی نہیں کرنا صرف میری باتوں کو غور سے سُننا۔ کہ میرے پاس زیاد وقت نہیں ہے۔

کہو کوثر میں تُو کب سے تُمھاری پکار کا منتظر ہُوں۔

دیکھو عمران میں نے تُم سے حقیقت میں مُحبت کی تھی لیکن مجھے جس راستہ سے تُمھاری جانب بڑھنا چاہیے تھا۔ میں اُس راستے سے تُمھاری زِندگی میں داخل نہیں ہوئی کیونکہ مجھے خدشہ تھا کہ تُمہیں مجھ سے جُدا کردیا جائے گا لیکن میں پھر بھی یہ اقرار کرتی ہُوں کہ میں غلط تھی۔ اور آج اپنی غلطی کی سزا بھی بھگت رہی ہُوں اور ابھی مزید ساڑھے نو سال مجھے یہ سزا مزید بھگتنی ہے میں ہر گز آج بھی تُمھاری زندگی میں مُداخلت نہیں کرتی۔

لیکن مجھے آج موقع دِیا گیا ہے کہ میں اپنی مُحبت کا ثبوت دیتے ہُوئے تُمہیں سمجھاؤں کہ۔۔ میری مُحبت کو اپنی زندگی کا رُوگ نہ بناؤ۔۔ میں پہلے بھی تُمھاری تھی اور آج بھی تُمھاری ہُوں لیکن ہمارا ملن فی الحال ممکن

نہیں ہے۔۔۔ ہو سکتا ہے میری سزا ختم ہونے کے بعد مجھے تُمھاری قربت کی نعمت مُیسر آجائے۔۔ لیکن تُم نہیں جانتے کہ جو ظُلم تُم اپنے وجود پر کررہے ہُو۔۔ جس طرح تُم نے اپنی زندگی کی تمام خُوشیوں کو خُود سے دور کردیا ہے۔۔۔ اسکا ذمہ دار بھی میں خُود کو سمجھنے لگی ہُوں۔۔

اسلئے اگر تُمہیں مجھ سے واقعی مُحبت ہے تو تُوں اپنی زندگی کے چراغ کو بُجھنے نہ دُواور واپس اپنی زندگی کی جانب لُوٹ جاؤ۔ اگر تُم خوش رَہوگے تو یقین جانو میری سزا کے دِن بھی اطمینان سے گُزر جائیں گے ورنہ مجھے اِس سزا کے ساتھ ایک اور بھی سزا بھی برداشت کرنی ہوگی اور وہ اِحساسِ جُرم وندامت کی سزا ہوگی جو اِس سزا سے کہیں بڑھ کر سزا ہوگی۔

اور سُنو جب یہ سزا کی مُدت پوری ہوجائے تو تُم وادیِ ناران ضرور آنا۔۔ میں زیادہ کُچھ نہیں کہہ سکتی لیکن اِتنا ضرور کہوں گی کہ تُمھارا یہ سفر رائیگاں نہیں جائے گا۔

لیکن کوثر میں یہ ساڑھے نو برس تُمھارے بغیر گُزارونگا کسطرح؟ عمران نے ایک فریادی کی طرح التجا کی۔۔

لیکن کوئی جواب صدا کی صورت پلٹ کر نہیں آیا۔۔۔۔ دھیرے دھیرے وہ خُوشبو وہ احساس جو ابھی اِس ویرانے میں عمران کو طمانیت کا احساس دِلا رہا تھا فضاء میں بکھرنے لگا۔

عمران جان چُکا تھا کہ کوثر واپس جاچُکی ہے لیکن اب عمران کی طبیعت میں بے چینی نہیں تھی ایک اُمید کا دِیا تھا جو کوثر پھر سے جَلا گئی تھی وہ اِس راز کو سمجھ چُکا تھا کہ مُحبت صرف پانے کا نام نہیں بلکہ ایک جذبے کا نام ہے جسکا ایک نام قُربانی بھی ہے۔

عمران نے بے خیالی میں بائیک پر بیٹھ کر جونہی کِک لگائی تو بائیک کا انجن بھی انگڑائی لے کر جاگ اُٹھا۔

اِمتحانِ عشق نے رُسوا نہ کیا

میں اپنے بھائیوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا کراچی کے سفر سے لُطف اندوز ہو رہا تھا کہ میرے ایک چھوٹے بھائی نے دورانِ سفر ایک ایسی بات کہی جس نے مجھے حیرت زدہ کر دیا اور بات ہی ایسی تھی کہ کوئی بھی چونک جائے۔۔۔۔۔

دراصل وہ خُوابوں کو بیچنے کی بات کر رہا تھا۔۔

اب آپ ہی کہیئے اگر کوئی آپ سے آپکے خُواب خریدنا چاہے تو آپ کا ردِ عمل کیا ہُو گا۔

یہ خُواب ہی تُو ہوتے ہیں جو آپکی زندگی میں مہمیز کا کام دیتے ہیں یہ کسی کا خُواب ہی تُو تھا کہ مسلمانوں کا ایک اپنا مُلک ہُونا چاہیئے جہاں تمام مسلمان آزادی کیساتھ عبادت کر سکیں اور وہ خُواب حقیقت کا رنگ پا کر پاکستان بن گیا۔ اگرچہ اس خُواب کو دہشتگردوں نے مساجد اور مزاراتِ اولیاءَاللہ پر خُود کش حملوں کے ذریعے پاکستانی مسلمانوں کو یہ پیغام دینے کی ناکام کوشش کی ، کہ دیکھ لو ہندوؤں کی غُلامی سے نجات پا کر بھی تُم آزادی سے اپنی عبادت گاہوں میں عبادت نہیں کر سکتے وہاں ہندوؤں سے تُمہارا مُقابلہ تھا

جنہیں تُم اُنکی مذہبی شناخت کی بدولت پہچان لیا کرتے تھے لیکن یہاں ہم میر جعفر اور میر صادق کی طرح تُمہاری جڑوں کو کُھو کھلا کرتے رہیں گے اور تُم ہماری پہچان حاصِل کرنے کیلئے دشواریوں کے بحرِ بیکراں سے گُزرتے رہو گے۔ لیکن بقولِ شاعر،، پھونکوں سے یہ چراغ بُجھایا نہ جائے گا۔۔

میرے والد صاحب نے 1970 میں جب اپنی کاروباری زندگی کا سفر شروع کیا تھا تب نہ اُنکے پاس گاڑی تھی نہ کوئی بنگلہ یہاں تک کہ اپنا کوئی روزگار کا ٹھکانہ بھی نہیں تھا لیکن اُنکی آنکھوں میں ایک خُواب ضرور تھا۔

پھر اُسی خُواب کی تعبیر حاصل کرنے کیلئے اپنے ہی بھائیوں سے 4 ہزار روپے کی قلیل رقم بطور قرض حاصِل کی اور رات دِن کی محنت نے بلاآخر 16 برس بعد اُنہیں اس قابل بنا دِیا کہ اُنھوں نے اپنی پہلی فیکٹری کا سنگِ بُنیاد رکھ دیا۔ اُنھوں نے کبھی بھی اپنے خُوابوں کی تعبیر پانے کیلئے کوئی شارٹ کٹ اِختیار نہیں کیا نہ ہی اُنہیں میں نے کبھی جھوٹ بولتے دیکھا اور نہ کبھی اپنے وعدے سے پلٹتے دیکھا۔۔

بابا کے خُواب کو تعبیر ملتے ملتے ہم چھ بھائی بھی جوان ہوتے چلے گئے اور جب یہ فیکٹری تیار ہوئی تُو بابا اکیلے نہیں تھے بلکہ ہم سب بھائی اُنکے

بازو بن چکے تھے اور جب اتنے سارے بازو کام کریں تو ترقی کی راہ بھلا کُون رُوک سکتا ہے۔

اِس لئے صرف 10 برس بعد ہی ایک اور عظیم الشان فیکٹری معرض وجود میں آ گئی جو پہلی فیکٹری سے تقریباً 20 گُنا بڑی تھی پھر میری طبیعت کُچھ تنہائی پسند ہو گئی سُو فیکٹری چھوڑ چھاڑ کر 2000 سنہ میں ایک کچی پکی بستی میں اپنی ایک الگ ہی دُنیا بنا ڈالی ۔اور 9 برس کا عرصہ بیت گیا۔اب بابا کی طبیعت خراب تھی اور وہ کراچی میں ایڈمِٹ تھے جب مجھے معلوم ہُوا کہ بھائی بابا کے پاس جا رہے ہیں تو مُجھ سے بھی رَہا نہ گیا اور میں اُن کیساتھ کراچی چل دِیا لیکن بھائی نے دوران سفر جب مجھے یہ اِطلاع دِی کہ بابا والی فیکٹری کو بیچ رہے ہیں تو مجھے اُس وقت ایسا محسوس ہُوا جیسے کِسی نے میرے سینے پر گھونسہ دے مارا ہُو۔

لیکن آخر ایسا کیا ہُوگیا ہے جو بابا کی فیکٹری بیچنے کی نوبت آ گئی ہے؟ میں نے اُسی بھائی سے استفسار کیا جس نے یہ اطلاع مجھ تک پُہنچائی تھی۔

عشرت بھائی آپ تو تمام ذمہ داریوں کا وزن ہمارے کاندھوں پر ڈال کر خُود سب سے الگ تھلگ درویشی کی زندگی گُزار رہے ہیں۔ جبکہ ہم لوگ بڑی فیکٹری کے

جھمیلوں سے نہیں نِکل پاتے اور بابا کی طبیعت کی ناسازی کا تُو آپکو بھی عِلم ہے بس اِسی بات کا فائدہ کُچھ مفاد پرست لوگوں نے خُوب اُٹھایا وہ آہستہ آہستہ بابا کے قریب ہوتے چلے گئے اور بابا کو اُن لوگوں نے اپنی چکنی چپڑی باتوں میں ایسا اُلجھایا کہ بابا اُنہی کی باتیں مان کر انویسٹ کرتے رہے یہاں تک کہ بابا کی تمام انویسٹمنٹ ٹھکانے لگا کر وہ سب مال سمیٹ کر رفو چکر ہوگئے۔

اب تُو ڈاکٹروں نے بھی سختی سے منع کردِیا ہے کہ بابا کسی کاروباری اُلجھن میں نہ پڑیں۔ ورنہ اُنکی صحت مزید بِگڑ سکتی ہے۔ اس لئے بابا والی فیکٹری کو بیچنے کا فیصلہ سب کی مشاورت سے کیا گیا ہے!

لیکن بھائی وہ فیکٹری تُو بابا کا پہلا خُواب تھی کتنی مشقت سے اُنھوں نے اسکی بنیاد رکھی تھی۔ میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو یاد دِلاتے ہُوئے کہا۔

یہ بات اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن ہم کر بھی کیا سکتے ہیں ہم بڑی فیکٹری کو ہی بمشکل سنبھال پاتے ہیں۔ عشرت بھائی ایک بات کہوں بُرا نہ منایئے گا اگر آپکو بابا کے خُواب کی اتنی ہی پرواہ ہے تُو آپ خُود یہ فیکٹری کیوں نہیں سنبھال لیتے؟ چھوٹے بھائی نے جھجکتے ہوئے اپنے دِل کی بات کہہ ہی ڈالی۔

تُم جانتے ہُو مجھے فیکٹری چلانے میں کوئی دِلچسپی نہیں ہے مجھے چھوٹے موٹے کام پسند ہیں بس میرا گُزارہ ہو جاتا ہے اور میرے بچوں کا بھی۔۔۔ میں نے اُسے ٹالتے ہوئے کہا۔

آپ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ ذمہ داریوں سے مُنہ چُراتے ہیں؟ اُس نے اگلا تیر نِشانے پر داغتے ہوئے کہا۔

ایسی کوئی بات نہیں ہے بس میری طبیعت نہیں مانتی میں نے آنکھیں موندتے ہوئے اپنا آخری فیصلہ سُنا ڈالا۔

لیکن میرا یہ جواب آخری فیصلہ ثابت نہ ہُو سکا اُسکے بعد گھر والوں کا چاروں جانب سے فیکٹری کا چارج سنبھالنے کا پریشر اِس تواتر سے مجھ پر آیا کہ اگلے چند دِنوں میں مجھے حامی بھرنی ہی پڑی۔

فیکٹری کا چارج سنبھالتے ہی جن دو مسائل کا مجھے سامنا کرنا پڑا وہ یہ تھے۔

پہلا،، فیکٹری کی اصل پونجی مفاد پرست لوگ بابا سے ہتھیا کرکے لیجا چُکے

تھے اور اب فیکٹری کا اپنا ذاتی بیلنس زیرو تھا۔
اور دوسری پریشانی یہ تھی کہ کہ بابا نے فیکٹری کیلئے بنک سے لمٹ لے رکھی تھی۔ جسے بنک ریونیو کرانا چاہتی تھی۔
میں نے بھائیوں کو بُلا کر صاف صاف کہہ دیا کہ سب سے پہلے بنک کی لمٹ ختم کرائیں میں اللہ کریم اور اُسکے مدنی محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دُشمنی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔
اُن میں سے ایک چھوٹے بھائی مجھے سمجھانے لگے فیکٹری چلانے کیلئے کروڑوں روپیہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ بابا کا ذاتی پیسہ تو خُرد بُرد ہوچکا ہے اگر بنک کی لِمٹ بھی ختم کرادی تو فیکٹری کیسے چلاؤ گے؟ بنک کی مدد کے بِنا فیکٹری چلانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔
میں نے کہا جس نے مُجھے اِس کام کے لئے چُنا ہے وہی اِسے چلانے کی بھی سبیل پیدا فرما دے گا بہر حال پھر اتفاق رائے سے سب ہی اِس بات پر رضامند ہوگئے کہ بنک کی لِمٹ خَتم کرادِی جائے اور الحمدُللہ چند ہی دِنوں میں یہ فیکٹری بنک کے چُنگل سے آزاد ہو ہی گئی۔

بہرحال کسی نہ کسی طرح محدود سرمائے سے دوبارہ فیکٹری کی ابتدا ہو گئ۔ لیکن میرے پاس اتنی بھی رقم نہیں تھی کہ تین دِن کا ہی خام مال فیکٹری کیلئے خرید سکوں لیکن بس ایک اُمید تھی کہ اللہ کریم مجھے ناکام نہیں کرے گا۔

تبھی ایک دِن میرے ایک دوست سلیم صاحب میری فیکٹری میں آئے اور مجھے ایک بڑی خُوشخبری سُنائی۔ وہ کہنے لگے عشرت بھائی کل میں نے ایک جگہ پر آپکا تذکرہ کیا تھا وہاں ایک بُہت امیر کبیر شخص بھی موجود تھا آپکا تذکرہ سُن کر کہنے لگا۔ کیا آجکل کے دُور میں بھی ایسے سر پھرے لوگ موجود ہیں۔ جو سبب کو ٹھوکر مار کر توکل کی راہ پر چلتے ہیں،، بس وہ بُہت مُتاثر ہوا ہے آپکی کہانی سُن کر اور وہ آپکے کاروبار میں ایک خطیر رقم انویسٹ کرنا چاہتا ہے میں نے شام کا وقت دیا ہے آپ کہیں جایئے گا نہیں مجھے قوی اُمید ہے آپکا روپیوں کی کمی کا مُعاملہ حل ہوجائے گا۔

اُس شام کا انتظار مجھے بھی بڑی بےچینی سے رہا۔ شام ہوتے ہی ایک بڑی سی گاڑی عین میرے آفس کے سامنے آکر رُکی سلیم بھائی کیساتھ ایک خُوش لباس شخص بھی گاڑی سے برآمد ہُوا میں نے اُٹھ کر بڑے تپاک سے مُلاقات کی سلام دُعا کے

بعد ہلکی پھلکی ریفیریشمنٹ کا انتظام تھا۔ تمام تکلفات سے فارغ ہونے کے بعد اُن صاحب نے اپنا تعارف جمال کے نام سے کروایا پھر وہ کہنے لگے ۔۔ عشرت صاحب میں آپکے خیالات اور جذبات کو قدر کی نِگاہ سے دِیکھتا ہُوں اور مجھے بڑا اشتیاق تھا کہ میں آپ سے مُلاقات کروں اور مجھے بے حد خُوشی ہوگی اگر میں آپ کے کاروبار میں آپکا جُز وقتی پارٹنر بن جاؤں ۔آپ جیسے لوگ آجکل کہاں ملتے ہیں میرے پاس کروڑوں روپے ہیں اور کاروبار میں انویسمنٹ کرنا چاہتا ہوں جبکہ آپ کے پاس تجربہ بھی ہے اور فیکٹری بھی لیکن انویسمنٹ نہیں ہے اگر ہم دونوں مِل جائیں تو دونوں کا ہی بھلا ہوجائے گا مجھے یہ سکون رہے گا کہ میرا پیسہ ایک دیانتدار انسان کے پاس ہے اورآپ کی پریشانی بھی حل ہوجائے گی۔

آپ کو جتنی بھی رقم کی ضرورت ہو مجھے حُکم کریں۔ میں وہ رقم مُہیا کردونگا بس آپ جتنا بھی خام مال خریدیں منافع میں دس فیصد کا مجھے شریک بنالیں باقی نوے پرسنٹ منافع آپکا ہوگا۔ مجھے یہ آفر سُن کر اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ مجھ سے پچاس پرسنٹ یا کم از کم پچیس پرسنٹ مُنافع کی ڈیمانڈ کی جائے گی جِس کے لئے میں ذہنی طُور پر تیار بھی تھا لیکن یہاں تُو مجھ سے صرف منافع کا دسواں حصہ مانگا جارہا تھا۔میں نے بلاتاخیر ہاں کردی اور اسطرح ہمارا زُبانی مُعاہدہ طے پاگیا اب چند دِنوں میں

اِس مُعاہدے کو تحریری شکل دِی جانی باقی تھی۔
میں نے جمال کے جانے کے بعد مغرب کی نماز ادا کی اور اللہ کریم کی بارگاہ میں شُکرانے کے نوافل ادا کئے حالانکہ میں جانتا ہی نہیں تھا کہ میری آزمائش کا دُور شروع ہوچُکا ہے۔
دوسرے دِن سے جمال کی پیمنٹ سے مال آنا شروع ہوگیا اور یُوں فیکٹری میں خام مال کی ریل پیل ہوگئی۔ تیسرے دِن جمال صاحب اچانک مُلاقات کیلئے چلے آئے میں نے بڑے تپاک سے پھر اُنکا استقبال کیا اور اُن سے خُوب گپ شپ لگائی۔ جب وہ جانے لگے تبھی میرے ایک دیرینہ دوست مجھے فیکٹری کی مُبارکباد دینے چلے آئے جمال کے جانے کے بعد میرے وہ دوست مجھے کُچھ پریشان دِکھائی دیئے میں نے پریشانی کا سبب دریافت کیا تُو وہ کہنے لگے عشرت بھائی یہ سیٹھ جمال ہی تھا یا مُجھے کُچھ غلط فہمی ہورہی ہے؟
میں نے کہا آپ کا اندازہ بالکل ٹھیک ہے یہ سیٹھ جمال ہی تھے مگر آپ اِنہیں کیسے جانتے ہیں؟
وہ کہنے لگے مُجھے خُود سمجھ نہیں آرہا کہ سیٹھ جمال آپکا دوست کیسے ہوسکتا

ہے اور یہ یہاں کیا کر رہا تھا؟
کیوں خیریت تُو ہے نا؟ اور آپ اتنا بُو کھلا کیوں رہے ہیں سیٹھ جمال کو یہاں دیکھ کر۔ میں نے اُنکی پریشانی کو بھانپتے ہُوئے دریافت کیا۔
عشرت بھائی کیا آپ جانتے ہیں کہ سیٹھ جمال کا تعلق قادیانی جماعت سے ہے؟ اور یہ ہمیشہ مسلمانوں کو پیسہ کے بل پر ایذا دیتا رہتا ہے! اور قادیانی جماعت کی جانب سے جو شرارتیں اور گُستاخیاں کی جاتی ہیں اُس کے لئے بھی سرمایہ سیٹھ جمال ہی مُہیا کرتا ہے۔
اپنے دوست کے مُنہ سے یہ انکشافات سُن کر میں اپنی سیٹ سے اُچھل پڑا مجھے ایسا محسوس ہُوا جیسے ہزاروں بچھّوں نے یکا یک مجھ پر حملہ کردیا ہو۔
وہ تمام رات میں جاگتا رَہا اور میری آنکھیں سسکتی رہیں مجھے اپنے وجود سے بھی گھن آنے لگی تھی میں ایک قادیانی سے انجانے میں ہاتھ مِلاچُکا تھا اور صرف اتنا ہی نہیں میں دھوکے میں اُسکی تکریم کئے جارہا تھا اور اب یہ سوچ سُوچ کر میری رُوح کانپ رہی تھی کہ کل بروز محشر اپنے پیارے آقا کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رُوبرو شفاعت کیلئے کِس طرح حاضر ہُو پاؤں گا اگر انہوں

نے فرمادیا کہ اقبال بس اتنی مُحبت تھی ہم سے کہ چند ٹکوں کی خاطر تم نے ہمارے دشمنوں سے، ہماری نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والوں سے ہاتھ مِلا لیا۔ مجھے اور میری اُمت کو ایذا دینے والوں کو دوست بنالیا اور اُنکی تعظیم کرنے لگے ۔اور تُم نے یہ بھی نہ سُوچا کہ تُمھارے اِس عمل سے ہمیں کتنی تکلیف پُہنچی ہو گی اور اب کس ڈھٹائی سے ہمارے حضور کھڑے ہُو کہ ہم تُمھاری سفارش کردیں۔ اور میں تصور ہی تصور میں اللہ کے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں انجانے میں سرزد ہوئے اپنے جُرموں کی مُعافی مانگتا رہا۔ روتے روتے میری آنکھیں سُرخ ہو گئیں یہاں تک کہ اچانک میرے سینے میں سکون اُترنے لگا اور میں ایک نتیجے پر پُہنچ گیا۔

صُبح ہوتے ہی میں نے سلیم بھائی کو فیکٹری بُلایا اور اُن سے کہا کہ اپنے دوست سے کہہ دیں کہ آئندہ میری فیکٹری میں وہ داخل ہونے کی بھی کوشش نہ کرے اُنکی جتنی بھی رقم مجھ پر واجب الادا ہے وہ میں کل تک آپ کو دے دونگا۔

سلیم بھائی میری بات سُن کر گھبرا گئے کہنے لگے عشرت بھائی کیا غضب کر رہے ہیں آپ آجکل اتنی آسانی سے اتنی بڑی پارٹی کہاں مِلتی ہے کیوں اپنے کاروبار کو داؤ پر لگانے کی کوشش کر رہے ہیں آپ؟

میں نے کہا سلیم بھائی آپ جانتے تھے کہ وہ قادیانی ہے پھر بھی اُسے میرے پاس لے آئے حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ میں بھوکا رہنا پسند کرلونگا لیکن کِسی دُشمنِ مُصطفٰی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ٹکڑوں پر پلنا گوارہ نہیں کرونگا۔

عشرت بھائی یقین کیجیے مجھے اگر معلوم ہوتا کہ وہ قادیانی ہے تُو ہرگز اُسے ساتھ نہیں لاتا ہاں البتہ اتنا ضرور ہے کہ مجھے ایک مرتبہ شک ضرور ہُوا تھا کہ کہیں سیٹھ جمال قادیانی تو نہیں ہے۔ اب اگر آپ نے تصدیق کرلی ہے تو واقعی لعنت بھیجیں اُس پر۔ میں کل ہی اُس کی رقم لوٹا کر ہمیشہ کیلئے خُود بھی اُس سے کنارہ کرلوں گا۔

میرے اِس فیصلہ پر میرے بُہت سے احباب نے نقطہ چینی بھی کی اور مجھے بے وقوف بھی گردانا لیکن خُدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جب میں نے بے سروسامانی کی حالت میں اُس غلیظ شخص سے ناطہ تُوڑا تب سے اللہ کریم نے میری غیب سے ایسی مدد فرمائی کہ لوگ نوٹوں کی جھولیاں بھر بھر کر میرے پاس آتے اور میں اُن سے معذرت کرلیتا کہ میرے پاس فیکٹری کی ضرورت سے زیادہ رقم موجود ہے اس لئے آپ اپنی رقم کہیں اور انویسٹ کرلیں جو لوگ مجھے قریبی طور پر جانتے ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ کسی کو مانگنے پر نہیں ملتے اور اس شخص کے پاس لوگ خُود

لاتے ہیں اور یہ لوگوں کو واپس لوٹا دیتا ہے۔

میں کب تلک امتحان کی چکی میں پِسُوں گی؟

جس وقت میں نے ،،امتحانِ عشق نے رُسوا نہ کیا،، کو پوسٹ کیا تھا تب ایک ارادہ یہ بھی کیا تھا کہ اگلے پندرہ دِن تک کوئی کالم نہیں لکھوں گا۔ بلکہ وہ تمام کام جو کافی عرصہ سے اِلتوا کا شکار ہوتے چلے آرہے ہیں اُنہیں نمٹانے کی طرف اپنی بھرپور توجہ کو مرکوز رکھوں گا۔

لیکن آج ایک بہن کے طویل، ایس ایم ایس، نے مجبور کردیا کہ چند سطریں اپنی اِس بہن کے نام لکھوں شائد میرا یہ لکھنا بُہت سے لوگوں کیلئے فائدہ مند ثابت ہوجائے اور یقیناً میرا یہ کالم بُہت سے قارئین کے ذِہنوں میں الجھے ہوئے سوالوں کا جواب بھی اپنے اندر لئے ہوئے ہوگا اب یہ پڑھنے والے پر منحصر ہے کہ وہ اِس میسج کو پڑھ کر سمجھ پاتا بھی ہے یا بقولِ شاعر ،،آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشہ دیکھے۔۔۔ دیدہ کُور کو کیا آئے نظر وہ کیا دیکھے ۔کے مِصداق بے بہرہ ہی رِہتا ہے۔

میری اُس پیاری بہن نے اپنے میسج میں میرے مذکورہ کالم کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے جِس کا خُلاصہ کُچھ یُوں ہے کہ،، عشرت بھائی میں کب تلک امتحان کی چکی میں پِسُوں گی؟

وہ کہتی ہیں کہ میں نے بھی مُعاشی حالات سے تنگ ہو کر پاکستان کو چھوڑا لیکن انگلینڈ جا کر بھی کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکی نا موافق حالات کی وجہ سے مزید قرض بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مجبور ہو کر واپس پاکستان چلی آئی لیکن یہاں بھی حالات نہیں بدلے بلکہ قرض کا آسیب ہر وقت ہمیں اپنے گھیرے میں لئے رِہتا ہے۔

وہ کہتی ہیں کہ مُحبت رَسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تو میرے وجود میں بھی خُون کی طرح موجزن رہتی ہے۔ اور اپنی ایک قادیانی سہیلی کو میں نے اِسی مُحبت کی وجہ سے خُود سے دور کیا تھا لیکن میرے حالات کیوں نہیں بدلتے ؟ دُعائیں تُو میں بھی رات دِن مانگتی ہوں پھر قرضوں کا یہ آسیب ہماری جان کیوں نہیں چُھوڑتا عشرت بھائی آخر کیا فرق ہے آپکے اور ہمارے مانگنے میں خُدارا مجھے بھی وہ فرق سمجھا دیجئے کہ اِس تکلیف کیساتھ جینا مشکل ہے بلکہ بُہت مشکل ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ تھا اُس طویل خَط کا خُلاصہ جسے میں نے اپنے طریقے سے پیش کیا ہے اگرچہ اِس خَط نے مجھے بُہت رنجیدہ کردِیا۔ حالانکہ میں اپنی اِس پیاری بہن سے کبھی نہیں مِلا لیکن ایک مدت سے برقی خطوط اور میسج کے ذریعے ہم ایک دوسرے سے اتنے ہی نذدیک ہیں جیسے ایک گھر میں رہنے والے بھائی بہن ہوتے ہیں اور میں یہ بھی جانتا ہُوں کہ میری یہ بہن بُہت بہادر ہے حالات سے لڑنا جانتی ہے ایک ایسی ہی بہن کینیڈا میں بھی رِہتی ہیں جنکی میں دِل سے عزت کرتا ہُوں اگر ہمارے مُلک کی تمام خَواتین اِن دونوں کی طرح بہادر ہوجائیں تو کبھی مَردودوں کے اس مُعاشرے میں اِنکا استحصال کرنے کی کِسی کو جُراَت ہی نہ ہو۔

میری پیاری بہن پہلے میں بھی آپ کی طرح سُوچا کرتا تھا۔ میں نے بچپن سے لیکر جوانی تک اتنی آزمائیشیں دیکھی ہیں کہ ایک وقت میری زندگی میں ایسا بھی آیا کہ مجھے خُوشیوں سے ڈر محسوس ہونے لگا تھا کیوں کہ ہر ایک چھوٹی سی خُوشی کی مجھے اتنی بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی کہ خوشیوں کے ملتے ہی ایک دھڑکا سا دِل میں لگا رِہتا کہ نجانے اِس مرتبہ مجھے کیا قیمت اَدا کرنی ہوگی۔

پھر جب شادی ہُوئی تب میں خُود کو دُنیا کا سب سے بڑا خُوش نصیب انسان سمجھنے لگا تھا لیکن صرف چار برس بعد مُوت نے اُسے مُجھ سے جُدا کردیا اور جب اُسے لحد میں اُتارا جارہا تھا تب مُجھے محسوس ہُوا کہ مجھ سے ذیادہ بدنصیب دُنیا میں کوئی اور نہیں ہُوگا۔ پھر ایک ایسی بچی جسکی عُمر بھی صرف ایک برس تھی جسکی معصوم حرکتوں نے مجھے اپنا دیوانہ بنا رکھا تھا اچانک ایک دِن میرے ہاتھوں میں دَم تُوڑ گئی اور اپنی ننھی سی بچی کو لحد میں اُتارتے ہوئے میری دُنیا پھر سے ویران ہوگئی۔

یہاں تک کہ میں جِسے پانے کی کوشش کرتا وہ مجھ سے دُور چلا جاتا۔ میں سائے کی تمنا کرتا تو زمانے کی دُھوپ مجھے خاکستر کردیتی ۔ میں اگر اُن تمام تکالیف کو سمیٹنا شروع کروں جن سے میں نبرد آزما رہا ہُوں تو یہ خُود ایک کتاب کی صورت اِختیار کرجائے۔ میں ایک دِن اِن تمام تکالیف کی وجہ سے ایسا دلبرداشتہ ہُوا کہ پیدل شہر سے باہر نِکل آیا تنہا سڑک پر چلتے چلتے میری زبان سے یہ کلمات نکلنے لگے اے میرے مالک میرا اِمتحان کب خَتم ہوگا، کب اِن مشکلوں سے میری جان چھوٹے گی، میرا صبر خَتم ہوتا جارہا ہے، میری خَطاؤں کو معاف فرمادے ۔مُعاف فرمادے میرے پروردیگار مُجھے مُعاف فرمادے۔ نہ جانے کتنی دیر تک یہی گردان میری زبان پر جاری رہی پھر مُجھے اِحساس ہُوا کہ میں شہر سے بُہت دُور چلا آیا ہُوں تب میں واپس پلٹ آیا۔

شہر میں داخل ہوتے ہُوئے میری نِگاہ ایک درویش پر پڑی جو سڑک کے کِنارے بیٹھے مُجھ ہی کو گھور رہے تھے ۔یہ درویش اکثر و بیشتر شہر کے داخلی راستوں پہ ایسے نظر آیا کرتے تھے جیسے شہر کے داخلی راستوں پر پہرہ دے رہے ہُوں اور اتنی سرعت سے ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں پُہنچ جاتے جیسے وہ پیدل نہ ہُوں بلکہ کسی ہوائی گھوڑے پر سوار ہُوں جو اُنہیں ایک لمحے میں شہر کی ایک سِمت سے دوسری سِمت میں پُہنچا دیتا ہُو۔ ایک شخص نے مجھے بھی حلفیہ طُور پر بتایا کہ وہ موٹر بائیک پر کسی دوسرے شہر سے آرہا تھا کہ اُس نے اِنہی درویش کو شہر کے داخلی راستے پر گھومتے دیکھ کر سلام کیا اور جب 10 منٹ کی مُسافت طے کرنے کے بعد وہ اپنے علاقے میں پُہنچا تو یہی درویش پہلے ہی سے اُس علاقے میں موجود تھے مجھے دیکھ کر آنکھوں سے اِشارہ کیا گُویا تنبیہ کررہے ہُوں کہ اپنی زبان خَاموش رکھنا۔

اِنکی ایک خاص عادت یہ بھی تھی کہ سلام کے علاوہ کِسی سے کلام نہیں کیا کرتے تھے ۔ اُنکی آنکھوں میں کُچھ ایسی کشش تھی کہ میں نے سلام کرنے کے بعد اُنکے ہاتھوں کو بوسہ دینے کیلئے جونہی اپنے ہاتھوں میں تھاما۔ اُنکی آواز میرے کانوں میں گونجنے لگی۔۔۔ کیا بکواس کررہا تھا راستے بھر؟ یہ پہلا موقع تھا جب میں نے اُنہیں بات کرتے دیکھا تھا مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا مگر وہ مجھ سے مُخاطب تھے اور یہ کوئی وہم نہیں بلکہ حقیقت تھی۔ اُنھوں نے پھر وہی سوال دُہرایا کیا بک رَہا تھا ابھی تُو،، کہ تُجھ ،،سے صبر نہیں ہوتا

اور تُو تھک گیا اِمتحان دیتے دیتے یہی کہہ رہا تھا نا تُو ابھی؟

مجھے اِس بات پر قطعی حیرت نہیں ہُوئی تھی کہ جو بات میں تنہائی میں کہہ رِہا تھا وہ اِس درویش نے کیسے جان لی کیونکہ مجھے اپنی زندگی میں بارہاہ اِس بات کا تجربہ ہوچُکا تھا کہ اللہ کے مقرب بندے وہ کُچھ بھی جان لیتے ہیں جو کِسی کے وہم و گُمان میں بھی نہیں ہُوتا اور کیوں نہ جانیں کہ یہ لوگ اللہ کے نور سے دِیکھتے ہیں اِنکی فراست کا مُقابلہ کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ میں نے مُوقع غنیمت جانتے ہُوئے عرض کیا۔۔ بابا مجھ میں واقعی اب سکت نہیں رہی کہ مزید غموں کا مُقابلہ کرسکوں۔ بابا میں تھک چُکا ہُوں ان تکلیفوں سے لڑتے لڑتے۔ آپ دُعا فرمادیں کہ اب یہ مشکلات کا دُور ختم ہوجائے اور میں بھی بقیہ زندگی سکون سے گُزار سکوں۔

وہ فرمانے لگے تُمھاری مِثال بھی اُس بے صبرے انسان کی طرح ہے جو اللہ کریم کی نعمتوں کا تُو شُکر ادا نہیں کرتا لیکن اگر ذرا سی تکلیف آجائے یا معمولی سا سر میں درد ہوجائے تُو اسکے اظہار کیلئے سر پہ سیاہ پٹی باندھنا ضروری سمجھتا ہے حالانکہ وہ کبھی نعمت مِلنے پر تحدیث نعمت کے طُور پر اپنے سر پر سبز یا سُرخ پٹی نہیں باندھتا۔۔ بس تُمھارا بھی وہی حال نظر آتا ہے خُدا کی قسم اگر تُم جان جاؤ کہ تُمھیں اِن تکالیف کا کیا انعام مِلنے والا ہے تُو تُم کبھی خُوشی کی تمنا نہ کرو ہمیشہ اِن تکالیف کی آرزو کرتے رَہو۔

لیکن بابا اِن مشکلوں پر صبر بھی تو اللہ کریم ہی عطا کرتا ہے نا! پھر مُجھے صبر کیوں نہیں آتا اور کیوں میری دُعائیں واپس پلٹ آتی ہیں ؟ میں نے بابا سے اِستفسار کیا

بچّے بات وہی ہے کہ تُمھیں صبر کا مقام ہی نہیں معلوم اسلئے صبر کے بجائے شِکوہ کرتے رِہتے ہُو اور دُعا کوئی بھی رائیگاں نہیں جاتی بس جو انسان کے حق میں بہتر ہوتی ہے عطا کردی جاتی ہے لیکن تیرے ساتھ ایک مسئلہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ جب تُو دُعا مانگتا ہے تُو پہلے ہی سوچ لیتا ہے کہ تیری یہ دُعا بھی قبولیت کی سند نہیں پاسکے گی۔ بیٹا جو نسبتیں تو پاچُکا ہے تجھے اُنکی اہمیت کا بھی اندازہ نہیں ۔ بس جِس دِن یہ نااُمیدی تیرے مَن سے نکل جائے گی تیری کوئی بھی جائز دُعا رائیگاں نہیں جائے گی جس دِن تو اِن نِسبتوں کی قیمت کو جان جائے گا تجھے اپنی دُعا کی اہمیت کا علم ہُوجائے گا اِتنا فرمانے کے بعد وہ درویش وَہاں سے اُٹھے اور ایک جانب کو چَل دیئے۔

بس میری بہن جِس دِن یہ بات میری سمجھ میں آگئی کہ اگرچہ میں بُہت گندہ ہُوں لیکن میری نسبت میرا تعلق تُو اچھوں کیساتھ ہے اور وہ رب عزوجل جُو مُجھ سے میری ماں سے بھی ہزار گُنا ذیادہ مُحبت فرمانے والا ہے مجھے کیوں محروم رکھے گا۔ پھر اُس کے بعد کوئی ناکامی میری زندگی میں نہیں آئی اور تبھی اِس روشنی کے چراغ کو میں نے آگے بڑھانا سیکھا اور رفتہ رفتہ چاروں جانب اُجالے بکھرنے لگے اور آج میں اِسی یقین کی شمع کو آپکی جانب بھی اِس اُمید کیساتھ بڑھا رہا ہُوں کہ نا صرف آپ بھی بے یقینی کے اندھیروں سے نِکل کر یقین کامل کے اُجالوں میں آجائیں گی بلکہ دوسروں کو بھی اِس کامیابی کی راہ پر اُجالوں کا مسافر بنا دیں گی۔

اور یقین جانیئے جِس دِن یہ بات آپکی بھی سمجھ میں آجائے گی پھر کبھی کوئی ناکامی آپکی راہ میں دِیوار نہیں بنے گی۔

کل رات یہ کالم لکھتے لکھتے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کوئی بات ہے جو اُن درویش نے) مُجھ سے کہی تھی اور وہ میں نہیں لکھ پارہا ہُوں تب میں نے مزید لکھنا بند کردِیا اور صبح فیکٹری پہنچنے کے بعد بھی کافی کوشش کرتا رہا کہ وہ بات مجھے یاد آجائے ۔،، لیکن بے سُود رَہیں سب تدبیریں ،، پھر ایک مُدت دراز کے بعد وہی مَرد قلندر اچانک میرے آفس میں اچانک داخل ہوئے۔ میں دست بوسی کے لئے آگے بڑھا مگر اُنہوں نے مجھے پکڑ کر اپنے سینے سے لگا لیا اور اپنے دہن کو میرے کان کے قریب لا کر سرگوشی میں (بُولے نسبتوں نے ترایا ہے اور نسبتیں ترائیں گی

اور اِتنا کہہ کر جہاں سے آئے تھے وہیں چلے گئے لیکن مجھے لگتا ہے کہ اس مُلاقات کا سہرا آپ کے سر ہے کہ آپ نے مُجھے میسج لکھا جسکے جواب کیلئے میں نے قلم سنبھالا مگر درمیان میں اٹک گیا جِسے سلجھانے کیلئے وہ آج پھر سالوں بعد تشریف لے آئے مجھے لگتا ہے کہ وہ اپنے پیغام میں آپ کیلئے میسج چھوڑ گئے ہیں ایکبار پہلے میرے یقین کی نیا کو ترایا تھا اور شائد آج صرف آپکی وجہ سے تشریف لائے تھے۔

غُلامی تو کرنی ہی پڑے گی

پہلا منظر

تمثیل

محمود بادشاہ محل کے باغ میں چہل قدمی کر رہا تھا ساتھ میں ایک وفادار غُلام بھی کسی ممکنہ خِدمت کیلئے پیش پیش تھا

اچانک محمود بادشاہ نے غُلام سے دریافت کیا۔ محل کی خُفیہ رپورٹ کیا ہیں؟

غُلام عرض کرنے لگا حالات کُچھ زیادہ بہتر نہیں ہیں۔ اگر جان کی اَمان پاؤں تو کُچھ عرض کروں

محمود غلام کی بات سُن کر متفکر لہجے میں کہنے لگا۔ اَمان ہے۔ کہو کیا بات ہے۔ کیا محل میں کوئی سازش رچائی جارہی ہے۔ غُلام کی مبہم گُفتگو نے محمود کو تشویش میں مُبتلا کردیا تھا۔

غلام۔ حضورِ والا بات تو بُہت چھوٹی سی ہے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ محلوں میں پنپنے والی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی نظر انداز کرنے کی صورت میں ایک طوفان کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔

محمود۔ تُم سچ کہتے ہُو۔ مگر میں یہ تمام باتیں جانتا ہُوں تُم مجھے اصل بات بتاؤ۔

غُلام۔ حضور والا آپکی ایاز پر بڑھتی ہوئی عنایات کے سبب وزیر اور مُشیر رقابت کی آگ میں خُود کو جلائے جارہے ہیں اُنکا خیال ہے کہ ایاز کی رائے آپکے نذدیک وزراء اور مشیروں کے رائے سے بھی زیادہ اہم ہے اور آپ ایاز کی رائے کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

محمود۔ اچھا تُو یہ بات ہے۔ وہ نادان لوگ اعلیٰ منصب پانے کے باوجود بھی ایاز سے خُود کا موازنہ کررہے ہیں۔ جب کہ ایاز کا تو یہ حال ہے کہ اُسے میری چاہت کے سِوا کسی منصب کی خُواہش ہی نہیں۔

دوسرے دِن بادشاہ محمود نے اپنے دربار میں خطاب کرتے ہُوئے کہا؛ مجھے معلوم ہُوا کہ کے دربار کے چند معزز ارکان کو مجھ سے شِکایت ہے کہ میری نظر عنایات ایاز کی جانب زیادہ ہیں۔ حالانکہ میں نے کبھی ایاز کا موازنہ دربار کے کسی بھی معزز وزیر کیساتھ نہیں کیا لیکن ایاز کو مجھ سے جو مُحبت ہے وہ بھی مجھ سے، مخفی نہیں اور مجھے اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہے کہ میں واقعی ایاز کی دانشمندی اور فرمانبرادی کا دِل سے قائل ہُوں۔ لیکن میں چاہتا ہُوں کہ آج اس دربار میں اِس بات کا فیصلہ ہوجانا چاہیئے۔ آج میں دربار کے تمام لوگوں کا بشمول ایاز امتحان لینا چاہوں گا جس کے بعد یہ ثابت ہوجائے گا کہ۔ میرا انتخاب بہتر ہے۔ یا آپ لوگوں کی سوچ ٹھیک ہے۔

اتنا کہنے کے بعد محمود بادشاہ نے دربار میں ایاز کو بھی طلب کرلیا۔

جب ایاز دربار میں حاضر ہُوچُکا تب بادشاہ محمود نے اپنے سر سے تاج اُتار کر اُس میں لگے دُنیا کے بیش قیمت بڑے سے ہیرے کو نُوچ لیا اور پھر اُس تاج کو جو ابھی کُچھ دیر پہلے ہیرے کی رونق کی وجہ سے جگمگا رہا تھا اور اب ایسا سُونا سُونا لگ رہا تھا مانو جیسے کوئی نوبیاہتا دُلہن بیوہ ہُوگئی ہُو اُس تاج کو دوبارہ اپنے سر پر رکھ لیا۔

محمود نے ہیرے کو اپنے داہنے ہاتھ کی تین انگلیوں کے درمیان تھامتے ہُوئے دربار کے ارکان سے خِطاب کرتے ہُوئے کہا۔۔ کیا آپ لوگ جانتے ہیں یہ دُنیا کا سب سے قیمتی ہیرا ہے اور یہ بُہت نایاب ہیرا ہے جسکی وجہ سے میں نے اِسے اپنے تاج کی زینت بنایا تھا لیکن آج میری خُواہش ہے کہ کوئی اِس ہیرے کو کرچی کرچی کردے۔

اِتنا کہنے کے بعد بادشاہ محمود نے تمام دربار پر ایک طائرانہ نظر دوڑائی۔ تمام لوگوں کے چہروں پر بادشاہ کی خُواہش کی وجہ سے مُردنی چھائی ہُوئی تھی۔

ایک وزیر نے دوسرے وزیر کے کان میں سرگوشی کرتے ہُوئے کہا۔ سُنا ہے کہ جب بادشاہ درباریوں کا امتحان لیتا ہے تو بڑے بڑے لوگ دربدر ہوجاتے ہیں نجانے آج کون بدنصیب راندہ درگاہ ہونے کو ہے؟

محمود بادشاہ نے حُکم دیا کہ ایک ہتھوڑی پیش کی جائے۔ ہتھوڑی کی دستیابی کے بعد بادشاہ محمود نے قریب کھڑے ہوئے وزیر اعظم کو طلب کیا اور ہیرا تھماتے ہوئے اُسے حُکم دیا کہ وہ ہتھوڑی کی مدد سے اُس نایاب ہیرے کو توڑ ڈالے۔

وزیر اعظم نے بادشاہ محمود کے حُکم کو سُننے کے بعد عرض کیا۔ عالیجاہ میری خُدا سے ہمیشہ یہی دُعا رہتی ہے کہ وہ آپکا اقبال ہمیشہ بلند رکھے اور آپکا دبدبہ کُفار پر ہمیشہ قائم رکھے۔ حضور والا یہ ہیرا آپکے تاج کا حِصہ ہے اور اسکی وجہ سے آپکی شوکت میں اضافہ ہوتا ہے اب یہ کیسے ممکن ہے کہ جو چیز میرے شاہ کی عزت کو بڑھاتی ہو میں اُس شئے کو تُوڑ ڈالوں۔

بادشاہ محمود نے جلد ہی ایک دوسرے وزیر پر نگاہِ انتخاب ڈالتے ہوئے اُسے ہیرا توڑنے کی دعوت دے ڈالی۔

اُس وزیر نے عرض کیا حضور والا اِس ہیرے کی قیمت ایک ریاست کی سالانہ آمدنی سے بھی زیادہ ہے میں آپکا نمک خُوار ہُوں میں آپکا اتنا بڑا نقصان نہ خُود کرسکتا ہُوں اور نہ ہی کسی اور کو یہ نُقصان کرتے دیکھ سکتا ہُوں۔

محمود بادشاہ یکے بعد دیگرے وہ ہیرا ہر ایک وزیر کو توڑنے کیلئے دیتا رہا اور ہر ایک وزیر دانائی بھرے جوابات کیساتھ اُس ہیرے کو نہ تُوڑنے کا عُذر پیش کرتا رہا جس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہ رہے تھے کہ وہ بادشاہ کے حقیقی خیر خُواہ ہیں

یہاں تک کہ تمام وزراء کے عُذر سننے کے بعد بادشاہ نے ایاز کو اپنے قریب آنے کی دعوت دی

-

-

-

محمود بادشاہ نے ہیرا تھماتے ہوئے ایاز سے بھی یہی فرمائیش کی وہ ہیرے کو توڑ ڈالے ایاز نے حُکم سنتے ہی ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی بادشاہ کے ہاتھ سے ہیرا لے کر زمین پر رکھا اور ہتھوڑی کی ایک ہی ضرب سے ہیرے کی کرچیاں بکھیر ڈالیں۔

-

-

-

تمام دربار کے لوگ ایاز کی اس گُستاخانہ حرکت پر حیرت زدہ تھے اُنہیں یقین تھا کہ محمود بادشاہ اس گُستاخی کے بعد ایک لمحے کیلئے بھی ایاز کے وجود کو زمین پر سلامت دیکھنا پسند نہیں کرے گا ہر ایک شخص کی نِگاہ بادشاہ کے چہرے پر تھی لیکن یہ کیا بادشاہ کے چہرے پر جلال اور غُصے کے بجائے اطمینان اور سکون کی لہریں موجزن تھیں۔

-

-

-

تمام دربار میں چہ میگوئیاں ہورہی تھیں جو بادشاہ کی گونجدار آواز پر سکوت میں تبدیل ہوگئیں

محمود نے ایاز کو مُخاطب کرتے ہُوئے کہا ایاز تُم نے یہ جانتے ہُوئے بھی کہ وہ ہیرا دُنیا کا نایاب ترین ہیرا تھا اور جسکی قیمت کوئی بادشاہ ہی ادا کرسکتا ہے تُم نے اُس ہیرے کو تُوڑ ڈالا؟

ایاز نے عرض کیا بادشاہ سلامت میری نظر میں اُس ہیرے کی قیمت اِس وجہ سے نہیں تھی کہ وہ دُنیا میں نایاب تھا بلکہ میری نظر میں اُسکی قیمت صرف اِس وجہ سے تھی کہ اُسے آپکی پیشانی پر سجنے کا شرف حاصل تھا اور میں نے ہیرے کو اِس وجہ سے توڑ ڈالا کہ میری نظر میں آپکے حُکم آپکے قول اور آپکی خواہش سے زیادہ کوئی چیز قیمتی نہیں اب چاہے وہ چیز کوئی چمکتا ہُوا کانچ یا میری جان ہی کیوں نہ ہُو

محمود کی آنکھیں ایاز کے جواب سے ڈُبڈبا گئیں اور بادشاہ محمود نے یہ کہتے ہُوئے ایاز کو ،،اپنے سینے سے لگالیا،، بَخُدا ہمیں اپنے انتخاب پر ناز ہے

دوسرا منظر

محترم قارئین کرام میں جانتا ہوں کہ آپکو میری تحریروں کا بے صبری سے انتظار رہتا ہے اور میری اپنی بھی یہی خُواہش رہتی ہے کہ آپکے ساتھ میرا تعلق زیادہ تاخیر کا متحمل نہ ہُو لیکن یقین جانئے کہ یہ آپ لوگوں کی مُحبت ہی ہوتی ہے جو مجھے چند دِنوں تک آپکے کسی دوسرے کام میں مشغول کردیتی ہے

دُنیا میں تین قسم کے انسان پائے جاتے

نمبر ایک۔ جو خُدا کے وجود پر یقین نہیں رکھتے (یہ لوگ دہریہ کہلاتے ہیں اور دُنیا کی (سب سی چھوٹی اقلیت ہیں

نمبر دو۔ جو خُدا کو تو مانتے ہیں لیکن خُدا کی نہیں مانتے (ان میں سب سے اول شیطان (ہے اور پھر اُسکی ذریت ہے

اور نمبر تین۔ وہ لوگ ہیں جو نہ صرف خُدا کو مانتے ہیں بلکہ خُدائے عزوجل کے ہر ایک حُکم پر بلا دلیل اپنی گردن جھکا دیتے ہیں اور یہی کامیاب ترین لوگ ہیں۔

میں نے کُچھ عرصہ قبل ہماری ویب پر ایک صاحب جو عموماً دوسرے لوگوں کے لکھے کالمز کاپی پیسٹ کی صورت میں اپنے نام سے شائع کرتے رہتے ہیں اصل نام اور مقام معلوم نہیں بس (ایم این کے) کا لوگو استعمال کرتے ہیں کو قران مجید کی ایک آیت پیش کی جسکے جواب سے مجھے معلوم ہُوا کہ موصوف نمبر دو کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اسلئے اللہ کریم کو تو مانتے ہیں لیکن اللہ کریم کی صرف اُنہی باتوں کو مانتے ہیں جو انکا دِل قبول کرتا ہے۔ اور جسکی تصدیق انکا ذہن کردیتا ہے۔

،میں آپکو اُس مباحثے کا ایک حصہ ضرور پڑھوانا پسند کرونگا۔ جو کُچھ یُوں ہے

عشرت اقبال وارثی آپ نے لکھا ہے کہ،، منکرین حدیث کے لئے قرانِ مجید کی صرف ایک آیت ہی کافی ہے جسکا جواب منکرین حدیث قیامت تک نہیں دے سکتے اور وہ آیت ہے

قُل اِن کُنتم تُحبونَ اللہ فاتبعونی یُحببکُمُ اللہ

سورہ آلِ عمران۔ 31)۔)

ترجمہ،، آپ فرمادیجئے اگر تُم اللہ تعالی سے مُحبت رکھتے ہُو تو میری اتباع کرو اللہ تعالی تُم سے مُحبت کرے گا

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کا واحد ذریعہ ہے کُتب احادیث اور کُتب سیرت جسکے ذریعہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات، اور آپکی سُنت کو جانا جاسکتا ہے

جسکے جواب میں (ایم این خالد منکر حدیث) اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غُلامی سے تشبیہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں

کس کی غُلامی اللہ کی یا انسانوں کی؟

ہر دو غُلامی کا ایک ہی نتیجہ ہے انسان میں تبدیلی

معاذ اللہ ثُم معاذ اللہ کسقدر کھلا کُفر ہے اس ایک جملے میں کہ یعنی غُلامی چاہے اللہ عزوجل کی ہُو یا کسی مخلوق کی انسان کو بدل دیتی ہے۔

اسکے بعد لکھتے ہیں کہ

اور ہاں غُلامی ایک کی ہُوتی ہے ہزاروں کی نہیں۔

قارئین محترم غور کیجئے کسقدر خطرناک عقیدہ ہے کہ پہلے موصوف نے اتباع کو غُلامی سے تعبیر کیا اور اُسکے بعد صریح طور پر اس غُلامی سے آزادی کا نعرہ بلند کردیا

ذرا غُور کیجئے اگر اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک غلامی ہے تو ہمیں اس غُلامی پر ناز ہونا چاہیئے تھا کہ یہ غُلامی ہم نے از خُود حاصل نہیں کی بلکہ یہ تو اللہ کریم کا حُکم تھا جب ہم اللہ کریم کو مان رہے ہیں تو اللہ کریم کی کیوں نہ مانیں۔

اور اگر وہ یہ چاہتا ہے کہ ہم اُس کے مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی غُلامی کریں تو ہمیں کیوں انکار ہوگا

اسلئے اگر مالک کی رضا ہے کہ ہم اسکے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی غلامی کریں،، تب غُلامی تو کرنی ہی پڑے گی،، ورنہ انکار کی صورت میں ہمارا بھی وہی حشر ہوسکتا ہے جو ابلیس لعین کا ہُوا تھا اُسے بھی آدم کے سامنے جھکنا غُلامی لگتا تھا جسکی وجہ سے انکار کر بیٹھا کہ میں اللہ کریم کے حُکم کے باوجود بھی کسی اور کی غُلامی نہیں کرونگا اور نتیجہ آپکو معلوم ہی ہے کہ دھتکار دیا گیا اور آج تک دُنیا میں ذلیل پھر رہا ہے۔

اور آج اُسکی ذریت سے ایک شخص نے پھر برملا حُکم خدواندی کا انکار کرتے ہُوئے اعلان کیا ہے کہ اتباع تو غُلامی ہے اب چاہے اس غُلامی کا حُکم اللہ کریم ہی کیوں نہ دے مجھے یہ غُلامی قبول نہیں۔

ذرا یاد کیجئے شیطان کا وہ مکالمہ جو وہ اللہ کریم سے کر رہا تھا کہ میں اللہ کو واحد مانتا ہُوں لیکن اللہ کریم کا یہ حُکم ماننے سے قاصر ہُوں کہ آدم کو سجدہ کروں۔ میں خُدا کے سِوا کسی کو سجدہ نہیں کرسکتا لیکن اسکا موحد ہونا اسے ذلیل ہونے سے نہیں بچا سکا کیوں کہ وہ یہ تو دیکھ رہا تھا کہ آدم علیہ السلام غیرِ خُدا ہے لیکن یہ بھول رہا تھا کہ آخر سجدہ آدم کا یہ حُکم بھی وہی رب عزوجل دے رہا ہے جسکی حکم عدولی کی سزا سوائے ذلت کے کُچھ بھی نہیں۔

اور فرشتے یہ سُوچ کر سجدہ تعظیم بجالائے کہ اگرچہ خُدا کے سِوا کسی کو سجدہ جائز نہیں لیکن اِس سجدہ کا حُکم بھی تُو وہی دے رہا ہے جسکی اطاعت کے بِنا چارہ نہیں جس کے حُکم پر عقل کے گھوڑے نہیں دوڑائے جاتے بلکہ چُپ چاپ اطاعت کیلئے سر جھکا دیا جاتا ہے ،، کیوں کہ حُکم ادب پر فوقیت رکھتا ہے،،

اور غلام اپنے مالک سے سوال جواب کا حق نہیں رکھتے اور نہ ہی غُلام مالک سے دلیل طلب کرتے ہیں بلکہ ہر حُکم پر بِلاچُون وچرا اَسر کو جھکا دیا کرتے ہیں جو سر کو جھکا لیتے ہیں وہ کامیاب اور کامران ٹہرتے ہیں اور جو سوال جواب میں اُلجھ جاتے ہیں وہ دُنیا میں بھی ذلیل ورُسوا ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی دھتکار دیئے جائیں گے

اللہ کریم کی بارگاہ میں دُعا ہیکہ ہمیں ایسے تمام فتنوں سے محفوظ رکھتے ہوئے اپنے مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے تاکہ ہم کل قیامت میں غُلامان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہُوں ناکے غلامان شیطان کیساتھ

آمین بِجاہِ النبی الامین وصلی اللہ تعالی علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

چار سوالات اور منکر حدیث لاجواب

قارئین محترم السلامُ علیکم

خیر اور شر.. کا معرکہ اُسی دِن سے شروع ہوگیا تھا جب اللہ کریم نے شرف و عزت کا تاج سیدنا آدم صفی اللہ علیہ السلام کے سر پر سجا دیا تھا۔اِس معرکے میں فرشتوں نے سر نیاز جھکا دیا جسکی بدولت اُن کے حصے میں خیر کی سعادت آئی جبکہ شیطانِ لعین نے سر جھکانے کو غُلامی سے تعبیر کیا اور اپنے وجود کو اللہ کے نبی علیہ السلام سے بہتر ثابت کرنے کیلئے منطقی دلیلوں اور سوال و جواب میں اُلجھ گیا جسکی وجہ سے حُکم خُدا کی نافرمانی کا مُرتکب ہو کر شر کی اَتاہ گہرائیوں میں جاپڑا۔
جسکے بعد مخلوق دو حِصوں میں تقسیم ہو گئی ایک خیر کی طلبگار تُو دوسری شر کی مددگار۔
سیدنا آدم علیہ السلام کی دُنیا میں آمد کیساتھ ہی شیطان نے اپنی ذریت میں اضافے کی راہ ہموار کرنی شروع کردی اور یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ باعث تخلیق کائینات سرورِ انبیاءَ محبوبِ رَبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر تمام جہانوں میں نوید سحر کی خُوشبو کی طرح پھیلنے لگی تیرگی چھٹنے لگی۔آتشکدے بجھنے لگے۔بُت اُوندھے مُنہ گرنے لگے۔

کلام مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک مردہ دِلوں میں توحید کی روح پھونکنے لگی جس کی وجہ سے لوگ جوق در جوق شر سے اپنے دامنوں کوچُھڑا چُھڑا
کر خیر اور پاکیزگی کے دامن میں سِمٹ سِمٹ کر مغفرت کی اُمید پر رِحمتوں کے سائے میں پناہ تلاش کرنے لگے۔

شیطان لعین کو جب اپنی ہزاروں برس کی محنت بے ثمر نظر آنے لگی تو وہ دیوانوں کی طرح واویلا مچانے لگا۔ ناکامی اور حسرت سے اپنے سر پہ خاک ڈالنے لگا۔

تب اُس نے دو سِمتوں میں محاذِ جنگ کھولنے کا اِرادہ کیا۔ جسکے ذریعے سے ایک جانب وہ اپنی ذریت کو ایمان کی دولت سے محفوظ رکھنے کی ناکام سعی میں مصروف تھا تُو دوسری جانب ایسے لوگوں کی تلاش میں سرگرداں تھا جو دِینِ رِحمت کے گھنے سائے میں آخرت کی ٹھنڈی چھاؤں کے بھی طلبگار تھے لیکن ابھی تک اپنے نفس کی غلامی کا شکار تھے اور انا پرستی کے عفریت کے زیرِ دام تھے۔

چُونکہ شیطان لعین پر یہ راز آشکار ہُوچکا تھا کہ اگر کوئی بات اللہ کریم کی ناراضگی کا باعث بن سکتی ہے تُو وہ یہی بات ہے کہ اللہ کریم کے انبیاءَ کرام علیہم السلام کی برابری کا دعوی کردِیا جائے جب سیدنا آدم علیہ السلام کی برابری کا دعوی ابلیس کو لعنت کا طوق پہنا سکتا ہے۔تو جِسے اللہ کریم کے محبوب ہونے کا شرف حاصل ہوجائے اور کوئی اُنکی برابری کا دعویٰ کرے گا تو کیوں اُسکی دُنیا اور عُقبیٰ خراب نہ ہُوگی۔ پس شیطانِ لعین کو ایسے لوگوں کے دِلوں میں (سب سے پہلے اپنی خُودی اپنی عزت کا اِحساس پیدا کرنا ضروری تھا)۔ جسکے بعد ہی وہ اپنے غلیظ خیالات کی آبیاری سے مُنافقین کے دِل و دِماغ میں تعفن پیدا کرسکتا تھا۔

سواُس نے چند ایسے لوگوں کو ڈھونڈ نِکالا جِسمیں رہیس المنافقین عبداللہ بن اُبی اور ذوالخویصرہ کے نام نُمایاں ہیں شیطان لعین اِن لوگوں کے دِلوں میں یہ بات ڈالنے میں کامیاب ہوگیا۔ کہ مُحمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تُم لوگوں میں کوئی فرق نہیں (وہ بھی تُمھارے جیسے انسان ہیں) بس فرق ہے تو اِتنا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔
اورچُونکہ مُحَمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کا مقصد صرف اِتنا ہے کہ اللہ عزوجل کا پیغام تُم تک پُہنچادیا جائے لِہذا اُنکے پیغام کو قبول کرلیا جائے اور نبی اکرم صلی اللہُ علیہ وسلم کی دیگر تعلیمات یا آیات قران کی تشریح کو پسِ پُشت ڈال دِیا جائے۔
اللہ کریم شیطان لعین کی اِن حرکات اور چال کو دیکھ رہا تھا اور جانتا تھا کہ مستقبل میں بھی ذوالخویصرہ کی معنوی اولاد اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیزاری کا نعرہ بلند کرے گی لِہذا اللہ کریم نے جا بجا قران مجید میں اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اِحکامات کے ذریعہ سے شیطان کے مکر و فریب کی چال کو اُلٹ ڈالا۔
لہٰذا قران مجید میں صلواۃ کا حُکم ضرور دیا گیا لیکن طریقہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دِیا گیا کہ جِس طرح میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ادا کریں تُم انکی پیروی کرتے چلے جاؤ۔
زکواۃ صاحب نصاب پر فرض کردی گئی لیکن اسکی شرح کا فیصلہ انبیاءَ کے سالار صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر چھوڑ دِیا گیا۔
حج کی ادائیگی کا حُکم نافذ کرِدیا گیا لیکن حج کس طرح کرنا ہے یہ مدنی مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر منحصر رہا۔

الغرض دین کے تمام ستونوں کو کریم آقا علیہ الصلواۃ والسلام کی ادا سے مشروط کردِیا گیا کیونکہ اللہ کریم علیم و خبیر ہے ازل سے جانتا ہے کہ مخلوق میں کُچھ نادان اور ظالم لوگ اطاعت مُصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو غُلامی سے تعبیر کریں گے اور فرائض و واجبات،، سے جان چھڑانے کیلئے سُنت محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے جان چھڑانے کیلئے،، اطاعت صرف اللہ کی،، کا نعرہ بُلند کریں گے۔
لیکن میرے رَبّ عزوجل نے شیطان اور اُسکی ذریت کا مکر اپنی تدبیر سے اُنہی پر اُلٹ دِیا اور قران کریم میں اُن لوگوں کو قیامت تک کیلئے ارشاد فرمادیا۔
قُل اِن کُنتم تُحبونَ اللہ فاتبعونی یحببکمُ اللہ
سورہ آلِ عمران۔31)۔)
ترجمہ،، آپ فرمادیجئے اگر تُم اللہ تعالی سے مُحبت رکھتے ہُو تو میری اتباع کرو اللہ تعالی تُم سے مُحبت کرے گا
گُویا کہ ارشاد فرمایا جارہا ہے،، اے مجھ سے مُحبت کا دعوی کرنے والو۔ اے عبداللہ کہلوا کر بھی میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے بغاوت کا عَلَم بُلند کرنے والو۔اگر تُم سچے ہُو اور واقعی مُجھ سے مُحبت کرتے ہو تو پہلے میرے مکی مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی غُلامی کا پٹہ اپنی گردنوں میں ڈال لُو اور جب تُم یہ پٹہ اپنی گردنوں میں ڈال لوگے تُو پھر تُمھیں مجھ سے مُحبت کا دعویٰ نہیں کرنا پڑے گا بلکہ میں خُود تُم سے مُحبت کرونگا اسکے سِوا تُمھارے پاس کوئی راہ نہیں کہ میری مُحبت پاسکو میرے عشق کے دعوے کرسکو سُنو اگر تُم نے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو چھوڑ کر میری مُحبت کا دعوی کیا تُو تُم جھوٹے ہُو کیونکہ میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کے بِنا میرے اطاعت ہرگز نہ کرپاؤگے۔

قارئین محترم منکرین حدیث کا فتنہ کوئی نئی بات نہیں اِس فتنے کا موجد ذوالخویصرہ تھا جو کہ ایک بے ادب اور گُستاخ انسان تھا جسکے متعلق بُخاری شریف میں دس سے زائد اَحادیث مبارکہ موجود ہیں اِسی ذوالخویصرہ کی جماعت کو ابتدا میں خارجی جماعت بھی کہا گیا۔ اِسی جماعت کے لوگوں نے اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرائیں اور جنگ کا ماحول پیدا کرتے رہے۔ جنگ جمل اور جنگ صفین بھی انہی کی ناپاک سازش کا شاخسانہ تھی۔
کئی مشہور اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت انہی بدبختوں کے ہاتھ سے ہُوئی یہ جماعت اپنے سِوا تمام مسلمانوں بشمول صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو اسلام سے خارج سمجھتی تھی اور آج تک اِسی ذوالخویصرہ کی معنوی اولاد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے کردار پر شکوک اور شبہات کی کیچڑ اچھالتی ہے۔
منکرین حدیث خارجیوں کے عقائد۔
اطاعت صرف اللہ کی۔
حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور کُتب سیرت کی اہمیت کا انکار (کیونکہ اُنکی نظر میں وہ (غیر معتبر ہیں
(صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین) ظالم تھے (معاذ اللہ
اولیاءَاللہ سے تعلق رکھنے کو ناجائز سمجھتے ہیں۔
اپنے سِوا رُوئے زمین کے تمام مسلمانوں کو کافر اور مشرک سمجھتے ہیں۔
جِس سے کبیرہ گُناہ سرزد ہوجائے اُسے گنہگار نہیں بلکہ کافر سمجھتے ہیں۔
قران مجید میں جو آیات کافروں کیلئے نازل ہُوئیں اُنہیں مسلمانوں پر تھوپنے میں فخر محسوس کرتے ہیں
قارئین محترم الحمد للہِ عزوجل پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے جِسمیں کروڑوں جانثارانِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم رہتے ہیں جسکی وجہ سے اِن خارجین اور منکرین حدیث کی کبھی اتنی ہمت نہیں ہُوئی کہ وہ عوام کے سامنے اپنے غلیظ عقائد کا برملا اظہار کرسکیں اور اگر کوئی انتہائی درجہ کا بے وقوف اگر ایسی کوئی حِماقت کر بیٹھے تو ہم نے اُسکا حشر بھی دیکھا ہے۔
اسلئے یہ لوگ اپنے عقائد کا اظہار صرف وہاں کرتے ہیں جہاں اِنہیں مکمل یقین ہُوتا ہے کہ سامنے والے کو بالکل بھی دین اسلام سے متعلق کوئی آگاہی نہیں ہے یا پھر انٹرنیٹ پر اپنے مقام کو خُفیہ رکھتے ہُوئے تبلیغ کا کام کرتے ہیں یہاں بھی وہ اپنا اصل مقام یا رابطہ کا طریقہ ظاہر نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ایسی صورت میں کوئی غازی علم الدین، ممتاز قادری، یا عامر چیمہ شہید کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انکے گُستاخانہ عقائد کی وجہ سے اِنہیں عبرتناک موت کے انجام سے ہمکنار کرتے ہُوئے جہنم واصل کرسکتا ہے۔

انشاءَ اللہ عزوجل اگلی قسط میں وہ چار سوال پیش کرونگا جسکا جواب کوئی مُنکرِ حدیث اپنی تمام ذریت اور شیطانی لشکروں کی مدد سے بھی نہیں دے پائے گا
اسلئے (چار سوالات اور منکر حدیث حصہ دوئم) بھی ضرور پڑھیئے گا تاکہ کبھی زندگی میں اگر آپکا سامنا کسی مُنکر حدیث سے ہوجائے تو انہی چار سوالات کے ذریعے سے اِن گُستاخوں کو لاجواب کرسکیں۔

چار سوالات اور منکر حدیث قسط نمبر ۲

قارئین مُحترم گُذشتہ ڈھائی برس کے دوران میرا چند ایک منکرینِ حدیث کے ساتھ مباحثہ ہُوا ہے حالانکہ یہ میری فیلڈ نہیں ہے لیکن وہ کہتے ہیں نا کہ گیدڑ کی جب موت آتی ہے تب وہ شہر کی جانب رُخ کرلیتا ہے بس اِسی طرح کچھ منکر میری جانب دوڑے چلے آتے ہیں اور میرے نا چاہنے کے باوُجود بھی مجھے اکثر اِس بحث میں گھسیٹ لیا جاتا ہے مگر الحمدُ للہ میرے سوالات کی ترتیب کُچھ اِس طرح کی ہے کہ بَفضلِ خُدا آخری سوال پوچھنے سے قبل ہی منکرینِ حدیث ایسے غائب ہوجاتے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اور شاذ و ناذ ہی کِسی ایسے ڈھیٹ و بے شرم سے واسطہ پڑتا ہے جو دلیل نہ ہونے کے باوجود بھی اپنی خِفت مِٹانے کیلئے کسی نادان بچے کی طرح اڑ جاتا ہے جِسے کوئی لاکھ سمجھائے کہ بیٹا روٹی چاند کے برابر نہیں ہُوتی مگر وہ یہی رٹ لگائے رہتا ہے کہ اگر چاند روٹی سے بڑا ہے تو مجھے ماپ کر دِکھاؤ۔

حالانکہ شارحین حدیث نے تمام اَحادیث کو لکھنے میں نہایت کمالِ احتیاط سے کام لیا ہے اور احادیث مُبارکہ کو لکھنے سے پہلے خُوب چھان پھٹک کے بعد ہی تحریر فرمایا اسما الرجال کا علم دریافت فرمایا تاکہ احادیث مبارکہ میں غلو

نہ ہونے پائے کیونکہ اِن نفوسِ قدسیہ کے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ ہمیشہ نظروں کے سامنے رہتی تھی۔ مفہوم ،، کہ جس نے مجھ سے کوئی جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے ،،

اور اگر کہیں کوئی راوی اعمال میں کمزور نظر آتا تُو نیچے راوی کے ضعیف ہونے کا تذکرہ بھی ضرور فرماتے یہ اُنکی دیانتداری کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ فرماتے تب آج کسی کو یہ معلوم ہی نہ ہُوتا کہ کس حدیث کا راوی ضعیف ہے اور کسکا راوی حسن ہے۔

اور ان تمام شارحین حدیث کے تقوی وپرہیز گاری کی قسمیں آج بھی دُنیا بھر کے کروڑوں مسلمان کھاتے ہیں اور یہ تمام نُفوسِ قدسیہ علم الحدیث میں اتھارٹی تسلیم کئے جاتے ہیں جبکہ منکرین حدیث کی تعداد مٹھی بھر شر انگیز لوگوں پر مبنی ہے جنکی نہ کوئی تعلیمی قابلیت ہے اور نہ ہی کوئی علمی مقام اسلیئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے رہنماوں کی وہی پوزیشن ہے جو ماہر طبیبوں کے سامنے کسی عطائی معالج کی ہوتی ہے بس فرق اتنا ہے کہ عطائی ڈاکٹر کی دوائی سے جان جانے کا خطرہ رہتا ہے جبکہ ان عطائی مُلاؤں کی صحبت کی وجہ سے مومن کی سب سے قیمتی شئے ایمان خطرے میں رہتی ہے۔

اگر کبھی زندگی میں کوئی مُنکرِ حدیث آپ سے نیٹ کی دُنیا میں ٹکرا جائے (کیونکہ سامنے آنے کی ہمت شائد ہی کوئی کرپائے) اور چرب زبانی سے یہ ثابت کرنا چاہے کہ اسلام کی بُنیاد صرف قران مجید سے رہنمائی کی صورت میں ہے اور اَحادیث مبارکہ کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

تب آپ بھی اِن سوالات کو اِسی ترتیب سے معلوم کرلیجئے گا انشاءَ اللہ منکرِ حدیث وہاں سے ایسے غائب ہوگا جیسے لاحول پڑھنے سے شیطان غائب ہوجاتا ہے

نوٹ

ایک بات کا ضرور دھیان رکھیئے گا جب تک آپکو آپکے سوال کا جواب نہ مِل جائے آپ کسی دوسری جانب متوجہ ہر گز نہ ہویئے گا کیونکہ اِن سوالات کو دیکھتے ہی وہ منکر حدیث ٹاپک (موضوع) کا رُخ موڑنے کی کوشش ضرور کرے گا کیونکہ دُنیا کے کسی منکر حدیث کے پاس ان سوالوں کا جواب ہی موجود نہیں ہے اس لئے اُسکی کوشش یہی رہے گی کہ دورانِ مباحثہ کوئی دوسری بحث شروع ہوجائے لیکن آپکا اصرار یہی ہُونا چاہیئے کہ پہلے اصول کیمطابق میرے سوالوں کا جواب دے دُو اُسکے بعد ہی دوسری بحث کی ابتدا ہوگی اگر آپ نے میرے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا تُو انشاءَ اللہ عزوجل وہ منکر حدیث یا تُو اپنے عقائد سے تائب ہوجائے گا یا موقع سے ذلیل ہوکر اپنے انجام کو پُہنچے گا۔

پہلا سوال،

کیا قرانِ مجید کی کسی ایک آیت کے انکار سے کُفر لازم آتا ہے یا نہیں؟

منکر حدیث اس بات کا اقرار کرے گا کہ ہاں قران کی کسی ایک آیت کا اِنکار بھی کُفر ہے

دوسرا سوال،

کیا قرانِ مجید میں اتباعِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آیتیں موجود ہیں یا نہیں ؟

منکر حدیث اقرار کرے گا کہ ہاں اتباعِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آیات قرانِ مجید میں موجود ہیں ۔ اگر منکرِ حدیث انکار کرے تب پہلے سوال کی روشنی میں خُود کافر ہو جائے گا۔ تب آپ خود کوئی ایک آیت پیش کر دیں جیسے سورہ آل عمران کی آیت نمبر31 اور آیت نمبر32

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

قُلْ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ

تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا پھر اگر وہ منھ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر

۔

، تیسرا سوال

جب اتباع کی آیت کو مان لیا جائے تب یہ معلوم کریں کہ وہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کس طرح سے کرے گا کیونکہ کسی کی تابعداری تب ہی کی جاسکتی ہے جب کہ جسکی تابعداری کی جارہی اُسکے معمولات زندگی کا علم ہُو اُسکی سیرت اُسکا کردار اُسکے احکامات اُسکی خُواہش، وہ کس بات پر خوش ہوتا ہے اور اُسے کیا چیز ناپسند ہے یہ سب باتیں معلوم ہُو۔

قارئین محترم یہاں آکر منکر حدیث ہوسکتا ہے کہ راہِ فرار حاصل کرلے یا یہ

بھی ممکن ہے کہ جو شخص ابھی تک احادیث مبارکہ پر تنقید کر رہا تھا خُود کوئی حدیث پیش کر بیٹھے میرے ساتھ یہ لطیفہ کئی مرتبہ ہوچُکا ہے کہ اس سوال کے جواب میں خُود منکر حدیث ایک حدیث اماں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرنے بیٹھ جاتے ہیں کہ جب آپ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ،، کیا تُم نے قران نہیں پڑھا۔ اسلئے وہ منکر حدیث آپ کو دھوکہ دینے کیلئے کہے گا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے کیلئے قران کافی ہے۔ کیونکہ الحمد سے لیکر والناس تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت موجود ہے۔

چُوتھا سوال

بھائی پہلی بات تو یہ کہ جب آپ اَحادیث مبارکہ کو مانتے ہی نہیں تب آپ دلیل یا جواب میں حدیث کیسے پیش کرسکتے ہیں اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ احادیث مبارکہ کا استعمال آپکی نظر میں بھی جائز ہے ورنہ آپ خُود کیسے حدیث پیش کرسکتے ہیں تیسری بات یہ جو آپ نے کہا کہ الحمد سے لیکر والناس تک حضور علیہ السلام کی سیرت موجود ہے یہ۔بزرگان دین کا قول مبارک ہے یا قران مجید کی آیت ہے اگر یہ۔بزرگان دین کا قول ہے تو بھی آپ اس قول کو جواز میں پیش نہیں کرسکتے تھے

کیونکہ آپ لوگ تو اولیاءَ اللہ کے اقوال کو مانتے ہی نہیں پھر اپنی دلیل میں اقوال کیسے پیش کر سکتے ہیں۔

لیکن ہم پھر بھی تُمہارے جواب کو قبول کر لیتے ہیں۔ کہ تمام سیرتِ مُصطفٰی ﷺ قران مجید میں موجود ہے۔ اب چونکہ دعوی آپ کی جانب سے کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کی تمام سیرت قران مجید میں موجود ہے جسمیں ہمیں کوئی شک نہیں لیکن یہ مُسلم اصول ہے کہ جو دعوٰی کرتا ہے دلیل بھی وہی فراہم کرتا ہے

اور سیرت کے معنٰی ہیں سوانح عُمری یعنی زندگی کے حالات اور واقعات۔

اب ایک طرف قران کہتا ہے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع بھی کرو اور اطاعت بھی کرو۔

جبکہ دوسری جانب مُنکرینِ حدیث کا دعوی ہے کہ اللہ کریم کے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت کیلئے سیرت مُصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم اور اَحادیث نبوی ﷺ کی ضرورت نہیں کیونکہ قران مجید میں تمام سیرت مُصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے

اگر حُضور علیہ السلام کی سیرت جاننے کیلئے کُتب اَحادیث کی ضرورت نہیں اور تمام سیرت مُصطفی قران ہی میں موجود ہے تو۔۔

تو میرا تمام منکرین حدیث سے سوال ہے کہ ۔۔۔

سوال نمبر ا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم الصلواۃ کسطرح ادا فرمایا کرتے تھے

سوال نمبر 2 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم الصلواۃ الفجر، ظہر، عصر، مغرب، عشا، اور تہجد کی کتنی رکعت ادا فرماتے تھے۔

سوال نمبر 3 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارکانِ الصلواۃ میں کیا کیا تلاوت فرماتے۔

سوال نمبر 4 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم الصلواۃ کا اختتام کیسے فرماتے اور بعد الصلواۃ کیا عمل فرماتے

منکرینِ حدیث کو اِن تمام سوالات کے جوابات قران مجید سے حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ثابت کرتے ہیں کیونکہ قران مجید فرقان حمید میں حکم اطاعت اور حکم اتباع بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلیئے ہے

میرا تمام دُنیا کے منکرین حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو چیلنج ہے کہ اپنی تمام ذُریت کو جمع کر لیجئے تمام شیطانی قوتوں کو جمع کریجئے مگر ان سوالوں کے جواب نہ تُم سے بن پائیں گے اور نہ ہی تُمھارے معنوی باپ ذوالخویصرہ کے پاس اِن سوالات کے جوابات تھے۔

قارئین مُحترم میں پھر آپکی خِدمت میں عرض کرونگا کہ جب آپ سیرت مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے یہ سوالات کریں گے تُو ہوسکتا ہے کہ اس طرح کی باتوں سے آپکو اُلجھانے کی کوشش کی جائے کہ جناب بچہ اپنے والدین سے نماز سیکھتا ہے یا آپ سعودیہ چلے جائیں اور وہاں سے نماز سیکھ لیں یا پھر کیا آپ نے نماز ڈائریکٹ حدیث پڑھ کر سیکھی وغیرہ وغیرہ۔

اب میں اِن تمام سوالات کے جوابات بھی لکھے دیتاہُوں کہ حِکمت مومن کی گُمشدہ میراث ہے لیکن مومن کی فراست کا مقابلہ کوئی ابن جہل و ذوالخویصرہ کر ہی نہیں سکتا

دُنیا کا ہر بچہ اپنے والدین کا مکلّف ہوتا ہے تو تمام دینی اور دُنیاوی حرکات و سکنات اُنہی کو دیکھ کر سیکھتا ہے اسی واسطے اگر کوئی غلطی والدین کو دیکھ کر کرلے تو اسکا عتاب اُس بچہ پر نہیں بلکہ والدین پر ہُوگا۔

لیکن جونہی وہ بچہ بالغ ہوجائے گا تب دین کا علم سیکھنا اُس پر فرض ہو جائے گا۔

لہٰذا اگر کسی جگہہ والدین کو نماز کے ارکان معلوم نہیں اور وہ غلط سلط نماز ادا کرتے ہیں جسکی وجہ سے بچہ بھی غلط طریقے سے نماز پڑھتا ہے۔ تو بالغ ہونے کے بعد وہ نوجوان یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تو ایسے ہی نماز پڑھوں گا جیسے میرے والدین پڑھتے ہیں۔

کیونکہ قرانِ مجید میں اللہ کریم ایسے سرکش لوگوں کیلئے ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ اَنزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُونَ

اور جب ان سے کہا جائے اللہ کے اتارے پر چلو تو کہیں بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت

سورہ البقرہ آیت نمبر 170

اسلیئے اب یہ مت کہنا کہ ہم نماز سعودیوں کو دیکھ کرپڑھتے ہیں یا اپنے ماں باپ کو دیکھ کرپڑھتے ہیں کیونکہ نہ ہی دین کے معاملے میں قران مجید میں ماں باپ کی اطاعت کا حکم ہے اور نہ ہی سعودیوں کی اتباع کا حکم ہے اور ویسے بھی سعودی عرب کی اتباع کرنے سے پہلے یہ ضرور جان لو کہ سعودی بھی منکرین حدیث سے اُتنی ہی نفرت کرتے ہیں جتنی دُنیا بھر میں پھیلے ایک ارب سے زائد مسلمان کرتے ہیں۔

اور ہمیں اس بات میں قطعی دلچسپی نہیں کہ آپ نماز کسکو دیکھ کرپڑھ رہے ہیں ہماری دلچسپی تو صرف اس بات میں ہے کہ آپکو اتباع رسول اور اطاعت مُصطفٰی صلی اللہ علیہ قبول ہے یا نہیں اور اگر ہے تو آپ طریقہ نماز میں اس اتباع کو کہاں سے لیتے ہیں

اگر قران مجید سے حضور علیہ السلام کے نماز پڑھنے کا طریقہ نِکالا ہے تو بس

ہمیں بھی وہ آیت بتادیں جسمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیگی نماز کا طریقہ لکھا ہے ورنہ ثابت ہوجائے گا کہ تمام منکرین حدیث دُنیاکے سب سے بڑے جھوٹے ہیں۔

اور دُنیاکے تمام منکرین حدیث اور اُنکی ذریت کو میرا چیلنج ہے کہ وہ قیامت تک نہ میرے سوالوں کے جواب لاسکیں گے اور نہ ہی خُود کو سچا ثابت کرپائیں گے کیونکہ منکر حدیث صرف حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہیں کرتے بلکہ انکار حدیث (کی وجہ سے کئی قرانی آیات کا بھی انکار کرتے ہیں) اسلئے میرا اگلا کالم اِسی موضوع پر ہُوگا،، کیا انکار حدیث نبوی ﷺ کے بعد کوئی مسلمان رِہ سکتا ہے،، میں قران مجید کی روشنی میں دلائل سے ثابت کرونگا کہ انکار حدیث نبوی ﷺ دراصل انکار قران مجید ہے اس لئے کوئی منکر حدیث مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔

تمام قارئین سے مدنی التجا ہے کہ میرے لئے بھی دُعافرمائیں گرمیوں کی آمد کیساتھ ہی عارضہ جگر میں گرفتارہُوں جسکی وجہ سے لکھنے لکھانے کا معاملہ بھی کافی حدتک موقوف ہے اللہ کریم تمام مسلمانوں کے ایمان ، جان ، مال کی حفاظت فرمائے

(آمین بجاہِ النبی الامین وصلی اللہ تعالی علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم)

(مکافاتِ عمل (صرف بالغان نظر کیلئے

محترم قارئین کافی عرصہ ہُوا کہ کوئی تحریر لکھنے کی نہ ہمت رہی اور نہ ہی ایسی کوئی تحریک دِل میں پیدا ہُوئی لیکن شعبان المعظم کے آخری عشرے سے کوئی روزانہ میرے کان میں سرگوشی کرتا ہے کہ میں اِس واقعہ کو ضرور لکھوں آج طبیعت کُچھ بہتر ہے تو سُوچا کیوں نہ اسکا فائدہ اُٹھاتے ہُوئے یہ امانت آج آپ تک پُہنچا ہی دُوں جِسے قریباً 25 برس سے اپنے سینے میں ایک زخم کی طرح پال رہا ہُوں۔

یہ اُن دِنوں کا واقعہ ہے جب میں قریباً سولہ برس کا تھا ایک شام گھر لوٹتے ہُوئے ایک ایسا دلخراش منظر آنکھوں نے دیکھا کہ میرا ننھا سا ذہن خُوف سے بھر گیا اور وہ حادثہ میرے ذہن میں بے شُمار سوالات چھوڑ گیا۔

ہمارے گھر کے نزدیک ایک نوجوان جو کافی تعلیم یافتہ اور علاقے کا سب سے زیادہ خُوش لباس اور مالدار شخص اپنے والد کو (جو علاقے کے سب سے نیک بُزرگ مشہور تھے) مار رَہا تھا والد بیٹے کے ہاتھوں مار کھا کر زمین پر نیم بے ہُوش پڑا تھا اور اِس آپا تھاپی میں اُس بوڑھے شخص کا تہبند کُھل گیا تھا۔

اُس رات میرے حساس ذہن میں سب سے پہلا سوال یہی پیدا ہُوا کہ کیا کوئی بیٹا اپنے باپ کو اسطرح مار سکتا ہے اور آخر اُس بوڑھے شخص نے ایسا کونسا جُرم کر دِیا تھا کہ جسکی وجہ سے اُسکا دُنیاوی تعلیم یافتہ بیٹا انسانیت کی معراج سے گِر کر حیوانوں کے رِیوڑ میں شامل ہونے پر مجبور ہُوگیا تھا۔

میری پریشانی کو اگر اُس وقت کِسی نے بھانپا تو وہ ہستی میری ماں کی تھی جو میرے چہرے کے بدلتے رنگوں اور میرے ٹُوٹے ہوئے دِل کو محسوس کر سکتی تھی۔

رات کو جب میں سونے کی تیاری کر رہا تھا تب وہ میرے سرہانے آکر میرے سر میں اپنی انگلیاں پھیرتے ہُوئے وہ مجھ سے دریافت کرنے لگیں کیا بات ہے اقبال آج اتنے اداس اور پریشان کیوں نظر آرہے ہُو؟

میں نے ماں کی نرم انگلیوں کا لمس محسوس کرتے ہی اپنے دِل و ذہن سے تمام سوالِ پریشان نکال کر ماں کے سامنے بکھیر دِیئے اُنھوں نے اُن تمام سوالوں کو سمیٹ کر مجھے میری عمر کے مطابق جوابات عطا کر دیئے۔

وہ کہنے لگیں بیٹا بات صرف اتنی تھی کہ بابا جی سے دوسروں کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی وہ رات دِن اپنے وقت کو لوگوں کی خِدمت کے لئے وقف کر چُکے ہیں یا

تو مسجد کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں یا لوگوں کی پریشانیاں اپنے دامن میں سمیٹ کر اُنہیں خُوشیاں تقسیم کرتے رہتے ہیں اور یہاں تک کہ جب سارا علاقہ رات کو خُواب غفلت میں پڑا ہُوتا ہے یہ باباجی تہجد ادا کررہے ہُوتے ہیں اور لوگوں کی پریشانیاں اپنے کریم رَبّ کی بارگاہ میں پیش کرکے اُنکے لئے آسانیوں کی تمنا میں اپنے رُخسار کو رات کے اندھیروں میں آنسوؤں سے بھگو رہے ہُوتے ہیں۔

آج محلے کی ایک سیوریج نالی اہل مُحلہ کی بے حِسی اور غیر ذِمہ داری کی وجہ سے شاپر اور کپڑے نالی میں پھنس جانے کی وجہ سے اُبل پڑی جسکی وجہ سے سیوریج کا گندہ پانی سڑک پر اُبل پڑا تھا سب اپنے اپنے کپڑے بچا کراُس گندے پانی سے بچ کر نِکل رہے تھے اور بلدیہ کو کُوس رہے تھے لیکن کسی کو بھی اتنی توفیق نہ ہُو سکی کہ مرض کو کوسنے کے بجائے علاج کی طرف توجہ دیتے۔

جب باباجی ظہر کی نماز پڑھنے کیلئے وہاں سے گُزرے تو نمازیوں کو وہاں سے پریشانی کی حالت میں گُزرتے دیکھ کر خُود بھی پریشان ہُوگئے چُونکہ نماز کا وقت قریب تھا اِس لئے بجائے جمعدار کو تلاش کرنے کے خُود آگے بڑھے اور چارے کی دو لکڑیوں کی مدد سے احتیاط سے وہ شاپر اور اور کپڑے سیوریج کی نکالی سے نِکالنے لگے اِتفاق سے اُسی وقت اُنکا بیٹا اپنے کسی افسر دوست کیساتھ گھر

کی جانب آ رہا تھا اُس وقت تو اُنکا بیٹا مصلحت کی وجہ سے خاموش ہُوگیا اور شائد اُس آفیسر دوست کو یہ علم بھی نہ ہُوسکا کہ سیورج کی نالی صاف کرنے والا کوئی اور نہیں بلکہ اُسکے دوست کا والد ہے لیکن دوست کے جانے کے بعد شام کو اِسی جرم کی بِنا پر اُس نے جُوش میں آکر اپنے والد کو پِیٹ ڈالا اور اسطرح یہ افسوسناک واقعہ پیش آگیا۔
لیکن امّاں بابا جی تو ایک نیک کام کررہے تھے کیا نیکی کی جزا دُنیا میں اسطرح ملتی ہے میں نے امّاں کے خاموش ہوتے ہی اگلا سوال پیش کردِیا؟
نہیں بیٹا اللہ کے نیک بندے نیکی اس لئے نہیں کرتے کہ اُنہیں دُنیا میں اُسکی جزا چاہیئے ہوتی ہے بلکہ وہ تو اپنے کریم مالک کو راضی کرنے کی سبیل تلاشتے رہتے ہیں مگر آج بابا جی کے بیٹے نے اپنے بوڑھے باپ پر ہاتھ اُٹھا کر اپنے لئے دُنیا میں بے عزتی کا سامان خرید لیا ہے۔ اسکا بدلہ آخرت میں تو ملے گا ہی لیکن دُنیا میں بھی اسکی سزا سے اُسے کوئی نہیں بچا سکے گا۔

مجھے اپنی ماں کی بات سمجھنے میں سات برس کا عرصہ لگا۔ کیوں کہ سات برس بعد اُسی مقام پر لوگوں کا جمِ غفیر دیکھ کر میں نے ایک صاحب سے جب معلوم

کیا کہ یہاں اتنے لوگ کیوں جمع ہیں تُو مجھے کسی نے بتایا کہ باباجی کے پُوتے نے آج کسی بات پر اپنے باپ کے مُنہ پر تھپڑ مار دِیا ہے جسکی وجہ سے لوگ اُس نافرمان بیٹے کو تنبیہ اور لعن طعن کر رہے ہیں لوگ شائد اُس واقعے کو بھول چُکے تھے لیکن مجھے امّاں کے کہے ہوئے الفاظ یاد آ رہے تھے کہ اسکا بدلہ آخرت میں تو ملے گا ہی لیکن دُنیا میں بھی اسکی سزا سے اُسے کوئی نہیں بچا سکے گا۔

اُس وقت باباجی کو وصال کئے ہُوئے دو برس گُزر چُکے تھے اور میں سُوچ رہا تھا کہ اچھا ہے کہ باباجی دُنیا میں موجود نہیں ہیں ورنہ اُنہیں دُگنی تکلیف محسوس ہوتی ایک اُس تھپڑ کی جو اُنکے بیٹے کے چہرے پر پڑا تھا اور دوسرے اُس تھپڑ کی تکلیف جو سات برس قبل اُنکے چہرے پر پڑا تھا۔

اور میں آج تک ایک انتظار کی کیفیت میں ہُوں کہ نجانے کب اِس تھپڑ کا جواب باباجی کے پُوتے کو اپنے بیٹوں سے مِلتا ہے ویسے بھی قدرت نے باباجی کے پُوتے سے عجیب انتقام لیا ہے کہ باباجی کا وہ پُوتا جو رات دِن دولت کی مستی سے سرشار رہا کرتا تھا آج دانے دانے کو ترس رہا ہے اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کیلئے زکواۃ اور خیرات کی بھیک تلاش کرتا اپنے کینسر زدہ جسم کیساتھ لوگوں کی جھڑکیاں اور گالیاں برداشت کرتا نظر آتا ہے۔

میرے ذِہن میں ہمیشہ ایک اور سوال بھی مجھے پریشان رکھا کرتا تھا جسکا جواب تلاش کرتے ہُوئے ایک دِن میں نے بابا جی کے ایک دوسرے بیٹے سے اپنے سوال کا جواب مانگا تھا۔ کہ بابا جی تو نہایت نیک بُزرگ تھے اُنہیں آخر کس جُرم کی وجہ سے اپنی اولاد کے ہاتھوں یہ ذلت برداشت کرنی پڑی کیا اُنہوں نے بھی اپنی جوانی میں اپنے والد پر ہاتھ اُٹھایا تھا؟

بابا جی کے بوڑھے بیٹے نے میرے سوال کا جواب دیتے ہُوئے بتایا کہ بابا جی کی پیدائش کے فوراً بعد ہی بابا جی کے والد کا انتقال ہوگیا تھا جسکی وجہ سے ایسا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ میں نے ایک واقعہ ضرور سُنا ہے شائد یہ معاملہ اُسی وجہ سے پیش آیا ہُو۔ اُنہوں نے کُچھ سوچتے ہُوئے اپنی بات کو ادھورا چھوڑ دیا۔

میں نے تجسّس کے عالم میں بے چینی سے پوچھا کیسا واقعہ؟

بابا جی کا بوڑھا بیٹا اپنے دِماغ پر زور ڈالتے ہُوئے کہنے لگا بابا جی یتیمی کے باوجود بُہت غیرت مند تھے اور دس برس کی عمر میں ہی مزدوری وغیرہ کرنے لگ گئے تھے ایک دِن مزدوری کرنے شہر گئے تو واپسی پر بابا جی کو دیر

ہُو گئی وہ یہ سوچ کر پریشان تھے کہ اماں اور بڑی بہن بھو کی انتظار کر رہی ہُو نگی لیکن جب گھر پُہنچے تو معلوم ہُوا کہ اماں اور بہن کھانا کھا چُکے ہیں بابا جی کی غیرت نے اُنہیں مشکوک بنا دیا وہ ایک لکڑی ہاتھ میں اُٹھا کر ماں کو ڈرانے لگے کہ کھانا کہاں سے آیا اور کس نے ہانڈی پکانے کے پیسے دیئے۔

تب اُنکی اماں نے ڈرتے ڈرتے بابا جی کو بتایا کہ آج بھوسے کی کوٹھری صاف کی تھی جس سے کُچھ سوکھی مٹر اور باجری نکل آئی تھی وہی پکا لی تھی بابا جی نے جب دیگچی کھولی تو اسمیں بھوسہ کے چند دانوں کیساتھ مٹر اور باجری نظر آ گئی بابا جی نے اگرچہ اماں سے معافی مانگ لی تھی۔ مگر مجھے لگتا ہے بابا جی کے ساتھ یہ معاملہ اسی وجہ سے پیش آیا تھا کہ انہوں نے ہماری دادی کو ایک مرتبہ لکڑی سے غیرت کے سبب ڈرایا تھا کیونکہ بابا جی اکثر اس واقعہ کو یاد کرکے رونے لگ جاتے تھے۔

آج یہ واقعہ تحریر کرتے ہُوئے مجھے کتاب میں پڑھا وہ واقعہ بھی یاد آ رہا ہے جب ایک بیٹا اپنے باپ کے گلے میں چادر ڈالے اُسے گھسیٹ رہا تھا جب وہ شخص اپنے باپ کو گھسیٹے ہوئے ایک برگد کے درخت کے نیچے سے گُزرنے لگا تو باپ کہنے لگا،، اے میرے بیٹے رُک جا آگے نا جانا۔

بیٹے نے حقارت سے وجہ معلوم کی تو باپ بُولا،، اس لئے کہ میں نے اپنے باپ کو بھی
صرف یہیں تلک گلے میں چادر ڈال کر گھسیٹا تھا!

اُٹھو تو اسطرح (اعتکاف اسپیشل

محترم قارئین کرام السلامُ علیکم

ہر سال دُنیا بھر میں لاکھوں مسلمان رمضانِ کریم کے آخری عشرے میں مساجد میں اعتکاف کے لئے بیٹھتے ہیں جن میں ایک کثیر تعداد نوجوانوں کی بھی ہُوتی ہے۔

اعتکاف میں بیٹھنے کی سب سے بڑی فضیلیت تو میری نِگاہ میں یہی ہے کہ یہ میرے آقا کریم علیہ السلام کی سُنت مبارکہ ہے اس عظیم نسبت کے بعد تمام فضائل ضمنی نظر آتے ہیں کہ جس عمل کو پیارے آقا علیہ السلام سے نسبت حاصل ہُوجائے اُس کے بعد کسی فضیلت کسی دلیل کی حاجت باقی نہیں رِہ جاتی۔

البتہ ایک سوال ایسا ضرور ہے جو اکثر نوجوان کے ذہن میں اس عظیم سعادت کو حاصل کرلینے کے باوجود بھی دِماغ میں باقی رہ جاتا ہے کہ آخر ہم لوگ کیوں تقریباً 10 دِن تلک اپنے گھروالوں سے دور رہے اور آخر وہ کیا مقصد تھا کہ جس کی وجہ سے ہم نے یہ خلوت نشینی اختیار کی تھی؟

جواب اگر چہ انتہائی آسان ہے مگر عموماً ہماری نگاہ اور ہماری فراست اس جواب کا ادراک حاصل نہیں کرپاتی

فضیلت کے اعتبار سے کئی احادیث کریمہ موجود ہیں جنکی رُو سے اعتکاف کا ثواب کبھی نفلی حج کے برابر تو کبھی عمرہ کے برابر کہیں مغفرت کی بشارت تو کہیں انوار الٰہی کے جلوؤں کی نوید سُنائی دیتی ہے۔

لیکن میں پھر کہوں گا کہ تمام فضائل اپنی جگہ لیکن کریم مُصطفٰی علیہ السلام کی عظیم سُنت کی نسبت اِن تمام فضائل سے بڑھ کر ہے کہ اللہ کریم نے قران مجید میں جابجا اپنے مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کا حُکم عطا فرمایا ہے۔

میں یہاں سُنت کی مُحبت کے پیش نظر ایک روایت پیش کرنا چاہتا ہُوں جو انشاءَاللہ آپکے شوق کو مزید فزوں کرنے کا سبب بنے گی روایت ہیکہ جب سیدنا مُوسیٰ علیہ السلام دریائے نیل سے گُزر چُکے اور فرعون کا تمام لشکر دریا بُرد ہُورہا تھا سیدنا مُوسی علیہ الصلواۃ والسلام نے دِیکھا کہ فرعون کے لشکر میں سے ایک آدمی دریا کی لہروں سے بچنے کی مسلسل سعی کررہاہے اور بلاآخر وہ فرعون کا لشکری ڈوبنے سے محفوظ رِہ گیا۔ حضرت سیدنا موسٰی علیہ

السلام کو گمان ہُوا کہ شائد بچنے والا کوئی نیک مومن ہوگا لیکن سیدنا موسٰی علیہ السلام نے جب اُس محفوظ رہنے والے لشکری کو غُور سے دِیکھا تو آپکو دُکھ اور نہایت حیرت ہُوئی کہ وہ شخص جو اس عذاب سے محفوظ رہا تھا کوئی نیک مومن نہیں بلکہ ایک مسخرہ تھا جو کہ بازاروں میں حضرت سیدنا موسٰی علیہ السلام جیسا حُلیہ بنا کر سیدنا موسٰی علیہ کی نقلیں اُتارا کرتا تھا کبھی آپکی طرح لہجہ بناتا کبھی آپکی طرح عصا زمین پر مارتا ہر وقت لوگوں کو محظوظ کرنے کیلئے آپ جیسا لباس پہنتا اور آپ ہی کی طرح عمامہ سر پر باندھ کر آپکی جیسی چال میں خود کو ڈھال لیا کرتا تھا لوگ اُسکی اداکاری سے محظوظ ہوتے اور کُچھ نہ کُچھ سکے اُسکی جانب اُچھال دِیا کرتے تھے جس سے اُسکا ذریعہ مُعاش قائم تھا۔

حضرت سیدنا موسٰی علیہ السلام نے بارگاہِ خُداوندی میں عرض کی اے میرے پروردیگار یہ شخص تو مجھے ایذا دِیا کرتا تھا لوگوں میں میری نقل اُتار کر میرا مذاق اُڑایا کرتا تھا تُونے اِسے کیوں عذاب سے محفوظ رکھا؟

اللہ کریم نے ارشاد فرمایا اے موسٰی آپ ٹھیک کہتے ہیں یہ شخص فرعون کا ساتھی ہے لیکن اے موسٰی اِس شخص نے تُمھاری مشابہت میں اپنا حلیہ اتنا بدل ڈالا ہے کہ جب یہ شخص دریا کی لہروں میں غرق ہُورہا تھا تب بھی مجھے اِس

میں اپنے کلیم کی جھلک نظر آرہی تھی میری غیرت نے گوارا نہ کیا کہ جو میرے کلیم جیسا نظر آرہاہُو میں اُسے فرعون کے ساتھ غرق کردوں۔اِس وجہ سے میں نے اسے غرق ہونے سے محفوظ رکھا!!!!!!

محترم قارئین اگر یہ واقعہ ابھی تک آپکی سمجھ میں نہ آیاہُو تواِسے پھرپڑھیئے ، پھرپڑھیئے یہاں تک کہ یہ بات آپ کے ذہن کے ہر گوشے میں بیٹھ جائے کہ اگر موسٰی علیہ ، السلام کا اُمتی مذاق میں بھی سُنت اپنالے تو اللہ کریم کو سزا دینے میں حیا آجائے تو کیا مُصطفی کریم علیہ السلام کی مُحبت میں سُنت کو اپنانے والا رحمت خُداوندی سے محروم رہے گا؟ کیا وہ عذاب دِیا جائے گا

پس ثابت ہُوا کہ سُنت کی نسبت ہی سب سے عظیم تر دلیل ہے جسکے بعد کوئی ظاہری فضیلیت نہ بھی ہو تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لیکن ایک بات ضرور ہے اگر کوئی یہ عشرہ اعتکاف میں گُزار کر بھی دنیاوی شہوات کے قفس سے خُود کو آزاد نہ کراپائے، اپنی مغفرت کا پروانہ اپنے کریم مالک سے حاصل نہ کرپائے، ذکرِالٰہی کی حلاوت کو نہ پاسکے، اپنی دینی اور دُنیاوی حاجات میں سُرخرو نہ ہوسکے تواُسے اپنے عمل پر دِن اور رات کے ایک

ایک لمحے پر ضرور غور کرنا چاہیئے کوئی نہ کوئی کھوٹ یا کمی ضرور عمل میں باقی ہے ورنہ وہ تو بادشاہوں کا بادشاہ ہے، مشکل کشاؤں کا مشکل کشا ہے، دنیاکے تمام خزانوں کا اصل مالک وہی ہے وہ جسے چاہتا ہے بادشاہ بنادیتا ہے جسے چاہے حاجت روائی کے لئے چُن لیتا ہے جسے چاہے زمینوں کے خزانوں کا مالک کردے جسے چاہے علم عطا کردے ایسے بادشاہ کے در پر ایک عشرہ پڑے رہنے کے بعد بھی اگر کوئی خالی ہاتھ ہے تہی دامن ہے تو یہ اُسکی اپنی بد نصیبی ہے کیونکہ دینے والا تو سخی ہے دینے والے کی اگر شان دیکھنی ہے تو اُسکے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت دیکھ لو۔

اُسکے منگتے کسی کو خالی ہاتھ نہیں بھیجتے تو وہ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے کیسے گوارہ کرے گا کہ کوئی اُسکے در پہ آئے اور خالی ہاتھ چلا جائے۔ یقیناً کھوٹ ہے تو مانگنے والے میں یا شائد ہمیں مانگنا ہی نہیں آتا یا شائد جھولی پھیلانے سے قبل ہمیں یقین ہی نہیں ہوتا کہ ہماری خالی جھولی واقعی بھر دی جائے گی

بقول علامہ شہیدی

اُسکے تو عام ہیں الطاف شہیدی سب پر
تُجھ سے کیا ضد تھی اگر تُو کسی قابل ہُوتا

(یہ تحریر بستر علالت سے خاص انسہ بہن سیالکوٹ کے حکم پر لکھی ہے)

ٹھرکی واعظ اور طوائف

یہ قریباً 17 برس پرانی بات ہے۔ آج ایک صاحب کو دیکھ کر پھر گُزرے زمانے کی یاد تازہ ہو گئی اور میں نے سُوچا کہ چلو آپ لوگوں سے بھی اُس واقعہ کو شیئر کرلیتا ہوں۔

میری عُمر اُس وقت یہی کوئی 23 برس کی رہی ہُو گی مجھے اُن دِنوں اگرچہ لکھنے کا کوئی خاص شُوق نہیں تھا بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ ایسا کوئی چسکا ہی نہیں پڑا تھا۔ مگر کتابوں سے مُحبت تب بھی ز ورُوں پر تھی میری ایک کِتاب میرے دوست پڑھنے کیلئے ایسے لے گئے کہ پھر اُنکی واپسی کبھی نہیں ہوئی۔ کئی مرتبہ مُطالبے کے باوجود بھی جب کتاب نہ ملی تُو سوچا دوبارہ بازار سے خَریدلیتاہُوں۔

شہر کے تمام بُک اِسٹالوں کی خاک چھاننے کے باوجود بھی وہ کِتاب مجھے مُیسر نہیں آئی۔۔ کتاب کا نام تھا سیرتِ رسول عربی ﷺ جسے علامہ نور بخش توکلی دامت برکاتہم عالیہ نے کمالِ مُحبت اور شوق سے اِسطرح لکھا ہے کہ پڑھنے والے قاری کا عشق رسول ﷺ ہر ہر سطر پڑھ کر بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اور اُس وقت مجھے اُسی بیش قیمت کتاب کی ضرورت تھی مگر کتاب تھی کہ مِل ہی نہیں رہی

تھی تبھی مجھے یاد آیا کہ میں نے یہ کتاب اپنے ایک دوست کے پاس بھی دیکھی تھی جو اُن دِنوں ایک جنرل اسٹور چلایا کرتے تھے۔

جب میں اپنے دُوست کی شاپ پر پُہنچا تب دوپہر ڈھل رہی تھی اور شام ہونے کو تھی ۔ میں نے اپنے دوست کے پاس پُہنچنے کے بعد اپنا مُدعا ظاہر کیا۔ وہ دوست کہنے لگے کہ عشرت بھائی کتاب دُکان پر نہیں بلکہ گھر پر موجود ہے آپ میرے پاس بیٹھیں میں کسی بچے کو بھیج کر کتاب گھر سے منگوالیتا ہُوں۔ مجھے اپنے دوست کی یہ تجویز پسند آئی اور میں اُنکے پاس بیٹھ گیا۔

دُکان چُونکہ شہر کی مصروف شاہراہ پر تھی اسلیئے دُکان کا سائز کافی چھوٹا تھا کسی صاحب نے اپنے مکان میں ایک اچھی خاصی مارکیٹ بنا رکھی تھی دُکانوں کی لمبائی اگرچہ پندرہ فِٹ سے کسی طُور کم نہ رہی ہوگی مگر دُکانوں کی چوڑائی 7 فِٹ سے ہر گز زیادہ بھی نہ رہی ہُوگی۔ جسکی وجہ سے برابر کی دُکانوں پر اگر دُکاندار کسی گاہک سے بات کر رہا ہُو تو وہ صاف سُنائی دیتی تھی۔

جنرل اِسٹور کیساتھ ہی ایک حجام کی دُکان تھی حجام ایک شخص کی شیو بنا رہا تھا اور وہ گاہک جو بظاہر پچاس پچپن برس کا ایک صحتمند شخص نظر آ رہا تھا

حجام سے شِکایت کر رہا تھا کہ حجام اچھا بلیڈ استعمال نہیں کرتا جسکی وجہ سے ہر تیسرے دِن اُس شخص کی شیو بڑھ جاتی ہے۔

کُچھ وقت گُزرنے کے بعد اُس شخص نے گُفتگو کا رُخ مذہب کی جانب موُڑ دِیا۔چُونکہ گُفتگو کے موضوع میں میری پسندیدگی کا تمام سامان موجود تھا لِہذا میں نے بھی خاموشی سے اپنا تمام دھیان اِس گُفتگو کی جانب لگا دِیا۔

وہ بُوڑھا شخص اگرچہ اپنی وضع قطع سے ہرگز کوئی مبلغ نظر نہیں آتا تھا لیکن اُسکی نپی تُلی گُفتگو سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں قطعی دُشواری پیش نہیں آئی کہ بلاشُبہ اُس بوڑھے شخص کا مُطالعہ کافی وسیع تھا اور مذہبی معاملات کیساتھ ساتھ اُس شخص کی تاریخ پر بھی کافی مضبوط گرفت تھی وہ کتابوں کے حوالے ایسے تواتر سے پیش کر رہا تھا کہ گُویا جیسے وہ تمام کتابیں اُسکے سامنے کھلی پڑی ہُوں گُفتگو جُوں جُوں آگے بڑھتی جارہی تھی میں اُس شخص سے مُتاثر ہوتا چلا جارہا تھا۔ لیکن دھیرے دھیرے مجھ پر یہ انکشاف ہُونے لگا کہ موصوف کُچھ زیادہ ہی احساسِ برتری کے مَرض میں گرفتار ہیں کیونکہ وہ بار بار بڑے فخریہ لہجے میں اپنے علم اور اپنے مُطالعے کا ذکر کِسی نہ کِسی طرح اپنی گُفتگو میں لے آتے اور اُنہیں اِس بات کا زُعم بھی شدت کیساتھ تھا کہ شائدہی کسی شخص کے پاس اِسقدر کتابوں کا ذخیرہ موجود

ہُو جیسا ذخیرہ اُنھوں نے دُنیا بھر کی نایاب کتابوں سے اپنی کوٹھی میں جمع کیا ہُوا ہے۔
وہ بوڑھا شخص شیو بنوانے کے بعد ایک کُرسی پر براجمان ہُوگیا اور اپنے عملی قصّوں اور عِلمی گفتگو سے موجود سامعین کو گرمانے لگا یہاں تک کہ درمیان میں عصر کی نماز کا وقت ہُوگیا میں اور میرا دوست نماز عصر کیلئے مسجد روانہ ہوگئے راستہ میں میرے دوست نے اُس بوڑھے شخص کے متعلق مجھے بتایا کہ وہ ایک بڑا زمیندار ہے اور ایک وسیع لائبریری اُسکے گھر میں موجود ہے صحت چُونکہ قابلِ رشک ہے اسلئے پینسٹھ سال سے زائد عُمر کے باوجود بھی وہ شخص پچاس برس کا نظر آتا ہے خُوش شکل ہونے کیساتھ ساتھ خُوش لِباس بھی واقع ہُوا ہے جہاں موصوف کو نئی گاڑیوں کا بُہت شوق ہے تو دوسری جانب کتابوں کی خریداری کا شُوق بھی جُنون کی حد تک ہے۔
عصر کی نماز سے فارغ ہُو کر جب ہم جنرل اِسٹور پر پُہنچے تُو میری مطلوبہ کتاب آچُکی تھی۔ دوسری جانب اُس شخص کا وعظ بھی جاری تھا میں چُونکہ اُس گفتگو سے بُہت محظوظ ہُو رہا تھا اِسلئے میں مزید گفتگو سُننے کے اِشتیاق میں وہیں بیٹھ رہا۔ حجام کو بھی اِس تمام گفتگو سے شائد بُہت لُطف حاصِل ہو رہا تھا اِس لئے وہ بھی بڑے انہماک سے یہ گفتگو سُن رہا تھا چار پانچ

لوگ جو شاہدً اپنی حجامت بنوانے کیلیۓ یا پھر اخبار کے مُطالعے کے لئے حجام کی دُکان پر آۓ بیٹھے تھے وہ بھی اُس شخص کی باتوں یا وعظ کو بڑی دِلچسپی سے سماعت کر رہے تھے۔ سُورج کی روشنی آہستہ آہستہ مدہم پڑتی جارہی تھی میں نے گھڑی کی جانب نِگاہ دوڑائی تو معلوم ہُوا کہ نماز مغرب میں پندرہ منٹ باقی ہیں میں نے سُوچا اتنے اچھے ماحول کو چھوڑ کر جانا کُفرانِ نعمت ہُوگا لِہذا مغرب ادا کرنے کے بعد ہی گھر جاؤں گا۔ تبھی ایک انتہائی حَسین خاتون جنرل اِسٹور پر تشریف لائیں اور دھیمی آواز میں میرے دوست سے بات کرتے ہُوئے سامان کی لِسٹ میرے دوست کے ہاتھ میں تھما کر نظریں جُھکائے اپنے مطلوبہ سامان کا انتظار کرنے لگیں۔

جُونہی یہ خَاتون جنکی عُمر تقریباً 40 برس کے قریب ہوگی جنرل اِسٹور پر تشریف لائیں ۔ حیرت انگیز طُور پر اُن واعظ صاحب کا بیان کُچھ ہی لمحوں میں اِختتام پذیر ہُوگیا۔

میرے نِگاہوں کا محور چُونکہ وہ واعظ صاحب تھے ۔اِس لئے مجھے بڑی حیرت ہُوئی جب میں نے یہ دیکھا کہ ابھی جُو شخص اللہ کریم اور اُسکے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کرتے نہیں تھکتا تھا وہی شخص بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی سے اُن خاتون کے جسم کا طواف اپنی ہَوس

ناک نِگاہوں سے کئے جارہا تھا اور اِس بات سے بے خبر تھا کہ میں جو ابھی کُچھ لمحے پہلے اُسکی علمیت اور دُور اندیشی کا قائل ہُوچکا تھا اُسکی یہ غیر اخلاقی حرکت دیکھ کر اپنی سابقہ رائے پر نادم ہُورہا ہُوں۔

چند لمحوں بعد مجھے ایسا محسوس ہُونے لگا جیسے گرد اگرد میں موجود ہر شخص کی نِگاہُوں کا محور صرف اور صِرف وہی خاتون ہُوں۔ میں نے ایک مرتبہ سیدنا اِمامِ غزالی رحمتہ اللہِ الوَالی کی ایک تحریر پڑھی تھی جسمیں آپ نے انسانی نفسیات اور اُسکی مشاہداتی حِسوں کا تذکرہ کرتے ہُوئے لِکھا تھا کہ۔ ایسا ممکن نہیں کہ کِسی خاتون کو کوئی مَرد گھورے یا کوئی عورت کِسی مَرد کو گھورے اور جِسے گھورا جارہا ہُو اُسے خَبر نہ ہُوپائے۔اور یہاں تُو کِسی ایک شخص کی بات نہیں تھی بلکہ اُس خاتون کو بقولِ شاعر،، زمانہ گھور رہا تھا۔ بلکہ میرا لِکھا ہُوا شعر اِس موقع پر بالکل فِٹ بیٹھ رَہا تھا۔

زمانہ گھورتا ہے اور نِگاہیں ہیں تعاقب میں
نَظر نیچی سہی میری مگر ادراک ہُوتا ہے

اب یہ تُو ممکن نہیں کہ اُس خاتون کو اِن نِگاہوں کی چُبھن کا اِدراک نہ ہُوا ہُو لیکن وہ بدستور اپنی نِگاہوں کو جھکائے ہُوئے کاؤنٹر پر موجود

اشیاء کو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے میں مصروف تھیں۔

اِسی اَثنا میں مسجد سے موذن کی اَذان کی صدا بُلند ہُونے لگی۔ اُس خاتون نے فوراً اپنے سَر پہ موجود دوپٹہ صحیح کیا اور احترام اَذان میں مزید مستعد ہُو گئیں اور جونہی موذن نے اِسمِ مُحمد صلی اللہ علیہ وسلم پُکارا۔ خاتون نے کمالِ شُوقِ ادب اور حُسنِ عقیدت سے اسمِ مُحمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چُوم کر اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔

میرے دُوست نے اُن خاتون کا مطلوبہ سامان اور بِل اُن خاتون کو تھما دِیا اور رقم ملنے کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن جب تک اَذان بُلند ہُوتی رہی نہ ہی اُن خاتون نے اپنے ہُونٹوں کو جُنبش دِی اور نہ ہی اپنے پرس میں ہاتھ ڈالنے کی زِحمت گوارا کی۔ البتہ جُونہی اَذان خَتم ہُوئی اُس خاتون نے اپنے ہونٹوں کو جُنبش دی اور نسبتاً اپنے ہاتھوں کو بُلند کردیا وہ غالِباً اَذان کے بعد دُعا مانگ رہی تھیں دُعا سے فارغ ہُونے کے بعد بِل پر نِگاہ ڈالی اپنے پَرس سے مطلوبہ رقم نِکالی، رقم میرے دوست کے ہاتھوں میں تھمائی اور اپنے مطلوبہ سامان کے شاپر اُٹھا کر ندیک کھڑی ایک گاڑی کی جانب بڑھنے لگی۔

چونکہ اَذان مغرب ہُوچکی تھی اسلئے میں اور میرا دُوست نماز مغرب ادا کرنے کیلئے مسجد کی جانب بڑھنے لگے دُکان سے نِکلتے ہُوئے میری نِگاہ غیر اِرادی طُور پر اُس واعظ پر پڑی تُو مجھے محسوس ہُوا کہ واعظ صاحب ابھی تک ٹکٹکی جمائے اُس خاتون کو جاتا ہُوا دیکھ رہے تھے اور اب باقاعدہ اُنکا سانس بھی پھول رہا تھا جیسے کوئی شخص طویل مُسافت طے کرنے کے بعد ابھی ابھی منزل پر پُہنچا ہُو اور اپنی سانسیں دُرست کر رہا ہو۔

جب ہم نماز مغرب ادا کرنے کے بعد واپس جنرل اِسٹور پر پُہنچے تو واعظ موصوف حجام کی دُکان پر شام کے اخبار کا مُطالعہ کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر اَخبار کا مُطالعہ کرنے کے بعد وہ واعظ نُما شخص ایک بڑی سی گاڑی میں بیٹھ کر چل دِیا میں نے محسوس کیا کہ اب اُس شخص کا سانس معمول کے مُطابق چل رہا تھا۔

مغرب کی نماز کے بعد بازار بند ہُونا شروع ہُوگیا میرا دُوست گاہکوں سے فارغ ہُونے کے بعد میرے پاس آبیٹھا اور مجھ سے میری مصروفیت دریافت کرنے لگا۔ میں نے درمیان گفتگو اپنے دُوست سے اُن خاتون کے متعلق اِستفسار کرتے ہوئے کہا۔کیا بات ہے تُمہارے بازار میں کیا پہلی مرتبہ کوئی خوبصورت خاتون آئیں تھیں کہ ہر ایک اُس بیچاری کو ایسے دیکھ رَہا تھا جیسے زِندگی میں

پہلی مرتبہ کسی عورت کو دیکھا ہو۔

میرے دوست نے پہلے تو میرے سوال پر ایک قہقہہ بلند کیا اور اُسکے بعد مجھ سے کہنے لگے عشرت بھائی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ بازار تو قائم ہی خواتین کی وجہ سے ہیں اگر یہ خریداری کرنا چھوڑ دیں تو آدھا بازار تو ویسے ہی گاہک نہ ہونے کی وجہ سے بند ہو جائے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ابھی جو خاتون مجھ سے سودا لے کر گئی ہیں یہ آج سے پندرہ برس قبل شہر کی مشہور طوائف تھی اِسکی ایک جھلک دیکھنے کیلئے ہزاروں نگاہیں بیتاب رہا کرتی تھیں ہر ایرے غیرے کی تو ہمت بھی نہیں ہوتی تھی کہ ملاقات کر سکے۔ اُس زمانے میں یہ بہت شوخ و چنچل ہوا کرتی تھی۔ پھر نجانے کیا ہوا کہ اِس نے لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا بازاروں میں آنا چھوڑ دیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ایک ڈاکٹر صاحب سے اِنکا نکاح ہو گیا۔ اور یہ ڈاکٹر صاحب کے گھر میں بیٹھ گئیں ابتدا میں ڈاکٹر صاحب کو لوگوں نے کافی لعنت ملامت کی لیکن آہستہ آہستہ لوگ اِس بات کو بھولتے چلے گئے۔ لیکن عشرت بھائی ایک بات ضرور ہے کہ جب سے اِس طوائف نے گناہوں کی زندگی سے توبہ اِختیار کی ہے کسی نے انہیں نگاہ اُٹھا کر چلتے نہیں دیکھا۔ اور

جن لوگوں کا ڈاکٹر صاحب کے گھر میں آنا جانا ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اب یہ خاتون گھر میں اکثر نماز وتِلاوت میں مشغُول نظر آتی ہیں۔ اسکے علاوہ علاقے کی خواتین کی مالی امداد، کیساتھ ساتھ اُنکے مسائل کے حل کے لئے بھی پیش پیش نظر آتی ہیں۔

میرا وُہ دُوست مجھ سے نجانے اور کیا کُچھ کہتا رہا مجھے خبر نہیں۔ میں تُو اُس وقت یہ سُوچ رہا تھا کہ۔ ایک طرف وُہ وَاعظ نُما شخص تھا جو دُنیا بھر کی کِتابوں کے مُطالعے کے باوجود بھی نہ اپنی نِگاہُوں میں حیا پیدا کر سَکا، نہ ہی اپنے اِخلاق کو سَنوار سَکا۔ اور نہ ہی اُسکے وسیع مُطالعے سے اُسے نماز کی تُوفیق مِل سکی۔ اگر کُچھ حاصِل ہُوا تُو صِرف اِحساس برتری کا مَرض، خُود نمائی اور سب سے ممتاز نظر آنے کا سِفلی جذبہ۔۔۔۔

جبکہ دوسری جانِب وہ خاتُون تھی کہ جِسکے ماضی کی وجہ سے کُچھ لُوگ اُسے سابِقہ طوائف کے طُور پر یاد رکھے ہُوئے تھے۔ لیکن نہ جانے اُس کی تُوبہ کیسی مقبول تُوبہ تھی کہ جس نے اُسکے شب وروز کو بَدل کے رکھ دِیا تھا۔ میں بے حیا لوگوں کے متعلق تُو کُچھ نہیں کہہ سکتا لیکن اتنا یقین کیساتھ کہہ سکتا ہُوں کہ اُس خاتون کے چہرے پہ جو تقدس میں نے دیکھا تھا۔ کِسی

شریف النفس اِنسان کو دُوبارہ چہرہ دیکھنے کی جُرأت نہیں ہُو سکتی تھی۔

یہ کالم لکھتے ہُوئے مجھے مدینے کا وہ تاریخی واقعہ یاد آ رہا ہے جہاں ایک عورت دربارِ مُصطفی صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے جُرمِ زِنا کا اقرار کر رہی تھی اور رؤف ورَحیم آقا ﷺ اُسے بار بار ٹال رہے تھے یہاں تک کہ اُس نے ایک بچّے کو جنا پھر ارشاد ہُوا کہ ابھی بچہ چھوٹا ہے اسے دودھ پِلاؤ مگر نہ جانے کیسی بے چینی تھی کہ مُدت شیر خُواری مکمل ہُونے کے بعد وہ عُورت پھر دربارِ مُصطفی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضِر ہُو گئی اور سنگسار ہُو کر پاک ہُونے کی خُواہش ظاہر کی۔ لِہذا اُسے سنگسار کر دیا گیا۔ بعدِ سنگسار کریم آقا علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا تھا،، مفہوم،، جیسی تُوبہ اِس خاتون نے کی ہے اگر تمام مدینہ کے گُنہگاروں میں تقسیم کر دی جائے تو سب کے لئے کافی ہُو جائے۔!!!!!

واپسی کا سفر

محترم قارئین کرام السّلامُ علیکم
آپ میں سے اکثر احباب جانتے ہیں کہ میں کافی عرصہ سے عارضہِ جگر میں مُبتلا تھا قریباً یہ مرض اتنا ہی پُرانا ہے جتنا تعلق میرا ہماری ویب کیساتھ رہا ہے۔ ابتدا میں علاج کی خاطر ایک دوست مجھے ہومیو پیتھک ڈاکٹر صاحب کے پاس لیکر گئے میرے مرض کی تشخیص بھی اُنہی ہومیوپیتھک ڈاکٹر کی بدولت ہی ممکن ہُوئی تھی ورنہ ایلو پیتھک ڈاکٹرز کا خیال تھا کہ مجھے معدہ میں پرابلم ہے جسکی وجہ سے اُبکائیاں آرہی ہیں جبکہ ہوپیتھک ڈاکٹر صاحب نے میری علامات سُن کر ہی فرمادِیا تھا کہ میرا جگر متاثر ہو گیا ہے اور اُنکے کہنے پر جب خُون کے ٹیسٹ کروائے تو معلوم ہُوا کہ ہیپاٹائٹس سی اپنی جڑیں میرے جگر میں پیوست کرچُکا ہے۔
ڈاکٹر صاحب کے پاس جب میں اپنی رپوٹیں لیکر حاضر ہُوا تو اُنھوں نے میرے چہرے کی مسکراہٹ سے اندازہ لگایا کہ شاید اُنکا اندازہ غلط ثابت ہُوا ہے لیکن جب اُنھوں نے میری رپورٹ پڑھی تُو تشویشناک لہجے میں کہنے لگے وارثی

صاحب شائد آپکو کُچھ غلط فہمی ہُوئی ہے۔ ورنہ رپورٹ میں تُو صاف لکھا ہے کہ آپ ہیپاٹائٹس سی کا شِکار ہُو گئے ہیں۔

میں نے اُنکی تشویش سے محظوظ ہُوتے ہُوئے کہا ڈاکٹر صاحب مجھے معلوم ہے کہ مجھے ہیپاٹائٹس سی کا مرض لاحق ہُوگیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے حیرت سے میرے چہرے کو دیکھتے ہُوئے کہا،، پھر آپ مُسکرا کیوں رہے ہیں ؟

میں نے عرض کیا ڈاکٹر صاحب یہ تُو خُوشی کا مقام ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو جیسے میری ذہنی حالت پر شَک ہُونے لگا تھا۔ کہنے لگے وارثی صاحب اِس موذی مرض میں خُوشی کا کونسا پہلو ہے ذرا مجھے بھی تُو سمجھایئے میں نے تُو آج تک جتنے مریضوں کو اِس بیماری میں مُبتلا دیکھا ہے وہ اکثر پریشان اور غمگین ہی نظر آتے ہیں۔

میں نے عرض کیا ڈاکٹر صاحب ہر کِسی کے سُوچنے کا اپنا انداز، اپنا زاویہ اور اپنا نظریہ ہُوتا ہے نہ میں کِسی کی سُوچ پر پہرے لگا سکتا ہُوں اور نہ

کوئی اور میرے سوچنے کے انداز پر قدغن لگا سکتا ہے۔ اور میں تو یہ سوچ کر خُوش ہُوں کہ میرا پَروردگار مجھ سے ناراض نہیں تبھی تُو اُس نے مجھے اِس مرض کے ذریعے آزمایا ہے۔ اب جب تک یہ بیماری میرے وجود میں موجود رہے گی یا تو میرے گُناہ مُعاف ہُوں گے یا میری نیکیوں میں اضافہ ہُوگا کہ مسلمان کیلئے مرض پر صبر سِوائے انعام و اکرام کی بارش کے کُچھ بھی نہیں اور میں خُوش ہُوں کہ مجھ جیسے گُنہگار کا شُمار بھی اَب اُن خُوش نصیبوں میں ہُوگیا ہے جن پر رحمت اِلٰہی کی بارش چھما چھم برستی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کہنے لگے وارثی صاحب بات تُو آپکی سولہ آنے دِل کو لگی ہے مگر ابھی تُو ابتدائے عشق ہے اِس لئے آپ کے چہرے پر مُسکراہٹ موجود ہے یہ مرض جُوں جُوں پرانا ہُوتا جائے گا آپ کو خُون کے آنسو رُلائے گا پھر یہ مسکراہٹ چہرے پر شائد باقی نہ رہے اور ہُوسکتا ہے آپ بھی دیگر لوگوں کی طرح خُدا سے شِکوہ کرتے نظر آئیں کہ اِس مرض میں صرف جگر ہی نہیں پگھلتا بلکہ جسم کی ہڈیاں بھی بُوسیدہ ہُوجاتی ہیں۔

میں نے عرض کیا ڈاکٹر صاحب علاج سُنت ہے اِس لئے آپ علاج فرمائیں جِس رَبّ عزوجل نے بیماری کی آزمائش میں مُبتلا کیا ہے صبر وہمت بھی وہی عطا کرے گا۔

ڈاکٹر صاحب کُچھ لمحے سُوچتے رہے پھر جیسے کسی نتیجے پر پُہنچنے کے بعد گُویا ہُوئے وارثی صاحب آپ بُرامت منایئے گا۔ میرے خیال میں آپکو پہلے ویکسین کروالینی چاہئے اگر آرام نہ آئے تُو میرے پاس تشریف لے آیئے گا کیونکہ میرا تجربہ ہے کہ جیسے ہی آپکے دوست احباب کواِس مرض کی اِطلاع ملے گی وہ آپکو ویکسین کا مشورہ دیں گے اور ہومیوپیتھک علاج کی جانکاری چُونکہ عام لوگوں کو کم ہی ہوتی ہے اِسلئے اس طریقہ علاج کو لُوگ وقت اور پیسوں کے ضیاع کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

بہرحال قصہ مختصر مجھے ڈاکٹر صاحب کی یہ بات معقول اور صائب لگی اور میں واپس گھر آگیا۔

پھر میرے احباب نے میری ویکسین اِسٹارٹ کروادی اور چھ ماہ کا عرصہ ڈاکٹرز میرے پیٹ کو سُوئیوں سے گُودتے رہے ویکسین مکمل ہُونے کے بعد جب پی سی آر کی رپورٹ سامنے آئی تو معلوم ہوا کہ میرا بھی حال اِس شعر کی مِصداق ہے،، مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دَوا کی،،

کُچھ دِنوں کے بعد ایک دوست پھر ایک ہیپاٹائٹس سی کے ماہر ڈاکٹر کے پاس

مجھے لے گئے اُنہوں نے بتایا کہ پانچ پرسنٹ لوگوں پر یہ ویکسین اپنا اثر نہیں چھوڑتی اسلئے آپ آرام کریں اور چند دوائیں تجویز کردیں اُسکے بعد حالت مزید خراب سے خراب تر ہُوتی چلی گئی اور ایک برس گُزر گیا لیکن اب کیفیت یہ تھی کہ کالم لکھنا تُو دُور کی بات قلم ہاتھ میں لینے کو بھی جی نہیں چاہتا تھا۔ اکثر موبائل فون سائلینٹ پر رہنے لگا جسکی وجہ سے لوگوں کی کال اٹینڈ نہیں کرپاتا پُورے دِن میں ایک دُو کالز ہی سُننے لگا پھر ایمیلز کا پڑھنا کیا اور جواب دینا کیسا آہستہ آہستہ نماز و اوراد کے سِوا سب کُچھ چھُوٹ سا گیا اگر کوئی مُلاقات یا روحانی مسائل کے حل کیلئے تشریف لے آتا تو جسقدر ممکن ہُوتا تعاون کرِدیا کرتا وگرنہ بستر تھا اور ہم تھے یہاں تک کہ فیکٹری پر بھی اکثر آرام ہی ہُونے لگا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات کہ جگر کیساتھ ہڈیاں بھی بُوسیدہ ہونے لگتی ہیں سچ نظر آنے لگی تھی۔

اِس تمام دُور میں بیشُمار دوست احباب میری بیماری سے پریشان اور میری صحتیابی کیلئے دُعاگو تھے لیکن ایک شخص سائے کی طرح میرے ساتھ لگا ہُوا تھا جو میری ہر ضرورت کا نہ صِرف خیال رکھ رَہا تھا بلکہ ڈاکٹروں سے بھی رابطے میں تھا میں نے لاکھ سمجھایا کہ میری خاطِر خُود کو اِتنا ہلکان مت کرو مگر

وہ نہیں مانا۔ وہ اپنے نام کی طرح ہے۔ میرے بچوں نے اِن تین بَرسوں میں میری جو خِدمت کی ہے تُو وہ اُنکا فرض تھا لیکن احِسان الحق وارثی کے اِحسانات کا قرض میں شائد اپنی پوری زندگی میں بھی نہ چُکا پاؤں ۔

پھر اِحسان بھائی کی ضد کیوجہ سے ایک مرتبہ پھر پاکستان کے نامور ڈاکٹرز سے مُلاقاتوں کا سلسلہ چل نِکلا اور اِحسان بھائی نے مجھے دوبارہ ہائی ویکسین کیلئے راضی کرلیا ڈاکٹروں کو مزید چھ ماہ میرے پیٹ پر نشتر چبھونے کا پروانہ مِل گیا۔ لیکن نتیجہ پھر وہی ،، ڈھاک کے تین پات ،، کی صورت برآمد ہُوا اور رِپورٹ آنے کے بعد ڈاکٹر نے صاف جواب دے دِیا کہ اب ہمارے پاس مزید کوئی علاج نہیں ہے۔ اسلئے اب آپ انتظار کریں ! مگر یہ نہیں بتایا کہ کِس کا انتظار کریں مزید کِسی نئی تحقیق کا۔۔۔۔ یا مُوت کا !

اِحسان بھائی کا بَس نہیں چل رہا تھا ورنہ شائد وہ ڈاکٹر کی ہی درگت بنا ڈالتے۔

میں نے سُوچا چلو قِصہ ختم اب اِحسان بھائی خُود بھی آرام سے بیٹھ جائیں گے اور میں بھی آرام سے انتظار کروں گا مگر معلوم شائد مجھے بھی نہیں تھا کہ انتظار کِس کا کرنا ہے۔

لیکن اِحسان الحق بھائی بھی کہاں ماننے والے تھے اگلے ہی دِن سے کسی قابل حکیم کی تلاش میں سرگرداں ہُوگئے کبھی گوگل پر سرچ کررہے ہیں تو کبھی اِسکائپ پر کسی حکیم صاحب سے گُفتگو فرمارہے ہیں تو کبھی دوستوں سے کسی قابل حکیم کا پتہ دریافت فرمارہے ہیں بلاآخر کامران عظیمی بھائی کی وساطت سے اُنھوں نے حیدرآباد میں ایک قابل حکیم صاحب ڈھونڈ نِکالا اور میرے سامنے دو حکیم صاحبان کا نام لیکر تشریف لائے دوسرے حکیم صاحب کا تعلق راولپنڈی سے تھا اور یہ اِنہیں اسکائپ کی وساطت سے ملے تھے۔

اِحسان بھائی نے دونوں نام میرے سامنے پیش کرتے ہُوئے استخارے کا حکم دیا۔ اور جب استخارہ کامران عظیمی بھائی کے بتائے ہُوئے حکیم صاحب کے نام نِکلا تُو اگلے ہی چند دِنوں میں مجھے ساتھ لیکر حیدرآباد کے لئے روانہ ہُوگئے۔

اور یُوں تین برس ایلوپیتھک علاج سے اپنے مرض کو تین گُنا سے بھی زیادہ بڑھا کر ہم نے حِکمت کا علاج اپنا لیا اور ہوسکتا ہے کسی صاحب کو یقین نہ آئے لیکن صرف 13 دِن بعد ہی جب میں نے اپنا بلڈ ٹیسٹ کروایا تُو مجھے معلوم ہُوا کہ حیرت انگیز طور پر میرا مرض نہ صِرف بُہت تیز رفتاری کیساتھ خَتم ہُورہا ہے بلکہ میرے جگر کو بھی تقویت حاصِل ہورہی ہے اور مجھے لگتا ہے کہ

یہ مرض شائد اگلے ماہ میں سِرے سے ہی خَتم ہو جائے گا۔
لیکن میں بُہت زیادہ خُوش نہیں ہُوں کیونکہ میں جانتا ہُوں کہ جیسے ہی یہ مرض مجھ سے جُدا ہُوگا میری نیکیوں کا میٹر بھی رُک جائے گا اور میرے گُناہوں کی صفائی کا ذریعہ بھی تھم جائے گا شائد اِسی وجہ سے میں نے آج تک اپنے رَب عزوجل سے اس بیماری سے چھٹکارے کی دُعا نہیں مانگی تھی کیوں کہ میں تُو صرف اتنا جانتا ہُوں کہ حقیقی علم صرف میرے رَب عزوجل کو ہی ہے اور باقی سارے علوم اُسکی عطا سے ہیں اور جِسے چاہے علم عطا فرما دیتا ہے مگر جو رَب اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ مُحبت کرتا ہے اُس نے یہ بیماری مجھے بِلاوجہ تُو عطا نہیں کی ہُوگی یقیناً یہ بیماری میرے حق میں بہتری، کیلئے ہی عطا کی ہو گی۔
مگر یہ سُوچ کر مجھ نادار کی ڈھارس بن جاتی ہے کہ شائد وہ بیماری واپس لے کر مجھ سے اپنے بَندوں کی خِدمت کا کام لے اور مجھ سے اسطرح راضی ہُوجائے کہ بے شک اُس کے ہر کام میں حکمت چُھپی ہے۔
انشاءَاللہ جُوں جُوں طبیعت میں بہتری آتی جائے گی میرے قلم کی رفتار بھی بڑھتی جائے گی اور مکمل رِپورٹ آنے کے بعد حکیم صاحب کا نام اور مُقام بھی

تحریر کردونگا۔

چونکہ یہ کالم بھی بیماری کی حالت میں لکھ رہا ہوں اسلیئے اگر تحریر بے ربط اور ناقص نظر آئے تو آپکے قیمتی وقت کو برباد کرنے کیلیئے پیشگی مُعافی کا خُواستگار ہُوں۔

آپکی دُعاؤں کا طالب۔

دارُالافتاء احکامِ شریعت میرپور خاص

دارُالافتاء احکامِ شریعت میرپور خاص ، مِنارۂ نُور کی مانند چہار اطراف میں روشنی کی کِرنیں بکھیر رہا ہے اور گُزشتہ سال 2011 سے تشنگانِ عِلم کی پیاس کو بُجھانے میں اپنا کرادار بڑے موثر اور اِحسن انداز سے نبھا رہا ہے۔

بے شُمار لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے بنفسِ نفیس تشریف لا کر اپنے شرعی مسائل کا حل معلوم کر رہے ہیں جبکہ بے شُمار لوگ ٹیلی فُون اور ایمیل کے ذریعے سے بھی فیضیاب ہُو رہے ہیں۔

الحمدُللہ عزوجل کافی عرصہ سے میری دِلی خُواہش تھی کہ قبلہ مفتی صاحب دامت برکاتھم عالیہ اپنے علمی گُلستان کی خُوشبو سے ہماری ویب کے قارئین کو بھی مِہکائیں اور ہماری ویب کے قارئین بھی براہِ راست بِلا جھجک اپنے شرعی مسائل کے حل معلوم کر سکیں۔

آپ نے کرم فرماتے ہُوئے میری اِس خُواہِش کی بھی لاج رکھ لی اور یوں آجکل ہماری ویب کے قارئین بھی مفتی صاحب کے کالمز بنام " احکامِ شریعت (مسائل

اور جوابات)" پر سوالات اور اُنکے جوابات سے خُوب مُستفید ہُورہے ہیں۔

اِنشا اللہ عزوجل بُہت جلد مفتی صاحب کی خُواہش پر دارالافتاء احکامِ شریعت میں تدریسی کلاسِز کا انعقاد بھی متوقع ہے اور یُوں ایک چراغ سے کئی اور چراغ بھی روشن ہُو کرمُلک کے گُوشے گُوشے کو منور کریں گے۔

اِس تمام پروجیکٹ کو چلانے کیلئے یقیناً ماہانہ ایک کثیر رقم کی بھی ضرورت بھی درپیش ہُوگی۔ حالانکہ ابھی وسائل نہ ہُونے کے برابر ہیں لیکن اللہ کریم کی شان اور مدد سے قوی اُمید ہے۔کہ بطفیل مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اِدارے کو ایسے مزید مسلمان بھائی بھی مِلیں گے جِنہیں ایسے دینی مراکز کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہے اور جُو سمجھتے ہیں کہ اُنکی جائز آمدنی کا کُچھ نہ کُچھ حِصہ ضرور ایسے دینی مراکز میں جانا چاہیئے تاکہ دینِ اسلام کی شمعوں کو مزید فروزاں کیا جاسکے اور اُنکا یہ عمل اُنکے وصال کے بعد بھی صدقہ جاریہ کی صورت میں اُنکی قبروں کو مُنور کرتا رہے۔

اگر آپ بھی اِس کام کی اہمیت کو جانتے ہیں اور آپکے وسائل اِس بات کی اِجازت دیتے ہیں کہ آپ بھی اِس نیکی کے کام میں شامل ہُوسکیں تُو اپنی جائز آمدنی میں سے کُچھ رقم اِس نیکی کے کام میں ضرور شامل کریں اور آپ جو

بھی رقم ماہانہ دینا چاہتے ہیں اُسکا اظہار درج ذیل موبائیل پر کر سکتے ہیں
جسطرح نمرود کی آگ کو بُجھاتے ہُوئے ایک ننھی سی ابابیل نے کہا تھا کہ میں جانتی ہُوں کہ میری نازک سی چُونچ کا پانی ابراہیم علیہ السلام پر جلائی جانے والی آگ کو تُو نہیں بُجھا سکتا لیکن میرے اِس عمل سے میرا نام ضرور آگ بُجھانے والوں میں شامل ہُوجائے گا۔اے کاش ہمیں بھی ایسی عملی سوچ حاصِل ہوجائے عطیات کے لئے رابطہ فرمائیں (محمد احسان الحق وارثی۔92-3332969939+)

چُونکہ دارُالافتاء احکامِ شریعت میرپورخاص کے رُوحِ رواں ،، محترم ابوالسعد مفتی محمد بلال رضا قادری ،،دامت برکاتہم عالیہ ہیں ۔اسلئے کُچھ اُنکا تعارف بھی پیش کرنے کی سعادت حاصِل کر رہاہُوں۔

آپکا تعلق ایک عِلمی ادبی اور دِینی گھرانے سے ہے آپکے دادا محترم گُلاب خان تاج علیہ الرحمہ میرپُورخاص کی ایک عظیم علمی اور ادبی شخصیت تھے ۔تاج آپکا تخلص تھا اور آپ کے عِلمی ذوق اور ادب سے مُحبت کیوجہ سے پاکستان کے مشہور شعراء کرام اور ادبی شخصیات کا آپ کے گھر میں آنا جانا لگا رِہتا تھا اور تاج صاحب کے اعلیٰ شعری ذوق کی وجہ سے آپکا دیوان عِلمی ایوانوں میں

اپنا منفرد مقام رکھتا ہے۔ آپ کا وصال جب 2011 کے رمضان المبارک میں ہُوا تب جنازے میں شرکت کی سعادت مجھ گُنہگار کو بھی حاصِل ہُوئی تھی اور آپکے جنازے میں جو روحانی مناظر میں نے دیکھے ایسے مناظر بُہت کم خُوش نصیب لوگوں کو حاصِل ہُوتے ہیں۔ اور جب آپکے چہرے کی زیارت کے لئے طویل قطار سے گُزرتے ہُوئے میری نِگاہ آپ کے مبارک چہرے پر پڑی تُو میں نے دیکھا کہ ایک نور کا ھالہ آپکے چہرہِ مُبارک کو گھیرے ہُوئے ہے۔

تب بے ساختہ میرے مُنہ سے نِکلا کہ اے کاش آج یہاں میرا بھی جنازہ رکھا ہُوتا اور آپکے توسل سے اِس نُور کا کُچھ حصہ مُجھے بھی نصیب ہُو جاتا۔

محترم ابو السعد مفتی محمد بلال رضا قادری صاحب کے والد گرامی الحاج نوید رضا القادری دامتُ برکاتھم عالیہ المعروف جاوید عطاری بھائی کو میں 1984 سے جانتا ہُوں وہ میرے ایسے مُحسن ہیں کہ میرے تمام قریبی اِحباب ہی اِس بات کو جانتے ہیں کہ اگر عشرت اقبال وارثی کِسی معاملے میں ناں کردے تُو دُنیا میں صِرف ایک ہی آدمی ہے جِس کے حُکم پر عشرت اقبال وارثی کی ناں، ہاں میں بدل سکتی ہے اُنکا نعم البدل مجھے دُور دُور تک کہیں نظر نہیں آتا وہ کِسی کو پریشان دیکھ ہی نہیں سکتے اُنکے تمام کام دنیاوی لالچ سے مُبرا ہُوتے ہیں۔ وہ کبھی کسی سائل کیساتھ تھانے میں نظر آتے ہیں۔ تُو کبھی کِسی کا

حوصلہ بڑھانے کے لئے کورٹ کچہری میں نظر آتے ہیں۔ کبھی کسی سرکاری ملازم کو اسکے ادارے سے حق دلانے کیلئے متعلقہ اِدارے میں نظر آتے ہیں تو کبھی کسی بیواہ یا نادار کا حق دِلانے کی سعی کرتے دِکھائی دیتے ہیں کبھی مساجد و مدارس کی رجسٹریشن میں مصروف عمل نظر آتے ہیں تُو کبھی لوگوں کے درمیاں مصالحت کی فضا قائم کراتے دیکھے جاتے ہیں الغرض وہ کونسا شعبہ ہے جہاں وہ نظر نہیں آتے اگرچہ وہ ساٹھ کی دِہائی میں قدم رکھ چکے ہیں لیکن چہرے پر ایسی پاکیزگی ایسا نُور ہے کہ مُقابل نِگاہ جما کر دیکھنے کا متحمل نہیں ہُوسکتا اور جب میری عُمر کے لوگ اُنکے برابر کھڑے ہُوجائیں تو اُنکے چہرے کی رونق ہم جیسوں کو اُنکے آگے بُوڑھا دِکھاتی ہے وہ اتنے شفیق ہیں کہ ایسا شفیق اِنسان میں نے اپنی پُوری زندگی میں نہیں دیکھا وہ ہر ایک کے غَم کو سمیٹ لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اللہ کریم اُنکا سایہ ہمیشہ ہمارے سَروں پر قائم و دائم رکھے کیونکہ مجھے کوئی اُنکے قد کے برابر نظر نہیں آتا۔ کوئی اُن جیسا ہمدرد دِکھائی نہیں دیتا اے کاش ہمیں کوئی ایسا دردمند حکمران بھی مُیسر آجاتا تُو مُلکِ پاکستان کا نقشہ ہی آج کُچھ اور ہُوتا۔

وہ ایسے اعلیٰ اوصاف کے حامل ہیں کہ مجھ جیسے ہزار نہیں بلکہ ہزاروں عشرت

اقبال وارثی بھی ایک جاوید عطاری بھائی کی مِثل نہیں ہو سکتے ،، دُرِ نایاب کا تذکرہ تُو کِتابوں میں بُہت سُنا تھا لیکن جب الحاج نوید رضا قادری بھائی کو دیکھا تو جانا کہ دُرِ نایاب کِیسا ہُوتا ہے۔

الغرض اُنکے اوصاف و شمائل کا تذکرہ کرتا رہوں تو سینکڑوں کالم ہو جائیں مگر شائد ہی اُنکی تعریف کا حق ادا کرپاوں۔

مجھ سے جب بھی زندگی میں یہ سوال کیا گیا کہ عشرت بھائی آپکو میرپور خاص میں اپنے مُرشد کے بعد کون زندہ ولی نظر آتا ہے تب ہمیشہ میری زُبان سے یہی جُملہ نِکلا کہ الحاج نوید رضا بھائی المعروف (جاوید بھائی) کی زیارت کرلو۔

اللہ کریم اُن سے راضی ہے تبھی تُو دُنیا میں بھی ایسی سعادت مند اور عِلم و فضل سے معمور اولاد عطا فرمائی ہے جو اپنے علمی کمالات سے انشاءاللہ عزوجل اُنکا نام ہمیشہ کیلئے روشن کردے گی۔

چلتے چلتے محترم مفتی ابو السعد محمد بلال رضا قادری دامتُ.برکاتہم عالیہ کا بھی بے حد شُکر گُزار ہُوں کہ مجھے معلوم ہُوا تھا کہ آپ کو ایک نجی ٹی وی چینل کی جانب سے آن لائن پروگرام کی پیشکش تھی لیکن آپ نے مجھ حقیر کی

خُواہش پر اپنے آبائی شہر کو رُونق بخشی جسکے لئے میں آپکا ہمیشہ مشکور رہوں گا

اگر آپ کسی شرعی مسئلہ کا حل براہ راست موبائیل فون پر معلوم کرنا چاہیں تو اس نمبر پر مفتی صاحب سے رابطہ کر سکتے ہیں

جُمعہ تا بدھ بعد نمازِ ظُہر سے مغرب تک۔ وقت کا خاص خیال رکھتے ہُوئے مختصر گُفتگو فرمائیں

03313718010

شُکریہ اے دعوتِ اسلامی تیرا شُکریہ

یہ اُن دِنوں کی بات ہے جب میں میٹرک کے ایگزام سے فارغ ہو کر اپنے مستقبل کی تیاری کر رھا تھا آنکھوں میں ہزار سپنے تھے دِل میں جوانی کی ترنگ تھی میں اکثر اپنے فیوچر کے بارے میں سوچا کرتا مجھے بس ایک ہی دُھن سوار تھی کہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد لیکچرار بننا ہے مجھے مُعاشرے میں اساتذہ کا پیشہ سب سے مُقدس اور جاذِب نظر محسوس ہوتا تھا۔

مذہب سے قربت فقط اتنی تھی کہ پانچ وقت کی نماز پڑھ لیا کرتا تھا۔ اُنہی دِنوں ایک عجیب واقعہ پیش آیا اور بس اُس واقعہ سے میری زندگی کا رُخ ہی بدل گیا۔

میرے خاندان والوں کا عجب حال تھا اُن میں اکثر بُغض اولیاءَ اللہ میں حد سے بڑھے ہوئے تھے اولیاءَ اللہ کو بُتوں سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اور اُنہیں نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور فلمی گانوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا اور ہر ہر معاملے میں متشدد تھے

ایک رات میں عشاء کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہا تھا کہ میری نظر مسجد کے دروازے میں کھڑے اپنے کلاس فیلو پر پڑی میں نے

لپک کر اُسے خود سے بغلگیر کر لیا چونکہ مسجد کے احترام سے ناواقف تھا اس لئے مسجد کے دروازے کے اندر ہی کلاس کے دیگر ساتھیوں کا حال احوال پوچھنا شروع کر دیا۔

بات سے بات نکلتی چلی گئی اور ہم نے ناسمجھی میں کسی فلم سے متعلق گفتگو شروع کر دی ہماری گفتگو جاری تھی کہ کسی نے دھیرے سے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا میں نے چونکتے ہوئے پلٹ کر دیکھا تو ایک نوجوان جس کے چہرے پہ داڑھی تھی اور وہ اپنے سر پہ ناسی رنگ کا عمامہ سجائے میرے مُقابل کھڑا تھا۔

میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا جی فرمایئے ؟ اُس نُوجوان نے نہایت شفقت بھرے لہجے میں کہا آپ کے قیمتی وقت میں سے چند لمحے درکار ہیں ! میں نے کہا جی کہیئے تب اُس نُوجوان نے کہا بھائی چند لمحوں کے لئے اگر مسجد میں ہی بیٹھ کر بات کرلیں تو بہتر ہوگا آپ کو بھی ثواب ملے گا اور مجھے بھی میرا دوست تو مولوی نما نوجوان کو دیکھتے ہی یہ کہہ کر کھسک لیا کہ مجھے دیر ہو رہی ہے اور گھر والے پریشان ہو رہے ہونگے جبکہ میں شرمیلی طبیعت کی وجہ سے انکار نہ کرسکا اور دوبارہ مسجد میں داخل ہوگیا۔

مسجد کے ایک کونے میں چند نوجوان قُرآنی قاعدہ ہاتھ میں لئے سبق یاد کر رہے

تھے وہ نوجوان مجھے لیکر ایک طرف بیٹھ گیا اور بڑے دھیمے لہجے میں سمجھانے لگا کہ بھائی مسجد میں دُنیا کی بات کرنے سے نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں اور فلموں کی باتیں وہ بھی مسجد میں یہ تو اور بھی سخت گُناہ کا کام ہے۔

میرا ندامت سے سر جُھک گیا تب اُنھوں نے میری حالت دیکھ کر کہا بھائی کوئی بات نہیں شاید آپ نے بھولے سے یہ گناہ کا کام کیا ہے۔آپ رَب عزوجل سے معافی مانگ لیجئے گا وہ نہایت ہی کریم ہے مُعاف فرمادیگا اُس کے بعد اُنھوں نے مجھے تجوید سے قرآن پڑھنے کی دعوت دی جو میں نے کچھ پس وپیش کے بعد قبول کرلی۔اب میں روزانہ عشا کی نماز کے بعد درس اور مدرسے میں بیٹھنے لگا جمعرات کو مدرسے کی چُھٹی ہوا کرتی کہ وہ سب ہفتہ وار اجتماع میں جایا کرتے تھے چند ہفتے تو میں اپنے اُستاد کو ٹالتا رہا لیکن ایک مرتبہ اُنھوں نے ایسے دلنشین انداز میں التجا کی کہ میں انکار نہ کرسکا اور اجتماع میں جانے کی حامی بھر لی۔

اورجب میں پہلی مرتبہ اجتماع میں گیا تو میری زندگی میں انقلاب بَرپا ہوگیا۔اصلاحی بیانات سُن کر میری طرح طرح کی ساری پلاننگز جو میں نے فیوچر کے لئے بنا رکھی تھیں ریت کی دیوار کی طرح ڈھنے لگیں۔لیکن جب میں اجتماع سے واپس گھر پہنچا تو ابو نے ڈانٹ ڈپٹ سے میری خوب تواضع کی اورجب میں نے

اجتماع کا بتایا۔ تو وہ مزید سیخ پا ہو گئے اور سمجھانے لگے کہ بیٹا اِن مولویوں کے چکر میں پڑو گے تو بہت پیچھے رہ جاؤ گے۔ میرے ابّا چکے کاروباری تھے دین کے معاملے میں وہ بالکل میری طرح ہی کورے تھے۔ اُس رات تو جیسے تیسے میری جان چھوٹ گئی لیکن جلد ہی مجھے بڑے ابا (تایا) کا بُلاوہ آگیا۔ اور مجھے سمجھایا گیا بیٹا یہ نا سی پگڑی والوں کے چکر میں تُم کب سے آگئے بیٹا یہ لوگ اچھے نہیں ہیں۔ شرک کی دعوت دیتے ہیں مزاروں پہ سجدے کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خُدا کے برابر سمجھتے ہیں اور اِنھوں نے اپنا نیا دین بنایا ہوا ہے اسلئے خبردار جو آج کے بعد کبھی اِن کیساتھ بھی نظر آئے۔

میں اپنے تمام تایا بالخصوص بڑے ابو کی بہت عزت کیا کرتا تھا اُن کے مُنہ سے یہ انکشافات سُن کر بھونچکا سا رِہ گیا قصہ مُختصر اُس دَن کے بعد میں نے اُس مسجد اور مدرسہ میں جانا چُھوڑ دیا۔ مگر ایک دَن سَرِ راہ اُسی نوجوان سے میری دُوبارہ مُلاقات ہو گئی۔ اُنھوں نے جب مدرسے نہ آنے کا سبب پوچھا تو میں نے تایا ابو والی تمام باتیں دُھرا دیں جنہیں وہ بڑے تحمُل سے سُنتے رہے اور میری گُفتگو خَتم ہونے کے بعد گویا ہوئے اقبال بھائی آپ ہمارے ساتھ کافی دِن رہے ہیں کیا آپ نے اِن الزامات کو۔ جو آپکے تایا ابو نے ہم پر لگائے ہیں اُن میں سے کوئی بھی بات ہم میں پائی ؟ میں یہ تو نہیں کہوں گا

کہ آپ کے تایا ابو جھوٹ بُول رہے ہیں مگر اتنا ضرور کہونگا کہ وہ دعوتِ اسلامی کے مُتعلق کچھ نہیں جانتے بھائی دعوتِ اسلامی تو اُسی دعوت کو عام کررہی ہے جِسے ہمارے پیارے آقا علیہ السلام نے بڑی محنت سے لوگوں تک پہنچایا۔ صحابہ کرام رضوانُ اللہ علیہم اجمعین نے پھیلایا اور بُزرگان دین نے جسکی آبیاری اپنے پسینے اور خون سے کی ہے۔

اقبال بھائی مجھے آپکی جانب سے پہلے ہی اندیشہ تھا کہ آپکے خاندان والے آپکو ضرور بھڑکائیں گے میں تو صرف دُعا ہی کرسکتا ہوں کہ اللہ کریم آپ کے لئے منزل کی تلاش آسان فرمادے بس اتنی استدعا ضرور کرونگا کہ آپ مجھ سے رابطہ نہ توڑیں جب تک کہ آپ حقیقت کو نہ پالیں اگر آپ مُناسب سمجھیں تو کل میرے پاس تشریف لائیں میں آپکو چند کتابیں دونگا جنھیں پڑھ کر آپ کے لئے منزل کا انتخاب آسان ضرور ہوجائے گا اُس نوجوان کی باتوں میں ایسا اخلاص تھا کہ باوجود اِس کہ مجھے بڑوں کی طرف سے سختی کیساتھ سمجھایا گیا تھا کہ دعوتِ اسلامی والوں سے رابطہ نہ رَکھوں میرے قدم خود بخود اُسی مسجد کی جانب اُٹھتے چلے گئے جہاں میری پہلی ملاقات اُس اسلامی بھائی سے ہوئی تھی۔

مسجد میں مجھے صرف ایک کتابچہ پیش کیا گیا جسکا نام تھا کنزالایمان اور دیگر تراجم کا تقابلی جائزہ یہ ایک چھوٹا سا کتابچہ تھا جس میں امام احمد

رضا (علیہ الرحمہ) اور دیگر علماء کے تراجم کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا تھا بِلا مُبالغہ صرف اس ایک کتابچہ نے مجھ پر آشکارہ کر دیا کہ جو لوگ قران کے ترجمہ میں اسقدر احتیاط پیش نظر رکھیں کہ کوئی دوسرا ترجمہ اُسکا مُقابل نہ بن سکے وہ لوگ غلط نہیں ہو سکتے چونکہ میرا خاندان والد صاحب اور ایک چچا کو چھوڑ کہ انتہائی مذہبی تھا اس لئے اچھی خاصی دینی کُتب موجود تھیں اب میں دونوں طریقین کی کُتب پڑھ رہا تھا البتہ فرق صرف اتنا تھا کہ دعوت اسلامی والوں کی کتابیں صرف مسجد میں ہی پڑھ سکتا تھا چند ماہ میں ہی مجھے مطالعے سے اندازہ ہو گیا کہ جنہیں بدعتی اور بے دین کہا جارہا ہے حقیقت میں وہی لوگ اعتدال پسند، عُشاقِ مصطفیٰ، اور سُنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرنے والے ہیں اور مجھے کونسی منزل کا انتخاب کرنا ہے میں عِلم کی روشنی اور اللہ کریم کے فَضلِ خاص سے خُوب جان چُکا تھا۔

چند دن کے بعد ہی امیرِ اہلسُنت مدظلہُ العالی میرے شہر میرپور خاص تشریف لائے اور اُن کے چہرے پہ نظر پڑتے ہی میرے دِل نے کہا واللہ یہ چہرہ کسی اللہ کے ولی کامل کا ہی ہو سکتا ہے۔ میں نے کُھل کر دعوتِ اسلامی کا ساتھ دینے کا خود سے پیمان کیا اور اُسکے بعد میرے خاندان والوں کے لئے جیسے میں دُنیا میں نہ زِندہ نہ رَہا۔ پہلے پہلے تو مجھے صرف سمجھایا گیا بعد میں سوشل بائیکاٹ کر دیا گیا کبھی سر سے عمامے کو نُوچ کر بازار کی گندی سڑک پر

پھینکا گیا تو کبھی شادی میں بُھلا دیا گیا کبھی محفل میں بیگانہ بنایا گیا تو کبھی خلوت میں ڈرایا گیا۔ یعنی ہر وہ ستم کیا گیا جس سے میرے دِل کو زخم پہنچے جب میں کبھی بُہت زیادہ دِل برداشتہ ہو جاتا تو امیر اھلسُنت مُدظلہُ العالی کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا تھا۔

اُس وقت چونکہ دعوتِ اسلامی کا تنظیمی کام ابتدائی مراحل میں تھا۔ اسلئے کبھی نشست مُیسر آجاتی۔ تو کبھی امیر اھلسُنت مُدظلہُ العالی کیساتھ عام بسوں میں سفر کا موقع مِل جاتا۔ کبھی آپ اپنے کاشانہ اقدس پہ لیجا کر ساتھ کھانا کھلاتے۔ تو کبھی عام دِنوں میں اپنے ساتھ افطار پہ بٹھالیتے (کیونکہ آپ تقریبا پورا سال ہی روزے رکھا کرتے تھے) اُس وقت جس فیض کا دریا امیر اھلسُنت مُدظلہُ العالی کی ذات سے جاری تھا اور جسقدر آسانی سے ملاقات کے مواقع مُیسر تھے آج اُسکا تصور بھی مُحال ہے۔

ایک مرتبہ میرے والد اس نیت کیساتھ کراچی پہنچے کہ مولانا سے لڑوں گا کہ آپ نے ہمارے بچے کو بِگاڑ دیا اچھا بھلا میرا کاروبار میں ہاتھ بٹاتا تھا آپ نے مولوی بنادیا لیکن جب امیر اھلسُنت مُدظلہُ العالی سے مُلاقات ہوئی آپ نے میرے والد کو گھر چلنے کی دعوت دی گھر لیجا کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا میرے ابو اُس درمیان امیر اہلسنت کے گھر کی سادگی اور امیر اھلسُنت مُدظلہُ

العالی کے آداب طعام اور ادبِ رزق اور آپکے اخلاق سے اسقدر مُتاثر ہوئے کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب امیر اہلسُنت مُدظلہُ العالی نے میرے والد سے کراچی آمد کا سبب پوچھا تو فقط اتنا کہہ سکے،، مولانا میں تو آپ سے اپنا ایک بیٹا واپس لینے آیا تھا مگر آپ سے ملنے کے بعد دِل چاہتا ہے سارے بیٹے آپ ہی کو دے دوں۔ آج الحمدُللہ دُنیا میں میری جو بھی پہچان ہے یہ سب میرے مُرشِد کریم سیدنا سراج الدین وارثی اور امیر اہلسُنت مولانا ابوالبلال محمد الیاس عطار قادری دامت.برکاتہم عالیہ کی فیضان نظر کی مرہونِ مِنت ہے القصہ مختصر دعوت اسلامی اور امیر اہلسُنت مُدظلہُ العالی کے میری فیملی پر اسقدر احسانات ہیں جنکا شُکریہ میں تازیست ادا نہیں کرپاوں گا اسلئے یہ چھوٹی سی نظم پیش کر رہاہُوں۔

شُکریہ اے دعوتِ اسلامی تیرا شُکریہ
آکہ فِتنوں سے ہمیں تونے بچایا شُکریہ
ظُلمتوں کی رات تھی اِک اِک دیا تھا بُجھ رہا
تُونے فانوسِ رضا آکر جلایا شُکریہ

ڈور ہوتے جارہے تھے سُنتوں سے اُمتی

سُنتوں کی راہ پہ تونے چلایا شُکریہ

تھے لباسِ خضر میں رہزن یہاں جلوہ نُما

تونے سیدھا راستہ ہم کو دکھایا شُکریہ

کاش عشرت وارثی محشر میں جب بیدار ہو

ساتھ ہو عطار کے ۔ اِنکا نُکما شُکریہ

عاملِ کاملِ اور ابو شاملِ

ہماری ویب کی ہمیشہ یہی خُواہش ہُوتی ہے کہ نئے لکھنے والوں کی زیادہ سے زیادہ حُوصلہ افزائی کی جائے تاکہ نئے لکھنے والوں کو یہ شکایت نہ رہے کہ ہمیں موقع مُیسر نہیں آیا ورنہ ہم بھی اُردو ادب کی خِدمت سے سرشار تھے اس لئے مضامین کی فہرست میں ایک نئے باب ،، افسانہ ،، کا اِضافہ کیا جارہا ہے اِس تالاب میں پہلا پتھر میں پھینک رہاہُوں جیسے جیسے آپکی تحریریں شامِل ہُوتی چلی جائینگی یہ تالاب بھی اپنی وسعت میں اِضافہ کرتا چلا جائے گا اور مجھے قوی اُمید ہے کہ ایک دِن یہی تالاب ایک دریا کی صورت اِختیار کر جائے گا

آپ سب کی محبتوں کا منتظر،،، عشرت اقبال وارثی

عاملِ کاملِ اور ابو شاملِ

وہ دروازے پر دَستک دینے کے بعد چند لمحے انتظار کرتا رہا جب اندر سے کافی دیر تک کوئی آواز سُنائی نہ دِی تو اُس نے لکڑی کے دروازے کو دوسری مرتبہ پھر کھٹکٹا دِیا دِسمبر کا مہینہ اور سَردی کی شِدت کی وجہ سے تمام گَلی

رات کے دس بجے ہی سُنسان دکھائی دے رہی تھی البتہ کبھی کبھار کُتوں کے بھونکنے کی آواز ماحول پر طاری خاموشی کے انجماد کو پگھلا دیتی تھی اور کُچھ دیر بعد پھر خاموشی کا راج قائم ہُوجاتا تھا۔

دوسری دَستک دینے کے چند لمحوں بعد اندر سے کُچھ کھٹر پٹر کی آواز سُنائی دی جِس سے دِستک دینے والے کو یقین ہُونے لگا تھا کہ ضرور اندر کسی کو میرے وُجود کا احساس ہُوچُکا ہے اور یہ خُوش آئیند بات تھی ورنہ آج شہر کے ایکٹ کِنارے سے دوسرے کنارے تکٹ کا سفر رائیگاں ہی چلا جاتا، دروازے کے پیچھے سے کسی کی نحیف آواز سُنائی دِی کُون ہے بھائی ؟

آواز سُنتے ہی دَستک دینے والے نوجوان کی جان میں جان سمائی اور جواباً کہا میاں صاحب میں ہُوں کمالا آپ سے مِلنا چاہتا ہُوں ! لیکن ہَم تُو کسی کمالے کو نہیں جانتے۔ میاں شائد آپ غلط جگہ پر آگئے ہیں۔ دروازے کے پیچھے سے پھر وہی نحیف سی آواز سُنائی دی۔

میاں صاحب میں شیدے کا دوست کامل ہوں میرا مطلب ہے عبدالرشید کباڑی کا دوست کامل علی ہُوں مجھے اُسی نے آپکا پتہ بتایا ہے۔ اور میں شہر کے دوسرے سرے سے صرف آپکی زیارت کیلئے حاضر ہُوا ہُوں۔ کامِل علی نام کا یہ شخص اپنی بات

مکمل کرنے کے بعد اپنی شال کو دُرست کرنے لگا گھر کے باہر کھڑے کامل علی کا جسم قلفی کی طرح جمنے لگا تھا۔

اچھا میاں ٹھہرو میں دروازہ کھولتا ہُوں ویسے کامل دیکھنے کا اِشتیاق تو ہمیں بھی ہے۔ مزید کچھ لمحے توقف کے بعد اند سے دروازہ کھول دِیا گیا۔ اندر کچھ ملگجی سی روشنی میں ایک دُبلا پتلا سا بوڑھا شخص جسکی عُمر کا اندازہ کامل علی نے نوے اور سو برس کے دمیان لگایا برآمد ہُوا۔ آتے ہی کامل علی کا پہلے بغور جائزہ لینے کے بعد اُکتاہٹ کے انداز میں گھورتے ہُوئے درشت لہجے میں گویا ہُوا۔ کہو میاں کیسے آنا ہُوا؟

رات کے اِس پہر کامل علی شائد اپنے اس طرح کے استقبال کیلئے ذہنی طور پر بالکل تیار نہیں تھا۔ لہذا گھبراہٹ کے عالم میں میاں صاحب کی دست بوسی کرتے ہُوئے صرف اِتنا ہی کہہ سکا میاں صاحب بس کچھ خاص نہیں صرف آپکی زیارت کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میں نے رات کے اِس پہر آپ کو تکلیف دِی اِس کیلئے مُعافی چاہتا ہوں۔

ہُوں۔۔۔۔ زیارت کیلئے آئے تھے۔ تُو ہو گئی زیارت۔۔۔۔ ؟ میاں صاحب کے استفسار پر کامل علی کے مُنہ سے (جی) کے سِوائے کوئی دوسرا جملہ نہیں نِکل

سکا کاہل علی کے خاموش ہُوتے ہی میاں صاحب الوداعی مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہُوئے کچھ بے زاری کے عالم میں گویا ہُوئے میاں اب ایسا کرو اب اپنے گھر جاؤ خود بھی آرام کرو اور مجھے بھی آرام کرنے دُو مُصافحہ سے فارغ ہُو کر میاں صاحب نے اندر واپس جانے کے بعد دروازہ بند کرلیا۔

کاہل علی چند لمحے وہاں بھونچکا سا کھڑا رہا اور پھر واپس پلٹ کر اپنے گھر کی جانب چل دیا کاہل علی تمام راستے غم اور ناکامی کی ملی جُلی کیفیت کیساتھ لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا جارہا ہے میاں صاحب کے برتاؤ کی وجہ سے کاہل علی کافی دلبرداشتہ تھا وہ اپنے دوست عبدالرشید عرف شیدے کے کافی اصرار کے بعد میاں صاحب سے ملنے کیلئے راضی ہُوا تھا۔ کاہل علی کا بھری دُنیا میں شیدا وہ واحِد دُوست تھا کہ جس سے کاہل علی اپنی نجی زندگی سے متعلق کُھل کر گفتگو کرلیا کرتا تھا شیدا بھی اُن لوگوں میں سے نہیں تھا جو یہاں کی بات وہاں کردے اور شیدے کی یہی بات کاہل علی کو بے حد پسند تھی چُنانچہ کاہل علی نے شائد ہی اپنی زندگی کا کوئی ایسا باب ہُو کہ جس کے متعلق شیدے سے گفتگو نہ کی ہُو چُونکہ شیدے کو معلوم تھا کہ کاہل علی ایک مُدت سے عملیات کے سحر میں گرفتار ہے اور اکثر چِلہ کشی میں مصروف رِہتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ آج تک کسی ایک عمل

میں بھی کاہل علی کو کامیابی نصیب نہ ہُوئی تھی۔

وہ اکثر کاہل علی کو اِن عملیات کے چکر سے نکلنے کی ترغیب دیتا رہتا تھا اور اُسے محنت مزدوری کی جانب مائل کرنے کی بیشُمار کوشش کرچُکا تھا لیکن کاہل علی جیسے گویا اِن نصیحتوں کو سُننے کے لئے قطعی تیار نہیں تھا کاہل علی اکثر شیدے سے کہا کرتا، یار صرف ایک چلہ کامیاب ہونے دے پھر تُو دیکھے گا کہ کیسے ہم تمام دُنیا پر حکومت کرتے ہیں اور یہ لوگ جو آج ہم سے کترا کر گُزر جاتے ہیں ہمارے آگے پیچھے گھوما کریں گے اور مجھے نرگس کے باپ سے بھی تُو اپنی ذلت کا انتقام لینا ہے۔

شیدے نے کاہل علی کو بتایا تھا کہ میاں صاحب بُہت خُداترس انسان ہیں اور دُکھی انسانوں کی مدد کی خاطر ہر لمحہ تیار رِہتے ہیں جبکہ یہاں تو معاملہ ہی اُلٹا تھا میاں صاحب نے اُسکی مدد کرنا تُو کُجا اُسکی بات سُننا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ اور کاہل علی سوچ رہا تھا کہ کیا یہی مہمان نوازی کا طریقہ ہے اور کیا یہی خُداترسی ہے کہ میاں صاحب نے میری بات بھی سُننا گوارا نہیں کیا۔

کاہل علی اِنہی سوچوں میں اپنے گھر کی جانب چلا جارہا تھا اور ایک عجیب سا

بے عزتی کا احساس کامل علی کے دِل میں گھر کرچکا تھا اُسے اپنے دوست شیدے پر بھی بے پناہ غُصہ آ رہا تھا۔ یہ تو اچھا ہُوا کہ شیدا ساتھ نہیں آیا تھا ورنہ وہ اگر اس وقت کامل علی کی دسترس میں ہُوتا تو شاید کامل علی اپنی خِفت مِٹانے کیلئے شیدے کی گردن ہی دَبا ڈالتا۔ سردی نے اگرچہ تمام ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا لیکن کامل علی موسم کی شدت سے بے نیاز اپنے گھر کی جانب رواں دواں تھا۔

گھر پُہنچنے کے بعد جب کامل علی کے غُصے میں کُچھ کمی واقع ہُوئی تو سردی کا احساس بیدار ہُونے لگا کامل علی کو چائے کی طلب ستانے لگی لیکن جونہی کامل علی نے گیس کے چولہے پر پانی کی دیگچی چڑھا کر چولہا جلانے کی کوشش کی تو معلوم ہُوا کہ گیس سلینڈر خالی ہُوچکا تھا۔

کامل علی نے اپنا غُصہ نِکالتے ہُوئے ایک لات خَالی سلنڈر کو رَسید کی اور پھر چارپائی بِچھا کر رضائی میں دُبک گیا کافی کوشش کے بعد بھی جب نیند کی دیوی کامل علی پر مہربان نہ ہوئی تو کامل علی اپنی ناکامیوں سے بھری زندگی کے ایک ایک ورق پر نِگاہ دوڑانے لگا اور یوں وہ اپنے بچپن کے اُس حِصہ میں پُہنچ گیا جہاں غم نام کی چڑیا سے عموماً بچے بے خبر ہُوتے ہیں۔

کامِل علی آٹھ برس کا تھاجب اُس نے ایک انھونی بات محسوس کی تھی کہ پہلے اَبا اکثر شام کو پانچ بجے کے بعد دفتر سے گھر آیا کرتے تھے لیکن اب چند دِنوں سے وہ دیکھ رَہا تھا کہ اَبا اپنے آفس نہیں جاپارہے تھے اور سارادِن وہ چارپائی پرپڑے رہنے لگے تھے ایک دِن امّاں سے جب کامِل علی نے اِسکا سبب پوچھا تو امّاں نے بتایا تھا کہ اُسکے ابو کا ٹی بی کا مرض ہُوگیا ہے جس کے سبب وہ اپنے آفس نہیں جاپارہے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ اَبا کی طبیعت بحال ہُونے لگی تھی امّاں کے چہرے پر بھی اطمینان دِکھائی دینے لگا تھا مگر ایک دِن نجانے کیا ہُوا کہ ابا کی طبیعت اچانک پھر سے بگڑنے لگی اور شام تک ابا کو خُون کی اُلٹیاں آنے لگیں۔

امّاں جیسے تیسے کسی ڈاکٹر کوپکڑ لائیں تھیں لیکن ابا نے ڈاکٹر کا قطعی انتظار نہیں کیا اور ڈاکٹر کے آتے آتے اَبا نے ایسی خاموشی اِختیار کی کے امّاں کی چیخُوں اور سینے پر لاکھ سر پٹکنے کے باوجود یہ خَاموشی نہ ٹوٹی کامِل علی نے اپنی ماں کو روتے دیکھاتُو وہ بھی رونے لگا لیکن کامِل علی یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ آخر کیوں امّاں اِتنا واویلا مچارہی ہے اور کیوں امّاں کو یہ بات سمجھ نہیں آرہی کہ آج شام سے اُسکا بیٹا بھوکا ہے۔ اور اِس بات کا مُنتظر ہے کہ وہ اِسے اپنے ہاتھوں سے روٹیاں پکا کر ہمیشہ

کی طرح بڑے لاڈ اور چاؤ سے کھلائے۔
رات بھیگتی چلی گئ لیکن امّاں پر بار بار غَشی کے دُورے پڑ رہے تھے مُحلے کی عورتیں امّاں کو دِلاسہ دے رہیں تھیں اور کبھی کبھی وہ بھی امّاں کیساتھ بین کرنا شروع کر دیتیں پھر جب امّاں کے مُنہ سے یہ نِکلا کہ ہائے میرا بچّہ یتیم ہُوگیا تو کامِل علی سوچنے لگا کہ یہ یتیم کیا ہُوتا ہے تبھی اُن کی پڑوسن کی نِگاہ کامِل علی پر پڑی تُو اُس نے بڑھ کر کامِل علی کو اپنی گُود میں بِٹھا لیا اور اُسے پیار کرنے لگی کامِل علی سے اب بھوک بالکل برداشت نہیں ہُو پارہی تھی ممتا کا اِحساس ملتے ہی اُسکے مُنہ سے نِکلا خالہ مجھے بُھوک لگ رہی ہے امّاں سے کہو نا کہ مجھے رُوٹی دے۔
پڑوسن نے جب کامِل علی کی بات سُنی تُو اُسکی ممتا بیدار ہُو گئی اور، ہائے میرا بچّہ ابھی تک بھوکا ہے۔ کہتے ہوئے کامِل علی کو اپنے گھر لے آئی اور اُسے پیٹ بھر کر کھانا کھلانے لگی ، بھوک کا احساس جب کُچھ کَم ہُوا تُو کامِل علی نے پڑوسن سے پُوچھا خالہ اَماں آج اِتنا کیوں رُو رہی ہے اور سارے مُحلے کی عورتیں بھی امّاں کیساتھ کیوں رُو رہی ہیں۔
تب وہ پڑوسن اُسے بڑے پیار سے سمجھانے لگی کہ بیٹا اب تُمھارے اَبّا اِس

دُنیا میں نہیں رہے وہ اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے ہیں کامل علی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ جب اَبا گھر میں چارپائی پر سُو رہے ہیں تُو وہ اللہ تعالیٰ کے پاس کیسے چلے گئے لیکن جب دوسرے دِن لوگ اُسکے اَبا کو نہلا دُہلا کر قبرستان کی جانب لے گئے اور اُسکی آنکھوں کے سامنے اُسے قبر میں اُتار چُکے تو اُسے کُچھ کُچھ سمجھ آنے لگا تھا۔

(جاری ہے)

! ہمیشہ نوجوان رہنے کا نُسخہ

ایک مرتبہ حجاج بن یوسف نے اپنے دربار کے سب سے مُعززاور دانا طبیب کو اپنی خلوت میں طلب کیا۔
جب طبیب گورنر حجاج بن یوسف کی خِدمت میں حاضر ہُوگیا تب حجاج بن یُوسف نے اُس دانا طبیب سے ایک عجیب سوال معلوم کیا جِسے سُن کر وُہ دانا طبیب بھی چند لمحوں کیلئے سکتہ میں آگیا کیونکہ سبھی جانتے تھے کہ حجاج بن یُوسف کا مزاج پارے کی طرح بدلتا ہے۔
کبھی حجاج بن یوسف مُخاطِب کو سرتاپا شرافت کا مجسمہ نظر آتا تُو کبھی قہر کی علامت بن کر برق بجلی کی طرح سب کُچھ خاکستر کرتا دِکھائی دیتا کبھی شفقت اور مہربانی کی انتہا کردیا کرتا تُو کبھی حجاج بن یوسف کا تذکرہ ہی اچھے اچھوں کا پِتہ پانی کرنے کیلئے کافی ہوتا تھا۔
اور آج وہی حجاج بن یُوسف اُس دانا حکیم سے پُوچھ رہا تھا کہ،، کیا تُم ہمیشہ نوجوان رہنے کے نُسخے کے مُتعلق کُچھ جانتے ہُو۔۔۔؟

اب وہ دانا حکیم سُوچ رہا تھا کہ حجاج کو کس طرح ایسا تسلی بخش جواب دُوں کہ جان بھی بچ جائے اور بھرم بھی رہ جائے وہ کونسا جواب ہُوگا جس سے حجاج کے دربار میں اِسکی آبرو بھی رہ جائے اور حجاج مطمئین اور خُوش بھی ہو جائے آج واقعی حکیم صاحب کی حکمت اور دانائی کا اِمتحان تھا۔

حکیم صاحب نے چند لمحے خاموش ذکرِ الٰہی میں گُزارے اور گُویا ہُوا۔

حُضورِ والا! ہر ذی نفس کو فنا ہے کیونکہ حَی تو صرف پروردیگار کی ذات ہے جِسکے آپ اور میں بندے ہیں جِس نے آپکو عزت سے نوازا اور اپنے بندوں میں ممتاز کیا اور جس نے مجھے اِس قابل بنایا کہ آپ کے دربار میں جگہ پاسکوں۔

جناب والا بُڑھاپا کوئی عیب تُو نہیں کہ جس سے چھٹکارہ پانے کی کوشش کی جائے۔

یہ تو قاصد ہے ایک مالک کا جو سب مالکوں کا بھی مالک ہے اور غُلاموں میں اتنی جرات کہاں کہ وہ اپنے مالک کے قاصد سے مُنہ موڑ کے زندہ رِہ سکیں غلام کا تُو بس یہی کام ہے کہ وہ مالک کی جانب سے آنے والے ہر قاصِد کا خندہ پیشانی سے اِستقبال کرے اور حتی الامکان اُسکا احترام کرے تاکہ مالک اپنے

غُلام کی اِس ادا پر خُوش ہُو کر اپنے غلام کا اِقبال بُلند کرے اور اپنے غُلام سے راضی ہُو کر اُس پر انعام و عشرت کی بارش کردے کہ وارث و نگہبان، کریم، و رؤف آقا اپنے غلاموں پر ہمیشہ ہی مہربان رہتا ہے۔

لِہذا اگر آپ مجھ سے یُوں سوال کریں کہ،، وہ کونسا طریقہ ہے کہ جس کے سبب اعضاءِ جسم ہمیشہ توانا رہتے ہیں،، تو میں آپکی خِدمت میں کُچھ عرض کروں۔

حجاج بن یوسف طبیب کی فی البدیہہ تقریر اور اُسکی حاضر جوابی سے نہایت مسرور ہوتے ہُوئے کہنے لگا۔ تمہارے جواب نے مجھے بُہت خُوش کیا ہے اور آج مجھے یہ سبق بھی مِلا ہے کہ دانائی اور حِکمت سے بڑھ کر انسان کیلئے کوئی نعمت نہیں ہُو سکتی۔ آپ مجھے وہ طریقہ بتایئے۔۔؟

حکیم صاحب کا کُچھ حُوصِلہ بُلند ہُوا۔ تب اُنہوں نے اپنی گُفتگو کا سلسلہ پھر سے شروع کیا۔

جناب والا اگر آپ نے میرے طریقہ پر عمل کیا تو اِنشاءَاللہ ضرور اِسکی منعفت سے بہرہ ور ہونگے اور بُڑھاپے کے آثار بُہت دیر سے نمودار ہُونگے اور میرا یہ نُسخہ آپکے جسم کو ممکنہ حد تک نوجوان رکھنے میں معاون اور مددگار ثابت

ہُوگا۔

نمبر ا۔ آپ جب بھی نِکاح فرمائیں ۔ نوجوان دوشیزہ سے ہی نِکاح فرمائیں۔

نمبر ۲۔ تازہ سبزیوں اور پھلوں کو کثرت سے کھایا کریں۔

نمبر ۳۔ تازہ پھل اور سبزیوں سے میری یہی مُراد ہے کہ جس سبزی یا پھل کا موسم ہُو وہی پھل اور سبزی موسم کے شروعات میں کھایا کریں اور جب سیزن جانے لگے تب اُنکا استعمال ترک فرمادیں۔

جب بھی گُوشت کھانے کا ارادہ ہُو تُو وہ ایسے جانور کا گُوشت ہونا چاہیے جو نا تُو بوڑھا ہُو اور نہ ہی بالکل بچہ بلکہ ہمیشہ جوان اور صحتمند جانور کا گُوشت ہی تناول فرمائیں۔

مزید۔

اپنے کھانوں میں اعتدال رکھیں۔

مچھلی سے اپنے دستر خُوان کی زینت بڑھائیں۔
اور بُہت زیادہ چِکنائی سے اپنے جِسم کو محفوظ رکھیں۔
آپ کا یہ عمل آپکو موت سے تُو نہیں بچا سکے گا لیکن آپ جب تک حیات رہیں گے خُود کو توانا محسوس کریں گے۔
کہنے والے کہتے ہیں کہ اُس دِن حجاج کا اِرادہ اُس طبیب کو اپنے زیر عتاب لانے کا تھا لیکن اُسکی حِکمت بھری گفتگو سُن کر حجاج نے اپنا اِرادہ تبدیل کر لیا کیونکہ ۔وہ جہاں لوگوں میں ظالم مشہور تھا وہیں عِلم کا قدر دان بھی تھا۔

عاملِ کاملِ اور اَبو شاملِ قسط 2

گذشتہ سے پیوستہ

پڑوسن کامل کو بڑے پیار سے سمجھانے لگی کہ بیٹا اب تُمھارے اَبا اِس دُنیا میں نہیں رہے وہ اللہ تعالٰی کے پاس چلے گئے ہیں کامل علی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ جب اَبا گھر میں چارپائی پر سُو رہے ہیں تُو وہ اللہ تعالٰی کے پاس کیسے چلے گئے لیکن جب دوسرے دِن لوگ اُسکے اَبا کو نہلا دُہلا کر قبرستانِ کی جانب لے گئے اور اُسکی آنکھوں کے سامنے اُسے قبر میں اُتار چُکے تو اُسے کُچھ کُچھ سمجھ آنے لگا تھا۔

اباکے انتقال کے بعد کامل کو بُہت جلد یہ احساس ہُوگیا تھا کہ باپ چاہے بیمار ولاچار ہی کیوں نہ ہُو۔ جب تک زندہ رہتا ہے اُسکے سائے کی برکت سے دُنیاکے تمام غم اُسکی اولاد سے دُور رہتے ہیں۔ وقت رفتہ رفتہ گُزرنے لگا اور مزید دو برس گُزر گئے اَباکے گُزرنے کے بعد اُنکے گھر اکثر نانا اور ماموں آنے لگے تھے لیکن پھر نانا کا بھی انتقال ہوگیا اور ماموں کا بھی گھر آنا کم ہُونے لگا تھا اب کامل کو اَبا کی کمی کا بُہت زیادہ احساس ہُونے لگا تھا جب تک اَبا زندہ تھے وہ اُسکی ہر خُواہش پُوری کردیا کرتے تھے

لیکن اَب پہلے جیسی بات نہیں رہی تھی۔ اَمّاں کے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی شروع میں ماموں اُسکی ہر چھوٹی.بڑی خُوشی کا خیال رکھتے تھے۔ لیکن پھر ماموں نے بھی بیزاری دِکھانی شروع کردی تھی۔ اَب تو وہ اَماں سے بھی ضد نہیں کرتا تھا کیوں کہ چند مہینوں سے وہ دیکھ رَہا تھا کہ اَمّاں سارا دِن محلے والوں کے کپڑے سیتی رہتی تھی۔ جسکی وجہ سے کبھی کبھی اُنکے مزاج میں چڑچڑاپن آجایا کرتا تھا اور جب کبھی وہ اَماں سے کسی کھلونے کی فرمائش کیا کرتا تو اَماں اُسے سمجھانے لگ جاتیں کہ میرے لعل اب ہمارے پہلے جیسے حالات نہیں ہیں اب تو دُو وقت کی رُوٹی ہی.بڑی مشکل سے نِکل پاتی ہے میں تجھے کھلونے کہاں سے لاکر دُوں۔

مزید ایک سال گُزرنے کے بعد اَماں نے اُسے پرائیویٹ اسکول سے نِکال کر گورنمنٹ اسکول میں داخل کرادِیا اور جب اُس نے اَمّاں سے احتجاج کیا تو اَمّاں نے اُسے سمجھایا کہ وہ پرائیویٹ اسکول کی فیس اور کتابوں کا خرچ.برداشت نہیں کر سکتی لہٰذا اُسے گورنمنٹ اسکول میں ہی دِل لگا کر تعلیم حاصل کرنی ہُوگی۔

اُسے گورنمنٹ اسکول میں تعلیم حاصل کرنے میں بُہت دشواری کا سامنا کرنا پڑرہا تھا اول تُو اساتذہ ہی اکثر کلاس رُوم میں نہیں آتے تھے اور اگر کوئی

ماسٹر صاحب غلطی سے کلاس رُوم میں آ بھی جاتے تُو گویا جیسے کلاس رُوم میں قیامت آ جاتی۔ جب کبھی کامل کلاس کے دیگر بچّوں کی پِٹائی ہوتے دیکھتا تُو اُسکا دِل چاہتا کہ وہ اسکول سے بھاگ جائے اور ماں کے دامن میں جا چُھپے۔ لیکن ہمیشہ اَماں کا بے بس اور مجبور چہرہ کامل کی نگاہوں میں آجاتا اور وہ کوشش کے باوجود بھی اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر رِہ جاتا۔

ایک مرتبہ اسکول میں اسپورٹس کے پروگرام چل رہے تھے اس لئے اُن بچّوں کو جو کھیل میں حِصہ نہیں لے رہے تھے اُنہیں اِجازت ملی تھی کہ چاہیں تُو کھیل سے لُطف اندوز ہُوں یا چاہیں تُو اپنے گھر کو چلے جائیں کامل کو اِن کھیلوں میں خاص دِلچسپی نہیں تھی اسلیئے وہ اپنے گھر کیلیئے روانہ ہُوگیا گھر میں داخِل ہوتے ہی اُسکی نظر ایک نوجوان پر پڑی جِس کے آگے اُسکی ماں ہاتھ جوڑے کھڑی تھی کامل کے ننھے دِماغ نے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے دروازے کی اُوٹ میں پناہ حاصل کرلی یہ کوئی اجنبی نوجوان تھا جو اِنکے مُحلے کا ہرگز نہیں تھا اماں اُس نوجوان کے آگے ہاتھ جوڑے اِلتجا کررہی تھیں کہ وہ یہاں سے چلا جائے اور انکا پیچھا چھوڑدے۔

پھر وہ مزید وہاں کھڑا نہیں رِہ پایا اور دروازے کی اُوٹ سے باہر کی جانب دوڑا تاکہ مدد کیلیئے اپنے پڑوسی ارشد چاچا کو بُلا کے لیکن بدحواسی میں

اسکے اسکول بیگ کی ڈوری دروازے کی کُنڈی میں پھنس گئی جسکی وجہ سے وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ اور کامل علی اُوندھے مُنہ زمین پر رپٹ گیا۔

کامل علی کے مُنہ سے بے ساختہ ،، ماں ،، کی صدا بُلند ہو گئی جسکی وجہ سے وہ اجنبی نوجوان ہوشیار ہُوگیا۔ اِس سے پہلے کے کامِل زمین پر اپنے قدم جما پاتا وہ اجنبی نوجوان موقع کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے کامل کو پھلانگتے ہُوئے گلی سے فرار ہُوچکا تھا۔

کامل کی ماں نے لپک کر کامل علی کو سنبھالتے ہوئے اپنے سینے سے لگا لیا وہ کامل کے چہرے اور بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہُوئے کامِل کو گھر کے صحن میں لے آئی کامل کو چارپائی پر بٹھانے کے بعد وہ دوڑتی ہُوئی پانی کے مٹکے کی جانب لپکی اور پانی کا گلاس کامل کے ہُونٹوں سے لگاتے ہوئے تشویش کے عالم میں کامل کے سراپے کا جائزہ لینے لگی کامل نے جونہی پانی کے گِلاس کو اپنے ہاتھوں میں تھاما۔ اُسکی ماں وارفتگی سے اُسکے پائنچوں کو اوپر اُٹھاتے ہُوئے اُسکی پنڈلیوں کا جائزہ لیتے ہُوئے گُویا ہوئی کمالے تجھے کہیں چُوٹ تُو نہیں آئی میرے لال؟

اَمّاں چُوٹ تُو مجھے نہیں آئی مگر یہ آدمی کُون تھا اور تُو کیوں اسکے آگے

ہاتھ جُوڑ رہی تھی۔ کابِل نے گلاس ماں کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے تجسّس سے پُوچھا۔ کوئی نہیں بیٹا! یہ تماشہ تُو اب زندگی کا مُقدر ہے جب عورت کے سر پر اُسکے مرد کا سایہ نہیں رہتا تب ایسے بھیڑیے گھات لگائے بیٹھے نظر آتے ہیں ذرا نظر جھپکی نہیں کہ شِکاری شِکار پر جھپٹ پڑتے ہیں۔

کَابِل کے ننھے دِماغ میں اَمّاں کی ایک بات کا مطلب بھی سمجھ نہیں آیا تب اُس نے اَماں سے اپنی کم مائیگی کا اِظہار کرتے ہُوئے پُوچھا اَماں کیا وہ ہمارا دُشمن تھا۔ اَمّاں نے ایک نظر کابِل کی طرف دیکھتے ہوئے اُسے اپنی گُود میں لِٹاتے ہوئے کہا۔ ہاں میرے بچّے یہی سمجھ لے ایک وہ ہی کیا مجھے تو ہر چہرے میں اب دُشمن ہی دُشمن نظر آنے لگے ہیں۔

کابِل کو اَمّاں کی باتوں سے خُوف محسوس ہُونے لگا تھا۔ اُسکا ننھا سا ذہن بُہت تیز رفتاری سے اِس مسئلہ کا حل تلاش کرنا چاہتا تھا لیکن وہ کِسی نتیجے پر نہیں پُہنچ پارہا تھا بلاآخر وہ تھک ہار کر ماں سے اِتنا ہی کہہ سکا۔ کہ وہ اب اسکول نہیں جائے گا بلکہ گھر پر ہی رہے گا اور اگر کسی نے اُسے ستانے کی کوشش کی تو وہ اینٹ سے اُس دُشمن کا سر پھاڑ دے گا اور اگر

اُسے یہ شرط منظور نہیں تو ہم یہ مُحلہ ہی چھوڑ دیتے ہیں جہاں تیرے دُشمن نہ ہُوں۔
اَماں نے اُسکے سر پر ہاتھ پھیرتے ہُوئے کہا نا بیٹا اسکول چھوڑنے کی بات دوبارہ نہ کرنا اسطرح تو میں اور بھی کمزور ہُوجاؤں گی۔ اور میرے لال محلّہ چھوڑنے سے بھی کُچھ نہیں ہُوگا۔ ایسے درندے اور وحشی جانور نُما انسان تو ساری دُنیا میں پھیلے ہُوئے ہیں جو اپنی ہوس پوری کرنے کیلئے ذلت کی گہری سے گہری دلدل میں اُتر سکتے ہیں۔ اگرچہ اماں کی فلسفیانہ گُفتگو کا ایک لفظ بھی کامل کے پلے نہیں پڑ رہا تھا مگر وہ اتنا ضرور سمجھ رہا تھا کہ اَبا کے جانے کے بعد اَمّاں کسی خُوفزدہ ہرنی کی مانند ہو گئی ہے۔ اور خطرے بدستور بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ یہی سوچتے سوچتے وہ اَماں کی انگلیوں کے لمس کے سبب ایک مرتبہ پھر آہستہ آہستہ پریوں کے دیس میں پُہنچ گیا جہاں ہمیشہ کئی خُوبصورت پریاں اُسکے ساتھ کھیلنے کیلئے منتظر رہتی تھیں۔ اور چاچا ارشد کی منجھلی بیٹی نرگس بھی ہمیشہ اِس کھیل میں اِسکا ساتھ دَیا کرتی تھی اور آخر میں نرگس جونہی کسی بات پر رُوٹھ کر اُس سے دُور جانے لگتی تب اچانک نرگس کو پُکارتے ہُوئے اُسکی آنکھ کُھل جایا کرتی تھی۔
وقت گُزرتا رہا اور کامل دس برس کا ہُوگیا اَماں کی بس یہی خُواہش تھی کہ

کم از کم اُسے اِتنا کام مِل جائے کہ وہ گھر کا خرچ آسانی سے پُورا کرنے کے بعد دوبارہ سے کامل کو کِسی پرائیویٹ اِسکول میں داخل کراسکے۔ لیکن حالات دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے گویا مہنگائی کا جِن بے قابو ہُوچکا ہے اور وہ شاید کسی غریب کو جینے کا حق دینے کے حق میں نہیں ہے۔ تمام مُحلے میں ایک چاچا ارشد کا گھر ایسا تھا کہ جہاں جانے کیلئے کامل کو اَماں سے اجازت نہیں لینی پڑتی تھی۔ جہاں چاچا ارشد کی منجھلی بیٹی نرگس ہمیشہ اُسکی منتظر رہا کرتی تھی لیکن کبھی کبھار کامل کو نرگس پر بے انتہا غصہ بھی آتا کیونکہ نرگس کوئی بھی لڑکوں والا کھیل نہیں کھیلا کرتی تھی اُسے تو بس گُڑیا کیساتھ کھیلنا پسند تھا یا زیادہ سے زیادہ آنگن میں پڑے جھولے سے لگاؤ تھا نرگس کی بڑی بہن تو اکثر اپنی اَماں کا ہاتھ بٹاتی نظر آتی اور نرگس سے چھوٹی بہن فرح کو اسکول کا اتنا خُوف سوار رَہتا کہ ہر وقت آنگن میں بُچھے تخت پر اپنی کاپیاں اور کتابیں پھیلائے نظر آتی۔

نرگس کی عمر 12 برس کے قریب تھی اور وہ ساتویں کلاس کی طالبہ تھی جبکہ کِامل اس برس پانچویں کلاس میں آیا تھا۔ اور اماں کی شب و روز کی محنت کی وجہ سے کلاس میں مانیٹر تھا اماں بظاہر تو دس کلاس پاس تھیں لیکن ظاہری حُسن کے ساتھ گُفتگو کا سلیقہ ایسا تھا کہ اکثر کالج میں پڑھنے والی بچیاں بھی مدد کیلئے سارے مُحلے میں اَماں ہی کا انتخاب کرتیں۔ کامل کئی مرتبہ

اماں سے کہہ چُکا تھا کہ اماں ہمارے ماسٹر صاحب گھر پر پڑھانے کے پورے تیس روپیہ لیتے ہیں اور آپ تو ایک پیسہ بھی مُحلے کی بچیوں سے نہیں لیتی ہیں ۔ اماں ہمیشہ مسکرا کر ایک ہی جواب دیتیں کہ بیٹا علم بانٹنے سے گھٹتا نہیں بلکہ بڑھتا ہے اور اسطرح علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

اگلے برس کامل پورے اسکول میں اول پوزیشن لایا تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے اپنی جیب سے خاص دس روپیہ نقد اور ایک نیا قلم کامل کو انعام میں دیکر سرٹیفکٹ کیساتھ رُخصت کیا تھا کیونکہ اِس اسکول میں پانچ سے زائد کلاسیں نہیں تھی۔ اماں کو جب کامل نے دس روپیہ اور قلم کا تُحفہ دِکھایا تو اَماں کئی منٹ اسکے چہرے پر بُوسوں کی بارش کرتے ہوئے اُسے چُومتی رہیں لیکن وہ آنسو جو اُمنڈ اُمنڈ کر اماں کی آنکھوں سے رُخسار پر آرہے تھے جنہیں بار بار اماں اپنے دوپٹے کے پلّو سے صاف کر رہی تھیں کامل کی سمجھ سے بالاتر تھے۔

پھر اَماں نے جیسے تیسے کوشش کرکے کامل کو ہائی اسکول میں نئی یونیفارم اور نئی کاپی کتابوں کیساتھ داخل کرادِیا۔ وقت گُزرتا رہا اور ایک دِن اسکول سے واپس گھر آتے ہُوئے کامل کو معلوم ہُوا کہ مُحلے کی واحد مسجد کے اِمام رمضان صاحب کی بیوی کا انتقال ہوگیا ہے۔ مُحلے کے سبھی لوگ آہستہ آہستہ امام صاحب کے گھر کے باہر شامیانے میں جمع ہورہے تھے۔ کامل لمبے لمبے

قدم بھرتا جونہی اپنے گھر کے نزدیک پُہنچا۔ اُس کی نظر گھر سے کُچھ فاصلے پر کھڑے اُسی اُوباش نوجوان پر پڑی جو اُس دِن اِنکے گھر سے نِکل کر بھاگا تھا۔

(جاری ہے)

ارے آیئے کرامت صاحب میں تُو کب سے آپکی راہ دیکھ رَہا تھا۔ وہ کیا خُوبصورت شعر ہے جو عموماً ایسے موقعوں پر پڑھا جاتا ہے۔۔؟ ہاں یاد آیا۔
وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے۔۔۔! ! نعمان علی خان نے صوفے سے اُٹھ کر کرامت صاحب سے بغلگیر ہُوتے ہوئے شعر پڑھا۔
کیوں شرمندہ کرتے ہیں نعمان صاحب میں تُو خود آپکی فون کالز کا منتظر تھا اور دیکھئے جونہی آپ کا بُلاوا مِلا۔ بندہ خُود حاضر ہوگیا کہیئے کیا فرقان صاحب نے منظوری دے دی۔ آپکے نئے پرپوزل کی۔۔؟ کرامت صاحب نے سِٹنگ رُوم میں رکھے ایک خُوبصورت صوفے پر بیٹھتے ہی بڑے اشتیاق سے نعمان صاحب کی جانب دیکھتے ہُوئے اِستفسار کیا۔
منظوری تُو نہیں دِی لیکن میں بھی ہاں کرائے بغیر ماننے والوں میں سے نہیں ہُوں ۔آج نہیں تو کل فرقان بھائی کو منظوری دینی ہی پڑے گی۔ اور ویسے بھی فیکٹری چلانے کی تمام تر ذمہ داری میری ہی تُو ہے۔ فرقان پہلے کونسا فیکٹری چلانے میں میری مُعاونت کرتا تھا جُو اب فیکٹری کے معاملات میں

مُداخلت کرے گا۔ بس وہ تُو مجھ سے غلطی ہُو گئی جو انجانے میں اُس سے اِس پرپوزل کے بارے میں اُسکی رائے معلوم کر بیٹھا۔ اگر مُجھے ذرا بھی بھنک مِل جاتی کہ فرقان آجکل مُولویوں میں اُٹھنے بیٹھنے لگا ہے تُو میں اُس سے اِس نئے پرپوزل کا تذکرہ ہی نہیں کرتا۔ نعمان صاحب نے تفصیل سے کرامت صاحب کو تفصِیلات بتاتے ہُوئے کہا۔

لیکن اُن کی رضامندی تُو چاہیئے ہی ہُوگی نا۔ بھئی آخر وہ بھی تُو پچاس پرسنٹ کے حصے دار ہیں آپکی فیکٹری میں۔اور بنک ڈاکومینٹس پر اُنکے سگنیچر بھی درکار ہُونگے اور بھی کافی مسائل درپیش ہُونگے۔ بنک لُون کی منظوری سے قبل۔ لیکن اُنہیں اعتراض کیا ہے بنک لُون لینے پر۔ آخر مجھے بھی تُو وجہ معلوم ہُو۔ ویسے جہاں تک میری معلومات ہیں آجکل کسی فیکٹری کا بھی بنک کی شراکت کے بغیر چلائے جانے کا تصور ہی مُحال ہے۔اور آپ تُو ماشاءَاللہ جو پروجیکٹ شروع کرنے جارہے ہیں اُس میں ایک خطیر سرمائے کی ضرورت پیش آئیگی۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ آپ اس پروجیکٹ کو بنک کی شراکت کے بَغیر چلا پائیں گے۔ کرامت صاحب نے بھی تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہُوئے بنک کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

آپ بجا فرماتے ہیں کرامت صاحب اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ بنک کی شراکت کے

بغیر اِس پروجیکٹ کو پایہ تکمیل تک نہیں پُہنچایا جا سکتا۔ اور نہ ہی اِس کے بِنا میں اپنا برسوں پُرانا خُواب حقیقت میں ڈھال سکوں گا۔ لیکن یہ جُو مولوی ٹائپ لوگ ہُوتے ہیں اِنکا حال تُو آپ کو معلوم ہی ہے۔ یہ نا خُود ترقی کرتے ہیں اور نہ ہی کِسی اور کی ترقی برداشت کر سکتے ہیں ۔اِسی لئے میں نے آپکو زِحمت دِی تھی تاکہ آپ سے معلوم کرسکوں ۔کہ کیا کوئی ایسی تدبیر نہیں ہُو سکتی کہ فرقان کو اِس تمام معاملے میں اِنوالو کئے بغیر یہ لُون حاصِل کیا جاسکے۔۔۔؟ نعمان نے اُمید بھری نِگاہوں سے بنک مینجر کرامت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں نعمان صاحب ایسا بالکل بھی مُمکن نہیں ہے کیوں کہ بات دَس کروڑ کے لُون کی ہے کوئی پانچ دس ہزار رُوپے کی نہیں جو کوئی بے قاعدگی کی گُنجائش نِکالی جاسکے اتنی بڑی رقم بنک کسی کو دینے سے قبل اُسکی سیکیورٹی کا خاطر خواہ انتظام ضرور کرے گی۔ یہ تو آپ خُوش نصیب ہیں جو میری معرفت آپکو یہ لُون ایک مہینے میں حاصِل ہُوجائے گا ورنہ لوگ اتنی کم شرح انٹریسٹ پر لُون حاصل کرنے کیلئے مہینوں نہیں بلکہ سالوں بنک کے چکر لگاتے ہیں تب کہیں جاکر سینکڑوں شرائط پُوری کرنے کے بعد ہی قرض حاصِل کرپاتے ہیں۔ کرامت صاحب نے پہلو بدلتے ہُوئے جواب دِیا۔

میں جانتا ہُوں کرامت صاحب۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہماری ریپوٹیشن لاکھ بہتر سہی لیکن آپکی کوششوں سے ہی اِس لون کی آفر ہمیں ہُوئی ہے لیکن نہ جانے فرقان کس قسم کے لوگوں کے چکر میں گرفتار ہُوگیا ہے۔ جواُسے اُلٹی سیدھی پٹی پڑھاتے رِہتے ہیں۔ اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ہمارے مُلک میں ایسے لوگوں کی ویسے بھی کوئی کمی نہیں ہے جنہیں دوسروں کے کام میں خوامخواہ ٹانگ اَڑانے کی عادت ہُوتی ہے۔ آپ نے وہ مقولہ تُو ضرور سُنا ہُوگا کہ۔ نہ ہم خُود کھائیں گے اور نہ کِسی اور کو کھانے دیں گے۔

نعمان نے قہقہ لگاتے ہوئے کہا۔

لیکن نعمان صاحب آپ نے بتایا نہیں کہ فرقان صاحب کو آخر اعتراض کیا ہے اس ترقی کی راہ پر چلنے میں ؟ کرامت صاحب نے اپنا سوال ایک مرتبہ پھر دُھراتے ہُوئے کہا۔

ارے کرامت صاحب کیا بتاؤں آپکو موصوف وہی دقیانوسی باتیں لے کر بیٹھ جاتے ہیں ۔ جیسی باتیں اکثر ناکام قسم کے لُوگ کرتے نظر آتے ہیں کہ بنک سے لین دین حرام ہے اور اُنکا سارا نظام اور کاروبار سودی ہُونے کی وجہ سے کاروبار سے.برکت چلی جاتی ہے ۔ اور پریشانیاں انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ وغیرہ وغیرہ۔ نجانے کہاں سے فرقان کی مُلاقات ایک ریٹائرڈ پروفیسر صاحب سے

ہُو گئی ہے۔ جناب خُود تو کسی کالج سے لاکھوں روپیہ لیکر فارغ ہُو گئے ہیں۔ اب فرقان کو بھی اپنے پیچھے لگا لیا ہے۔ نعمان نے بات کو واضح کرنے کے بعد انٹر کام پر چائے کا آرڈر دیدیا۔

کُچھ دیر میں ملازم چائے کے دو گرما گرم کپ بسکٹس کیساتھ سٹنگ روم میں رکھ کر واپس چلا گیا۔ کرامت صاحب نے چائے کا کپ ہاتھ میں اُٹھاتے ہوئے نعمان صاحب کی طرف دیکھتے ہُوئے کہا۔ دیکھیئے نعمان صاحب میں دینی معاملات میں تُو اپنی کوئی رائے پیش نہیں کرونگا۔ کیونکہ میری دِینی معلومات نہ ہُونے کے برابر ہی سمجھیں۔ مگر میں آپ کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ ہوسکتا ہے کہ اگلے ماہ یا دو ماہ میں میرا ٹرانسفر کسی دوسرے شہر میں ہُوجائے۔ اُسکے بعد میں آپکی کوئی مدد نہیں کرپاؤں گا۔ اِس لئے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپکا کام آسانی سے ہُوجائے تُو آپکو جلد از جلد فرقان صاحب کو راضی کرنا پڑے گا اِس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ یا دوسری صورت میں۔۔۔ کرامت صاحب نے بات کرتے کرتے جُملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

دوسری کیا صورت ہے کرامت صاحب آپ کُھل کر بات کریں۔ نعمان نے پُر اشتیاق لہجے میں اِستفسار کیا۔ نعمان کا خیال تھا کہ شائد کرامت صاحب کوئی لین دِین کی بات کرتے ہُوئے جھجک رہے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے نعمان صاحب کہ۔۔۔ فرقان صاحب آپکو اٹارنی پاور دے دیں۔ یا آپ اُن سے کسی طرح شراکت ختم کر دیں۔ اسطرح فیکٹری کے تمام معاملات کی ڈیلنگ صرف آپ کے پاس آجائے گی اور میں آپکو قرضہ دِلوانے میں کامیاب ہُو جاؤں گا ۔لیکن اسکے لئے بھی آپکو جلد از جلد تمام ڈاکومینٹس تیار کروانے ہُونگے۔یُوں سمجھ لیں کہ آپکے پاس زیادہ سے زیادہ بیس یا پچیس دِن ہُونگے۔ کرامت صاحب نے ہچکچاتے ہُوئے دوسری تجویز پیش کردی۔

ارے نہیں کرامت صاحب فرقان کیساتھ میری تب سے یاری ہے جب ہماری جیبوں میں ایک پھوٹی کُوڑی بھی نہیں ہُوتی تھی یہ کروڑوں کا بزنس تو چند سال سے ہے ورنہ ہمیں دیکھ کر تو لوگ یہی کہتے تھے کہ۔ لُو آ گئی 2 نکموں کی جُوڑی۔ اُس وقت ہماری جیب میں ایک چائے کے بھی پیسے نہیں ہُوتے تھے کہ آدھے آدھے کپ کی عیاشی ہی کر لیتے۔ فرقان اتنا سخت انسان نہیں ہے ۔ اُسے دولت کی اہمیت کا خُوب اندازہ ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ آج لوگوں میں ہماری جو عزت اور جو بھی ہماری کاروباری ساکھ ہے۔ وہ انہی پیسوں کی بدولت ہیں۔ میں فرقان کو پھر سے سمجھاؤں گا ۔اور مجھے یقین ہے وہ بلاآخر میری بات مان ہی جائے گا۔ نعمان نے جذباتی لہجے میں اپنی بات مکمل کرتے ہُوئے کہا۔

چلیں پھر ٹھیک ہے آپ فرقان صاحب سے بات کرلیں۔ کہتے ہیں ایک جگہ بار بار قطرہ گرنے سے تو پتھر میں بھی سوراخ ہوجاتا ہے۔ اور اپنے فرقان صاحب تو نہایت نفیس اور سمجھدار انسان ہیں۔ ویسے بھی سنا ہے کہ انسان کا قلب منقلب ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے اِس مرتبہ آپ کی بات اُنکے دِل کو چھو جائے آخر آپ اُنکے دوست اور خیر خواہ ہیں۔ اور اس نئے پرپوزل سے صرف آپکی ذات کو ہی تو فائدہ نہیں پہنچے گا پچاس فیصد منافع تو اُنہیں بھی ملے گا جو میرے خیال میں سالانہ دو تین کروڑ سے کسی طرح کم نہیں ہوگا۔ کرامت صاحب نے بات مکمل کرنے کے بعد کھڑے ہوکر مصافحہ کیلئے نعمان کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

نعمان آفس کے گیٹ تک کرامت صاحب کو چھوڑنے کے بعد واپس آکر اپنی آرام دہ نشست پر نیم دراز ہوگیا۔ اُسے کرامت صاحب کی دوسری تجویز قطعی پسند نہیں آئی تھی۔ بلکہ اُسے حیرت اِس بات پہ تھی کہ کس بات سے کرامت صاحب کو اتنی ہمت ہوئی کہ اُنہوں نے مجھے فرقان سے علحیدگی کا مشورہ دے ڈالا۔ حالانکہ وہ ایسی کوئی بات کبھی اپنے ذہن کے پوشیدہ گوشے میں بھی نہیں لایا تھا۔ چہ جائیکہ کرامت صاحب نے وہ بات اپنی زبان سے ادا کردی۔ اور نعمان کو صرف گمان نہیں بلکہ کامل یقین تھا کہ کبھی فرقان نے بھی ایسی کسی بات کا تصور نہیں کیا ہوگا۔

نعمان کی زندگی میں اُسکے خوابوں کی بڑی اہمیت تھی لیکن وہ اُن خوابوں کے لئے اپنے جگری یار کو قربان نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن آج کرامت صاحب کی گفتگو نے بیشُمار اندیشے اور خُوف کے بادل نعمان کے سر پر ایستادہ کردیئے تھے۔ وہ جتنا اِن خیالات سے اپنی سوچ کو باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُسی قدر زیادہ خیالات کے ناگ اُسکے دِماغ پر اپنے مہیب پھنّوں سے حملہ کر رہے تھے۔ چند جُملے بار بار نعمان کے دِماغ میں گُونج رَہے تھے۔۔ کیا فرقان کبھی میرا ساتھ چھوڑ سکتا ہے۔۔۔؟ کیا میں فرقان کو اپنے خُوابوں کی بھینٹ چڑھا سکتا ہُوں۔۔۔؟ کیا ہماری دوستی کِسی نازک دوراہے پر کھڑی ہے۔۔۔؟ اور ایسے ہی بیشُمار سوالات نعمان کی سُوچوں کو منتشر کر رہے تھے۔ نعمان کو ایسا محسوس ہُورَہا تھا جیسے یہ سوالات اُسکی دماغی شریانوں کو پھاڑ ڈالیں گے۔ پھر کُچھ سُوچ کر نعمان نے فُون کا رِیسیور اُٹھایا اور فرقان کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ دوسری جانب سے فرقان نے جونہی السلامُ علیکم کہا۔ نعمان نے فرقان سے جلد فیکٹری میں آجانے کی استدعا کرتے ہُوئے فون کا ریسیور پٹختے ہُوئے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

(جاری ہے)

جال۔ در۔ جال قسط 2

گُذشتہ سے پیوستہ

نعمان کی زندگی میں اُسکے خوابوں کی بڑی اہمیت تھی لیکن وہ اُن خوابوں کے لئے اپنے جگری یار کو قربان نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن آج کرامت صاحب کی گُفتگو نے بیشُمار اندیشے اور خُوف کے بادل نعمان کے سر پر ایستادہ کردیئے تھے۔ وہ جتنا اِن خیالات سے اپنی سوچ کو باز رکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ اُسی قدر زیادہ خیالات کے ناگ اُسکے دِماغ پر اپنے مہیب پھنّوں سے حملہ کر رہے تھے۔ چند جُملے بار بار نعمان کے دِماغ میں گُونج رَہے تھے۔۔ کیا فرقان کبھی میرا ساتھ چھوڑ سکتا ہے۔۔۔؟ کیا میں فرقان کو اپنے خُوابوں کی بھینٹ چڑھا سکتا ہُوں۔۔۔؟ کیا ہماری دوستی کِسی نازک دوراہے پر کھڑی ہے۔۔۔؟ اور ایسے ہی بیشُمار سوالات نعمان کی سُوچوں کو منتشر کر رہے تھے۔ نعمان کو ایسا محسوس ہُورَہا تھا جیسے یہ سوالات اُسکی دماغی شریانوں کو پھاڑ ڈالیں گے۔ پھر کُچھ سُوچ کر نعمان نے فُون کا رِیسیور اُٹھایا اور فرقان کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ دوسری جانب سے فرقان نے جونہی السلامُ علیکم کہا۔ نعمان نے فرقان سے جلد فیکٹری میں آجانے کی استدعا کرتے ہُوئے فون کا ریسیور پٹختے ہُوئے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

اب مزید پڑھیئے۔

نعمان کو اِنتظار کرتے ہُوئے تقریباً ۴۰ منٹ ہُو چُکے تھے۔ وہ بڑی بیقراری سے فرقان کی آمد کا منتظر تھا۔ اُسنے اِن چالیس مِنٹوں میں بیسیُوں مرتبہ وال کلاک کی جانب نِگاہ اُٹھا کر دیکھا تھا۔ اور اب تُو نعمان میں مزید انتظار کی تاب بھی نہ رہی تھی۔ وہ سُوچنے لگا ۔۔۔ کیا یہ وہی فُرقان ہے جو میری ایک کال پر دوسرے شہر سے بھی اِہم سے اِہم کام چھوڑ چھاڑ کر بھاگتا چلا آتا تھا۔ مگر اب کتنا بدل گیا ہے میرا فُرقان۔ کہ شہر میں ہُونے کے باوجود بھی اِتنا دُور ہے۔ جیسے راستہ میں دریا یا پہاڑ حائل ہُوگئے ہُوں۔ کہاں تُو سارا دِن ساتھ گُزارنے کے باوجود بھی گھر پُہنچتے ہی کال کیا کرتا کہ اب کیا پروگرام ہے۔ اور کہاں ساتھ چلنا ہے۔ اور کہاں یہ حالِ تغافُل جیسے میری کوئی اہمیت ہی نہ ہُو اُسکی زندگی میں۔

نعمان جُوں جُوں ماضی و حال کو میزان کے پلڑوں میں تُولتا چلا جارھَا تھا۔ اُسے کرامت صاحب کے الفاظ کِسی ہتھوڑے کی مانند اپنے سر پر برستے مِحسوس ہُو رہے تھے۔ حالانکہ سِٹنگ رُوم میں دُو عدد اِسپلٹ ائر کنڈیشنر کمرے کو 18 سینٹی گریڈ کے درجہ حرارت پر رکھے ہُوئے تھے۔ لیکن نُعمان کی پیشانی پر

ننھے ننھے پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ شاید نعمان کے دِماغ کا ٹمپریچر کمرے کے درجہ حرارت سے کئی گُنا بڑھ چُکا تھا۔

نُعمان نے اپنی پیشانی پر آئے پسینے کے قطروں کو ٹشو پیپر سے صاف کرتے ہُوئے فرقان کو دُوبارہ کال مِلانے کیلئے ٹیلیفون کا ریسیور اُٹھایا ہی تھا کہ اُس کہ کانوں میں فُرقان کی گاڑی کے ہارن کی آواز سُنائی دِی۔ نعمان نے سِٹنگ رُوم کی جہازی سائز وِنڈو سے باہر دیکھا۔ تو اُسے فرقان کی کار کی جھلک دِکھائی دِی۔ نعمان کو فرقان کی آمد سے کُچھ اِطمینان حاصل ہُوا۔ نُعمان نے رِیسیور واپس رکھتے ہُوئے صوفہ کی پُشت سے اپنی کَمر لگالی۔

فُرقان السلامُ علیکم کہتا ہُوا دَروازے سے داخل ہُوا۔ نعمان نے جواب دیتے ہُوئے فرقان کے سراپا پر نِگاہ دُوڑائی تُو فُرقان کی ظاہری حالت دیکھ کر چُونک اُٹھا۔ ابھی چار دِن پہلے جب فرقان سے مُلاقات ہُوئی تھی تب سِوائے کُچھ خیالات کی تبدیلی کے کوئی واضح فرق نہیں تھا۔ لیکن آج فرقان نے ٹُو۔ پیس کیساتھ سر پر ایک سادہ سی ٹوپی بھی رکھی ہُوئی تھی جسکی وجہ سے اُسکے بالوں کا خُوبصورت اِسٹائل ٹوپی میں چُھپ کر رِہ گیا تھا۔ حالانکہ یہ وہی فرقان تھا جِسے اپنے بالوں کی اتنی پرواہ تھی کہ وہ کبھی لوکل برانڈ کا شیمپو بھی استعمال نہیں کیا کرتا تھا۔ کہ مُبادا کہیں بَالوں کی خُوبصورتی

مانند نہ پڑ جائے۔ سَر پہ ٹوپی کیساتھ فرقان کے چہرے پر تین ، چار دِن کی بڑھی ہُوئی شیو بھی نعمان کو بُہت عجیب سی محسوس ہورہی تھی۔
نُعمان نے کھڑے ہُو کر فرقان سے نہ صرف مصافحہ کیا بلکہ مُعانقہ کرتے ہُوئے کہا۔ یار فرقان میں تُو سُوچ رَہا تھا کہ جب تُو آئے گا۔ تب میں تجھے اپنی پریشانی اور اپنا حالِ دِل سُناؤں گا۔ لیکن یار تجھے دیکھ کر تُو لگتا ہے کہ تُو شائد مجھ سے بھی زیادہ ڈسٹرب ہے! یہ کہتے ہُوئے نعمان نے فُرقان کو اپنے ساتھ ڈبل صوفے پر بِٹھالیا۔
نہیں یار الحمدُ للہ میں بالکل ٹھیک ہُوں۔ مجھے اب نہ کوئی اُلجھن ہے اور نہ ہی کوئی ذِہنی وجِسمانی پریشانی ہے۔ بلکہ میں تُو آجکل خُود کو بُہت ہلکا اور فریش محسوس کررہاہُوں۔ البتہ تُم سُناؤ۔ تُمہارے دِل کو کیا رُوگ لگ گیا ہے۔۔۔؟ فُون پر بھی تُمہاری آواز سے یہی محسوس ہُورھا تھا۔ جیسے تُم کسی ذہنی خلفشار میں مُبتلا ہُو۔۔۔! ویسے یار مُجھے مُعاف کردینا مجھے آنے میں کُچھ تاخیر ہُو گئی۔ دراصل پروفیسر اَبُو العمران حسان صاحب کا لیکچر اِتنا مسحور کُن اور پُر مغز تھا کہ میں باوجود کوشش کے بھی محفل سے نہیں اُٹھ پارہا تھا۔ بس جیسے ہی حسان صاحب کا لیکچر ختم ہُوا میں فُوراً تیری جانب دوڑا چلا آیا۔ فُرقان نے مُعذرت کیساتھ ساتھ نعمان کو

تاخیر کی وجوہات بتاتے ہُوئے اُسکی خیریت دریافت کی۔

یار فرقان میں اپنی پریشانی تُو تُمھیں بتا ہی دونگا، مگر میرے یار یہ تُم نے اپنا حُلیہ کیا بنا رکھا ہے۔۔۔؟ اور یہ تُم کِن چکروں میں پڑ گئے ہُو۔۔۔؟

میرے دوست یہ جوانی پلٹ کر واپس نہیں آئے گی۔ کیوں چار دِن کی زِندگی کو اِیسے مولوی ٹائپ لوگوں کے چکر میں ضائع کرنے پر تُلے ہُو۔۔؟ اگر ابھی زندگی کو انجوائے نہ کیا۔ تُو کیا بُڑھاپے میں اِنجوائے کروگے ۔۔۔؟ جب نہ قدم تُمہارا ساتھ دیں گے ۔اور نہ ہی سانس قابو میں رہے گی۔ نعمان نے فرقان کی حالت کی طرف اِشارہ کرتے ہُوئے مُحبت سے سمجھایا۔

نعمان میرے بھائی میں بھی اپنے حُلیہ، جوانی، ڈھلتی عمر، اور بڑھاپے کو لیکر ہی متفکر ہُوں۔ لیکن بس تُمہارے اور میرے سُوچنے کا انداز جُدا ہُوگیا ہے۔

میں ابھی شائد اپنے احساسات کو الفاظ کے سانچے میں ٹھیک طرح سے نہ ڈھال سکوں ۔اور ہُو سکتا ہے کہ اپنی کم مائیگی کے اِحساس کی وجہ سے تُمھیں

مطمئین بھی نہ کرپاؤں ۔اسلئے میرے خیال میں ہمیں اِس بحث میں پڑنے کے بجائے وہ بات کرلینی چاہیئے جسکی خاطر تُم نے مجھے بُلایا ہے۔ میں تجھے بھی حسّان صاحب سے ایک بار ضرور مِلانا چاہُوں گا۔ اور مجھے یقین ہے کہ تُم پہلی ہی مُلاقات میں اپنے تمام سوالوں کا اطمینان بخش جواب پاکر میری ہی طرح سُوچنے لگوگے۔ فُرقان کی اِس خُواہش کا نعمان نے تزخ کا جواب دیتے ہُوئے کہا۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے ایسے پیٹ کے پُجاریُوں سے زندگی کا فلسفہ سمجھنے کی۔ جُو چندے کے نام پر ساری زِندگی اپنی تجوریوں کا وزن بڑھانے میں لگے رِہتے ہیں۔ اور میرا یہ وعدہ ہے تُجھ سے۔۔۔۔۔۔ کہ میں ایک دِن تجھے بھی اُس پروفیسر کے جھانسے سے ضرور نِکال لاؤں گا۔

پُروفیسر حسّان صاحب کی شان میں ایسے نازیبا الفاظ سُن کر ایک لمحے کیلئے فُرقان کے گندمی چہرے کا رنگ سُرخ ہُوگیا۔ فرقان کا جی چاہا کہ وہ اِس گُستاخی کا بھرپور جواب نعمان کو دے یا فوراً احتجاجاً اپنی نشست سے اُٹھ جائے۔ لیکن اُسے فوراً حسّان صاحب کا جُملہ یاد آگیا جُو اُنہوں نے آج ہی بُہت سُورو دیگر سامعین کو سمجھایا تھا۔ کہ انسان کا اصل اِمتحان حالت غُصہ میں ہُوتا ہے۔ اگر اِنسان بھڑک جائے تو شیطان غالب رہتا ہے اور یُوں بندہ ہار جاتا ہے۔ لیکن اگر انسان اُس وقت حِلم و بُردباری کا مظاہرہ کرے۔ دلیل و حِکمت کا ساتھ نہ چُھوڑے۔ تب انسان غالب اور شیطان مغلوب ہُوجاتا ہے اب یہ

بندے پر منحصر ہیکہ چاہے تو شیطان کو غالب کرے چاہے تُو خُود غالب رِہ کر اُس لعین کو مغلوب کردے۔

فُرقان نے بمُشکل اپنے جذبات پر قابو پاتے ہُوئے ایک مرتبہ پھر نعمان سے مُخاطب ہُوتے ہُوئے دھیمے لہجے میں کہا،، میرے خیال میں ہمیں اصل موضوع کی طرف لُوٹ آنا چاہیے،، ایسا نہ ہُو کہ نماز کا وقت ہُوجائے اور ہماری مُلاقات کا مقصد ہی فُوت ہوجائے۔ اور جہاں تک رہا ہماری لائف اِسٹائل کے انداز کی بات کا تعلق ۔ تو میرے خیال میں ہمیں اِسمیں ایک دوسرے پر جبر نہیں کرنا چاہیئے۔ ہاں کبھی وقت مِلا تو میں ضرور اس موضوع پر تُم سے تفصیلی گُفتگو کروں گا۔ کیونکہ میں سمجھتا ہُوں کہ ایک دوسرے کا نظریہ جاننے سے عِلم میں اضافہ ہُوتا ہے۔ فرقان نے گُفتگو کا موضوع بدلنے کی ایک آخری کوشش کرتے ہُوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

نعمان نے بھی فرقان کے لہجے کے کرب کو محسوس کرتے ہُوئے موضوع بدلنے میں ہی عافیت جانی ۔ اِس لئے نعمان نے اَصل موضوع کی جانب آتے ہُوئے۔ اُٹھ کر دیوار پر نصب کیبنٹ کا لاک کھول کرایک فائل نِکالی اورمسکراتے ہُوئے فُرقان کی جانب بڑھادی۔

یہ کیا ہے۔۔۔؟ فرقان نے فائل ہاتھ میں لیتے ہُوئے نعمان سے کہا۔
یہ اُسی بیپر مِل کی فائل ہے جسکا تذکرہ میں نے تُم سے تُمہارے گھر پر کیا تھا۔ نعمان نے بدستور مُسکراتے ہُوئے اُسے یاددِہانی کرائی۔
لیکن تُم نے خُود ہی تُو بتایا تھا کہ اس پروجیکٹ کیلیئے ہمارے اکاؤنٹ میں خاطر خُواہ رقم موجود نہیں ہے۔ پھر یہ فائل دِکھانے کا مطلب۔ فُرقان نے استفہامیہ انداز میں نعمان کو دیکھا۔
لیکن میں نے تُم سے کہا تھا نا ! کہ ہمیں اِس پروجیکٹ کے لئے قرض مِل رہا ہے۔ اور یار تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ یہ صرف میرا ہی نہیں بلکہ ہمارا مشترکہ خواب ہے۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم اِس خُواب کو حقیت کے رُوپ میں اپنے سامنے دِیکھیں۔ زمیں کا کوئی پرابلم ہی نہیں فیکٹری کیساتھ اضافی چھ ایکڑ زمین ہمارے پاس موجود ہے ہم اِس تمام زمیں کو فیکٹری میں شامل کرلیں تو۔ ون یُونٹ میں دوپروجیکٹ کی دیکھ بھال بھی نہایت آسانی سے ہُو جائیگی اور اضافی بجلی بھی ہم آسانی سے اِس پروجیکٹ میں استعمال کرسکیں گے۔ کُچھ تعمیرات ہم اپنی رقم سے کرلیں گے باقی تعمیراتی کام اور مشینری کیلیئے رقم بنک سے مِل جائے گی۔ جبکہ خام مال ہمیں بازار سے کریڈٹ پر مِل ہی جائے

گا۔ جس سے ہمارا مُنافع سہ گُنا ہو جائے گا۔ پھر تُم دیکھنا ہم کتنی جلد اِس شہر کے سب سے بڑے رئیس کہلائیں گے۔ نعمان نے تفصیل سے پروجیکٹ کے متعلق فرقان کو جُوشیلے لہجے میں بتاتے ہوئے کہا۔

لیکن نعمان تُم مجھے یہ تمام باتیں دوبارہ کیوں بتا رہے ہُو۔۔۔؟ جبکہ ہم چار دِن قبل بھی اِس موضوع پر بات کر چُکے ہیں اور تُمہیں میرا جواب بھی معلوم ہے کہ میں بنک سے رقم اُدھار لینے کے قطعی حق میں نہیں ہُوں البتہ میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہُوں کہ اگر کوئی انویسٹر مِل جاتا ہے تُو تُم بِلاشُبہ اُسے بھی اپنی پارٹنر شِپ میں شامل کر سکتے ہُو۔ مجھے بالکل اعتراض نہیں ہُوگا۔ فرقان نے اپنا جواب سُناتے ہُوئے کہا۔

یار تُمہاری عقل کیا گھاس چرنے گئی ہے۔۔۔؟ البتہ تو کوئی بھی انویسٹر اتنی بڑی رقم ایک نئی فیکٹری میں لگائے گا ہی نہیں ۔اور اگر فرض کرلیں کوئی ایسا اِنویسٹر مِل بھی جاتا ہے تُو وہ کم از کم پچاس ساٹھ پرسنٹ منافع سے کم میں راضی نہیں ہُوگا۔ پھر ہم کیوں بیس یا پچیس پرسنٹ منافع کیلئے اِتنا جھمیلہ پالیں جب بنک خُود ہمیں تمام مطلوبہ رقم دینے کو تیار ہے۔ اور میرے خیال میں بنک کا انٹریسٹ زیادہ سے زیادہ مُنافع کا دس سے پندرہ پرسنٹ ہُوگا۔ نعمان نے غُصیلے لہجے میں جھنجلاتے ہوئے فرقان کو تُرکی بہ تُرکی جواب

دِیا۔

پھر تُم اُس وقت کا انتظار کیوں نہیں کرتے جب تک کہ مطلوبہ رقم مُنافع کے ذریعہ سے ہماری دسترس میں نہیں آجاتی۔ فُرقان کے لہجے میں بھی نہ چاہتے ہُوئے تلخی کی کڑواہٹ دَر آئی تھی۔

اِسکا مطلب ہے واقعی ہمارے راستے جُدا ہُونے کا وقت بُہت نزدیک ہے۔ نجانے کسطرح یہ جُملہ نعمان کی زُبان سے بے اِختیار پھسل گیا۔ نعمان خُود بھی اپنے اِس جُملہ پر حیران تھا۔ لیکن اب دِیر ہُوچکی تھی تیر کَمان سے نِکل چُکا تھا۔ اور نشانہ بھی قائم کرچُکا تھا۔ لیکن یہ نِشانہ نعمان کے نا چاہتے ہُوئے بھی فرقان کا سینہ ہی تھا۔

(جاری ہے)

جال ۔ در ۔ جال قسط ۳

گُذشتہ سے پیوستہ

یار تُمھاری عقل کیا گھاس چَرنے گئی ہے۔۔۔؟ البتہ تو کوئی انویسٹر اتنی بڑی رقم ایک نئی فیکٹری میں لگائے گا ہی نہیں ۔اور اگر فرض کرلیں کوئی ایسا اِنویسٹر مِل بھی جاتا ہے تو وہ کم از کم پچاس ساٹھ پرسنٹ منافع سے کم میں راضی نہیں ہُوگا۔ پھر ہم کیوں بیں یا پچیس پرسنٹ منافع کیلئے اِتنا جھمیلہ پالیں جب بنک خُود ہمیں تمام مطلوبہ رقم دینے کو تیار ہے۔ اور میرے خیال میں بنک کا انٹریسٹ زیادہ سے زیادہ مُنافع کا دس سے پندرہ پرسنٹ ہُوگا۔ نعمان نے غُصیلے لہجے میں جھنجلاتے ہوئے فرقان کو تُرکی بہ تُرکی جواب دِیا۔

پھر تُم اُس وقت کا انتظار کیوں نہیں کرتے جب تک کہ مطلوبہ رقم مُنافع کے ذریعہ سے ہماری دسترس میں نہیں آجاتی۔ فُرقان کے لہجے میں بھی نہ چاہتے ہُوئے تلخی کی کڑواہٹ دَرآئی تھی۔

اِسکا مطلب ہے واقعی ہمارے راستے جُدا ہُونے کا وقت بُہت نذدیک ہے۔ نجانے کسطرح یہ جُملہ نعمان کی زُبان سے بے اِختیار پِھسل گیا۔ نعمان خُود بھی

اپنے اِس جُملہ پر حیران تھا۔ لیکن اب دیر ہُوچکی تھی تیر میان سے نِکل چُکا تھا۔ اور نشانہ بھی قائم کرچُکا تھا۔ لیکن یہ نِشانہ نعمان کے نا چاہتے ہُوئے بھی فرقان کا سینہ ہی تھا۔

اب مزید پڑھیئے

فرقان نے حیرت سے چند لمحے نعمان کے چہرے کو دِیکھا۔ اُسے گُمان بھی نہیں تھا کہ کبھی نعمان اِس طرح کی کوئی بات ایسے تلخ لہجے میں اُس سے کہے گا۔ اور اب وہ مُنتظر تھا کہ نعمان خُود اپنے جُملے کی تشریح کردے۔ اے کاش وہ کہہ دِے کہ،، یار مُجھے مُعاف کرنا،، میں کہنا تُو کُچھ اور چاہتا تھا لیکن میری زُبان سے ،، نِکل نجانے کیا گیا۔۔ لیکن نُعمان کی زُباں سے نِکلے جُملے نے نُعمان کو اِس قابِل ہی کہاں چھوڑا تھا کہ وہ مزید کوئی اور بات کرپاتا۔

نُعمان سُوچ ہی رہا تھا کہ بِگڑی بات کو کِس طرح سنبھالے لیکن اُسُے کُچھ سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ وہ ایسا کُونسا عُذر پیش کرے کہ جسکی وجہ سے کمرے کے ماحول کی حِدت بھی رفع ہُوجائے۔ اور اُسکے یار کا دِل بھی اُسکی طرف سے خراب نہ ہُو۔ کرامت کے جُملوں کی بازگشت نے اُسکے ذہن کو ایسا پراگندہ

کردِیا تھا کہ جن اندیشوں سے نِکلنے کیلئے اُس نے فرقان کو بُلایا تھا۔ وہی جُملے اُسکی زُباں سے نادانستگی میں نِکل گئے تھے۔

فُرقان کو اِنتظارِ یار میں خَاموشی کی چند گھڑیاں بھی یُوں محسوس ہو رہی تھیں جیسے گُویا صدیاں بیت گئی ہُوں۔ اور نُعمان کی مُسلسل خاموشی اُسے یہ سمجھانے کیلئے کافی تھی کہ جو کُچھ نعمان نے فرقان سے کہا ہے۔ وہ کوئی حادثاتی گُفتگو نہیں تھی۔ بلکہ وہ اِس مُعاملے میں کافی غُور وفِکر کرچُکا ہے۔ اور سب کُچھ سُوچ سمجھ کر ہی اِس نتیجے پر پُہنچا ہے کہ اب ہمیں اپنے راستے جُدا کرلینے چاہئیں۔ فرقان کیلئے یہ خیال ہی بڑا رُوح فرسا تھا کہ اب وہ دونوں مزید ساتھ نہیں چل سکتے۔ اور اب فرقان میں اتنی سکت بھی باقی نہ تھی کہ مزید وہاں بیٹھ سکتا۔ اُسے لگا کہ اگر وہ چند لمحے بھی وہاں مزید بیٹھا تُو وہ رُو دیگا۔ کیونکہ اُسے محسوس ہُو رہا تھا کہ اُسکے آبگینے نَم ہُو چُکے ہیں اور کسی بھی وقت چھلک جانے کو ہیں۔ وہ خُود کو اپنی ہی فیکٹری میں لوگوں کے سامنے تماشہ نہیں بنانا چاہتا تھا۔ اسلئے خاموشی سے اُٹھا اور سِٹنگ روم سے نِکل کر اپنی گاڑی میں روانہ ہُوگیا۔ آج زِندگی میں پہلی مرتبہ ایسا ہُوا تھا کہ اُس نے فیکٹری سے نِکلتے ہُوئے گیٹ کیپر سے کوئی جُملہ بازی کی اور نہ ہی گاڑی سے باہر اپنا ہاتھ نِکالا۔

رات کو عِشاء کی نماز کے بعد وہ حسب سابق پروفیسر حسان صاحب کی محفل میں بیٹھا تو اُسے بار بار نعمان کا جُملہ یاد آتا رہا۔ اُسکی بے چینی کو حسان صاحب بھی دیکھ رہے تھے۔ لہٰذا جب محفل برخاست ہوئی تب حسان صاحب نے فرقان کے ہاتھوں کو نرمی سے اپنے ہاتھوں میں دَباتے ہُوئے سوال کیا،، فرقان میاں خیریت تُو ہے آج آپکی طبیعت کُچھ ناساز نظر آ رہی ہے۔۔۔؟

تب حسان سے نہ رہا گیا اور اُسکی آنکھیں مزید نَم ہُوگئیں۔ حسان صاحب نے اُسکی حالت مُلاحِظہ کرتے ہُوئے فرقان کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُسے دوبارہ نشست گاہ میں بیٹھنے کی دعوت دِی اور تمام لوگوں سے فارغ ہُو کر فرقان کے نزدیک آبیٹھے۔

تنہائی دِیکھ کر فرقان نے اپنے دِل کے تمام غُبار کا ماجرا،، اول تا آخر،، حسان صاحب کو سُنا ڈالا۔ اور ساتھ ہی نعمان کی اپنی زندگی میں اہمیت بھی بیان کردی۔ جب فُرقان اپنی تمام کہانی سُنا چکا تب حسّان صاحب یُوں گُویا ہوئے۔ دِیکھو فرقان میاں پہلے تُو زندگی میں چند چیزوں کی اہمیت کو مجھ سے اچھی طرح سے سمجھ لُو۔ اور ساتھ ہی اُن چیزوں کی قیمت بھی ہمیشہ کیلئے اپنے ذِہن کے کِسی گُوشے میں محفوظ کرلینا۔

چند چیزیں انسان کی زندگی میں نہایت اِہم ہُوتی ہیں۔ اور اُنکی قیمت بھی انمول ہوتی ہے جِس کے پاس یہ چیزیں یایُوں کہہ لُو کہ یہ نعمتیں ہُوں اور وہ اُنکی قدر و قیمت نہ جانے وہ دُنیا کا اِحمق ترین انسان ہُوتا ہے کیونکہ جب تک کِسی شئے کی قیمت ہی انسان کو معلوم نہ ہُو۔ وہ اُسکی اہمیت بھی کبھی نہیں جان پائے گا اور جب اہمیت اور قیمت نہیں جان پائے گا تُو قوی خدشات ہیں کہ انسان اُن نعمتوں کی قدر نہ کرنے کے باعث اُن سے کبھی بھی محروم ہُو سکتا ہے۔

دیکھو مِثال کے طُور پر ہَر انسان کو اللہ کریم نے کَم و زیادہ وقت کی مُہلت عطا فرما کر اِس دُنیا میں بھیجا ہے۔ تاکہ وہ اپنے مقررہ وقت میں زیادہ سے زیادہ دائمی زندگی میں کامیابی حاصِل کرنے کیلئے کوشش کرے۔ لیکن تُم نے مُشاہدہ کیا ہُوگا کہ بے شُمار لُوگ ایسے بھی ہیں جُو اپنی زندگی کے قیمتی لمحات بلکہ وقت کے انمول گُوھروں کو یونہی بے دریغ۔ لغویات و فضولیات میں ضائع کررہے ہوتے ہیں۔ اُنکی مِثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی اِنسان کِسی اِہم کام کیلئے اپنے گھر سے بازار کیلئے نِکلے۔ اور جب وہ بازار میں پُہنچے تب وہ اُس اہم کام کو بُھول جائے کہ جس کیلئے وہ اپنے گھر سے نِکلا تھا۔ اور تمام دِن بازار کی زینت میں گُم رہے۔ یہاں تک کہ رات کا اندھیرا دِن کی روشنی کو نِگل جائے اور بازار سِمٹ جائے۔ تب اُسے افسوس کے سِوا

کُچھ ہاتھ نہیں آتا اور وہ خالی ہاتھ ہی بازار سے گھر کی جانب ناکام و نامُراد لُوٹ آتا ہے۔

بالکل اِسی طرح سے اچھا دُوست۔ نیک بیوی اور کُشادہ گھر بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ہیں اور انکا کوئی متبادِل نہیں ہے۔ اور جُو اِن نعمتوں میں سے کسی نعمت کو پانے کے بعد ضائع کردے میری نِگاہ میں وہ بھی بُہت بڑا بے وقوف ہے۔ حَسان صاحب نے اپنی گُفتگو چند لمحوں کیلئے رُوک کر پانی کے چند گھونٹ اپنے حلق سے اُتارنے کے بعد اپنی گُفتگو کو دوبارہ وہیں سے جُوڑتے ہُوئے کہا۔ دِیکھو بیٹا فرقان تُم نے جو اپنی اور نعمان کی دوستی کی رُوداد ابھی کُچھ لمحے پہلے مُجھے سُنائی تھی۔ میں نے اُس سے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔ کہ فطرتاً نعمان ایک شریف النفس انسان ہے۔ جو تُمھاری عدم موجودگی کے باوجود بھی تُمہیں تُمھارے حق سے محروم نہیں رکھتا۔ اور اپنا کام دیانت داری اور خُوش اسلوبی سے انجام دے رہا ہے۔ بس عِلم سے دُوری کے سبب وہ صحیح اور غلط میں تمیز نہیں کرپارہا۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ تُم سے چُھٹکارہ حاصِل کرنا چاہتا ہُوگا۔ بلکہ میرا ذاتی تجربہ اور مُشاہدہ کہتا ہے کہ ضرور تُم دونوں میں کُچھ غلط فہمی پیدا ہُو گئی ہے۔

دِیکھو بیٹا جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ اچھا دوست اللہ کی نعمت

ہُوتا ہے اور اللہ کی نعمت سے مُنہ موڑنا کُفرانِ نعمت ہُوتا ہے۔ دوست اگر ٹھوکر کھا کر غلاظت میں جا گرے تب اُسکی غلاظت سے مُنہ پھیر کر نِکل جانا دانائی نہیں بلکہ کمال تُو تب ہے کہ ایسے وقت میں دوست کو سہارا دیکر گندگی سے نِکال لِیا جائے چاہے اُسکے لئے چند لمحوں کیلئے غلاظت میں اُترنا ہی کیوں نہ پڑ جائے۔ اسلئے میں تُمہیں تاکید کرتا ہُوں کہ اُسے اِحسن طریقے سے سمجھانے کی کوشش جاری رکھنا۔ اُسکے ساتھ سختی کے بجائے نرمی اور حکمت سے کام لینا۔ اُسکی بے رُخی کا جواب ہر گز بے رُخی سے دینے کی غلطی نہ کرنا۔ اور ہر ممکن وہ راہ اِختیار نہ کرنا کہ جسکی وجہ سے خلش میں اضافہ ہُو اگر تُمہیں سمجھانے میں دُشواری پیش آئے تو اُسے میرے پاس لے آنا میں اُسے سمجھانے کی کوشش کرونگا۔

حضرت صاحب ! اگر وہ آپ کے پاس آنے سے اِنکار کردے اور میں بھی اُسے سمجھانے میں ناکام ہُو جاؤں تب کیا کروں۔۔۔؟ فرقان نے حسان صاحب کی جانب دیکھتے ہُوئے عرض کیا۔ وہ حسان صاحب کے متعلق نعمان کی کیا رائے ہے بتانے میں ہچکچا رہا تھا۔

تب بھی کوئی بات نہیں۔ کبھی ایسا بھی ہُوتا ہے کہ انسان اپنی خُواہشات کے آگے اتنا بے بس ہُو جاتا ہے کہ اپنے خالق و مالک کو بھی بھول جاتا ہے لیکن

ایسا تب ہُوتا ہے جب اُسے اپنے فیصلوں اور اپنی سمجھ سے زیادہ کسی کی بات قابلِ توجہ نہیں لگتی۔ اور یہ بھی انسان کے علم سے دوری کی وجہ سے ہی ممکن ہوتا ہے کیونکہ حقیقی عِلم عاجزی پیدا کرتا ہے۔ اور سینے میں ایسی روشنی پیدا کردیتا ہے کہ وہاں خالق و مالک کے فضل سے کبھی اندھیروں کا گُزر ممکن نہیں ہوتا۔ اور جہالت کا مُقابلہ عِلم ہی سے ممکن ہے جہالت سے نہیں۔ اور عِلم کا کمال یہ ہے کہ علم رکھنے والا خود کو کبھی عالِم نہیں سمجھتا بلکہ طالبِ علم سمجھتا ہے۔

اس طرح اُسکی رُوح کبھی عِلم سے سیراب نہیں ہُوتی۔ اور جام تُو وہیں بھرے جاتے ہیں جہاں تشنگی کا اظہار ہُو۔ عاجزی کا انداز ہُو۔ نِگاہ ہی خَم نہ ہُو بلکہ گردن بھی جذبہء اطاعت کے بُوجھ سے جُھکی جاتی ہُو۔ اور جبتک یہ کمالات مخلوق میں پیدا نہ ہُوں تو سمجھ لو۔ کہ اندھیرے پال کر کوئی روشنی نہیں پھیلا سکتا۔ اور پہلے سے بھرے جام میں اگر کوئی ڈالنا بھی چاہے تو جام چھلک جاتا ہے۔ جسطرح شیطان کے ساتھ معاملہ ہُوا کہ۔ رَب کے عطا کئے ہُوئے عِلم کو اپنی میراث اور اپنا ذاتی کمال سمجھ بیٹھا اور اپنے اعمال واَصنام کو جسمِ آدم سے بہتر اور اپنے محدود عِلم کو کُل سمجھتے ہُوتے حکمِ خُداوندی اور اطاعت کو نہ سمجھ پایا۔ اور پھر خودی کے نشے سے ایسا سرشار ہُوا کہ اپنا وجود اُسے ،، سب سے بہتر،، نظر آنے لگا۔ یہانتک کہ اُسکے جہل

نے اُسے

بارگاہِ خُداوندی میں مردود قرار دِلوایا۔

اِس لئے میرے بچّے علم کی تشنگی کو اپنے سینے میں مزید فزوں کرو۔ اور دانائی اور حِکمت کے موتیوں سے اپنی جھولی بھرلو۔ اور اگر پھر بھی تُم اُسے نا سمجھا پاؤ تو اُسے رضائے رَب سمجھ کر جُدا ہُو جانا کہ ہمارا کام صرف سمجھانا ہے دِلوں میں تاثیر پیدا کرنا اُسی کا خاصہ ہے جِس نے تمام عالم بنائے اور سجائے ہیں۔ مگر میری اتنی بات ضرور یاد رکھنا کہ اُسکی واپسی کیلیئے کوئی ایک دروازہ ضرور کُھلا چھوڑ دینا۔ تاکہ اگر وہ کبھی نادِم ہُو کر لُوٹنا چاہے تُو واپس آجائے۔ کیونکہ واپسی کا راستہ تُو خُدا بھی کِسی پر بند نہیں کرتا۔ تُو ہم غُلاموں کو یہ کہاں زیب دیتا ہے کہ تمام راستے اور تمام دروازے، کھڑکیاں ہمیشہ کیلیئے بند کرلیں۔ چُونکہ وہ ابھی نہیں جانتا کہ وہ کِس کیساتھ لڑنے جارہا ہے اسلیئے وہ بے خبر ہے اِس لڑائی کے انجام سے جِسکی ابتداء وہ کرنے جارہا ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اگر چلا بھی گیا تُو ایک دِن ہار کر واپس لوٹ آئے گا۔

حسّان صاحب نے بات ختم کرنے کے بعد گھڑی پر نِگاہ جمائی تو وال کلاک میں رات کے ساڑھے گیارہ بجنے کو تھے پروفیسر صاحب نے اِسکے بعد دُعا کیلیئے ہاتھ

اُٹھاتے ہُوئے فرقان کو گھر جانے کا عِندیہ دے دِیا۔
دُعا سے فارغ ہُو کر فرقان نے حسّان صاحب کے ہاتھوں کو بُوسہ دیتے ہُوئے اجازت طلب کی اور پھر اپنی گاڑی میں سوار ہُو کر گھر کی جانب چل دِیا گھر کے گیٹ پر پُہنچ کر فرقان نے جونہی کار کا ہارن بجایا۔ چند ہی لمحوں میں چُوکیدار نے مین گیٹ کھول دِیا۔ مگر جیسے ہی فرقان کار پُورچ میں دَاخِل ہُوا تُو اُسے نعمان کی کار پہلے سے وہاں کھڑی نظر آئی۔
فرقان جونہی کار سے نِکلا تُو چُوکیدار نے اُسے اطلاع دِی کہ نُعمان صاحب پِچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے ڈرائنگ رُوم میں بڑی بے چینی سے اُسکا انتظار کر رہے اور کافی مرتبہ آپکو کال بھی مِلا چُکے ہیں مگر آپکا فون تب سے بند مِل رہا ہے۔ تب فرقان کو یاد آیا کہ اُس نے نماز کے بعد سے اپنا موبائیل فُون ابھی تک آن نہیں کیا ہے۔
وہ ڈرائینگ رُوم کی جانب بڑھتے ہُوئے یہی سُوچ رہا تھا۔ اللہ خیر کرے۔ کہیں وہ بالکل ہی تمام ناطے تُو ختم کرنے نہیں چلا آیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
(جاری ہے)

عامِل کامِل اور اَبو شامِل قسط ۳

گُزشتہ سے پیوستہ

پھر اَماں نے جیسے تیسے کوشش کرکے کامل کو ہائی اسکول میں نئی یونیفارم اور نئی کاپی کتابوں کیساتھ داخل کرادِیا۔ وقت گُزرتا رہا اور ایک دِن اسکول سے واپس گھر آتے ہُوئے کامل کو معلوم ہُوا کہ مُحلے کی واحد مسجد کے اِمام رمضان صاحب کی بیوی کا انتقال ہوگیا ہے۔ مُحلے کے سبھی لوگ آہستہ آہستہ امام صاحب کے گھر کے باہر شامیانے میں جمع ہورہے تھے۔ کامل لمبے لمبے قدم بھرتا جونہی اپنے گھر کے نذدیک پُہنچا۔ اُس کی نظر گھر سے کُچھ فاصلے پر کھڑے اُسی نوجوان پر پڑی جو اُس دِن اِنکے گھر سے نِکل کر بھاگا تھا۔

اب مزید پڑھیئے۔

کامل نے گھر کی دہلیز پر پُہنچ کر بدحواسی میں جلدی سے دروازے پر نصب کُنڈی کو تیز تیز بجانا شروع کردیا۔ اَماں نے دروازے کے جھروکے سے جُونہی کامل کو دیکھا تو فوراً دروازہ کھول دِیا۔ کامل نے اندر داخِل ہُوتے ہی فوراً دروازے کو بند کیا اور خُوف سے اَماں سے لپٹ گیا۔ اماں بھی کامل کی

بدحواسی سے کُچھ پریشان نظر آنے لگی تھیں۔اُنھوں نے کامل کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہُوئے کہا،، ماں صدقے تجھے آج ہُوا کیا ہے،، کیا کوئی تیرا پیچھا کر رہا ہے؟ یا تجھے کسی نے مارا ہے۔۔۔؟

امّاں آج پھر وہی آدمی ہمارے گھر کے باہر کھڑا ہے جو اُس دِن ہمارے گھر میں گُھس آیا تھا۔کامل نے بمشکل ہکلاتے ہُوئے جملہ مکمل کیا!

اُسکی یہ جُراءت کہ اب وہ بار بار میرے گھر کے چکر لگانے لگا ہے۔اب میں اُسے مزید اپنے بچے اور خُود کو ہراساں کرنے کی قطعی اِجازت نہیں دُونگی یہ کہتے ہُوئے امّاں نے کامِل کو خُود سے جُدا کیا اور اپنی چادر سمیٹتے ہُوئے دروازے کی کُنڈی کھولنے لگی۔

کامل امّاں کے بدلتے تیور اور آنکھوں میں بھری چنگاریاں دیکھ کر مزید سہمتے ہُوئے ایکبار پھر اَماں سے چمٹ گیا۔اماں رہنے دو،، وہ،، کہیں تمھیں نقصان نہ پُہنچادے۔ اب تُمھارے سِوا میرا دُنیا میں اور کُون ہے۔کامل بلک بلک کر امّاں سے فریاد کر رہا تھا۔

لیکن آج تو امّاں کے تیور ہی کُچھ اور نظر آرہے تھے وہ اُس ہرنی کی مانند

نظر آرہی تھی جسکا بچہ کسی بھیڑئے نے فخر سے گھیر لیا ہُو۔ اور حقارت سے اُس ہرنی سے کہہ رَہا ہو کہ اگر تیرے بس میں ہُو۔ تو آ مجھ سے اپنا بچّہٰ چھڑا لے۔ اور وہ ہرنی اپنی جان کی قیمت پر اُس بھیڑیئے سے نبرد آزما ہُونے جارہی ہُو۔

نہیں میرے بچے اگر آج میں اُسے روکنے کیلئے نہیں نِکلی تو اس ظالم بھیڑیئے کا حُوصلہ مزید بُلند ہُو جائے گا مجھے جانے دے۔ میں تجھ سے وعدہ کرتی ہُوں کہ میں واپس لُوٹ کے آؤں گی اور مجھے کوئی گُزند نہیں پُہنچ پائے گا کہ جو جتنا بڑا ظالم ہُوتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ بزدل بھی واقع ہُوتا ہے۔ اگر آج میں نے اُسے معاف کردیا تو پھر خُود کو کبھی مُعاف نہیں کرپاؤں گی۔ یہ سمجھاتے ہُوئے اَمّاں نے کامل کی آنکھوں سے آنسو پُو نچھتے ہُوئے کامل کو صحن میں بچھی چارپائی پر بِٹھایا اور دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

اَمّاں جُونہی چادر لپیٹ کر دروازے سے باہر نِکلی۔ کامِل بھی دروازے کی اُوٹ سے باہر کا منظر دیکھنے لگا وہ شخص ابھی تک سامنے چند مکان دُور دیوار سے ٹیک لگائے بظاہر ایسے کھڑا تھا جیسے کسی شناسا کا انتظار کر رہا ہُو۔ اُس نے جُونہی اَمّاں کو دِیکھا اُسکی باچھیں کھلنے لگی تھیں۔ اَمّاں کے چہرے پر موجود نِقاب کے باعث شائد وہ اُس افتاد سے بے خبر تھا جُو اُس پر

نازل ہُونے والی تھی۔

حُسنِ اتفاق سے جو نہی امّاں گھر سے باہر نِکلی۔ سامنے سے نرگس کے ابا۔ چاچا ارشد بھی ہاتھ میں پھولوں کا ٹوکرا۔ اور کفن دفن کا سامان لئے آ رہے تھے اُنکے ساتھ محلے کے دو تین ادھیڑ عمر ساتھی بھی موجود تھے۔ جب امّاں اُس نوجوان کے کُچھ قریب پُہنچیں تب تک چاچا ارشد بھی اُس نوجوان کے کافی قریب پُہنچ چُکے تھے امّاں کو دیکھتے ہی چاچا ارشد اور باقی لوگوں نے اپنی نِگاہوں کو جُھکا لیا تھا۔ لیکن اُس نوجوان کے گال پر امّاں کے پڑنے والے طمانچے کی گُونج نے چاچا ارشد کو واپس گھومنے پر مجبور کردیا تھا۔ چاچا ارشد کی موجودگی سے کامِل کی بھی ہمت بندھی اور وہ چاچا ارشد کی جانب یہ کہتے ہُوئے لپکا۔

چاچا میری امّاں کو یہ آدمی بُہت دِنوں سے تنگ کر رہا ہے۔

کامل کے جُملے اور امّاں کے طمانچے کی گُونج سے چاچا ارشد کی سمجھ میں تمام بات واضح طور پر آ گئی۔ اُس وقت شائد چاچا ارشد کے ہاتھ میں میت کے سامان کے علاوہ کوئی اور شئے ہوتی تو وہ اُسے پھینک کر اُس شخص پر ٹوٹ پڑتے لیکن میت کے سامان کے احترام کی وجہ سے اُنہوں نے سامان کو ایک طرف رکھتے ہُوئے دِہاڑ کر اُس نوجوان کو رُکنے کا کہا۔ لیکن اِس سے پہلے کہ چاچا ارشد اور اُنکے ساتھی اُس نوجوان کو قابو کرتے اُس نوجوان نے وہاں سے دُوڑ لگانے میں

ہی عافیت جانی۔ چاچا ارشد اور اُنکے ساتھیوں نے کافی دُور تک اُس نوجوان کا تعاقب جاری رکھا۔ لیکن وہ نوجوان کسی چھلاوے کی مانند دوڑتا ہُوا بستی کی گلیوں میں گم ہو چُکا تھا۔

اَماں کامِل کا ہاتھ تھام کر گھر کی طرف چلنے لگی تو کامِل نے اَماں سے کہا کہ اَماں چاچا ارشد کو تُو آ لینے دُو۔ وہ اپنا سامان یہیں چھوڑ گئے ہیں۔ اَماں کامل کا ہاتھ چھوڑ کر یہ کہتی ہُوئی دروازے کی اُوٹ میں چلی گئیں کہ آج جو سبق میں نے اُس کمینے کو سکھایا ہے اُسکے بعد وہ ہمیں تُو کیا دُنیا کی کسی بھی عورت کو نہیں ستائے گا۔ نہ جانے کیوں ہمارے معاشرے میں مرد عورت کی شرافت اور خاموشی کو رضامندی سے ہی تعبیر کرتے ہیں ۔۔۔؟

تھوڑی دیر بعد چاچا ارشد اپنے ساتھیوں کیساتھ واپس لُوٹ آئے۔ وہ کامل کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہُوئے کہنے لگے بیٹا اپنی اَماں سے کہنا کہ بالکل نہ گھبرائے اور نہ ہی وہ خُود کو تنہا سمجھے جب تک میں زندہ ہُوں کوئی تُمہاری طرف میلی نِگاہ سے بھی دیکھے گا تو قسم خُدا کی اُسکا وہ انجام کروں گا کہ لوگ اُسکی بدحالی کی مِثالیں دِیا کریں گے۔ اور ہاں اپنی اَماں سے کہنا کہ میں میت سے فارغ ہُو کر تُمہاری چچی کیساتھ شام کو تُمہارے گھر آ کر تفصیل سے بات کرونگا یہ کہتے ہُوئے چاچا ارشد سامان سنبھالتے ہُوئے دوبارہ مولوی

رمضان کے گھر کی جانب روانہ ہُو گئے۔
گھر میں داخل ہُوتے ہُوئے کامِل کی نِگاہ امّاں پر پڑی جو دروازے کی اُوٹ میں کھڑی تھی ۔امّاں کیا تُم نے چاچا کی بات سُن لی یا میں بتاؤں ! کامل کے استفسار پر امّاں نے فقط اتنا ہی کہا۔ میں سب سُن چکی ہُوں اللہ تعالیٰ ارشد بھائی کا سایہ اُنکے بچوں پر ہمیشہ سلامت رکھے اُنکے پڑوسی ہونے سے بُہت ڈھارس سی رہتی ہے مجھے۔
شام کو حسبِ وعدہ ارشد چاچا اور چاچی کامل کے گھر آ گئے۔چاچا ارشد کے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی امّاں نے چائے کی دیگچی چُولہے پر چڑھا دی کامِل کو اَماں نے خاموشی سے کُچھ پیسے اپنے دوپٹہ سے نکال کر دیئے جن سے کامل بیکری سے تازہ تازہ بسکٹ خرید لایا۔ چائے پیتے پیتے نرگس بھی چاچی کو ڈھونڈتے ہُوئے کامِل کے گھر آ گئی ۔امّاں نے نرگس اور کامل کو بھی دیگچی سے گرما گرم چائے نکال دی۔ وہ دونوں چائے پینے کے بعد صحن میں ہی کھیلنے لگے اور چاچا ارشد، امّاں اور چاچی آپس میں باتیں کرنے لگے کُچھ ہی دیر گُزری تھی کہ اچانک کامل کو محسوس ہُونے لگا کہ اچھے بھلے خُوشگوار ماحول میں امّاں کے لہجے میں تلخی عود کر آئی تھی۔ کامِل کے ننھے دِماغ نے اُسے خبردار کیا کہ ضرور کُچھ گڑبڑ ہُو گئی ہے۔ ورنہ امّاں کا لہجہ کبھی بھی

چاچا ارشد کے سامنے تلخی سے بھرا نہیں ہو سکتا تھا۔

کامل نے اپنے کان غیر ارادی طور پر اُنکی ہونے والی گُفتگو کی جانب لگا دیئے۔ امّاں بڑے سخت لہجے میں چاچا ارشد سے مخاطب ہوتے ہوئے کہہ رہی تھیں بھائی جان آپ نے یہ سُوچ بھی کیسے لیا کہ میں کامل کی موجودگی میں دوسری شادی کا تصور بھی کر سکتی ہوں۔ میں اپنی خُوشی کی قیمت پر اپنے بچے کی خُواہشات کا گلا کیسے گھونٹ سکتی ہوں میری زندگی کا تُو بس اب ایک ہی مقصد ہے۔ کہ کامل کی تربیت اتنے اچھے انداز سے کروں کہ کل محشر میں مجھے کامل کے ابا کے سامنے شرمندہ نہ ہُونا پڑے۔ امّاں کا لہجہ اگرچہ دھیما تھا مگر لہجے کی سختی نے اُنکی آواز کو بُلند کر دیا تھا۔

چاچا ارشد امّاں کو سمجھا رہے تھے کہ ضیاالدین صاحب بُہت نفیس انسان ہیں۔ اور وہ میرے سابقہ بہنوئی بھی ہیں۔ میری بہن کے انتقال کے بعد تنہا زندگی گُزار رہے ہیں۔ چار سالہ ازدواجی زندگی گُزارنے کے باوجود اولاد کی نعمت سے محروم رہے ہیں۔

پاکستان کے کئی شہروں میں اُنکا کاروبار پھیلا ہے اور اب ایک برس ہُو گیا ہے۔ وہ میری بہن کے انتقال کے بعد سے کینڈا میں مقیم ہیں۔ اور میرے بُہت سمجھانے پر دوسری شادی کیلئے راضی ہُوئے ہیں۔ اور مجھے ضیاالدین بھائی کی فِطرت خُوب معلوم ہے وہ کبھی کامل کو اپنے باپ کی کمی

محسوس نہیں ہونے دیں گے۔ بلکہ بالکل اپنی اولاد کی طرح کامل کی پرورش کریں گے۔ چاچا ارشد کے لاکھ اِصرار کے باوجود اَمّاں کی ناں اقرار میں نہیں بدلی۔ اسکے بعد چاچا ارشد اِجازت لیکر واپس پلٹ گئے اگرچہ اُنکے چہرے پر معمول کی مسکراہٹ تھی لیکن کامل اُس مسکراہٹ کے پیچھے چُھپے تناؤ کو صاف محسوس کرسکتا تھا۔ چاچا ارشد کے جانے کے بعد کامل اَمّاں کے پاس بیٹھ کر نہایت افسردہ لہجے میں پُوچھنے لگا۔ اَمّاں کیا تُم دوسری شادی کررہی ہو۔۔۔؟ اور کیا اُسکے بعد نئے اَبا مجھے گھر سے نِکال دیں گے۔۔۔؟ کامِل کے معصوم سوال سُن کر اَمّاں کی آنکھیں مزید نم ہوگئیں اُنھوں نے کامل کو بھینچ کر اپنے سینے سے لگاتے ہُوئے کہا،، میں نہ ہی دوسری شادی کررہی ہُوں اور نہ ہی دُنیا کی کوئی طاقت تجھے مجھ سے جُدا کرنے کا حُوصلہ رکھتی ہےِس واقعہ کو ایک مہینہ بھی نہیں گُزرا تھا۔ کہ ایک رات سُوتے ہُوئے اچانک کسی دھمک کی آواز کے سبب کامِل کی آنکھ کُھل گئی کامل کی نِگاہ سب سے پہلے اَماں پر پڑی جو ہُونٹوں پر انگلی رکھے خاموشی سے کامل کو کمرے کے کُونے میں رکھی الماری کے پیچھے جانے کا اِشارہ کررہی تھیں۔ دروازہ اگرچہ اندر سے بند تھا لیکن کامل کو الماری کے پیچھے جاتے ہُوئے کھڑکی کے شیشے سے تین آدمیوں کا ھیولا نظر آرہا تھا۔ جو صحن سے اُنکے کمرے کے دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے۔

(جاری ہے)

اے کاش۔ اے کاش۔ ڈاکٹر دانش کے نام

مُحترم ڈاکٹر ظہور احمد دانش صاحب السلامُ علیکم

میں جب بھی آپکے کالمز دیکھتا ہُوں تب اُنہیں پڑھنے کے بعد میرے اندر بھی انقلاب کی ایک تحریک برپا ہُوتی ہے اور میں سوچتا ہُوں۔ کہ اُن کالموں پر کُچھ نہ کُچھ تبصرہ بھی ضرور کروں،، لیکن آپکے کالم اتنے جامع مفصل اور جاندار ہُوتے ہیں۔ کہ جہاں کوئی سوال پیدا ہُوتا ہے۔ وہیں مفصل جواب بھی کالم میں ہی موجود ہُوتا ہے۔ پھر اپنی کم مائیگی کا احساس بھی کُچھ نہ لکھنے کا مشورہ دیتا ہے،، کہ صاحب عَلم اور صاحب الرائے اشخاص کے سامنے بولنا مجھ جیسے کم علم انسان کو زیب نہیں دیتا۔

آپ بجا فرماتے ہیں کہ ہم بحثیت قوم اور بحثیت فرد اپنی ذمہ داریوں سے مُنہ چھپائے کسی مسیحا کے منتظر ہیں۔ جو آکر نہ صرف ہماری زباں ، ہمارے الفاظوں ، اور ہماری سُوچ کو آزاد کرادے بلکہ ہمارے جسموں پر پڑی غلامی کی بیڑیاں بھی تُوڑ ڈالے۔ جس قوم کو اغیار نے عالمی سازشوں کے ذریعہ سے بجلی گیس پٹرول بھوک بے روزگاری جیسے مسائل میں اُنہی کے حکمرانوں کے ہاتھوں

مبتلا کرا رکھا ہُو۔ وہ قُوم بھلا انقلاب کی داعی کب بن سکے گی یہاں تو اب یہی صدا سنائی دیتی ہے کہ بجلی کب آئے گی، گیس کب ملے گی، آٹا کب دستیاب ہوگا، روزگار کب کھلیں گے ہڑتالوں کا چلن کب ختم ہُوگا۔

مگر یہاں تُو کِسی کو یہ بھی نہیں معلوم کہ صدر صاحب کو جو استثناء حاصِل ہے وہ آخر کیوں حاصِل ہے جبکہ فاروقِ اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) جنکی حکومت عرب سے افریقہ اور شام سے ہندتک قائم تھی اُنہوں نے بھی اپنے لئے کوئی استثناء حاصِل نہیں کیا۔ تُو کب وہ صبح نمودار ہوگی کہ غیر ملکی بنکوں میں جمع کرپٹ سیاستدانوں، بیوروکریٹس اور جنرلوں کی وہ دُولت جو غریب پاکستانیوں کے جسموں کا خُون بیچ کر حاصِل کی گئی تھی واپس لائی جاسکے گی اور سوئس بنکوں میں جمع پیسہ آخر کب واپس آئے گا۔۔؟

کب وہ دِن آئے گا کہ نوجوان ہاتھ میں ڈ گریاں لئے نوکریوں کے لئے دھکے کھاتے نظر نہیں آئیں گے، کب وہ شام آئے گی جب غریبوں کے بچے خالی پیٹ نہیں سُوئیں گے۔ کب غریبوں کا استحصال ختم ہُوگا، کب تعلیم کے میدان میں امیر و غریب کے درمیان امتیاز رَوا نہیں رکھا جائے گا۔ کب نوکریاں سفارش کے بجائے میرٹ پر دِی جائیں گی۔ کب وہ دِن آئے گا جب سیاست صرف امیروں کا کھیل نہیں ہُوگا۔۔۔؟ اور کب وہ چمکتی دُوپہر نمودار ہُوگی جب اس قوم کے بچے ننگے بدن

ٹریفک سگنل پر بھیک مانگتے نظر نہیں آئیں گے۔
ایسے ہی ہزاروں سوالات ہیں جو ذہن میں صبح و شام کیڑوں کی مانند رینگتے رہتے ہیں مگر کوئی ایسا نہیں جو ان سوالات کا تشفی بخش جواب دے پائے۔
لیکن ڈاکٹر صاحب مجھے اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ ایسے ماحول میں کہ جب چہار جانب اندھیرے کے سِوا کُچھ نظر نہیں آتا۔ اُس وقت آپ جیسے صاحبانِ علم حضرات کی تحریریں اور تقریریں اِس گھٹا ٹُوپ اندھیرے میں کسی جگنو کی مانند ہی سہی لیکن روشنی کی اُمید ضرور پیدا ہُوتی ہے۔ اور سانسوں کی ٹُوٹتی ہُوئی لے پھر اُمید سحر پیدا ہُونے سے بحال ہُونے لگتی ہے۔
اے کاش ہم عِلم کی روشنی سے دُور نہ ہُوئے ہُوتے تو آج یہ دِن دیکھنا نصیب نہ ہُوتا۔ اور آج اقوام عالم ہمارے حالات دیکھ کر نہ ہماری بیچارگی دیکھ کر ہم پر ترس کھاتی اور نہ ہمارے اعمال دیکھ کر ہمارا مذاق اُڑا پاتی۔۔۔۔!
اے کاش ہم قران کے تارِک نہ ہُوتے۔
اے کاش ہم فرمانِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عامِل ہُوتے۔

اے کاش ہم نے اپنے اسلاف کے کارناموں کو بُھلایا نہ ہوتا۔

اے کاش ہمیں اپنے نبی ﷺ کا یہ فرمان ہمیشہ یاد رہتا کہ،، بلغو عنی ولو آیۃ،، پُہنچادو
میری طرف سے اگرچہ ایک بات ہُو۔

اے کاش اب بھی ہم اس خوابِ غفلت سے جاگ جائیں۔

اے کاش۔۔۔ اے کاش۔۔۔ اے کاش۔۔۔

فیضانِ اِسمِ اعظم (12) خُوف۔چوری۔اور گمشدہ سامان

مُحترم قارئین کرام السلامُ علیکم

تمام تعریفیں اللہ کریم کیلئے جو مالِکؒ ہے تمام کائنات کا۔جو مالک ہے رُوزِ جزا کا۔جس نے انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے انبیاءِ کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔اور ہم لاچاروں،گُنہگاروں پر مزید احسان فرماتے ہُوئے۔ہم میں اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جلوہ افروز فرمایا۔تاکہ ہم نجات پاجائیں۔۔۔۔۔ مُحبتِ رَسُول ﷺ اور اتباعِ رَسُول ﷺ کے ذریعہ سے اللہ کریم کی معرفت کو پہچان جائیں۔۔!

اُس کریم عزوجل کاجسقدر شُکر ادا کیا جائے کم ہے۔۔۔اور اُس پروردِیگارِ عظیم کی جسقدر بھی ثنا بیان کی جائے شکریہ کا حق ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔۔۔کہ اُس نے اپنے محبوبِ اعظم ﷺ کے عشق کی لازوال دُولت ہمارے سینوں میں رکھ دِی۔اور نبیءِ بے عیب وَدانائے غیب کی محبت سے سرشار تمام اَصحابِ پیغمبر ﷺ اور اولیائے کاملین کی عقیدت ہمارے دِلوں میں ڈال دی تاکہ ہم حق کے راستہ پر چلتے ہُوئے فلاح پاجائیں۔اِمام ابن کثیر رَحم اللہ اجمعین کی البدایہ والنھایہ میں ایک نہایت خُوبصورت جُملہ پڑھنے کو مِلا تھا جو قرطاس

ذہن پر نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ آپکی نذر کر رہا ہوں۔ کہ۔ جس طرح ذکرِ انبیاءَ علیھم السلام عبادت ہے۔ اُسی طرح ذِکرِ اولیائے کاملین گُناہوں کے مِٹائے جانے کا باعث ہے۔ (سُبحان اللہ)

اور کروڑ ہا کروڑ دُرود۔و۔ سلام نبیِ مہربان و رَسُولِ ذیشان ﷺ پر کہ جنکے اِخلاق کو قرآن مجید نے خُلق عظیم کہا۔ جنھوں نے پتھر برسانے والوں کو اپنی دُعا سے نوازا۔ راہ میں تکلیف پُہنچانے والوں کی دِلجوئی کا سامان فرمایا۔ جنکی صحبت سے فیض یافتہ ہو کر اصحابِ رَسُول (رِضوانُ اللہ اجمعین) نے عطائے رَسول سے تمام عالم کو مُنور کردیا۔ کوئی صِدق و وفا کے پیکر کہلائے۔ تو کوئی عدل و عدالت کی بے مِثال نظیر ثابت ہُوئے۔ کِسی کی سخاوت نے حاتم طائی کی سخاوت کو گہنا کر رکھ دِیا۔ تو کِسی کی شُجاعت نے بہادری و قربانی کی ایسی مِثال قائم کرڈالی کہ شیرِ خُدا کہلائے۔ کِسی کی امانت نے امین الُامت کے خِطاب سے سرفراز کیا۔ تو کِسی کی حِکمت و دانائی نے رُوم سے ایران تک کُفر کے دِلوں پر لرزہ طاری کرِدیا اور سیف اللہ یعنی اللہ کی تلوار کہلائے۔

یہ روشنی کا سفر مسلسل اپنی منزلیں طے کرتا رہا یہاںتک کہ لوگوں نے عاشقِ مدینہ کا زمانہ پایا۔ جن سے فقہی مسائل سیکھنے کیلئے لوگوں نے دُنیا بھر سے سفر کیا حتیٰ کہ دُنیا بھر سے آنے والوں لوگوں نے اُنکی تلاش میں اپنے اُونٹوں کے جگر پگھلا ڈالے۔ اور زمانہ پُکار اُٹھا کہ رُوئے زمین پر عالم مدینہ سے بڑھ کر کوئی عالِم موجود نہیں۔ دوسری جانب کُوفہ میں آفتاب عِلم کی کرنیں تمام عالم کو اپنی جانب مُتوجہ کررہی تھیں اور زمانہ یہ کہنے پر مجبور تھا۔ کہ کوفہ کے صاحب ہی اِمام اعظم کہلانے کے مُستحق ہیں اور یہ وہ ہیں جو عِلم کو (ثریا) سے زمین پر لا سکتے ہیں۔ پھر ایک روشن ستارہ امام اعظم کے دُنیا سے پردہ فرمانے کی رات مُلکِ شام میں ایسا چمکا کہ ملک شام سے تمام عرب و عجم میں اُس کی روشنی کے چرچے بُلند ہُونے لگے۔ عُلما اور بادشاہانِ وقت اِمام شافعی علیہ الرحمہ کی علمی دلیلوں کے سامنے خُود کو عاجز محسوس کرنے لگے۔ اُور زمانہ اُنکی فصاحت و بلاغت کے سامنے مرعوب ہُو کر رہ گیا۔ اُسی زمانے میں اِمام یوسف، وامام حسن شیبانی کے علمی کارنامے لوگوں کو حیران کئےُ دے رہے تھے۔ پھر انہی روشنی کی مشعلوں سے فیضیاب ہُو کر اِمام احمد (رَحمُ اللہِ اجمعین) لوگوں کے قُلوب واذہان پر اپنی قابلیت کا سِکہ جماتے رہے۔

پھر چھٹی ہجری صدی کا زمانہ بھی لوگوں نے دیکھا۔ جہاں ایک طرف بغداد میں خاندانِ نبوت کے چشم بے مِثال سیدنا عبدالقادر جیلانی (رِحمتہ اللہ علیہ) کے عِلم و عِرفاں کی روشنی سے کفر شدید پریشاں حال تھا۔ اُنکی اک نِگاہِ فیض نے زمانے کا چلن ہی بدل کر رکھ دِیا۔ اور دُنیا سِمٹ کر اپنی گردن اُنکے قدموں میں رکھ رہی تھی۔ تو دوسری جانب عطائے رسول خُواجہ مُعین الدین چشتی سنجری (رِحمتہ اللہ علیہ) ہند میں نَوے لاکھ کافروں کے دِلوں کو فتح کر رَہے تھے۔ جسکی بدولت کُفر کے سب سے بڑے قلعے میں ایسی دراڑ پری کہ جہاں اصنام پرستی میں مُبتلا دُنیا کی سب سے بڑی قُوم کُفر و ضلالت کے اندھیروں میں گم تھی وہاں کے ہر گُوشے گُوشے سے توحید کی اَذاں بُلند ہُونے لگی۔
اسطرح رَسُول اکرم نُورِ مجسم شفیع الامم ﷺ نے عِلم و عِرفاں کی جو شمع تقریباً سواچُودہ سُو برس قبل روشن فرمائی تھی اُسے آج بھی اولیائے کاملین (رَحمُہُ اللہ اجمعین) بفیضِ مُصطفٰے و یٰسین ﷺ اپنے ہاتھوں میں تھامے ہُوئے ہیں۔ اور خُدا کے حُکم سے قیامت تک تھامے رہیں گے۔ وہ خَلقِ خُدا سے کل بھی پیار کرتے تھے۔ آج بھی کرتے ہیں اور یونہی قیامت تک عِلم و حِکمت کے مُوتی بکھیرتے رہیں گے۔

فیضان اسم اعظم کے سلسلے کی یہ کڑی بھی اِنہی فیض یافتہ اولیائے کاملین (رَحمُ اللہِ اجمعین) کی غُلامی کے نتیجے کا سر چشمہ ہے۔ جنھوں نے ہمیشہ انسانیت کی فلاح کا درس دیتے ہُوئے یہ سبق سِکھایا۔ کہ عِلم کی روشنی کو پھیلاؤ۔ کُفر کی تاریکی خُود بخُود چھٹ جائے گی۔ لوگوں کیلئے آسانیاں پیدا کرو۔ جنت تُمھارے لئے خُود منتظر ہُو جائے گی۔
آج کے اِس آرٹیکل میں بھی آپکے لئے ایک بیش بہا تحفہ لیکر حاضر ہُوا ہُوں جسے پاکر آپ یقیناً بے حد خُوش ہُونگے۔ آزمائش شرط ہے صرف آپکے کامل یقین اور عملی اِقدام کی حاجت درپیش ہے۔
آپ لوگوں نے جسطرح اسم اعظم کے آرٹیکلز کو پسندیدگی کا شرف بُخشا اُسکے لئے آپ تمام اِحباب کا بُہت مشکور ہُوں جسکے سبب اسم اعظم کے کئی کالمز،، ہماری ویب ،، کے موسٹ وِیوڈ کالم۔ کا حِصہ بنے ہیں۔ اسم اعظم حسبِ سابق کمنٹس باکس سے حاصِل کئے جاسکتے ہیں جبکہ ۔استخارہ۔ جنات وجادو کی کاٹ ۔یا کوئی اور رُوحانی خِدمت ۔ فی سبیل اللہ بذریعہ اِی میل یا فیس بُک پر میسج کے ذریعہ حاصل کر سکتے ہیں۔ بیرونی ممالک میں مُقیم بھائی بہن ایمرجنسی کی صورت میں اِس نمبر پر بذریعہ کال رابطہ کر سکتے ہیں۔ اور پاکستان میں مقیم لوگ بھی اس نمبر پر کسی ایمرجنسی میں (صِرف میسج) بھیج سکتے ہیں۔
لیکن آپ

سبھی سے گزارش ہے کہ صرف بہت ضروری اور اہم کاموں کیلئے ہی اس نمبر کو استعمال کریں۔03332969939

خوف کا علاج۔۔۔

اگر آپکو رات یا دِن میں کسی مکان، بلڈنگ، یا کاروباری مرکز پر خوف محسوس ہوتا ہو۔ تو اس جگہ پر روزانہ تین مرتبہ پہلے پارے میں موجود سورہ البقرہ کی آیت نمبر، 163، 164۔ باآواز بلند تلاوت فرمائیں اسکے ساتھ اکتالیس مرتبہ تیسرا کلمہ پڑھیں اور سات مرتبہ یا مُمیتُ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اپنے سینے پر دَم کریں انشاءَ اللہ خوف فوراً ختم ہو جائے گا۔ (اول آخر دُرودِ پاک طاق تعداد میں ضرور پڑھ لیں)۔

سورہ البقرہ آیت نمبر 163 تا 164 یہ ہے لیکن اِسے قران مجید سے ہی لکھئے گا بلکہ ہوسکے تو یاد کرلیں۔

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ

فَاَحیَا بِہِ الاَرضَ بَعدَ مَوتِہَا وَبَثَّ فِیہَا مِن کُلِّ دَآبَّۃٍ وَّتَصرِیفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ المُسَخَّرِ بَینَ السَّمَاءِ وَالاَرضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَومٍ یَّعقِلُونَ

گُمشدہ چیزیں

اگر آپ کسی جگہ پر کوئی شئے مثلاً زیور، رقم، قیمتی کاغذات وغیرہ وغیرہ رکھ کر بھول گئے ہُوں اور اب آپ کو یاد نہ آرہا ہُو کہ آپ نے مکان دُکان یا کسی بھی جگہہ وہ شئے کِس مقام پر رکھی ہے تُو نزدیکی کسی دیوار پر 11 مرتبہ دُرودِ پاک پڑھنے کے بعد (یا کَلِیمُ) سیدھے ہاتھ کی شہادت والی اُنگلی سے دِیوار پر لکھ دیں اور اُس جگہہ کو اپنے ذہن میں مِحفوظ رکھیں جہاں آپ یا کلیمُ لکھ رہے ہیں۔ انشاءَاللہ عزوجل بُہت جلد وہ شئے خُود آپکی نظروں کے سامنے آجائیگی۔ آزمائش شرط ہے۔ (جب وہ شئے آپکو مِل جائے (تب اپنا داہنا ہاتھ اُسی مقام پر پھیر دیں

چوری سے حِفاظت

اگر آپکو چُوری کا خَدشہ محسوس ہُو تو اپنے مال، دُکان، تجوری وغیرہ کو بند کرتے ہُوئے مرتبہ بِسم اللہ توکلتُ عَلَی اللہ کہیں اِسکے بعد (10) مرتبہ یا جامِعُ پڑھیں (اول آخر 7 دُرودِ پاک پڑھیں) انشاءَاللہ عزوجل دوسرے

دِن تک مال چُوری سے محفوظ رہے گا۔ اور اگر حادثہ یا آتشزدگی کا خطرہ لاحق ہُو تب حادثات سے حِفاظت کی دُعا پڑھ لیں جو کہ حضرت ابوالدردا (رضی اللہ تعالی عنہ) سے منسوب ہے آتشزدگی اور حادثات سے صبح تا شام اَمان میں رہیں گے (یہ دُعا میرے فیس
فیس بُک اکاؤنٹ سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے اور مائی پیج اکاونٹ سے بھی مِل جائے گی)

http://www.facebook.com/ishratiqbal.warsi

اور احسان الحق وارثی بھائی سے بھی اِس اِی میل ایڈریس کے ذریعہ سے حاصِل کر سکتے ہیں

ahsanukk@gmail.com

چوری.برآمد کرنے کیلئے

اگر مال چُوری ہُو جائے تب آدھا پاؤ دیسی گھی آدھا پاؤ گُڑ اور آٹا لیکر 3 میٹھی رُوٹیاں پکالیں اور اُن پر سیدنا علی اِحمد مست اَبدال (رحمتہ اللہ

علیہ) کی فاتحہ دِلوائیں چُور چاہے کِتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہُو آپ کا مال آپکو ضرور واپس ملے گا۔ بشر طیکہ مال ضائع نہ کردیا گیا ہُو۔ جب چُوری شُدہ مال واپس مِل جائے تو چار رُوٹیوں پر مزید اسی طریقہ سے فاتحہ دِلوادیں۔

یہ تمام اعمال الحمدُ للہ عزوجل میرے آزمودہ ہیں۔ اور اِنکے ذریعہ سے ہزاروں کی) (تعداد میں لوگ فائدہ حاصِل کرچُکے ہیں

التجا: مُحترم قارئین کرام آخر میں آپ سے ایک التجا بھی کرنی ہے۔ کہ آپ اِحباب جب کال کرتے وقت مجھ جیسے کَم عِلم انسان کو القابات سے نوازنا شروع کرتے ہیں۔ تُو میرا شرم کے مارے بُرا حال ہُوجاتا ہے۔ مرد حضرات پھر بھی کُچھ اِحتیاط سے کام لیتے ہُوئے مناسب الفاظوں کا اِستعمال کرلیتے ہیں لیکن اسلامی بہنیں کُچھ ذیادہ ہی عقیدت کا اِظہار فرماتے ہُوئے۔ علامہ صاحب ، مولانا صاحب، مُفتی صاحب، اور بعض تُو مُرشد کہہ کر بھی مُخاطِب کرلیتی ہیں جبکہ میں نہ ہی کوئی عالِم دِین و مفتی ہُوں۔ اور نہ ہی کوئی مُرشد و رَہنما ہُوں ۔ بلکہ صرف ایک ادنیٰ سا طالب علم اور نہایت ہی گُنہگار و بے عمل اِنسان ہُوں ۔ مجھے آپ پر سِوائے گُناہوں کے کوئی سبقت حاصِل نہیں ۔ لِہذا مہربانی فرما کر اگر مُحبت کا اظہار ہی کرنا مقصود ہے۔ تو مجھے بھائی یا عشرت بھائی کہہ کر مُخاطب کرلیا کریں۔ یا میری غیبت میں میرے لئے دُعا

فرمادیا کریں۔ کہ مجھے آپکی دُعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔ اُمید ہے کہ اگر آپ مجھ سے واقعی مُحبت کرتے ہیں تو میری اِس گزارش پر بھی ضرور عمل کرتے ہُوئے مجھے آئیندہ شرمندہ نہیں ہُونے دِینگے ۔

فیضانِ اسم اعظم کے آرٹیکلز کا سلسلہ قریباً ایک برس سے میری بیماری کی وجہ سے موقوف چلا آرہا تھا انشاءَ اللہ عزوجل اُس سلسلہ کو اَب پھر سے جاری رکھنے کا اِرادہ ہے۔ تاکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ روحانی مسائل کے حل کی آگاہی حاصِل ہُوسکے۔ اللہ کریم سے دُعا ہے کہ وہ مجھے اِستقامت عطا فرمائے

میرے مُرشدِ کریم سیدنا سِراج الدین وارثی (رِحمتہ اللہ علیہ) اکثر مجھ فقیر سے ایک جُملہ اِرشاد فرمایا کرتے تھے،، کہ بیٹا اِخلاص کیساتھ کی جانے والی عبادت سے جنت ملتی ہے۔ مگر عبادت کیساتھ مخلوقِ خُدا کی خِدمت سے خُدا مِل جاتا ہے۔ اَب یہ انسان پر مُنحصر ہے کہ وہ چاہے تُو جنت کی طلب میں لگا رہے۔ یا چاہے تو تمام عالمین کے رَب عزوجل کو پانے کی سعی میں اپنی تمام زندگی گُزار دِے۔ پھر فَرماتے۔ اگر ہُوسکے تو رَب کو ہی پانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔۔۔۔!

اسلئے کوشش تُو بس یہی ہے کہ خلق خُدا کی خِدمت کرتے ہُوئے مدینہ طیبہ میں

گُنبدِ خضریٰ کے سائے تلے ایمان وعافیت پر شہادت کی موت نصیب ہُوجائے۔ اور بقیع
پاک میں اے کاش مدفن مُیسر آجائے۔
آمین بجاہ النبی الکریم وصلی اللہُ تعالیٰ علیہ وآلہ وازواجہ واصحابہ واولیائے ملتہ اجمعین)
(وبارک وسلم

عامل، کامل اور ابو شامل - قسط 4

گُذشتہ سے پیوستہ

چاچا ارشد کے لاکھ اِصرار کے باوجود اَماں کی نا ! اقرار میں نہیں بدلی۔ اسکے بعد چاچا ارشد اِجازت لیکر واپس پلٹ گئے اگر چہ اُنکے چہرے پر معمول کی مسکراہٹ تھی لیکن کامل اُس مسکراہٹ کے پیچھے چُھپے تناؤ کو صاف محسوس کرسکتا تھا۔

اِس واقعہ کو ایک مہینہ بھی نہیں گُزرا تھا کہ ایک رات سُوتے ہُوئے اچانک کسی دھمک کے سبب کامِل کی آنکھ کُھل گئی کامل کی نِگاہ سب سے پہلے اَماں پر پڑی جو ہُونٹوں پر انگلی رکھے خاموشی سے کامل کو کمرے کے کُونے میں رکھی الماری کے پیچھے جانے کا اِشارہ کررہی تھیں۔ دروازہ اگرچہ اندر سے بند تھا لیکن کامل کو الماری کے پیچھے جاتے ہُوئے کھڑکی کے شیشے سے تین آدمیوں کا ھیولا نظر آرہا تھا جو صحن سے کمرے کے دروازے کی جانب ہی بڑھ رہے تھے۔

اَب مزید پڑھیئے۔

باہر سے کسی شخص کی سرگوشی کی آواز کامل کے کانوں میں پڑی۔ جو کسی کو مخاطب کرتے ہُوئے کہہ رہا تھا۔ لگتا ہے وہ حرامزادی اِسی کمرے میں اپنے پِلّے کیساتھ سُو رَہی ہے اُس وقت تو دِن کی روشنی میں اپنے محلے والوں کی موجودگی میں بڑی شیرنی بن رہی تھی۔ آج دیکھوں گا کہ رات کہ اندھیرے میں کُون سُورما اِسے بچانے آتا ہے۔ بولنے والے کے لہجے میں اگرچہ فرعونیت کُوٹ کُوٹ کے بھری تھی لیکن اُس کی دَبی دَبی اور بھنچی ہُوئی سرگوشیاں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں۔ کہ درحقیقت وہ اپنے دِل میں چُھپے خُوف کو چھپانے کی ناکام کوشش کرَرہا ہے۔ اُسکی آواز اور اُسکی گُفتگو سننے کے بعد کامِل کو یقین ہُوگیا تھا کہ آج بھی گھر میں وہی نوجوان موجود ہے جو ایک مرتبہ پہلے بھی اِسکے گھر میں دِن کے اُجالے میں داخِل ہُوچکا تھا۔ اور جسے اَمّاں نے سرعام گال پر تھپڑ رسید کیا تھا۔وہ شائد آج اپنے ساتھیوں کیساتھ اَمّاں سے انتقام لینے کیلئے رات کی تاریکی میں گھر میں گھس آیا ہے اور یہی سُوچ سُوچ کر کامل کا ننھا سا دِماغ پریشان ہو رہا تھا کہ نجانے وہ آج وہ اِنکا کیا حشر کرنے والے ہیں۔

لیکن جب کِامل کی نِگاہ اَمّاں کے چہرے پر پڑی تُو اُسے اَمّاں کے چہرے پر سِوائے سکون و اِطمینان کے کُچھ نظر نہیں آیا کامل سُوچنے لگا اَمّاں کتنی بہادر ہیں کہ گھر میں دشمن کے گھس آنے کے باوجود اُنکے چہرے پر خُوف کا

کوئی نِشان نظر نہیں آ رہا۔ حالانکہ وہ جب بھی نماز پڑھتی ہیں تو لگتا ہے،، جیسے کوئی چشمہ امّاں کی آنکھوں سے وقت دُعا جاری ہُوجاتا ہے،، کامل خُوف و یقین کی شاہراہ پر گامزن تھا کہ اُس نے امّاں کے اُٹھتے ہاتھوں کو دیکھا۔ جو شائد اللہ تعالیٰ سے مدد و ہمت مانگ رہے تھے۔

امّاں نے خاموش دُعا کے بعد اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے ہُوئے اچانک کمرے میں زیرو کا بلب روشن کردیا اور کامل کی جانب بڑھتے ہُوئے بُلند آواز سے چِلائیں امجد بھائی۔ امجد بھائی اُٹھیئے شائد کوئی لفنگا ہمارے گھر میں دَاخل ہوگیا ہے۔ امّاں نے یہ جُملہ اتنے اعتماد سے دہرایا کہ کامل بھی خالی کمرے میں نِگاہیں گھمانے پر مجبور ہُوگیا۔ کہ امّاں امجد ماموں کو کیوں پُکار رہی ہیں حالانکہ اَبا کے چالیسویں کے بعد امجد ماموں نے بُھولے سے بھی کبھی اپنا چہرہ نہیں دِکھایا تھا۔ لیکن جُونہی کامل نے گھر کا دروازہ کِھلنے اور کُچھ لوگوں کے سرپٹ بھاگنے کی آواز سُنی تُو کامل کی سمجھ میں سب آنے لگا اور وہ امّاں کی جانب حیرت سے دیکھنے لگا جنھوں نے اتنی عقلمندی سے اُن لوگوں کو یہ تاثر دیکر کہ وہ گھر میں تنہا نہیں بلکہ اُنکے بھائی بھی موجود ہیں۔ بھاگنے پر مجبور کردِیا تھا۔

چند ہی لمحوں بعد علاقے کی چُوکیدار کی چُور،چُور کی صدائیں بُلند ہُونے

لگی ۔ شاید چوکیدار نے راونڈ لگاتے ہُوئے اُن لوگوں کو کامل کے گھر سے نِکل کر بھاگتے دیکھ لیا تھا۔ کُچھ ہی دیر میں مُحلہ کے کئی دروازوں کے کھُلنے کی صداؤں اور لوگوں کی باتوں نے تاریک رات کی خاموشی کے جمود کو تُوڑ ڈالا۔ پھر گھر کے دروازے سے ارشد چاچا کی آواز سُنائی دی۔ وہ بُلند آواز سے کامل کو پُکار رہے تھے۔ امّاں چادر سے چہرے کو ڈھانپتے ہُوئے کمرے کی کُنڈی کھول کر گھر کے مرکزی دروازے کی جانب بڑھنے لگیں ۔جسکے دروازے پہلے سے ہی وَا ، تھے کامل بھی چاچا ارشد کی آواز سُن کر امّاں کے پیچھے پیچھے گھر کے دروازے تک پُہنچ گیا۔

کیا ہُوا تھا بیٹا۔۔؟ کون لوگ تھے ۔ اور چُور کیا سامان لے گئے ہیں ۔۔۔؟ اور تُم لوگوں کو تُو کوئی نقصان نہیں پُہنچایا اُن کمبختوں نے۔۔۔؟ چاچا ارشد نے کامل کو مُخاطب کرتے ہُوئے دھیمے لہجے میں جلدی جلدی کئی سوالات ایک ہی سانس میں دریافت کر ڈالے۔ کامِل سوچ ہی رَہا تھا کہ پہلے کِس سوال کا جواب دے۔ تبھی امّاں نے چاچا ارشد کو مُخاطب کرتے ہُوئے کہا۔ ارشد بھائی وہ کوئی چُور یا ڈاکو نہیں تھے۔ بلکہ وہی شخص تھا جِسے میں نے اُس دِن گال پر تھپڑ رسید کیا تھا۔ وہ اپنی خِفت مٹانے کیلئے آج اپنے ساتھیوں کیساتھ گھر میں کُود کر داخل ہُوا تھا۔ میں نے جھوٹ مُوٹ میں امجد بھائی کو پُکارنا شروع کردیا۔ جسکی وجہ سے وہ یہ سمجھ کر فرار ہُوگئے کہ گھر میں

کوئی مرد بھی موجود ہے۔ اَماں بڑی تفصیل اور اعتماد سے چاچا ارشد کو تفصیلات مُہیا کر رہی تھیں۔

باہر سے کسی نے ارشد چاچا کو مخاطب کرتے ہُوئے صلاح دِی کہ اِس معاملہ کی اِطلاع پُولیس کو ضرور دی جانی چاہیئے۔ اور ہاں بھابی سے یہ ضرور معلوم کرلیں کہ کیا وہ اُن بدمعاشوں کو جانتی ہیں جو بار بار اِنہیں تنگ کررہے ہیں۔ نجانے اُس شخص نے جان بُوجھ کر یا بے اِختیار ،، جانتی ہیں ،، اِس انداز میں ادا کیا تھا کہ اَماں کے چہرے پر کرب کا ایک رنگ آکر گُزر گیا۔

اُس شخص کے خاموش ہُوتے ہی چاچا ارشد کہنے لگے میں بھابی سے پہلے ہی معلوم کرچُکا ہُوں۔ بھابی اُس شخص کو قطعی نہیں جانتیں اور میں نے بھی اُس نوجوان کو اِس سے پہلے کبھی محلّہ میں نہیں دیکھا۔ البتہ اب پُولیس میں رپورٹ کرنی بُہت ضروری ہے۔ تاکہ آئندہ کسی ممکنہ پریشانی سے بچنے کا تدارک کیا جاسکے۔ چاچا ارشد کے گھر سے نرگس کی امی کے علاوہ مُحلے کی کُچھ خَواتین بھی کامل کی اَماں کی دلجوئی کیلئے چلی آئیں تھیں۔ نصف گھنٹے بعد پولیس بھی چاچا ارشد کے ساتھ آ گئی اور انسپکٹر نے چند ضروری سوالات کیساتھ اُن بدمعاشوں کا حُلیہ بھی دریافت کیا۔ اَماں نے چونکہ واحد اُسی اُوباش نوجوان کو دیکھا تھا لِہذا اُسکا حُلیہ انسپکٹر صاحب کو بتادِیا جسکے بعد

پولیس اپنی کاروائی مکمل کرنے کے بعد اپنے مکمل تعاون کا یقین دِلاتے ہوئے واپس چلی گئی۔ فجر کی نماز تک تمام خواتین اَماں کیساتھ ہی رہیں پھر اَماں کے اِصرار پر اپنے گھروں کو واپس لُوٹ گئیں۔

اِس واقعہ کے بعد چوکیدار نے اِہل مُحلہ کے کہنے پر کامل کے گھر کے سامنے ہی اپنی نشست لگالی چاچا ارشد نے ایک پلاسٹک کی کُرسی بھی فراہم کرتے ہُوئے چوکیدار کو خَاص تاکید کردی تھی کہ تمام مُحلہ کا ایک چکر لگانے کے بعد چند منٹ یہاں قیام ضرور کرے۔ اِس اقدام کے چند دِن بعد مولوی رمضان صاحب کے گھر سے ایک بچی چہرے پہ نِقاب ڈالے مُحلے کی ایک خاتون کیساتھ تمام مُحلے میں قرآن خُوانی کی دعوت دے رہی تھی۔ وہ خاتون جب کامل کے گھر دعوت دینے آئی تب اَماں نے اُس بچی کو غُور سے دیکھتے ہُوئے پُوچھا،، یہ مُولوی صاحب کی بیٹی جِلباب ہے نا۔۔۔؟

جی ہاں بہن آپ نے خُوب پہچانا۔ یہ مولوی صاحب کی اکلوتی بیٹی جلباب ہی ہے۔ خَاتون نے اثبات میں سر ہلاتے ہُوئے جواب دِیا۔

ماشااللہ کتنی خُوبصورت ہے اور کتنی بڑی بھی ہُو گئی ہے۔ اَماں نے شربت کے 2 گلاس آگے بڑھاتے ہُوئے کہا تھا۔ میں نے پانچ برس پہلے گلی میں کھیلتے

دیکھا تھا۔ جب بمشکل آٹھ برس کی تھی۔ پھر شائد مولوی صاحب نے اسکے باہر نکلنے پر پابندی لگادی تھی۔ مگر اب تو کہیں سے بھی دیکھنے میں یہ تیرہ برس کی نظر نہیں آتی۔ ماشاءاللہ بالکل اپنی ماں پر گئی ہے۔

جلباب بیٹا یہ تُو بتاؤ تُمھارا یہ نام کس نے رکھا تھا۔ اسکا مطلب کیا ہے۔اور تُمھارا ننھیال کہاں ہے۔۔۔؟ امّاں نے جلباب سے براہِ راست سوال کرتے ہُوئے کہا۔

خالہ جلباب عربی نام ہے۔ جسکا مطلب غالباً چادر۔یا۔ اوڑھنی ہے۔ یہ نام میرے نانا نے رکھا تھا۔اور اِنکا تعلق کشمیر سے ہے۔ جلباب نے خالی گلاس ٹرے میں واپس رکھتے ہُوئے ایک ہی سانس میں امّاں کے تمام سوالوں کے جوابات دیتے ہوئے کہا۔ اسکے بعد اپنی چادر سے چہرے پر نِقاب ٹھیک کیا اور امّاں سے رُخصت چاہی امّاں کے بے حد اِصرار پر بھی وہ نہیں رُکی۔ امّاں کو چالیسویں کی دعوت کی یاد دِہانی کراتے ہُوئے دروازے سے نِکل گئی۔

مولوی صاحب کی بیوی کے چالیسویں پر اَماں کیساتھ کامل پہلی مرتبہ مولوی صاحب کے گھر قران خُوانی میں گیا تھا۔ اماں نے چونکہ تجوید کیساتھ قران پاک پڑھا ہُوا تھا اسی وجہ سے کامل نے بُہت آسانی کیساتھ اماں سے ناصِرف قران

پاک پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ بلکہ کامل کو کئی قرآنی سورتیں اور دُعائیں بھی ازبر تھیں۔ اِس لئے صبح اسکول میں اسمبلی کے ابتدا پر قرات بھی اکثر وہی کیا کرتا تھا۔ لہٰذا ایک سپارہ کامل بھی سنبھال کر اماں کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

تبھی ایک خاتون نے کامل کو خواتین کے درمیان دیکھ کر امّاں سے کہا،، بہن اسے مَردوں میں بھیج دیں مولوی صاحب کے گھر میں اتنے بڑے بچے نہیں آتے،، اماں نے ملتجی لہجے میں اُن خاتون سے کہا کہ اِسے رہنے دیں۔ یہ میرے بغیر وہاں اکیلا نہیں بیٹھ پائے گا۔ تبھی نرگس کی اماں نے بھی کہا۔ بھئی رہنے بھی دو یتیم بچہ ہے۔ اور ابھی تو ہے بھی بہت چھوٹا سا، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن وہ خاتون بضد تھیں کہ کامل کو باہر بھیجا جانا چاہیئے تبھی ایک دوسری خاتون نے مداخلت کرتے ہُوئے اُس خاتون سے کہا،، زُلیخا رہنے بھی دُو،، یہ چھوٹا سا بچہ ہے۔ جس کے بیٹھنے پر بھائی جان کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہُوگا۔ امّاں نے سرگوشی میں اپنے ساتھ بیٹھی ایک خاتون سے استفسار کیا۔ یہ دونوں کُون ہیں آج سے پہلے تو کبھی اِنہیں مُحلہ میں نہیں دِیکھا۔ اُس خاتون نے آہستہ سے یہ کہتے ہُوئے سِپارہ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ کہ یہ دونوں ہی مولوی رمضان صاحب کی شادی شُدہ بہنیں زُلیخا اور سفینہ ہیں ایک جہلم میں جبکہ دوسری سیالکوٹ میں بیاھی ہے

۔

دوسرے دِن کامل کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اسکول سے واپسی پر اُس نے مولوی صاحب کی دونوں بہنوں کو اَماں کیساتھ اپنے گھر میں بیٹھا دیکھا۔ کامل سلام کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلا گیا۔

(جاری ہے)

جال در جال - قسط 4

گُذشتہ سے پیوستہ

دُعا سے فارغ ہُو کر فرقان نے حَسان صاحب کے ہاتھوں کو بُوسہ دیتے ہُوئے اجازت طلب کی اور پھر اپنی گاڑی میں سوار ہُو کر گھر کی جانب چل دِیا گھر کے مین گیٹ پر پُہنچ کر فرقان نے جونہی کار کا ہارن بجایا۔ چند ہی لمحوں میں چُوکیدار نے مین گیٹ کھول دِیا۔ مگر جیسے ہی فرقان کار پُورچ میں دَاخِل ہُوا تُو اُسے نعمان کی کار پہلے سے وہاں کھڑی نظر آئی۔

فرقان جونہی کار سے نِکلا تُو چُوکیدار نے اُسے اطلاع دِی کہ نُعمان صاحب پِچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے ڈرائینگ رُوم میں بڑی بے چینی سے اُسکا انتظار کر رہے اور کافی مرتبہ آپکو کال بھی مِلا چُکے ہیں مگر آپکا فون تب سے بند مِل رہا ہے۔ تب فرقان کو یاد آیا کہ اُس نے نماز کے بعد سے اپنا موبائیل فُون ابھی تک آن نہیں کیا ہے۔

وہ ڈرائینگ رُوم کی جانب بڑھتے ہُوئے یہی سُوچ رہا تھا۔ اللہ خیر کرے۔ کہیں وہ بالکل ہی تمام ناطے تُو ختم کرنے نہیں چلا آیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اَب مزید پڑھیئے۔

فُرقان نے ڈرائینگ رُوم میں نُعمان کو دیکھا۔ جُو آنکھیں بند کئے صوفے پر نیم دَراز تھا۔ فرقان نے قریب جاکر آہستہ سے سلام کیا۔ نُعمان نے فُرقان کی آواز سنتے ہی اپنی آنکھیں کُھول دِیں۔ اور فرقان پر نِگاہ پڑتے ہی سلام کا جواب دیتے ہُوئے مُصافحے کیلئے اُٹھ کھڑا ہُوا۔

فرقان نے مُسکراتے ہُوئے نُعمان کی خیریت دریافت کی۔ جِسکے جواب میں نُعمان صرف اتنا ہی کہہ پایا،، میری خیریت کیا دریافت کرتے ہُو۔۔۔؟ میرے بھائی کیا میرا چہرہ اور میری آنکھیں تُم سے یہ نہیں کہہ رہیں کہ میں تُم سے بُہت شرمندہ اور نہایت پَشیمان ہُوں۔ اپنی اُن باتوں کیلئے جو میں نے نجانے کِس حال میں تُجھ سے کہہ ڈالیں۔ فرقان میرا یقین کرو۔ میرا ہرگز ایسا کوئی اِرادہ نہیں تھا کہ میں تُم کو اِیذا پُہنچاؤں۔ میں تُم سے جُدا ہُونے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ مگر نجانے اُس وقت کِس طرح میری زُبان سے وہ جُملہ نِکل گیا۔۔۔ جو کہ دَرحقیقت نہیں نِکلنا چاہیئے تھا۔۔۔ دراصل وہ کِسی اور کا اندیشہ تھا۔ وہ کِسی اور کے خیالات کی بازگشت تھی۔ جُو نجانے کِسطرح میری زُبان پر جاری ہُوگئی۔ پشیمانی و شرمندگی کا اِحساس نُعمان کے ہر ایک

جُملے سے عَیاں تھا۔

بس کر میرے یار۔ مجھے معلوم تھا کہ میرا بھائیوں جیسا دُوست کوئی ایسا کام نہیں کرے گا ۔جسکے سبب ہمارے درمیان کوئی نادیدہ فاصِلہ حائل ہُوجائے۔ فرقان نے نُعمان کو کھینچ کر اپنے سینے سے لگاتے ہُوئے کہا۔ اور ہاں۔ ایسے لوگوں سے ہمیشہ دُور ہی رِہنے میں عافیت ہے۔ جنکی باتوں سے اپنوں میں جدائی پیدا ہُوجائے۔ کیونکہ حَسّان صاحب کہتے ہیں کہ دُنیا کے بدترین انسانوں میں سے ہے وہ اِنسان ،، جو دُوستوں اور میاں بیوی میں جُدائی پیدا کرنے کی کُوشش کرتا ہے۔،،

چھوڑ۔نا۔ یار ۔۔ ایک تُو آجکل تُم ہر ایک بات میں اُس پروفیسر کو ضرور گھسیٹ کر لے آتے ہُو۔۔۔ کیا ہم اُس پَروفیسر کے ذکر کے بغیر اپنی گفتگو مکمل نہیں کر سکتے۔۔۔!

یہ جُملہ اگرچہ نعمان نے ہنسی میں اُڑاتے ہُوئے کہا تھا۔ لیکن فرقان نے لہجے میں چھپے نُعمان کے طنز کو بخوبی محسوس کرلیا تھا۔ نُعمان چند لمحوں کیلئے خاموش ہُو کر سگریٹ سُلگانے لگا۔ جبکہ فُرقان خاموشی سے سُوچنے لگا کہ کیوں بھلا نُعمان ۔۔حَسّان صاحب کے ذکر سے اسقدر چڑنے لگا ہے۔۔۔؟

حالانکہ یہ حسّان صاحب ہی تھے کہ جنہوں نے فرقان کو تیرگی کے بحرِ بیکراں سے روشنیوں کی جانب کھینچ لیا تھا۔ وہ نہ صرف شریعت کے پابند تھے بلکہ اُنکی زندگی کا محور ہی اتباعِ سُنت تھا۔ وہ ہر ایک کام میں رضائے حق کے مُتلاشی تھے۔ اُنکا کوئی عَمل مُحبت رسول ﷺ سے مستثنیٰ نہیں تھا۔ وہ تُو اُس مینار کی مانند تھے۔ جُو تاریک اور سنسان راہوُں پر رنگ و نُور پھیلا کر ماحول پر طاری وحشت کو ختم کرنے کی سعی میں مصروفِ باعمل رِہتا ہے۔ وہ تُو اُمیدِ سحر ہیں۔ وہ تُو سراپا مُحبت ہیں۔ اور مُحبت اور علم لازِم و ملزُوم ہیں۔ اِسی لئے شائدٗ مُحبت کا دوسرا نام روشنی بھی ہے۔ اور روشنی سے نفرت صِرف وہی کرسکتا ہے جِسے اندھیرے پسند ہُوں۔ اور اندھیرا جہل ہی کا تُو دُوسرا نام ہے۔ اور جہل شیطان سے ہے۔ یعنی تاریکی اور جہل کو پسند کرنے والا شیطان کا ساتھی ہوا۔۔۔۔۔! تُو کیا نعمان بھی اُس شیطانِ لعین کے سحر میں اس حد تک گرفتار ہُو چُکا ہے کہ اُسے روشنی سے نفرت ہُونے لگی ہے۔۔۔؟

فُرقان اپنی سُوچوں میں گُم تھا۔ کہ اچانک نعمان نے فرقان کے ایک ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہُوئے کہا،، یار فرقان اگر تُم ناراض نہ ہُو تُو تُم سے ایک بات پُوچھنا چاہتا ہُوں۔ کہ آخر تُم بنک لُون کے ذکر پر اتنے جذباتی اور متشدد کیوں ہُو جاتے ہُو۔۔۔؟

فُرقان نے چُونک کر نُعمان کی طرف دیکھتے ہُوئے کہا۔ ضرور نُعمان ! میں تُمہیں ضرور بتاؤں بتانا چاہُوں گا۔ کہ مجھے اِس مُروجہ بنک سسٹم سے آخر اتنی نفرت کیوں ہے۔
نُعمان میرے بھائی مجھے بنک کے قرضوں سے اُس وقت بھی نفرت تھی جب مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اِس سسٹم اور اسکے طریقہ کار کی اللہ کریم نے واضح الفاظ میں قُرانِ مجید میں مُذمت بیان فرمائی ہے۔ میرے بھائی اِس سے پہلے کہ میں تُمہارے سَوال کا مزید جواب دُوں۔ میں تُم سے ایک اُور بات بھی کہنا چاہتا ہُوں۔ اور وہ بات شائد تُم بھی نہیں جانتے ہو کہ اِس بھری دُنیا میں تُم ہی میرے واحد دوست کیوں ہُو۔۔۔! تُو میرے دُوست میں تُمہیں آج بتانا چاہتا ہُوں۔ کہ تُم نے کبھی میرے ماضی کو نہیں ٹٹولا۔ اور نہ ہی کبھی تُم نے میری ذاتی زندگی میں خُود سے جھانکنے کی کوئی کوشش کی ہے۔ اُور تُمہاری یہی عادت مجھے تُمہارے قریب لانے کا باعث بنی ہے۔
نُعمان میرے بھائی تقریباً ہر انسان کی زندگی میں اُسکے ماضی کے کُچھ ایسے واقعات ضرور ہُوتے ہیں جو اُسکی رُوح پر زخموں کے نِشانات چھوڑ دیتے ہیں۔ اور جب جب اُن واقعات کی یاد تازہ کی جاتی ہے وہ زخم جو کہ مُندمل ہُونے کے قریب ہُوتے ہیں پھر سے ہرے ہُوجاتے ہیں۔ ایسے ہی کُچھ تکلیف دہ زخموں کے نِشان میری قرطاس رُوح پر بھی ثبت ہیں۔ جنہیں میں لاکھ بُھلانے کی

کوشش کرتا ہُوں۔ لیکن یہ زخم ہیں کہ بھرنے کا نام ہی نہیں لیتے۔

میرے بھائی جس وقت میرے والد نے میری والدہ اور ہم دُو بہن بھائیوں کیساتھ فیصل آباد سے سندھ کی طرف ہجرت کی تھی تب میں عُمر کے پندرہویں برس میں قدم رکھ رَہا تھا۔اُور میری اکلوتی بہن کی عُمر صرف دَس برس رہی ہُوگی۔ اور مجھے آج تک وہ دِن اچھی طرح سے یاد ہیں۔ کیونکہ اُن دِنوں میرے والد کا بال بال قرض میں جکڑا ہُوا تھا۔ اور قرض خواہُوں کے دِن رات کے تقاضوں کے سبب ہی ہم پنجاب سے ہجرت کرنے پر مجبور ہُوئے تھے۔ اُن دِنوں کئی مہینوں تک ہمیں کبھی پیٹ بھر کر کھانا بھی نصیب نہیں ہُوپاتا تھا۔ کئی ماہ کی کوششوں کے بعد ابا جان کو ایک گارمینٹس فیکٹری میں سپروائزر کی جاب مِل سکی تھی۔ جس سے بمشکل ہم سانسوں کا رِشتہ جسم سے قائم رکھ پاتے ۔یا بُہت کھینچ تان کر گھر کا کرایہ ادا کرپاتے تھے۔ اسکے سِوا اور کوئی خُوشی کا موقع ہمیں نصیب نہ ہُوپاتا۔

میری تُم سے مُلاقات بھی اُنہی دِنوں میں ہُوئی تھی میں اپنے ہم عُمر بچّوں سے گُریزاں رَہا کرتا تھا۔ لیکن تُمہاری خُوش اِخلاقی اور دوست پروری سے میں نہایت مسرور تھا۔ لیکن مجھے ہمیشہ ایک دھڑکا سا لگا رہتا تھا۔ کہ تُم بھی دوسروں کی طرح کب میری زندگی کے اُن صفحات میں دلچسپی ظاہر کرتے

ہُو۔ جِن پر نِگاہ پڑتے ہی میں ہمیشہ وِحشت زدہ ہُو جاتا ہُوں۔ لیکن تُم نے کبھی میرے ماضی کو ٹٹولنے کی کوشش نہیں کی۔ یہاں تک کہ میں اُس آزار کے جنگل سے نِکل آیا۔ میرے دُوست تُم سُوچ رہے ہُونگے کہ میں تُمھارے سوال کے جواب میں یہ کونسی کہانی سُنانے بیٹھ گیا ہُوں۔ لیکن درحقیت اِس تمہید کے بغیر شائد تُم میری تکلیف کو سمجھ ہی نا پاتے اسلئے میں نے تُمھیں اپنی سابقہ زندگی کا ایک ورق پڑھ کر سُنانا ضروری سمجھا۔

نہیں فرقان ایسی کوئی بات نہیں میں دِلچسپی سے تُمھاری تمام باتیں سُن رہا ہُوں۔ اور میں جاننا چاہتا کہ وہ کونسی دلیل ہے جو تُمھیں زندگی میں آگے.بڑھنے سے رُوک رہی ہے۔ نُعمان نے سگریٹ کا دُھواں فِضا میں بکھیرتے ہُوئے کہا۔

میرے خیال میں جسے تُم زندگی میں آگے.بڑھنا سمجھتے ہُو۔ وہی بات میرے نزدیک پستی اور تنزلی کا باعث ہے۔اور میری مکمل گُفتگو سُننے کے بعد انشاءَاللہ تُم بھی میری بات سے متفق ہُوجاؤگے فرقان نے دُوبارہ گُفتگو کے سلسلے کو آگے.بڑھاتے ہُوئے کہا۔

ہاں تُو میں تُمھیں بتا رہا تھا کہ کس کسمپرسی کی زندگی ہم پنجاب سے ہجرت کرنے کے بعد سندھ میں گُزار رہے تھے۔ لیکن میرے دُوست ہمارے ہمیشہ سے ایسے حالات نہیں تھے۔ امّاں بتاتی تھیں کہ جس وقت میری عُمر پانچ یا چھ سال کی تھی۔ اُس وقت میرے والد صاحب کا شُمار پنجاب کے بڑے زمینداروں میں ہُوتا تھا۔ جھنگ کے نزدیک ہماری ایک سو ایکڑ سے زائد زمینیں تھی۔ گھر میں نوکر چاکروں کی اِک فوج ہماری خِدمت کیلئے ہمیشہ ہمہ تن گُوش رہا کرتی تھی۔ لیکن میرے والد صاحب کو زمینداری پسند نہیں تھی۔ کیونکہ اِسمیں اکثر جھگڑے فساد کا احتمال رہتا تھا۔ ایک ایسے ہی جھگڑے میں میرے والد کے دُو سگے بھائی کام آ چُکے تھے۔ امّاں کو بھی ہمیشہ دھڑکا لگا رہتا تھا۔ پھر میرے ایک چچا نے اپنے دُو بھائیوں کا بدلہ لینے کیلئے دُشمنوں کے تین سگے بھائیوں کو سرِعام رُوڈ پر گُولیاں مار کر ہلاک کرڈالا۔

جسکے بعد برادری میں فیصلہ ہُوا کہ ہمیں اپنی کُچھ زمین مقتولین کے ورثا کو دینی ہُوگی۔ حالانکہ جب اُنھوں نے میرے دُو چچا قتل کئے تھے تب برادری نے ہمیں کوئی تاوان نہیں دِلوایا تھا۔ اور اِس فیصلے کی شائد ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مقتولین بہرحال ہمارے خاندان والوں سے زیادہ طاقتور تھے۔ پھر نجانے کیا ہُوا کہ ایکدن میرے آخری چچا کا انتقال ایک رُوڈ ایکسیڈنٹ میں ہُوگیا۔

کہنے والے کہتے تھے کہ وہ ایکسیڈنٹ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا۔ بلکہ میرے چچا کو نشانہ بنا کر ٹرک سے کُچل کر بڑی بیدردی سے قتل کیا گیا تھا۔ اِس واقعہ کے بعد میرے والد کی رہی سہی ہمت بھی ٹوٹ گئی اور میرے ابا جھنگ کا علاقہ چُھوڑ کر فیصل آباد چلے آئے۔ فیصل آباد میں شفٹ ہونے کے بعد ابا نے تمام زمینیں اُونے پُونے داموں میں فروخت کرڈالیں۔ اور زمینوں سے حاصِل ہُونے والی تمام رقم سے اپنے تین دوستوں کی شراکت سے ایک کپڑے کی مِل لگا ڈالی۔ ابتدائی دُو سال تُو بخیر و عافیت گُزر گئے لیکن تیسرے سال اُس فیکٹری میں آتشزدگی کے ایک واقعہ نے ہم سب کو دِہلا کر رکھ دِیا۔ فیکٹری کا انشورنس نہ ہُونے کی وجہ سے تمام خسارہ چاروں پارٹنرز کے حصے میں آیا۔ اور فیکٹری شدید مشکلات کا شِکار ہُو گئی۔ یہاںتک کہ فیکٹری کو چلانے کیلئے جو خام مال درکار تھا اُسکی خریداری کے لئے بھی سرمایہ نہ بچا۔ دھیرے دھیرے فیکٹری مقروض ہُوتی چلی گئی۔

فیکٹری چلانے کیلئے بنک سے قرض حاصل کیا گیا۔ تاکہ فیکٹری کو چلایا جاسکے۔ لیکن بقول کسے،، مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی ،، کے مِصداق قرض بڑھتا ہی چلا جارہا تھا۔ خسارے کو پُورا کرنے کیلئے چاروں دوستوں نے مزید رقم فیکٹری میں شامل کرنے کا پروگرام بنایا جسکی وجہ سے میرے والد اور

اُنکے ایک دوست نے اپنا مکان تک بیچ ڈالا جبکہ دُو دُوستوں نے اتنی ہی رقم دوسرے ذرائع سے کاروبار میں شامل کردی۔ لیکن کوئی فائدہ حاصل نہ ہُوسکا صرف چار برس میں بنک کا قرض دُوگُنا ہُوگیا۔ جُو کہ فیکٹری کی کُل مالیت سے بھی زائد تھا۔ جسکو ادا کرنے کی کوئی سبیل بھی اب نظر نہیں آرہی تھی۔ جبکہ بنک کا تقاضہ رُوز بروز بڑھتا ہی چلا جارہا تھا۔

تبھی والد صاحب اور اُنکے دوستوں نے مشورہ کیا کہ کیوں نہ پرائیویٹ سیکٹر سے قرض حاصِل کیا جائے لِہذا کئی لوگوں کو بطور انویسٹر فیکٹری میں پارٹنر شپ دی گئی۔ لیکن یہ سرمایہ بھی فیکٹری کی ساکھ کو نہیں بچا پایا۔ اور بِلآخر بنک اکاونٹ میں موجود تمام سرمائے کو اچانک ایکدِن بنک نے سُود کی مد میں جمع کرلیا۔ اور بنک نے عدالت سے فیکٹری کی قُرقی کے احکامات بھی حاصِل کرلئے۔ اس تمام معاملے کی بھنک جب انویسٹرز تک پُہنچی تُو اُنھوں نے میرے والد سمیت چاروں دوستوں کا جینا دُوبھر کردِیا۔ اُنھی لُوگوں میں ایک شخص نے اپنی زندگی کی تمام پُونجی بطور انویسٹر اس فیکٹری میں سہانے مستقبل کی خاطر لگائی تھی۔ جب اُسے فیکٹری کی قُرقی سے متعلق خبر مِلی تو اُسے ہارٹ اٹیک نے آلیا۔ جس کے بعد وہ جانبر نہ ہُوسکا۔

اور اسطرح میرے دُوست (سُود۔ در۔ سُود) کے اس نظام نے نہ صرف میرے والد اور

اُنکے تین دُوستوں کی زندگی سے ہمیشہ کیلیئے خُوشیاں چھین لیں۔ بلہن کئی اور لوگوں کو بھی اپنے ظُلم کا نِشانہ بناڈالا۔ جنکا قصور شائد صرف اتنا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں کُچھ آسانیاں تلاش کرنے کیلیئے کوئی آسان راستہ ڈھونڈ رہے تھے۔ جبکہ درحیقت اُن لوگوں کا بنک سے کوئی معاملہ ہی نہیں تھا۔ اور بنک کو بھی یہ بات معلوم تھی۔اور اُنھوں نے انویسٹرز والے آئڈیئے کی منظوری دیتے ہُوئے میرے والد اور اُنکے دوستوں کو یقین دِہانی کرائی تھی۔ کہ اگر کبھی بنک کاروائی ہُوئی بھی تُو اِن انویسٹرز کا بہرحال خیال رکھا جائے گا۔فرقان کی آواز آخری جُملے ادا کرتے ہُوئے بَھرّا سی گئی تھی۔

لیکن فرقان اس تمام مُعاملے میں مجھے بنک سے زیادہ تُمھارے والد اور اُنکے ساتھیوں کی غلط پلاننگ نظر آرہی ہے۔ کیا ضروری ہے کہ جُو غلطی تُمھارے والد نے کی تھی۔ ہم بھی اُسی غلطی کو دُھرائیں۔۔۔؟ نعمان نے تمام گُفتگو سُننے کے بعد اپنی رائے دیتے ہُوئے کہا۔

نُعمان کی بات سُن کر فرقان کا مُنہ حیرت سے کُھلا کا کُھلا رہ گیا۔۔۔ اُسے ہرگز توقع نہیں تھی۔ کہ نُعمان اُسکی داستان سُننے کے بعد بھی بنک لُون کی حمایت میں کُچھ کہہ سکتا ہے۔

(جاری ہے)

پنجاب کے بے وفا لوگوں کے نام

بچپن سے لیکر اپنی جوانی تک میں نے ایک جُملہ اتنی مرتبہ سُنا تھا کہ وہ جُملہ میرے ذِہن کے کِسی ایک گُوشے کے بجائے ہر ہر گوشے میں محفوظ ہُوگیا تھا بالکل اُسی طرح کہ جس طرح کبھی کبھار کوئی ایک ہی فائل کمپیوٹر کے بے شُمار فولڈر میں جمع ہُوجاتی ہے۔ اور وہ جُملہ تھا کہ ،، پنجابیوں میں وفا نام کی کوئی شئے نہیں ہُوتی،، اور وجہ معلوم کرنے پر بھی ہمیشہ ایک ہی جواب مِلا کہ،،چُونکہ یہ پانچ دریاؤں کا پانی پیتے ہیں،، اسلئے یہ کبھی بھی کِسی ایک کے نہیں ہُو سکتے۔اِنکی طبیعت میں دریا کی سی رَوانی اور سیلانی موجود رِہتی ہے۔

شاید خُدا کی بھی یہی رضا رَہی ہُو کہ وہ چاہتا ہُو کہ میں اس قُوم کی اِن بے وفائیوں پر گواہ بن جاؤں۔ شائدِاِسی واسطے مجھے اتنی بار پنجاب بھیجا گیا ہُو۔تاکہ ایک دِن گواہی کیلئے پُکارا جاؤں۔ اور اپنا بیان قلمبند کراسکوں۔ لِہذا ان مُسلسل اَسفار کے باعث اَب میں بھی پنجاب کے لوگوں کی بے وفائی کا نہ صِرف قائل ہُوچُکا ہُوں بلکہ اپنے بیان پر حلفاً قسم بھی کھا سکتا ہُوں۔ اور یہ بھی نہایت عجیب معاملہ ہے کہ بیشتر مرتبہ میں پنجاب کے

کِسی نہ کِسی شہر میں مشکل کا ضرور شکار رہا ہُوں۔ اور اُس مشکل میں پڑنے کے بعد میں اُنکی بے وفائی کا مزید قائل ہُوتا چلا گیا ہُوں۔

میں نے اپنی زندگی کا پہلا طویل ترین اکیلے سفر حیدرآباد سے لاہور کی طرف کیا تھا۔ اُس وقت میری عُمر صرف 15 برس تھی۔ وہ جُمعہ کا دِن تھا۔ لاہور اسٹیشن پُہنچنے پر مجھے معلوم ہُوا کہ میری جیب میں صرف واپسی کا کرایہ موجود ہے جو اُس وقت مبلغ 100 روپیہ ہُوا کرتا تھا۔ میں نے عافیت اِسی میں جانی کہ اسٹیشن سے واپس میرپورخاص چلا جاؤں۔ لیکن جب میں نے اُس نُوٹ کو جیب سے باہر نِکالا تو مجھے معلوم ہُوا کہ مسلسل پسینہ جذب کرنے کی وجہ سے وہ نُوٹ بھی چیتھڑوں کی شکل اِختیار کرچُکا ہے۔ وہ نُوٹ اس قابل نہیں تھا کہ اُس سے ٹکٹ خریدا جاسکے۔ لِہذا میں اسٹیشن سے باہر نکل آیا۔ اِسٹیشن کے باہر اُس وقت ایک لَسی کی دُکان ہُوا کرتی تھی جہاں پچاس برس کا ایک ادھیڑ عُمر شخص لسی بِلو رہا تھا۔ میں نے جیب سے نُوٹ نکال کر اُس بُوڑھے شخص کی طرف بڑھاتے ہُوئے اُسے بدلنے کی خُواہش کا اظہار کیا۔ اُس نے پہلے نُوٹ کی خستہ حالت دیکھی پھر مجھے دیکھ کر کہنے لگا۔ کاکا میں انا نہیں آں جے تیسنوں ایس سڑے نوٹ دے بدلے نواں نوٹ دیدیاں۔

لیکن دوسرے ہی لمحے اُس نے میری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر مجھ سے رونے کی

وجہ پُوچھی۔ اور جب میں نے اُسے اپنی تمام کہانی سُنائی تو اُس نیک دِل انسان نے نوٹ تبدیل کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ بیٹا یہ نوٹ تو شائد مجھے کوئی بدل کر نہ دے۔ لیکن تم اپنے گھر خیریت سے پُہنچ جاؤ میرے لئے اِس سے زیادہ خُوشی کو کوئی بات نہیں ہُو سکتی۔ قارئین کرام یہ اُن دِنوں کی بات ہے جب پڑول سات روپے لیٹر اور بکرے کا گوشت غالباً 15 روپے کلو ہُوا کرتا تھا۔ اُس وقت 100 روپے کی قربانی دینا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

بہرحال اس طرح صاحبو ۔! ہمیں ایک پنجابی کی بے وفائی کے باعث اپنے گھر واپس آنا نصیب ہُوا۔ اور میں خُوب جان گیا کہ واقعی پنجاب کے لوگ.بڑے بے وفا ہُوتے ہیں۔ پھر میرا پنجاب کی سرزمین پر دوسرا پھیرا تقریباً 2 سال بعد ہُوا۔ تب میری عُمر قریباً 17 برس تھی اور میرا ٹھکانہ چھتری چوک فیصل آباد کے عین سامنے والی مسجد کے ساتھ ملحق مدرسہ تھا۔ میں اُن دِنوں مذہبی رُجحان کے باعث گھر والوں کا نشانہ تھا۔ پھر ایک دِن میں دلبرداشتہ ہوکر سندھ کی زمین سے اپنا ناطہ تُوڑ کر انہی بے وفا لوگوں کے درمیان پُہنچ چُکا تھا۔ فیصل آباد میں جس وقت میں نے قدم رکھا اُس وقت میرے جسم پر صرف ایک لباس تھا اور جیب میں فقط پانچ سو روپے کا ایک نُوٹ تھا۔

یہاں بھی اِن پنجاب کے باسیوں نے میرے ساتھ بے وفائی کی انتہا کردی۔ اور 15 دِن میں اللہ کے اِن بندوں نے مجھے اپنی جیب سے ایک دھیلا بھی خرچنے کا موقع نہیں دِیا۔ البتہ لباس کے مُعاملے میں مجھے کامیابی حاصِل رہی وَہاں ایک صاحب آیا کرتے تھے ۔ نام تُو مجھے اُنکا یاد نہیں رَہا مگر اُن کی بازار میں کپڑے کی دُکان تھی۔ اور وہ ہر جُملے کے بعد سبحان اللہ ضرور کہا کرتے تھے۔ اُنھوں نے بھی میرے ساتھ بے وفائی کرنے کی بُہت کوشش کی وہ مُصِر تھے کہ میں اُنکی دُکان سے دو تین جُوڑے لباس کے مفت حاصِل کرلوں۔ مگر اب میں ہُوشیار ہُوچکا تھا۔ میں نے اُنہیں خُود سے بے وفائی کا ذرا موقع نہیں دِیا۔ بلکہ غُسل خانے میں اپنا اکلوتا لباس صابن سے دُھو کر پہن لیا کرتا۔ اور وہ ہاتھ ملتے رِہ جاتے۔ البتہ وہ مجھے اکثر کھانا کھلادِیا کرتے اور اسطرح وہ بھی بے وفائی کے مرتکب ہُوتے رہے۔

پھر میں نے وہاں سے لاہور کُوچ کا پروگرام بنایا۔ لاہور جانے سے پہلے میں نے گھنٹہ گھر والی مسجد میں بیان کیا میرا بیان سُن کر وہاں موجود ایک بدمعاش مسجد میں داخل ہُوگیا۔ اور پھر اُس نے بے وفائی کا مُظاہرہ کرتے ہُوئے مجھ پر بُوسوں کی بارش کردی۔ اُسکی دیکھا دیکھ اور لوگوں کے مزاج میں بھی بے وفائی دَر آئی اور اُنھوں نے بھی مجھے اپنے سینے سے خوب لگایا۔ اور

بعد ازاں بیان ۔ مجھے پھر آنے کی دعوت دِی۔ اور جب میں نے اُنہیں بتایا کہ میرا فیصل آباد میں آج آخری دِن ہے تُو وہ بے وفا لوگ مجھ سے لپٹ کر روتے رہے۔

اُسی رات ہم نے ایک کرسچن لڑکے کو کلمہ پڑھایا اور سُو گئے ۔ مگر صبح جب آنکھ کُھلی تو معلوم ہُوا کہ کہ رات ہمارے کمرے میں چُور تشریف لائے تھے۔ جو میری جیب میں موجود اکلوتا 500 روپے کا نُوٹ بھی ساتھ لے گئے اور میرے مہربان و محسن سید ریحان عطاری لانڈھی (کراچی) والے کا قیمتی سامان بھی چُرا کرلے گئے ہیں۔ اُن کے ہاتھ کی گھڑی اور نظر کا چشمہ بھی غائب تھا۔ روانگی کا وقت قریب تھا مگر میرے پاس سوائے جسم پر پہنے لباس کے کوئی دھیلا تھا نہ پُھوٹی کُوڑی۔ یہاں بھی اِن فیصل آبادیوں نے خُوب جم کر بے وفائی کا مُظاہرہ کرتے ہُوئے ڈھیر سارے رُوپے میری جیب میں زبردستی ٹھونس دیئے۔

یہاں سے میں اسکیم موڑ لاھورپُہنچا۔ اور مسجدوں میں جا جا کر اِصلاحی بیانات کا سلسلہ قائم کرنے لگا۔ اسکیم موڑ پر ایک ڈیکوریشن کی دُکان ہُوا کرتی تھی۔ جگہ اگرچہ بُہت چھوٹی سی تھی مگر میں رات کو اُس ڈیکوریشن کی دُکان میں سُوجایا کرتا تھا۔ یہاں میرے ساتھ بین الاقوامی شہرت کے حامل باعمل نعت خُواں زاہد عطاری ساتھ ہُوا کرتے تھے۔

لاہوری فیصل آبادیوں سے بھی

بڑے بے وفا ثابت ہُوئے۔ یہاں ماڈل ٹاؤن سے ایک نوجوان محمد اقبال عطاری روزانہ کسی کام کے سلسلے میں آیا کرتے تھے۔ ایک مسجد میں میرا بیان تھا۔ جسے سُننے کے بعد وہ میرے ساتھ ہی ہُولئے جب اُنہیں معلوم ہُوا کہ میں ایک چھوٹی سی دُکان میں رات گُزارتا ہُوں تو اُنکی رَگِ بے وفائی بھی پھڑک اُٹھی۔ اور وہ مجھے ماڈل ٹاؤن اپنے بنگلے میں لے آئے۔ اور رات دِن میری اتنی زیادہ مہمانداری کرتے کہ بعض اوقات میں بالکل ہی بھول جاتا کہ میں لاھوری نہیں بلکہ سندھ کا میرپوری ہوں۔

ماڈل ٹاؤن کے لوگ بھی بے وفائی میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ مجھے آج بھی اُن بُوسوں کا لمس اپنی کمر اور کاندھوں پر محسوس ہُوتا ہے جو میرے بیان کے بعد ماڈل ٹاؤن کے لوگ جوق در جُوق ثبت کیا کرتے تھے۔ لاھوریوں کی بے وفائی کے یوں تُو ہزاروں قصے بیان کر سکتا ہُوں۔ مگر مجھے آج بھی وہ دِن نہیں بھولے جب لاھور کے کُچھ لوگ میرے مُرشد کے پاس کراچی پُہنچے تھے۔ وہ مجھے ہمیشہ کیلئے لاھور لیجانا چاہتے تھے۔ میں نے اُنکی آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھ کر ہی اندازہ لگالیا تھا کہ وہ اِنتہائی درجے کے بے وفا لوگ ہیں۔ جو اِک ذرا سی مُلاقات پر اپنا دل بچھا بیٹھے ہیں۔

پنجاب والوں کی بے وفائی کے۔ کیا کیا قصے میں آپ کو سُناؤں اگر لکھتا رہوں

تو شاید کئی رات دِن بیت جائیں۔ مگر واقعات ختم نہ ہوں۔ مگر چلتے چلتے شہر ملتان والوں کی بے وفائی کا بھی تذکرہ کرتا چلوں۔ کیوں کہ زندگی رہی تو باقی شہر والوں کی بے وفائیوں کا تذکرہ بھی اپنے کالموں میں کرتا ہی رہوں گا۔

ملتان میں ایک صبح میں چوک شاہ عباس پر چائے کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ مگر مجھے کوئی چائے کی ہوٹل نظر نہیں آئی۔ یہاں تک کہ ایک کھانے کے ہوٹل میں بھی دو تین مرتبہ گھوم آیا۔ مجھے یہاں سے وہاں چکر لگاتا دیکھ کر اُس کھانے کی ہوٹل کے منیجر نے اشارے سے مجھے اپنے پاس بُلا کر پُوچھا۔ باؤ جی کسے تلاش کر رہے ہو۔۔۔؟ میں نے اپنا مُدعا عرض کرتے ہُوئے کہا،، جناب چائے کی بے انتہا طلب ہو رہی ہے مگر کوئی چائے کا ہُوٹل کُھلا نظر نہیں آ رہا۔ وہ منیجر یا ہُوٹل کا مالک مجھے کہنے لگا۔ تُو جی۔ آپ نے ہم سے تُو پُوچھا ہی نہیں۔۔ میں نے بڑی بیتابی سے پُوچھا۔۔ کیا آپ کے پاس چائے کا انتظام ہے۔۔؟ منیجر نے کہا کیوں نہیں باؤ جی آپ شاید کراچی سے آئے ہیں۔۔؟

میرپور خاص کو لوگ پُورے پاکستان میں بھلے نہ پہچانیں۔ مگر سندھ والے پنجاب میں کراچی کے حوالے سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔ لہٰذا میں نے بھی صرف اتنا ہی کہنے میں بھلائی جانی کہ کراچی میں تُو نہیں رِہتا۔ البتہ کراچی کے

نزدیک ہی میرا شہر ہے۔ بہر حال کچھ منٹ بعد ہی چائے میری ٹیبل پر آ گئی میں نے رس کیک کی فرمائش کی تو ویٹر چند لمحوں میں رس کیک بھی لے آیا۔

چائے اور کیک رَس سے انصاف کرنے کے بعد جب میں بِل اَدا کرنے کیلئے کاؤنٹر پر پُہنچا تو اُس مینجر یا مالک نے پیسے لینے سے صاف انکار کر دیا۔ میں نے حیرت سے وجہ پُوچھی تو مجھے بتایا گیا کہ وہ لوگ سہرے سے اُس ہوٹل میں چائے بیچتے ہی نہ تھے۔ میں نے شرمندگی سے کہا کہ ،، جب آپ چائے فروخت ہی نہیں کرتے تو مجھے صاف منع کر دیتے۔۔! وہ صاحب کہنے لگے واہ۔۔ جی۔۔ واہ۔۔ آپ اتنی دُور سندھ سے ملتان آئے ہیں ۔ اب اگر آپ کو چائے نہ مِلتی۔ تو آپ نے سندھ جا کر ہمارا گِلا ہی کرنا تھا لوگوں سے۔ اور ویسے بھی آپ ہمارے مہمان ہیں۔ آپ چائے کیلئے پریشان تھے ۔ اور نجانے کتنی دیر مزید پریشان پھرتے رہتے۔ اسلئے آپکو چائے پلوا دی۔

میں وہاں سے چلتے ہُوئے سوچنے لگا کہ یار واقعی پنجاب کا تُو چپہ چپہ بے وفا لوگوں سے بھرا ہُوا ہے۔

اور آج یہ کالم لکھتے ہُوئے میرے دِل سے یہی دُعا نکل رہی ہے کہ لوگوں نے شائد وفا کا نام بدل کر بے وفائی رکھ دِیا ہے۔ اسلئے اے میرے خُدا جیسے

بے وفا پنجابی لوگ تُو نے مجھے زندگی بھر دِکھائے ہیں۔ جن میں سے شائد میں دس فیصد کا بھی ذکر نہیں کرپایا ہُوں جیسے کہ میرے انتہائی مہربان احسان الحق وارثی بھائی جنکا تعلق جھنگ سے ہے۔ وہ میرے ایسے رفیق و مہربان ہیں کہ میں اُن پر جتنا بھی ناز کروں کم ہے۔

اے کاش میرے وطن کا بچہ بچہ ایسا ہی بے وفا ہُو جائے تو خُدا کی قسم یہ معاشرہ جہاں چہار سُو نفرت کے سِوا کُچھ دِکھائی نہیں دیتا۔ یہی مُلک جنت کا نقشہ دِکھائی دے۔ اگرچہ یہ کالم اپنوں کی اِصلاح کیلئے لکھا ہے۔ پھر بھی میرے کِسی جُملے یا عنوان سے اگر کِسی کی بھی دِل شکنی ہُوئی ہُو تو ہاتھ جوڑ کر مُعافی کا خُواستگار ہُوں اللہ کریم تمام پاکستانیوں سے عصبیت کے عفریت کو دُور فرمائے (آمین)

جال۔ در۔ جال قسط ۵

گُذشتہ سے پیوستہ

اور اسطرح میرے دُوست (سُود۔ در۔ سُود) کے اس نظام نے نہ صرف میرے والد اور اُنکے تین دُوستوں کی زندگی سے ہمیشہ کیلئے خُوشیاں چھین لیں۔ بلکہ کئی اور لوگوں کو بھی اپنے ظُلم کا نِشانہ بناڈالا۔ جنکا قصور شائد صرف اتنا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں کُچھ آسانیاں تلاش کرنے کیلئے کوئی آسان راستہ ڈھونڈ رہے تھے۔ جبکہ درحیقت اُن لوگوں کا بنک سے کوئی معاملہ ہی نہیں تھا۔ اور بنک کو بھی یہ بات معلوم تھی۔اور اُنھوں نے انویسٹرز والے آئیڈیے کی منظوری دیتے ہُوئے میرے والد اور اُنکے دوستوں کو یقین دِہانی کرائی تھی۔کہ اگر کبھی بنک کاروائی ہُوئی بھی تُو اِن انویسٹرز کا بہرحال خیال رکھا جائے گا۔فرقان کی آواز آخری جُملے ادا کرتے ہُوئے بھرّا سی گئی تھی۔
لیکن فرقان اس تمام مُعاملے میں مجھے بنک سے زیادہ تُمھارے والد اور اُنکے ساتھیوں کی غلط پلاننگ نظر آرہی ہے۔ کیا ضروری ہے کہ جُو غلطی تُمھارے والد نے کی تھی۔ ہم بھی اُسی غلطی کو دُھرائیں۔۔۔؟ نعمان نے تمام گُفتگو سننے کے بعد اپنی رائے دیتے ہُوئے کہا۔

نُعمان کی بات سُن کر فرقان کا مُنہ حیرت سے کُھلا کا کُھلا رہ گیا۔۔۔۔ اُسے ہرگز توقع نہیں تھی۔ کہ نُعمان اُسکی داستان سننے کے بعد بھی بنک لُون کی حمایت میں کُچھ کہہ سکتا ہے۔

اب مزید پڑھیئے۔

فُرقان ابھی پہلے سوال کی حیرت سے نہیں نِکل پایا تھا۔ کہ نعمان نے دوسرا سوال داغتے ہُوئے کہا،، اور فرقان تُم نے جو ابھی مجھے اپنی زندگی کی تکلیف دَہ داستان سُنائی ہے۔ اس میں زندگی کی اُونچ نِیچ کا تذکرہ تُو ضرور موجود ہے۔ لیکن مجھے اِس تمام واقعہ میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی کہ جسے زمانے سے چھپایا جائے اور جسے یاد کرنے سے شرمندگی کا احساس ہو۔

نُعمان تُم نے وہ مِثال تُو ضرور سُنی ہُوگی کہ،، عقلمند کے لئے اِشارہ کافی،، بس میں بھی یہی سُوچ کر واقعہ کی جُزئیات میں نہیں گیا تھا کہ واقعہ سُن کر تم بھی اسکے دوسرے پہلو سے خُود آگاہ ہُوجاؤ گے۔ فرقان نے اپنا گَلا کھنکارتے ہُوئے چند لمحوں کیلئے توقف کیا اسکے بعد جواب دیتے ہُوئے اپنی بات کو جاری رکھتے ہُوئے مزید کہا۔ میرے بھائی جِس وقت ہم فیصل آباد میں

مقیم تھے اور فیکٹری بنک نے ضبط کرلی تھی۔ اُس وقت قرض خُواہ جس طرح ہمارے گھر پر جمع ہُوجایا کرتے اور ہم تمام مُحلہ میں تماشہ بن جایا کرتے تھے۔ تُم شائد اسکا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کئ مرتبہ ایسا بھی ہُوا کہ قرض خُواہ بِلااِجازت گھر میں داخل ہُوجاتے ۔اور جب میری والدہ اُنکے اِس عمل پر احتجاج کرتیں۔ تب وُہ وُہ شرمناک جُملے ہم بہن بھائی سنتے کہ ہم سہم کر کبھی غُسل خانے میں تُو کبھی کچن میں چھپ جایا کرتے۔

اُن قرض خُواہوں میں سے اکثر لوگ مڈل کلاس طبقہ سے تعلق رکھنے والے تھے۔ جنکی بیچاروں کی تمام عُمر کی پُونجی داؤ پر لگی تھی۔ کسی نے وہ پیسہ اپنی بچی کی شادی کیلئے سنبھال رکھا تھا۔ تُو کوئی بڑھاپے میں حج کا خُواہشمند تھا۔ اور کسی نے شائد اپنے آخری دِن آرام سے گُزارنے کیلئے وہ رقم بچا رکھی ہُو۔ جِسے وہ زیادہ مُنافع کیلئے گنوا چُکے تھے۔ اگرچہ ابا جان نے وہ رقم کِسی بُرے اِرادے کے پیش نظر حاصِل نہیں کی۔ اور نہ ہی اُنکا کوئی ایسا اِرادہ تھا۔ کہ وہ رقم اَدا نہیں کرنا چاہتے ہُوں۔ لیکن حالات اور واقعات ایسے ہُو چُکے تھے۔ کہ بظاہر کوئی ایسا راستہ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ جسکے سبب جلد رقم لُوٹائی جاسکے۔ فقط ایک اُمید تھی کہ بنک منیجر نے اُمید دِلائی تھی کہ اُنکی نظر میں ایک پارٹی ہے۔ جو شائد بنک کی تمام رقم کے عوض فیکٹری خریدلے۔ لیکن یہ بات بھی مفروضے پر قائم تھی ۔اور اسکے لئے وقت بھی

چاہیئے تھا۔ جبکہ وہ لوگ جنکی رقم لگی تھی۔ اُنہیں لگتا تھا کہ شائد ابا جان اور اُنکے دوستوں نے رقم خُورد بُرد کردِی ہے۔ ابا جان اُن لوگوں سے بے حد ہمدردی رکھتے تھے۔ اِس لئے اُنکی کسی بات کا بُرا بھی نہیں مناتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اِن بیچاروں کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ یہ سب تو ہمارے مُحسن ہیں۔ جنھوں نے بُرے وقت میں ہمارا ساتھ دِیا ہے۔ اور ابا جان شائد کبھی بھی فیصل آباد سے ہجرت نہ کرتے اگر وہ واقعہ پیش نہ آجاتا۔ اتنا کہنے کے بعد فرقان خاموش ہُوکر اپنی پیشانی سے پسینہ پُونچھنے لگا۔

ایسا کونسا واقعہ پیش آگیا تھا فرقان جس نے تُمہارے ابا جان کی سُوچ کو یکسر بدل کر رکھ دِیا تھا۔ نعمان نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہُوئے وال کلاک پر نظر ڈالی جو رات کے بیت جانے کی طرف اِشارہ کررہی تھی۔

یہ واقعہ ہمارے ہجرت کرنے سے آٹھ دَس روز قبل کا تھا۔ جب ایک شخص اپنے کسی رشتہ دار کو اُس دِن ہمارے گھر لے آیا تھا۔ وہ شخص دندناتا ہُوا ہمارے گھر میں داخِل ہُوگیا تھا۔ اُس وقت امّاں رات کے لئے کچن میں کھانا تیار کررہی تھیں۔ جبکہ ابا جان مُصَلے پر نوافل ادا کررہے تھے۔ جبتک ابا جان نے سلام نہیں پھیرا وہ اَماں سے بدتمیزی کرتا رہا۔ اور جونہی ابا جان سلام پھیر کر کھڑے ہُوئے اُس شخص نے ابا جان کا گریبان پکڑ کر ابا جان کو دھمکیاں

دیتے ہُوئے بتایا کہ وہ منشیات کا دھندہ چلاتا ہے۔ اور پُولیس بھی اُسکے نام سے خُوف کھاتی ہے۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔ اُس وقت ہم دونوں بہن بھائی صحن میں بیٹھے اپنے اسکول کا ہُوم ورک نمٹانے میں مصروف تھے۔ لیکن جب سے وہ شخص گھر میں داخل ہُوا تھا۔ ہم دہشت کے عالم میں اِس تمام معاملے کو دیکھتے ہُوئے جلد از جلد اُس شخص کے چلے جانے کی دِل ہی دِل میں دُعا مانگ رہے تھے۔

ایک تُو اُس شخص کا چہرہ ہی کافی ڈراؤنا تھا۔ اوپر سے اُسکی آواز بھی ایسی تھی جیسے گویا وہ بات نہ کررہا ہُو بلکہ مست ہاتھی کی طرح چنگھاڑ رہا ہُو۔ آخر میں جب وہ تمام دھمکیاں دے چُکا تب اُس نے ابا جان کا گریبان چھوڑتے ہُوئے ہماری جانب دیکھ کر اباجان سے آخری جُملہ کہا،، دیکھو سات دِن کے اندر اندر رقم کا انتظام کرلینا۔ ورنہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اتنا کہنے کے بعد اُس نے ایک مرتبہ پھر ہم دونوں کی جانب معنی خیز نظروں سے دیکھا اور واپس لُوٹ گیا۔ ہم دونوں بہن بھائی خُوف کے عالم میں اباجان سے لپٹ گئے امّاں بھی اُس دِن بے حد خُوفزدہ ہُوگئیں تھی۔ ابا جان ہم سب کو دِلاسہ دے رہے تھے مگر آج اُنکی ڈھارس میں کھوکھلا پن صاف عیاں تھا۔ مُحلہ والوں کیلئے یہ روزانہ کا تماشہ تھا اسلئے اُس دِن بھی کِسی نے آکر معاملے کی چھان بین نہیں کی۔

اِس واقعہ کے آٹھویں دِن ایک عجیب واقعہ پیش آگیا۔ عموماً ہم دونوں بہن

بھائی اسکول سے دو بجے تک گھر پُہنچ جایا کرتے تھے لیکن اُس دِن ڈھائی بج گئے اور میری بہن اسکول سے گھر نہیں آئی اَماں کا تشویش سے بُرا حال تھا۔ اور ابا جان بار بار اماں کو دِلاسہ دے رہے تھے۔ کہ ابھی آجائے گی لیکن جُوں جُوں وقت گُزرتا جارہا تھا ابا کی پیشانی پر بھی تفکرات کے سائے دراز ہُونے لگے تھے۔ بلآخر پونے تین بجے ابا جان اسکول جاپُہنچے وہاں صفائی کرنے والے نے بتایا کہ اسکول میں کوئی موجود نہیں ہے تمام بچیاں پونے دو بجے ہی اسکول سے جاچُکی ہیں۔

میری بہن کی ایک ٹیچر کا گھر اسکول سے نزدیک ہی واقع تھا۔ ابا جان نے اُنکے گھر کا دروازہ جا کھٹکایا۔ وہاں جاکر معلوم ہُوا کہ میری بہن اسکول سے چُھٹی کے وقت سب بچیوں کیساتھ ہی روانہ ہُوئی ہے۔ ابا جان کو کُچھ ڈھارس ہُوئی لیکن جب گھر آئے تو معلوم ہُوا کہ وہ ابھی تک گھر نہیں پُہنچی ہے۔ پھر کیا تھا ہم نے اُسکی سبھی سہیلیوں ہسپتال اور تھانے میں بھی معلومات کر ڈالی لیکن وہ نہیں مِلی۔ یہاں تک کہ سورج، ڈوب گیا اَماں نے رُو رُو کر اپنی آنکھیں سُجا لیں۔ پھر اَماں کو نجانے کسطرح اُس بدمعاش کا خیال آگیا وہ چِلّا چِلّا کر اُس بدمعاش کو کوسنے لگیں۔ اُنکا خیال تھا کہ ہُو۔نہ۔ہُو۔ یہ اُسی بدمعاش کی کارستانی ہے۔ جبکہ ابا جان کا خیال تھا کہ وہ صرف بھڑک لگانے والا شیر تھا۔ لیکن اَماں کے بار بار اِصرار پر بِلآخر ابا

تھانے جانے کیلئے اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ ابا جان کے جاتے ہی امّاں وظائف کی کتاب سے نجانے کون سُون سی دُعائیں پڑھنے میں مشغول ہُوگئیں تھیں۔

ابھی اباجان کو گھر سے گئے دَس منٹ کا بھی عرصہ نہ گُزرا ہُوگا۔ کہ دروازے پر پڑنے والی زور دار دستک پر امّاں نے جب دروازہ کھولا تو میری بہن اباجان کے ساتھ دروازے پر موجود تھی ۔اماں نے آگے بڑھ کر میری بہن کو گلے لگالیا۔ اور وہیں رُوتے ہُوئے اُسکا احوال معلوم کرنے لگیں اباجان کِسی طرح دونوں کو اندر لے آئے۔ کُچھ دیر بعد میں میری بہن کے حواس بحال ہُوئے تُو اُس نے بتایا کہ اسکول سے واپس آتے ہُوئے اُسی بدمعاش نے میری بہن کو ایک سنسان جگہ پر اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسکے ساتھ اُسکا ایک ساتھی اور بھی تھا۔ جو گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ جبکہ وہ بدمعاش اُسے گھسیٹ کر گاڑی میں ڈالنا چاہتا تھا۔ کِسی طرح میری بہن نے اُسکی کلائی اپنے دانتوں سے کاٹ ڈالی۔ درد کی شِدت سے جُونہی اُس بدمعاش نے میری بہن کو چند لمحوں کیلئے گالیاں بکتے ہُوئے چُھوڑا۔ میری بہن اس موقع کا فائدہ اُٹھاتے ہُوئے وہاں سے فرار ہُوگئی اور راستہ میں ایک ادھوری نو تعمیر عمارت میں چھپ گئی۔ تمام دِن اُس بدمعاش کے خُوف سے اُس بلڈنگ سے نہیں نِکلی اور جیسے ہی سورج ڈوبا وُہ

اندھیرے کا فائدہ اُٹھا کر وہاں سے نِکل آئی۔ میری بہن کا خُوف سے بُرا حال تھا۔ وہ جِسے کہ ایک دن بھی اسکول سے چُھٹی گوارا نہیں تھی ہذیانی کیفیت میں بار بار چِلّا کر کہہ رہی تھی کہ اب وہ کبھی اسکول نہیں جائے گی۔ بس اُسی رات ابا نے اپنے دوستوں کو تمام حالات بتا کر اجازت حاصل کی۔ قرض خُواہوں سے شفقت کی تاکید کی۔ اور ہم ہجرت کرکے سندھ چلے آئے۔

یہ تھے میرے بھائی وہ مختصر حالات جنہیں آج بھی جب میں غلطی سے بھی یاد کرلیتا ہُوں تُو میرے رونگھٹے کھڑے ہُوجاتے ہیں۔ اسلئے مجھے اپنے ماضی کو کُریدے جانے سے ڈر لگا کرتا تھا۔ کیونکہ اِن واقعات کے یاد آجانے سے مجھ پر عجیب سی وحشت سوار ہُوجایا کرتی تھی۔ اور تُمہارے پہلے سوال کا جواب دینے سے قبل میں بھی تُم سے صِرف ایک سوال کرنا چاہتا ہُوں۔۔۔۔ اور وہ یہ کہ،، کیا اگر تُمہارا ملازم اگر تُم سے کسی معاملے میں ضد باندھ لے، تُمہارے احکامات کو ماننے سے صاف انکار کردے اور تُمہاری دُشمنی پر اُتر آئے۔ تب کیا وہ تُم سے تُمہاری ہی فیکٹری میں جیت پائے گا اور کیا تُم اسے ملازمت پر قائم رکھنا چاہو گے۔۔۔۔؟ فرقان اتنا کہہ کر نعمان کی جانب غور سے دیکھنے لگا۔

یہ کیا بات ہُوئی فرقان کہ تُم نے میرے سوال پر ہی ایک سوال قائم کردِیا۔

لیکن میرا جواب تُم خُود بھی جانتے ہُو کہ میں ایسے انسان کو اپنی مُلازمت میں ایک گھنٹہ تُو کُجا ایک لمحے کیلیئے بھی. برداشت نہیں کرونگا چاہے مجھے اسکے لئے دُنیا بھر کی فلاحی تنظیموں سے لڑنا پڑے یا مجھے عدالت میں ہی کیوں نہ جانا پڑ جائے۔ لیکن میں شکست تسلیم نہیں کرونگا۔ اور نہ ہی اُس مُلازم کو چین سے رہنے دُونگا۔ جو میری ہی فیکٹری سے رزق بھی حاصِل کرے اور مجھ سے ہی دُشمنی باندھے۔ نعمان نے جوشیلے انداز میں جواب دیتے ہُوئے کہا۔

(جاری ہے)

پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا
اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

عامِل کامِل اور ابو شامِل قسط 5

گُزشتہ سے پیوستہ

مولوی صاحب کے گھر میں ایک خاتون نے کامِل کو خَواتین کے درمیان دیکھ کر امّاں سے کہا،، بہن اسے مَردوں میں بھیج دیں مولوی صاحب کے گھر میں اتنے بڑے بچے نہیں آتے،، اماں نے ملتجی لہجے میں اُن خاتون سے کہا کہ اِسے رہنے دیں۔ یہ میرے بغیر وہاں اکیلا نہیں بیٹھ پائے گا۔ تبھی نرگس کی اماں نے بھی کہا۔ بھئی رہنے بھی دو یتیم بچہ ہے۔ اور ابھی تو ہے بھی بہت چھوٹا سا، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن وہ خاتون بضد تھیں کہ کامِل کو باہر بھیجا جانا چاہیئے تبھی ایک دوسری خَاتون نے مداخلت کرتے ہُوئے اُس خاتون سے کہا،، زُلیخا رہنے بھی دُو،، یہ چھوٹا سا بچہ ہے۔ جس کے بیٹھنے پر بھائی جان کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہُوگا۔ امّاں نے سرگوشی میں اپنے ساتھ بیٹھی ایک خاتون سے استفسار کیا۔ یہ دونوں کُون ہیں آج سے پہلے تو کبھی اِنہیں مُحلہ میں نہیں دِیکھا۔اُس خاتون نے آہستہ سے یہ کہتے ہُوئے سِپارہ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ کہ یہ دونوں ہی مولوی رمضان صاحب کی شادی شُدہ بہنیں زُلیخا اور سفینہ ہیں ایک جہلم میں جبکہ دوسری سیالکوٹ میں بیاھی ہے۔

دوسرے دِن کامل کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اسکول سے واپسی پر اُس نے مولوی صاحب کی دونوں بہنوں کو اَماں کیساتھ اپنے گھر میں بیٹھا دیکھا۔ کامل سلام کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اَب مزید پڑھیئے۔

کامل تجسس کے عالم میں کپڑے بدل کر خاموشی سے کھڑکی کے نزدیک بیٹھ کر اپنا بستہ سنوارنے میں لگ گیا۔ جبکہ اُسکے کان صحن میں بیٹھی مولوی صاحب کی بہنوں کی طرف ہی لگے تھے۔ اَماں نے کمرے میں آکر کامل کو پیار کرتے ہُوئے ہاتھ مُنہ دُھو کر کھانا کھانے کیلئے کہا۔ کامل نے بہانہ بناتے ہُوئے کہہ دِیا کہ راستہ میں چاچا ارشد نے پکوڑیاں دِلوادی تھی۔ اِس وجہ سے ابھی بھوک نہیں ہے کُچھ دیر بعد کھانا کھاؤنگا۔ اَماں مطمئین ہُو کر دُوبارہ مولوی صاحب کی بہنوں کے ساتھ بیٹھ گئیں۔

زیادہ تر اَماں سے سفینہ ہی گُفتگو کر رہی تھی وہ اَماں کو بتا رہی تھی کہ دریائے جہلم سے دس مِنٹ کی دوری پر اُنکا مکان ہے۔ وہ شائدَاس بات سے بے خبر تھی کہ اَماں کی جائے پیدائش بھی جہلم ہی ہے۔ اور شائدیہی وجہ تھی کہ اَماں بھی سفینہ سے کُرید کُرید کر جہلم کے حالات معلوم کر رہی تھیں۔

کُچھ منٹوں میں ہی امّاں سفینہ سے ایسے بے تکلف ہُو گئیں جیسے وہ اُسے بچپن سے جانتی ہُوں جبکہ زُلیخا اب بھی ہنوز خاموش ہی تھی کبھی کبھار ہُوں ہاں کی البتہ آواز ضرور سُنائی دے جاتی جِس سے اُسکی موجودگی کا احساس پیدا ہُو جاتا۔

آدھا گھنٹے کی باتیں سننے کے باوجود بھی کامِل کو کوئی ایسی بات نہیں سُنائی دی۔ کہ جس میں کامل کی دِلچسپی کا کوئی سامان موجود ہُوتا۔ اُس نے سوچا کہ ایسی باتیں سُننے سے بہتر ہے کہ کھانا ہی کھا لیا جائے اور ویسے بھی اب کامل کو بھوک کا احساس شدت سے محسوس ہُو رہا تھا۔ کہ اچانک سفینہ کی آواز سُنائی دِی۔ وہ امّاں سے گُزشتہ دِنوں چوروں کے گھر میں گھس آنے کی بابت دریافت کر رہی تھی۔

امّاں نے بات کو ٹالنا چاہا۔ مگر شائد وہ مکمل معلومات حاصِل کر کے ہی آئی تھی۔ اُسے تُو یہ بھی معلوم تھا کہ وہ چُور کُون تھے اور امّاں کو کئی دِن سے پریشان کر رہے تھے۔ بلاآخر امّاں نے مُختصر ہی سہی لیکن تمام کہانی سفینہ کو سُناتے ہی بنی۔ سفینہ نے تمام واقعات سُننے کے بعد امّاں سے کہا،، بہن بُرا مت ماننا مگر سچ کہتی ہُوں۔ کہ ہمارے مُعاشرے میں لوگ تنہا عورت بالخصوص بیوہ کو لُوٹ کا مال سمجھتے ہیں۔ وہ زمانہ نہیں رہا جب

لوگ دوسروں کی بہن بیٹیوں کو بھی اپنی بچیوں کی طرح عزت دِیا کرتے تھے۔ اور بہن نہ ہی اِس دھوکے میں رِہنا۔ کہ لوگ ہمیشہ ہی بَروقت تُمھاری امداد کو پہنچتے رہیں اگے۔۔۔!

پھر کیا کروں۔۔۔۔؟ کیا اِس معاشرے سے ڈر کر اپنے بچے سمیت دریا میں کُود جاؤں،، یا کِسی رِیل گاڑی کے سامنے جا کر خُود کُشی کرلوں۔۔۔! امّاں نے آبدیدہ ہُوکر سوال کیا۔

میرا کہنے کا یہ مطلب تُو نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ مسئلے کا حَل ہے۔ اور خود کشی نہ صرف حرام عمل ہے۔ بلکہ یہ تُو بُزدل لوگوں کا طریقہ ہے۔ کہ ہمیشہ آسانی کی زندگی جینا چاہتے ہیں اور جب مشکل پیش آتی ہے تب موت کو مُنہ لگا لیتے ہیں۔ تُم دُوسرا نِکاح کیوں نہیں کرلیتیں۔ کیونکہ یہی شریعت کا حُکم بھی ہے اور ہمارے پیارے نبی ﷺ نے بھی تُو کئی بیواؤں سے نِکاح فرما کر اپنی اُمت کو بتایا ہے کہ بیوہ کو بھی اپنے خاوند کے انتقال کے بعد ویسے ہی جینے کا حق ہے۔ جیسا کہ ایک باکرہ کنواری لڑکی کو جینے کا حق حاصِل ہے۔ سفینہ نے اماں کو دِلاسہ دیتے ہُوئے کہا۔

مگر میں اپنے بچے پر کِسی سوتیلے باپ کا سایہ نہیں ڈالنا چاہتی۔ میری زندگی

کا مقصد بھی اب بس یہی ہے کہ اپنے کامل کو کامیاب انسان بناؤں ۔اسکے لئے میں ہر ایک ظالم سے ٹکرا بھی سکتی ہُوں۔اور اِسکے حق کا تحفظ بھی بخوبی کر سکتی ہُوں۔ لیکن کوئی میرے بچے کو اپنی ٹھوکروں میں رکھے میں ایک لمحے کیلیئے بھی اِسے.برداشت نہیں کرپاؤنگی۔ امّاں جذباتی لہجے میں بُولے چلی جارہی تھیں۔

بہن یہ سوتیلے ،سگے، کافرق وہی رکھتے ہیں جو جاہل ہُوتے ہیں۔ ورنہ اسلام تُو دوسرے مذاہب کا بھی جب احترام سِکھاتا ہے۔ تب کیسے ممکن ہے کہ ایک مسلمان کے حقوق اُس سے سِوا نہ ہُونگے۔ اور کیا بیوی سے قرابت کے سبب بیوی کے دوسرے شوھر کے بچوں کے حقوق اسلام نے نہیں رکھے ہُونگے۔۔۔؟ میں یہ کب کہتی ہُوں کہ تُم کسی بھی ایرے غیرے کیساتھ ہمیشہ کیلیئے جانور کی طرح بندھ جاؤ۔ مگر کیا اِس پُوری دُنیا میں ایک بھی ایسا شخص تمھیں نظر نہیں آتا جو اپنی دینی ذُمہ داریوں سے آگاہ ہُو۔جو صاحب اولاد بھی ہُو اور دوسروں کی اولاد کا درد بھی محسوس کرسکتا ہُو۔۔۔۔؟

کم از کم میں تُو ایسے کِسی انسان کو نہیں جانتی۔جس پر اپنی اولاد کیلیئے اعتماد کرسکوں۔ امّاں نے اپنی جان چھڑاتے ہُوئے لاعلمی کا اِظہار کرتے ہوئے کہا۔

کیوں ہمارے بھائی صاحب تُمھیں نظر نہیں آتے۔۔۔؟ کیا اِس علاقے کے تمام ہی لوگ اُنکی شرافت کے گُن نہیں گاتے۔۔۔؟ کیا اُنکی انسان دوستی کے تذکرے مِثال دِے دیکر تمام شہر میں بیاں نہیں کئے جاتے۔۔۔ سفینہ کے سوالوں نے اَمّاں کو لاجواب کردِیا تھا۔ مگر وہ خاموشی سے اُٹھ کر کامل کیلیئے کھانا نِکالنے رسوئی گھر میں چلی آئی تھیں۔

اَمّاں جانتی تھیں کہ مولوی صاحب واقعتاً نہایت نفیس النفس اور علم پرور انسان تھے۔ لیکن اُنہوں نے مولوی صاحب کی بیوی کے انتقال کے بعد کبھی اسطرح سے مولوی صاحب کیلیئے نہیں سُوچا تھا۔ اور وہ کامل کی وجہ سے کوئی رِسک اُٹھانا ہی نہیں چاہتی تھیں لیکن اُنکی قائم کی ہُوئی خیالات کی مصنوعی فلک بُوس دیوار میں شائد نقب لگ چُکی تھی۔ اور جو کام چاچا ارشد اور اُنکی بیوی نہ کر سکی وہ سفینہ کی ایک ہی مُلاقات کر گئی تھی۔ سفینہ کو واقعی گفتگو کرنے کا ہُنر آتا تھا۔ وہ اپنے بھائی کا مقدمہ اَمّاں کی عدالت میں بخُوبی پیش کر نے میں کِسی حدتک کامیاب ہُوچکی تھی۔

شام کو کامل نے اَمّاں سے پھر وہی سوال کیا تھا،، کہ اَمّاں تم مولوی صاحب سے شادی کررہی ہُو۔۔۔؟ لیکن آج نہ تُو کامل کے لہجے میں کوئی خُوف تھا اور

نہ ہی امّاں کے لہجے میں پہلے والی شِدّت تھی۔ شائد دونوں ہی وقت اور حالات دیکھ کر اپنی اپنی رائے پر وقت کی ضرورت کو ترجیح دینے لگے تھے۔

مولوی صاحب کی دوسری بہن زُلیخا تو دوسرے دِن ہی سیالکوٹ کیلئے روانہ ہُو گئ تھی لیکن سفینہ روزانہ ہی کسی نہ کسی بہانے کامل کے گھر آنے لگی تھی کبھی کبھار تُو سفینہ کے ساتھ اُسکی بھتیجی جِلباب بھی آجاتی۔ اور یُوں دھیرے دھیرے سفینہ اپنی لگن اور اخلاص سے ایک دِن امّاں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہُو ہی گئ کہ اُسے اِس ظالم سماج سے لڑنے کیلئے ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہے۔

کہتے ہیں کہ قطرہ قطرہ بھی اگر کسی چٹان پر گرے تُو اپنا راستہ بنا ہی لیتا ہے۔ اور یہی شائد امّاں کیساتھ بھی ہُوا تھا۔ تبھی تُو وہ ایک دِن سادگی سے مولوی صاحب کے نِکاح میں چلی گئیں۔ کامل بھی رفتہ رفتہ اِس شادی کیلئے رضامند ہُوگیا تھا۔ اُسے ویسے بھی مولوی صاحب کی شخصیت بُہت بھلی لگتی تھی بس ایک بات تھی جو کامل کو پریشان کئے دے رہی تھی کہ اماں کے مولوی صاحب سے نِکاح کے بعد وہ اُنہیں کسطرح پُکارے گا۔ یہ مشکل بھی شادی کے دوسرے دِن مولوی صاحب نے کامل کو اپنے سامنے بِٹھا کر حل کرتے ہوئے کہا کہ آج سے تُم جلباب کے چھوٹے بھائی ہُو اور مجھے چاچا ہو تو چاچا کہہ کر

پُکارو اور چاہو تو بابا کہہ کر مُخاطب کر لینا۔ اور جلباب تُم بھی کامِل سے بالکل ایسے ہی پیش آنا کہ جیسے کوئی شفیق بہن اپنے چُھوٹے بھائی کیساتھ پیش آتی ہے۔ دیکھو اِنسان کو پھر بھی دُھوکہ دِیا جاسکتا ہے۔ لیکن کوئی بھی اپنے رَبّ کو دُھوکہ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ وہ صرف سمیع و بصیر ہی نہیں بلکہ دِل میں چُھپے ہر راز کو بھی خُوب جانتا ہے۔

امّاں کی شادی کے بعد کامِل کو ایسا محسوس ہونے لگا تھا۔ گُویا جیسے اَبا بھی واپس آ گئے ہُوں۔ اب نہ امّاں سارا دِن کپڑے سیتے گُزارتیں اور نہ ہی کامل کو چھوٹے موٹے کھلونوں کیلئے ترسنا پڑتا۔ صبح اسکول جاتے ہُوئے جتنا جیب خرچ اماں دیا کرتی تھیں اُس میں بھی اب مولوی صاحب نے تین گُنا اِضافہ کرِدیا تھا۔ اسکے علاوہ کامل کا پرائیویٹ اسکول میں پڑھنے کا دیرینہ خواب بھی شرمندہ تعبیر ہُوچُکا تھا۔ مولوی صاحب ایم اے اسلامیات تھے۔ اور سُونے پر سہاگہ یہ کہ عربی، فارسی، کیساتھ ساتھ انگلش زُبان پر بھی کافی مضبوط گرفت رکھتے تھے۔ وہ انتہائی خُوبرو شخصیت کے مالک ہُونے کیساتھ نہایت خُوش اِخلاق، اور مرنجان مرنج طبیعت کے انسان تھے۔ امّاں سے شادی کے فوراً بعد ہی مولوی صاحب نے اپنے مکان کی بیٹھک میں ایک کوچنگ سینٹر بھی کھول لیا تھا۔ مولوی صاحب کے اِخلاق اور اُنکی قابلیت کا تمام علاقہ ہی معترف تھا۔ شائدِ اِسی وجہ سے بُہت جلد کوچنگ سینٹر میں تِل دھرنے کو بھی

جگہ باقی نہ رہی تھی۔ کوچنگ سینٹر کی کامیابی کے باعث مولوی صاحب کو اضافی آمدنی ہونے لگی تھی۔ اور گھر کے حالات بھی مزید بہتر ہونے لگے تھے۔

مولوی صاحب اور جلباب کی اپنائیت سے کامل کو کبھی یہ احساس ہی نہ ہو سکا۔ کہ مولوی صاحب کامل کے سوتیلے ابا اور جلباب اُسکی سوتیلی بہن ہے۔ اُسکی ہر جائز خواہش کو مولوی صاحب دوسرے تیسرے دن ہی پورا کر دیتے تھے۔ اب وہ امّاں سے نہیں بلکہ مولوی صاحب سے پڑھ رہا تھا۔ کلاس ختم ہونے کے باوجود مولوی صاحب اضافی آدھا گھنٹہ کامل کو دینے لگے تھے۔ جسکی وجہ سے وہ ریاضی ہو یا انگلش، اسلامیات ہو کہ چاہے اُردو۔ مولوی صاحب کے دلنشین انداز تکلم اور سمجھانے کے باعث ہر مضمون پر کامل اپنی گرفت مضبوط سے مضبوط تر کرتا چلا جا رہا تھا۔

جن دنوں کامل میٹرک کے اِمتحانات کی تیاری کر رہا تھا۔ ایک دِن سفینہ پُھپّھو اچانک جہلم سے آ گئیں۔ اور رات کو جب سبھی ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ سفینہ پُھپّھو نے مولوی صاحب سے جلباب کو اپنے بیٹے کیلئے مانگ لیا۔ وہ اس برس حج پر جانے کا ارادہ رکھتی تھیں اس لئے جلد از جلد جلباب کو بہو بنا کر اپنے گھر لیجانا چاہتی تھیں۔ سفینہ پُھپّھو کی بات سُن کر کامل نے مُسکرا کر اپنی بہن جلباب کی جانب دیکھا۔ وہ شرما کر کھانے سے اُٹھ گئی۔

حالانکہ ابھی جلباب نے میٹرک پاس کیا تھا اور بمشکل عمر کے سولھویں یا سترھویں برس میں داخل ہُوئی تھی۔ لیکن جب وہ امّاں کیساتھ کھڑی ہُوجاتی تب دونوں ماں بیٹی سے زیادہ چھوٹی بڑی بہنیں ہی نظر آتی تھیں۔ مولوی صاحب تُو گُویا جیسے سفینہ پُھپُھو کے منتظر بیٹھے تھے۔ صرف ایک ماہ بعد ہی سفینہ پُھپُھو مختصر سی ایک بارات کیساتھ پھر سے آئیں ۔اور انتہائی سادگی سے جلباب کو بیاہ کر اپنے ساتھ لے گئیں ۔اُس دِن وِداع کے وقت امّاں کی آنکھیں اِس شدت سے برسیں کہ گُویا پہلی اور آخری مرتبہ برس رہی ہُوں۔

وقت پر لگا کر اُڑتا چلا جارہا تھا۔بُورڈ کے امتحانات میں کامل نےپُورے ڈویژن میں فرسٹ پوزیشن حاصل کی تھی۔ اور جب وہ اپنی مارک شیٹ امّاں کو دِکھاتے ہُوئے امّاں سے لپٹ رَہا تھا۔ تب اُسے ایک بات شدت سے محسوس ہُورہی تھی۔ کہ امّاں کے سراپے میں بُہت جلدی جلدی تبدیلی واقع ہُوتی جارہی ہے۔ اب وہ نادان کامل نہیں تھا کہ اتنا بھی نہیں سمجھ پاتا کہ اُنکے گھر نیا مہمان آنے والا ہے۔

پھر وہ وقت بھی آن پُہنچا جب امّاں کو مولوی صاحب میٹرنٹی ہُوم لیکر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ مولوی صاحب نے سفینہ پُھپُھو اور جِلباب کو چند دِنوں کیلئے گھر سنبھالنے کیلئے بُلوا لیا تھا۔ کامِل کو چند دِنوں سے امّاں سے

عجیب سی شرم و جھجک محسوس ہُونے لگی تھی۔ اسلئے جب امّاں اسپتال جانے کیلئے کمرے سے نِکل رہی تھیں۔ تب کامل خاموشی سے مولوی صاحب کے چھوٹے سے کتب خانے میں جا گھسَا۔

تمام کمرہ شیلفوں اور الماریوں میں موجود کتب سے بھرا پڑا تھا۔ سامنے ٹیبل پر ایک کتاب رکھی نظر آ رہی تھی۔ جس میں کُچھ عجیب و غریب سے نقوش بنے ہُوئے تھے۔ حالانکہ ایسا بالکل نہیں تھا۔ کہ وہ پہلی مرتبہ مولوی صاحب کے کُتب خانے میں آیا ہُو اور کسی کتاب کو پہلی مرتبہ پڑھ رہاہُو۔ لیکن یہ کتاب کُچھ عجیب ہی انداز میں لکھی ہُوئی تھی۔ کامل کی نِگاہ اپنی پسندیدہ کتاب کی تلاش میں تمام کمرے کا طواف کرنے لگی تب ہی اُسے ایک شیلف میں انوارُ العلوم (مثنوی مولانا رُوم) نظر آ گئی۔

مثنوی مولانا رُوم کو وہ کئی مرتبہ پڑھ کر ازبر کرچُکا تھا۔ اِسے پڑھنے کی وجہ سے ہی اُسے تفاسیر پڑھنے کا شوق پیدا ہُوا تھا۔ مولوی صاحب کی لائبریری میں تفسیر ابن کثیر، تفسیر ابن عباس ، تفسیر قرطبیّ، تفسیر نعیمی، اور نہ جانے کتنی ہی تفسیریں موجود تھیں۔ وہ آجکل فجر کی نماز کے بعد تفسیر ابن کثشرت مولوی صاحب سے پڑھ رَہا تھا۔

کامل نے آگے بڑھ کر مثنوی مولانا رُوم کو عقیدت سے اپنی آنکھوں سے لگایا اور اُسکے مطالعہ میں گم ہوگیا۔ کتاب پڑھتے پڑھتے نہ جانے کب کامل کی آنکھ لگ گئی۔ آج اُسکے خوابوں میں نہ پریاں تھیں۔ اور نہ ہی نرگس اُسے کہیں نظر آئی۔ پھر منظر تبدیل ہوا۔ اور اُسے ایک مُہیب جنگل نظر آنے لگا۔ وہ جنگل میں داخل ہوا ہی تھا کہ اُسے ہر طرف سے رُونے اور سِسکنے کی صدائیں سُنائی دینے لگیں۔ اُس نے گھبرا کر جونہی آنکھیں کھولیں۔ جلباب اُسکے قدموں کو تھامے اُسے جگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جلباب کی آنکھوں میں آج پہلی مرتبہ کامل نے آنسو دِیکھے تھے۔ اُسکی سسکیاں ماحول کو عجیب وحشتناک بنائے دے رہیں تھی۔ کامل ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ وہ جِلباب سے رُونے کی وجہ معلوم ہی کرنا چاہ رہا تھا۔ کہ اُسے آنگن سے بھی سفینہ پُھپُھو کے بین کی صدائیں بُلند ہوتی سُنائی دینے لگیں۔

(جاری ہے)

پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا
اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

میں بھی طالبان ہُوں مگر۔۔۔۔؟

کل میری بیٹی جُونہی اسکول سے واپس گھر آئی۔بَستہ رکھتے ہی میرے پاس آ بیٹھی۔ حالانکہ وہ شدید گرمی کی وجہ سے پسینے میں شرابُور تھی۔لیکن اُسکی بے چینی دیکھ کر ہی میں سمجھ گیا کہ وہ اپنے ذہن میں کوئی اُلجھا ہُوا سوال لئے ہُوئے بُہت مضطرب ہے۔ وَگرنہ اسکول سے وَاپسی پر وہ ہمیشہ اپنا ڈریس تبدیل کرنے کے بعد سب سے پہلے کھانے کی صدا ہی بُلند کرتی ہے۔

میں نے اُسکی بے چینی دیکھتے ہُوئے استفسار کیا۔۔۔ بیٹا خیریت تُو ہے آج آپ کھانا اسکول کینٹین سے تُو نہیں کھا آئیں۔۔۔۔۔؟

وہ کہنے لگی ۔۔۔ نہیں بابا ایسی تُو کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ بس بابا جانی کُچھ جاننا چاہتی ہُوں۔۔۔ آپ مجھے جہاد سے متعلق کُچھ بتائیں ۔۔۔؟ اور یہ بھی کہ شہید کُون ہُوتے ہیں۔۔۔۔؟

میں نے اُسے کہا کہ بیٹا پہلے لباس تبدیل کرلو۔ پھر کھانا کھالو۔اُسکے بعد میں تفصیل سے تُمھارے سوال کا جواب دے دیتا ہُوں۔۔۔!

لیکن وہ شائد اپنے سوالوں کے جواب کیلئے اتنی زیادہ متجسس تھی۔ کہ کہنے لگی نہیں بابا جانی پہلے آپ میرے سوالوں کا جواب دے دیں۔ اُسکے بعد میں کھانا کھالونگی۔ کیونکہ جب تک مجھے میرے سوالوں کا جواب نہیں ملے گا میں بے چین ہی رَہوں گی۔۔۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہی ہر نئی بات پر متجسس ہوجاتی ہے۔ اور جب تک اُسے اپنے سوال کا جواب نہ مِل جائے وہ چین سے نہیں بیٹھتی ہے۔ لہٰذا میں نے ہمیشہ کی طرح ہار مانتے ہُوئے اُسکے سوالوں کا جواب پہلے دینے کیلئے حامی بھر لی۔ اور اُسکے سوالوں کا جواب دیتے ہُوئے اُسے بتانے لگا۔

بیٹا جہاد کا حُکم قران مجید فرقانِ حمید میں کئی جگہوں پر آیا ہے۔ جہاد کے معنی جد وجہد اور کوشش کے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کو آسان لفظوں میں اسطرح کہہ سکتے ہیں۔ کہ اللہ کریم کی راہ میں کوشش کرنا۔

میں نے ابھی گفتگو شروع ہی کی تھی۔ کہ میری بچّی درمیان میں بُول پڑی۔۔ بابا کوشش کرنا۔۔ یا۔۔ اللہ کریم کی راہ میں گردن کَٹوانا،، کیونکہ ہماری ٹیچر نے ہمیں بتایا تھا کہ اللہ کریم کی راہ میں جان دینے کو جہاد کہتے ہیں۔۔۔؟

ہاں بیٹا اللہ کریم کی راہ میں لڑتے ہُوئے اپنی جان قربان کرنا جہاد ہے۔ لیکن تُم اگر میری بات کو تسلی سے سُنو گی تو میں تمھیں جہاد سے متعلق تفصیل سے بتا سکوں گا۔

جی بابا جان آپ بتایئے اب میں بِلا ضرورت نہیں بُولو نگی۔ اُس نے اپنی کہنیوں کے پیالے میں اپنے چہرے کو سجاتے ہُوئے کہا۔۔۔

دیکھو بیٹا جہاد کی کئی اِقسام عُلماءِ کرام نے بیان کی ہیں اور اِن اقسام پر سبھی عُلماء کا اجماع بھی ہے۔ کیونکہ یہ سبھی اقسام قرآن وسنت کی روشنی کے عین مطابق ہیں۔ اور جہاد کا مُنکر بلا تفاق،، کافر،، ہے۔ البتہ جہاد کے طریقہ کار پر ایک گروہ کا دوسرے گروہ سے اُصولی اختلاف ممکن ہے۔

جہاد کی یہ پانچ اقسام بُہت مشہور ہیں نمبر1۔ جہاد بالعِلم ۔ نمبر2۔ جہاد بالمال۔ نمبر3 ۔جہاد بالعمل۔ نمبر4۔ جہاد بالنفس۔ نمبر5۔ جہاد بالقتال۔

بیٹا، جہاد علم،، کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کریم اور اُسکے مدنی محبوب ﷺ کے احکامات کو سیکھ کر دُنیائے انسانیت تک اُنکی روشنی کو پہنچانا۔ تاکہ ظُلمت کو دین کی روشنی سے منور کیا جاسکے۔ تاکہ تیرگی چھٹ جائے اور لوگوں کو

صحیح اور غلط میں تمیز کرنے میں آسانی ہو جائے۔ کوشش کرنا انسان کا کام ہے جبکہ ہدایت دینا اللہ کریم کا کام ہے۔ اور قران مجید میں بھی اِسکا واضح حکم موجود ہے مفہوم،، تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو نیکی کا حکم کرے اور بُرائی سے رُوکے۔

جبکہ مال سے جہاد کے معنیٰ ہیں کہ اپنی حلال ذرائع سے حاصِل کی گئی دولت کو اللہ کریم کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اب چاہے وہ رقم مجاھدینِ اسلام کو دِی جائے یا کِسی نادار و بیوہ کو دی جائے۔ چاہے مدارِس میں پُہنچادی جائے۔ یا کِسی فلاحی کام میں خرچ کردی جائے۔ کیونکہ مال محنت سے کمایا اور جمع کیا جاتا ہے اسلئے اسکا استعمال بھی انسان کے نفس پر گراں گُزرتا ہے لِہذا جب اتنی کوشش کے بعد کمایا ہُوا مال انسان راہِ خدا میں خرچ کرتا ہے تب شیطان طرح طرح کے وسوسے انسان کے دِل میں پیدا کرتا ہے۔ اور شیطان و نفس سے لڑتے ہُوئے جب انسان خُوشدلی سے راہِ خُدا میں مال خرچ کردیتا ہے۔ تُو یہ بھی جہاد کے زِمرے میں آتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کریم اپنے کلامِ پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔ایمان رکھو اللہ اور اس کے رسول پر اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔۔۔ سورہ اَلصّف آیت نمبر ۱۱۔

اور بِٹیا جہادِ عمل کے متعلق بھی سُنو: جب بحیثیت مسلمان ہم نے اپنی دینی اور دُنیاوی ضروریات کے مُطابق اسلام کی تعلیمات کو یکھ اور سمجھ لیا تب ہم پر لازم ہے کہ صِرف گُفتار کے غازی نہ بنیں۔ بلکہ جو علم حاصِل کیا ہے اُس پر عمل بھی کریں۔ چاہے شیطن لاکھ حیلے سمجھائے ۔چاہے اُن پر عمل سے دُنیاوی فائدہ ہمارے ہاتھ آئے یا دُنیاوی نقصان ہمارا مُقدر رہنے ۔ یا ہمیں اس پر عمل کی کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔ لیکن رضائے رَبُّ الانام کی خاطر ہمیں اس پر عمل پیرا ہونا ہی چاہیئے اور یہی عملی جہاد ہے۔ جبکہ جہاد بالنفس اپنی خُواہشات کو اللہ کی مرضی پر قربان کردینے کا نام ہے۔ جیسے سردیوں کی صبح میں فجر کی نماز نفس پر بھاری ہُوتی ہے۔ مگر یہی عمل اللہ کو محبوب ہے۔ تب یہ نہ دیکھو کہ اِس عمل میں مشقت ہے بلکہ یہ دِیکھو کہ اللہ کریم کی چاہت کیا ہے۔ جسطرح جُھلسا دینے والی گرمی میں روزہ رکھنا نفس پر گِراں گُزرتا ہے مگر اللہ کریم اس عمل پر اپنی خوشی کا اِظہار فرشتوں کے سامنے فرماتا ہے۔ اور کبھی جب کوئی سائل اپنی ضرورت بیان کرتا ہے تو نفس سمجھاتا ہے کہ تجھے اسکی ذیادہ ضرورت ہے۔ لیکن اگر سائل کی ضرورت پوری کردی جائے تو خُدا خُوش ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ عمل جو نفس پر شاق گُزرے لیکن وہی عمل خُدا کی خوشنودی کا باعث ہُو۔ تب خُدا ورَسول ﷺ کی رضا کو مقدم رکھنا جہادِ نفس ہے۔

اور بیٹا ایک جہادِ قتال ہُوتا ہے یعنی کافر سے اللہ کریم کی رضا کیلئے قتال یعنی لڑائی کرنا۔
اسکا بھی قران مجید میں کئ جگھوں پر حکم موجود ہے اور اسکی بھی بڑی نرالی شان ہے
چُنانچہ قران مجید میں ارشاد ہُوتا ہے کہ،، اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ
سنتا جانتا ہے، سورہ البقرۃ آیت ۲۴۴۔۔۔ جبکہ دوسری جگہ اِرشاد ہُوتا ہے کہ،،اور جو
خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کھو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمھیں خبر نہیں
۔سورہ البقرۃ ۱۵۴

یعنی جو جہاد میں، اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ شہید کہلاتا ہے اور قران کریم کا فیصلہ ہے
کہ،، شہید مرتا نہیں بلکہ زندہ رِہتا ہے۔ لیکن یہ بات اور ہے کہ۔ ہم اُنکی زندگی کے
اطوار کو نہیں جان پاتے۔ اور وہ کیسے کھاتے پیتے ہیں یہ نہیں سمجھ پاتے ۔مگر وہ زندہ
ہیں۔ کیونکہ یہ اللہ کریم کا فرمان ہے۔ اور جہاد کے فضائل میں بے شُمار اَحادیثِ
مبارکہ بھی کُتب اَحادیث میں موجود ہیں۔ جیسا کہ بُخاری شریف کی یہ حدیث ہے۔
ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس آیا، اس نے کہا۔لوگوں میں سے افضل کون ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: "ایسا آدمی جو اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد

کرتا ہے۔" اس نے کہا: "پھر کون؟آپ صل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ آدمی جو لوگوں سے الگ ہو کر کسی گھاٹی میں اللہ کی عبادت کرے اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں۔" بخاری، کتاب الجہاد۔6782

لیکن میری بچّی ۔۔اِس جہاد مقاتل کیلئے کُچھ قانون ہیں۔ کبھی یہ فرضِ کفایہ ہُوتا ہے۔ تو کبھی یہ فرضِ عین ہُوتا ہے۔اور کبھی مُباح کی صورت اختیار کرجاتا ہے۔ اور اسکے بے شُمار آداب واحکامات اور اُصولِ خود اللہ عزوجل اور اُسکے مدنی محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بیان فرمائے ہیں جبکہ کُچھ آثارِ صحابہ (رِضوان اللہ علیہم اجمعین) سے ثابت ہیں ۔جِنکا پاس رکھنا ہر مُجاھِدِ اسلام اور امیرِ مجاھِدین و لشکر پر لازم وفرض ہے۔اگراِن قواعد اور احکامات کو پسِ پشت ڈال کر جہاد کیا جائے۔ تو ایسی لڑائی نہ صِرف جہاد کی رُوح کی عین منافی تصور کی جائے گی۔ بلکہ جہاد کے بجائے دہشت گردی کے زمرے میں شامل ہُوجائے گی۔

بابا ایک بات اور بتائیں کہ یہ طالِبان کون ہُوتے ہیں۔۔۔؟ میری ٹیچر مجھے بتارہی تھیں کہ طالِبان اللہ تعالٰی کے نیک ترین بندے ہُوتے ہیں۔ بلکہ یہ سب وِلایت کے درجے پر ہیں۔ پھر بابا جان آپ طالبان کیساتھ جِہاد میں شامِل کیوں نہیں ہُوتے۔۔۔۔؟

میری بچّی طالبان ۔ طالِب کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں ۔۔ خواہشمند۔ آرزومند۔ مانگنے والا۔ طلب کرنے والا۔ مشتاق ۔ ان تمام معنوں سے تم مجھے دیکھو گی۔ تُو ضرور مجھے طالبان کی صف میں دست بَدستہ پاؤ گی۔ میں شہادت کیلئے مشتاق ہُوں ۔ اور ہر نماز میں اپنے رب عزوجل سے شہادت کی موت کی تمنا کا سوال کرتا ہُوں۔ میں روشنی کا خُواہشمند ہُوں۔ میں عِلم کے لئے حَریص ہُوں۔ میں مسلمانوں کی ترقی کا آرزومند ہُوں۔ میں عافیت کا طلبگار ہُوں۔ اور کُفار کے مقابل میں مسلمانوں کو تفرقہ پرستی سے بیزار شانہ بشانہ کھڑا دیکھنا چاہتا ہُوں۔

مگر بابا میں تو آپ سے اُن طالبان کی بابت گُفتگو کررہی ہُوں۔ جو موت سے نہیں گھبراتے، جو سینے پر بم باندھ کر شہادت کی موت کے متمنی رِہتے ہیں۔ میری بیٹی نے میری گُفتگو رُوکتے ہُوئے مجھے اپنی طرف ایک مرتبہ پھر متوجہ کرتے ہُوئے سوال کیا۔

میری بچی مجھے اُنکے ساتھ جہاد میں پیش پیش رہنے میں کوئی حرج نہیں ہُوتا۔ اگر میں نے احادیث مبارکہ اور آثارِ صحابہ (رِضوان اللہ تعالیٰ اجمعین) کا

بغور مطالعہ نہیں کیا ہُوتا۔

مگر میں جتنا مُطالعہ کرتا چلا جاتا ہُوں مجھے طالبان کا طریق جہاد نہ صرِف صحابہ کرام رِضوان اللہ تعالی اجمعین) کے طریقہءِ جہاد سے مُختلف نظر آتا ہے بلکہ اُس جہاد سے) متصادم نظر آتا ہے۔

جیسا کہ بُخاری شریف اور مسلم شریف کی کئی احادیث میں کافر بچوں، بُوڑھوں اور خواتین کو قصداً قتل کرنے کی ممانعت موجود ہے مگر یہ کافر بچوں اور خواتین تو کُجا۔ اسکولوں میں دَرس وتدریس میں مشغول مسلمان بچوں، بچیوں اور خواتین کو قتل سے دریغ نہیں کرتے ۔جبکہ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ ارشاد فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص لا الہ الا اللہ کا اقرار کرے اس سے ہاتھ اور زبان کو روکنا۔ کہ ہم نہ تو کسی گناہ کی وجہ سے اسے کافر قرار دیں اور نہ کسی عمل کی وجہ سے اسے اسلام سے خارج سمجھیں۔۔ (ابوداؤد)۔

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجاہدین کو فرمان دیا کرتے تھے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو خیانت نہ کرو، بدعہدی سے بچو

ناک کان وغیرہ اعضاء نہ کاٹو، بچوں کو اور زاہد لوگوں کو جو عبادت خانوں میں پڑے رہتے ہیں قتل نہ کرو۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے اللہ کا نام لے کر نکلو اللہ کی راہ میں جہاد کرو کفار سے لڑو ظلم وزیادتی نہ کرو دُھوکہ بازی نہ کرو۔ دشمن کے اعضاء بدن نہ کاٹو درویشوں کو قتل نہ کرو،

بخاری ومسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک عورت قتل کی ہوئی پائی گئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بہت بُرا مانا اور عورتوں اور بچوں کے قتل کو منع فرمادیا،

اگرچہ ابتداءِ اسلام میں اسکی اِجازت باقی تھی لیکن جُوں جُوں وقت گُزرتا گیا یہ احکام بھی تبدیل ہُوتے رہے چُنانچہ حضرت علامہ کمال الدین ابن ہمام فتح القدیر کی جلد پنجم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں مشرک

عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کردیا جاتا تھا۔ اِس لئے عورتوں سے بھی جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ اور جب عورتوں کے قتل کا حکم منسوخ ہوگیا تو جزیہ لینے کا حکم بھی ساقط ہُوگیا۔ جبکہ موجودہ دُور کے طالبان نہ صرف کافروں کے بچوں اور عورتوں کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ وہ اپنے مقصد کے حصول کیلئے مسلمانوں کی مساجد اور مزارات پر حملوں کے ذریعہ بے گُناہ مسلمانوں کو بھی خُون سے نہلانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ حالانکہ مومن کی تُو پہچان ہی یہی ہے کہ اُس سے دیگر مسلمان محفوظ و مامون رہیں۔

کہاں تو آقائے نامدار (صلی اللہ علیہ وسلم) کافروں کا مثلہ یعنی کان ناک کاٹنے سے روکیں اور کہاں یہ نام نہاد مجاھدین جنھوں نے کافروں کو چھوڑ کر مسلمانوں کی لاشوں کو قبروں سے نِکال کر نہ صِرف مُثلہ کیا بلکہ اُنکی لاشوں کی بے حُرمتی کے بعد اُن لاشوں کو چوراہے پر لٹکادِیا۔ تاکہ مسلمانوں میں انکا خُوف اور دبدبہ قائم ہُوجائے۔ میرے ایک میجر دوست جنگی ڈیوٹی وزیرستان میں تھی۔ مجھے اکثر بتایا کرتے تھے۔ کہ افواج پاکستان کے سپاھی جب طالبان کے ہاتھ لگ جاتے تب کبھی کوئی ایسی لاش واپس نہیں ملتی۔ کہ جسکے

اعضاء سلامت ہُوں۔

جبکہ ایسے اعمال میں ملوث افراد اور انکی امداد کرنے والے صاحبان کو بُخاری ، مسلم ، اور ابو داؤد شریف میں موجود اس مشترکہ حدیث پاک کو دیکھنا چاہیئے جو لفظوں کے معمولی فرق کیساتھ تین مستند محدثین (رحم اللہ اجمعین) نے بیان فرمائی ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور سید عالم ﷺ کی خدمت میں کچھ خام سونا مٹی میں لگا ہوا بھیجا تو آپ ﷺ نے وہ چار آدمیوں میں تقسیم فرمادیا (یعنی اقرع بن حابس حنظلی مجاشعی، عینیہ بن بدر الغزاری، زید الخیل طائی اور علقمہ بن علاثہ عامری کے درمیان) قریش اور انصار اس پر ناراض ہوئے اور کہاکہ نجد کے رئیسوں کو مال عطا فرمادیا اور ہمیں نظر انداز کردیا گیا۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں ان کے دلوں میں اسلام کی محبت ڈالتا ہوں۔ پس ایک آدمی آگے بڑھا جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں، گال پھولے ہوئے تھے،پیشانی ابھری ہوئی تھی اور داڑھی گھنی تھی اور سر مُنڈا ہُوا تھا۔ اس نے کہا اے محمد ﷺ ! اللہ تعالٰی سے ڈرو۔ (معاذ اللہ) آپ ﷺ نے فرمایا ! اللہ تعالٰی کی اطاعت کون کرے گا؟ اگر میں اس کی نافرمانی کرتا ہوں۔ اللہ تعالٰی نے تو مجھے زمین والوں پر امانت دار شمار فرمایا ہے، لیکن کیا تم مجھے امانتدار نہیں سمجھتے ؟ پس ایک

آدمی نے اسے قتل کرنے کا سوال کیا۔ میرے خیال میں وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے، آپ ﷺ نے منع فرمایا جب وہ لوٹ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کی نسل یا پیٹھ سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن مجید پڑھیں گے لیکن (قرآن) ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ اسلام سے نکلتے ہوئے ہونگے جیسے کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیا کریں گے۔ اگر میں انہیں پاؤں تو قوم عاد کی طرح مٹا کر رکھ دوں۔

پھر جہاد کے اُصول و قواعد کو کوئی بھی حضرت ابوبکر صدیق و عُمرِ فاروق، حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور حضرت خالد بن ولید (رِضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین) سے زیادہ جاننے کا دعویدار نہیں ہُوسکتا اور بالفرض کوئی دعویٰ کرے تو اُس سے بڑا دُنیا میں کوئی جھوٹا نہ ہُوگا۔ اِن تمام جّید و کبائر صحابہ کرام نے فتوحُ الشام کے موقع پر اپنے متبعین کو یہی ہدایت جاری فرمائی کہ۔ کافروں کے بچوں، عورتوں، بُوڑھوں، درویشوں، مذہبی رہنماؤں کو قتل نہ کیا جائے اُنکی املاک کو جان بوجھ کر نشانہ نہ بنایا جائے، فصلوں میں آگ نہ لگائی جائے، ہرے درختوں کو نہ کاٹا جائے۔ مگر ایک یہ طالبان ہیں جو مسلمان عورتوں کو سر بازار کوڑے مارتے نظر آتے ہیں۔ مسلمانوں کی جان اور املاک کی ہلاکت پر خُوش ہُوتے ہیں۔ اسلحہ کی خریداری کیلئے مسلمان تاجروں

کو اغوا کرتے نظر آتے ہیں۔ اور بعض اوقات اپنی ناقص پلاننگ سے تمام اُمت مسلمہ کو ہلاکت میں ڈالنے سے بھی نہیں چُوکتے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے قتل میں ملوث یہ نام نہاد مجاھدین ہندوستان گورنمنٹ سے امداد لینے کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔

بابا یہ کیسے ممکن ہے کہ طالبان جو اتنے منظم ہیں وہ پلاننگ نہ کرتے ہُوں۔ میری ٹیچر بتا رہی تھیں کہ اُنکی پلاننگ اتنی زبردست تھی کہ امریکہ کی تمام خُفیہ ایجنسیاں طالبان کا مُنہ دیکھتی رِہ گئیں اور طالبان نے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کو مٹی کا ڈھیر بنا دِیا۔

بیٹا ہُو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کو یہ بڑی ہمت اور بہادری کا کام لگتا ہُو۔ کہ تین سو مرد و عورت کو دو میناروں کیساتھ زمین بُوس کر دِیا گیا۔ اور امریکی دیکھتے رِہ گئے۔ لیکن اِس عمل کی مسلمان اُمہ نے جو قیمت ادا کی ہے وہ اُن ۲ ٹاوروں سے لاکھ گُنا زائد ہے۔ اسکے علاوہ امریکی اور یورپی مسلمان اس حادثے کی جو قیمت آج تک چُکا رہے ہیں اسکے نقصان کا اندازہ لگانا بھی ممکن نہیں ہے۔

بیٹا فتاوی عالمگیری جو کہ مسلمانوں کی متفقہ فقہی کتاب ہے ۔اِسکی دوسری جلد میں علامہ نظام الدین جہاد کے مُباح ہونے کی دُو شرائط بیان فرماتے ہُوئے لکھتے ہیں۔

نمبر ا۔دین کے دُشمن اسلام قبول کرنے سے انکار کردیں۔ اور دُشمنانِ اسلام اور مسلمانوں میں جنگ بندی کا کوئی معاہدہ بھی موجود نہ ہُو تب جہاد مباح ہوگا۔یا

نمبر ۲۔ مسلمانوں کو یہ توقع اور مکمل یقین ہُو کہ جنگ میں مسلمانوں کو کُفار پر غلبہ حاصِل ہوجائے گا۔ اگر مسلمانوں کو نہ ہی ایسی کوئی توقع ہُو۔ اور نہ ہی فتح کامل کا یقین ہُو۔ تب اُنکے لئے کُفار سے جہاد جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جب تک مسلمانوں کو جنگی سامان اور قُوت میں برتری حاصِل نہ ہُوجائے تب تلک کُفار سے لڑنا جہاد نہیں بلکہ خُود کشی ہے۔

اب بیٹا آپ خُود فیصلہ کرو کہ طالبان کا امریکہ پر حملہ جہاد تھا۔یا بے وقوفی اور خُود کشی تھی۔ میں نے بیٹی کی جانب مُڑ کر دیکھا۔ تو وہ اُداس چہرے سے میری جانب تک رہی تھی۔ مجھے اپنی جانب متوجہ دیکھ کر پھر گُویا

ہُوئی۔ تو بابا۔ اسکا مطب یہ ہُوا کہ اب جہاد نہیں ہُوگا۔ اور آپ بھی اسمیں حِصہ نہیں لیں گے۔۔۔؟

کیوں نہیں میری بچّی۔۔۔ جہاد کبھی موقوف نہیں ہُوتا۔ جہاد کسی ایک واقعہ کا نام تو نہیں ہے۔ یہ تُو ایک مسلسل عمل کا نام ہے۔ جب جب ہماری سرحدوں پر کفر حملہ کرے گا۔ ہم اُن سے جہاد بالقتل کریں گے۔ اور جب ہم اِس قابل ہُوجائیں گے کہ کفر کے مُقابل میں عسکری قوت جمع کرپائیں تب یکجا ہُوکر اُنکی سرحدوں پر جاکر بھی اُنہیں للکاریں گے۔

لیکن اِس وقت تمام مسلم اُمہ کے عُلماءَ اور حُکمرانوں کی دینی اور ملی ذِمہ داری ہے کہ وہ سب آپس کے تمام اِختلافات کو دُور کرکے باہمی رضامندی سے جہاد سے متعلق تعلیمات مُصطفٰے ﷺ پر از سرنو غور و فِکر کے بعد اُن تمام خرافات کو مجاھدین اسلام سے دُور کرنے کی کوشش کریں جُو جہاد کے نام پر رفتہ رفتہ مجاھدین کے اَذہان میں پیوستہ کردِی گئی ہیں۔ جسکی وجہ سے وہ مسلمانوں کے نمائندہ بننے کے بجائے صرف ایک گروہ کی نمائندہ تنظیم بنتی چلی جارہی ہے۔

جیسے بعض اوقات مسلکی فوائد وبرتری کیلئے مساجد پر خُود کش حملوں کیلئے بھی

استعمال کیا جانے لگا ہے۔ یہ اسلیئے بھی بُہت ضروری ہے تاکہ کوئی جہاد کے نام پر اسلام کو بدنام نہ کرسکے۔ اُور یہ اسلیئے بھی ضروری ہے ۔تاکہ جہاد اور دہشگردی میں فرق واضح ہُوسکے۔ اور مجاھدین میں نظم قائم کیا جاسکے ۔تاکہ ایک محاذ پر بالفرض مجاھدین کمزور پڑیں تُو اُنکی امداد کیلیئے دوسرے مجاھِدین کو بھیجا جاسکے۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ جہاد کیلیئے حاکمِ شہر یا حاکمِ صوبہ یا حاکمِ مُلک بُلائے۔ یہ نہ ہُو کہ جسکا دِل چاہے اپنا ایک گروپ بنا کر جِہاد کے نام پر اپنی جیب گرم کرتا رہے۔اُور وہ تُو کمانڈر بن کر خود ائر کنڈیشن کمروں میں بیٹھ کر اپنے بچوں کو آکسفورڈ یونیورسٹی بھیج دے۔ اور غریبوں کے بچوں کو جہاد کی ترغیب دیتا رہے۔

باتوں کا سلسلہ جاری تھا کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مسجد سے موذن کی صدا بُلند ہُونے لگی جو عصر کی نماز کا اعلان کررہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ !لِہذا میں قُولی جہاد سے عملی جہاد کیلیئے روانہ ہُونے لگا۔۔۔ اِس اُمید پر کہ اللہ کریم نے مزید توفیق عطا فرمائی تومزید بھی اِس موضوع پر ناصِرف مطالعہ جاری رکھوں گا بلکہ جہاد بالِعلم بھی کرتا رَہونگا۔ انشاءَاللہ عزوجل

جہالت و ظُلم کے خلاف جنگ جاری رہے گی۔۔۔۔۔۔۔۔ انشاءَاللہ عزوجل

پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا
اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

جال۔در۔جال۔قسط 6

گُزشتہ سے پیوستہ

میں بھی تُم سے صِرف ایک سوال کرنا چاہتا ہُوں۔۔۔۔ اور وہ یہ کہ،، کیا اگر تُمہارا مُلازم اگر تُم سے کسی معاملے میں ضد باندھ لے، تُمہارے احکامات کو ماننے سے صاف انکار کردے اور تُمہاری دُشمنی پر اُتر آئے۔ تب کیا وہ تُم سے تُمہاری ہی فیکٹری میں جیت پائے گا اور کیا تُم اسے مُلازمت پر قائم رکھنا چاہو گے۔۔۔۔؟ فرقان اتنا کہہ کر نعمان کی جانب غور سے دیکھنے لگا۔

یہ کیا بات ہُوئی فرقان کہ تُم نے میرے سوال پر ہی ایک سوال قائم کردِیا۔ لیکن میرا جواب تُم خُود بھی جانتے ہُو کہ میں ایسے انسان کو اپنی مُلازمت میں ایک گھنٹہ تُو کُجا ایک لمحے کیلئے بھی برداشت نہیں کرونگا چاہے مجھے اسکے لئے دُنیا بھر کی فلاحی تنظیموں سے لڑنا پڑے یا مجھے عدالت میں ہی کیوں نہ جانا پڑ جائے۔ لیکن میں شکست تسلیم نہیں کرونگا۔ اور نہ ہی اُس مُلازم کو چین سے رہنے دُونگا۔ جو میری ہی فیکٹری سے رزق بھی حاصِل کرے اور مجھ سے ہی دُشمنی باندھے۔ نعمان نے جوشیلے انداز میں جواب دیتے ہُوئے کہا۔

اب مزید پڑھیئے

نعمان میرے بھائی جب ہم اپنے جُز وقتی مُلازم کا اپنے مقابِل کھڑا ہُونا پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ وہ چاہے تُو کہیں اور بھی جا کر مُلازمت تلاش کر سکتا ہے۔!!۔ جبکہ ہم نہ تو اپنے رب عزوجل کی سلطنت سے باہر نِکل سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی دُوسرا رزّاق ہی تلاش کر سکتے ہیں۔ پھر ہم کسطرح اپنے پروردگار سے مقابلے کیلیئے اُسکی نافرمانی کر سکتے ہیں۔۔۔؟ فرقان نے نُعمان کے خاموش ہُوتے ہی اُسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہُوئے کہا۔

یار فُرقان خُدا کیلیئے مجھے اِن جھمیلوں میں مت گھسیٹو۔ تُمہارا دِماغ تُو اس مولوی نُما پروفیسر نے خراب کرکے رکھ دیا ہے۔ اب تُم کیا چاہتے ہُو کہ میں بھی درویش بن جاؤں اور سارا بزنس چھوڑ چھاڑ کر جنگلوں میں نِکل جاؤں۔۔۔؟ میرے دُوست تخیلات کی زندگی سے نِکلو اور حقیقت کی دُنیا میں لُوٹ آؤ۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہُو کہ ہم پھر اُسی مقام پر جا پہنچیں۔ جہاں ہمیں کوئی ایک کپ چائے پِلانے کا بھی روادار نہیں تھا۔ میں تُو یہ سُوچ کر تُمھارے پاس آیا تھا۔ کہ شائد گُزرے پہر میں تُمھیں تسلی سے قائل کرنے کے بجائے جذباتی ہُوگیا تھا۔ اور رات کی تنہائی میں شائد بہتر انداز سے سمجھا پاؤنگا۔ لیکن تُمھاری باتیں سُننے کے بعد میں اِس نتیجے پر پُہنچا ہُوں کہ بچپن کے حادثے

نے تُمھارے ذہن کو مفلوج کر دِیا ہے۔ جسکی وجہ سے میں تُو کیا کوئی حکیمِ اعظم بھی تُمھیں دُوبارہ حقیقت کی دُنیا میں واپس نہ لا پائے۔ اس لئے مجھے لگتا ہے کہ اب واقعی ہمارے راستے جُدا ہُونے کا وقت آگیا ہے۔ میں تُمھیں تین دِن تک سوچنے کا وقت دے سکتا ہُوں۔ مجھے تین دِن بعد اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔ تاکہ مجھے معلوم ہُوجائے کہ باقی سفر مجھے کسطرح طے کرنا ہے۔ اتنا کہنے کے بعد نُعمان مُصافحہ کیئے بغیر کمرے سے نِکل گیا۔

فرقان سُوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نعمان جو ابھی کُچھ دیر قبل ندامت وشرمندگی سے بِچھا جارہا تھا۔ وہ یُوں روکھے پھیکے جُملوں کیساتھ پھر سے جُدائی کی راہ پر چل پڑے گا۔ وہ جو خُود رضا وجزا کے معنی میں فرق نہیں کر پارہا تھا۔ اُسے میری نفسیات کا عِلم کیسے ہُوسکتا ہے۔ کیا نعمان کِسی امتحان میں مُبتلا ہُونے کو ہے۔ ایسے ہی بیشُمار سوالات فرقان اپنے ذہن میں لئے ڈرائینگ رُوم کے برقی سوئچ آف کرنے کے بعد اپنے کمرے کی جانب بُوجھل قدموں سے چل پڑا۔

اگلے دُو دِن فرقان بُخار میں تپتا رھا۔ وہ جل از جلد پروفیسر صاحب سے مِل کر اِس مسئلہ کا حل تلاش کرنا چاہتا تھا۔ لیکن بُخار تھا کہ جُدا ہُونے کو تیار ہی نہیں تھا۔ تیسرے دِن جا کر بُخار میں کُچھ کمی کا اِحساس ہُوتے ہی

فرقان نے عصر کی نماز کے بعد گاڑی نِکالی اور حسّان صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہُوگیا۔ پروفیسر صاحب کے مکان کے باہر حسّان صاحب کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر احمد سے مُلاقات ہُوگئی۔ وہ گاڑی کو باہر لاک کرنے کے بعد دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ جونہی اُنکی نِگاہ فرقان پر پڑی اُنکے بڑھتے قدم رُک گئے۔ فرقان نے بھی گاڑی کو ایک سائڈ میں کرنے کے بعد لپک کر ڈاکٹر احمد سے مصافحہ کرتے ہُوئے اُنکی خیریت دریافت کی۔ رسمی جُملوں کے تبادلے کے بعد جب فرقان نے حسّان صاحب سے مُلاقات کی خُواہش ظاہر کی تو جواباً ڈاکٹر صاحب نے فرقان کو بتایا کہ پروفیسر صاحب تو کِسی سیمینار میں شرکت کیلئے اسلام آباد تشریف لے گئے ہیں اور اُنکی واپسی کم از کم چھ دِن بعد ہی متوقع ہے۔۔۔

ڈاکٹر صاحب کے جواب سے فرقان کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ اُسے قوی اُمید تھی کہ حسّان صاحب اِس معاملے کا کوئی بہترین حل ضرور بتا سکتے تھے۔ جسکی وجہ سے یہ مُعاملہ اگر فوری حل نہ بھی ہُو پاتا تب بھی اِن سنگین حالات میں کُچھ مہلت ضرور حاصِل ہوجاتی۔ اور تفہیم کا کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نِکل آتا۔ لیکن یہاں ایک طرف حسّان صاحب کی غیر موجودگی نے فرقان کو متفکر کردِیا تھاتُو دوسری جانب نعمان کے دیئے وقت میں صرف ایک رات ہی حائل تھی جِسے یقیناً کُچھ گھنٹوں کے بعد گُزر جانا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرقان کے چہرے پر نمایاں پریشانی کو بھانپتے ہُوئے استفسار کیا۔۔۔

فرقان صاحب سب

خیریت تُو ہے نا۔۔۔؟ آپ بُہت پریشان نظر آرہے ہیں۔
فرقان نے چُونک کر ڈاکٹر صاحب کو دیکھتے ہُوئے کہا۔ احمد بھائی مجھے ایک مشکل پیش آ گئی ہے۔ جسکا حل حَسّان صاحب کے علاوہ مجھے اور کہیں نظر نہیں آرہا۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ حَسّان صاحب اپنا موبائیل فون سفر میں آف رکھتے ہیں۔ اسلئے مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ حسان صاحب سے کس طرح رابطہ کروں۔۔۔؟
آپ فِکر نہ کریں فرقان بھائی،، بابا جان روزانہ عشاء کی نماز کے بعد گھر والوں کی خیریت دریافت کرنے کیلئے فون ضرور کرتے ہیں انشاءاللہ وہ آج بھی فون ضرور کریں گے۔ تب میں پہلی فرصت میں اُنہیں آپ کے متعلق بتادونگا۔ ڈاکٹر احمد نے فرقان کو تسلی دیتے ہُوئے کہا۔۔۔! فرقان ڈاکٹر احمد کا شُکریہ ادا کرنے کے بعد پھر سے گھر کیلئے روانہ ہُوگیا۔
عِشاء کی نماز سے فارغ ہُونے کے بعد جب فرقان نے موبائیل سائیلینٹ موڈ سے ہٹانے کیلئے جیب سے نِکالا تب اُسکی نِگاہ ایک انجان نمبر سے موصول مِس کال پر پڑی۔ فُرقان نمبر دیکھ کر اندازہ لگانے کی کوشش میں مصروف ہی تھا کہ ایک مرتبہ پھر اُسی انجان نمبر سے کال موصول ہُونے لگی۔ فرقان نے کال ریسیو

کرتے ہُوئے جونہی موبائیل کو کان سے لگایا تو دوسری جانب سے حسّان صاحب کی آواز سُنائی دی۔ سلام ودُعا سے فارغ ہُونے کے بعد اُنہوں نے بتایا کہ اُنکے سیلولر فون کی بیٹری کی چارجنگ ختم ہوچکی ہے اسلئے اپنے ایک شاگرد کے نمبر سے کال کررہے ہیں۔

چند رسمی جُملوں کے بعد فرقان نے اپنی پریشانی حسّان صاحب کو بتادی۔ جسکے جواب میں حسّان صاحب فرمانے لگے۔ بیٹا انسانِ کی آنکھوں پر جب حِرص و طمع کی پٹی چڑھ جاتی ہے تب وہ اچھائی اور بُرائی میں تمیز کھو بیٹھتا ہے۔ اور کبھی چند لمحوں کی خوشیوں کیلئے اپنے مستقبل کو بھی داؤپر لگانے سے نہیں چُوکتا۔ آپ نے بُہت اچھا کیا کہ اُس وقت نعمان کو قران و حدیث سے دلائل نہیں دیئے ورنہ یہ بھی ممکن تھا۔ کہ خُدانخواستہ وہ کسی آیت و حدیث کا ہی غُصے میں انکار کربیٹھتا اور اپنی آخرت کیلئے مزید مشکلات خرید لیتا۔

لیکن حضرت مجھے بالکل سمجھ نہیں آرہا کہ کل نعمان سے کیا بات کروں۔۔۔؟ کیونکہ میں نہ ہی نُعمان کو کھونا چاہتاہُوں اور نہ ہی مُشترکہ کاروبار ہی ختم کرنا چاہتاہُوں۔ ایک طرف میں سودی نِظام سے خُود کو اور نُعمان کو بچانا چاہتاہُوں۔ تو دوسری جانب یہ بھی حقیقت ہے کہ مجھے بزنس کا کوئی خاص تجربہ بھی نہیں ہے۔ فرقان نے اپنی اُلجھن کا اظہار کرتے ہُوئے کہا۔

دیکھو میرے بچے کبھی کبھی اللہ کریم انسان کو آزمائش میں مُبتلا فرما کر اُسکا اِمتحان لیتا ہے۔ تب ایک طرف راستہ بند ہُونے کے باوجود اُس کی رضا اُسی بند گلی کے خُفیہ دروازے کی طرف اِشارہ کرتی ہے۔ اگر بندہ ہمت سے کام لیتے ہُوئے اُسکی رضا کی جانب قدم بڑھاتا رِہتا ہے تو اُسے بند گلی سے نِکلنے کا راستہ دِکھائی دے جاتا ہے اور یہی راستہ درحقیقت کامیابی اور فلاح کا راستہ ہُوتا ہے۔ جبکہ دوسری جانب کُشادہ راہ، آسان اور پرآسائش زندگی دِکھائی دیتی ہے لیکن حقیقت میں یہ راستہ ایک سراب سے زیادہ کُچھ بھی نہیں ہُوتا۔ نافرمانی کے اِس راستے پر اگرچہ بُہت سے پُرفریب مناظر انسان کو اپنی جانب کھینچتے ہیں مگر درحقیقت اس راستے کی کوئی منزل ہی نہیں ہوتی۔ بلآخر انسان ایسی بھول بھلیوں میں گُم ہُو کر رہ جاتا ہے تب چہار سو اُسے گہری کھائیوں کے سِوا کُچھ دِکھائی نہیں دِیتا۔ لِہذا میرے بچے مجھے لگتا ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ جب تُمہیں آزمایا جائے گا۔ پس آزمائش کی اِس گھڑی میں ثابت قدم رِہنا اور فیصلے کے وقت آسان راہ ڈھونڈنے کے بجائے اللہ کریم کی رضا کو تلاش کرنے کی کوشش کرنا۔ انشاءاللہ یہی فیصلہ آگے چل کر تُمہارے لئے دائمی فوائد، سکون وکامیابی کی شاہراہ کو کھول دے گا۔ اور جب تُم فیصلہ لینے لگو تب اپنے پروردگار سے مدد اور آسانی ضرور طلب کرنا۔ میری بھی یہی دُعا ہے کہ اللہ کریم آزمایش کی اِس گھڑی میں تُمہیں سُرخرو فرمائے۔ چند مزید نصیحتوں کے بعد رابطہ منقطع ہُوگیا۔ لیکن فرقان کو حسان صاحب سے

گُفتگو کرنے کے بعد یُوں محسوس ہُو رہا تھا جیسے اُسکے کاندھوں سے کوئی مَنوں وزنی بُوجھ اُتر گیا ہُو۔۔۔

دوسرے دِن فرقان آفس میں بیٹھا نعمان کو ایک مرتبہ پھر سود۔ در۔ سُود کے حَسین جال کی تباہ کاریوں کے نقصاناتِ سے آگاہ کرنے کی بھرپور کوشش کررہا تھا جبکہ نُعمان سپاٹ چہرے کیساتھ فرقان کی گُفتگو کو اِدھر اُدھر دیکھتے سُن رہا تھا۔ فرقان کے خاموش ہُوتے ہی نُعمان گُویا ہُوا۔ دیکھو فرقان تُم دُنیا میں میرے بہترین دُوست ہُو۔ اور ہم نے کئی برس تک کامیابی سے مشترکہ کاروبار بھی کیا ہے۔ اگرچہ تمام کاروباری معملات میں خود ہی سنبھالتا رہاہُوں۔ اور میری ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ تُمھیں کاروباری معاملات کے بکھیڑوں میں نہ گھیسٹوں۔ اور اتنا مجھے بھی یقین ہے کہ تم میری تمام کاروباری سرگرمیوں سے مطمئین بھی ہُو۔

لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ہماری سوچ و افکار میں زمین و آسمان کے فاصلوں کے مماثل بُعد پیدا ہُوگیا ہے۔ اور اس فاصلے کو ختم کرنا نہ ہی میرے اختیار میں ہے۔ اور تُمھاری بار بار کی نصیحتوں سے مجھے اندازہ ہُو رہا ہے۔ کہ شائد تُم بھی ان فاصلوں کو مِٹانا نہیں چاہتے۔ لِہذا بہتر یہی ہُوگا۔ کہ ہم اپنی راہیں جُدا کرلیں۔۔۔۔۔۔۔چُونکہ ہمارا کاروبار مشترکہ کاروبار ہے لِہذا ہم

دونوں کا اس پر یکساں حق ہے۔۔۔ اسلئے میں چاہتا ہُوں کہ بجائے مزید بحث میں اُلجھنے کہ ہمیں آپس میں اپنے کاروبار کا بٹوارہ کرلینا چاہیئے ہمارے پاس ایک فیکٹری ہے۔ جس پر کُچھ قرض کاروباری لوگوں کا ہے۔ اور کچھ لوگ ہمارے مقروض ہیں اِن تمام معاملات کو سمیٹنا اتنا آسان نہیں ہے۔ اسکے لئے کافی وقت درکار ہے جبکہ دوسری جانب ہمارے پاس چھ ایکڑ کا ایک کمرشل پلاٹ ہے جو فیکٹری سے متصل ہے۔ دونوں کی مارکیٹ ویلیو تقریباً مساوی ہے۔ اگر تُم چاہو تو فیکٹری کے جھمیلوں کو سنبھال لو، اور چاہو تو وہ کمرشل پلاٹ لے لو، میں ایک دوست کی حیثیت سے تمھیں پلاٹ لینے کا مشورہ دُونگا۔ کیونکہ فیکٹری کے معاملات کو سنبھالنا تُمھارے بس کا رُوگ نہیں ہے۔۔۔۔ نعمان جتنی آسانی سے علیحدگی کے فارمولے سُنا رہا تھا۔ اُتنی ہی تکلیف کے آثار فرقان کے بُشرے سے عیاں ہُوتے چلے جارہے تھے۔

(جاری ہے)

پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا
اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

عائل کامل اور ابو شائل قسط 6۔

گزشتہ سے پیوستہ

کامِل نے آگے بڑھ کر مثنوی مولانا رُوم کو عقیدت سے اپنی آنکھوں سے لگایا اور اُسکے مطالعہ میں گُم ہوگیا۔ کتاب پڑھتے پڑھتے نہ جانے کب کامل کی آنکھ لگ گئی۔ آج اُسکے خوابوں میں نہ پریاں تھیں۔ اور نہ ہی نرگس اُسے کہیں نظر آئی۔ پھر منظر تبدیل ہُوا۔ اور اُسے ایک مُہیب جنگل نظر آنے لگا۔ وہ جنگل میں داخل ہُوا ہی تھا کہ اُسے ہر طرف سے رُونے اور سِسکنے کی صدائیں سُنائی دینے لگیں۔ اُس نے گھبرا کر جونہی آنکھیں کھولیں۔ جلباب اُسکے قدموں کو تھامے اُسے جگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جلباب کی آنکھوں میں آج پہلی مرتبہ کامل نے آنسو دِیکھے تھے۔ اُسکی سسکیاں ماحول کو عجیب وحشتناک بنائے دے رہیں تھی۔ کامل ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ وہ جِلباب سے رُونے کی وجہ معلوم ہی کرنا چاہ رہا تھا۔ کہ اُسے آنگن سے بھی سفینہ پُھپُھو کے بین کی صدائیں بُلند ہُوتی سُنائی دینے لگیں۔

اب مزید پڑھیئے۔

کامل علی نے برآمدے میں جُونہی قدم رکھا تُو اُسکے قدموں تلے زمین نِکل گئی۔ ایک چارپائی پر امّاں کی لاش رکھی تھی۔ جِسکے سرہانے سفینہ پُھپو دِلخراش انداز سے بَین کررہی تھیں۔ پُھپو کے اِرد گرد تین مُحلہ کی خَواتین اُنہیں دِلاسہ دے کر صبر کی تلقین کررہی تھیں۔ کامل کی آنکھیں امّاں کی لاش دیکھ کر پتھرا سی گیئں تھیں۔ کامل کا دِل چاہا کہ وہ بھاگ کر امّاں سے لپٹ جائے۔ اور اُن سے کہے کہ امّاں اُٹھ جائیں۔۔۔۔

اور۔۔۔۔ سب کو بتادیں کہ آپ تُو فقط مذاق کررہی ہیں۔۔۔۔ بھلا آپ اپنے کامل کو چھوڑ کر بھی کہیں جاسکتی ہیں۔۔۔! لیکن لاکھ کوشش کے باوجود بھی کامل چند قدم سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اُسے ایسا محسوس ہُورہا تھا جیسے اُسکے بدن سے بھی رُوح کا رِشتہ منقطع ہُورہا ہے۔ اُور وہ اپنا جسمانی توازن کھوچُکا ہے۔۔۔ اُسکا ذِہن مفلوج اور آنکھیں بینائی سے محروم اور خُشک ہُوچکی ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ تمام مناظِر دُھندلانے لگے۔ وہ چیخنا چاہتا تھا۔۔ لیکن اُسکی گُویائی کی طاقت سلب ہُوچکی تھی۔ پھر اچانک وہ لڑکھڑایا اور زمین کی طرف جھکتا چلاگیا۔

پھر اُسکی نِگاہوں کے سامنے کئی منظر بدلے کبھی اُس نے دیکھا کہ لوگ اُسکی امّاں کا جنازہ کاندھے پر اُٹھائے چلے جارہے ہیں۔۔ پھر منظر بدلا تب کسی نے اُسے سہارا دیکر تھاما ہُوا تھا اور اُسکے سامنے امّاں کو لحد میں

اُتارا جارہا تھا۔ کبھی سوئم کا منظر نظر آتا تو کبھی خُود کو اسپتال میں موجود پاتا۔ کبھی سفینہ پُھپو کی تسلیاں سُنائی دیتی۔ کبھی جلباب سر پر ہاتھ پھیرتے رُوتی نظر آتی۔ تو کبھی مولوی رمضان صاحب کی رندھی ہُوئی آواز سُنائی دیتی۔ کامل بھی بُہت کُچھ کہنا اور پُوچھنا چاہتا تھا۔ وہ امّاں کے متعلق سوالات کرنا چاہتا تھا۔۔۔ لیکن دِن پہ دِن گُزرتے گئے۔ مگر وہ سب کُچھ سُننے کے باوجود بھی بُول نہیں پایا۔

پھر کئی راتوں تک ایک ہی منظر کامِل کی نِگاہوں میں رہنے لگا۔اِس منظر میں مولوی رمضان صاحب ہاتھ میں ایک کِتاب لئے کچھ پڑھتے نظر آتے آواز اگرچہ واضح سُنائی نہیں دیتی لیکن اُسے ایسا محسوس ہُوتا جیسے کمرے میں بُہت سی شہد کی مکھیاں داخل ہُو گئی ہُوں اور بھنبھنا رہی ہُوں۔ پھر مولوی صاحب اُس پر دم کرتے دِکھائی دیتے اورکتاب شیلف میں رکھنے کے بعد طویل سجدے میں چلے جاتے ایک مرتبہ پھر شہد کی مکھیوں کی سرسراہٹ بُلند ہُوتی جو کافی دیر تک قائم رہتی۔

تین مہینے بعد حسب سابق مولوی صاحب دَم سے فارغ ہُونے کے بعد اپنے مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز تھے۔ تبھی کامِل کو محسوس ہُوا جیسے کوئی اُسکی گردن پہ آہستہ آہستہ ہاتھ پھیر رہا ہُو۔ اِسکے ساتھ ہی پیاس کی شِدت

کا احساس کامل کے ذہن میں بیدار ہُونے لگا۔ رفتہ رفتہ یہ احساس بڑھنے لگا۔ کمرے میں ہنوز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ کامل نے دھیرے دھیرے اپنے جسم کے سہارے اُٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ کیا۔۔۔؟ کامل کی اِس کوشش کے نتیجے میں کامِل کے تمام جسم میں نا قابل برداشت درد کی ایک لہر سی دُوڑ گئی۔ جسکی وجہ سے کامِل کی چیخ نِکل گئی اُور کامِل کو یُوں محسوس ہُونے لگا جیسے کسی نے اسکے جسم کو سحر پھونک کر گُویا پتھر کا بنا ڈالا ہُو۔

کامِل کی چیخ کی آواز سُن کر مولوی صاحب بیساختہ مصلے سے کھڑے ہُو کر کامِل کی طرف دوڑے۔۔ کامل نے مولوی صاحب کو قریب دیکھ کر پانی کی صدا بُلند کی اور دوبارہ بے سُدھ چارپائی پر لیٹ گیا۔ مولوی صاحب کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے جبکہ زُبان سے وہ خُدا کا شُکر ادا کررہے تھے۔

یہ پہلا موقع تھا کہ تین مہینے بعد کامِل کی زُباں سے کوئی جُملہ نِکلا تھا۔ مزید ایک ہفتے تک مولوی صاحب کی دِن رات کی کوششیں رنگ لائیں ۔ کامل کے جسم کی مُسلسل مالش نے جسم کے اکڑے ہُوئے پٹھوں کو پھر سے متحرک کردیا تھا۔ مولوی صاحب کی انتھک کاوش نے کامِل کو ایک ہفتہ میں اُٹھنے بیٹھنے کے قابل کرِدیا۔ اور وہ ضرورت کے وقت مولوی صاحب سے کلام بھی کرنے لگا تھا۔

کہتے ہیں کہ دُنیا کا سب سے بہتر مرہم وقت ہُوتا ہے جو رفتہ رفتہ روح پر لگے زخموں کو بھی مندمل کر دیتا ہے۔

مزید چند دِنوں کے بعد کامل نے روزانہ امّاں کی قبر پر باقاعدگی سے سلام و فاتحہ کیلئے جانا شروع کردِیا۔ وہ فجر کی نماز کے بعد مولوی صاحب کے ہمراہ قبرستان چلا جاتا۔ مولوی صاحب فاتحہ پڑھ کر لُوٹ آتے جبکہ کامِل ظہر کی نماز تک امّاں کی قبر کے پاس ایک درخت کی چھاؤں تلے بیٹھا رِہتا۔ وہ کبھی امّاں کی قبر پہ نصب پُودوں کو پانی دیتا دِکھائی نظر آتا۔۔۔ تُو کبھی ایصالِ ثواب کیلئے دُرود و فاتحہ پڑھتا دکھائی دیتا۔ وقت گُزرتا رَہا اور کامِل کا زخم مندمِل ہُوتا رہا۔

پھر مولوی صاحب کے اِسرار پر کامِل علی نے کالج جُوائن کرلیا۔ دھیرے دھیرے تعلیمی سرگرمیوں کے باعث کامِل علی واپس نارمل زندگی کی طرف پلٹنے لگا۔ مولوی صاحب اُسکی تعلیم پر خاص توجہ دے رہے تھے۔ کبھی کبھی اُسکے دِل میں خیال آتا کہ وہ مولوی صاحب سے پُوچھے کہ جب میں بیمار تھا تب آپ کونسی کِتاب سے وظائف پڑھ پڑھ کر دَم کیا کرتے تھے۔ اور وہ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز کہاں سے آتی تھی۔ اور امّاں کیسے مرگئی تھی۔۔۔۔ جبکہ وہ تُو گھر میں خُوشیاں بکھیرنا چاہتی تھیں۔۔۔؟ اور کیا امّاں کبھی اُنکے

خُواب میں آتی ہیں۔۔۔۔وغیرہ وغیرہ۔۔۔ لیکن جب سے کامِل علی صحتیاب ہُوا تھا۔ وُہ مسلسل ایک بات نُوٹ کر رہا تھا۔ کہ امّاں کی موت کا جتنا صدمہ اُسے تھا۔اِس سے کہیں زیادہ صدمہ مولوی صاحب کو بھی تھا۔ وہ امّاں کی موت کے بعد خاموش خاموش سے رہنے لگے تھے۔ اور اب اُنکی پہلی جیسی خُوراک بھی نہیں رہی تھی۔ جہاں پہلے وہ امّاں کے ہاتھ سے بنی تین چار رُوٹیاں کھاجایا کرتے تھے اب اکثر نصف یا کامل کے بُہت زیادہ اِصرار پر ایک رُوٹی کھالیا کرتے تھے۔ جِسکے سبب اُنکی صحت بھی رُوز بروز گرنے لگی تھی۔

پھر ایک دِن مولوی صاحب نے کامِل سے ایک بُہت عجیب بات کہی۔ وہ کہنے لگے کہ بیٹا میں چاہتا ہُوں کہ اپنا یہ مکان بھی تُمہارے نام کروا دوں۔ کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ مِیرے پاس اب زیادہ وقت نہیں ہے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ میرے گُزر جانے کے بعد تُمھیں یہاں سے کوئی نِکالے۔۔۔ کامِل علی نے آبدیدہ ہُو کر مولوی صاحب کا ہاتھ تھام لیا اور کہنے لگا۔ آپ تُو مجھ سے ایسی باتیں نہ کریں۔ ایسی باتوں سے میرا دِل بیٹھا جاتا ہے۔ امّاں کے بعد آپکی ذات ہے جِسے دیکھ کر اِس سنگدِل دُنیا میں جینے کی خُواہش پیدا ہُوتی ہے۔ ورنہ جینے کو تُو میرا بھی جی نہیں چاہتا۔ مولوی صاحب نے کامل کے مُنہ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہُوئے کہا۔ نہیں بیٹا ایسی بات نہیں کہتے۔ اِس دُنیا میں نہ ہم اپنی خُواہش سے ایک دِن زیادہ جی سکتے ہیں۔ اور نہ ہی موت آنے سے ایک دِن

قبل مر سکتے ہیں۔ زندگی سے شکوہ خُدا سے شکوہ کرنا ہے۔ اور خُدا سے شکوہ نہیں کیا جاتا۔ یہ زندگی ایک نعمت ہے۔ اور نعمت سے انکار بھلا کوئی عقلمند کیسے کر سکتا ہے۔ اگر تُم میری بات مان لوگے تُو مجھے خُوشی ہُوگی۔ ورنہ مجھے تُم سے کوئی شکوہ نہیں۔ البتہ میری ایک خُواہش ہے کہ تُم دُنیاوی تعلیم کیساتھ ساتھ میری لائبریری سے اور کتابوں سے رشتہ پھر سے قائم کرلُو۔ کُچھ مزید نصیحتوں کے بعد مولوی صاحب ایک کتاب کے مُطالعے میں مستغرق ہُوگئے جبکہ کامل علی دِن بھر کی تھکاوٹ کے باعث اپنے بستر پر کروٹ بدل کر سوگیا۔

اِس واقعہ کے ٹھیک سترہ دِن بعد مولوی صاحب کی طبیعت شام کو اچانک بگڑنے لگی۔ کامل نے مولوی صاحب کی حالت میں تغیر دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کو بُلانا چاہا تب مولوی صاحب نے اِشارے سے کامل کو اپنے پاس بُلا کر اُسکا ہاتھ تھام لیا اور کہنے لگے بیٹا میری آخری دو خواہش ہیں اُنہیں سُن لو پھر شائد میں تُم سے کُچھ نہ کہہ سکوں۔۔۔۔۔ اِتنا کہنے کے بعد مولوی صاحب کو کھانسی کا دُورہ پڑگیا۔۔۔ کامل نے جلدی سے مٹکے سے پانی بھر کر گِلاس مولوی صاحب کے مُنہ سے لگایا۔ اور ڈاکٹر صاحب کو بُلانے کیلئے لپکا۔ گھر سے نکلتے ہی کامل کی نِگاہ چاچا ارشد پر پڑی۔ کامل نے چاچا ارشد سے درخواست کی کہ وہ مولوی صاحب کے پاس چلے جائیں۔ اُنکی طبیعت بُہت خراب ہے۔ جبکہ میں ڈاکٹر صاحب کو

لے کر آتا ہُوں۔

ڈاکٹر صاحب کسی مریض کو دیکھنے اُسکے گھر تشریف لے گئے تھے ڈاکٹر صاحب کو گھر لاتے لاتے کامل کو بیس پچیس منٹ لگ گئے۔ کامل جونہی ڈاکٹر صاحب کو لیکر گھر پُہنچا تُو دیکھا کہ چاچا ارشد دروازے میں کھڑے اُسی کی راہ دیکھ رہے تھے۔ چاچا ارشد نے ڈاکٹر کو دیکھتے ہی کہا۔۔۔ جلدی کریں داکٹر صاحب نجانے کیا ہُوا ہے مولوی صاحب کو۔۔۔کاغذ پر کُچھ لکھتے لکھتے اچانک کلمہ طیبہ پڑھا اور مولوی صاحب خاموش ہُوگئے ہیں۔ لگتا ہے شائد غشی یا بے ہُوشی کا دُورہ پڑا ہے۔

ڈاکٹر نے مولوی صاحب کوچیک کرنے کے بعد اُنکی اَدھ کُھلی آنکھوں کو بند کرتے ہُوئے اِنَّا للہِ وَاِنَّا الیہِ راجعون بُلند آواز سے پڑھا جسکے بعد چاچا ارشد کیساتھ ساتھ کامل بھی یہ جان گیا کہ مولوی صاحب بھی اب اُسکا ساتھ چھوڑ کر جا چُکے ہیں۔

یہ تیسری مرتبہ تھاجب کامل علی کو یتیمی کا احساس ہُورہا تھا۔ اَبّا کے انتقال کے وقت تُو کامل علی کو لفظ یتیم کے معنی بھی نہیں معلوم تھے۔ جبکہ وہ حقیقت میں یتیم ہُوا تھا۔ اور اب جبکہ ایسے انسان کا انتقال ہُوا تھا جو

اُسکا حقیقی باپ تھا اور نہ ہی اِس عُمر میں کوئی خُود کو یتیم سمجھتا ہے۔۔۔ لیکن کوئی بار بار اُسکے کان میں کہہ رہا تھا۔ کہ آج تُو واقعی یتیم ہُوگیا ہے۔

ایسے وقت میں چاچا ارشد نے کامل علی کی خُوب ہمت اور حُوصلہ بڑھایا۔ ورنہ شائد کامِل علی مولوی صاحب کی تدفین و تکفین کے مراحل بھی انجام نہ دے پاتا۔ چند گھنٹوں بعد محلّہ کے کافی لوگ مولوی صاحب کے گھر پر جمع ہُوگئے۔ تب چاچا ارشد کامل کو ایک طرف لیجا کر جیب میں کُچھ ٹٹولنے لگے۔ کُچھ لمحوں بعد چاچا ارشد نے ایک مُڑا تُڑا سا کاغذ کامل کی طرف بڑھاتے ہُوئے کہا۔ کامل پہلے اِسے پڑھ لو۔ یہ مولوی صاحب کی زندگی کی آخری تحریر ہے۔ جو اُنہوں نے تُمہارے لئے اُس وقت لکھی تھی جب تُم ڈاکٹر صاحب کو بُلانے گئے تھے۔ بیٹا مجھے لگتا ہے کہ اسمیں شائد مولوی صاحب کی وصیت لکھی ہے۔ لہٰذا تدفین سے پہلے اِسے دیکھ لینا ضروری ہے۔ ہُو سکتا ہے کہ اسمیں اُنہوں نے اپنی تجہیز و تکفین سے متعلق ہدایات لکھیں ہُوں۔۔۔؟

(جاری ہے)

پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا

اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

عاملِ کاملِ ابو شاملِ قسط 7

گُذشتہ سے پیوستہ

ایسے وقت میں چاچا ارشد نے کامل علی کی خُوب ہمت اور حُوصلہ بڑھایا۔ ورنہ شائد کامِل علی مولوی صاحب کی تدفین و تکفین کے مراحل بھی انجام نہ دے پاتا۔ چند گھنٹوں بعد محلّے کے کافی لوگ مولوی صاحب کے گھر پر جمع ہُوگئے۔ تب چاچا ارشد کامل کو ایک طرف لیجا کر جیب میں کُچھ ٹٹولنے لگے۔ کُچھ لمحوں بعد چاچا ارشد نے ایک مُڑا تُڑا سا کاغذ کامل کی طرف بڑھاتے ہُوئے کہا۔ کامل پہلے اِسے پڑھ لو۔ یہ مولوی صاحب کی زندگی کی آخری تحریر ہے۔ جُو اُنہوں نے تُمھارے لئے اُس وقت لکھی تھی جب تُم ڈاکٹر صاحب کو بُلانے گئے تھے۔ بیٹا مجھے لگتا ہے کہ اسمیں شائد مولوی صاحب کی وصیت لکھی ہے۔ لِہذا تدفین سے پہلے اِسے دیکھ لینا ضروری ہے۔ ہُوسکتا ہے کہ اسمیں اُنہوں نے اپنی تجہیز و تکفین سے متعلق ہدایات لکھیں ہُوں۔

اب مزید پڑھیئے۔

کامِل علی نے کاغذ پر نظر ڈالتے ہی مولوی صاحب کی تحریر کو پہچان لیا یہ

پانچ سطر کی تحریر تھی۔ جو بظاہر ایسا لگتا تھا کہ بُہت عجلت میں لکھی گئی ہُو۔ تحریر کُچھ اسطرح تھی۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

کامل میرے بچے اگر مجھ سے تُمہارے معاملہ میں کسی قسم کوئی کوتاہی سرزد ہُو گئی ہُو تُو مجھے مُعاف کردینا۔

اگرچہ تدفین میں تاخیر بہتر نہیں ہے۔ لیکن کُوشش کرنا کہ جلباب کے آجانے بعد ہی جنازہ اُٹھایا جائے۔

میرے بعد جلباب کا بُہت خیال رکھنا۔ اسکی جزا تُمہیں وہ کریم رَبّ ہی عطا فرمائے گا۔

میری کتابوں پر میرے بعد صرف تُمہارا حق ہے اِنکی حفاظت کرنا۔ اور اُنہیں ہمیشہ اپنے مُطالعہ میں رکھنا۔ اُور ایک اچھا اِنسان بننے کی کوشش کبھی ترک مت کرنا۔

پرچہ پڑھنے کے بعد کامل نے تحریر چاچا ارشد کی جانب بڑھادی۔ چاچا ارشد نے

تحریر دیکھنے کے بعد کاہل کی طرف دیکھتے ہُوئے کہا۔ جلباب بیٹی کے انتظار کیوجہ سے جنازہ کم از کم ۲ دِن تک رُوکنا پڑے گا۔ اگرچہ گرمی بھی بُہت شدید ہے۔ لیکن نجانے مولوی صاحب نے جلباب کے آنے کی شرط کیوں لگائی ہے۔ اور اسمیں کیا راز ہے۔ یہ بات یا تُو مولوی صاحب کو معلوم تھی۔ یا اسکی خبر اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔ لیکن ہمیں مولوی صاحب کی وصیت کا بہرحال احترام تُو کرنا ہی پڑے گا۔ ویسے بھی مولوی صاحب اللہ کے نیک بندے تھے۔ اور دیکھا یہی گیا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی لاش سڑا نہیں کرتی۔ ویسے بھی پرسوں جُمعہ کا مُبارک دِن ہے۔ میں غُسل اور کفن کا انتظام کرلیتا ہوں۔ جب تک تُم سفینہ اور زُلیخا کو فون کردو کہ جلد یہاں پُہنچ جائیں۔ اور ہاں اُن سے یہ مت کہنا کہ مولوی صاحب کا انتقال ہُوگیا ہے۔ بلکہ صرف اتنا بتادینا کہ مولوی صاحب کی شام کو حالت بُہت خراب ہُو گئی تھی۔ اسلئے آپ لوگ فوری طُور پر وہاں سے یہاں کیلئے روانہ ہُوجائیں۔ ایسا نہ ہُو کہ مولوی صاحب کے انتقال کی ایکدم خبر سے کوئی اور نیا حادثہ پیش آجائے۔

چاچا ارشد نے سچ ہی کہا تھا کہ اللہ کے نیک بندوں کی لاش سڑا نہیں کرتی۔ دونوں دِن شدید گرمی کے باوجود مولوی صاحب کی لاش لحد میں اُتارے جانے تک ایسی ہی تَرو تازہ محسوس ہُورہی تھی جیسے گُویا مولوی صاحب کا انتقال نہیں ہُوا بلکہ وُہ سُو رہے ہُوں۔ بلکہ اُنکے چہرہ مزید نِکھر کر ملکوتی حُسن کے

جلوے بکھیر رہا تھا۔ ہر ایک شخص کی زُبان سے آخری دیدار کے وقت،، سُبحان اللہ۔ سُبحان اللہ،، کی صدا بُلند ہُو رہی تھی۔

سُوئم سے فارغ ہُونے کے بعد جب تمام مہمان گھر سے رُخصت ہُو گئے اور سفینہ پھپو اور زُلیخا پھپو کی فیملیوں کے سِوا گھر میں کوئی بھی باقی نہیں بچا۔ تب کامِل علی کافی دیر تک جلباب کے پاس بیٹھا مولوی صاحِب کی شفقت اور مہربانیوں کا تذکرہ کرتا رَہا۔ جِلباب کا شُوہر راشد بھی قریب بیٹھا تمام گُفتگو بڑے انہماک سے سُن رہا تھا۔ جب کامِل علی اُٹھ کر باہر جانے لگا۔ تب راشد نے گَلا کھنکار کر کامِل سے پُوچھا۔ کَامِل بھائی آپ کب تک اِس گھر میں رہنے کا اِرادہ رکھتے ہیں۔۔۔؟ راشِد کے اچانک سوال پر بُو کھلا کر جِلباب نے راشد کی جانب دیکھا۔ وہ شائد کُچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن راشِد سے نظر ملتے ہی جلباب نے اپنی نظریں جھکالیں۔ راشد کے چہرے پر بدلتے تیور اور جلباب کی بے بسی کو محسوس کرتے ہی کامِل ایک فیصلہ کرچُکا تھا۔ وہ جلباب کی خاطر یہ گھر ہی کیا اِس وطن کو بھی چھوڑ کر جاسکتا تھا۔ پھر یہ گھر بھی تُو جلباب کے والد کی نِشانی تھا۔ اگرچہ مولوی صاحب یہ مکان کامل کے نام کرنے کی خُواہش کا اِظہار کر چُکے تھے۔ لیکن کامل خُود بھی نہیں چاہتا تھا۔ کہ کوئی بھی ایسی بات ہُو جسکی وجہ سے جِلباب کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ لِہذا کامل نے بڑی خندہ پیشانی سے راشد کو جواب دیا۔ بھائی میں خُود

امّاں والے مکان میں شِفٹ ہونے کا اِرادہ رکھتا ہُوں۔ لیکن میری خُواہش ہے کہ چالیسویں تک اگر مجھے یہیں پڑا رہنے دیں تو بُہت مہربانی ہُوگی۔

چالیسویں کی فاتحہ سے قبل ہی کامل مولوی صاحب کا کُتب خانہ امّاں والے گھر میں منتقل کرچُکا تھا۔ صفائی ستھرائی میں چاچا ارشد کی دونوں بیٹیوں نے بُہت مدد کی جسکی وجہ سے امّاں کا مکان پھر سے چمک اُٹھا۔ مولوی صاحب کا مکان راشد نے قبضہ لینے کے بعد ایک ہِندو فیملی کو فروخت کردیا۔ اگرچہ صبح و شام کا کھانہ چاچا ارشد کے گھر سے ہی آجاتا تھا۔ ابتدا میں کامِل نے کافی بحث بھی کی کہ میں ہُوٹل سے خرید کر کھانا کھالُونگا مگر چاچا ارشد نہیں مانے۔ کامل نے معاشی ضروریات کیلئے شہر کے ایک مشہور کباڑی عبدالرشید جنکا کنسٹریکشن سپلائی کا کاروبار تھا۔کے پاس اکاونٹنٹ کی جاب کرلی تھی۔

نرگس نے کالج میں داخلہ لے لیا تھا۔ اور آجکل وہ امتحانات کی تیاری میں مشغول تھی۔ چاچا ارشد کے کہنے پر کامل علی شام کو ڈیوٹی خَتم کرنے کے بعد نرگس کو ٹیوشن دے رَہا تھا۔ حالانکہ کامِل کو ہمیشہ ہی سے نرگس کے قریب رِہنا اچھا لگتا تھا۔ مگر اب نجانے کیوں کامل علی جب بھی نرگس کے سراپے پر نِگاہ ڈالتا تو اُسے عجیب سی وحشت ہُونے لگتی تھی۔ اُور وُہ سُرعت سے نِگاہیں جُھکا لیا کرتا۔ ویسے بھی بچپن سے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے

رکھتے نرگس حُسن کا شاہکار بن چکی تھی۔ اُسکا سراپا، اُسکا قد کاٹھ، سُریلی آواز۔اور اسکے رُوپ میں قدرت نے وہ تمام خُوبیاں جمع کردی تھیں۔ جو نسوانیت کو بے نظیر و بے مِثال بنا سکتا ہے۔اگرچہ کامل کا دِل اُسے اکساتا کہ اُسے بار بار دیکھا جائے۔ لیکن کامِل کی تربیت امّاں اور مولوی صاحب نے اِس انداز سے کی تھی۔ کہ وہ ہمیشہ دِل کو یہ سمجھا کر خاموش کردِیا کرتا کہ ایک نہ ایک دِن نرگس کو چاچا ارشد میرے گھر بیاہ کر بھیج ہی دیں گے۔ کیونکہ امّاں نے ڈھکے چھپے لفظوں میں نہیں بلکہ واضح انداز میں ایک مرتبہ چاچی سے کہا تھا کہ نرگس کی وہ بالکل بھی پرواہ نہ کریں۔ یہ ہماری امانت ہے آپ کے پاس جیسے ہی کامل اور نرگس جوان ہُونگے۔ میں نرگس کو بیاہ کر اپنے گھر لے آؤں گی۔ جسکے جواب میں چاچی نے چچا ارشد کی رضامندی معلوم کرنے کے بعد اس رشتے کیلئے حامی بھر لی تھی۔ اور کامل کو چاچا ارشد پر مکمل اعتبار تھا کہ وہ اپنے وعدے کو ضرور نبھائیں گے۔

یہ التفات کی چنگاری صرف کامل کے جگر کو ہی نہیں گُدگداتی تھی۔ بلکہ کامل کئی مرتبہ محسوس کرچُکا تھا۔ کہ نرگس کی آنکھیں بھی چُوری چُوری اسکے چہرے کا گاہے بگاہے طواف کرتی رہتی ہیں۔ مگر کامل کی رگوں میں شریف والدین کا خُون دوڑ رہا تھا۔ جسکی وجہ سے وہ چاچا ارشد کے گھر میں بُہت احتیاط برتنے لگا تھا۔ کہ مُبادا کہیں اُسکی کسی حرکت سے نرگس کا گھرانہ اُسکی ذات سے

متنفر نہ ہُو جائے۔

لیکن وہ کہتے ہیں نا کہ ،، ہُونی کو کوُن ٹال سکتا ہے،، کہ مصداق کامل کیساتھ بھی وہی حادثہ پیش آیا کہ جس سے بچنے کی کوشش میں کامل نے حتی الامکان کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اُس دِن دوپہر کے کھانے میں اُستاد رشید کے گھر سے نمکین اور میٹھے چاول پک کر آئے تھے۔ اور چاول ہمیشہ ہی سے کامل کی کمزوری رہے تھے۔ اسلئے شائد اُس دِن کامل نے کُچھ زیادہ ہی کھانا کھالیا تھا۔ جسکے سبب پیٹ میں درد اور ۶ینٹھن کی شکایت پیدا ہُو گئی تھی۔ ڈیوٹی کا وقت ختم ہُونے کے بعد کامل نے یہی بہتر جانا کہ آج نرگس کے گھر جانے کے بجائے حکیم صاحب سے رجوع کرلیا جائے۔ چُنانچہ اُس نے چاچا ارشد کا دروازہ کھٹکھٹا کر چاچی کو اطلاع دینے کے بعد حکیم صاحب کے مطب کا رُخ کرلیا۔ حکیم صاحب نے ایک پھکی کھلانے کے بعد کامل کو تاکید کی کہ وہ کم از کم ۲ کلومیٹر واک کرنے سے قبل بستر پر نہ جائے۔

کامل کی واک کرتے ہُوئے اُستاد رشید سے مُلاقات ہُو گئی۔ کامل کے استفسار پر اُستاد رشید نے بتایا کہ اُسے بھی بد ہضمی ہُو گئی ہے۔ جسکی وجہ سے وہ بھی واک کرنے نِکلا ہے۔ اُستاد رشید کیساتھ واک کرتے ہُوئے ۲ گھنٹے بیت گئے۔ کامل کو اگرچہ اُستاد رشید کے پاس مُلازمت کرتے ہُوئے چند ہی دِن کا عرصہ

ہُوا تھا۔ لیکن اُستاد رشید ان چند ہی دِنوں میں کامل کی نیک طبیعت اور حُسنِ اخلاق کی وجہ سے کامل کیساتھ مُلازم و مالک کے بجائے ایک مشفق بُزرگ اور دوست کا رویہ برتنے لگے تھے۔

اُس رات کامل ایک عجیب سی بے چینی اور طبیعت میں اضطراب محسوس کر رہا تھا۔ اُسے لگا شائد یہ تمام شاخسانہ دوپہر کے کھانے کی وجہ سے پیش آ رہا ہے۔ وہ اس اُلجھن سے نِکلنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ کہ ایک زور دار دھماکے کی آواز سُنائی دی اور تمام گھر اندھیرے میں ڈوب گیا۔ کُچھ لمحے بعد اہلِ مُحلہ کے شور شرابے اور بُلند آوازں سے کامل کو اندازہ ہُوگیا کہ بجلی کا ٹرانسفارمر گرمی کی شدت اور اِضافی کُنڈوں کی بدولت اپنی جان ہلاکت میں ڈال چُکا ہے اور اب کل تک تمام مُحلہ میں اندھیرے کا راج قائم ہُوچُکا ہے۔ لِہذا کامل بستر اُٹھا کر چھت پر پُہنچ گیا اور کھلی چھت پر بستر بچھا کر آسمان میں چمکتے قمقموں سے لُطف اندوز ہُوتے ہُوئے نیند کی وادی میں پہنچ گیا۔

نجانے وہ رات کو کونسا پہر تھا جب اسکے تلووں میں کسی کی گُدگُداہٹ کے سبب کامل کی آنکھ کُھل گئی۔ اُس نے نیم وا آنکھوں سے نرگس کا سراپا دیکھا۔ جو مسکراتے ہُوئے اسکے پیروں کو اپنے مرمریں ہاتھوں سے سہلا رہی تھی ۔ ایک لمحے کیلئے اُسے ایسا محسوس ہُوا جیسے وہ نیند میں سپنا دیکھ رہا ہُو۔۔۔

بُدھو۔ اُٹھ بھی جاؤ۔ میں یہاں تُمھارے پاؤں سہلانے نہیں بلکہ تُم سے کچھ بات کرنے کیلئے آئی ہُوں۔۔۔ نرگس کی دھیمی اور مترنم آواز نے اُسکے ہوش اُڑا ڈالے۔ کیونکہ نرگس کا اسطرح اُسکی چھت پر آدھی رات کو پایا جانا کسی بھی طرح خطرے سے خالی نہیں تھا۔

کامل علی نے گھبرا کر اپنے پاؤں سمیٹتے ہُوئے چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہُوئے نرگس کو خوفزدہ لہجے میں مخاطب کیا۔۔۔ تُمہیں یہاں اس وقت نہیں آنا چاہیئے تھا۔۔۔۔

اگر تُم آج ناغہ نہیں کرتے اور شرافت سے ہمارے گھر چلے آتے۔ تُو مجھے یہاں نہیں آنا پڑتا۔۔۔۔۔ نرگس نے ترکی باترکی جواب دِیا

میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی ورنہ میں تُمھارے گھر ضرور آتا۔ اب خُدا کے واسطے یہاں سے فوراً چلی جاؤ۔ اگر کسی نے دیکھ لیا تُو قیامت بپا ہُوجائے گی۔۔! کامل نے دھیمے لہجے میں نرگس کی منت کرتے ہُوئے کہا۔

جِسے دیکھنا ہے دیکھ لے۔۔۔ میں کِسی سے نہیں ڈرتی۔۔۔ نرگس نے اِٹھلاتے ہُوئے کہا

خُدا کے واسطے ضد نہ کرو نرگس میں تُمھارے آگے ہاتھ جوڑتا ہُوں۔ کامل نے باقاعدہ نرگس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہُوئے کہا۔

کامِل تُم اتنے ڈرپوک کیوں ہُو۔۔۔؟ تُم مجھ سے مُحبت کرتے ہُو لیکن آج تک تُم نے اپنی مُحبت کے اِظہار کے لئے ایک جملے تک کا سہارا نہیں لیا۔ حالانکہ کہ ایک مدت سے میری سماعت تُمھارے اقرار و اضطراب کی منتظر ہے کہ تُم مجھ سے اپنی چاہت کا اظہار کرو۔ نرگس نے خفگی کا اِظہار کرتے ہُوئے کہا۔

کامِل نے جب یہ دیکھا کہ نرگس اپنی جگہ سے ٹس سے مس ہُونے کو تیار نہیں ہے تو اُس نے نرگس کی کلائی اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہُوئے کہا۔ ضروری نہیں ہے کہ جس سے مُحبت کی جائے۔ اُسکا سارے زمانے میں چرچا بھی کیا جائے۔ میں کِل بھی تُم سے مُحبت کرتا تھا۔ آج بھی کرتا ہُوں اور ہمیشہ کرتا رہونگا۔ لیکن اس وقت تُمہیں اپنے گھر جانا چاہیئے۔ یہ کہتے ہُوئے کامل نرگس کی کلائی تھامے اُسے اُسکی چھت تک لے آیا۔

لیکن نرگس اب بھی ایک قدم پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔ ایسا محسوس ہُورہا تھا۔ جیسے وہ آج تہیہ کرکے نِکلی ہُو کہ کامل کی زُبان سے اپنے لئے ڈھیروں

محبت بھری باتیں سُننے بغیر اور بے شُمار عہد و پیمان کئے بِنا واپس نہیں پلٹے گی۔۔۔ مجبوراً نرگس کا ہاتھ تھامے کامل اسے اُسکے گھر کی چھت پر دھکیلنے لگا۔ ابھی یہ کشمکش جاری تھی۔ کہ چاچا ارشد کی کانپتی ہُوئی آواز نے کامل کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر ڈالے۔

(جاری ہے)

پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا
اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

جال۔ در۔ جال قسط 7۔

جال در جال قسط ۷۔

گُذشتہ سے پیوستہ

فرقان کے خاموش ہُوتے ہی نُعمان گُویا ہُوا۔ دیکھو فرقان تُم دُنیا میں میرے بہترین دُوست ہُو۔ اور ہم نے کئی برس تک کامیابی سے مشترکہ کاروبار بھی کیا ہے۔ اگرچہ تمام کاروباری معاملات میں خود ہی سنبھالتا رہا ہُوں۔ اور میری ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ تمھیں کاروباری معاملات کے بکھیڑوں میں نہ گھسیٹوں۔ اور اتنا مجھے بھی یقین ہے کہ تم میری تمام کاروباری سرگرمیوں سے مطمئین بھی ہُو۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ہماری سوچ و افکار میں زمین و آسمان کے فاصلوں کے مماثل بُعد پیدا ہُوگیا ہے۔ اور اس فاصلے کو ختم کرنا نہ ہی میرے اختیار میں ہے۔ اور تُمھاری بار بار کی نصیحتوں سے مجھے اندازہ ہُورہا ہے۔ کہ شائد تُم بھی ان فاصلوں کو مِٹانا نہیں چاہتے۔ لِہذا بہتر یہی ہُوگا۔ کہ ہم اپنی راہیں جُدا کرلیں۔۔۔۔۔۔۔چُونکہ ہمارا کاروبار مشترکہ کاروبار ہے لِہذا ہم دونوں کا اس پر یکساں حق ہے۔۔۔ اسلئے میں چاہتا ہُوں کہ بجائے مزید بحث میں اُلجھنے کہ ہمیں آپس میں اپنے کاروبار کا بٹوارہ کرلینا چاہیئے ہمارے پاس ایک فیکٹری ہے۔ جس پر کُچھ قرض کاروباری

لوگوں کا ہے۔ اور کچھ لوگ ہمارے مقروض ہیں اِن تمام معاملات کو سمیٹنا اتنا آسان نہیں ہے۔ اسکے لئے کافی وقت درکار ہے جبکہ دوسری جانب ہمارے پاس چھ ایکڑ کا ایک کمرشل پلاٹ ہے جو فیکٹری سے متصل ہے۔ اگر تُم چاہو تو فیکٹری کے جھمیلوں کو سنبھال لو، اور چاہو تو وہ کمرشل پلاٹ لے لو، میں ایک دوست کی حیثیت سے تُمھیں پلاٹ لینے کا مشورہ دُونگا۔ کیونکہ فیکٹری کے معاملات کو سنبھالنا تُمھارے بس کا رُوگ نہیں ہے۔۔۔۔۔ نعمان جتنی آسانی سے علحیدگی کے فارمولے سُنا رہا تھا۔ اُتنی ہی تکلیف کے آثار فرقان کے بُشرے سے عیاں ہُوتے جارہے تھے۔

اَب مزید پڑھیئے۔

نعمان نے اپنی گُفتگو ختم کرنے کے بعد گلاس میں پانی اُنڈیلا اور ایک سانس میں گِلاس کا پانی پی کر خالی گِلاس ٹیبل پر رکھ کر فرقان کی جانب دیکھا۔ جیسے گُویا وہ اپنی تجویز پر فرقان کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہُو۔ جبکہ فرقان کے کانوں میں حسان صاحب کی تاکید بازگشت کررہی تھی کہ،، بیٹا جب انسان غُصہ کی حالت میں ہُوتا ہے۔ تب وہ شرف انسانیت کی معراج سے سفلی جذبات کی اَتاہ گہرائیوں کا اسیر بن جاتا ہے۔ اور ایسے وقت میں انسان شیطان کے ہاتھوں میں کٹھ پُتلی کی مانند ہُوتا ہے۔ لِہذا جب کوئی سامع غُصہ کی

حالت میں سماع کر رہا ہُو۔ تب اُسے صرف حکمت کی نازک چھڑی سے سمجھانے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ اور وہ بھی اِتنی اِحتیاط کیساتھ کہ اُسے یہ چھڑی ایک پھول کی مانند محسوس ہُو۔ نا کہ چابک کی طرح دِکھائی دینے لگے۔ اور ایسے وقت میں کہ جب انسان اپنی انَا اور ضد کے سبب خواہشات کا غُلام بن جائے۔ تب ہر گزا سے قال اللہ اور قال رسول ﷺ کی اَذاں مت سُنانا۔ کہ خُدانخواستہ وہ اپنی ہٹ میں حُکم خُدا اور تعلیم مُصطفی ﷺ سے ہی انکار نہ کر بیٹھے۔

فرقان عجیب مخمصے کا شِکار ہُوگیا تھا۔ ایک طرف نادان دُوست بظاہر حقیر سی خُواہش کا اظہار کرتے ہُوئے نا سمجھی میں خُدا سے جنگ کرنے نِکلا تھا۔ بلکہ چاہتا تھا کہ میری اِس جنگ میں تُم بھی شریک حال ہُو جاؤ۔ فرقان نے ایک مزید کوشش کی۔ اُور اُسے سمجھانے لگا کہ،، میرے یار ہمارے پاس جو کُچھ بھی خُدا کی مہربانی سے موجود ہے۔ وہ ناصِرف ہمارے لئے بلکہ ہماری اُولادوں کیلئے بھی کافی ہے۔ پھر ہم کیوں ایسی دلدل میں اُتریں۔ جہاں سے واپسی کی کوئی راہ سُجھائی نہیں دیتی۔ جہاں سے بغیر توبہ کوئی سلامتی نہیں پاسکا۔ جہاں صِرف تباہی اور بربادی آنے والوں کا خیر مقدم کرتی ہے۔ یہ بظاہر نفع کا سودا دِکھائی دیتا ہے لیکن باطن میں خسارہ کے سِوا کُچھ بھی نہیں۔ میرے بھائی یہ شیطان کا دامِ فریب ہے۔ یہ مکڑی کا جالا ہے۔ جِس طرح مکڑی کے جال میں غِذا دیکھ کر لالچی مکھی جانے کا راستہ تُو ضرور تلاش کرلیتی ہے مگر باہر نکلنے

کا کوئی رستہ نہیں پاتی۔ اِسی طرح سود کے جال میں جانے کے تُو کئی دلفریب کُشادہ راستے ہیں۔ لیکن واپسی کیلئے کوئی گُزرگاہ نہیں ہے۔

اور بظاہر خُوش رنگ وخُوش بُو رکھنے والا یہ جام دراصل زِہر قاتل ہے۔ جِسے،، دَبستانِ شر،، ہمیشہ شریں و لذیز ثابت کرتے ہُوئے پینے کی ترغیب دِلاتا رَہا ہے۔ جبکہ اللہ کریم کے فرستادہ،، ہمیشہ سے اِسے ظلم کانِظام ثابت کرتے چلے ہیں۔ اور اِسکی ہلاکت خیزی کی داستانیں اسقدر ہیں۔ کہ کوئی بھی ذِی ہُوش اِس جام کی طرف ہاتھ بڑھانے سے پہلے ہزار بار سوچے گا۔ اور ہر بار لرز کے رِہ جائے گا۔ میرے بھائی اگر اِس نظام میں ذرہ برابر بھی خیر کے آثار ہُوتے تُو یہ ہمارے لئے حلال کردِیا جاتا۔۔۔۔۔۔۔۔

فرقان سانس لینے کیلئے ایک لمحے کو رُکا۔ تب نُعمان نے فرقان کی بات اُچکتے ہُوئے کہا۔۔۔ یار میں نے تُم سے تُمہارا جواب مانگا تھا۔ لیکن لگتا ہے اُس پروفیسر کیساتھ رہتے رِہتے تُمھیں بھی ہر بات پر نصیحت کرنے کا عارضہ لاحق ہُوگیا ہے۔ حالانکہ میں نے تُم سے پہلے ہی کہہ دِیا تھا۔ کہ مجھے اُلجھانے کی کوشش نہ کرنا۔ اور نہ ہی کوئی نصیحت کرنا کیونکہ میں اپنا اچھا اور بُرا، نفع و نقصان خوب سمجھتا ہُوں مجھے کاروبار کیسے کرنا ہے۔ یہ بات مجھے کِسی ایسے اِنسان سے سیکھنے کی بالکل ضرورت نہیں جو خُود مارکیٹنگ کی الف ب

سے بالکل ناآشنا ہُو۔ نعمان نے فرقان پر طنز کرتے ہُوئے کہا۔
کیا جُدائی سے بچنے کا کوئی رستہ باقی نہیں بچا۔۔۔ فرقان نے ملتجیانہ لہجے میں استفسار کیا۔
راستہ ہے۔۔۔! بس کاروبار مجھے کرنے دُو اور میں جسطرح کاروبار کرنا چاہوں تُم اُس میں رُکاوٹ پیدا نہ کرو۔۔۔ نعمان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔۔۔
میرا مطلب تھا۔ کہ سود سے بچنے کا کوئی دوسرا حل۔۔ فرقان نے وضاحت کرتے ہُوئے کہا
نہیں۔ کوئی دوسرا حل نہیں ہے۔ نعمان نے بات کو مختصر کرتے ہُوئے کہا۔
فرقان محسوس کر رہا تھا۔ جیسے وہ کسی بند گلی میں آ کھڑا ہُوا ہے۔۔۔ تب اُسے حسان صاحب کا جُملہ یاد آیا کہ،، کہ کبھی کبھار انسان کو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ ایک بند گُلی میں پُہنچ چُکا ہے۔ مگر دراصل اُس بند گُلی کی دیوار میں ہی رضائے رب کی شاہراہ کا باب موجود ہُوتا ہے۔ جسے شیطان وقتی طُور پر نظروں سے اُوجھل کر دیتا ہے۔ مگر جب کوئی یقین کامل کے ساتھ اُس

دیوار کی جانب چلنا شروع کر دیتا ہے۔ تب شیطان سر میں خاک ڈالتا ہُوا وہاں سے دفعان ہُو جاتا ہے۔ اور وہ دَر کھل جاتا ہے۔ جس سے ایک نہیں بلکہ کامیابیوں کے ہزار راستے دِکھائی دینے لگتے ہیں۔ اور ہر راستہ منزل پر ہی پُہنچاتا ہے۔

اگر تُمہارے پاس کوئی دوسرا آپشن موجود نہیں ہے تب ٹھیک ہے۔ مجھے تُمہاری تقسیم منظور ہے۔ جو تُم رکھنا چاہُو۔ وہ اپنے پاس رکھ لو اور جو میرا حِصہ بنے وہ مجھے دیدو۔ میں نے اپنی کم عِلمی کے باوجود جس قدر جانتا تھا۔ اتمامِ حُجت کے طُور پر سمجھا دیا۔ میں بُہت کم ہمت انسان ہُوں ۔ لوگوں سے لڑنے کا حُوصلہ خُود میں نہیں پاتا۔ تب کیسے ممکن ہے کہ اللہ کریم اور اُسکے مدنی محبوب ﷺ کی نافرمانی کا طُوق اپنی گردن میں ڈالوں۔ لِہٰذا بہتر ہے کہ ہم اپنی راہیں جُدا کرلیں۔ لیکن میرے دُوست مجھے کامِل یقین ہے۔ تُم ایک نا ایک دن ضرور میری بات کو سمجھ پاؤگے۔ اس وقت مجھ سے غیریت نہ برتنا۔ تمہیں جب بھی اپنی غلطی کا احساس ہُوجائے لُوٹ آنا۔ میرے گھر کے دروازے تُمہارے لئے ہمیشہ کُھلے رہیں گے۔۔۔۔۔۔!

نعمان شائد تمام تیاری کیساتھ فرقان کی رضامندی کا منتظر تھا۔ اس لئے صرف ایک ہفتہ کے اندر ہی کاغذات کی منتقلی کا تمام کام پایہ تکمیل کو پُہنچ

گیا۔ فیکٹری نعمان کے نام پر رجسٹرڈ ہوچکی تھی۔ جبکہ چھ ایکڑ زمیں کا ٹکڑا فرقان کے نام منتقل ہوچکا تھا۔ چونکہ فرقان کے پاس ذرائع آمدن کو کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ اسلئے صرف تین ماہ کے اندر ہی فرقان کی تمام جمع پونجی گھر کے کرایہ اور گھریلو اخراجات کی نذر ہو گئی۔ چند دِنوں سے فرقان یہ سوچ سُوچ کر ڈپریشن کا شِکار ہو رہا تھا۔ کہ اب گھر کے اخراجات کس طرح پُورے ہونگے۔۔۔۔؟

(جاری ہے)

پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا
اُونچی آواز ہوئی عُمر کا سرمایہ گیا

عامِل کامِل اور ابو شامل قسط 8

گُذشتہ سے پیوستہ۔

کامِل نے جب یہ دیکھا کہ نرگس اپنی جگہ سے ٹس سے مس ہُونے کو تیار نہیں ہے تو اُس نے نرگس کی کلائی اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہُوئے کہا۔ ضروری نہیں ہے کہ جس سے مُحبت کی جائے۔ اُسکا سارے زمانے میں چرچا بھی کیا جائے۔ میں کل بھی تُم سے مُحبت کرتا تھا۔ آج بھی کرتا ہُوں اور ہمیشہ کرتا رہونگا۔ لیکن اس وقت تُمہیں اپنے گھر جانا چاہیئے۔ یہ کہتے ہُوئے کامل نرگس کی کلائی تھامے اُسے اُسکی چھت تک لے آیا۔

لیکن نرگس اب بھی ایک قدم پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔ ایسا محسوس ہُورہا تھا۔ جیسے وہ آج تہیہ کرکے نِکلی ہُو کہ کامل کی زُبان سے اپنے لئے ڈھیروں محبت بھری باتیں سُنے بغیر اور بے شُمار عہد وپیمان کئے بِنا واپس نہیں پلٹے گی۔۔۔ مجبوراً نرگس کا ہاتھ تھامے کامل اسے اُسکے گھر کی چھت پر دھکیلنے لگا۔ ابھی یہ کشمکش جاری تھی۔ کہ چاچا ارشد کی کانپتی ہُوئی آواز نے کامل کے رہے سہے اوسان بھی خطا کرڈالے۔

اَب مزید پڑھیئے۔

کامل نے بُوکھلا کر زینے کی جانب دیکھا تُو چاچا ارشد غصہ کی شِدت کی وجہ سے کپکپا رہے تھے۔ نرگس چاچا ارشد کو دیکھتے ہی بُوکھلا کر بھاگتے ہُوئے زینے سے نیچے اُتر گئی۔ جبکہ کامِل چاچا ارشد کی غلط فہمی دُور کرنے کیلئے جونہی چاچا ارشد کے نزدیک پُہنچا۔۔۔ چاچا ارشد نے ہُونٹوں پر انگلی رکھتے ہُوئے اُسے خاموش رہنے کا اِشارہ کرتے ہُوئے کہا۔ میں نے سُوچا تھا کہ تُم یتیم و تنہا ہو۔ میرے گھر آنے جانے سے تُمہیں اپنے والدین کی کمی محسوس نہیں ہُوگی۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا۔ کہ تُم آستین کا سانپ ثابت ہوگے۔ میں بھی کتنا بے وقوف تھا۔ جو تُمہارے ساتھ نرگس کو بیاہنے چلا تھا۔ کیونکہ میں نہیں جانتا تھا کہ تُمہاری رَگوں میں میں کسی ذلیل اِنسان کا خُون دُوڑ رہا ہے۔ مجھے آج یہ محسوس ہُورہا ہے کہ تُم میرے نیک پڑوسیوں کی اولاد ہی نہیں ہُو۔ وہ شائد تُمہیں کسی کچرے کے ڈھیر سے اُٹھا لائے ہُونگے۔ تبھی تُم نے اتنی زلیل اور اُوچھی حرکت کرڈالی۔ کہ جس تھالی میں کھا رہے تھے۔ اُسی میں اپنے وجود کی گندگی ڈالنا چاہتے تھے۔ دفع ہُوجاؤ میری نظروں سے اور آج کے بعد میرے گھر کے نزدیک بھی نظر نہیں آنا۔ میرا دِل تُو چاہتا ہے کہ تجھے ابھی اور اِسی وقت اپنے ہاتھوں سے قتل

کرڈالوں لیکن میں اپنی عزت کی وجہ سے مجبور ہُوں۔ اور میں اپنی بچی کا تماشہ نہیں بنانا چاہتا۔۔۔۔۔۔۔۔ چاچا ارشد نے دھیمے مگر غُراتے ہوئے لہجے میں کامل کو مخاطب کرتے ہُوئے اپنے داہنے ہاتھ سے اُسے دفعان ہُونے کا اِشارہ دِیا۔

کامل نے اپنی صفائی میں کُچھ کہنے کیلئے اپنے ہُونٹوں کو جُنبش دینے کی کوشش ہی کی تھی کہ،، چاچا ارشد نے اپنے توانا ہاتھ سے کامل کی گردن دبوچ لی اور کامل کو ایک مرتبہ پھر خاموش رہنے کا اِشارہ دیتے ہُوئے کہا۔ مجھے نہ تیری کوئی گھٹیا دلیل سننے کی خواہش ہے اور میں نہ ہی تیرے گندے وجود کو ایک لمحے کیلئے بھی یہاں برداشت کرسکتا ہُوں۔ اسلئے تیری بہتری اِسی بات میں ہے کہ تُو خاموشی سے نیچے دفع ہُوجا۔ اتنا کہنے کے بعد چاچا ارشد نے اپنے ہاتھوں سے کامل کی گردن آزاد کرتے ہُوئے اُسے دھکا دیا۔ اور خُود بھی اپنے زینے کی سیڑھیوں سے نیچے اُتر گئے۔

تمام رات کامل ذِلت کے احساس اور اپنے نیک والدین کیلئے چاچا ارشد کی زُبان سے نِکلے مغلِظات کے متعلق سوچ سُوچ کر سسکتا رَہا۔ کم از کم چاچا ارشد کو اُسے ایک موقع تو دینا ہی چاہیئے تھا۔ تاکہ وہ اپنی صفائی دینے کیساتھ اپنی بیگُناہی ثابت کرسکتا۔ اگرچہ حالات اور مشاہدات سے جو غلط فہمی چاچا ارشد

کو پیش آئی تھی۔ کامل اس غلط فہمی کے عوض اپنے لئے چاچا ارشد کی ہر ایک سزا برداشت کرسکتا تھا۔ کیونکہ چاچا ارشد کے کامل پر احسانات اسقدر تھے۔ کہ جنکی قیمت شائد کامل کبھی بھی نہ چُکا پاتا۔ ابا کے انتقال کے بعد ایک وہی تُو تھے جنکی وجہ سے اُنہیں ہمیشہ حوصلہ اور ڈھارس ملا کرتی تھی۔ لیکن جسطرح چاچا ارشد نے حقیقت کا اِدراک کئے بغیر اُسکے نیک سیرت والدین کو لپیٹا تھا۔ یہ چاچا نے بالکل اچھا نہیں کیا۔ یہ ایک ایسا زخم ہے جو شائد تمام زِندگی مندمل نہ ہُو۔ اسطرح کی سوچوں کے ساتھ کامل جاگتا رہا یہاں تک کہ صبح ہُو گئی۔

فجر کی نماز کامل نے گھر ہی میں اَدا کی۔ نماز کے بعد وہ کافی وقت سجدے میں پڑا اللہ کریم کی بارگاہ میں گڑگڑاتا رہا اور دُعا کرتا رہا کہ چاچا ارشد کی غلط فہمی دُور ہُوجائے۔ اور چاچا ارشد نرگس اور اسکی راہ میں دیوار بن کر کھڑے نہ ہُوں۔ کیونکہ نرگس کے بغیر زندگی گُزارنا میرے بس کی بات نہیں۔ میں نرگس کے بغیر نہیں جی پاؤں گا۔ وہ سجدے میں رُوئے چلا جارہا تھا۔ جسکی وجہ سے اُسکی آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کر مصلے کو بھگوئے چلے جارہے تھے۔ مگر اُسکے دِل کی بیقراری میں کمی واقع نہ ہُو سکی۔

نجانے کامل کو اِسی حالت میں پڑے کتنی ہی گھڑیاں بیت گئیں۔ وہ شائد اِس

بیخُودی کے عالم میں نجانے مزید کتنا وقت پڑا رہتا۔ کہ دروازے پر پڑنے والی مسلسل دستک نے کامل کو اِس بیخودی کی حالت سے نِکلنے میں مدد فراہم کی۔ کامل نے آنکھیں صاف کرنے کے بعد جب دروازہ کھولا تو سامنے اُستاد رشید کھڑے نظر آئے۔ اُستاد رشید نے کامل کی سُوجھی آنکھوں کو دیکھتے ہُوئے کہا۔۔۔ شہزادے خیریت تُو ہے۔۔؟ کیا ساری رات جاگتے اور رُوتے ہُوئے گُزاری ہے۔۔۔ نہیں اُستاد ایسی تُو کوئی بات نہیں ہے۔ کامل نے پھیکی سی مسکراہٹ چہرے پہ سجانے کی کوشش کی۔

یار میں تُو اس واسطے تیرے پاس سویرے سویرے آیا تھا تاکہ تجھے چابیاں دیکر دُکان بھیج دُوں۔ کیونکہ مجھے شہر سے باہر جانا تھا۔ لیکن یہاں تُو تیری اپنی حالت ہی نازک نظر آتی ہے۔ اور میرے خیال میں تُو نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا ہے۔ ایسا کر ہاتھ مُنہ دھولے۔ ساتھ ہی ناشتہ کریں گے اور ساتھ ساتھ دوچار باتیں بھی کرلیں گے۔ اُستاد رشید نے شفقت سے کامل کا شانہ تھپتھپاتے ہُوئے کہا۔

ہوٹل کے ایک پرسکون گُوشے میں بیٹھ کر کامل نے ناشتہ کے دوران اُستاد عبدالرشید کو مختصراً اپنی تمام کہانی، چاچا ارشد کے احسانات، اور رات کا واقعہ بھی سُنا ڈالا۔ اُستاد عبدالرشید نے تمام واقعات سُننے کے بعد فی

الحال بیرونِ شہر جانے کا اِرادہ ملتوی کر دِیا۔ اور کامل کو ڈھارس بندھائی کہ ارشد بھائی کے ساتھ میرے بُہت اچھے تعلقات ہیں۔ اور میں ضرور چاچا ارشد کی تمام غلط فہمیاں دُور کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔۔۔۔۔! ناشتہ سے فارغ ہُو کر اُستاد عبدالرشید نے کامل کو گھر چھوڑ دِیا تاکہ وہ اپنی نیند پُوری کر کے پُرسکون ہُو جائے۔ اور اُستاد عبدالرشید خود دُکان چلے گئے۔

اُستاد عبدالرشید کی تسلیوں کے باعث کامل کو بستر پہ دراز ہوتے ہی نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور عصر کی نماز سے قبل ہی اُسکی آنکھ کُھلی۔ ظُہر اور عصر کی نماز کی ادائیگی کے بعد کامل نے لِباس تبدیل کیا۔ اور اُستاد سے مُلاقات کیلئے دُکان پر پُہنچ گیا۔ وہ دُکان کے قریب پہنچا تو چاچا ارشد دُکان سے نِکل رہے تھے۔ کامل میں فی الحال چاچا ارشد سے آنکھ مِلانے کی ہمت نہیں تھی۔ اسلئے وہ چہرہ پھیر کر دوسری طرف متوجہ ہُوگیا۔ چند لمحوں بعد اُس نے کن اَنکھیوں سے دیکھا تُو چاچا ارشد اپنی بائیک پر سوار کافی دُور نِکل چُکے تھے۔

کامِل دھڑکتے دِل اور بُہت سی اچھی اُمیدوں کیساتھ دُکان میں داخل ہُوا۔ منشی نے بتایا کہ اُستاد عبدالرشید آفس میں موجود ہیں۔ اُستاد عبدالرشد کی دُکان تقریباً ڈیڑھ ایکڑ کے رقبہ پر قائم تھی۔ جس میں بلڈنگ میٹیریل کا

تمام سامان بڑے قرینے سے رکھا جاتا تھا۔ اور دُکان کے آخری سرے پر اُستاد کا آفس قائم تھا۔ کامل نے جلدی جلدی چلتے ہُوئے یہ فاصلہ طے کیا اور اُستاد کے آفس کے دروازے پر پُہنچ کر دستک دینے ہی لگا تھا۔ کہ اُستاد عبدالرشید نے خُود آواز دیکر اُسے اندر بُلا لیا۔

اُستاد کے پژمُردہ چہرے پر نِگاہ پڑتے ہی کامل کا دِل ہول کھانے لگا۔ اُسکا دِل گواہی دے رہا تھا کہ ضرور کُچھ نہ کُچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ صبح کامل کو حُوصلہ دیتے ہُوئے جو اعتماد اُستاد رشید کے چہرے سے ظاہر تھا۔ وہ اعتماد و اطمینان اب مفقود نظر آ رہا تھا۔

کامل کے تمام خدشات بالکل صحیح ثابت ہُوئے تھے۔ چاچا ارشد نے اُستاد عبدالرشید کی کِسی بھی دلیل کو نہیں مانا۔ بلکہ وہ اُستاد پر الگ برہم ہُوئے تھے کہ اُستاد عبدالرشید اُسکے گھریلو معملات میں دخل اندازی نہ کریں۔ اور وہ اب کِسی بھی قیمت پر بھی نرگس کا رشتہ کامل سے برقرار نہیں رکھنا چاہتے۔ چاچا ارشد نے اِس کے عِلاوہ نجانے اُستاد عبدالرشید سے ایسی کونسی بات کہدی تھی کہ وہی اُستاد رشید جنہیں مکمل یقین تھا کہ وہ تمام معاملات کو سنبھال لیں گے۔ اب صِرف کامل سے ایک ہی بات کہہ رہے تھے کہ کامل چند دِنوں کیلئے اپنا موروثی گھر چھوڑ کر اپنی رِہائش اُستاد کے گھر منتقل

کر دے۔ کامل ابتدا میں اِنکار کرتا رہا۔ لیکن اُستاد کی مسلسل درخواست کو وہ نہیں ٹال سکا۔ اور مجبوراً اُس نے اپنی رہائش منتقل کرلی البتہ اُس نے اُستاد کے گھر میں سکونت کے بجائے آفس سے ملحق کوٹھری کو آباد کرنے پر ترجیح دی۔ جِسے کُچھ پس و پیش کے بعد اُستاد نے بھی قبول کرلیا۔

کامل کو اگرچہ یہاں اُستاد نے بے تحاشہ سہولتیں فراہم کردی تھیں۔ لیکن تین ماہ گُزرنے کے باوجود بھی وہ اَمّاں کے گھر کو نہیں بُھلا پایا تھا۔ اُسکا بس چلتا تو وہ ایکدِن کیلیئے بھی یہاں نہ رِہتا۔ لیکن اُستاد کی دِل شکنی کا سُوچ کر وہ ہمیشہ خاموش ہُوجایا کرتا تھا۔ لیکن ایک دِن ہمت کرکے اُس نے اُستاد عبدالرشید سے دِل کی بات کہہ ہی ڈالی کہ وہ اب مزید یہاں نہیں رِہنا چاہتا۔ کیونکہ اُسے اَماں کے گھر اور نرگس کی بُہت یاد آتی ہے۔ اور اب تُو وقت گُزرنے کیساتھ چاچا ارشد کا غُصہ بھی ٹھنڈا پڑ چکا ہوگا۔ شائد اُنکے دِل کا غبار بھی وقت کی بارش نے دُھو ڈالا ہُو۔ میں اُنکے پاؤں پکڑ کر معافی مانگ لُونگا۔ ہُوسکتا ہے کہ وہ مجھے نہ صِرف مُعاف کردیں بلکہ خُوش ہُو کر نرگس کیساتھ میرے ٹُوٹے رِشتے کو پھر سے جُوڑ دیں۔ کامل کے چہرے پر آخری جُملہ ادا کرتے ہُوئے اُمید سحر کے کئی رنگ نمودار ہُوگئے۔

اِسکا مطلب ہے تُم اب تک تمام معاملہ سے بے خبر ہُو۔۔۔۔اُستاد عبدالرشید نے کامل اکے چہرے کا جائزہ لیتے ہُوئے کہا۔۔۔

بے خبر۔۔۔۔ مگر کس معاملے میں اُستاد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کامل نے حیرت سے استفسار کرتے ہُوئے کہا۔

اُس دِن جب نرگس کے ابّا جب میرے آفس آئے تھے۔ تب وہ بُہت غصے میں تھے۔ میں نے اُنہیں بُہت سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ نہیں مانے تھے۔ میرا خیال تھا کہ دوسری مُلاقات میں اُنہیں قائل کرلونگا۔ لیکن اُنہوں نے جاتے جاتے مجھ سے ایک جُملہ کہا تھا۔ جسکی وجہ سے میں بُہت پریشان ہُوگیا تھا۔ اور تُمہیں فوراًاپنے پاس لے آیا تھا۔ اُنہوں نے کہا تھا کہ وہ ایک مہینے میں سادگی سے نرگس کی شادی کا اِرادہ رکھتے ہیں۔ اور اگر کامل یا کِسی اور شخص نے اِس شادی میں مُداخلت کی کوشش کی تو وہ اُسے قتل کرنے سے بھی باز نہیں آئیں گے۔ اور اُس ضدی شخص نے ایسا ہی کیا جیسا کہ اُس نے کہا تھا۔ یہاں سے جانے کے ٹھیک ایک ماہ بعد اُس نے اپنی بیٹی کا نِکاح اُس سے دُگنی عُمر کے آدمی کیساتھ کردیا تھا۔ بعد میں مجھے ایک کاروباری دُوست سے معلوم ہوا تھا کہ وہ ادھیڑ عُمر کا آدمی پہلے سے ہی شادی شُدہ تھا۔ ارشد نے

تمھیں جو سزا دی سُو دی۔ لیکن اُس نے اپنی بیٹی کو کس بات کی سزا دی یہ مجھے آج تک سمجھ نہیں آیا۔

اُستاد عبدالرشید نے کامل کو اپنا سر تھامے زمین پر ڈھیر ہوتا دیکھ کر اپنی گفتگو روک کر کامل کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن تب تک کامل کھردرے فرش پر ڈھیر ہو چکا تھا۔

(جاری ہے)

پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا
اُونچی آواز ہوئی عُمر کا سرمایہ گیا

جال۔ در۔ جال قسط 8

گُذشتہ سے پیوستہ

نعمان شاہد تمام تیاری کیساتھ فرقان کی رضامندی کا منتظر تھا۔ اس لئے صرف ایک ہفتہ کے اندر ہی کاغذات کی منتقلی کا تمام کام پایہء تکمیل کو پُہنچ گیا۔ فیکٹری نعمان کے نام پر رجسٹرڈ ہُوچکی تھی۔ جبکہ چھ ایکڑ زمیں کا ٹکڑا فرقان کے نام منتقل ہُوچکا تھا۔ چُونکہ فُرقان کے پاس ذرائع آمدن کو کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ اسلئے صرف تین ماہ کے اندر ہی فرقان کی تمام جمع پونجی گھر کے کرایہ اور گھریلو اخراجات کی نذر ہُو گئی۔ چند دِنوں سے فرقان یہ سوچ سُوچ کر ڈپریشن کا شِکار ہُو رہا تھا۔ کہ اب گھر کے اخراجات کس طرح پُورے ہُونگے۔۔۔۔؟

اب مزید پڑھیئے۔

کافی سُوچ بچار کے بعد فرقان اِس نتیجے پر پُہنچا کہ اُسے چونکہ چھ ایکڑ زمین پر جب نا ہی کاشتکاری کرنی ہے۔ اور نہ ہی کوئی فیکٹری لگانی ہے۔ تُو کیوں نہ اس قطعہ ء زمین کو فروخت کردیا جائے۔ اور رقم آنے کے بعد کسی

مُناسب جگہ پر انویسٹ کر دی جائے۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد ایک پراپرٹی بروکر نے فرقان کو بتایا کہ اُس کے پاس ایک حاضر پارٹی بھی موجود ہے۔ جسے شہر کے نزدیک آٹھ تا دس ایکڑ زمین فیکٹری کے لئے درکار ہے۔چونکہ اُنکی شرط ہے کہ زمین شہر میں موجود ہُونی چاہیئے۔ جہاں پانی، گیس، اور کمرشل بجلی کی سہولت بھی موجود ہُو۔ جبکہ شہر میں کوئی دُو ایکڑ زمین کا ٹکڑا بھی میسر نہیں۔تُو بھلا دس ایکڑ زمین کہاں سے دستیاب ہُوگی۔ آپ کی جگہ مُناسب ہے۔ اسلئے آپکو چھ ایکڑ زمین کے تین کروڑ روپیہ دِلوا سکتا ہُوں۔ بشرطیکہ سامنے والی پارٹی چھ ایکڑ کے پلاٹ پر رضامندی ظاہر کردے۔
فرقان کو اگرچہ یہ آفر مُناسب لگی تھی۔ لیکن وہ ایک مرتبہ زمین کو فروخت کرنے سے قبل حسان صاحب سے مشورہ کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ اسلئے فرقان نے بروکر کو جواب دینے کیلئے ایک دِن کی مُہلت طلب کرلی۔ اور شام کو حسان صاحب سے مُلاقات کیلئے اُنکے کاشانے پر حاضر ہُوگیا۔ رسمی گفتگو کے بعد فرقان نے اپنی حاضری کا مُدعا بیان کیا۔ تُو حسان صاحب نے اُسے جلد بازی کے بجائے استخارہ کی ترغیب دِلائی۔ جسکے جواب میں فرقان نے حسان صاحب سے گُزارش کی کہ میری جانب سے آپ استخارہ فرمالیں۔ جس کے بعد حسّان صاحب نے رضامندی ظاہر کرتے ہُوئے فرقان کو فجر کی نماز میں اپنے ساتھ جماعت میں شامل ہُونے کی تاکید کی۔ جس کے بعد یہ نشست برخاست ہُوگئی اور فرقان اپنے گھر لُوٹ گیا۔

صبح فجر کی نماز اور وظائف سے فارغ ہُونے کے بعد حسان صاحب نے فرقان کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ فرقان نہایت ادب و نیاز مندی سے حسان صاحب کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ حسان صاحب نے فرقان سے مُخاطب کرتے ہُوئے فرمایا کہ،، وہ ابھی زمین فروخت نہ کرے۔ بلکہ اُس پارٹی کا پتہ چلانے کی کوشش کرے جو اِس زمین کی خریداری میں دلچسپی رکھتی ہے۔۔۔

حسان صاحب کی ہِدایت پر فرقان نے بروکر سے مُعذرت کرلی اور اُسے بتایا کہ وہ فی الحال اپنی زمین فروخت نہیں کرنا چاہتا۔ ساتھ ہی فرقان نے اُس پارٹی کے متعلق باتوں ہی باتوں میں کافی معلومات حاصِل کرلیں۔ بروکر نے خریدار پارٹی میں فرقان کی دلچسپی دیکھ کر اپنے خَدشے کا اِظہار کرتے ہُوئے کہا۔۔ کہیں آپ ڈائریکٹ تُو پارٹی سے معملات طے نہیں کرنا چاہتے۔۔۔؟ اور اگر ایسا ہے۔ تو فرقان صاحب یہ میرے ساتھ بڑی زیادتی کی بات ہوگی۔

نہیں میرے بھائی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ البتہ میرا یہ آپ سے وعدہ ہے کہ اگر میں نے آپکی پارٹی سے ڈائریکٹ بھی سودا کیا۔ تب بھی آپ کی مِٹھائی بالکل پکی ہے۔

فرقان نے مُسکراتے ہُوئے بروکر کے خدشے کے جواب میں کہا اور رخصت طلب کرلی۔۔۔۔۔ کُچھ مزید معلومات حاصِل کرنے کیلئے فرقان نے گھر جاتے

ہُوئے یہ ذِمہ داری اپنے قابِل بھروسہ دینی بھائی کے سپرد کردی۔ جب تمام معلومات جمع ہوگئیں تب ایکبار پھر فرقان حسّان صاحب کی بارگاہ میں حاضر ہُوگیا۔

حسان صاحب کو خریدار پارٹی کا نام بتاتے ہُوئے فرقان نے ایک بات محسوس کی کہ،، شہریار مجددی کا نام سُن کر حسان صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں ایک خاص چمک سی پیدا ہُوگئی تھی۔ فرقان نے تمام معلومات ایک کاغذ پر منتقل کرنے کے بعد آخری سطر میں شہریار مجددی کا موبائیل نمبر لکھا۔ اور کاغذ حسان صاحب کی جانب بڑھادِیا۔

حسان صاحب نے کاغذ پر ایک سرسری نِگاہ ڈالنے کے بعد وہ کاغذ تہہ کرنے کے بعد اپنی ڈائری میں رکھتے ہُوئے فرقان سے فرمایا،، اگر میرا اندازہ ٹھیک ہے تُو سمجھ لُو کہ تُمھارے اِمتحان کے دِن انشاءاللہ عزوجل بُہت جلد ختم ہُونے کو ہیں۔ بس اللہ کریم کرم فرمائے۔ اور یہ وہی شہریار مجددی ہُو جو میں سمجھ رَہا ہُوں۔۔۔۔ نام تُو وہی ہے۔ لیکن یہ دُبئی کے بجائے پاکستان میں کیا کررہا ہے۔ بس یہ مُعمہ حل ہُونا باقی ہے۔ اور اگر یہ وہی شہریار مجددی ہے تو ابتک میری نظروں سے کیوں اُوجھل ہے۔۔۔۔؟

(جاری ہے)

مُحترم قارئین کرام طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ پارہا ہُوں۔ جسکے لئے بُہت بُہت معذرت خواہ ہُوں اور آپ سب سے دُعاؤں کیلیئے ملتمس ہُوں۔

پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا
اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

ڈو کوڑی کی باسی عورت

محترم قارئین یہ بات اگرچہ چند ماہ پُرانی ہے۔ مگر مجھے جب بھی اُس فون کال کی یاد آتی ہے۔ تو میرا غمگین دِل مزید غم و یاس کی تصویر بن جاتا ہے۔ اور میں سوچنے لگتا ہُوں کہ اے کاش میرے پاس کُچھ اختیار ہُوتا۔۔۔ تُو میں اِس معاشرے کے اِس گھناؤنے ناسور کی کُچھ نہ کُچھ اِصلاح کی تدبیر ضرور کرتا۔ مگر اپنی کم مائیگی اور بے بسی دیکھ کر اپنا دِل مَسُوس کر رِہ جاتا ہُوں۔ یہ تمام گُفتگو انتہائی مُتاثر کُن اور اپنے اندر بُہت سے سوالات لئے ہُوئی تھی۔ اسلئے میں نے اِس تمام گُفتگو کو اِسکے اصل پیغام کیساتھ اپنے انداز میں تحریر کردِیا ہے۔ تاکہ ہماری اِصلاح کا کُچھ سامان ہُو سکے۔

اُس دِن غالباً میری اپنی صحت کے حوالے سے ڈاکٹرز سے ایک میٹنگ تھی۔ جسکی وجہ سے میں نے اپنا سیل فون سائیلنٹ پر لگا رکھا تھا۔ گھر پُہنچ کر جب تمام ضروریات سے فارغ ہُونے کے بعد میں آرام کرنے کیلئے اپنے بستر پر دراز ہُوا۔ تو ایک بے چینی تھے۔ جیسے آج کا دِن رُوٹین سے بُہت مُختلف دِن ہو۔ ایک ایسا اِحساس جیسے پانچ وقت کی نماز پڑھنے والے شخص کو عموماً کسی دِن کوئی

نماز رہ جانے کے باعث ستاتا رِہتا ہے۔ اور جب تک نماز ادا نہ کرلی جائے یہ بے چینی ختم نہیں ہوتی۔ میں نے بُہت یاد کیا۔ کہ آخر ایسا کونسا کام ہے۔۔ اور آج انجام نہیں دیا گیا۔ نماز عشاء میں پڑھ چُکا تھا۔ رُوٹین کی ادویات بھی کھا چُکا تھا۔۔۔۔۔ پھر یہ بے چینی کیوں ہے۔۔۔۔ کافی ٹائم اِس بے چینی میں مُبتلا رہنے کے بعد مجھے یاد آیا کہ،، آج معمول کے مطابق نہ ہی فون کی بیل مُخل کررہی ہے اور نہ ہی میں نے آج موبائیل پر ایس ایم ایس کے جوابات دیئے ہیں۔

موبائیل چونکہ سائیلنٹ موڈ پر تھا۔ اس لئے مجھے آنے والے میسج اور کالز کا اِحساس ہی نہیں ہُوسکا۔ لیکن جب موبائیل کو چیک کیا تو 24 کالز مِس کالز میں تبدیل ہُوچکی تھیں۔ اگرچہ یہ معمول کی بات تھی۔ لیکن مجھے حیرت کا جھٹکا تب لگا۔ جب میں نے دیکھا کہ اُنیس مِس کالز ایک انجانے نمبر سے مسلسل کی گئی ہیں۔۔۔ میں سُوچنے لگا نہ جانے بیچارہ کُون ہے۔ اور کِس ایمرجنسی میں مُبتلا ہے۔۔۔ پھر خیال آیا کہ بعض اوقات لوگ زرا سے مسئلے کو بھی اپنے اوپر طاری کرلیتے ہیں۔ لِہذا صبح دیکھ لُونگا۔ میں ابھی فون رکھنے ہی لگا تھا۔ کہ ایکبار پھر اُسی انجانے نمبر سے کال موصول ہُونے لگی۔ مجھے خدشہ تھا کہ میرے کال اٹینڈ کرنے کی صورت میں بچوں کے آرام میں خَلل واقع ہُوگا۔ لِہٰذا وہاں سے اُٹھ کر ڈرائینگ رُوم میں چلا آیا۔

کال اٹینڈ کرتے ہی دوسری جانب سے ایک خاتون کی آواز سُنائی دی۔ السلامُ علیکم کیا عشرت اقبال وارثی بات کر رہے ہیں۔۔۔؟

آواز سے مجھے اندازہ لگانے میں بالکل بھی دِقت پیش نہیں آئی کہ اُن خاتون کی عُمر بیس برس کے قریب رہی ہُوگی۔ میں نے سلام کا جواب دیتے ہُوئے کہا۔جی فرمایئے میں عشرت وارثی ہی عرض کر رہا ہُوں۔

سر میرا نام ننتاشہ سحر ہے۔ میرا تعلق کراچی سے ہے۔اور میں کافی عرصہ سے آپ کے اِسم اعظم کے روحانی کالمز پڑھ رہی ہُوں۔ لیکن مجھے آپکا کالم ،، واعظ اور طوائف،، بُہت ہی زیادہ پسند آیا تھا۔ مجھے آپ جیسے مذہبی انسان سے اتنے تلخ سچ کی ہر گز توقع نہیں تھی۔ میں کئی ماہ سے آپکا فون نمبر سرچ کر رہی تھی ۔ بس مجھے آپکا موبائیل نمبر آج ہی مِلا ہے۔ اسلئے سُوچا آپکو مبارکباد دے دُوں۔ دوسری جانب سے وہ لگاتار بُولے چلی جارہی تھی۔

میری بہن ننتاشہ آپکی پسندِیدگی کا بُہت شُکریہ۔ مگر کیا رات کے ساڑھے بارہ بجے آپ نے مجھے یہ سب کُچھ بتانے کیلئے فون کیا ہے۔۔۔؟ مجھے لگا کہ وہ صرف وقت گُزاری کیلئے مجھ سے فُون پر گُفتگو کر رہی ہیں۔

نہیں سر۔ میں اِس وقت آپکو ڈسٹرب کرنے کیلئے مُعافی چاہتی ہُوں۔ لیکن میرا مسئلہ اتنا اہم اور نازک ہے۔ کہ مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ کیونکہ پہلے ہی کافی دیر ہُوچکی ہے۔ لیکن سر میری آپ سے استدعا ہے کہ آپ مجھے بہن کہہ کرمُخاطب نہ کریں۔ کیونکہ ہُوسکتا ہے کہ آپ میرا تعارف جان کر خود اپنی نِگاہُوں میں شرمندہ ہُوجائیں۔ اور میں آپکو شرمندہ نہیں کرنا چاہتی۔

حالانکہ میں کال ڈسکنیکٹ کرنے کا سُوچ رہا تھا۔ لیکن اُسکی تجسس بھری گُفتگو نے مجھے مجبور کردِیا کہ میں کال جاری رکھوں۔۔۔ میں نے اُسے مُخاطب کرتے ہُوئے کہا کہ،، دُنیاکے تمام عورت ومَرد نسبی بہن بھائی ہیں۔ اگر میں آپکو بہن نہ کہوں تُو پھر کیا کہوں۔۔۔؟ دوسراآپ زیادہ تجسس نہ پھیلائیں۔ بلکہ جو مسئلہ ہے اُسے ڈائریکٹ بیان کردیں۔ کیوں کہ مجھے نیند بُہت مشکل سے آتی ہے۔ میں نے اُسے شفقت سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

سر دراصل میں ایک سابقہ طوائف کی بیٹی ہُوں۔ حالانکہ میری والدہ میری پیدائش سے قبل ہی اپنے پیشے سے توبہ کرچکی ہیں اور میرے والد ایک دیندار آدمی تھے۔ لیکن میرے شوھر مجھے آج بھی طوائف زادی کے نام سے پُکارتے ہیں۔

حالانکہ میرا خُدا گواہ ہے کہ میں نے اپنے شوہر کے عِلاوہ کسی غیر مرد سے نہ کبھی دوستی رکھی۔ اور نہ ہی کِسی قِسم کا کوئی بھی تعلق رکھا۔ مگر وہ مجھے کبھی ، باسی عورت ، اور کبھی دُو کوڑی ، کی عورت سے نوازتے ہیں۔ تو کبھی برملا مجھے یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ طوائف کی بیٹی طوائف نہ ہُو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ ممکن ہی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔! آخری جُملہ اُس نے نہایت گلوگیر لہجے میں بمشکل ادا کیا۔

تُو نتاشہ سسٹر کیا آپ کے شوہر کو شادی سے پہلے آپ کے ماضی کا عِلم نہیں تھا۔۔۔۔۔؟ میں نے تاسف کا اظہار کرتے ہُوئے استفسار کیا

دراصل ہماری جان پہچان نیٹ پر ہُوئی تھی۔ وہ میری ایک سہیلی کے فرسٹ کزن تھے۔ میری سہیلی نے مجھ سے اختر جمال کی بُہت تعریف کی تھی۔ اُس نے بتایا تھا کہ اختر جمال ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور عنقریب وہ خُود بھی پی ایچ ڈی کا اِرادہ رکھتے ہیں۔ اور زمانے کی تفریق و اُونچ نیچ کی وجہ سے کِسی کو کمتر و حقیر نہیں سمجھتے ہیں۔ ہمیشہ نِگاہ جُھکا کر چلتے ہیں۔ اور ہر انسان کی عزت کرتے ہیں۔۔۔۔ اسقدر اوصاف حمیدہ سُن کر میں واقعی دِل ہی دِل میں اختر جمال کی گرویدہ ہُوچکی تھی۔ کیونکہ اختر جمال ایک مذہبی سائٹ بنانے کا اِرادہ رکھتے تھے۔ اِس لئے اُنہیں ایسے افراد کی ضرورت تھی۔

جو بِلا لُوث دین کی خِدمت کرنے کا جذبہ رکھتے ہُوئے اُسکی سائٹ میں معاونت کرسکیں۔ چونکہ میں میٹرک کی تعلیم مکمل کرچکنے کے بعد ایک انسٹیٹوٹ میں ویب ڈیزائینگ کا کورس سیکھ رہی تھی ۔ اسلئے میری سہیلی کا اِصرار تھا کہ میں بھی اختر جمال کی اِس نیک کام میں مدد کروں۔ لِہذا امی جان کی اِجازت کے بعد میری اختر جمال سے نیٹ پر مُلاقاتوں کا سِلسلہ جاری ہُوا۔ پھر ایک مرتبہ میری سہیلی نے مجھے بتایا کہ ایک فرم کو ویب ڈیزائینگ میں مہارت رکھنے والے افراد کی ضرورت ہے۔ جو دس سے پندرہ ہزار روپیہ تنخواہ دینگے۔ جسکے عوض وہ گھر بیٹھے انٹرنیٹ کے ذریعہ سے کام کی نوعیت سمجھا دیں گے۔ اِس فرم کے مینیجر اختر جمال کے دوست ہیں۔ اسلئے مجھے اختر بھائی نے کہا ہے۔ کہ میں تُم سے تُمہاری سی وی دو پاسپورٹ سائز فوٹو کیساتھ حاصِل کروں اور اُن تک پہنچادُوں۔

یہ آفر اتنی زبردست تھی کہ امی جان بھی میری مُخالفت نہ کرسکیں۔ جبکہ شادی کے بعد میں مجھے وَہی سی وی اختر جمال کی الماری سے مِلی اور اپنی دو پاسپورٹ سائز تصویروں کیساتھ ایک اِنلارج پکچر بھی مِل گئی جو شائد اُسی تصویر کی بدولت اسکینر کے ذریعہ سے حاصل کی گئی تھی۔ جسکی وجہ سے مجھے یقین

ہُوچلا کہ نوکری کا تُو صِرف بہانہ تھا۔ جبکہ درحقیقت وہ شادی سے قبل مجھے دیکھنا چاہتا تھا۔ الغرض قصہ مُختصر مجھے نوکری تُو نہیں ملی البتہ ایک دِن اچانک اختر جمال ہمارے گھر آ گئے۔ میری امّی چُونکہ اُنکے نام سے واقف تھیں اسلئے اُنہیں ڈرائینگ رُوم میں لے آئیں۔ کُچھ رسمی گُفتگو کے بعد اُنہوں نے اچانک میری امی جان سے میرا رِشتہ مانگ لیا۔

امی کو اگرچہ اختر جمال کا اسطرح تنہا رشتہ کیلئے آنا کھٹک رہا تھا۔ مگر وہ اختر جمال کی وجاہت اور بردباری سے بھی مُتاثر ہوئے بغیر نہ رِہ سکیں۔ امی جان کے بقول اختر جمال جتنی دیر میری امی جان سے گُفتگو کرتے رہے۔ اُنہوں نے ایک مرتبہ بھی امی کی جانب آنکھ اُٹھا کر نہیں دِیکھا تھا۔ بلکہ وہ مسلسل نظریں جُھکائے گُفتگو کررہے تھے۔ اُنکے چہرے پر داڑھی اور پیشانی پر سجدوں کا نِشان اُنکے وقار کو بڑھا رہا تھا۔ امّی جان نے اختر جمال کے جواب میں کہا کہ ابھی نتاشہ صرف سترہ برس کی ہے۔ اُسکے والد صاحب بھی دس برس قبل فُوت ہُو چُکے ہیں۔ اسلئے مجھے سوچنے کا موقع دُو۔ تاکہ میں نتاشہ سے اُسکی رضامندی بھی معلوم کرلوں۔ اور کُچھ آپ کے متعلق بھی جان سکوں۔ اِسکے علاوہ شادی بیاہ کی بات اگر بڑوں کے درمیان ہُوتی تُو زیادہ بہتر بات تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ نتاشہ کے ابو کے انتقال کی وجہ سے گُذشتہ دس برس سے ہمارا گُزر بسر مکان کے اوپر والے پورشن اور ایک دُوکان کے کرایہ سے

اگرچہ باآسانی ہوجاتا ہے۔ لیکن مہنگائی اسقدر زیادہ ہُوگئی ہے۔ کہ میں بُہت زیادہ جہیز نہیں دے سکتی۔ اسلئے بیٹا یہ بات پہلے ہی بتائے دے رہی ہُوں۔ تاکہ بعد میں کوئی بدمزگی نہ ہُو۔

امّی کی تمام باتیں سُن کر اختر جمال اپنی خُوبصورت گُفتگو سے امی جان کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہُوگیا کہ وہ خُود بھی نمائشی جہیز کیخلاف ہے۔ چونکہ جہیز دینا سُنت ہے اسلئے اسکی مخالفت بھی نہیں کرونگا۔ اگر آپ چار مٹی کے برتن بھی جہیز میں دے دیں۔ تو یہ بھی کافی ہے۔ اسلام میں لڑکی کی اجازت بھی نہایت اِہم ہے۔ آپ نتاشہ سے اُسکی رضامندی معلوم کرلیں مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ آپ میرے متعلق بھی معلومات ضرور حاصِل کریں۔ البتہ میری آپ سے گُزارش ہے کہ آپ فی الحال بڑوں کی شرط نہ لگائیں۔ جب آپکی طرف سے رضامندی ظاہر ہُوجائے گی۔ تب میں اپنے بڑوں کو بھی لے آؤں گا۔ ویسے میرے والد صاحب ایک مذہبی شخصیت ہیں جنہیں بِلامُبالغہ کراچی کے ہزاروں لوگ احترام و عقیدت کی نِگاہ سے دِیکھتے ہیں۔

امی جان کا چونکہ کراچی میں کوئی قریبی عزیز موجود نہیں تھا۔ اسلئے امی جان کے پاس اختر جمال کی معلومات حاصِل کرنے کا واحد ذریعہ میری سہیلی تھی۔ اگلے دِن امی جان نے مجھ سے اختر جمال سے ہُونے والی تمام گفتگو شئیر کرتے

ہُوئے میری رائے معلوم کی۔ میرے پاس بھی اپنی سہیلی کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں موجود تھا۔ اور میری سہیلی نے اختر جمال کا جو نقشہ میرے سامنے کھینچا تھا۔ اُسکے بعد تُو مجھے بھی اختر جمال انسان سے زیادہ ایک دیوتا نظر آنے لگا تھا۔ بہر حال امی نے ایک دِن میری سہیلی کو گھر پر بُلایا اور باتوں باتوں میں اختر جمال کی بابت معلومات حاصِل کی۔ چُونکہ اختر جمال پہلے ہی رازداری کا کہہ چُکے تھے ۔ اس لئے اَمی جان بھی کُھل کر میری سہیلی سے اظہار خیال نہ کرسکیں۔ اور یُوں امی نے مطمئین ہُونے کے بعد اپنی رضامندی میرے سامنے ظاہر کردی۔ اُن کی نظر میں یُوں بھی آجکل ایسے نوجوان کہاں مِلتے ہیں۔ جُو بِن باپ کی بچی کو بغیر جہیز کے بیاہنے کو تیار ہُوں۔ جبکہ اختر جمال تُو صرف جسم پر موجود ایک لباس کیساتھ بھی شادی پر تیار تھا۔ لڑکا نہ صرف خُوبصورت تھا۔ بلکہ ایک بُہت اچھے اور دینی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ صِرف ایک کمی تھی کہ اختر جمال مجھ سے عُمر میں دس برس بڑا تھا۔ لیکن اَمی کی نظر میں یہ کوئی ایسی معیوب بات نہیں تھی۔ اور مجھے بھی اُس وقت اسمیں کوئی قباحت نظر نہیں آئی۔ ثناشہ کی گُفتگو جاری تھی کہ اچانک لائن ڈسکنیکٹ ہُوگئی۔

میں ایک بات شدت سے محسوس کررہا تھا۔ کہ ثناشہ نے ایکبار بھی اختر جمال کا نام احترام سے نہیں لیا تھا۔ بلکہ اپنے شوھر کا تذکرہ کرتے ہُوئے اُسکے

لہجے میں اختر جمال کیلئے دَبا دَبا سا حقارت کا عُنصر ظاہر ہو رہا تھا۔ جسکی وجہ شائد نفرت کے وہ جذبات ہُوں۔ جو آہستہ آہستہ نتاشہ کے دِل میں اختر جمال کیلئے پیوستہ ہُوتے چلے جارہے تھے۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد پھر نتاشہ کی کال کے سِگنل موصول ہُونے لگے۔ میں نے کال کنیکٹ کی تُو اُس نے معذرت کے بعد اپنی بات پھر وہیں سے جُوڑ دِی۔ اُس نے مزید بتایا کہ،، میری سہیلی سے مُلاقات اور اختر جمال کے والد صاحب کے متعلق خُوش آئیند معلومات حاصل کرنے کے بعد۔ امی جان نے چند دِن بعد اختر جمال سے ٹیلیفون پر اپنی رضامندی کا اِظہار کرتے ہُوئے اُسے تاکید کی۔ کہ وہ شادی بیاہ کے مُعاملات طے کرنے کیلئے اپنے والدین کو ہمارے گھر بھیج دے۔

تین دِن بعد ایک سہ پہر جب میں اپنے انسٹیٹیوٹ جارہی تھی۔ مجھے راستہ میں ایک بچے نے ایک سِلپ تھماتے ہُوئے کہا۔ کہ یہ پرچی اختر جمال صاحب نے آپ کیلئے دی ہے۔ اس سے پیشتر کہ میں کوئی بات کہہ پاتی وہ بچہ وہاں سے رفو چکر ہُوگیا۔ میں نے یہاں وہاں نظر دوڑائی لیکن مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔ میں نے دھڑکتے دِل کیساتھ وہ سِلپ کھول کر دیکھی۔ تُو اُس پر لکھا تھا کہ مجھے آپ سے ابھی اور اِسی وقت فوراً مُلاقات کرنی ہے۔ خُدا کے واسطے اِنکار مت کیجئے گا۔ کیونکہ اِس مُلاقات سے میری زندگی کا فیصلہ جُڑا ہے۔ میں آپکے

انسٹیٹیوٹ کے باہر اپنی بائیک پر موجود ہُوں۔

آپکا اور صِرف آپکا۔۔۔۔ اختر جمال

بقیہ حِصہ اگلی قسط میں مُلاحِظہ فرمائیں

ڈو کوڑی کی باسی عُورت 2

گُذشتہ سے پیوستہ۔

تین دِن بعد ایک سہ پہر جب میں اپنے انسٹیٹیوٹ جارہی تھی۔ مجھے راستہ میں ایک بچے نے ایک سِلپ تھماتے ہُوئے کہا۔ کہ یہ پرچی اختر جمال صاحب نے آپ کیلئے دی ہے۔ اس سے پیشتر کہ میں کوئی بات کہہ پاتی وہ بچہ وہاں سے رفو چکر ہُوگیا۔ میں نے یہاں وہاں نظر دوڑائی لیکن مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔ میں نے دھڑکتے دِل کیساتھ وہ سِلپ کھول کر دیکھی۔ تو اُس پر لکھا تھا۔ کہ مجھے آپ سے ابھی اور اِسی وقت فوراً مُلاقات کرنی ہے۔ خُدا کے واسطے اِنکار مت کیجئے گا۔ کیونکہ اِس مُلاقات سے میری زندگی کا فیصلہ جُڑا ہے۔ میں آپکے انسٹیٹیوٹ کے باہر اپنی بائیک پر موجود ہُوں۔

آپکا اور صِرف آپکا۔۔۔۔ اختر جمال

اب مزید پڑھیئے۔

اگلے چند لمحوں میں سِلپ پھاڑ کر پھینک چُکنے کے بعد میں فیصلہ کرچکی تھی کہ مجھے اختر جمال سے مُلاقات کرنی چاہیئے۔ سر آپ مجھے غلط مت سمجھئے گا۔

دراصل اختر جمال کی جسقدر تعریف میری سہیلی نے بیان کی تھی۔ اسکے بعد میرے دِل ہی میں کیا۔۔۔ کسی بھی لڑکی کے دِل میں ایسے شخص سے خُوف کا سوال ہی پیدا نہیں ہُوتا۔ دوسرے وہ میری زندگی کا بُہت جلد میر کارواں بننے جارہا تھا۔ اور میں بھی اُس شخص کو شادی سے قبل ایک نظر دیکھنے کی دِل میں شدید خواہش رکھتی تھی۔ اور میری یہ خواہش شائد انسانی فطرت کے عین مُطابق بھی تھی۔ وہ اپنے سانسوں کی ردھم کو متناسب بنانے کیلئے ایک لمحے کیلئے رُکی۔

میں اپنے دِل میں اِس انجان لڑکی کیلئے بے پناہ ہمدردی محسوس کررہا تھا۔ مجھے بالکل ایسا محسوس ہونے لگا تھا۔ جیسے وہ میرے ہی آنگن میں کھیل کر جوان ہُوئی ہُو۔ اور اب مجھے گویا سوال کررہی ہُو۔ کہ میں تُو نادان تھی۔۔۔ مگر آپ نے بھی مجھے دلدل میں گرنے سے قبل آگاہی کا درس کیوں نہیں دِیا۔۔۔؟ اُسکا بار بار مجھے سر کہہ کرپُکارنا بھی مجھے گراں گزر رہا تھا۔ اسلئے میں نے اُسکی خاموشی کا فائدہ اُٹھاتے ہُوئے کہا کہ،، نتاشہ بہن آپ مجھے بار بار سر کہہ کر مُخاطب نہ کریں۔ اگر آپ کا مقصد یقیناً اِس لفظ کے توسل سے مجھے تعظیم دینا ہی ہُوگا۔ لیکن اغیار کی زُبان سے مجھے اجنبیت کا اِحساس مُسلسل ستائے جارہا ہے۔ آپ مجھے بھائی کہہ کر مُخاطِب کیوں نہیں کرتیں۔۔۔؟ اِس سے جہاں آپکا اعتماد بڑھے گا۔ وہیں مجھے سکون کا اِحساس بھی ملے گا۔ اور آپ کے جُملوں سے اپنائیت کی خُوشبو بھی میرے وجود کو مُعطر

کرنے کا باعِث ہُو گی۔

ٹھیک ہے سر۔۔۔اگر آپکو مجھے بہن کہنے میں عار محسوس نہیں ہُو رہا۔ تب میرے لئے یہ بات سعادت کا باعِث ہُو گی کہ میرا بھی آپ جیسا کوئی بھائی ہُو۔ پھر اُس نے پہلی مرتبہ ہچکچاتے ہُوئے مجھے مُخاطب کرتے ہُوئے اپنی داستان دُوبارہ شِروع کی۔۔۔۔ عشرت بھائی جب میں اِنسٹیٹیوٹ کے نزدیک پُہنچی تب پہلی مرتبہ میں نے اختر جمال کو دیکھا۔۔۔ وہ واقعی بُہت خُوبرو شخص تھا۔ چہرے پر سلیقے سے تراشی ہُوئی داڑھی، گورے رنگ پرپیشانی کا داغ سُجود، سر پر سیاہ گھنے بال لئے وہ جینز اور نیلے رنگ کی شرٹ میں واقعی بُہت حسین لگ رہا تھا۔

میرے نزدیک پُہنچنے پر اُس نے شائستگی سے مجھ سے بائیک پر بیٹھنے کی درخواست کی۔ میں نے پہلی مرتبہ اُسکی بڑی بڑی خُوبصورت آنکھوں کی طرف دیکھا جو غالباً رات بھر جاگنے کے باعث اپنے اندر سُرخی سموئے ہُوئے تھیں۔ میں مزید وہاں کھڑے ہُو کر اپنا تماشہ نہیں بنانا چاہتی تھی۔ پھر میرے دِل میں کہیں بھی تُو اختر جمال کیلئے خُوف کا کوئی دریچہ تھا۔ اور وہ عنقریب میرا سائبان بھی تُو بننے والا تھا۔ یہی سُوچ کر میں اُسکی بائیک پر سوار ہُو گئی۔ البتہ میں دِل ہی دِل میں یہ دُعا ضرور کر رہی تھی کہ،، کہیں

اہلِ مُحلہ کی نظر نہ پڑ جائے۔ جسکی وجہ سے میرے کردار اور امی جان کی تربیت پر اُنگلیاں اُٹھائی جا سکیں لیکن سہ پہر کی دھوپ نے اُس گھڑی سب کی نِگاہوں سے مجھ کو سے دُور ہی رکھا۔

وہ مجھے کافی دیر خاموشی سے کراچی کی پُرسکون شاہراوں کی سیر کراتا رہا۔ یہاں تک کہ بائیک ایک ریستوران پر جا کر رُک گئی۔ یہاں بھی اِکا دُکا لوگ ہی اندر نظر آ رہے تھے۔ اگرچہ میرا دِل زور زور سے دھڑک رہا تھا لیکن اختر جمال کی رفاقت میرا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔ ہم دونوں ایک کونے کی ٹیبل پر بیٹھ گئے۔ وہاں شائد اِس طرح کی ڈیٹس معمول کی بات تھی۔ اسلئے کسی نے بھی ہماری جانب بغور نہیں دیکھا۔ کُچھ لمحوں بعد ویٹر نے تازہ جُوس کے دُو گلاس ہماری ٹیبل پر سجا دیئے۔ اختر جمال کی نِگاہیں گاہے بگاہے میرے سراپے کا چُوری چُوری جائزہ لے رہیں تھیں۔ نجانے اللہ کریم نے عورت کے وجود میں وہ کونسی طاقت رکھ دی ہے۔ جو ہر عورت کو مرد کی نِگاہوں کا ادراک دے دیتی ہیں۔ چاہے کوئی مرد لاکھ اپنے اِحساسات کو چُھپانے کی کوشش کرے۔ لیکن اُسکی نِگاہیں ہر عورت کو یہ راز بتا دیتی ہیں۔ کہ وہ اُس خاتون کے بارے میں کیا سُوچ رہا ہے۔اور میں نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ کہ وہ مجھے بے حد پسند کر رہا ہے۔ اور میرے وجود سے اُسکے اعتماد میں اِضافہ ہو رہا ہے۔

پھر اختر جمال نے خاموشی کی چادر کو چاک کرتے ہُوئے گُفتگو کی ابتدا کی۔۔۔ نتاشہ میں شائد تمھیں یہ نا سمجھا پاؤں کہ یہ سب کیسے ممکن ہُوا۔ اور نجانے کیسے اور کب میں تُمھاری محبت کا اسیر ہوگیا۔۔۔ لیکن میں اتنا ضرور بتا سکتا ہُوں کہ اب میں تُمھارے بغیر جی نہیں پاؤنگا۔۔۔

میں نے نتاشہ کی بات منقطع کرتے ہُوئے مُعذرت کی۔ لیکن نتاشہ سسٹر ابھی آپ نے بتایا تھا کہ وہ آپکی اختر جمال سے پہلی مُلاقات تھی۔تب وہ مُلاقات سے پہلے ہی آپ کی مُحبت میں گرفتار کیسے ہُوگیا۔۔۔؟

عشرت بھائی بجا فرمایا آپ نے۔ یہی سوال ایک لمحے کیلئے میرے ذہن میں بھی پیدا ہُوا تھا۔ مگر ایک تُو میری کچی عُمر اُس پر مستزاد یہ کہ میرے سامنے ایک شاطر اور عیار مرد اپنی بھولی سی صورت کیساتھ بیٹھا تھا۔ جسکی باتوں میں نجانے کیسا سحر تھا۔ کہ اگلے ہی لمحے اُسکی باتوں سے میرے ذہن سے یہ سوال محو ہُوگیا۔ لیکن بعد میں مجھے یہ بات تب سمجھ آگئی تھی جب میں نے اُسکی دراز میں اپنی سی وی والی تصویر کو دیکھ لیا تھا۔ عشرت بھائی آپ کے سامنے اپنی تعریف بیان کرتے ہوئے مجھے شرم آرہی ہے۔ مگر میں آپکو اتنا بتا سکتی ہُوں۔ کہ اتفاق سے میری جسامت اور میرا چہرہ انڈیا کی ایک بُہت مشہور ایکٹریس اور سابقہ مِس ورلڈ سے ہُو بہو مِلتا ہے۔ شائد میری تصویر

دیکھ کر ہی اختر جمال کے شیطانی ذہن میں مجھے پھانسنے کا آئیڈیا آیا ہُوگا۔

لفظ،، پھانسنا،، میرے ذہن میں پھانس کی طرح چُبھ کر رِہ گیا۔ میں سُوچنے لگا کہ کاش اختر جمال نے نتاشہ سحر کے خُلوص کی قدر کی ہُوتی۔

لیکن آپکو اختر جمال ہُوٹل میں کیوں اور کیا کہنے کیلئے لیکر گیا تھا۔۔ میں نے اصل مُدعا کی طرف آتے ہُوئے استفسار کیا۔۔۔؟

جی بھائی میں وہی بتانے جارہی تھی۔ اختر جمال نے بتایا تھا۔ کہ اُس کے والد عالِم دین ہُونے کے باوجود کسی بھی قیمت پر اپنے قبیلے سے باہر اختر جمال کی شادی کے لئے رضامند نہیں ہُورہے ہیں۔ اگر امی جان مان جائیں اور سادگی کیساتھ ہمارا نِکاح کروادیں۔ تب میرے والد مجبوراً کُچھ عرصہ بعد ہی سہی لیکن اِس شادی پر راضی ہو ہی جائیں گے۔ اور اُنکے پاس ہمیں قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہُوگا۔ ویسے بھی میں اُنکی اکلوتی اُولاد ہُوں۔ اور کوئی کب تک اپنی اولاد سے خفا رِہ سکتا ہے۔

اگرچہ امی جان ایک فیصد بھی اس تمام معاملہ کے حق میں نہیں تھیں۔ بلکہ اُنہیں تو اس بات پر بھی شدید غُصہ تھا۔ کہ میں کیوں تنہا جا کر اختر جمال

سے ملی تھی۔ اُنہوں نے صاف صاف کہہ دِیا تھا کہ ،، میں اختر جمال کو بھول جاؤں۔ کیونکہ اُنہیں اختر جمال کی باتوں سے خطروں کی مہک آرہی تھی۔ جبکہ میں کوکھ جلی اختر جمال کے سحر میں ایسی گرفتار ہُوئی تھی کہ مجھے اب نہ راتوں کو نیند آتی تھی۔ اور نہ ہی مجھے کھانا اچھا لگتا تھا۔ امی کے سخت رویہ کی وجہ سے میری صحت دِن بدن خراب رہنے لگی تھی۔ کاش میں نے اپنی امی کا کہا مان لیا ہُوتا۔ تو زندگی کے اِس عذاب سے نہ گُزرنا پڑتا۔ یہ جملہ کہتے ہُوئے وہ پھر آبدیدہ ہُو گئی تھی۔

جسطرح پُوری دُنیا میں میرا اَمی جان کے سِوا کوئی نہیں تھا۔ اسطرح امی جان کی کُل کائنات میری تنہا ذات تھی۔ اسلئے بلاآخر اُنھوں نے میری ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور ایک دِن اَمی جان نے اَختر جمال کو گھر طلب کرلیا۔ شادی کی تمام تقریبات کو اختر جمال نے فرسودہ قرار دیتے ہُوئے پیسے کا ضیاع ٹھہرایا۔ اور اختر جمال نے امی جان سے درخواست کی کہ نِکاح بالکل سادگی سے کردِیا جائے۔ بلکہ نِکاح خُوان کا بھی آپ ٹینشن نہ لیں۔ کیونکہ میرا ایک دوست نِکاح خُوان ہے۔ جو ثواب کی نیت سے مُفت نِکاح پڑھا دے گا۔ امی جان نے چند دِن سوچنے کی مُہلت لیکر اختر جمال کو واپس بھیج دِیا۔ اختر جمال کی شخصیت اگرچہ سامنے والے کو سحر زدہ کرنے کیلئے کافی تھی۔ مگر

امی جان کو نجانے کیا بات کھٹک رہی تھی۔ جس نے اُنکی راتوں کی نیند بھی چھین لی تھی۔ پھر اُنھوں نے ایک دِن میرے ابو کے ایک وکیل دوست کو گھر پر مدعو کر لیا۔ جب امی جان نے اُنہیں تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا تُو وہ بھی کُچھ پریشان نظر آنے لگے۔ اور اُنھوں نے اپنے خدشات کا اظہار کرتے ہُوئے امی کو مشورہ دِیا کہ آپ اختر جمال سے کہیں کہ وہ نِکاح خوان کی پریشانی اپنے سر نہ لے۔ اور باقی معاملات مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں اِس نِکاح کا انتظام خُود کرونگا۔ اور نتاشہ میرے مرحوم دوست کی نشانی ہی نہیں بلکہ یہ بالکل میری بیٹی کی طرح ہی ہے۔۔

شادی والے دِن ایک سادہ سی تقریب کا انعقاد ہمارے گھر پر کیا گیا تھا۔ شادی کی تمام تقریبات خُوش اسلوبی سے طے پاگئیں تھیں۔ سوائے دو حادثات کے جسکی وجہ سے کُچھ وقت کیلئے شادی میں بدمزگی ضرور پیدا ہُوئی تھی۔ اتنا کہہ کر نتاشہ نے خاموشی اختیار کرلی ۔ مجھے ایسا محسوس ہُوا جیسے وہ اُن حادثات کو بیان کرنے کیلئے خود میں ہمت جمع کر رہی ہُو۔۔۔!

جب خاموشی کا دورانیہ سیکنڈوں سے منٹوں کی طرف منتقل ہُونے لگا تب میں نے بے چینی سے پُوچھا۔۔ سسٹر آپ دو حادثات کا ذکر کر رہی تھیں۔۔؟

عِشرت بھائی پہلی مرتبہ تو شادی کی تقریب میں تب ہلچل پیدا ہُوئی تھی۔ جب ایک خاتون نے تقریب کی ابتدا میں میرے ابو کی بہن ہونے کا دعویٰ کرتے ہُوئے۔ میری امی جان کو طوائف کہہ کر مُخاطب کیا تھا۔ اُنکا کہنا تھا کہ،، میری امی جان میری شادی کو ابو کے خاندان والوں سے پوشیدہ اسلیئے رکھ رہی ہیں۔ تاکہ ابو کے خاندان والوں کو یہ معلوم نہ ہُوسکے کہ میری امی شادی کے نام پر میرا سودا کرنے جا رہی ہیں۔ مجھے اُس دِن سے پہلے نہ ہی ابو کے خاندان کے متعلق معلوم تھا۔ اور نہ ہی امی کی زندگی کے ماضی کی کہانی کا عِلم تھا۔

وہ تو اللہ بھلا کرے حسام الدین ایڈوکیٹ انکل کا جنھوں نے معاملہ سنبھال لیا۔ اور کسی نہ کسی طرح میری پھپو کو مطمئین کرنے کے بعد وہاں سے فارغ کردیا۔ اُسکے بعد دوسری مرتبہ جمال اختر کے ایک دوست نے شُور شرابا بُلند کردیا تھا۔ کیونکہ حسام انکل نے میرے حق مہر کی رقم نِکاح نامہ میں مبلغ دس لاکھ روپیہ موجل رکھوادِی تھی۔ جِس پر اختر جمال کے دُوست احتجاج کر رہے تھے۔ لیکن انکل نے اُنھیں یہ سمجھا کر مطمئین کردیا تھا۔ کہ یہ رقم صِرف اِس لئے لکھوائی جارہی ہے۔ تاکہ ہماری بچی کا تحفظ برقرار رہے۔ اگر اختر جمال کے والدین اِس شادی میں شامِل ہُوجائیں تُو وہ ابھی اِس رقم کے بدلے صرف ۵ ہزار لکھوانے کیلیئے راضی ہیں۔ انکل کی دلیل اور شرط اتنی باوزنی تھی

کہ بلاآخر اختر جمال نے دُوستوں کو سمجھاتے ہُوئے حامی بھر لی۔

انشاءَاللہ عزوجل تیسری قسط میں اس کہانی کا مکمل خلاصہ پیش کرنے کی بھرپور سعی کرونگا

گُستاخ نہ جمے کوئی نَسلاں دے وِچ میری
ایس وارثی عشرت دی دُعاواں دی خیر ہُو

ڈو کوڑی کی باسی عورت 3 (آخری قسط

گُذشتہ سے پیوستہ۔

وہ تو اللہ بھلا کرے حسام الدین ایڈوکیٹ انکل کا جنہوں نے معاملہ سنبھال لیا۔ اور کسی نہ کِسی طرح میری پھپو کو مطمئین کرنے کے بعد وہاں سے فارغ کردیا۔ اُسکے بعد دوسری مرتبہ جمال اختر کے ایک دوست نے شُور شرابا بُلند کردیا تھا۔ کیونکہ حسام انکل نے میرے حق مہر کی رقم نِکاح نامہ میں مبلغ دس لاکھ روپیہ موجل رکھوادِی تھی۔ جِس پر اختر جمال کے دُوست احتجاج کررہے تھے۔ لیکن انکل نے اُنہیں یہ سمجھا کر مطمئین کردیا تھا۔ کہ یہ رقم صِرف اِس لئے لکھوائی جارہی ہے۔ تاکہ ہماری بچی کا تحفظ برقرار رہے۔ اگر اختر جمال کے والدین اِس شادی میں شامِل ہُوجائیں تُو وہ ابھی اِس رقم کے بدلے صرف ۵ ہزار لکھوانے کیلیۓ راضی ہیں۔ انکل کی دلیل اور شرط اتنی باوزنی تھی کہ بلاآخر اختر جمال نے دُوستوں کو سمجھاتے ہُوئے حامی بھرلی۔

اب مزید پڑھیئے۔

شادی کے بعد اختر جمال مجھے ایک لگژری اپارٹمنٹ میں لے گئے۔ یہ ایک نہایت

خُوبصورتی سے سجا ہُوا اپارٹمنٹ تھا۔ ابتدائی چند دِنوں میں ہی اختر جمال کے چہرے سے اُسکا نِقاب اُترنا شروع ہُوگیا۔ وہ جِس نے اپنے چہرے پہ علمیت اور بُردباری کا مُلمع چڑھایا ہُوا تھا۔ مجھے ایک جِنسی اور ذِہنی مریض نظر آنے لگا تھا۔ اُسے جب میرے جِسم کی ضرورت ہُوتی۔ تب اُسکا لہجہ انتہائی شیرین ہوجایا کرتا تھا۔ لیکن جونہی اُسکی خواہش پُوری ہوجاتی۔ وہ مجھ سے ایسے بیگانگی کا برتاؤ کرتا جیسے میں اُسکی بیوی نہ ہُوں۔ بلکہ پلاسٹک کا کوئی کھلونا ہُوں جِس سے کُچھ دیر کھیلنے کے بعد اُسے اب اُسکی ضرورت نہ رہی ہُو۔ ابتداکے صِرف چند دِن میرے ساتھ گُزارنے کے بعد وہ اکثر دیر رات کو گھر سے چلا جایا کرتا۔ اور میں تمام رات خُوف کے عالم میں تنہا اپارٹمنٹ میں جاگتے گُزار دیتی۔

میرے بار بار کے احتجاج کے جواب میں مجھے اُس نے بتایا کہ چُونکہ اسکے والدین کو اُسکی شادی کا عِلم نہیں ہے۔ اسلئے جب تک اُسکے گھر والے اِس شادی کے لئے رضامند نہیں ہُوجاتے۔ وہ روزانہ رات اپنے والدین کے گھر سے باہر نہیں گُزار سکتا۔ میں اِس اُمید پر دِن گُزارے جارہی تھی کہ جلد ہی وہ اپنے والدین کو راضی کرلے گا۔ اور میں بھی جلد اُسکی فیملی کیساتھ رِہنے لگوں گی۔ پھر بمشکل ایک ماہ بعد اختر جمال نے مجھ پر واضح کردِیا کہ یہ گھر بھی اُسکے جِس دُوست کا تھا۔ وہ دُبئی سے پاکستان اپنی فیملی کیساتھ

ایڈجسٹ ہُونے کیلئے واپس آرہا ہے۔ پھر چند دِن بعد ہی اختر جمال مجھے لیکر نیو کراچی کی ایک نئی بستی میں شفٹ ہُوگئے۔ یہ جگہ اور مُحلہ دیکھ کر مجھے یُوں محسوس ہُونے لگا جیسے میں کِسی مَحل سے کِسی جھونپڑی میں آبسی ہوں۔ لیکن مجھے یہ بھی منظور ہُوجاتا اگر اختر جمال میرے ساتھ رِہتے۔

اختر جمال اپنی رَوش پر قائم تھا۔ کبھی دِن میں آجایا کرتا اور شام تک میرے ساتھ رِہتا۔ اور کبھی سرِ شام آجایا کرتا اور دیر رات کو اپنے والدین کے گھر چلاجایا کرتا۔ اس گھر میں نہ ضرورت کا سارا سامان موجود تھا۔ اور نہ ہی دیواروں پر رنگ و روغن نام کی کوئی شئے ہی موجود تھی۔ البتہ اختر جمال مہینے بھر کا سودا سلف ضرور لادِیا کرتا تھا۔ دھیرے دھیرے مجھے یُوں محسوس ہُونے لگا جیسے میں اختر جمال کی منکوحہ نہیں بلکہ اُسکی داشتہ ہُوں۔ یہ احساس ہی کیا کم تھا۔ کہ ایک دِن اختر جمال کو نجانے کیسے شادی والے دِن پھپو کی کہی ہُوئی باتیں یاد آگئیں۔ اُس نے جب مجھ سے استفسار کیا تب میں نے اُسے صاف صاف بتادِیا کہ میں نہ اُس خاتون کو جانتی ہُوں جو میری پھپو ہُونے کا دعوٰی کررہی تھیں۔ اور نہ ہی میں اُنکا اتا پتہ جانتی ہُوں۔

مگر اختر جمال کے تجسس نے اُسے بلاآخر میری پھپو کے گھر حیدرآباد پُہنچا ہی دِیا۔ وہاں جاکر اُسے معلوم ہُوا کہ میری والدہ جوانی میں طوائف تھیں

اور میرے والد ایک مسجد کے پیش اِمام تھے۔ امی لاہور سے بھاگ کر حیدرآباد آئیں تھیں اور اِتفاق سے وہ حیدرآباد کے عِلاقے لطیف آباد میں مکین ہو گئیں تھیں۔ پھر نجانے وہ کیسے میرے ابا تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئیں۔ اور ابا نے تمام خاندان کی مُخالفت کے باوجود ایک طوائف سے شادی کرلی۔

یہ تُو وہ باتیں تھیں جو اختر جمال نے مجھ تک پُہنچائی تھی۔ جبکہ میرے استفسار پر امی جان نے مجھے بعد میں بتایا تھا۔ کہ اُنہیں مُلتان میں کالج جاتے ہُوئے اَغوا کرلیا گیا تھا۔ اور اُنہیں زبردستی لاھور لیجا کر طوائف بنا دیا گیا تھا۔ جہاں اُنکے جسم واِحساسات کو زبردستی پامال کیا جاتا رہا۔ وہ مسلسل چھ برس تک وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرتی رہیں۔ اور بلاآخر ایک دِن کامیاب ہُو گئیں۔ پہلے اُنکا خیال تھا کہ وہ واپس اپنے گھر مُلتان جائیں گی۔ لیکن مُلتان پُہنچ کر اُنہیں معلوم ہُوا کہ اُنکے والدین غم اور لوگوں کے طعنوں کے سبب بُہت پہلے ہی اِس دُنیا سے اپنا ناطہ تُوڑ کر جا چُکے ہیں۔ لوگوں نے امی کے اَغوا کو گھر سے بھاگنے سے تعبیر کیا تھا۔ جسکی وجہ سے اُنکے والدین کا جینا دوبھر ہُوگیا تھا۔ پھر وہ حیدآباد آ گئیں۔ یہاں بھی مُحلہ کے چند اُوباش لڑکوں کی طرف سے اُنکی تنہائی سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی جانے لگی۔ چُونکہ ابو جی کی مُحلہ والوں میں بُہت عزت تھی۔ اسلئے امی جان نے اُنہیں اپنی تمام پریشانی سے بذریعہ تحریر آگاہ کیا۔

ابو جی نے سُوچا کہ وہ کب تک لوگوں سے اُنکی عزت کا تحفظ کرتے رہیں گے۔ اسلئے اُنھوں نے خُود اُنہیں شادی کی پیشکش کردی۔ مگر امی جان نے انکار کرتے ہُوئے انہیں تمام حقیقت اور اپنے بدنُما ماضی کی تمام داستان ایک خط میں لکھ کر بھجوادی۔ امی جان کے بقول وہ اُنکی صاف گوئی سے اتنا متاثر ہُوئے کہ تمام خاندان کی مُخالفت کے باوجود بھی وہ امی جان سے شادی سے باز نہیں آئے۔ اور لوگ امی جان کو اُنکے ماضی پر طعنہ نہ دیں۔ اسلئے ابو جان حیدآباد چھوڑ کر کورنگی کراچی چلے آئے تھے۔ جس کے بعد ابو کے تمام خاندان والوں نے اُن سے قطع تعلق کرلیا تھا۔

عشرت بھائی اپنی امی جان کا ماضی جان کر میری نظروں میں اُنکی عزت میں میں مزید اِضافہ ہُوگیا تھا۔ جبکہ اختر جمال اب بات بات پر طوائف زادی کہہ کر پُکارنے لگا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ اختر جمال صِرف ہفتہ میں دُو دِن میرے ساتھ گُزارنے لگا۔ وہ تمام دِن انٹرنیٹ پر جنسی فلمیں دیکھتا رِہتا۔ اور سرِ شام میرے جسم کو بھوکے بھیڑیئے کی مانند روند کر واپس لُوٹ جاتا۔ مجھے اختر جمال اور اپنے جِسم سے بھی گِھن آنے لگی تھی۔ اختر جمال کے رویے کی وجہ سے اہلِ مُحلہ میں میری ذات سوالیہ نشان بن کر رِہ گئی تھی۔ لوگ مجھے ایک ویشیا سمجھنے لگے تھے۔ اگر بات یہاں تک ہی رِہتی تُو میں پھر بھی شائد صبر کا

دامن ہاتھ سے نا چھوڑتی۔ مگر اُس جنسی مریض نے مجھ پر بھی الزامات لگانے شروع کر دیئے۔ کبھی وہ کہتا کہ ہم ماں بیٹی نے انکل حسام کو اپنے جسموں کا خراج دیکر اُنکی ہمدردی حاصل کی ہے۔ اور کبھی کہتا کہ ہم اپنے اخراجات پُورے کرنے کیلئے اہلِ محلّہ کیساتھ ناجائز رِشتہ رکھے ہُوئے تھیں۔ وہ کُونسا غلیظ الزام ہے جو اُس نے مجھ پر اور میری ماں پر نہیں لگایا۔ اِتنا کہنے کے بعد وہ زار وقطار رُونے لگی۔

میں نے اُسے حُوصلہ دیتے ہُوئے کہا،، نتاشہ بہن آپ بالکل پرواہ نہ کریں۔ میری نظروں میں آپ اور آپکی والدہ ماجدہ دونوں ہی پاکباز ہیں۔ اور آپ نے خُود کہا ہے کہ وہ شخص ذِہنی مریض ہے۔ تُو میری بہن پاگل انسان کی باتوں پر افسوس تُو کیا جاسکتا ہے لیکن اپنی زندگی کو رُوگ نہیں لگایا جاسکتا۔ آپکو جو بھی قانونی اور رُوحانی مدد چاہیئے ۔ وہ میں آپکو دینے کیلئے تیار ہُوں۔ بس مجھے یہ اور بتا دیجئے کہ اختر جمال سے آپکی شادی کو کتنا عرصہ ہُوچکا ہے اور کیا آپکی اختر جمال سے کوئی اولاد بھی ہے۔

نتاشہ گلوگیر لہجے میں کہنے لگی۔ عشرت بھائی اختر جمال سے میری شادی ہُوئے تین برس کا عرصہ گُزر چکا ہے۔ اللہ کریم نے میرے بطنِ گُلستان کو چار سے زائد مرتبہ ممکنہ اولاد کی کلیوں سے سجایا ہے۔ مگر اِس ظالم انسان نے ہر

مرتبہ اُن کلیوں کو یہ کہہ کر میرے بطن سے نُوچ ڈالا کہ ہم ابھی اُولاد افورڈ نہیں کر سکتے۔ اور کیا یہ کم بات ہے کہ،، کہ میں تُمھارے بوسیدہ اور باسی جسم کو کراہت کے باوجود قبول کئے ہُوئے ہُوں۔ بھائی اُس ذلیل انسان کی یہ باتیں سُن سُن کر کبھی کبھی تو دِل میں خیال آتا ہے کہ اتنے گندے الزامات سُننے کے باوجود بھی میں زندہ کیوں ہُوں۔۔۔۔؟

ثناشہ بہن آپ اتنے مُظالم سہہ کر بھی اختر جمال کیساتھ کیوں رِہ رہی ہیں۔۔۔؟ میں نے ثناشہ سے استفسار کیا تو وُہ کہنے لگی۔ عشرت بھائی۔ گُذشتہ دُو برس میں اختر جمال نے میرے چہرے اور جسم پر اتنی ضربات لگائی ہیں کہ میرا پُورا وجود مسخ ہُو کر رِہ گیا ہے۔ مجھے اپنے چہرے کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ مگر میرے ساتھ اختر جمال کا جو رویہ رَہا ہے اُس رویے نے مجھے بھی ذہنی مریضہ بنا کر رکھ دِیا ہے۔ وہ مجھے خُود طلاق اسلئے نہیں دیتا کہ اُسے مجھے دس لاکھ روپیہ دینے پڑیں گے۔ اور میں خُود طلاق اسلئے نہیں لیتی کہ،، میری ظاہری حالت دیکھ کر مجھے کُون اپنائے گا۔ جس مُعاشرے میں خُوش شکل کنواری لڑکیاں رِشتے کے انتظار میں اپنے بالوں میں چاندی سجا لیتی ہُوں۔ وہاں مجھ جیسی مطلقہ عورت جسکے چہرے کے نقوش بے شُمار زخموں سے دھندلا گئے ہُوں۔ کُون اپنائے گا۔۔۔؟

میں نے اُسے حوصلہ دیتے ہُوئے کہا۔ کہ وہ اب مزید پریشان نہ ہُو۔ کیونکہ اب اُسکا ایک بھائی بھی اُسکے ساتھ اِس جنگ میں شریک ہے۔ اور میں اُسے بُہت جلد اُسکا قانونی اور شرعی حق دِلوا کر رَہونگا۔

فون لائن منقطع کرنے کے بعد نجانے کتنی ہی دیر میں آنکھوں کو خُشک کرتے ہُوئے سوچتا رہا۔ کہ نتاشہ سحر کو تُو میں انشاءَ اللہ انصاف دِلا کر ہی دَم لُونگا۔ لیکن ہمارے اِس مُعاشرے میں نجانے کتنی ہی نتاشہ سحر موجود ہُوں گی۔ جو والدین یا اپنی پسند کے سبب ایسے بیشمار اختر جمالوں کی درندگی کا روزانہ شِکار ہُوتی ہُونگی۔ اور ظُلم و جبر نے اُنکی قوتِ گویائی کو سلب کرلیا ہُوگا۔ اور کتنی ہی ایسی بچیاں ہونگی جنکو حالات نے نتاشہ سحر کی طرح یہ سوچنے پر مجبور کرِدیا ہُوگا۔ کہ وہ منکوحہ ہیں یا کوئی داشتہ۔۔۔۔؟

عامل کامل ابو شامل قسط 9

گُذشتہ سے پیوستہ

اُس دِن جب نرگس کے ابّا میرے آفس آئے تھے۔ تب وہ بُہت غصے میں تھے۔ میں نے اُنہیں بُہت سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ نہیں مانے تھے۔ میرا خیال تھا کہ دوسری مُلاقات میں اُنہیں قائل کرلونگا۔ لیکن اُنہوں نے جاتے جاتے مجھ سے ایک جُملہ کہا تھا۔ جسکی وجہ سے میں بُہت پریشان ہُوگیا تھا۔ اور تُمہیں فوراً اپنے پاس لے آیا تھا۔ اُنہوں نے کہا تھا کہ وہ ایک مہینے میں سادگی سے نرگس کی شادی کاارادہ رکھتے ہیں۔ اور اگر کامل یا کِسی اور شخص نے اِس شادی میں مُداخلت کی کوشش کی تو وہ اُسے قتل کرنے سے بھی باز نہیں آئیں گے۔ اور اُس ضدی شخص نے ایسا ہی کیا جیسا کہ اُس نے کہا تھا۔ یہاں سے جانے کے ٹھیک ایک ماہ بعد اُس نے اپنی بیٹی کا نِکاح اُس سے دُگنی عُمرکے آدمی کیساتھ کردیا تھا۔ بعد میں مجھے ایک کاروباری دُوست سے معلوم ہوا تھا۔ کہ وہ ادھیڑ عُمر کا آدمی پہلے سے ہی شادی شُدہ تھا۔ ارشد نے تُمہیں جو سزا دی سُو دی۔ لیکن اُس نے اپنی بیٹی کو کِس بات کی سزا دی یہ مجھے آج تک سمجھ نہیں آیا۔

اُستاد عبدالرشید نے کامل کو اپنا سر تھامے زمین پر ڈھیر ہوتا دیکھ کر اپنی گُفتگو روک کر کامل کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن تب تک کامل کھردرے فرش پر ڈھیر ہُوچکا تھا۔

اب مزید پڑھیئے۔

ان تمام واقعات نے کاٖمل کی زندگی کو یکسر بدل ڈالا تھا۔ نرگس کی شادی کی اطلاع پر ابتدا میں کامل کا خیال تھا کہ اُسے اب اپنی بے مقصد زندگی کا خاتمہ کرلینا چاہیئے۔ لیکن پھر سَروشِ غیب سے کسی نے اُسے راہ سُجائی اور اُس نے اپنا ارادہ بدلتے ہُوئے سُوچا کہ،، وہ کیوں اپنی زندگی کا خاتمہ کرے۔۔۔؟ اور وہ کیوں ظالم سماج کے آگے سپر ڈالے۔۔۔؟ اور وہ کیوں نہ اُن لوگوں سے انتقام لیکر اُنکی زندگی کو مُشکل بناڈالے کہ جنہوں نے ہمیشہ اُسکی زندگی سے خوشیوں کو دُور کیے رکھا۔ جو ہمیشہ اُسے غم دیکر راحت مِحسوس کرتے رہے ہیں۔ آخر کیا جُرم تھا میرا جو چاچا ارشد نے مجھے اسقدر سخت سزا کا مُستحق سمجھا کہ مجھ سے جینے کا آسرا ہی چھین ڈالا۔ اُسکے دِل میں اُمڈتے انتقامی جذبات نے اُس کے دِل میں خُودکُشی کی اُبھرتی خُواہش کو سرد کرڈالا۔ لیکن انتقام لینے کیلئے طاقت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جِسے حاصِل کرنے کیلئے کامل دِن رات پلاننگ کررہا تھا۔ اُستاد عبدالرشید نے کئی

مرتبہ کوشش کی کہ کامل واپس اُنکے پاس لُوٹ آئے۔ لیکن کامل نے مُعذرت کرتے
ہُوئے نوکری کو ہمیشہ کیلیئے خیر آباد کہہ دِیا تھا۔ اور اُستاد کے لاکھ سمجھانے کے باوجود
بھی وہ واپس اَماں کے گھر چلا آیا تھا۔ البتہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ چاچا ارشد اپنا
مکان بیچ کر دوسرے مُحلے میں شِفٹ ہُو چُکے تھے۔

پہلے اُس نے سُوچا کہ طاقت حاصِل کرنے کیلیئے اُسے کِسی سیاسی تنظیم میں شمولیت حاصل
کرلینی چاہیئے۔ لیکن دِماغ نے سمجھایا کہ اِس کیلیئے بُہت وقت درکار ہُوگا۔ پھر اُسکے دِل
میں خیال سمایا کہ کیوں نہ وہ ڈاکوؤں کیساتھ روابط پیدا کرے۔ لیکن پھر دِماغ نے
سمجھایا کہ اسمیں خُود اُسکی جان کو خطرات لاحق ہُوجائیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ
انتقام سے قبل ہی وہ خُود کِسی پُولیس والے کی گُولی کا نِشانہ بن جائے۔ کامل کئی دِنوں
سے پریشان اِس سوچ میں گُھلا جارہا تھا۔ کہ،، کیا وہ کبھی بھی چاچا ارشد سے انتقام نہیں
لے پائے گا۔۔۔؟ کہ،، اچانک ایک دِن سر راہ چلتے ہُوئے اُسکی نِگاہ دیوار پر لکھی تحریر پر
پڑی۔ یہ کسی بنگالی عامل کی جانب سے اشتہار تھا۔ جس میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ وہ
صرف ایک مُلاقات میں دُنیا کے کِسی بھی ناممکن مسئلے کو ممکن بناسکتا ہے۔

کامل علی نے اشتہار پر لکھے ایڈریس کو اپنے ذہن میں محفوظ کرتے ہُوئے سُوچا ہُو سکتا ہے یہ عامل ہی اُسکی کوئی مدد کردے۔ دوسرے دِن وہ بنگالی عامل کے ڈیرے پر جاپُہنچا۔ یہ ایک خستہ حال مکان تھا۔ جسکے ہر ایک گوشے سے ویرانی اور وحشت ٹپک رہی تھی۔ کامل علی نے دروازے پر دستک دیتے ہُوئے سُوچا۔ جو شخص اپنے حالات ٹھیک نہیں کرسکتا۔ کیا وہ میری مدد کرپائے گا۔ کُچھ لمحوں کے انتظار کے بعد ایک ننگ دھڑنگ بچہ مکان سے .برآمد ہُوا جِس نے کامل علی کا مُدعا جان کر اندر سے اجازت ملنے پر اُسے بیٹھک کے ٹُوٹے پھوٹے فرش پر بیٹھنے کا اِشارہ کیا اور اندرونی دروازے سے دوبارہ گھر میں داخل ہُوگیا۔

مزید چند لمحوں کے انتظار کے بعد پچاس.برس کا ایک دھان پان سا آدمی جِسم پر لنگوٹی باندھے۔ تمام جِسم پر چنبیلی کا تیل اور ماتھے پر سیندور لگائے گھر کے اندرونی دروازے سے بیٹھک میں نمودار ہُوا۔ کاِمل علی نے بنگالی بابا کو دیکھتے ہی اندازہ لگالیا کہ وہ مسلمان نہیں بلکہ ہندو مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ لفظ بنگال بھی شائد اُس نے اپنی شخصیت کو پُر سرار بنانے کیلئے استعمال کیا تھا۔ کامل علی نے ایک لمحے میں اُسکا سرسری سا جائزہ لیکر جونہی لب وا کرنے کی کوشش کی بنگالی بابا نے اُسے خاموش رہنے کا اِشارہ کرتے ہُوئے کہا۔ اپنی بپتا اُسے بیان کرنا جو بے خبر ہُو۔ جو بھی آشا تیرے ہردے (دِل) میں ہے

مجھے اُن تمام شبدوں کا آوشے گیان پراپت ہے۔ تو اُس مورکھ سے انتقام لینا چاہتا ہے نا جس نے تُجھ سے تیری ناری کو چھین لیا ہے۔۔۔؟

کامل علی ہکا بکا اُس بنگالی جادوگر کو دیکھ سُوچ رَہا تھا۔ کہ وہ بالکل صحیح جگہ پہنچ گیا ہے۔ کیوں کہ یہ بابا تُو دِل کی بات بھی جانتا ہے۔ یہ ضرور چاچا ارشد کو سزا دینے میں میری مدد کرے گا۔۔۔ کامل علی اپنے خیالات کو لفظوں کے قالب میں ڈھالنے کو سُوچ ہی رہا تھا۔ کہ ایک مرتبہ پھر بنگالی بابا کی آواز سے کمرہ گُونجنے لگا۔ بالک بیاکل اور نِراش نہ ہُو۔ ہم آوشےِ تیری سہایتا کریں گے۔ لیکن بالک ہم نے یہ گیان بڑی سخت تپیا اور اپنا تمام جیون کڑی دُھوپ میں گُزار کر اِسے حاصِل کیا ہے۔ ہم تیری اِچھا پوری کریں گے مگر بدلے میں تُجھے بھی کُچھ لکشمی ہمیں دینی ہُوگی۔

بابا جی آپ جب سب جانتے ہیں۔ تُو آپکو یہ بھی معلوم ہُوگا کہ میرے پاس روپیہ پیسہ بالکل بھی نہیں ہے۔ کامل علی نے بنگالی بابا کو مُخاطِب کرتے ہُوئے کہا۔

رُوپیہ پیسہ نہیں ہے تُو کیا ہُوا مکان تو ہے نا تیرے پاس بالک۔۔۔؟ بنگالی بابا نے ایک مرتبہ پھر اپنے عِلم کا اِظہار کرتے ہُوئے کہا۔۔

بابا جی مکان تو ہے مگر وہ میری امّاں کی میرے پاس آخری نِشانی ہے۔ جس کے ہر ایک کُونے سے مجھے امّاں کی مہک آتی ہے۔ کامل علی نے بے بسی سے بنگالی بابا کی طرف دیکھتے ہُوئے کہا۔

پھر تو میرا سے خراب نہ کر۔ ایک طرف اُس ڈشٹ سے انتقام بھی لینا چاہتا ہے۔ اور دوسری طرف مایا کی مُحبت میں بھی گرفتار ہے مُورکھ۔ جا چلا جا یہاں سے۔ اس سے پہلے کہ مجھے کرود (غصہ) آجائے جب لکشمی کا انتظام ہُوجائے تب میرے پاس ایک لاکھ روپیہ لیکر آجانا۔ پھر دیکھنا کہ میں کِس طرح اُس پاپی کا ناش کرتا ہُوں اتنا کہہ کر بنگالی بابا نے اپنی دھوتی کو سنبھالا اور واپس گھر میں چلا گیا۔

کامل علی کِسی بھی صورت میں امّاں کے گھر سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتا تھا۔ مگر چاچا ارشد سے انتقام لینا بھی ضروری تھا۔ اور بنگالی بابا پکا پروفیشنل بندہ نِکلا تھا۔ جس نے تھوڑے نا بُہت پُورے ایک لاکھ کا مُطالبہ کرڈالا تھا۔ کافی سُوچ بِچار کے بعد کامل اِس نتیجے پر پُہنچا کہ اُسے رقم کے حُصول کیلئے اُستاد عبدالرشید سے مدد مانگنی چاہیئے۔ کیوں کہ اِس بھری دُنیا میں ایک وہی واحد شخص تھا جو کامل سے بے لوث مُحبت رکھتا تھا۔

اُستاد عبدالرشید نے ایک لاکھ روپیہ قرض دینے کیلئے کامل پر شرط عائد کی تھی کہ پہلے کامل کو بتانا ہُوگا۔ کہ اُسے آخر ایسی کونسی ضرورت پیش آ گئی ہے۔ جس کیلئے کامل کو یکمشت ایک لاکھ رُوپیہ چاہیئے۔ کامل علی کافی دیر تک ٹال مٹول سے کام لیتا رہا۔ لیکن جب اُسے یقین ہُوگیا کہ اُستاد کو سچائی بتائے بغیر گُزارہ نہیں ہے۔ تُو اُس نے اُستاد کو سب کُچھ سچ سچ بتادیا۔

کامل کی زُبانی تمام رُوداد سُننے کے بعد اُستاد نے اپنا سر تھام لیا۔ اور کامل پر برہم ہُوتے ہُوئے اُسے سمجھانے لگا کہ وہ چاچا ارشد کی دُشمنی کا خیال اپنے دِل سے نِکال دے۔ ورنہ مجھے خُدشہ ہے اسطرح کے پاکھنڈی جادوگروں کے چکر میں ایکدِن نا صرف اپنے مکان سے ہاتھ دُھو بیٹھے گا۔ بلکہ کسی دِن اپنا ایمان بھی ضائع کر بیٹھے گا۔۔۔ اُستاد کے سمجھانے اور برہم ہُونے کے باوجود کامل علی اِس بات پر مُصِر تھا۔ کہ بنگالی بابا اگرچہ بنگال کا ہِندو ہے لیکن وہ بُہت بڑا گیانی ہے۔ جِس نے کامل سے ایک بھی بات نہیں پُوچھی۔ اور کامِل کے دِل کا احوال بھی جان لیا۔۔۔۔

ارے بے وقوف۔ اُس نے تیرے دِل کا حال نہیں جانا۔ بلکہ تیرے دِماغ کو پڑھ کر تیرے سوالوں کا جواب دیکر تُجھ پر اپنے عِلم کی دھاک بِٹھانے کی کُوشش کی

ہے۔ اور تیری باتوں سے صاف معلوم ہُو رہا ہے کہ وہ اسمیں کافی حد تک کامیاب رہا ہے۔ حالانکہ یہ کوئی کمال کی بات ہے اور نہ آج کے زمانے میں کوئی عجوبہ ہے۔ کسی بھی مذہب وملت سے تعلق رکھنے والا انسان اِس علم کو مستقل مزاجی اور ذہنی یکسوئی کی بدولت حاصِل کر سکتا ہے۔ میں زیادہ دُور نہیں جاتا یہ ہنر تُو میرے ایک پیر بھائی شریف کو بھی ذکر الٰہی کی بدولت ایک مُدت سے حاصِل ہے۔ وہ اکثر ہمارا ذہن پڑھ کر ہمیں حیران کر دِیا کرتا ہے۔ اور تُو اتنی سی بات پر ایک کافر کا شیدائی ہُو گیا۔ جس نے اس علم کو حاصل کرنے کیلئے نجانے کون کونسے راستے اختیار کئے ہُونگے۔

جب کہ میرے مُرشد فرماتے ہیں۔ کہ اللہ والوں سے مُحبت اُنکی کرامات کے باعث نہیں ہُونی چاہیئے۔ بلکہ اُنکی اطاعت الٰہی اور سُنت و شریعت پر استقامت کے سبب ہُونی چاہیئے۔ کہ ذِہن کو پڑھنے کی طاقت تو شیاطین کے پاس بھی موجود ہُوتی ہے۔ اور بعض بدمذہب عامِل انہی شیاطین جنات کو عملیات کے ذریعے قابو کرکے بھی دوسروں کے دِماغ کو پڑھ لیتے ہیں۔ یا شیطانی جنات کسی کے بھی ہمزاد سے وہ راز معلوم کر لیتے ہیں۔ جنہیں بسا اوقات انسان ایک دوسرے سے چُھپائے پھرتے ہیں۔ اور بعض جادوگر تو ان خرافات کے سبب اتنے طاقتور ہُو جاتے ہیں۔ کہ وہ ہَوا میں اُڑ کر اور پانی پر چل کر بھی لوگوں کو حیران وپریشان کر دیتے ہیں۔ جبکہ بندہ مومن کی فراست کا یہ عالم ہے کہ وہ اللہ

کریم کے نُور سے دیکھتا ہے۔ جسکے سبب اُسکی نِگاہ بیک وقت پاتال کا بھی مُشاہدہ کر رہی ہُوتی ہے اور لُوح محفوظ بھی جسکی نِگاہ سے مخفی نہیں رِہتا۔

کامل گھر جاتے ہُوئے سُوچ رہا تھا کہ اچھا ہُوا میں نے اُستاد سے جھوٹ بُول کر رقم حاصِل نہیں کی ورنہ اِس بات کی کیا ضمانت تھی کہ وہ جادوگر اس سے رقم لیکر اِس کا کام بھی ضرور کردیتا۔ اگر وہ رقم لیکر ڈکار بھی جاتا تو کون اُس عامِل جادوگر کے مُنہ لگنے کی حِماقت کر سکتا تھا۔

رات کو گھر پر لیٹے لیٹے کامل کو اُس کتاب کا خیال آیا جس کے ذریعہ مولوی رمضان صاحب نے کامل کی سکتے کی کیفیت کو تُوڑا تھا۔ کامل اُٹھ کر اُس کتاب کو تلاش کرنے لگا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد کامل نے اس کتاب کو ڈھونڈ نِکالا جسکے ذریعہ سے وہ ایک مرتبہ پہلے بھی نفع حاصِل کرچُکا تھا۔

یہ وظائف و عملیات کی ایک ضخیم کتاب تھی۔ جسکے صفحات بوسیدہ ہُو چُکے تھے۔ اور کافی صفحات شکستگی کے باعث پھٹ بھی چُکے تھے۔ کامل نے ایک صاف کپڑے کی مدد سے اُسکی گرد کو جھاڑا اور پھر پاؤں دراز کرکے احتیاط سے مضامین کوپڑھنے لگا۔ اِس کتاب میں ایک سے بڑھ کر ایک حکمت کے نسخے درج تھے۔ جبکہ ایک مکمل باب جنات اور ہمزاد کو قابو کرنے کے طریقے اور عزیمت سے بھرا پڑا تھا۔

جبکہ ایک باب بُہت سے جسمانی امراض کے روحانی علاج سے متعلق تھا۔ کامل علی نے فہرست دیکھ کر چند مضامین کے صفحات نمبر اپنے ذہن میں محفوظ کرتے ہُوئے کتاب کا مُطالعہ شروع کردیا۔

اُس نے سب سے پہلے جس مضمون کا انتخاب کیا۔ وہ انسانی نظروں سے پُوشیدہ ہُونے کا عمل تھا۔ جوں جُوں کامل علی مضمون پڑھتا چلا جارہا تھا۔ اُسکا شوق اور خُون کی حِدت بھی بڑھتی چلی جارہی تھی۔ لیکن مضمون کے آخر میں اِس عمل کی مہینوں پر مُحیط مُدت اور اُسکی سخت ترین شرائط دیکھ کر اُسکے جذبوں پر ڈھیروں برف پڑ گئی۔

لیکن دوسرے مضمون ،، دانہ ثمانی ،، کے مُطالعے نے پھر اسکے شوق کو مہمیز دی۔ اس عمل کی جہاں مدت صرف چالیس دِن تھی۔ وہیں اسکی شرائط بھی پہلے عمل کے مُقابلے میں اُسے کچھ سہل نظر آئی۔ جبکہ اسکے فوائد بھی اُسے پہلے عمل کی نسبت کُچھ زیادہ محسوس ہُوئے۔ وہ رات بھر بڑے اشتیاق سے کتاب کے مُطالعہ میں گم رہا۔ لیکن نیند کی وادیوں میں کھونے سے قبل کامل علی دانہ ثمانی کے موکل کو حاصل کرنے کا پُختہ ارداہ کرچُکا تھا۔

(جاری ہے)

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چُھٹے سستے
،، جو آگ بُجھائے گی وہ آگ لگائی ہے،،
میرے ہاتھ میں قلم ہے میرے ذِہن میں اُجالا
مجھے کیا دَبا سکے گا کوئی ظُلمتوں کا پالا
پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا
اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

جال در جال قسط ۹

گُزشتہ سے پوستہ۔

حسان صاحب نے کاغذ پر ایک سرسری نِگاہ ڈالنے کے بعد وہ کاغذ تِہہ کرنے کے بعد اپنی ڈائری میں رکھتے ہُوئے فرقان سے فرمایا،، اگر میرا اندازہ ٹھیک ہے تُو سمجھ لُو کہ تُمہارے اِمتحان کے دِن انشاءاللہ عزوجل بُہت جلد ختم ہُونے کو ہیں۔ بس اللہ کریم کرم فرمائے۔ اور یہ وہی شہریار مجددی ہُو جو میں سمجھ رَہا ہُوں۔۔۔۔ نام تُو وہی ہے۔ لیکن یہ دُبئی کے بجائے پاکستان میں کیا کررہا ہے۔ بس یہ مُعمہ حل ہُونا باقی ہے۔ اور اگر یہ وہی شہریار مجددی ہے تو ابتک میری نظروں سے کیوں اُوجھل ہے۔۔۔۔۔؟

اَب مزید پڑھیئے۔

حسان صاحب نے فرقان کو تاکید کی۔ وہ جلد از جلد شہریار مجددی سے رابطہ کرے اور اُس کے ساتھ ہماری نشست کا اہتمام کرے۔مزید کچھ گفتگو کے بعد یہ مجلس برخاست ہُوگئی۔

حسان صاحب کے گھر سے واپس آنے کے بعد دُو دِن تک فرقان اپنے مسائل میں ایسا گھرا کہ اُسے حسان صاحب کی ہِدایات یاد ہی نہ رہیں۔ جُوں جُوں وقت گُزرتا جارہا تھا۔ مسائل بڑھتے ہی جارہے تھے۔ بچوں کے اسکول، ٹیوشن کی فیسیں، یوٹیلٹی بِلز، مکان کا کرایہ، اور تمام گھریلو اِخراجات کیلئے رقم کی ضرورت تھی۔ لیکن فرقان کی جیب ہنوز خالی تھی۔ ایسے وقت میں کہ جب چہار جانب سے فرقان پر مایوسی کے بادل اُمنڈتے چلے آرہے تھے۔ اور کوئی تدبیر سُجھائی نہیں دے رہی تھی۔ فرقان کی بیگم نے اُسکی ہمت بندھاتے ہُوئے اُسکی گُود میں اپنا تمام زیور لاکر ڈال دیا۔

اِس تمام زیور میں وہ چار خُوبصورت کنگن بھی موجود تھے۔ جو شادی کی رات فرقان نے بیگم کو بڑے چاؤ سے پہنائے تھے۔ اور امی کی طرف سے دیا جانے والا وہ خاندانی ہار بھی دِکھائی دے رَہا تھا جو امّاں کو دادی کی طرف سے مِلا تھا۔ فرقان نے وہ تمام زیور واپس کرتے ہُوئے کہا۔ کہ،، میں کہیں سے قرض حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہُوں۔ لیکن بیگم نے سمجھایا کہ،، ماں باپ اور تمام محبت کرنے والے اپنے بچیوں کو زیورات سے صرف اِس لئے آراستہ نہیں کرتے کہ،، وہ صرف اُنہیں پہن کر حسین نظر آئیں۔ بلکہ اِس لئے بھی دیتے ہیں کہ،، اگر خُدانخواستہ کبھی بُرا وقت آجائے تو اِنہیں بیچ کر سخت حالات کا مُقابلہ کیا جاسکے۔ کافی بحث کے بعد فرقان نے ہتھیار ڈالتے ہُوئے امی کے

ہار کے علاوہ تمام زیور لے لیا۔ تمام زیورات بیچ کر ۱۲ لاکھ روپیہ سے کُچھ زائد رقم حاصل ہُو گئی۔ جسکی وجہ سے فرقان کو اطمینان ہُوگیا کہ کم از کم ایک برس کا عرصہ اطمینان سے گُزر جائے گا۔ جب تک روزگار کا کوئی خاطر خُواہ انتظام بھی ہُو ہی جائے گا۔

فرقان اِن تمام معاملات میں اُلجھا ہُوا تھا۔ کہ حسان صاحب کی کال آ گئی۔ اور جب اُنھوں نے شہریار مجددی سے ہُونے والی ٹیلیفونک گفتگو سے متعلق استفسار کیا تُو فرقان نے شرمندگی سے صاف صاف تمام حقیقت بتادی جسکی وجہ سے وہ شہریار مجددی سے گفتگو نہیں کرپایا تھا۔ حسان صاحب کو زیورات بیچے جانے کا جب معلوم ہُوا۔ تو اُنھوں نے دُکھ اور ناراضگی کا اِظہار کرتے ہُوئے کہا۔ فرقان وہ بُہت نیک سیرت بچی ہے۔ اور وہ صرف تُمھاری بیگم نہیں ہے۔ بلکہ ہماری بھی بیٹی جیسی ہے۔ آپ نے ہم سے بڑی بیگانگی برتی۔ اگر آپ اپنی پریشانی کا اِظہار زیور بیچنے سے قبل ہم سے کر دیتے تو اُس بیچاری کے زیورات بیچنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ اتنی رقم تو ہم بھی آپکو قرض حسنہ کے طور پر دے سکتے تھے۔۔۔۔!

فرقان نے جب شہریار مجددی کو کال مِلانے کی کوشش شروع کی تب بُہت مشکل کے بعد اُسکی کال مِلی۔ کیونکہ کافی مرتبہ موبائیل بزی ٹون کیساتھ فرقان کا

استقبال کرتا رہا۔ جسکی وجہ سے فرقان نے اندازہ لگایا کہ موصوف انتہائی مصروف شخصیت ہیں۔ سلام کے بعد جب فرقان نے اپنا تعارف کراتے ہُوئے بتایا کہ اُس کے پاس زمین کا وہ مطلوبہ ٹکرا موجود ہے۔ جسکی اُنہیں تلاش ہے۔ تو شہریار مجددی نے معذرت کرتے ہُوئے بتایا کہ وہ آجکل بُہت مصروف ہے۔ اور پراپرٹی کی لین دین وہ ڈائریکٹ نہیں کرتا بلکہ اُسکا منیجر کرتا ہے۔ اسلئے آپکو جِس بروکر نے آفر کی ہے۔ آپ اُسی کی معرفت میرے مینیجر سے مُلاقات کرلیں۔ اِس سے پہلے کہ شہریار لائن ڈسکنیکٹ کردیتا۔ فرقان نے استفسار کرتے ہُوئے کہا،، کیا آپ پروفیسر حسان صاحب کو جانتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

شام کو فرقان، حسان صاحب کے مکان پر بیٹھا اُنہیں بتارہا تھا۔ کہ کسطرح شہریار مجددی اُس کے ساتھ سرد مہری کے ساتھ پیش آرہا تھا۔ اور قریب تھا کہ وہ لائن ڈسکنیکٹ کردیتا۔ لیکن جیسے ہی اُس نے آپکا نام سُنا۔ اُسکا نہ صرف رویہ بدل گیا۔ بلکہ وہ اپنی گفتگو سے کافی شرمسار نظر آرہا تھا۔

شہریار مجددی نے آٹھ بجے کا ٹائم دیا تھا۔ لیکن وہ پندرہ منٹ پہلے ہی پُہنچ گیا تھا۔ حسان صاحب پر نظرپڑتے ہی وہ،، اُستاذِ محترم کہتے ہی نمناک آنکھوں سے حسان صاحب کی طرف دست بوسی کیلئے لپکا۔ لیکن حسان صاحب نے کھڑے ہُوکر اُسے اپنے سینے سے بھینچ کر لگالیا۔

حسان صاحب کے شکوے پر شہریار مجددی نے بھیگی پلکوں کیساتھ اپنے جُرم کا عتراف کرتے ہُوئے کہا۔ اُستاذِ من واقعی میں آپکا مجرم ہُوں کہ ایک ہفتے سے آپکے شہر میں موجود ہُونے کے باوجود آپکی زیارت کا شرف حاصل نہیں کرپایا۔ جسکا مجھے بھی بُہت افسوس ہے۔ حسان صاحب نے شہریار مجددی کی آمد پر کھانے کا انتظام کیا تھا۔ دورانِ ضیافت حسان صاحب نے فرقان کا تعارف یہ کہہ کر شہریار سے کروایا کہ،، یُوں سمجھ لو کہ آج سے فرقان تُمہارا اُستاد بھائی نہیں۔ بلکہ تُمہارے اُستاد کا بُہت چہیتا بیٹا بھی ہے۔ شہریار نے حسان صاحب کے مزید استفسار پر بتایا کہ وہ عنقریب دُبئی سے پاکستان سیٹل ہُو رہا ہے۔ جسکی تیاری کیلئے وہ چند روز کیلئے پاکستان آیا تھا۔ تاکہ وہ یہاں ایک پیپر مِل لگا کر باقی ماندہ زندگی اپنے وطن عزیز میں آرام سے گُزار سکے۔

شہریار میاں یہ پیپر مِل کتنی رقم کا پروجیکٹ ہے۔۔۔؟ حسان صاحب نے لُقمہ بناتے ہُوئے سوال کیا۔

بروکر نے بتایا ہے کہ شہر میں زمین کا مطلوبہ ٹکڑا چھ سے آٹھ کروڑ کے

درمیان بل جائے گا۔ جبکہ مینیجر بتا رہا تھا۔ زمین پر عمارت بنانے کیلئے دو کروڑ کی رقم کا تخمینہ لگایا گیا ہے جبکہ ابتدائی طور پر پانچ کروڑ روپیہ سے کاروبار شروع ہوجائے گا۔ پھر جیسے جیسے منافع ہوتا چلا جائے گا۔ کاروبار بھی پھیلتا چلا جائے گا۔ میں تمام معاملات کی جانچ پڑتال کر چکا ہوں۔ اسلئے میں بھی مینیجر کی رائے سے متفق ہوں۔ شہریار مجددی نے کھانے کے بعد ہاتھ صاف کرتے ہوئے بتایا۔

شہریار میاں کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ جو چھ سے آٹھ کروڑ روپیہ زمین کی خریداری میں لگا رہے ہیں۔ وہ رقم کہیں اور انویسٹ کردیں۔ اور کوئی دوسرا شخص اپنی زمین دیکر آپکا شراکت دار بن جائے۔۔۔؟ حسان میاں نے تجویز دیتے ہوئے سوال کیا۔

شہریار مجددی نے کچھ لمحے سوچتے ہوئے کہا۔ حضرت ممکن تو ہے۔ اور مجھے یہ بھی یقین ہے۔ کہ جب آپ کہہ رہے ہیں تو یقیناً میرے لئے اسمیں دُنیا اور آخرت کی بھلائی بھی ضرور ہوگی۔ لیکن اگر آپ کچھ مزید تفصیلات بتادیں۔ تو اسکے ممکنہ پیش آنے والے معاملات پر بھی غور کیا جاسکتا ہے

بیٹا شہریار تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ اللہ کریم نے سودی معاملات کو ناپسند

کرتے ہُوئے سورہ بقرہ میں آیت نمبر ۲۷۵ تا ۲۷۹ تک ارشاد فرمایا ہے کہ: وہ جو سود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر، جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو اس لئے کہ انہوں نے کہا بیع بھی تو سود ہی کے مانند ہے، اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود،۔ تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت آئی اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا، اور اس کا کام خدا کے سپرد ہے اور جو اَب ایسی حرکت کرے گا تو وہ دوزخی ہے وہ اس میں مدتوں رہیں گے۔ اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ کو پسند نہیں آتا کوئی ناشکرا بڑا گنہگار۔

بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور نماز قائم کی اور زکوۃ دی ان کا نیگ (انعام) ان کے رب کے پاس ہے، اور نہ انہیں کچھ اندیشہ ہو، نہ کچھ غم۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر مسلمان ہو۔

پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا اور اگر تم توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ نہ تمہیں نقصان ہو۔

یہ تمام احکامات اور اللہ کریم کی رضا اور ناراضگی کا فرمان تُمھارے اِس دینی بھائی فرقان نے جان لیا ہے۔ جسکی وجہ سے اسکے دِل میں سُود سے بیزاری پیدا ہو گئی۔ جسکا انعام یہ ضرور پا کر رہے گا۔ لیکن اسکا ایک دوست نعمان جو اِسکا کاروباری پارٹنر بھی تھا ۔نہیں جان پایا اور وہ ضدی طبیعت کی وجہ سے جاننا بھی نہیں چاہتا۔ لہٰذا فرقان نے اُس سے جُدائی اِختیار کرلی۔ جسکی وجہ سے تُمھارا یہ دینی بھائی عارضی طور پر دُنیاوی آزمائش میں مُبتلا ہُوگیا ہے۔ اسکے بعد حسان صاحب نے مُختصراً فرقان اور نعمان کی تمام رُوداد شہریار مجددی کو سُناڈالی۔

تمام واقعات جان کر شہریار مجددی نے رشک بھری نِگاہوں سے فرقان کو دیکھتے ہُوئے کہا،، فرقان میرے بھائی تُم نہایت عظیم ہُو۔ جس نے حسان صاحب کی صحبت میں رِہ کر خُدا کی رضا و نافرمانی کی معرفت حاصِل کرلی۔ آج سے تُم اس لڑائی میں تنہا نہیں ہُو۔ میں ایک حقیقی بھائی کی طرح تمہارے شانہ بشانہ چلنے کو اپنے لئے اعزاز سمجھوں گا۔ میں آج اِسی وقت اپنے قابل احترام بُزرگ کے رُوبرو تُمھارے ساتھ اپنی پارٹنر شپ کا اعلان کرتاہُوں۔ اِس تمام پروجیکٹ میں آپ میرے نصف حِصہ کے شراکت دار ہیں۔ میں کل ہی اپنے مینیجر کی مُلاقات تُم سے کرواوُنگا۔ جسکے فوری بعد آپ اپنی جگہ پر کنسٹریکشن شروع کروادیجئے گا۔

حسان صاحب نے شہریار مجددی کی فراخدلانہ پیشکش کے بعد اپنے دونوں ہاتھ بُلند فرمادیئے اور بُہت دیر تک دونوں کی خیر و بھلائی کیلئے انتہائی رِقت سے دُعا مانگتے رہے۔

(جاری ہے)

مُحترم قارئین کرام بار بار اپنی طبیعت کی ناسازی کے ذکر سے طبیعت میں ناشُکری کا احساس پیدا ہُوتا ہے اسلئے مزید کُچھ نہیں کہوں گا سوائے اِسکے کہ،، آپ سب سے دُعاؤں کیلئے ملتمس ہُوں۔

پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا
اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

(عامل کامل ابو شامل قسط ۱۰ (اسپیشل

گُذشتہ سے پیوستہ۔
لیکن دوسرے مضمون ،، دانہ ثمانی ،، کے مُطالعے نے پھر اسکے شوق کو مہمیز دی۔ اس عمل کی جہاں مدت صرف چالیس دِن تھی۔ وہیں اسکی شرائط بھی پہلے عمل کے مُقابلے میں اُسے کچھ سہل نظر آئی۔ جبکہ اسکے فوائد بھی اُسے پہلے عمل کی نسبت کُچھ زیادہ محسوس ہُوئے۔ وہ رات بھر بڑے اشتیاق سے کتاب کے مُطالعہ میں گم رہا۔ لیکن نیند کی وادیوں میں کھونے سے قبل کامل علی دانہ ثمانی کے موکل کو حاصل کرنے کا پُختہ ارداہ کرچُکا تھا۔

اَب مزید پڑھیئے
کتاب میں درج ہدایات کے مُطابق کامل علی نے چاند کی پانچ تاریخ کا بڑی شدت سے انتظار کیا۔ اور جُونہی پانچ کی سحر نمودار ہُوئی۔ کامل علی نے روزے کی نیت کرلی۔ کتاب میں درج ترک جمالی وجلالی کی ہدایات اگرچہ کافی سخت و دُشوار تھی۔ لیکن کامل نے تہیہ کرلیا تھا کہ جب تک وہ دانہ ثمانی کے موکل کو حاصل نہیں کرلیتا وہ باز نہیں آئے گا۔ تمام دِن روزے کی حالت میں

وہ جسم سے احرام نُما چادر لپیٹے ذکر و اَذکار میں مشغول رِہتا۔

مغرب کی اَذان ہُوتے ہی بُھنے ہُوئے چنّوں اور دریا کے سادہ پانی کیساتھ وہ اِفطار کرلیتا۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہُونے کے بعد وہ دانہ ثمانی کی عزیمت میں مشغول ہُوجاتا۔ ابتدائی چند دِنوں میں اگرچہ کامل علی کو تنہائی اور پرہیز سے بُہت کوفت محسوس ہُوتی اور کبھی کبھی خُوف کی شِدت سے اُس کے جسم پر لرزہ کی کیفیت طاری ہوجایا کرتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ اسکا عادی ہُوتا چلا گیا۔ ایک مہینے کے بعد جُوں جُوں چِلہ کے اختتام کی تاریخ نزدآتی جارہی تھی۔ کامل کی اُمیدیں بھی جوان ہُوتی چلی جارہی تھیں۔

بِلاآخر چِلّے کی آخری رات کی گھڑیاں بھی آپُہنچیں۔ کَامل علی کو اِس دِن کابڑی بے چینی سے انتظار تھا۔ وہ آخری نشست سے قبل مختلف پلان بنانے میں مصروف تھا۔ کہ جُونہی دانہ ثمانی کا موکل حاضر ہُوکر عہد وپیان کرے گا۔ تب وہ دانہ ثمانی کے موکل کو سب سے پہلا حکم یہی دیگا کہ،، وہ فوراً جاکر چاچا ارشد کا گَلا گھونٹ ڈالے اور اُسکے بعد نرگس جہاں کہیں بھی ہُو۔ اُسے لاکر میرے قدموں میں ڈال دے۔ اسکے بعد میں اُس نوجوان کو تلاش کرونگا۔ جس نے جوانی میں امّاں کا جینا حرام کیا ہُوا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ میں موکل کے ذریعہ سے اپنا عالیشان محل نُما گھر بنواؤں گا۔ جس میں ایک دُو نہیں بلکہ

سینکڑوں حسین کنیزوں کو دُنیا بھر سے منگوا کر اپنے اُس محل نُما گھر میں رکھوں گا۔
عزیمت کا وقت ختم ہُوگیا۔ لیکن موکل حاضر نہ ہُوا۔ کامل انتظار کرتا رَہا لیکن وہ نہیں آیا۔ یہاں تک کہ سورج کی کرنیں نمودار ہُوگئیں۔ کامل نے کئی مرتبہ دِنوں کا حِساب لگایا۔ ہر مرتبہ اور ہر طرح حساب لگانے پر ایک ہی جواب حاصِل ہُوا کہ چالیس دِن مکمل ہُوچکے تھے۔ لیکن اِس خلوت نشینی اور ترک جمالی و جلالی کا کوئی فائدہ کامل علی کو حاصِل نہیں ہُوا۔

چند دِن دلبرداشتہ رہنے کے بعد کامل نے دُوبارہ کتاب کا مُطالعہ کیا۔ تو عَمل کے نیچے ایک سطر مزید نظر آئی جس پر کامل علی کا پہلے دھیان نہیں گیا تھا۔ یہ ایک نُوٹ تھا۔ جو قوسین میں درج تھا جس میں لکھا تھا کہ۔۔ اگر تمام شرائط کو پُورا کرنے کے باوجود بھی موکل حاضر نہ ہُو۔ تب بھی دِل چھوٹا نہ کریں بلکہ جب تک تین چِلّے پُورے نہ ہُوجائیں۔ اپنی کوشش جاری رکھیں۔ پہلی، دوسری کوشش بھی ناکام ہُوجائے تب انشاءَاللہ تیسری کوشش ناکام نہیں جائے گی۔

اگرچہ دُوبارہ احرام کی چادریں لپیٹ کر گھر میں بند ہُونے کا پھر سے اِحساس

ہی بڑا رُوح سوز تھا۔ لیکن کامل کو ضد سوار تھی کہ چاہے مجھے کوئی بھی قیمت دینی پڑ جائے۔ لیکن میں چاچا ارشد سے انتقام لے کر ہی رَہوں گا۔ کامل نے دوبارہ اپنی تمام توانائیاں جمع کیں اور پھر سے چلے میں بیٹھ گیا۔ لیکن دوسرا چِلہ بھی پہلے چِلّے کی طرح ناکام رہا۔

دوسرے چِلے کی ناکامی کے بعد کامل علی کا یقین متزلزل ہُوچکا تھا۔ لیکن کِتاب کی ہِدایات کے مُطابق تیسرا چِلّہ ناکام نہیں ہُوسکتا تھا۔ اسلئے کامل علی نے کمر باندھی اور تیسرے چلے میں مشغول ہُوگیا۔ حالانکہ متواتر روزوں اور نامناسب غُذا کی وجہ سے کامل علی کا جِسم سوکھ کر رہ گیا تھا۔ تیسرے چِلے کا انجام بھی پہلے دونوں چِلوں سے مختلف نہ تھا۔ لیکن کامل علی کو یقین تھا۔ کہ اِس مرتبہ موکل ضرور حاضر ہُوگا۔ اسلئے وہ دانہ ثمانی کے موکِل کا آخری رات میں انتظار کر رہا تھا۔

دانہ ثمانی کا موکل تُو نہیں آیا۔ البتہ کوئی دروازے پر بڑی شِدت سے دستک دیئے چلا جا رہا تھا۔ کامل علی کا غُصے کی وجہ سے بُرا حال تھا۔ بلاآخر جب کافی وقت گُزر گیا۔ تب کامل نے جھنجلا کر بخورات کو ہاتھ سے اُٹھا کر دیوار پر دے مارا۔ دروازے پر مسلسل دستک جاری تھی۔ کامل علی نے سُوچا پہلے سائل سے نمٹ لیا جائے اُسکے بعد دیکھوں گا کہ آخر ایسی کونسی خامی میرے عمل میں

موجود ہے۔ جسکی وجہ سے میں ابتک محروم کا محروم ہی رہاہُوں۔

کامِل علی نے جھنجلا کر جُونہی دروازہ کھولا۔ سامنے ایک بُہت ہی لاغر سا نوجوان ہاتھ میں دستی پنکھے لئے بَدرِ قمر کی چاندنی میں کامِل کو نظر آیا جواُسکی آمد کا ہی منتظر تھا۔ کیا بات ہے کیوں دروازہ پیٹ رہے تھے۔ کامل علی نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں دریافت کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

جناب آپ نے پنکھوں کا آرڈر دِیا تھا۔ وہی لیکر حاضر ہُواہُوں۔۔۔ لاغر نوجوان نے ترکی باترکی جواب دِیا۔

بے وقوف آدمی میں نے کِسی کو پنکھوں کا آرڈر نہیں دیا۔ کامِل علی نے چِلّاتے ہُوئے کہا۔

کیاآپ کا نام کَامِل علی نہیں۔۔۔۔۔؟ لاغر نوجوان نے استفسار کیا۔۔۔؟

اُو میرے بھائی میرا ہی نام کامل علی ہے۔ اور اِس پُورے مُحلہ میں کوئی دوسراکامل علی نام کا بندہ بھی نہیں ہے۔ لیکن میں نے پنکھوں کا آرڈر نہیں دِیا۔۔۔! کامل علی نے ہاتھ جُوڑتے ہُوئے اُکتائے ہُوئے لہجے میں کہا۔

تب میں کیا کروں۔۔۔؟ لاغر نوجوان نے سہمے ہُوئے لہجے میں دریافت کیا۔

تُم یہاں سے دفع ہُو جاؤ۔۔۔۔ کامل علی نے ہاتھ نچاتے ہُوئے جواب دیا۔

کیا آپکو واقعی پنکھوں کی ضرروت نہیں ہے۔ لاغر نوجوان نے گھبراتے ہُوئے دُوبارہ پُوچھا

بھائی کہہ دیا نا کہ مجھے نہیں چاہیئے۔ اب تُم چلتے پھرتے نظر آؤ شاباش۔

ٹھیک ہے بھائی میں چلا جاتا ہُوں یہاں سے۔ مگر بعد میں میرے مالک سے یہ مت کہنا کہ میں تُمھارے پاس نہیں آیا تھا۔

تُم جاتے ہُو یہاں سے یا میرے ہاتھوں اپنی جان گنواؤ گے۔ اب اگر تُم ایک لمحہ بھی یہاں ٹھہرے تُو میں تُمھارا سر پھاڑ دُونگا۔ کامل علی نے دہاڑتے ہُوئے دروازے میں اَٹکی لوہے کی راڈ باہر نِکال لی۔

وہ لاغر نوجوان کامل علی کے ارادے کو بھانپ کر فوراً وہاں سے چل دِیا لیکن

چند قدم دُور جانے کے بعد اُس نے پلٹ کر کامل علی کی طرف دیکھ کر مُسکراتے ہُوئے کہا،، بھائی جب تمھیں نہ ہی پنکھ کی ضرورت تھی۔ اور نہ ہی میری طلب تھی۔ پھر کِس لئے ایک سو بیس دِن سے اپنی جان ہلکان کئے جارہے تھے۔

اِس سے پہلے کہ کامل علی کُچھ سمجھ پاتا۔ دانہ ثمانی کا موکل اپنی اصل ہیت اختیار کرکے فضاؤں میں پرواز کرگیا

(جاری ہے)

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چُھٹے سستے
،، جو آگ بُجھائے گی وہ آگ لگائی ہے،،
پلکوں سے دَرِیار پہ دستک دینا
اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

(عشق کے رنگ (عاشق اکبر

محترم قارئین کرام اپنی زندگی کا سب سے قیمتی سب سے خاص کالمز کا سلسلہ شروع کرنے جارہاہُوں۔ اگر زندگی نے مُہلت دی تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے بہترین افراد پر کالمز کا سلسلہ ۱۰۰ اقساط پر محیط ہُوگا۔ حُسن اخلاص کے ساتھ اللہ کریم کی بارگاہ میں دُعاگو ہُوں کہ مجھے اُس وقت تک مُوت نہ آئے جب تک کہ میں اکی سو اقساط نہ لکھ لُوں اللہ کریم اُس عاجز کو جلد از جلد یہ سو اقساط لکھنے کی توفیق اپنے خاص فضل سے اپنے مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طُفیل عطا فرمائے (آمین بِجاہِ النبی الکریم) وصلی اللہُ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وازوجہ واولیائے اُمتہ اجمعین
عاشق اکبر

بنو تمیم کے کئی افراد بڑی سُرعت کیساتھ ایک انتہائی حَسین نوجوان کو زخمی حالت میں اپنے ہاتھوں پر اُٹھائے سرپٹ دوڑے چلے جارہے تھے۔ ایک نوجوان اِن سب سے آگے راہ میں آنے والے لوگوں کو چِلّا چِلّا کر دائیں بائیں ہُونے کا اِشارہ کر رہا تھا۔
کِسی راہ گیر نے زخمی نوجوان کو پہچاننے کی کوشش کی

لیکن یہ کُوشش بے سُود اور لاحاصل ہی رہی کیونکہ اُس زخمی نوجوان کا تمام چہرہ خُون سے تر بتر تھا۔ جبکہ جسم سے جابجا رِستا ہُوا خُون زُبانِ حال سے حملہ آوروں کی سفاکیت کی داستان سُنا رہا تھا۔

پھر یہ تمام افراد ایک مکان کے نزدیک پُہنچ کر تیز تیز آواز میں چِلّانے لگے۔ ابُو قحافہ ابو قحافہ کہاں ہُو۔۔۔؟ دیکھو ظالموں نے عبداللہ کو اِنکے ہی خُون سے نہلا ڈالا ہے۔ معلوم نہیں سانسوں کی لے برقرار بھی ہے یا تھم چُکی ہیں ۔ جلد ہی اردگرد میں جس نے بھی عبداللہ پر جان لیوا حملہ کی خبر سُنی وہ فوراً دوڑتا ہُوا چلا آیا۔

بُہت جلد اِس مکان کے باہر لوگوں کا جمِ غفیر جمع ہُوگیا۔ لُوگ عبداللہ کی اِس حالت پر غم و غصہ کا اظہار کررہے تھے۔ حالانکہ بیشتر آنے والوں کا تعلق عبداللہ کے مذہب سے بھی نہیں تھا۔ جس سے یہ معلوم کرنا چنداں مشکل نہ تھا۔ کہ عبداللہ کی ذات میں بے شُمار خُوبیاں موجود ہیں۔ اور وہ صرف گُفتار کے غازی نہیں ہیں۔ بلکہ حُسنِ اخلاق کی اعلیٰ صفات کے حامِل ہُونے کیساتھ ساتھ لوگوں کے دُکھ درد میں بھی ہمیشہ کام آنے والے ہیں۔ تبھی تُو ہر آنے والے کی آنکھیُوں نَم تھی۔ جیسے گُویا کوئی اُنکا اپنا عزیز بسترِ مَرگ پر جاں بلب ہُو۔ یا اُن سے رُوٹھ کر دُور بُہت دُور جاچُکا ہُو۔

عبداللہ بن عُثمان ہمیشہ مظلوموں کی مدد کرنے میں پیش پیش رہا کرتے تھے۔ اُنکے دِل کا آبگینہ اِتنا حساس و نازک تھا۔ کہ وہ کسی کو بھی پریشان حال نہیں دیکھ سکتے تھے۔
لوگ ایک دوسرے سے حادثہ کی وجوھات جاننے کی کوشش میں مصروف تھے۔ عبداللہ بن عُثمان کے اعلیٰ اخلاق اور کردار کی وجہ سے کوئی سُوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ،، کہ کوئی شقیؔ القلب اِن پر حملے کی جُرات بھی کرسکتا ہے۔
حَملہ آوروں نے زدوکُوب کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی۔ طبیب کو فوراً طلب کرلیا گیا تھا۔ مگر اکثر لُوگ عبداللہ کی حالت دیکھنے کے بعد یہی رائے دے رہے تھے کہ عبداللہ بمشکِل جانبر ہُوپائیں گے۔
پھر یہ لوگ قافلہ کی صورت میں کعبہ اللہ پُہنچ کر اعلان کرتے ہیں۔ کہ اگر عبداللہ بن عثمان اپنی زندگی کی بازی ہار گئے تو قاتل یہ نا سمجھ لیں کہ قاتلوں کو مُعاف کردیا جائے گا۔ بلکہ ہم اِس مقدس مُقام پر کھڑے ہُو کر سبھی لوگوں کو گواہ بناتے ہیں کہ اُنکی جان کے بدلے قاتلوں کی زندگی کو مُوت سے ہمکنار کرنے کے بعد ہی دَم لیں گے۔ اُور مکہ کے رہنے والوں کان کھول کر

سُن لُو کہ ہم عتبہ بن ربیعہ کو بالخصوص قتل کریں گے۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہُوا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ نے سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر عبداللہ بن عُثمان کے جِسم کو نِشانہ بنایا ہے۔

حالانکہ ابھی ایک گھڑی پہلے یہی عبداللہ جنکی عُمر اُڑتیں اور چالیس برس کے درمیان ہو گی۔ جب بڑی متانت اور سنجیدگی کیساتھ چلتے ہُوئے کعبہ اللہ کے نزدیک آکر کھڑے ہُوئے تھے۔ تب لوگ اُنکے سُرخ و سفید چہرہ کو دیکھ کر گویا جُھلستی دوپہر میں مہتاب کی ٹھنڈک سے لُطف اندوز ہو رہے تھے۔ جبکہ اِنکی کُشادہ جبین پر ہمیشہ کی طرح چمکتے ہُوئے پسینے کے قطرات جھلملاتے ستاروں کی مانند اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ اندر کو دَبے ہُوئے رُخسار و عارض، اور کنپٹیوں کا احاطہ کئے ہُوئے سیاہ بالوں میں سے جھانکتی سفیدی آپکے تدبر اور فراست کا اعلان کر رہی تھی جبکہ جُھکی جُھکی نِگاہیں حیا کے ترانے گا رہی تھیں۔ تمام مکہ ہی اِنکا گرویدہ تھا۔

مکہ میں بسنے والے سبھی قبائل اِنکی شرافت اور اعلیٰ کردار کے گواہ تھے۔ یہ مکہ اور اُسکے مضافات میں گُمشدہ لوگوں کو ڈھونڈ لاتے تھے۔ یہ وہ تھے جنکے دَر سے کوئی خالی نہیں جاتا تھا۔ اور جب خُون بہا کو کوئی معاملہ اُلجھ جاتا تب اِنہی کو یاد کیا جاتا۔ یہ تشریف لاتے اور مسئلہ کسی نہ کسی

نتیجے پر ضرور پُہنچ جاتا۔ الغرض ایسا کون تھا۔ جو اِنکی عظمت کا قائل نہ ہُو۔ اور ایسا کوئی نہیں تھا جو انکی فہم وفراست پر مائل نہ ہُو۔

لیکن ایسا پہلی بار ہُوا تھا کہ انہوں نے مکہ کے لوگوں کو پُکارا ہُو۔ لوگ جوق در جوق اِنکے قریب جمع ہُونے لگے تھے۔ لیکن جونہی عبداللہ بن عُثمان نے لوگوں کے جمع ہُونے کے بعد لوگوں کو خُطبہ دیتے ہُوئے اللہ کریم اور اُسکے مدنی محبوب ﷺ کا اطاعت کا دَرس دینا شروع کیا۔ مکہ کے جُہلاء نے اُنکے احسانات کو بُھلا ڈالا اور اُن پر حملہ کردیا۔ بنو تمیم کے لوگوں کو اگرچہ عبداللہ بن عُثمان کے جسم پر طاری سکتے اور مسلسل غَشی کے دُوروں کی وجہ سے اُن کے بچ جانے کی بُہت کم اُمید باقی تھی۔ لیکن شام ہُوتے ہُوتے عبداللہ بن عُثمان نے آنکھیں کھول دیں۔

کِسی نے اُنکو ہُوش میں آتا دیکھ کر اِنہیں دُودھ پِلانے کا مشورہ دِیا تُو کِسی نے کہا کہ اِنہیں کھانا اور پھل کِھلائے جائیں۔ تاکہ کمزوری کا کُچھ تدارک ہُو۔ عبداللہ بن عُثمان کی والدہ ماجدہ اُم الخیر سلمی نے جب اپنے بیٹے کو ہُوش میں آتے دیکھا تُو اُنکے چہرے سے غَم کے بادل چھٹ گئے اور مسرت سے اُنکے دِل کی کلیاں کِھل اُٹھیں۔

دِل ہی دِل میں خُدا کا شُکر ادا کرنے کے بعد جب اُنھوں نے کھانے کیلئے کوئی شئے اپنے بیٹے کی جانب بڑھائی۔ تُو سعادت مند عبداللہ بن عُثمان نے ہاتھ کے اِشارے سے ماں کو منع کرتے ہُوئے نحیف و نزار آواز میں دریافت کیا۔۔۔ میرے آقا۔ محمد الرسول اللہ ﷺ کیسے ہیں۔۔۔؟ کہیں ناپاک دُشمنوں نے اُنہیں تُو ایذا و نقصان نہیں پُہنچادِی۔۔۔؟

اُم الخیر سلمیٰ نے اپنے جوان بیٹے کی حالت پر آبدیدہ ہُوتے ہُوئے کہا۔ بیٹا میں نہیں جانتی کہ ،، محمد بن عبداللہ ﷺ کے ساتھ لوگوں نے کیا معاملہ کیا۔! اِلبتہ میں اتنا جانتی ہُوں کہ تُم پر اِس وقت کمزوری غالب ہے۔اِس لئے میرے بچے تمھیں سب سے پہلے کُچھ کھالینا چاہیئے۔

ماں کا جواب سُن کر عبداللہ بن عُثمان رضی اللہ تعالٰی عنہٗ تڑپ کر بُولے،، خُدا کی قسم جب تک میں اپنے آقا سیدنا مُحمد الرسول اللہ (صلی اللہُ علیہ وسلم) کی خیریت نہ معلوم کرلوں اپنے حلق سے ایک قطرہ پانی یا ایک دانہ اناج بھی نہ اُتاروں گا۔

بنو تمیم کے وہی لُوگ جو ابھی کُچھ ہی لمحوں قبل عبداللہ بن عُثمان رضی

اللہ تعالیٰ عنہٗ کا انتقام لینے پر تُلے تھے۔ اُنکے لب پر آقائے نامدار ﷺ کا نامِ مُبارک سُن کر تلملا اُٹھے۔ کسی نے آواز لگائی کہ،، چلو بھائیوں واپس چلیں۔ عبداللہ کو اپنی حالت سے زیادہ اپنے آقا ﷺ کی پرواہ ہے حالانکہ اُنہی کی وجہ سے یہ آج مرتے مرتے بچے ہیں۔

تھوڑی دیر میں کافی لوگ واپس لُوٹ گئے۔ تب عبداللہ بن عُثمان نے سرگوشی کے انداز میں اپنی ماں کی منت سماجت کرتے ہُوئے عرض کیا۔ امی جان میرے حال پر رَحم کھائیں اور مجھے میرے کریم آقا علیہ السلام کی خیریت کی خبر لادیں۔ آپ خطاب کی بیٹی اُور عُمر (رضی اللہُ عنہٗ) کی بہن اُم جمیل فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عُنہما کے گھر چلی جائیں۔ اُنہیں ضرور میرے سوھنے مُصطفٰے ﷺ کی خیریت سے آگاہی ہُوگی۔

حضرت اُم الخیر سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ ابھی تک ایمان نہیں لائی تھیں بیٹے کی حالت دیکھ کر بیتاب ہُوگئیں۔ اور بڑی بیقراری کی حالت میں اُمِ جمیل فاطمہ (رضی اللہُ تعالیٰ عنہا) کے دولت کدے پر جا پُہنچیں۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا۔ جب کُفار بداطوار کی نِگاہیں ہر اُس شخص پر جمی تھیں۔ جو مسلمانوں سے میل مِلاپ رکھنے کی کوشش کرتا۔ یا اُنکی کِسی بھی طرح مدد کی کوشش میں کُوشاں نظر آتا۔

حضرت اُم جمیل فاطمہ (رضی اللہُ تعالیٰ عنہما) نے جب اُم الخیر سلمی (رضی اللہُ تعالیٰ عنہما) جو کہ ابھی تک ایمان کے اظہار سے محروم تھیں۔ کہ لبوں سے اپنے کریم آقا علیہ السلام کا اِسم مبارک سُنا اور آپ کے کاشانۂ مبارک کے متعلق اُم الخیر کو متجسس پایا تو آپ تشویش میں مُبتلا ہُو کر فرمانے لگیں۔ کہ میں یہ تُو نہیں بتا سکتی کہ اِس وقت اللہ کے رسول ﷺ کہاں تشریف فرما ہیں۔ البتہ اگر آپ اِجازت دیں تُو میں آپ کے گھر چل کر آپ کے بیٹے کو دیکھ سکتی ہُوں۔ اُم الخیر سلمی کا شُمار مکہ کی جہاندیدہ خواتین میں ہُوتا تھا۔ آپ سمجھ گئیں کہ اُم جمیل اپنے سوھنے نبی ﷺ کے معاملے میں اُن پر اعتبار نہیں کرنا چاہتی۔ لِہذا اُنھوں نے حضرت اُم جمیل فاطمہ (رضی اللہُ تعالیٰ عنہما) کو ساتھ لیا اور اپنے گھر تشریف لے آئیں۔

جب حضرت اُم جمیل فاطمہ کی نِگاہ حضرت عبداللہ بن عُثمان (رضی اللہُ عنہُ) پر پڑی تُو بے اِختیار اُم الخیر سلمی (رضی اللہُ تعالیٰ عنہما) سے رُوتے ہُوئے کہنے لگیں۔۔۔۔ خُدا نمٹے اُن ظالموں سے جنھوں رسول اللہ (صلی اللہُ علیہ وسلم) کے خاص مصاحب ابو بکر صدیق (رضی اللہُ تعالیٰ عنہُ) کو اِس حال میں پُہنچایا ہے۔

حضرت اَبو بکر صِدیق (رضی اللہُ تعالیٰ عنہُ) جنکا اسم مُبارک عبداللہ ہے اور والد کا اسم گرامی عُثمان ہے جنکی کُنیت ابو قحافہ ہے جبکہ آپکی کُنیت ابو بکر ہے (رضی اللہُ تعالیٰ عنہُ) آپ نے اُم جمیل فاطمہ (رضی اللہُ تعالیٰ عنہا) سے بڑی بیقراری کے عالم میں سرکار ﷺ کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت اُم جمیل فاطمہ (رضی اللہُ تعالیٰ عنہا) نے اشارے سے آپکی والدہ کی جانب اِشارہ کیا۔ کہ یہ بھی سُن رہی ہیں۔ حضرت اَبو بکر صِدیق (رضی اللہُ تعالیٰ عنہُ) نے فرمایا کہ فکر نہ کریں میری والدہ مسلمانوں کی دُشمن نہیں ہیں۔

تب حضرت اُمِ جمیل (رضی اللہُ تعالیٰ عنہا) نے بتایا کہ اللہ عزوجل کے محبوب دانائے غیوب ﷺ دارِ ارقم میں موجود ہیں۔ حضرت اَبو بکر صِدیق (رضی اللہُ تعالیٰ عنہُ) یہ جان کر فوراً کریم آقا علیہ السلام کی خِدمت میں حاضر ہُونے کیلئے اُٹھنے لگے۔ تب آپکی والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ،، ابھی دِن کی روشنی باقی ہے۔ اور تُمھیں دیکھنے کیلئے لوگ بھی آرہے ہیں۔ اگر ایسی حالت میں جاؤگے تو سبکو تُمھارے نبی ﷺ کی رِہائش کا ٹھکانہ معلوم ہُوجائے گا۔ لِہذا تُمھیں احتیاط کرنی چاہیئے۔ جب سورج ڈوب جائے گا تب چلے جانا۔

حضرت اَبو بکر صِدیق (رضی اللہُ تعالیٰ عنہُ) نے فراق رسول ﷺ میں یہ گھڑیاں

کیسے گُزاری ہو نگی ۔ ہم شائد اسکا اندازہ نہ لگا پائیں لیکن تاریخ گواہ ہے کہ جب حضرت اَبو بکر صِدیق (رضی اللہُ تعالیٰ عنہُ) دارِ ارقم پُہنچ کر رسول اکرم ﷺ کے قدموں سے لِپٹ کر سکون حاصِل کرنے کیلیئے بڑھے تب اللہ کریم کے مدنی محبوب ﷺ نے خُود آگے بڑھ کر اپنے عاشقِ اکبر حضرت اَبو بکر صِدیق (رضی اللہُ تعالیٰ عنہُ) کو اپنے سینۂ مبارک سے لگالیا تھا۔ اور نجانے کتنے ہی لمحات تک عاشقِ اکبر (رضی اللہُ تعالیٰ عنہ) اور محبوب اکبر (صلی اللہُ علیہ وسلم) ایک دوسرے سے لِپٹ کر رُوتے رہے۔

(جاری ہے)

پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا
اُونچی آواز ہُوئی زندگی کا سرمایہ گیا

عامِل کامِل ابو شامِل قسط ۱۱ (جوگی اور مجذوب)۔

گُزشتہ سے پیوستہ۔
کیا آپکو واقعی پنکھوں کی ضرروت نہیں ہے۔ لاغر نوجوان نے گھبراتے ہُوئے دُوبارہ پُوچھا
بھائی کہہ دیا نا۔ کہ مجھے نہیں چاہیئے۔ اب تُم چلتے پھرتے نظر آؤ شاباش۔
ٹھیک ہے بھائی میں چلا جاتا ہُوں یہاں سے۔ مگر بعد میں میرے مالک سے یہ مت کہنا کہ میں تُمہارے پاس نہیں آیا تھا۔
تُم جاتے ہُو یہاں سے یا میرے ہاتھوں اپنی جان گنواؤ گے۔ اب اگر تُم ایک لمحہ بھی یہاں ٹہرے تُو میں تُمہارا سر پھاڑ دُونگا۔ کامل علی نے دہاڑتے ہُوئے دروازے میں اَٹکی لوہے کی راڈ باہر نِکال لی۔
وہ لاغر نوجوان کامل علی کے ارادے کو بھانپ کر فوراً وہاں سے چل دِیا لیکن چند قدم دُور جانے کے بعد اُس نے پلٹ کر کامل علی کی طرف دیکھ کر مُسکراتے

ہُوئے کہا،، بھائی جب تُمہیں نہ ہی پنکھ کی ضرورت تھی۔ اور نہ ہی میری طلب تھی۔
پھر کِس لئے ایک سو بیس دِن سے اپنی جان ہلکان کئے جارہے تھے۔
اِس سے پہلے کہ کامل علی کُچھ سمجھ پاتا۔ دانہ ثمانی کا موکل اپنی اصل ہیت اختیار کرکے
۔فضاؤں میں پرواز کرگیا

اب مزید پڑھیئے۔

کامِل علی حسرت ویاس کی تصویر بنا دانہ ثمانی کے موکل کو جاتا دیکھ رَہا تھا۔ شِدتِ غم سے
اُسکا کلیجہ پھٹا جارہا تھا۔ لیکن اُسے اپنی بے بسی اور بے کسی پر غُصہ آرہا تھا۔ وہ سُوچ رہا
تھا کہ یہ کیسا ظلم ہے۔۔۔۔؟ کہ اُسکے ایک سُو بیس شب و رُوز کی محنت رایئگاں چلی
گئی۔ اُسکی کمائی کا پھل اُسکے سامنے بھی آیا تو کِس طرح کہ وہ اُسے پہچان بھی نہ سَکا۔
اُور وُہ کتنے آرام سے اِسے دھوکہ دے کر چلا بھی گیا۔ بلکہ نہیں وُہ تُو اِسکا تمسخر اُڑا کر چلا
گیا تھا۔ گُویا کہنا چاہتا ہُو کہ،، بچے ہُو ابھی تُم۔ اُور اِس کھیل کے اصولوں سے بھی
ناواقف ہُو۔ پہلے جانو طرق کھیل کا۔ پھر میدان میں آنا۔۔۔۔۔۔۔! کامِل علی اِسی
کیفیت کے سحر میں حیران وپریشان دروازے کی چوکھٹ میں کھڑا تھا کہ لکڑی کی کھٹا
کھٹ کی آواز نے اُسکا دھیان اپنی جانب

کھینچ لیا۔

کامل علی نے آواز کی سِمت گردن گھما کر دیکھا تُو۔۔۔۔۔۔ وہی ہِندو بنگالی بابا اِسکی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ کامل علی بنگالی بابا کو حیرت سے دیکھ رَہا تھا۔ کیونکہ رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ پہلے دانہ ثمانی کا موکل آدھی رات میں پنکھوں کی ڈلیوری کرنے آیا تھا۔ حالانکہ کامل علی تُو اُس وقت غُصہ میں یہ بھی نہیں سُوچ پایا تھا۔ کہ بھلا آدھی رات کو کُون کسی کو سُوتے سے جگا کر سودا بیچنے آتا ہے۔ اُور اب یہ بنگالی بابا رات کے ۲ بجے جھومتا جھامتا چلا آ رہا ہے۔ کہیں یہ بھی تُو دانہ ثمانی کے موکل کا کوئی نیا بہرُوپ اور کوئی نیا کھیل نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ وہی ہے تُو اِس مرتبہ یہ مجھے دھوکہ نہیں دے پائے گا۔

کامل علی اِنہی سُوچوں میں گُم تھا۔ کہ بنگالی بابا کی بھنچی بھنچی آواز کامل کے کانوں میں گونجنے لگی۔ مُورکھ۔۔۔ وُہ سوانگ بھر کے تیری سپھلتا کو اسپھلتا میں بدل کر اُور تیری ساری تپسیا کو بھنگ کرکے تجھے جُل دے کر بھاگ چُکا ہے۔ اور تُو ابھی تک انہی وِچاروں میں مست ہے کہ وہ واپس تیرے پاس چلا آئے گا۔ تیری ذرا سی نادانی نے تجھے لاکھ سے زراشا کے پتھ کی یاترا کرادی۔ ارے ڈشٹ ایکبار مجھ سے کہا تو ہُوتا۔۔۔۔ میں تجھے ایسا گیان

پراپت کرتا۔ کہ کوئی چھل کپھٹ اُسکے کام نہ آتا۔ مگر بھاگیہ کا جو لکھا ہے۔ وُہ تُو سبھی کو بھوگنا پڑتا ہے۔ ارے مورکھ تُو کیا جانے کہ،، تُونے کیا کھودِیا۔ میں نے کئی برس اُسکی آشا میں اپنی جیون کو نرکھ کی طرح گُزارا ہے۔ مگر اُسنے کبھی اپنی کشن جیوتی (جھلک) کے قابل بھی نہیں جانا مجھے۔ اُور ایک تو جنم جلا ہے۔ جسکے دُوار وہ سُوئم خُود چل کرآگیا۔ مگر تُو اُسکی سامنتا (پہچان) نہیں کرپایا۔ تُو نہیں جانتا میں نے بھگوان سے تیری سپھلتا کیلئے کتنی پرارتھنا کی تھی۔ مگر ہائے افسوس وُہ تیرے بھی ہاتھ نہیں آیا۔ مگر بالک نِراش نہ ہُو۔ کل میرے استھان پر آجانا۔ میں تجھے ایسے گُر سِکھاؤں گا۔ کہ پھر کوئی تیرے ساتھ اُلاس وِ کھلواڑ نہیں کرپائے گا۔

صبح ناشتے پانی سے فارغ ہُونے کے بعد کامِل علی رات کو بنگالی بابا سے ہُونے والی گُفتگو کے متعلق سُوچتا رَہا۔ کافی سُوچ بِچار کے بعد کامِل علی اِسی نتیجے پر پُہنچا کہ اُسے بنگالی بابا کی شاگردی اِختیار کرلینی چاہیئے۔ اِس سے جہاں اِسکی معلومات میں اِضافہ ہُوگا وہیں بنگالی باباکے تجربے سے بھی وُہ مستفید ہُوجائے گا۔

بازار سے گُزرتے ہُوئے ایک نامانوس سی آواز نے کامِل علی کو اپنی جانب متوجہ کرلیا۔ یہ ایک ننگ دھڑنگ مجذوب سا آدمی تھا۔ جو صرف ایک ہاف پتلون

میں ملبوس تھا۔ وہ مجذوب بظاہر ایک دیوار سے مُخاطب تھا مگر اُس کے جُملے کی کاٹ سے کامل علی کو یُوں محسوس ہُوا جیسے وہ اُسی پر پھبتی کَس رہا ہُو۔ کامل علی نے اُس مجذوب کو نظرانداز کرتے ہُوئے اپنا سفر جاری رکھا۔ مگر ابھی وہ چند قدم ہی چلا ہُوگا کہ وہی مجذوب کامل علی کو سامنے ایک دوسری دیوار سے وہی جُملہ ،، اُو لگائی کے غلام کیوں اپنے دین کو بیچنے چلا ہے،، کہتا نظر آیا۔ کامِل علی غُصہ کیساتھ ساتھ حیرت زدہ بھی تھا۔۔۔ کہ ابھی وہ جِس مجذوب کو پیچھے چھوڑ کر آیا ہے۔ وُہ اتنی جلدی اِس سے آگے کِس طرح پُہنچ گیا ہے۔

کامل علی نے حِقارت سے مجذوب کی جانب نِگاہ اُٹھائی تُو اُسکو یہ دیکھ کر اُبکائی آنے لگی۔ کہ مجذوب کی ہاف پینٹ گیلی تھی۔ شائد اُسکا پیشاب نِکل گیا تھا۔ جو ہاف پینٹ سے نِکل نِکل کر نرم زمین میں جذب ہُو رہا تھا۔ مگر کامل علی کو کراہیت اسلئے محسوس ہُو رہی تھی۔ کہ وہ مجذوب اپنے دونوں ہاتھوں سے اُسی گیلی زمین کی مٹی کیساتھ کھیل رَہا تھا۔ پھر اُسنے ایک اور عجیب حرکت کی۔۔۔ اُور اُس مجذوب نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اچانک چاٹنا شروع کردِیا۔ کامل علی کو اپنی جانب متوجہ دیکھ کر مجذوب نے اپنے پاس آنے کا اِشارہ کیا۔ کامل علی نے حقارت سے اپنی نظروں کو مجذوب سے پھیرا اُور آگے بڑھ گیا۔ ایک کُوس کا فاصلہ طے کرنے کے بعد جب کامِل علی شہر سے باہر نِکل

آیا۔ تو اُسکی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اُسنے دیکھا کہ وہی مجذوب اُس سے پہلے شہر کی بیرونی شاہراہ پر موجود ہے۔

کامل علی اب بھی اُس سے نِگاہ پھیر کر گُزر جانا چاہتا تھا۔ مگر اچانک وہ مجذوب اُسکے مقابل آ کر کھڑا ہُوگیا۔ کامل علی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ وہ کسطرح اِس مجذوب سے اپنا پیچھا چھڑائے۔ یکایک مجذوب کی آنکھیں شُعلے برسانے لگیں۔ کُچھ ہی لمحوں میں مجذوب کی آنکھوں کی سفیدی سُرخی میں بدلتی چلی گئی۔ کامل علی کو ایسے محسوس ہُو رہا تھا۔ کہ کسی بھی پل مجذوب کی آنکھوں سے خُون کی آبشار اُبل پڑے گی۔ کامل علی خُود کو مجذوب کے آگے بے بس و مسحور پا رہا تھا۔ پھر مجذوب کے لب ہِلے اور وہ کامل علی سے گویا ہُوا۔۔۔ اُو بے غیرت۔۔۔ کیا تیرے ماں باپ نے تجھے اِسی دِن کیلئے پالا پُوسا تھا۔ کہ تُو ایک دِن کافر کی چاکری کرے اور اپنے رب کی ناراضگی کو فراموش کر بیٹھے۔ جو پائخانہ تُو کھانے جا رہا ہے۔ اُس سے تُو یہ کیچڑ بھلی ہے۔ لے چاٹ لے اِسے۔ اُو گندگی کے حریص چاٹ لے اِسے۔ اُو خبیث مُردار کی مُحبت میں مرے جانے والے چاٹ لے یہ کیچڑ اِس سے پہلے کے پرندے اپنے گھونسلوں میں پُہنچ جائیں۔۔۔!

کامل علی مجذوب کی آنکھوں کے سحر میں مُبتلا تھا۔ پھر ایک موٹر کار والے نے

زور دار ہارن دیکر اُسے متوجہ کرتے ہُوئے موٹی سی گالی بکتے ہُوئے کہا۔۔ مرنے کا اگر اتنا ہی شوق ہے تو ِکسی دریا میں چھلانگ کیوں نہیں لگا دیتے۔ یا کسی ٹرین کے سامنے جا کر کھڑے ہُو جاؤ۔۔۔۔۔ کامل علی نے ہڑ اٹرا کر دیکھا۔ تو خُود کو میں رُوڈ کے عین درمیان میں تنہا پایا۔۔۔۔۔ مجذوب کا دُور۔ دُور تک کوئی سراغ نہیں تھا۔ البتہ کامل علی کے دُونوں ہاتھ اُسی کیچڑ سے لتھڑے پڑے تھے۔ جس سے ابھی کُچھ ہی لمحے قبل وہ مجذوب کھیل رَہا تھا۔

(جاری ہے)

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چُھٹے سستے

،، جو آگ بُجھائے گی وہ آگ لگائی ہے،،

پلکوں سے دَرِیار پہ دستک دینا

اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

۔(Disappearing man) عاملِ کامل ابو شامل قسط ۱۲۔

گُذشتہ سے پیوستہ۔۔۔

کامل علی مجذوب کی آنکھوں کے سحر میں مُبتلا تھا۔ پھر ایک موٹر کار والے نے زور دار ہارن دیکر اُسے متوجہ کرتے ہُوئے موٹی سی گالی بکتے ہُوئے کہا۔۔ مرنے کا اگر اتنا ہی شوق ہے تو کسی دریا میں چھلانگ کیوں نہیں لگادیتے۔ یا کسی ٹرین کے سامنے جا کر کھڑے ہُوجاؤ۔۔۔۔۔ کامل علی نے ہڑبڑا کر دیکھا۔ تو خُود کو مین رُوڈ کے عین درمیان میں تنہا پایا۔۔۔۔ مجذوب کا دُور۔ دُور تک کوئی سراغ نہیں تھا۔ البتہ کامل علی کے دُونوں ہاتھ اُسی کیچڑ سے لتھڑے پڑے تھے۔ جس سے ابھی کُچھ ہی لمحے قبل وہ مجذوب کھیل رَہا تھا۔

اَب مزید پڑھیئے۔۔۔

کامل علی نے کار ڈرائیور سے معذرت طلب کرتے ہوئے جونہی رُوڈ کے ایک طرف ہُونے کی کوشش کی۔ ایک مُوٹر بائیک تیزی سے رُوڈ کے کِنارے سے گُزری جسکی وجہ سے کامل علی بائیک سے ٹکرا کر گر پڑا۔ بائیک اگرچہ بڑی رفتار سے گُزر گئی۔ لیکن کامل علی اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پایا۔ اُور بے اِختیار کامل

علی نے اپنے چہرے کو بچانے کیلئے اپنے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لئے۔ ہاتھ چہرے کے نزدیک آنے پر کامل علی کی ناک سے سُوندھی سُوندھی ربڑی کی خُوشبو ٹکرائی۔

کامل علی کے دِل میں خیال گُزرا کہ شائد بیچارے موٹر بائیک والے کی ٹکرانے کی وجہ سے ربڑی کی تھیلی گِر کر پھٹ چُکی ہے۔۔۔۔کامل علی نے سنبھلنے کے بعد رُوڈ کے چاروں طرف نِگاہ گُھمائی لیکن یہ کیا۔۔۔۔۔۔۔ رُوڈ پر ربڑی تُو کُجا دودھ کا ایک چھینٹا بھی دِکھائی نہیں دے رَہا تھا۔۔۔۔۔۔ حالانکہ ربڑی کی مِہک ابتک کامل علی کے مسامِ دِماغ کو مہکا رہی تھی۔ کامل علی اِسی شش و پنج میں گرفتار تھا۔۔۔ کہ ایک مکھی کامل علی کی ناک پر آ کر بیٹھ گئی۔ کامل علی نے ایک ہاتھ کی مدد سے جُونہی مکھی کو اُڑانا چاہا۔ پھر وہی ربڑی کی تیز مہک کامل عُلی کُو محسوس ہُوئی۔

کامل علی نے ایک خیال کے تحت جب اپنے کیچڑ سے لتھڑے ہاتھ اپنی ناک کے قریب کیئے تُو کامل علی پر یہ راز آشکارہ ہُوا کہ،، ربڑی کی مہک کہیں اُور سے نہیں بلکہ۔۔۔۔ اسکے کیچڑ بھرے ہاتھوں سے آرہی ہے۔۔۔ کامل علی نے چاروں جانب نِگاہ گُھما کرجب اطمینان کرلیا۔ کہ کوئی اُسے نہیں دیکھ رَہا ہے۔ تب اُس نے احتیاط سے زُبان کی نُوک سے ذرا سی کیچڑ کا ذائقہ چکھا۔۔۔۔۔ کامل علی

تصویرِ حیرت بنا ہُوا تھا۔۔۔ کیونکہ بظاہر نظر آنے والی کیچڑ درحقیقت انتہائی شیریں اور لذیز ربڑی کا مزہ دے رہی تھی۔۔۔۔ کامل علی کے ہُونٹ جُونہی ربڑی کے ذائقے سے روشناس ہُوئے۔ کامل علی نے ندیدوں کی طرح اپنے ہاتھوں کو چاٹنا شروع کردیا۔۔۔ یہاںتک کہ کامل علی نے اپنے ہاتھوں کو چاٹ چاٹ کر بالکل صاف کرنا شروع کردیا۔۔۔ تبھی کِسی کے لگاتار قہقہوں سے تمام فِضا گُونج اُٹھی۔۔۔۔ کامل علی کھسیانا ہُوکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔۔۔ لیکن انسان تُو انسان کوئی چڑیا کا بچہ بھی کامل کو دِکھائی نہ دِیا۔ تمام راستہ ایسے سُنسان پڑا تھا۔ گُویا وہ کِسی مصروف و بارُونق ہائی وے پر موجود نہ ہُو۔۔۔ بلکہ موت کی شاہراہ پر کھڑا ہُو۔ جسکے خُوف سے یہاں کوئی گُزرنا پسند نہ کرتا ہُو۔

کامل علی مُسلسل آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چہار سُو دیکھ رہا تھا۔ دھیرے دِھیرے خُوف کی ایک پرت اُسکے بدن پر چھائی جارہی تھی۔۔۔۔ کُچھ لمحوں بعد قہقہے تھم گئے۔۔۔ تمام ماحُول پر اِک عجیب سی پُراسراریت طاری تھی۔۔۔۔ اچانک اُسی مجذوب کی آواز کامل علی کے کانوں سے ٹکرائی۔۔۔ وہ بڑی حِقارت سے کامل علی سے مُخاطِب تھا۔۔۔۔ بتا اُو بدبخت۔ کیسا مزاہ پایا تُونے اُس غِلاظت کو کھانے میں۔۔۔۔؟ انسان بن جاؤ۔ نامرد۔۔۔ چھوڑ دے گندگی کی طمع۔۔۔۔ ورنہ یُونہی بھوکے کُتے کی طرح گندگی کی تلاش میں اپنی زندگی کا سرمایہ

لُٹاتا رہے گا۔۔۔۔! اُور جب تک تجھے اِن انمول رتنوں کی قیمت کا اندازہ ہُوگا۔ تب تلک واپسی کا راہ بند ہُوچکی ہُوگی تجھ پر۔۔۔۔۔ ارے اُو ناہنجار سنبھل جا۔۔۔۔۔ نفرت کی جُوالا مُکھی کو برداشت کے پیمانے سے بدل ڈال۔ ورنہ یاد رکھ بُہت پچھتائے گا۔۔۔

بابا جی خُدا کیلئے سامنے تو آیئے۔۔۔ کیوں میری جان دِہلائے جارہے ہیں۔ بس ایک مرتبہ میرے رُوبرو آجائیں۔ پھر میں وہی کرونگا جو آپ کہیں گے۔۔۔ کامل علی نے گھگیائے ہُوئے لہجے میں فریاد کرتے ہُوئے کہا۔۔۔ کامل علی کے جملوں کی بازگشت ابھی تھمی بھی نہ تھی کہ،، وہی مجذوب کامل علی کو دُور ایک سایہ دار دَرخت سے ٹیک لگائے بیٹھا نظر آیا۔ کامل علی نے فوراً دُوڑ کر مجذوب کے قدم تھامتے ہُوئے کہا۔ بابا جی نصیحت کیساتھ ساتھ راستہ کا پتہ بھی تُو بتائیں۔۔۔؟

مجذوب نے اپنی سُرخ آنکھوں سے کامل علی گھورتے ہُوئے کہا،، کمبخت کیا اُس حرامزادے جوگی سے بھی منزل کا پتہ معلوم کرنے گیا تھا تُو۔۔۔؟

نہیں بابا جی وہ تُو بس ایسے ہی اتفاق سے مُلاقات ہُوگئی تھی میری اُس سے۔۔۔ کامل علی نے نظریں چُراتے ہُوئے کہا۔۔۔۔ جھوٹ مت بُول کمبخت مجھ

سے۔۔۔۔ اگرچہ تجھے محسوس نہیں ہُوتی مگر جب تُو جھوٹ بولتا ہے نا۔ تب تیرے مُنہ سے بڑی نا قابِل برداشت بدبُو نکلتی ہے۔ جُو تیرے جھوٹ کا پردہ چاک کردیتی ہے۔۔۔ مجھے معلوم ہے کہ ابھی تُجھ پر میری باتوں کا کُچھ اثر نہیں ہُونے والا۔۔۔ میں بھی ڈھونگ اور سوانگ کرتے کرتے تھک چُکا ہُوں۔ مگر تجھے ایک نصیحت کرے بِنا میرا دِل نہیں مانے گا۔۔۔ بس اُس پاکھنڈی سے دُور ہُوجا۔ اِسی میں تیری بھلائی ہے۔ اِس سے زیادہ کہنے کی مجھے بھی اِجازت نہیں ہے۔ اتنا کہہ کر وہ مجذوب پھر سے غائب ہُوگیا۔

کامل علی چند لمحے مجذوب کواِس اُمید پر آوازیں دیتا رہا کہ،، شائد وہ پھر سے آجائے لیکن کامل کی بار بار دِی جانے والی صدائیں تشنہ کام واپس لُوٹ آئیں۔ کامل علی نے جوگی کے پاس جانے کے اِرادے کو ملتوی کیا۔ اُور واپس پلٹ کر شہر کی جانب چلدیا۔ شہر پُہنچنے کے بعد کامل علی نے اُس دیوار کے قریب ایک خُوش شکل وخُوش لِباس شخص کو دیکھا۔ جو بڑی بے چینی سے اپنی قیمتی کار سے ٹیک لگائے کِسی کا انتظار کررہا تھا۔

کامل علی نے کُچھ سُوچ کر اُس شخص کو مُخاطب کرتے ہُوئے کہا،، کیا آپ نے ابھی یہاں کِسی مجذوب کو دیکھا ہے۔۔۔۔؟۔ وُہ نوجوان مجذوب کا تذکرہ سُنتے ہی ایسے الرٹ ہُوگیا۔ جیسے کِسی کانسٹیل کے سامنے اُسکا افسر اچانک نمودار

ہُوجائے۔۔۔ کیا آپ بابا صابر کے مُتعلق استفسار کر رہے ہیں۔۔۔؟ نوجوان نے نہایت عقیدت و احترام سے بابا صابر کا نام لیتے ہُوئے کامل علی سے سُوال کیا۔

بھائی نام تُو مجھے معلوم نہیں ہے۔۔۔ بس اُنہیں پہلی مرتبہ یہیں برائے نام کپڑے پہنے۔ دیوار سے باتیں کرتا دیکھا تھا۔ اُنہوں نے کبھی اِتنا موقع ہی نہیں دِیا کہ اُن سے اُنکا نام معلوم کرپاتا۔ کیونکہ وُہ خُود ہی خُود بُولے چلے جاتے ہیں۔ مجھے تو سوال کا بھی موقع ہی نہیں دیتے۔۔۔ کامل علی نے مختصراً کلام کرتے ہُوئے کہا۔

پھر شائد آپ کِسی اُور کی تلاش میں ہیں۔ کیونکہ بابا صابر کو میں نُو۔ دَس برس سے جانتا ہُوں۔ مگر وُہ کِسی سے بات نہیں کرتے۔ اگر کبھی بُولتے بھی ہیں تُو وُہ ایسی زُبان ہُوتی ہے۔ جِسے کوئی سمجھ نہیں پاتا۔ اُس نوجوان نے کامل کو جواب دیتے ہُوئے کہا۔

صحیح کہتے ہیں آپ۔۔۔ لیکن عجیب اتفاق ہے۔ کہ آپ بھی کِسی اللہ والے کے یہیں منتظر ہیں۔ اُور میں بھی اِس جگہ کے عِلاوہ اُس مجذوب کو کوئی ٹھکانہ نہیں جانتا۔۔۔۔ لیکن کتنے تعجب کی بات ہے کہ میں اِسی شہر میں رِہتا ہُوں۔ پھر

بھی بابا صابر کی شخصیت اُور اُنکے نام سے ناآشنا ہُوں۔ جبکہ آپ تُو اِس علاقے کے بھی نہیں لگتے۔کامل نے خُوش اِخلاقی سے جواب دیتے ہُوئے کہا۔

میرے خیال میں آپ نے اُنہیں دیکھا تُو ضرور ہُوگا۔۔۔ بس دھیان نہیں دِیا ہُوگا۔۔۔ مگر آپ چاہیں تُو میں آپکو بابا صابر کی تصویر دِکھا سکتا ہُوں۔ اُس نوجوان نے اِتنا کہنے کے بعد کامل کی درخواست کا انتظار بھی نہیں کیا۔ اُور پرس نِکال کر تصویر ڈھونڈنے میں مشغُول ہُوگیا۔ چند لمحوں بعد اُس نوجوان نے ایک چھوٹی سی تصویر پرس سے نِکال کر یہ کہتے ہُوئے کامل علی کی طرف بڑھائی۔ یہ لیجیئے یہ ہیں،، صابر بابا۔ آپ بھی زیارت کرلیجئے۔

کامل علی حیرت سے تصویر دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ یہ اُسی مجذوب کی تصویر تھی۔جو بار بار کامل علی کو نصیحت کررہا تھا۔ جبکہ اُس نوجوان کا بیان تھا کہ بابا صابر نے اُس کے سامنے دس برس میں کبھی زبان نہیں کھولی۔

(جاری ہے)

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چُھٹے سستے
،، جو آگ بُجھائے گی وہ آگ لگائی ہے،،

پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا
اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

جال۔ در۔ جال قسط ۱۰۔

گُذشتہ سے پیوستہ۔

تمام واقعات جان کر شہریار مجددی نے رشک بھری نِگاہوں سے فرقان کو دیکھتے ہُوئے کہا،، فرقان میرے بھائی تُم نہایت عظیم ہُو۔ جس نے حسان صاحب کی صحبت میں رِہ کر خُدا کی رضا و نافرمانی کی معرفت حاصِل کرلی۔ آج سے تُم اس لڑائی میں تنہا نہیں ہُو۔ میں ایک حقیقی بھائی کی طرح تمہارے شانہ بشانہ چلنے کو اپنے لئے اعزاز سمجھوں گا۔ میں آج اِسی وقت اپنے قابل احترام بُزرگ کے رُوبرو تُمھارے ساتھ اپنی پارٹنر شپ کا اعلان کرتا ہُوں۔ اِس تمام پروجیکٹ میں آپ میرے نصف حِصہ کے شراکت دار ہیں۔ میں کل ہی اپنے مینجر کی مُلاقات تُم سے کرواؤ ونگا۔ جسکے فوری بعد آپ اپنی جگہہ پر کنسٹرکشن شروع کروادیجئے گا۔

حَسان صاحب نے شہریار مجددی کی فراخدلانہ پیشکش کے بعد اپنے دونوں ہاتھ بُلند فرمادیئے اور بُہت دیر تک دونوں کی خیر و بھلائی کیلئے انتہائی رِقت سے دُعا مانگتے رہے۔

اَب مزید پڑھیئے۔

اگلے دِن حسبِ وعدہ شہریار مجددی نے فرقان کی مُلاقات اپنے بزنس منیجر آغا بابر سے کروانے کے بعد فرقان کو بتایا کہ وہ اپنا کاروبار سمیٹنے کی خاطر آج شام ہی کو چند دِنوں کے لئے دُبئی جارہا ہے۔ آغا بابر چہرے مُہرے سے ہی ایک تجربہ کار اور سمجھدار اِنسان نظر آتا تھا۔ لیکن جِس رفتار سے آغا بابر نے فرقان کے پلاٹ کیلئے نقشہ ڈرافٹ کروایا۔ اُور دوسری جانب پلاٹ کے ایک مُناسب اِحاطے پر کنسٹرکشن کا خام مال حِفاظت سے رکھنے کیلئے عارضی شیڈ تیار کروارہا تھا۔ فرقان بھی دِل سے آغا بابر کو داد دیئے بغیر نہ رِہ سکا۔ فرقان سُوچنے لگا۔ آغا بابر کا شُمار بِلاشُبہ اُن لوگوں میں ہُوتا ہے۔ جو وقت کے ایک ایک لمحے کی قدر کرنا جانتے ہیں۔ شائد اِسی وجہ سے فرقان دِن بدِن آغا بابر کا گرویدہ ہُوتا چلا جارہا تھا۔

صرف چند دِن کے اندر اندر آغا بابر نے شہر کی مشہور ومعروف تعمیراتی کمپنیوں سے کوٹیشن حاصِل کرنے کے بعد فرقان کے مشورے سے تعمیراتی کام کا ٹھیکہ ایک کمپنی کو دیدیا۔ جسکے نرخ دوسری تمام کمپنیوں سے کافی کم تھے۔ فیکٹری کے تعمیراتی کام کا ٹھیکہ دینے کے دوسرے دِن ہی آغا بابر نے فرقان سے مُلاقات کی اُور اُسے بتایا کہ ہمیں تعمیراتی میٹریل ابھی سے اِسٹاک کرلینا

چاہیئے۔ کیونکہ دُو ماہ بعد بجٹ آرہا ہے۔ جسکے بعد مُلک بھر میں گورنمنٹ کے رُکے ہُوئے کام دوبارہ سے شروع ہُوجائینگے۔ جسکے بعد یقینی طُور پر ایک طرف خام مال کے ریٹ بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔ تُو دوسری طرف کام کی زیادتی کیوجہ سے میٹریل کے شارٹ ہوجانے کا بھی خطرہ موجود ہے۔ فرقان پہلے ہی آغا بابر کی پرسنالٹی سے کافی مُتاثر ہُوچکا تھا۔ لیکن آج وہ آغا بابر کی دُور اندیشی کا بھی قائل ہُوچکا تھا۔

فرقان کی منظوری کے بعد ابتدائی طُور پر تین لاکھ اینٹوں کیساتھ ریتی، سیمنٹ، اور سریا بھی فیکٹری کے اِحاطے میں اُترنے لگا۔ جبکہ آغا بابر کا خیال تھا کہ سریا بھی بجائے ڈیلر کے کارخانوں سے خریدنا زیادہ فائدہ مند رہے گا۔ یہاں بھی فرقان کے پاس آغا بابر کی تائید کے سِوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

تمام معاملات بڑے بہترین انداز سے انجام پزیر ہُورہے تھے۔ آغا بابر کی موجودگی میں فرقان خُود کو بُہت ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا۔ اُس رات وہ اپنے کمرے میں لیٹا یہی سُوچ رَہا تھا۔ کہ اگر آغا بابر کا ساتھ نہ ہُوتا تُو وہ کبھی بھی اتنی سُرعت کیساتھ فیکٹری کی تعمیرات شروع نہ کرواسکتا تھا۔ تبھی اُسکے مُلازم نے اسکے دروازے پر دستک دے کر اُسے اطلاع دِی کہ

کوئی صاحب آپ سے مُلاقات کیلئے آئے ہیں۔ میں نے اُنہیں کہا بھی کہ یہ وقت فرقان صاحب کے آرام کا ہے۔ مگر وہ صاحب بضد ہیں کہ آپ سے اِسی وقت مُلاقات کریں گے۔

فرقان نے گھڑی کی جانب دیکھا۔ رات کے پُونے گیارہ بجنے کو تھے۔ مگر حسان صاحب کی تربیت کی وجہ سے فرقان نے بستر چھوڑ دِیا کہ نجانے کون پریشان حال انسان ہُو۔ جِسے اس وقت اُسکی مدد دَرکار ہُو۔ ویسے بھی حسان صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ ایسے وقت جب بستر کو چھوڑنے کو دِل نہ چاہے اللہ کریم اپنے نیک بندوں کو بعض اُوقات اپنے فرشتوں کی صورت آزماتا ہے۔ تاکہ سب پر واضح ہُوجائے کہ اللہ والے اپنے آرام پر مخلوقِ خُدا کی خِدمت کو فوقیت دیتے ہیں۔

دروازہ کھولنے پر فرقان کی نِگاہ جس شخص پر پڑی وُہ کوئی انجان شخص نہیں بلکہ ٹھیکیدار عبدالرحمٰن تھا۔ جِس نے نعمان وفرقان کی پہلی فیکٹری کی تعمیر اول تا آخر کی تھی۔

فرقان نے سلام کے بعد ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کو اندر آنے کی دعوت دی۔ جِسے ٹھیکیدار عبدالرحمٰن نے فرقان کا شُکریہ ادا کرتے ہُوئے قبول کرلی۔

ڈرائینگ رُوم میں بیٹھ کر بعد چند رسمی جُملوں کے بعد ہی ٹھیکیدار عبدالرحمٰن نے شِکایت بھرے لہجے میں فرقان کو مُخاطب کرتے ہُوئے کہا،، کیا آپ میرے کام سے مطمئین نہیں تھے جو اس مرتبہ فیکٹری کی تعمیرات کا کام انتہائی مناسب نرخ ہُونے کے باوجود بھی آپ نے مجھے نہیں دیا۔۔۔؟

نہیں عبدالرحمٰن بھائی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔ بلکہ مجھے تو معلوم بھی نہیں تھا کہ آپ نے بھی کُوٹیشن فارم بھرا ہے۔۔۔۔۔ اسلئے جس کمپنی کے نرخ مجھے سب سے کم نظر آئے ہم نے اُسی کمپنی کو ٹھیکہ دیدیا۔۔۔۔۔ فرقان نے ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کی دلجوئی کرتے ہُوئے کہا۔۔۔

سب سے کم نرخ۔۔۔۔؟ لیکن جہاں تک میری معلومات ہیں حماد اینڈ سنز کے ریٹ تُو ہماری کمپنی سے ۴۰ فیصد زائد تھے۔ پھر بھی قرعہ فال اُسی کے نام نِکلا۔۔۔۔۔ ٹھیکیدار عبدالرحمٰن نے تعجب کا اظہار کرتے ہُوئے کہا۔

لیکن عبدالرحمٰن بھائی میں نے خُود تمام کوٹیشنز کو پڑھا تھا۔ اُور حماد اینڈ سنز کے ریٹ ہی سب سے کم تھے۔۔۔ ویسے آپ نے فارم کس نام سے بھرا تھا۔۔۔؟ فرقان نے ٹھیکیدار عبدالرحمٰن سے حیرت کے عالم میں استفسار کیا۔۔۔

فرقان صاحب نام تو وہی پُرانا والا ہے۔۔۔ (اے، آر، سی، سی) میں نے تُو سوچا تھا کہ آپ نام پڑھتے ہی پہچان جائیں گے۔۔۔ ٹھیکیدار عبدالرحمٰن نے جواب دیتے ہُوئے شکوہ کیا۔۔۔۔۔۔۔۔

لیکن عبدالرحمٰن بھائی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس نام کا تُو کوئی کُوٹیشن فارم سرے سے موجود ہی نہیں تھا اُن تمام فارمز میں۔ فرقان نے اپنے ذِہن پر زور ڈالتے ہُوئے کہا۔۔۔ لیکن کل آپ سائٹ پر ہمارے عارضی آفس میں تشریف لے آیئے گا۔ میں دوبارہ تمام کوٹیشن چیک کرلونگا۔ اور اسطرح آپ بھی مطمئین ہُوجائینگے۔

بُہت اچھی بات ہے۔ فرقان صاحب میں کل ضرور حاضِر ہُوجاؤنگا۔ یہ کہہ کر ٹھیکیدار عبدالرحمٰن مصافحہ کیلئے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ فرقان دروازے تک ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کو چھوڑنے کیلئے آیا۔ تبھی ٹھیکیدار عبدالرحمٰن نے چُونکتے ہُوئے دوبارہ فرقان کو مُخاطب کرتے ہُوئے کہا۔۔ اچھا ہُوا۔ مجھے ابھی یاد آگیا۔۔ فرقان صاحب آپ چُونکہ میرے دیرینہ مہربان ہیں۔ اسلئے آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہُوں،، کہ آپ جو دو نمبر کوالٹی کی اینٹیں اور ایکسپائر سیمنٹ عمارت میں استعمال کرنے جارہے ہیں۔ یہ عمارت کو بُہت جلد بوسیدہ کردے گی۔ میرے خیال میں آپکو اپنی فیکٹری میں چند لاکھ کے فائدے کیلئے ایسا گھٹیا میٹریل

استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔۔۔۔۔۔۔۔

گھٹیا اور دو نمبر میٹریل۔۔۔۔۔۔؟ بھلا میں کیوں اپنی فیکٹری میں ایسا میٹریل استعمال کرنے لگا۔ آپکو ضرور کوئی غلط فہمی ہُوئی ہُوگی عبدالرحمٰن بھائی۔۔۔ فرقان نے ہنستے ہُوئے کہا۔

لیکن میں نے خُود آپکی فیکٹری میں ۲ نمبر میٹریل اُترتے دیکھا ہے۔ جِسے دیکھ کر مجھے حیرت بھی بُہت ہُوئی تھی۔ کیونکہ آپ نے تُو اُس وقت بھی گھٹیا میٹریل استعمال نہیں کیا تھا۔ جب آپ نعمان صاحب کیساتھ اپنی پہلی فیکٹری بنا رہے تھے۔ حالانکہ کہ مجھے خُوب یاد ہے اُس وقت تو اکثر رقم کی کمی کے باعث آئے دِن کام بھی بند ہُوجایا کرتا تھا۔ تُو اَب کیوں تمام شہر کا ایکسپائر سیمنٹ آپکی فیکٹری میں جمع ہُو رہا ہے۔۔۔۔؟ کیا فیکٹری کا میٹریل آپ خُود نہیں خرید رہے ہیں۔۔۔۔؟ ٹھیکیدار عبدالرحمٰن نے اپنی حیرت کا اِظہار کرتے ہُوئے کہا۔

فرقان نے ایک خیال کے تحت ٹھیکیدار عبدالرحمٰن سے مُخاطب ہُوتے ہُوئے کہا۔۔

عبدالرحمٰن بھائی کیا آپ کل فجر کی نماز کے فوراً بعد سائٹ پر آسکتے ہیں۔۔۔۔۔؟

ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کے حامی بھرنے کے بعد فرقان ٹھیکیدار

عبدالرحمٰن کو رخصت کرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ لیکن اب اُسکی آنکھوں میں اِضطراب کے سائے لہرا رہے تھے۔ وہ سُوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کہ آغا بابر جیسا بُردبار شخص ایسی کِسی گھٹیا حرکت کا مرتکب بھی ہُو سکتا تھا۔ لیکن ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کی گُفتگو نے فرقان کے ذِہن میں بُہت سے سوالات پیدا کردیئے تھے۔

جنھوں نے فرقان کے ذہن کو بہرحال پراگندہ کردیا تھا۔

(جاری ہے)

مُحترم قارئین کرام ،، آپ سب سے دُعاؤں کیلئے ملتمس ہُوں۔

پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا

اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

جال۔ در۔ جال۔ قسط ۱۱۔

گُزشتہ سے پیوستہ۔

فرقان نے ایک خیال کے تحت ٹھیکیدار عبدالرحمٰن سے مُخاطب ہُوتے ہُوئے کہا۔۔

عبدالرحمٰن بھائی کیا آپ کل فجر کی نماز کے فوراً بعد سائٹ پر آ سکتے ہیں۔۔۔۔۔؟

ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کے حامی بھرنے کے بعد فرقان ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کو رخصت کرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ لیکن اب اُسکی آنکھوں میں اِضطراب کے سائے لہرا رہے تھے۔ وہ سُوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کہ آغا بابر جیسا بُردبار شخص ایسی کسی گھٹیا حرکت کا مرتکب بھی ہُو سکتا تھا۔ لیکن ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کی گُفتگو نے فرقان کے ذِہن میں بُہت سے سوالات پیدا کردیئے تھے۔ جنھوں نے فرقان کے ذہن کو بہرحال پراگندہ کردیا تھا۔

اَب مزید پڑھیئے۔

فرقان کوشش کے باوجود بھی تمام رات آرام سے سُو نہیں پایا۔ بے شُمار خدشات و پریشان خیالات اُسکے ذِہن کو تمام رات بھٹکاتے رہے۔ وُہ دِل ہی دِل میں خُدا سے دُعا کررہا تھا۔ کہ کاش اُسکے تمام خدشات بے بنیاد ہُوجائیں۔ اُور

ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کی بیان کردہ تمام باتیں اے کاش غلط فہمی کا شاخسانہ ثابت ہُوں۔
اِسی اُدھیڑ بن میں فرقان جاگتا رہا یہاں تک کہ رات گُزر گئی اُور موذن نے رات کی سیاھی کے ڈھلنے کا اعلان آذان کی صورت میں بُلند کردیا۔

فرقان فجر کی نماز واذکار سے فارغ ہُونے کے بعد جب سائٹ پر پُہنچا تُو ٹھیکیدار عبدالرحمٰن پہلے ہی سے اُسکی آمد کا منتظر تھا۔ سب سے پہلے وُہ دُونوں اینٹوں کے ڈھیر پر پُہنچے۔ جہاں تھوڑی سی بھاگ دُوڑ کے بعد فرقان کو ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کی بات میں صداقت نظر آ گئی۔ اینٹوں کے ہر ڈھیر میں نصف سے زائد غیر معیاری اینٹیں ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کی تشویش کی تصدیق کررہی تھیں۔ اِسکے بعد جب فرقان نے اِسٹاک شیڈ میں سیمنٹ کی چند بوریوں کا دامن چاک کیا۔ تب ایک بُوری سیمنٹ بھی ایسی نہ تھی۔ کہ جِس میں سیمنٹ نے گُٹھلیوں کی شکل اختیار نہ کرلی ہُو۔

بے شک آغا بابر کی پرسنالٹی سے مُتاثر ہُوکر فرقان دُھوکہ کھاچُکا تھا۔۔۔۔ فرقان اپنی پیشانی پر آئے پسینے کے قطرات کو صاف کرتے ہُوئے سُوچنے لگا۔۔۔۔۔ نجانے کب سے آغا بابر آستین کے سانپ کی طرح شہریار مجددی کو نقصان پُہنچارہا ہُوگا۔۔۔۔۔۔۔ فرقان کے اندازے کیمطابق وہ صِرف اِن چند دِنوں میں کم از کم بیس لاکھ روپیہ کی ہیر پھیر کرچُکا تھا۔ اُور فرقان کو

حیرت تھی کہ شہریار مجددی کے بقول آغا بابر گزشتہ آٹھ برس سے شہریار مجددی کی زمینوں اور پاکستان میں پھیلے بزنس کو سنبھال رہا تھا۔ اِس حساب سے فرقان کو یقین تھا کہ آغا بابر اِس دورانیے میں کروڑوں کی خُرد بُرد کر چکا ہوگا۔

جب آفس میں فرقان نے ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کا کوٹیشن فارم تلاش کرنے کی کوشش کی تو یہ سعی بھی لاحاصل رہی تمام فائل میں ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کا کوٹیشن فارم سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔ جبکہ ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کا اِصرار تھا کہ اُس نے خود اپنا فارم بند لفافے میں آغا بابر کو پیش کیا تھا۔ جسے اُسکے سامنے ہی دیگر لفافوں کے ساتھ رکھ دِیا گیا تھا۔ مگر اب ایسا لگ رہا تھا جیسے اُس لفافے کو زمین نِگل گئی ہو۔

تھوڑی سی مزید تفشیش کے بعد فرقان پر یہ راز بھی آشکار ہوگیا کہ حماد اینڈ سنز کے ساتھ جتنے بھی کوٹیشن فارم فرقان کو دِکھائے گئے تھے۔ وہ تمام کوٹیشنز بھی جعلی تھی۔ جو زیادہ ریٹ کیساتھ شائد اسلیئے رکھے گئے تھے۔ تاکہ حماد اینڈ سنز کے کوٹیشن کو پاس کیا جاسکے۔۔۔۔ فرقان نے رسٹ واچ پر نِگاہ ڈالی تو صبح کے آٹھ بجنے کو تھے۔ فرقان نے تمام فائل کو احتیاط سے ٹیبل کی دراز میں منتقل کیا اور آفس سے باہر آنے کے بعد چوکیدار کو ہدایات دیں۔ کہ

میرے اس طرح علی الصبح آنے کا تذکرہ کسی سے بھی نہ کیا جائے یہاں تک کہ آغا بابر صاحب کو بھی اِسکی قطعی خبر نہیں ہُونی چاہیئے۔ یہ کہہ کر فرقان نے ایک پانچ سو روپیہ کا نُوٹ چوکیدار کی جیب میں زبردستی منتقل کردیا۔ اُور اسکے بعد فرقان ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کے ساتھ واپس روانہ ہُوگیا۔

چند گھنٹوں بعد فرقان جب معمول کے مطابق سائٹ پر دوبارہ پُہنچا تو آغا بابر نے ہمیشہ کی طرح بڑے پُرتپاک انداز میں فرقان کا استقبال کیا۔ چند رسمی جُملوں کے بعد فرقان نے بڑی لاپرواہی سے ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کے کُوٹیشن فارم کے متعلق آغا بابر سے استفسار کیا۔۔۔۔ فرقان کے سوال کی وجہ سے آغا بابر کے چہرے پر ایک رنگ آکر گُزر گیا۔ لیکن جلد ہی اُس نے خُود کو سنبھالتے ہُوئے فرقان سے نارمل انداز میں کہا،، اِس نام کا بندہ میرے پاس آیا تُو تھا۔۔۔۔ لیکن شائد وہ لفافہ مجھ سے کہیں کھو گیا ہے۔۔۔ جسکے لئے میں آپ سے معذرت خُواہ ہُوں۔

فرقان نے ہمیشہ کی طرح مسکراتے ہُوئے کہا،، آغا صاحب کوئی بات نہیں بس وہ ہمارا پُرانا جاننے والا تھا۔ اُور اسنے پیغام بھیجا تھا کہ اُسکے کوٹیشن کا بھی خیال رکھا جائے۔ مگر آپ بالکل بھی پریشان نہ ہُوں۔۔۔۔۔ میں سب سنبھال لُونگا۔ آپ بس سائٹ کے کاموں پر دھیان رکھیں تاکہ کوئی غیر معیاری

میٹریل ہمارے کام میں شامل نہ ہُونے پائے۔ فرقان کے اِس جملے پر آغا بابر کے چہرے کا رنگ ایک مرتبہ پھر متغیر ہُوگیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اُس نے خود پر قابو پاتے ہُوئے بڑی ڈھٹائی سے فرقان کی توجہ حاصل کرتے ہُوئے کہا،، فرقان صاحب میٹریل کی کوالٹی کی آپ بالکل پرواہ نہ کریں۔ جب تک میں یہاں ہُوں ایک مُٹھی بھر غیر معیاری سامان بھی فیکٹری کی حدود میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ تمام آنے والے سامان کی میں خُود جانچ پڑتال کرتا ہُوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ فرقان دِل ہی دِل میں کہہ رہا تھا۔ کمبخت کس ڈھٹائی سے جھوٹ بُول رہا ہے۔۔۔ ٹھیکیدار عبدالرحمٰن نے اگر بروقت مُطلع نہ کیا ہُوتا تُو نجانے کتنا کباڑ خانہ اصل سے بھی زائد قیمت پر فیکٹری میں جمع ہُوتا رہتا۔

فرقان نے اُسی شام تمام معاملہ حسّان صاحب کے سامنے پیش کردِیا۔ جسکے بعد حسان صاحب نے فرقان کو حُکم دیا کہ شہریار مجددی کو میرا پیغام پُہنچاؤ کہ وُہ فورا چند دِن کیلئے پاکستان آجائے۔ تیسرے دِن شہریار مجددی، حسّان صاحب کے ایما پر خاموشی سے پاکستان چلا آیا۔ تمام معاملات کا علم ہُونے کے بعد شہریار مجددی نہ صِرف حیران تھا بلکہ اُس نے حسان صاحب سے برملا کہا کہ اگر کوئی اُور مجھے یہ بات بتاتا تُو شائد میں اتنی جلد اعتبار بھی نہیں کرپاتا۔ اچھا ہُوا کہ آپ نے مجھے بروقت مُطلع کردیا۔

شہریار مجددی نے اُسی وقت اپنے بڑے بھائی ڈی ایس پی اعتصام مجددی کو کال مِلا کر تمام تفصیلات سے آگاہ کردیا۔ جسکے بعد ڈی ایس پی اعتصام نے فوری طور پر اپنے ماتحت افسران کو حُکم دیا کہ وہ فوری طور پر آغا بابر کو گرفتار کریں اُور تمام معاملات کی تفشیش مکمل کرنے کے بعد چھتیس گھنٹے میں رپورٹ پیش کریں۔

آغا بابر عادی مجرم نہیں تھا۔ اُور نہ اِس سے پہلے اُسکا پولیس سا واسطہ پڑا تھا۔ بلکہ بعض پُولیس افسران تو خُود شہریار مجددی کی نسبت کیوجہ سے آغا بابر کو اِضافی پروٹوکول دِیا کرتے تھے۔ لیکن آغا بابر نے پُولیس کی چند گھنٹوں کی ابتدائی تواضع کے بعد ہی اپنے جُرم کا اقبال کرلیا۔ اُور مزید کُچھ مہمان نوازی کے بعد وُہ ساڑھے تین کروڑ روپیہ کی رقم بھی لُوٹانے پر رضامند ہُوگیا جو اُس نے مختلف حیلے بہانوں سے خُرد بُرد کی تھی۔

صرف ایک ہفتہ کے قلیل عرصے میں ڈی ایس پی اعتصام مجددی کی خاص توجہ کے باعث نہ صرف آغا بابر سے رقم بازیاب کرالی گئی بلکہ وہ تمام میٹریل بھی تاجروں نے تبدیل کردیا۔ جو دھوکہ دہی سے فرقان کی سائٹ پر جمع ہُوچُکا تھا۔ جبکہ حماد اینڈ سنز کا کوٹیشن منسوخ کرنے کے بعد فرقان کی فرمائش پر وہ ٹھیکہ ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کو نئے سِرے سے دیدیا گیا۔

(جاری ہے)

مُحترم قارئین کرام،، آپ سب سے دُعاؤں کیلئے ملتمس ہُوں۔

پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا
اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

جال در جال قسط ۱۲۔ (بھیگی آنکھیں خالی ہاتھ)۔

گُزشتہ سے پیوستہ۔

آغا بابر عادی مجرم نہیں تھا۔ اُور نہ اِس سے پہلے اُسکا پولیس سا واسطہ پڑا تھا۔ بلکہ بعض پُولیس افسران تو خُود شہریار مجددی کی نسبت کیوجہ سے آغا بابر کو اِضافی پروٹوکول دِیا کرتے تھے۔ لیکن آغا بابر نے پُولیس کی چند گھنٹوں کی ابتدائی تواضع کے بعد ہی اپنے جُرم کا اقبال کرلیا۔ اُور مزید کُچھ مہمان نوازی کے بعد وُہ ساڑھے تین کروڑ روپیہ کی رقم بھی لُوٹانے پر رضامند ہُوگیا جو اُس نے مختلف حیلے بہانوں سے خُرد بُرد کی تھی۔

صرف ایک ہفتہ کے قلیل عرصے میں ڈی ایس پی اعتصام مجددی کی خاص توجہ کے باعث نہ صرف آغا بابر سے رقم بازیاب کرالی گئی بلکہ وہ تمام میٹریل بھی تاجروں نے تبدیل کردیا۔ جو دھوکہ دہی سے فرقان کی سائٹ پر جمع ہُوچکا تھا۔ جبکہ حماد اینڈ سنز کا کوٹیشن منسوخ کرنے کے بعد فرقان کی فرمائش پر وہ ٹھیکہ ٹھیکیدار عبدالرحمٰن کو نئے سِرے سے دیدیا گیا۔

اَب مزید پڑھیئے۔

فرقان کا ٹھیکدار عبدالرشید کو کام دیئے جانے کا مشورہ نہایت مُفید ثابت ہُورہا تھا۔
عبدالرشید نے سب سے پہلے فرقان کے مشورے سے نقشہ میں کچھ تبدیلیاں کروائیں۔
جسکی وجہ سے کُچھ غیر ضروری بلڈنگ کی تعمیرات کو فی الحال چھوڑ دیا گیا۔ جسکی فیکٹری
کو کم از کم پانچ برس تک کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ جبکہ کُچھ دیواروں کی اُونچائی اور
حجم کو بھی کم کیا گیا۔ اس کے علاوہ فیکٹری کے فرنٹ ایلیویشن کو نہایت سادہ رکھا گیا۔
اِن تمام تبدیلیوں اُور آغا بابر کے کمیشن خُور ایجنٹوں سے نجات کے باعِث فیکٹری کی
تعمیرات کے بجٹ میں کم از کم چالیس لاکھ روپیہ کی بچت متوقع تھی۔ عبدالرشید کے
تجربے اُور اِخلاص کے باعث فرقان کو آج بھی کوئی ذہنی الجھن نہیں تھی۔ البتہ
عبدالرشید کے مشورے پر فیکٹری کے تمام میٹریل کی خریداری اَب فرقان ہی کررہا تھا۔
جسکی وجہ سے تمام خام مال نہایت ارزاں قیمت پر بہترین کوالٹی کیساتھ فیکٹری کی
تعمیرات میں شامل ہُورہا تھا۔ اور عبدالرشید کی خاص دلچسپی کے باعث فیکٹری کا
پروجیکٹ ایک برس کے بجائے صرف آٹھ ماہ میں مکمل ہُونے کی اُمید تھی۔
تمام کام خُوش اسلوبی سے جاری تھا۔ ہر نیا دِن فیکٹری کے مکمل ہُونے کی نوید سُنا رہا تھا۔
مشینری کی خریداری شہریار مجددی کے سپرد تھی۔ کافی

مشینری نصب بھی ہُوچکی تھی۔ لیکن چھ ماہ گُزر جانے کے باوجود بھی شہریار مجددی پاکستان شفٹ نہیں ہُو پائے تھے۔ البتہ وہ کُچھ وقت نِکال کر مہینے میں چار پانچ دِن کیلئے پاکستان ضرور آجاتے تھے۔ اُور فیکٹری کی تعمیر سے مطمئین تھے۔ فرقان کو بس ایک کمی محسوس ہُورہی تھی۔ کہ اُسکی معاونت کرنے کیلئے کوئی آغا بابر کی طرح کا ہوشیار آدمی نہیں تھا۔ جو باہر کے معاملات میں اِسکا ہاتھ بٹا سکتا۔ لیکن آغا بابر کے تجربے کے بعد فرقان بُہت ذیادہ محتاط ہُوگیا تھا۔ پھر ایک دِن اُسکے دِل میں خیال آیا کہ،، وہ کیوں نہ حسّان صاحب سے اِس مُعاملہ میں مدد حاصِل کرے۔

یہی سُوچ کر اُس شام وہ حسّان صاحب کی طرف چلدیا۔ نصف راستہ طے کرنے کے بعد جب وہ شہر کے ایک مشہور ہاسپٹل کے قریب سے گُزر رَہا تھا۔ اُسکی نِگاہ اُسی بنک منیجر کرامت صاحب پر پڑی۔ جُو کہ فرقان کے خیال کے مطابق نعمان اور فرقان کے درمیان جُدائی کا سبب بنا تھا۔ فرقان کے دِل میں جب بھی کرامت صاحب کا خیال آتا۔ تب ایک بات شِدت سے اُسکے ذہن کو اپنی گرفت میں لے لیا کرتی تھی۔ کہ کاش وہ کرامت صاحب کا مُنہ نوچ لے۔ جسکے پرپوزل کی وجہ سے اُن دُونوں دوستوں کے درمیان غیریت کی دیوار حائل ہو گئی تھی۔ کرامت صاحب کے نزدیک سے گُزرنے پر فرقان نے دیکھا کہ کرامت صاحب ایک ڈاکٹر کی منت سماجت کررَہے ہیں۔

کرامت صاحب سے لاکھ اِختلاف کے باوجود بھی فرقان کو جُونہی یہ بات سمجھ میں آئی کہ کرامت صاحب اِس وقت کسی مشکل میں گرفتار ہیں۔ وہ اپنی طبعیت کے برخلاف وہاں سے بے رخی برت کر نہیں گُزر سکا۔ فرقان نے کار کو پارکنگ ایریا میں لگایا اور کرامت صاحب کی پریشانی جاننے کیلئے اُن کی جانب بڑھتا چلا گیا۔

کرامت صاحب سے مُلاقات کے بعد فرقان کو معلوم ہُوا کہ کرامت صاحب کی چودہ برس کی بیٹی چند ماہ سے کینسر کے مرض میں مُبتلا ہے اُور تقریباً ۳ ماہ سے اِسی ہسپتال میں زیر علاج ہے۔ کرامت صاحب کی بیٹی ہی انکی اکلوتی اُولاد تھی۔ جنھیں اب ڈاکٹرز لاعلاج قرار دے چُکے تھے۔ ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ کرامت صاحب کی بچی کا علاج پاکستان میں ممکن نہیں تھا۔ جبکہ کرامت صاحب کے وسائل اسقدر نہیں تھے۔ کہ وہ اپنی بچی کو علاج کیلئے بیرون مُلک لیجا سکتے۔ فرقان نے جب کرامت صاحب کی رُوداد اُنکی زُبانی سُنی تو وہ تمام اختلاف بُھلا کر کرامت صاحب کی دلجوئی کرتے ہُوئے کہنے لگا۔

کرامت صاحب آپ دلبرداشتہ نہ ہُوں انشاءَ اللہ آپکی بچی ایک دِن ضرور صحتیاب ہُوگی ۔آپ خود بھی دُعا کرتے رہیں۔ اُور اللہ والوں سے بھی دُعا کی

درخواست کرتے رہیں۔ کیونکہ جنھیں اللہ کریم سے نِسبت ہُوجاتی ہے اللہ کریم اُنکی دُعاؤں کو کبھی رد نہیں فرماتا۔ جو اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کریم کی رضا کیلئے وقف کرچُکے ہُوں اللہ کریم بھی اُنکی بھیگی آنکھوں اُور اُٹھے ہُوئے ہاتھوں کی لاج ضرور رکھتا ہے۔ ویسے میں بھی اِس وقت ایک اللہ کے ولی کے آستانے پر حاضر ہُونے کی سعادت حاصِل کرنے جارہا تھا۔ اب انشاءَاللہ اُن سے کہوں گا کہ وہ آپکی بچی کیلئے ضرور دُعا کریں۔ مجھے قوی یقین ہے کہ اگر میں اُنکے ہاتھ اُٹھوانے میں کامیاب ہُوگیا۔ تُو آپکی بچی کو اِک نئی زندگی ضرور حاصِل ہُوجائیگی۔

فرقان کی اخلاص بھری باتوں سے کرامت صاحب کا حُوصلہ بُلند ہُونے لگا تھا۔ کرامت صاحب نے تشکر کے جذبے سے فرقان کے ہاتھ دباتے ہُوئے کہا فرقان بھائی اگر آپ کی اِجازت ہُو تُو میں بھی اُنکی زیارت کا شرف حاصِل کرنا چاہوں گا۔۔۔۔۔۔؟ فرقان نے خُوشدلی سے جواباً کرامت صاحب کے ہاتھوں کو تھامتے ہُوئے کہا۔۔۔۔ کیوں نہیں کرامت صاحب آپ ضرور میرے ساتھ چلیں۔

حسّان صاحب نے کرامت صاحب کا تعارف حاصِل کرنے اُور تمام کہانی کرامت صاحب کی زُبانی سُن لینے کے بعد دُعا کرنے سے قبل کرامت صاحب سے ایک سوال کیا۔۔۔۔ کرامت صاحب ایک بات تُو بتائیے کہ آپ جس بنک میں مُلازم ہیں کیا

اُسکے مالکوں سے لڑائی اور ضد قائم رکھنے کے بعد بھی آپ آسانی سے اُسی بنک میں اپنی مُلازمت پر قائم رِہ پائیں گے۔۔۔۔۔۔۔؟

کرامت صاحب نے حیرت سے حسّان صاحب کی طرف دیکھتے ہُوئے کہا،، حضرت یہ کِس طرح ممکن ہے۔ یقیناً اِس تمام معاملہ میں ہار میرا مُقدر ہُوگی۔ کیونکہ جب میرے مالک ہی میرے کام سے خُوش نہیں ہُونگے تُو وہ کبھی بھی میرا وجود اپنی فرم میں برداشت نہیں کرپائیں گے۔

پھر آپ اللہ کریم کے واضح حُکم کے خِلاف جاکر اُور سُودی سسٹم کا حِصہ بننے کے باوجود یہ توقع کیوں رکھتے ہیں۔ کہ وہ کریم پروردگار جس نے آپکو عزت عطا فرمائی۔ علم عطا کیا، رزق مُہیا کیا، اُور اُولاد کی نعمت سے نوازا،، مگر آپ نے پھر بھی اُسکا شُکر ادا کرنے کے بجائے وہ راہ اِختیار کی۔ جس راستے کو اُس پاک کریم رب نے اپنی مُخالفت کا رستہ بتایا۔ کیا آپ ظالموں اور غریبوں کے لہو سے اپنی حیات کا رِشتہ قائم رکھنے والوں کے لشکر میں شامل ہُونے کے باوجود بھی۔ اُور اپنی تمام تر نافرمانیوں کے صلہ میں یہ اُمید رکھتے ہیں۔ کہ آپ کی زندگانی تنگ نہ ہُوگی۔ آپ کے چمن میں ہمیشہ بہار رہے گی۔ اُور خزاں اور خار کبھی آپکا مُقدر نہیں بنیں گے۔۔۔۔۔۔؟ اُور اگر آپ ایسا ہی سُوچتے رہے ہیں۔ تو کرامت صاحب مُعاف کیجئے گا۔ پھر تُو آپ نے

رازِق حقیقی کو اپنے دُنیاوی آقاؤں کی خُوشنودی سے بھی کم جاننے کا گُناہِ عظیم کیا ہے۔ ذرا دِل پر ہاتھ رکھ کر جواب دیجئے گا۔ کہ کیا آپ خُود اپنی بچی کی حالت کے ذِمہ دار نہیں ہیں۔ حسّان صاحب نے نہایت دلسوز انداز میں کرامت صاحب کو دیکھتے ہُوئے کہا۔ کرامت صاحب کی زُباں حسّان صاحب کے بیاں کے آگے گنگ ہُو چکی تھی۔ البتہ اُنکی چشم کے آبگینے مسلسل چھلک رہے تھے۔ جو یہ بتانے کیلئے کافی تھے کہ دِل کی زمین ابھی بالکل بنجر نہیں ہُوئی ہے۔ بلکہ وہ زرا سی نمو کی منتظر ہے۔ کرامت صاحب نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد سسکتے ہُوئے کہا حضرت اگرچہ میری ریٹائرمنٹ میں صرف چار سال کا فاصلہ حائل ہے۔ اُور مجھے اپنے اسٹیٹس یا ریٹائرمِنٹ کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ لیکن میں اپنی بچی کی خاطر اگر یہ قربانی دے بھی دُوں۔ تب بھی میں عُمر کے اُس حصے سے گُزر رَہا ہُوں۔ جہاں نہ میرا ناتواں جسم مزدوری کے قابل ہے اُور نہ ہی مجھے کوئی ہُنر آتا ہے کہ جس سے اپنے گھر والوں کی کفالت کرسکوں۔۔۔۔۔؟ تمام زندگی میں کُچھ معمولی سی رقم ہی پس انداز کرپایا تھا۔ یا بیگم کے زیورات تھے۔ مگر وہ بھی بچی کی بیماری کے نذر ہو چُکے ہیں۔ ڈرتا ہُوں کہ کہیں میری تُوبہ اُور میری قُربانی میرے اپنوں کے گلے کا پھندہ نہ بن جائے اُور میں پچھتاوے کے بحرِ بیکراں میں گرفتار ہُو کر نہ رِہ جاؤں۔

توبہ اُور قربانی میں شرط نہیں رکھی جاتی امتیاز میاں۔ بے یقینی کی دلدل سے یقین کی رسی ہی تُم کو باہر نِکال سکتی ہے۔ تُم ایک قدم بڑھا کر تو دیکھو پھر دیکھنا وہ کریم کس طرح تُمہاری مدد کے راستے کھولتا ہے۔ بیٹی بھی مِل جائے گی۔ اُور رَب کی رضا بھی۔ مگر فیصلہ تُمہی کو کرنا ہے البتہ میں تُمہیں یقین دِلاتا ہُوں کہ اِس قربانی کے بعد آپ بے روزگار نہیں رہیں گے۔ فرقان میاں کی نئی فیکٹری میں آپ جیسے تجربے کار لوگوں کی اشد ضرورت ہے۔ اُور جہاں تک بچی کی صحت کا مُعاملہ ہے۔ تو بزرگوں کی نعلین کے صدقے میں ہم ایک ایسی دوا جانتے ہیں جو اِس مرض میں اکسیر کا مقام رکھتی ہے۔ آپ بچی چند دِنوں کیلئے ہمارے گھر چھوڑ جایئے گا۔ اللہ کریم نے چاہا تو صحت مِل جائے گی۔ کیونکہ شِفا اُسکے حکم میں ہے دوا تُو صِرف بہانہ ہے۔ حسان صاحب نے کرامت صاحب کی تشویش کا جواب دیتے ہُوئے کہا۔

پھر آپ ہی توبہ کرادیجئے۔ تاکہ میری نئی زندگی کا آغاز آپ ہی کے آستاں سے ہُو جائے۔ کرامت صاحب کا جُملہ مکمل ہُوتے ہی حسان میاں نے وجد میں باآواز نعرہ تکبیر بُلند کردیا۔

(جاری ہے)

مُحترم قارئین کرام،، آپ سب سے دُعاؤں کیلیۓ ملتمس ہُوں۔ مجھے یقین ہے کہ رمضان المبارک کی اِن بابرکت ساعتوں میں آپکے ہاتھوں کی بُلندی کے دوران میں آپکی دعاؤں کا حِصہ ضرور رہا ہُونگا۔

پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا
اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

جال۔ در۔ جال۔ قسط ۱۳۔ (اِقرار جُرم پہ اِنعام)۔

گُذشتہ سے پیوستہ۔

توبہ اُور قربانی میں شرط نہیں رکھی جاتی کرامت صاحب بے یقینی کی دلدل سے یقین کی رسی ہی تُم کو باہر نِکال سکتی ہے۔ تُم ایک قدم بڑھا کر تُو دیکھو پھر دیکھنا وہ کریم کس طرح تُمہاری مدد کے راستے کھولتا ہے۔ بیٹی بھی مِل جائے گی۔ اُور رَب کی رضا بھی۔ مگر فیصلہ تُمہی کو کرنا ہے البتہ میں تُمہیں یقین دِلاتا ہُوں کہ اِس قربانی کے بعد آپ بے روزگار نہیں رہیں گے۔ فرقان میاں کی نئی فیکٹری میں آپ جیسے تجربے کار لوگوں کی اشد ضرورت ہے۔ اُور جہاں تک بچی کی صحت کا مُعاملہ ہے۔ تو بزرگوں کی نعلین کے صدقے میں ہم ایک ایسی دوا جانتے ہیں جو اِس مرض میں اکسیر کا مقام رکھتی ہے۔ آپ بچی چند دِنوں کیلئے ہمارے گھر چھوڑ جایئے گا۔ اللہ کریم نے چاہا تو صحت مِل جائے گی۔ کیونکہ شِفا اُسکے حُکم میں ہے دوا تُو صِرف بہانہ ہے۔ حسان صاحب نے کرامت صاحب کی تشویش کا جواب دیتے ہُوئے کہا۔

پھر آپ ہی توبہ کرادیجئے۔ تاکہ میری نئی زندگی کا آغاز آپ ہی کے آستاں سے ہُوجائے۔ کرامت صاحب کا جُملہ مکمل ہُوتے ہی حسان میاں نے وجد میں باآواز

نعرہ تکبیر بُلند کر دیا۔

اَب مزید پڑھیئے۔

کرامت صاحب کی توبہ عجب رنگ دِکھا رہی تھی۔ اُنکی چودہ برس کی صاحبزادی نوشابہ حیرت انگیز طور پر بُہت تیزی کیساتھ رُو بصحت ہو رہی تھی۔ بچی کی صحت دیکھ کر فرقان کو یُوں محسوس ہو رہا تھا جیسے گویا قُدرت کرامت صاحب کی تُوبہ کی منتظر ہُو۔ یہاں کرامت صاحب نے توبہ کی چادر سے سر کو ڈھانپا اُور وہاں حَسّان صاحب کی سادہ سی دوائی نے اپنا رنگ دِکھانا شروع کردیا۔

اِس مرتبہ جب شہریار مجددی کی آمد ہُوئی تُو اُنہوں نے فرقان کو خُوشخبری سُنائی کہ وہ اپنا تمام بِزنس سمیٹ کر ہمیشہ کیلئے پاکستان آ چکے ہیں۔ اُور اب وہ فرقان کی مُعاونت کیلئے ہر گھڑی دستیاب ہُونگے۔ جب فرقان نے کرامت صاحب کی توبہ اُور اُنکی صاحبزادی کا واقعہ سُنایا تُو شہریار مجددی کی آنکھیں بھی نم ہُوئے بِنا نہیں رِہ پائیں۔ فرقان نے بات کرتے ہُوئے شہریار مجددی کو یہ بھی بتایا کہ میں نے حسان صاحب کی ایما پر آپکی اِجازت کے بغیر کرامت صاحب کو فیکٹری میں مینیجر کی پُوسٹ آفر کردی ہے۔ اَب اگر آپ

اُنکے مُشاہرے کی رقم تجویز کردیں تو اُنہیں باقاعدہ فیکٹری کی جانب سے مینجر کی مُلازمت کی آفر کردی جائے۔۔۔۔!

فرقان کے خاموش ہُوتے ہی شہریار مجددی نے سپاٹ لہجے میں دریافت کیا،، فرقان صاحب آپکے خیال میں اُنکی کتنی تنخواہ ہُونی چاہیئے۔۔۔۔؟ شہریار مجددی کے لہجے سے ایک لمحے کیلئے فرقان کو ایسا محسوس ہُوا جیسے شہریار مجددی کو اُسکی بات پسند نہ آئی ہُو۔۔۔۔۔۔ فرقان نے جھجکتے ہُوئے کہا،، ویسے تُو کرامت صاحب کا اِس فیلڈ میں کوئی تجربہ نہیں ہے لیکن میرے خیال میں اُنکی تنخواہ کم از کم پچاس ہزار کے قریب تُو ہونی ہی چاہیئے۔ اُور چونکہ اِس فیصلے میں مجھے آپ سے مشاورت کا موقع نہیں مِلا۔ اِس لئے اگر آپ کو اعتراض نہ ہُو تو میں چاہوں گا کہ جب تک کرامت صاحب اِس فیلڈ میں مہارت حاصِل نہیں کرلیتے۔ اُنہیں یہ تنخواہ میرے اکاؤنٹ سے ادا کی جائے۔

میرا بھی یہی خیال ہے کہ جب تک وُہ تجربہ حاصِل نہیں کرلیتے۔ اُنہیں فیکٹری سے تنخواہ نہ دِی جائے۔ شہریار مجددی کے جُملے سے فرقان کے اندیشے کو تقویت حاصِل ہُو گئی۔۔۔۔ حالانکہ فرقان کو اُمید تھی کہ شہریار مجددی اُسکی اِس بات پر برہمی کا اِظہار کرے گا کہ وہ کیوں تنہا کرامت صاحب کی تنخواہ کا بوجھ برداشت کرے گا۔

۔۔۔۔۔۔ جبکہ کرامت صاحب اگرچہ غیر تجربہ کار ہیں۔ مگر

مُلازمت تُو وہ فیکٹری میں ہی کریں گے۔ لہٰذا تنخواہ بھی فیکٹری کے مشترکہ اکاونٹ سے ادا کی جانی چاہیئے۔ لیکن شہریار مجددی نے اُسکے فیصلے کو ایک لمحے میں قبولیت بخش کر اُسے ورطہِ حیرت میں ڈال دِیا تھا۔۔۔۔۔!

کیا سُوچ رہے ہیں فرقان میاں۔۔۔۔؟ کہیں میرے متعلق کِسی بدگُمانی میں تُو مُبتلا نہیں ہُوگئے آپ۔۔۔۔۔؟ شہریار مجددی نے فرقان کو سُوچ میں ڈوبا دیکھ کر سوال کیا۔۔۔۔

نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں فرقان نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجانے کی کوشش کرتے ہُوئے کہا۔۔۔۔۔! شہریار مجددی نے ہنوز سنجیدگی سے فرقان کی جانب دیکھتے ہُوئے سلسلہ کلام دوبارہ شروع کرتے ہُوئے کہا۔۔۔اَرے جناب میں تُو یہ کہنا چاہتا تھا۔ کہ آپکا فیصلہ بالکل دُرست ہے کہ جب تک فیکٹری اِسٹارٹ نہیں ہُو جاتی۔ اُنکی تنخواہ کی مد میں پچاس ھزار روپیہ آپ دے دیا کریں۔ اُور چُونکہ وہ بُہت بڑی قربانی دے کرآئے ہیں۔ اُور آپ نے اُنہیں ہمارے مُرشِد و مربی کی خُواہش کے احترام میں اِس فیکٹری میں جگہ دِی ہے۔ تو لہٰذا اِس سعادت مندی سے محروم مجھے بھی نہ کیجئے گا۔ اُور پچاس ھزار رُوپیہ میری جانب سے بھی اُنہیں پیش کردِیا کیجئے گا۔ تاکہ اُنہیں کم از کم اپنے کریم آقا کی نسبت سے ہم دُونوں مِلکر سالانہ ۱۲ لاکھ روپیہ پیش کر سکیں۔ کیونکہ ایسی قربانی دینا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں لیکن جِسے اللہ کریم توفیق عطا فرمادے۔۔۔ اِسلئے ایسے عظیم انسان کو کم از کم اتنا

تو دینا ہی چاہیئے کہ اُنہیں اپنے کسی فیصلے پر پچھتاوا نہ ہو۔ شہریار مجددی کی خُوبصورت سُوچ کی وجہ سے فرقان کا مُرجھایا ہُوا چہرہ ایک مرتبہ پھر سے کِھل اُٹھا۔

کرامت صاحب کی صاحبزادی نوشابہ ۴۰ دِن تک حَسّان صاحب کی صحبت میں رِہ کر ایسی فیضیاب ہُوئی کہ ڈاکٹرز بھی نوشابہ کی رپورٹ دیکھ کر حیران ہُوگئے۔ یہاں تک کے مُلک کے تین مشہور و معروف ڈاکٹرز نے بھی حَسّان صاحب کی کرامت کے سبب اُنکے سامنے زانوئے تلمذ طے کردیئے۔

کرامت صاحب نے فرقان اُور شہریار مجددی کی کافی منت سماجت کی کہ اُسے اسقدر زیادہ تنخواہ نہ دی جائے۔ کیونکہ وُہ خُود کو اس مراعات کا اہل نہیں سمجھتا ہے۔ لیکن فرقان و شہریار مجددی کے آگے اُسکی ایک نہ چل سکی۔ کرامت صاحب یہ بات خُوب اچھی طرح سے جان چُکے تھے کہ فرقان و شہریار مجددی صاحب کی اُن پر انعامات کی بارِش بِلاوجہ نہیں تھی۔ چُونکہ فرقان و شہریار مجددی دُونوں کی زندگی میں ہی حَسّان میاں کے حُکم و پسند کو وہی اہمیت حاصِل تھی۔ جو ایک نہایت فرمانبردار اُولاد کے نزدیک اپنے والدین کے اِحکامات وخُواہش کی ہُوتی ہے۔۔۔۔! اُور اب یہی آتشِ عشق کا سُوز کرامت صاحب اپنے سینے میں بھی چند دِنوں سے محسوس کرنے لگے تھے۔

کرامت صاحب چند دِنوں سے ایک بات اُور بھی محسوس کر رہے تھے۔ اُور وُہ یہ کہ جب سے اُنھوں نے حَسّان صاحب کے ہاتھ پر تُوبہ کی تھی۔ اُن کے دِل میں ہمہ وقت سکینہ رہنے لگا تھا۔ جہاں پہلے اُن کی بیقراری اُنہیں رات میں کئی بار جاگنے پر مجبور کردیتی تھی۔ اب رات کو ایک پُرسکون نیند اُنکی منتظر رہنے لگی تھی۔ اگرچہ وہ اب باقاعدگی سے آذان فجر سے ایک گھنٹہ قبل تہجد کیلئے اُٹھ جایا کرتے تھے۔ مگر چند گھنٹوں کی یہ نیند بھی اُنہیں ذِہنی اُور جسمانی تھکن کے دیس سے بُہت دُور لے آئی تھی۔ اُنہیں فرقان و شہریار کی مُحبت کا قرض چُکانے کی ایک تدبیر سُجھائی دِی۔ اُور اُنھوں نے چند ایسے لُوگوں کو شہر میں ڈھونڈ نِکالا۔ جو بِزنس ایڈمنسٹریشن میں اِنفرادی اُور نُمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ وُہ شام کو فیکٹری سے فارغ ہُونے کے بعد ایسے اِحباب کی بَزم میں ایک تا دو گھنٹے کیلئے پُہنچ جاتے۔ اُور وہاں پُہنچ کر اپنی خُودی بُھلا کر ایک سعادت مند طالب کا رُوپ دَھار لیتے۔ جیسے خالی جام مے کی آرزو میں جُھکا چلا جاتا ہو۔

پھر خُدا کے خاص فضل سے وُہ دِن بھی آن پُہنچا کہ،، جسکے انتظار میں فرقان نے آٹھ ماہ تک رات و دِن کا اِمتیاز بُھلا کر مُسلسل مِحنت کی تھی۔ پیپر مِل کا اِفتتاح فرقان اُور شہریار مجددی کی شدید خُواہش پر حَسّان صاحب نے

اپنے دست مُبارک سے کیا۔ تمام شہر سے کاروباری، مذہبی، اُور روحانی سلسلے سے منسلک افراد کو مدعو کیا گیا تھا۔ فرقان اُور شہریار ہر ایک آنے والے سے مبارکباد و دُعا وَصول کررہے تھے۔ بے شُمار لوگ حَسان میاں کے اردگرد دُعا و برکت کے حُصول کیلئے موجود تھے ۔ شہریار مجددی کے مُعزز گھرانے کے کافی افراد بھی اِس خُوشی کے مُوقع پر مُوجود تھے۔ مگر فرقان کی نِگاہیں بار بار فیکٹری کے صدر دروازے کی جانب اُٹھ رہی تھیں۔ اُسکی نِگاہوں کی تشنگی حَسان میاں سے پُوشیدہ نہ رہ سکی۔ جب بار بار فرقان کی نِگاہیں بے چینی سے مین گیٹ کا طواف کرنے لگیں تُو حَسان صاحب سے نہ رَہا گیا۔ وُہ فرقان کے نزدیک تشریف لا کر گُویا ہُوئے،، فرقان میاں جسکے انتظار میں آپکی نظریں دروازے پر جمی ہیں وہ تُو کب کے مِحفل میں تشریف لا چُکے ہیں۔۔۔۔۔۔!

(جاری ہے)

مُحترم قارئین کرام ،، آپ سب سے دُعاؤں کیلئے ملتمس ہُوں۔ مجھے یقین ہے کہ رمضان المبارک کی اِن بابرکت ساعتوں میں آپکے ہاتھوں کی بُلندی کے دوران میں آپکی دعاؤں کا حِصہ ضرور رہا ہُونگا۔

پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا

اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

جال۔ در۔ جال۔ قسط 14۔ (بھان متی کا کُنبہ)۔

گُزشتہ سے پیوستہ۔

پھر خُدا کے خاص فضل سے وُہ دِن بھی آن پُہنچا کہ،، جسکے انتظار میں فرقان نے آٹھ ماہ تک رات و دِن کا اِمتیاز بُھلا کر مُسلسل مِحنت کی تھی۔ بیپر مِل کا اِفتتاح فرقان اُور شہریار مجددی کی شدید خُواہش پر حسّان صاحب نے اپنے دست مُبارک سے کیا۔ تمام شہر سے کاروباری، مذہبی، اُور روحانی سلسلے سے منسلک افراد کو مدعو کیا گیا تھا۔ فرقان اُور شہریار ہر ایک آنے والے سے مبارکباد و دُعا وَصول کررہے تھے۔ بے شُمار لوگ حسان میاں کے اردگرد دُعا و برکت کے حُصول کیلئے موجود تھے۔ شہریار مجددی کے مُعزز گھرانے کے کافی افراد بھی اِس خُوشی کے مُوقع پر مُوجود تھے۔ مگر فرقان کی نِگاہیں بار بار فیکٹری کے صدر دروازے کی جانب اُٹھ رہی تھیں۔ اُسکی نِگاہوں کی تشنگی حسّان میاں سے پُوشیدہ نہ رہ سکی۔ جب بار بار فرقان کی نِگاہیں بے چینی سے مین گیٹ کا طواف کرنے لگیں تُو حسّان صاحب سے نہ رَہا گیا۔ وُہ فرقان کے نزدیک تشریف لا کر گُویا ہُوئے،، فرقان میاں جسکے انتظار میں آپکی نظریں دروازے پر جمی ہیں وہ تُو کب کے مِحفل میں تشریف لا چُکے ہیں۔۔۔۔۔۔!

اَب مزید پڑھیئے۔

فرقان نے حَسّان صاحب کی توجہ دِلانے پر اَب جو محفل کے ایک گوشے میں دیکھا۔ تُو نعمان ٹھیکدار عبدالرشید سے گفتگو کرتا نظر آ گیا۔ حَسان صاحب نے مُسکراتے ہُوئے اِشارہ کیا۔ گویا فرمارہے ہُوں کہ،، میاں اب کس بات کا انتظار ہے۔ جسکی دید کے منتظر تھے۔ وُہ آچکا ہے۔ تُو جاکر مِل کیوں نہیں لیتے۔

فرقان بڑی چاہت بھرے جذبے کیساتھ نُعمان کی جانب بڑھا۔ لیکن جب وُہ نعمان کی پُشت کے قریب پُہنچا۔ تب نعمان کے ایک ہی جُملے نے اُسکے تمام جذبات پر برفیلی اُوس ڈال دی۔ نُعمان استہزائیہ انداز میں ٹھیکیدار عبدالرشید سے فرقان کی موجودگی سے بے خبر کہہ رہا تھا۔۔۔ عبدالرشید بھائی حَسان میاں نے تمام اناڑیوں کی ٹیم جمع کرکے اُس محاورے ،، بھان متی نے کُنبہ جُوڑا۔ کہیں کی اینٹ کہیں کا رُوڑا،، کی یاد تازہ کروادی۔ فرقان اُور شہریار مجددی کی جوڑی ہی کیا کم تعجب خیز تھی۔ جو ایک بنک منیجر کو پیپر مِل کا منیجر بنا ڈالا۔ اب ایک ہمارے فرقان صاحب ہیں جنھیں کاروبار کی الف، ب کا علم نہیں ہے۔ تُو دوسرے پارٹنر بھی پیرزادے ہیں۔ ارے بھائی مجھے تُو یہ سمجھ نہیں آرہا ہے۔ کہ وہ فیکٹری چلائیں گے یا گدی نشینی سنبھالیں گے۔ پھر رہی سہی کسر کرامت صاحب کو تمام فیکٹری کا چارج دے کر حَسان صاحب نے پُوری کردی۔

فرقان نے سُوچا تھا کہ نعمان تمام باتوں کو بُھول چُکا ہُوگا۔ لیکن نعمان کی زہریلی اُور کَٹی جلی گفتگو سے فرقان کو خُوب اندازہ ہُوچکا تھا۔ کہ نعمان نے آج تک فرقان کو دِل سے مُعاف نہیں کیا ہے۔ فرقان شائد اپنی ہتک کو برداشت کرجاتا۔ لیکن اُسے حَسّان صاحب اُور شہریار مجددی کا یُوں محفل میں مذاق بنایا جانا بالکل پسند نہیں آیا۔ اسلئے وہ نعمان سے مُلاقات کئے بغیر ہی نعمان کی پُشت کا فائدہ اُٹھا کر دوسرے گوشے کی جانب بڑھ گیا۔

محفل کے اختتام پر حَسان صاحب نے پرسوز دُعا کروائی جسکے بعد یہ محفل برخاست ہُو گئی۔ نعمان کو حسان میاں کی طرف بڑھتا دیکھ کر فرقان نے ٹُوائلٹ کا رُخ کرلیا۔ وُہ نہیں چاہتا تھا کہ حَسان میاں کے سامنے کوئی بدمزگی کا معاملہ پیش آجائے۔

تمام احباب کے چلے جانے کے بعد حَسان میاں نے فرقان سے استفسار کیا۔۔۔ بھئی فرقان میاں آپکی نعمان صاحب سے مُلاقات کیسی رہی۔۔۔؟ حضرت میری نُعمان سے مُلاقات نہیں ہُوسکی۔ جواب میں فرقان نے تمام ماجرا سچ سچ سُناتے ہُوئے کہا۔ کہ ابھی تک نعمان کا دِل میری جانب سے صاف نہیں ہُوا ہے۔ اُس نے جسطرح بھان متی کا تذکرہ کرتے ہُوئے ہماری مِثال دِی تھی۔ اُسکے بعد مجھ میں اتنی

ہمت ہی باقی نہیں بچی تھی۔ کہ اُس کے ساتھ کوئی گُفتگو کرپاتا۔۔۔۔۔۔ ویسے حضرت یہ بھان متی تھی کُون۔۔۔؟ اُور اُس نے اینٹ رُوڑے کونسی عمارت بنانے کیلئے جمع کئے تھے۔۔۔۔ فرقان نے غمگین لہجے میں سوال کرتے ہُوئے کہا۔۔۔

فرقان میاں آپ اپنا دِل نعمان کی گُفتگو سے چھوٹا نہ کریں۔ اُسکے بجائے کوئی اُور بھی ہُوتا تب بھی اِسی قسم کے تبصرے کے سِوا کوئی مختلف بات سامنے آنے کی کم از کم مجھے توقع نہیں تھی۔ دراصل اکثر لُوگ یہی سمجھتے ہیں کہ کاروبار میں ترقی کا راز صرف محنت لگن ، اُور سمجھ بُوجھ سے ہی ممکن ہے۔ جبکہ وُہ یہ بات اکثر فراموش کرجاتے ہیں۔ کہ ، اللہ کریم کے فضل کے بِنا کوئی تینوں خصوصیت رکھنے کے باوجود بھی کامیاب نہیں ہُوسکتا۔ یہ تینوں کوالٹی صرف عمل میں نِکھار کا باعث ہیں۔ منزل کو آسان بنانے میں معاون ہیں۔ مگر خُود منزل نہیں ہیں۔۔۔۔۔ جبکہ اللہ کریم چاہے تُو کسی ناسمجھ و نااہل پر بھی اپنے فضل کی ایسی برسات کردیتا ہے۔ کہ بڑے بڑے دانا بھی مُنہ تکتے رِہ جاتے ہیں۔ حَسان میاں نے فرقان کی دلجوئی کرتے ہُوئے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہُوئے کہا۔۔۔

اُور جہاں تک بات ہے بھان متی کے کُنبہ،، کی تُو یہاں بھی اکثر لُوگ غلطی کھا جاتے ہیں۔ بھان متی ہندوستان کی ریاست چتوڑ میں کافروں کے درمیاں روشنی

کا منارہ تھیں۔ ظلمت و کفر کے پروردہ اُنہیں اپنے جیسا سمجھ کر اُن کا مذاق اُڑا رہے تھے۔ وہ بظاہر ایک مجذوبہ کی شکل میں نظر آنے والی خاتون تھیں۔ لیکن درحقیقت تمام ریاست چتوڑ میں وہ واحد خاتون تھیں۔ جو کُفر سے بیزار توحید پرستی کی شمع کو اپنے سینے میں چھپائے بیٹھی تھیں۔ اُور جس وقت کافر وزیر کی صاحبزادی کے خُفیہ ایمان لانے کے بعد اُسے اپنے گھر میں پناہ دیکر علاؤالدین خلجی کے معتوب سفیر کو اپنے گھر لے آئیں تھیں۔ تب کفر کے پرستار اُنکا مذاق اُڑانے کیلئے یہ جُملہ،، بھان متی نے کُنبہ جُوڑا۔ کہیں کی اینٹ کہیں کا رُوڑا۔ پھبتی کسنے کیلئے استعمال کیا کرتے تھے۔ کیوں کہ بھان متی نے نہ ہی شادی رچائی تھی۔ اُور نہ ہی تمام چتوڑ میں کوئی اُنکا رشتہ دار تھا۔ بس اسلام کے رشتے سے اُنھوں نے مسلم سفیر کو اپنا بیٹا اُور وزیر زادی کو اپنی بیٹی بنا لیا تھا۔ اُور کفار انہی دونوں پاکباز کرداروں کو اینٹ، رُوڑے سے تشبیہ دِیا کرتے تھے۔

اب کتنی بدنصیبی کی بات ہے۔ کہ کل تک کُفار جو طعنہ اللہ کریم کی ایک ولیہ کو دِیا کرتے تھے۔ جو کہ نا صِرف مسلم سفیر و مسلم وزیر دادی کی محسنہ تھیں بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی مُحسنہ تھیں کہ مسلمانوں کے سفیر کی مدد فرمارہی تھیں۔ ہم بجائے اُنکے احسان مند ہُوتے۔ آج تک ہِنود کی روش اپناتے ہُوئے وہی طعنہ نا سمجھی میں اپنے مسلمان بہن بھائیوں کو بھی دیتے ہیں۔

لیکن فرقان میاں میں آپ سے پھر یہی کہوں گا۔ کہ آپ نعمان میاں کی جانب سے اپنا دِل میلا نہ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ ایک نا ایک دِن وہ ضرور پلٹ کر آئے گا۔ تب تک اُسکی واپسی کا انتظار کرنا۔ اُور واپسی کی راہ کو مسدود نہ کرنا۔ آپ کل سے اپنی فیکٹری پر توجہ دینا شروع کردیں اللہ کریم آپکی مدد ضرور فرمائے گا۔ اُور ایک دِن آپ کو آپکی قربانی کا پھل ضرور مِل کر رہے گا۔

(جاری ہے)

مُحترم قارئین کرام ،، آپ سب سے دُعاؤں کیلئے ملتمس ہُوں۔ مجھے یقین ہے کہ رمضان المبارک کی اِن بابرکت ساعتوں میں آپکے ہاتھوں کی بُلندی کے دوران میں آپکی دعاؤں کا حِصہ ضرور رہاہُونگا۔

پلکوں سے دَرِ یار پہ دستک دینا
اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

کسی درد مند کے کام آ

کسی درد مند کے کام آ۔۔۔۔ کسی ڈوبتے کو اُچھال دے
یہ نِگاہِ مَست کی مَستیاں۔۔ کسی بد نصیب پہ ڈال دے

یہ شعر مُدت ہُوئی شاہ عبدالکریم بُلڑی رحمتہ اللہ علیہ کے مزارِ مُبارک کی دیوار پر لِکھا دیکھا تھا۔ یہ شعر پڑھ کو مجھ پر جو کیفیت طاری ہُوئی تھی ۔ اُسکا لُطف آج پندرہ برس گُزر جانے کے بعد بھی میں بخُوبی محسوس کر سکتا ہُوں۔ اِس سفر کی ایک خُوبصورت بات یہ بھی تھی یہ سفر میں نے اپنے والد کے حُکم پر اُنہی کیساتھ کیا تھا۔ جو کہ بذاتِ خُود میرے لئے ایک خُوشگوار ۔و۔ تعجب خیز اَمر تھا۔

بہرحال میری زندگی میں اُولیائے کرام کی مُحبت کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی تھی۔ کہ اُولیائے کرام رَحَمُ اللہِ اجمعین کی زندگی مجھے ہمیشہ اِس شعر کے مصداق ہی نظر آئی۔ میں جتنے بھی اُولیائے کرام کی صحبت سے فیض یاب ہُوتا چلا گیا۔ مجھ پر یہ بات واضح ہُوتی چلی گئی کہ اِن اُولیائے کرام کی زندگی کا ایک ہی مقصد ہے کہ اللہ کے بندوں کیلئے آسانی کا سامان مُہیا کیا جائے ۔

اُور انکی خدمت کے ذریعے اللہ کریم کی رضا کو سمیٹا جائے۔
اگر آپ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے اشعار کا مُطالعہ کریں تُو وہاں بھی کثرت سے اِس قسم کے اشعار نظر آئیں گے۔ جنکے مضامین اور مطالب میں شاہ عبدالکریم بُلڑی رحمتہ اللہ علیہ کے اِس شعر کی جھلک نظر آجائے گی۔ جس میں اللہ کریم کے بندوں کی خدمت کو مقدم رکھا گیا ہے۔۔۔ جیسے کہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کا یہ شعر مجھے نہایت ہی پسند ہے۔
خُدا کے بندے ہیں ہزاروں بَنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اُسکا بندہ بنونگا جِسکو۔۔۔۔۔۔ خُدا کے بندوں سے پیار ہُوگا
لِہذا جُوں جُوں اُولیائے کرام کی صحبت کا فیض مجھے نصیب ہُوتا چلا گیا۔ مجھ پر یہ راز عیاں ہُوتا چلا گیا کہ،، آخر خُدا کی رضا کِس کام میں پِنہاں ہے۔ اُور میرے مُرشد کریم کی لُوگوں سے خیر خُواہی بھی مجھے ہمیشہ یہی سبق سمجھاتی نظر آئی۔۔۔ کہ خُدا کو پانے کا بہترین رستہ اُسکی مخلوق سے پیار اُور خِدمت میں چُھپا ہُوا ہے۔
مجھے اُولیائے کرام رحمہُ اللہ اجمعین کی حِکایات میں سیدنا ابراہیم بن

اَدھم اُور حضرت بہلول دانا رحمتہ اللہ علیہ کی حکایات نے بُہت ذیادہ مُتاثر کیا ہے۔
اُور حضرت بہلول دانا رحمتہ اللہ علیہ جو بیک وقت ایک فلسفی، و۔ دانشور کیساتھ ساتھ ایک مجذوب کا رُوپ بھی دھارے ہُوئے تھے۔ جسکی وجہ غالباً یہ تھی کہ وہ ھارون الرشید کی جانب سے پیش کئے جانے والے قاضی کے عہدے سے بچنا چاہتے تھے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی تمام سیرت میں ہزاروں ایسے واقعات موجود ہیں۔ جسمیں آپ رات دِن مخلوقِ خُدا کی پریشانیوں کو حَل کرتے ہُوئے نظر آتے ہیں۔۔۔۔
ایک مُدت سے جاوید بھائی عطاری جو ہمارے ہر دِلعزیز مُفتی مُحمد بلال دامت برکاتہم عالیہ کے والد گرامی ہیں۔ جنہیں دیکھ کر ہر مرتبہ میرا دِل گواھی دیتا ہے کہ وُہ اللہ کریم کے ولی ہیں۔ وہ بھی ہمیشہ لوگوں کی آسانی کیلئے خُود کو پیش کئے رکھتے ہیں۔ اُنہیں دیکھ کر عقل حیران ہُوجاتی ہے کہ کوئی کیسے عُمر کے اِس حصے میں دوسروں کیلئے اسقدر بھاگ دُوڑ کرسکتا ہے۔ یہ اُنہی کا خاصہ ہے کہ یہاں مدد طلب کرنے والا اپنی پریشانی کا اظہار کرتا ہے۔ اُور وہ فوراًہی ایسا مشورہ پیش کردیتے ہیں۔ کہ عقل دنگ رِہ جاتی ہے۔ اُور ناصِرف مشورہ بلکہ خُود آگے بڑھ کر اُسکے مسئلہ کو حل کرنے کیلئے مصروف ہُوجاتے ہیں۔

لوگوں کی خِدمت کا یہ جذبہ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ کیونکہ وہ رَسولُ اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود وُہ صاحبِ کمال نفوسِ قُدسیہ تھے جو اللہ کریم کے مدنی محبوب ﷺ سے براہِ راست فیض یافتہ تھے۔ اُور اِنہی کے نقوشِ پا کی روشنی میں اُولیااللہ نے مخلوقِ خُدا کی خِدمت کی اہمیت کو جانا تھا۔ اِس ضمن میں ایک روایت پیش کرنے کی سعادت کا شرف حاصل کررہاہُوں تاکہ میں اپنی بات کو مزید بہتر انداز میں سمجھا سکوں۔

چُنانچہ :۔ ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالی عنہٗ) سرکار ﷺ کے ظاہری وِصال کے بعد مسجدِ نبوی شریف کی مُعطر مُعطر فِضاؤں میں اعتکاف فرما تھے۔ آپکی خِدمت میں ایک شخص حاضر ہُوا۔ جُو کہ نہایت غمگین و پریشانی کے عالم میں تھا۔ آپ رضی اللہ عنہٗ نے شفقت فرماتے ہُوئے اُس شخص سے پریشانی کا سبب معلوم کیا۔۔۔؟

اُس شخص نے عرض کیا۔۔۔۔ جناب اعلیٰ میں بُہت زیادہ مقروض ہُوں۔۔۔۔ اسکے بعد روضۂ مُبارک کی جانب اشارہ کرتے ہُوئے کہنے لگا۔۔۔ اِس روضۂ انور میں تشریف فرما نبی رحمت ﷺ کی عزت کی قسم میں اِس قابل بھی نہیں کہ قرض اُتار سکوں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالی عنہٗ) نے ارشاد فرمایا۔ کیا میں

تُمھاری سفارش اُس قرض خُواہ سے کردُوں۔۔۔؟

اُس شخص نے عرض کیا۔ جیسا آپ مُناسب سمجھیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالی عنہٗ) یہ سُن کر فُوراً مسجد نبوی ﷺ سے باہر نِکل آئے۔

وُہ شخص حیرانی سے کہنے لگا عالیجناب آپ شائد بھول گئے ہیں کہ آپ اعتکاف سے تھے۔۔۔۔۔۔

سیدنا عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالی عنہٗ) نے جواباً ارشاد فرمایا۔ میں ہرگز نہیں بُھولا ہوں۔۔۔ بلکہ مجھ سے اِنہی صاحبِ مزار ﷺ نے ابھی کُچھ ہی عرصہ قبل پہلے اِرشاد فرمایا تھا کہ،، جُو اپنے کسی بھائی کی حاجت روائی کیلئے چلے اُور اِس کو پُورا کرے تُو یہ ۱۰ سال کے اعتکاف سے افضل ہے اُور جُو رضائے اِلٰہی کیلئے ایک دِن کا اعتکاف کرتا ہے تُو اللہ کریم اُس کے اُور جہنم کے درمیان تین خندقیں (گڑھا) حائل فرمادے گا کہ جنکا فاصلہ مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلے سے بھی زیادہ ہُوگا۔ اتنا فرمانے کے بعد یادِ مُصطفیٰ ﷺ سے سیدنا عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالی عنہٗ) کی آنکھیں اشکبار ہُوگئیں۔

دُعائے عشرت وارثی

اے میرے کریم آقا تیرا یہ غُلام تیرے رُوبرو حاضر ہُونے کو ہے۔ مگر میرا حال یہ ہے کہ زادِ راہ کے نام پر ایک بھی نیکی تیرے اِس غلام کے پاس موجود نہیں۔ میں نے سُوچا تھا کہ کُچھ نیکیاں تُجھے راضی کرنے کیلیئے چُن لُوں۔ مگر ہائے میری بدنصیبی کے میں نے راہ چلتے چلتے خُود نمائی کے تار سے جو تھیلی بُنی تھی اُس میں بدگمانی اُور حسرت کی بدبو نے حریص چُوہوں کو جنم دیدیا۔ جنھوں نے میرے توشۂ دان کو چھلنی چھلنی کرڈالا۔ تمام نیکیاں چُونکہ بُہت چھوٹی چھوٹی تھیں۔ اِس چھلنی کے راستے نکل گئیں۔ جبکہ میرے عصیاں اپنے حجم کی وجہ سے میرے ساتھ ہی رِہ گئے۔ مسافت کا وقت گُزر چُکا اُور اب منزل نہایت قریب ہے۔ پشیمانی کے عالم میں حیران وپریشان ہُوں کہ تیری بارگاہ میں کیا پیش کرونگا۔

بس فقط ایک اُمید ہے کہ تُو بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اُور نہایت کریم ہے۔ مجھ ضیعف کی نادانیوں پر اپنے فضل سے بازپُرس نا فرمائے گا۔ اُور بے سبب مغفرت کی بھیک سے میرے خالی کاسے کو بھردے گا۔ میرے کریم آقا میری اُمید کا بھرم رکھنا۔ اُور میرے جُرموں کی پردہ پُوشی فرماتے ہُوئے مجھے فقط اپنے فضل کی بھیک اپنے مدنی محبوب ﷺ کے صدقے عطا فرمادینا۔ کیونکہ میں بالکل تہی دامن نہیں ہُوں۔۔۔ کثیر گُناہوں کے سبب میری گردن وکمر جُھکی جارہی ہے۔ اُور تیرے کرم کے سِوا مجھے کوئی بچانے والا نہیں۔۔۔۔

امتحاں کے کہاں قابل ہُوں میں پیارے مولا
بے سبب بخشش دے مالک تیرا کیا جاتا ہے

جال۔ در۔ جال۔ (ہار جیت)۔ قسط ۱۵

گُذشتہ سے پیوستہ

کتنی بدنصیبی کی بات ہے۔ کہ کل تک کُفار جو طعنہ اللہ کریم کی ایک ولیہ کو دِیا کرتے تھے۔ جو کہ نا صِرف مسلم سفیر و مسلم وزیر دادی کی محسنہ تھیں بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی مُحسنہ تھیں کہ مسلمانوں کے سفیر کی مدد فرمارہی تھیں۔ ہم بجائے اُنکے احسان مند ہُوتے۔ آج تک ہِنود کی روش اپناتے ہُوئے وہی طعنہ نا سمجھی میں اپنے مسلمان بہن بھائیوں کو بھی دیتے ہیں۔

لیکن فرقان میاں میں آپ سے پھر یہی کہوں گا۔ کہ آپ نعمان میاں کی جانب سے اپنا دِل میلا نہ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ ایک نا ایک دِن وہ ضرور پلٹ کر آئے گا۔ تب تک اُسکی واپسی کا انتظار کرنا۔ اُور واپسی کی راہ کو مسدود نہ کرنا۔ آپ کل سے اپنی فیکٹری پر توجہ دینا شروع کردیں اللہ کریم آپکی مدد ضرور فرمائے گا۔ اُور ایک دِن آپ کو آپکی قربانی کا پھل ضرور مِل کر رہے گا۔

اَب مزید پڑھیئے۔

چار برس بعد۔۔۔

ظہر کی نماز کی ادائیگی کے دوران موبائل فون کی متواتر وائیبریشن فرقان کی محویت میں دخل انداز ہوتی رہی ۔ مسجد سے آفس کی طرف جاتے ہُوئے فرقان نے اپنے دِل میں عہد کیا کہ وُہ آئندہ اپنا سیل فُون وائیبریشن پر لگانے کے بجائے اپنے آفس میں ہی چھوڑ کر آئے گا یا پھر اُسے آف کر دِیا کرے گا۔

مِسڈ کالز چیک کرتے ہُوئے فرقان کو خُوشگوار حیرت کا سامنا ہُوا۔ کیونکہ آج قریباً چار برس کے بعد نعمان کی سترہ مِس کالز فرقان کی موبائیل اسکرین پر جگمگا رہی تھیں۔

فرقان نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر نعمان کو کال مِلا دی۔ دوسری ہی بیل پر نعمان نے کال ریسیو کرلی فرقان کو ایسا محسوس ہُوا جیسے وُہ اُس ہی کی بیل کا منتظر تھا۔

فرقان نے گرمجوشی سے سلام میں پہل کی لیکن نعمان نے تھکے تھکے سے انداز میں فرقان کے سلام کا جواب دیتے ہُوئے بتایا کہ وہ فرقان سے فوراًملاقات کرنا چاہتا ہے۔

فرقان نے نعمان کو جواب دیتے ہُوئے بتایا کہ وُہ اِس وقت فیکٹری میں موجود ہے۔ اگر وہ پسند کرے تو میں شام کو خُود حاضر ہُوجاؤں گا۔ لیکن نُعمان کا اِصرار تھا کہ وُہ اسی وقت فرقان سے مُلاقات کا خُواہشمند ہے اسلئے اگر فرقان اپنی مصروفیت میں سے اگر چند مِنٹ نِکال سکے تو وُہ خُود

فیکٹری آرہا ہے۔ فرقان نے جواباً عاجزی سے کہا۔۔۔۔۔ نعمان میرے بھائی مجھ سے التجا کرکے مجھے شرمندہ نہ کرو۔۔۔۔۔۔

نعمان نے کہا تھا کہ وہ آدھے گھنٹے میں فرقان کی فیکٹری پُہنچ جائے گا۔۔۔۔۔۔۔ فرقان کو آج نعمان کے لہجے میں وُہ پہلی سی گھن گرج کہیں بھی نظر نہیں آئی بلکہ اُسکا لہجہ ایک ہارے ہُوئے جواری کی مانند تھا۔ فرقان کو ایک کاروباری پارٹی نے اگرچہ چند دِن قبل کہا ضرور تھا کہ نعمان مسلسل تین برس سے خسارے کا سامنا کررہا ہے۔۔۔۔

لیکن۔۔۔۔۔ فرقان جِس نعمان کو جانتا تھا۔ وہ ہر گز جھکنے والا نہیں تھا۔ لیکن آج نعمان کا بِکھرا ہُوا لہجہ اُسکی سُوچ کی نفی کررَہا تھا۔

فرقان نعمان کا انتظار کرتے ہُوئے آرام دَہ کَاوچ پر نیم دراز ہُوگیا۔۔۔۔۔ دھیرے دھیرے اُسکے سامنے ماضی کے اوراق پلٹنے لگے اُور وہ خیالات کی وادیوں میں چار برس قبل کی جانے والی فیکٹری کی افتتاحی تقریب میں پُہنچ گیا۔ جہاں نعمان اُسکا اُور اُسکی ٹیم کا تمسخر اُڑارَہا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے اُسے اپنے پہلے سال کی کارکردگی کے مناظر دِکھائی دیکھنے لگے۔ اُنکی فیکٹری کا پہلا برس واقعی آزمائشوں اُور امتحانوں کا سال ثابت ہُوا تھا۔ کبھی پیپر کی کوالٹی بِگڑ جاتی تُو کبھی بازار میں گرانی کی کیفیت پیدا ہُوجاتی۔ کبھی

خام مال کی کمی کا سامنا کرنا پڑ جاتا۔ تُو کبھی سامنے والی پارٹی وقت پر سپلائی نہ دے سکنے کی وجہ سے سودا کینسل کر ڈالتی۔ الغرض اِس اُونٹ کی کوئی کَل سیدھی نہ تھی۔ یا یُوں کہہ لیجیئے کہ ہاتھی پالنے کا شوق بُہت ہی مہنگا ثابت ہُو رَہا تھا۔ جبکہ شہریار مجددی تو بالکل ہی کاروبار کے طریق سے نابلد تھے۔ جبکہ کرامت صاحب اگرچہ بُہت محنت اور جانفشانی سے تمام معملات کو حل کرنے کی سعی میں مصروف تھے۔ لیکن اُنکی بھی تمام تدابیر بروقت ہُونے کے باوجود بے سُود ثابت ہُو رہی تھیں۔ ایک حسّان میاں تھے جو ہر نئے دِن کیساتھ اِن سب کے حُوصلے بڑھا رہے تھے۔ اُور اُنکی زُبان پر ایک ہی جُملہ تھا۔ کہ یہ پہلا برس صِرف سیکھنے کیلئے ہے۔ اپنی غلطیوں کو دیکھو۔ اُور کوشش کرو کہ دُوبارہ وُہ غلطی سرزد نہ ہُو۔ اِسطرح غلطیوں کو سُدھارنے کا موقع ملے گا، اُور تُمہارے تجربہ میں اِضافہ کے ساتھ معملات میں بہتری آتی چلی جائے گی۔ کاروبار میں نفع نقصان سے زیادہ اپنی زُبان کی قیمت کا اِدراک رکھو۔ اور جو بھی پیمان قلمی یا قُولی طور پر کرو اُسے ہر قیمت پہ پُورا کرنے کی کوشش میں مصروف رَہو۔ اسطرح مارکیٹ میں تُمہاری ساکھ بنتی چلی جائے گی۔

وقت گُزرنے کیساتھ ساتھ حسّان میاں کی کہی ہُوئی ایک ایک بات سچ ثابت ہُوتی چلی گئی۔ واقعی پہلا برس بُہت ناموافق حالات و مُشاھِدات کی نظر

ہُوگیا۔ لیکن دوسرے برس کی کامیابی نے پہلے برس کی تمام کوفت اُور ناکامی کی تھکن کو رفع کردِیا۔ اُسکے بعد آنے والے مزید دُو برس میں فیکٹری کی کیپیٹل ڈھائی گُنا ہُوچکی تھی۔ حَسّان مِیاں کے حُکم پر عمل درآمد کرتے ہُوئے فرقان نے اپنی فیکٹری کے تمام ملازمین کو سالانہ ڈبل بُونس کے انعام سے نوازا۔ جسکی وجہ سے فیکٹری کے تمام مُلازمین کے دِلوں میں فرقان و شہریار مجددی کی محبت گھر کر گئی تھی۔ اسکے علاوہ حَسّان صاحب کے ایما پر ہی ،، آغوش ،، کے نام سے ایک اسکیم متعارف کرائی گئی۔ جسکے ذریعے ہر سال فیکٹری کے پانچ مُلازمین کو اپنا گھر بنانے کیلئے قرعہ اندازی کے ذریعے بِلا سُود قرض دینے کا اعلان کیا گیا۔

شہریار مجددی کے بے حد اِصرار پر فرقان نے اِس برس اپنا گھر خرید لیا تھا۔ اُور دُو مہینے قبل وہ اپنے نئے مکان میں شِفٹ ہُوچُکا تھا۔ جبکہ فیکٹری کے اعلیٰ کوالٹی پیپر کی بڑھتی ہُوئی ڈیمانڈ کے پیش نظر فیکٹری میں نئی مشینری کا اِضافہ بھی کردیا گیا تھا۔ جسکی وجہ سے اُمید کی جارہی تھی کہ اِس سال کی پروڈکشن گُذشتہ کی نسبت ۸۰ پرسنٹ بڑھ جائے گی۔ جبکہ لُوڈ شیڈنگ کا مقابلہ کرنے کیلئے فیکٹری میں نئے انجن لگائے گئے تھے۔ جسکی وجہ سے ڈیمانڈ اُور سپلائی کے بحران پر قابو پا لیا گیا تھا۔ اِن انجنز کو نصب کرتے ہُوئے شہریار مجددی نے ایک نئی تکنیک متعارف کروائی تھی۔ جسکی وجہ سے حیرت انگیز

طُور پر ڈیزل کا خرچ ساٹھ فیصد تک کم ہُوگیا تھا۔اِس تکنیک کی وجہ سے فیکٹری کو بجلی اُس نرخ سے بھی کم ریٹ میں دستیاب ہُورہی تھی۔جس نرخ پر حکومتی اداروں سے حاصِل کی جارہی تھی۔

اگرچہ نعمان اُور فرقان کی فیکٹریاں ایک دوسرے کیساتھ مُتصِل تھیں۔لیکن اسکے باوجود بھی اِن چار برسوں میں ایک مرتبہ بھی فرقان کا نعمان سے سامنا نہیں ہُوا تھا۔ نہ ہی کبھی نعمان فرقان کی فیکٹری میں آیا۔اُور نہ ہزار دِل کی خُواہش کے باوجود فرقان کبھی اتنی ہِمت جُٹا پایا کہ وہ نُعمان کے پاس جاسکے۔پھر وقت گُزرنے کیساتھ مصروفیت بھی اِسقدر بڑھتی چلی گئی۔کہ فرقان کو ہمیشہ یہ اندیشہ گھیرے رکھتا کہ کاروبار کی بڑھتی ہُوئی مصروفیت کہیں اُسکی ازدواجی زندگی میں کوئی رُکاوٹ نہ کھڑی کردے۔۔۔۔لیکن اِس معاملے میں فرقان انتہائی خُوش قِسمت انسان ثابت ہُوا تھا۔ کیونکہ اُسکی بیگم نے اُسے کبھی بھی اِس بات کا اِحساس نہیں ہُونے دِیا کہ۔۔۔نئی فیکٹری کی شروعات سے وُہ گھر پر کسقدر کم وقت دینے لگا ہے۔بلکہ وہ ہمیشہ ہی اسکی حُوصلہ افزائی کیساتھ اُسکی ہمت بڑھارہی تھی۔

فرقان سُوچوں کے اِن بھنوُروں میں نہ جانے اُور کتنی دیر کُھویا رِہتا کہ ایک مُلازِم نے آکر اُسے نُعمان کی آمد کی اطلاع دی۔فرقان نُعمان کے

استقبال کیلئے اپنے آفس سے باہر نِکل آیا۔ لیکن یہ دیکھ کر اُسکا دِل کَٹ کر رہ گیا۔ کہ وہی نُعمان جو سولہ سُو سی سی سے کم گاڑی میں بیٹھنا اپنی بے عزتی سمجھتا تھا ایک سیکنڈ ہینڈ چائنا موٹر بائیک پر سوار ہُو کر آیا تھا۔ چہرے پہ بڑھی ہُوئی شیو، اُور لباس پر پڑی ہُوئی جا بجا سلوٹیں فرقان کو یہ سمجھانے کیلئے کافی تھیں۔ کہ اُسکا دُوست کسی بُہت بڑے امتحان سے گُزر رہا ہے۔ جسکا کرب صاف اُسکے چہرے پہ نمایاں نظر آ رہا تھا۔

نعمان نے فرقان کو اپنا منتظر دیکھا تو تھکے تھکے سے قدموں سے فرقان کی جانب بڑھنے لگا۔ فرقان نے آگے بڑھ کر نُعمان کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ چند لمحے اِسی کیفیت میں گُزر گئے۔ پھر فرقان نُعمان کو بڑی عزت سے اپنے آفس میں لے آیا۔ آفس میں آرام دہ کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد فرقان اُسکا حال دریافت کرنے لگا۔ لیکن نُعمان کی زُبان پر تُو جیسے خَاموشی کا قُفل پڑا تھا۔ اُسکا چہرہ ناکامی اور شرمندگی کی تصویر پیش کر رہا تھا۔ جب دوسری مرتبہ فرقان نے پُوچھا کہ میرے یار تُو آخر بُولتا کیوں نہیں۔۔۔۔؟ اُور یہ تُونے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے۔۔۔۔؟ تب نعمان کی آنکھیں جو نجانے کب سے چھلکنے کو بیقرار تھیں۔ اپنے آبگینوں کے بند کو مزید سنبھال نہ پائیں۔۔۔۔ اُور نُعمان فقط اتنا ہی کہہ پایا کہ فرقان میرے بھائی میں ہار گیا ہُوں۔۔۔ اُور رُسوائی میرے تعاقب میں ہے۔ اِسکے بعد وہ کُچھ نہ کہہ پایا۔۔۔ اُور

ہچکیاں باندھ کر رُونے لگا۔۔۔۔۔

مجھے معلوم ہے کہ اس افسانے کی اس قسط کو پڑھنے کیلیۓ آپ سب کو بُہت انتظار کرنا پڑا ہے جسکے لئے آپ سب سے مُعافی چاہتاہُوں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ رمضان المبارک میں میری طبیعت اسقدر بگڑ گئی تھی۔ کہ مجھے یقین ہُوچلا تھا۔ کہ میں شائد عیدالفطر کا چاند بھی نہ دیکھ پاؤں گا۔ مگر۔۔۔۔۔

۔

بقولِ شاعر

۔

میں ڈوبتاہُوں سُمندر اُچھال دیتا ہے
نہ جانے کُون دُعاؤں میں یاد رکھتا ہے

انشاءَ اللہ کوشش کرونگا کہ ایک ہفتے میں اسکی آخری قسط (خُلاصہ) لکھ کر آپکی نذر کرڈُوں۔

جال۔ در۔ جال قسط 16۔ (آخری قسط)۔

گُذشتہ سے پیوستہ

نعمان نے فرقان کو اپنا منتظر دیکھا تو تھکے سے قدموں سے فرقان کی جانب بڑھنے لگا۔فرقان نے آگے بڑھ کر نُعمان کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ چند لمحے اِسی کیفیت میں گُزر گئے۔ پھر فرقان نُعمان کو بڑی عزت سے اپنے آفس میں لے آیا۔ آفس میں آرام دہ کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد فرقان نُعمان کا حال دریافت کرنے لگا۔ لیکن نُعمان کی زُبان پر تُو جیسے خَاموشی کا قُفل پڑا تھا۔ اُسکا چہرہ ناکامی اور شرمندگی کی تصویر پیش کررہا تھا۔ جب دوسری مرتبہ فرقان نےپُوچھا کہ میرے یار تُو آخر بُولتا کیوں نہیں۔۔۔۔ ؟اُور یہ تُو نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے۔۔۔۔؟ تب نعمان کی آنکھیں جو نجانے کب سے چھلکنے کو بیقرار تھیں۔ اپنے آبگینوں کے بند کو مزید سنبھال نہ پائیں۔۔۔۔ اُور نُعمان فقط اتنا ہی کہہ پایا کہ فرقان میرے بھائی میں ہار گیاہُوں۔۔۔ اُور رُسوائی میرے تعاقب میں ہے۔ اِسکے بعد وُہ کُچھ نہ کہہ پایا۔۔۔ اُور ہچکیاں باندھ کر رُونے لگا۔۔۔۔۔

اَب مزید پڑھیئے (تمام بقیہ اقساط کا خُلاصہ)

نعمان کو رُوتا دیکھ کر ایک لمحے کیلئے فرقان کا دِل چاہا کہ وُہ بڑھ کر نُعمان کو اپنے سینے سے لگا کر اُسکی آنکھوں سے بہنے والے ایک ایک آنسو کو پُونچھ ڈالے۔۔۔۔ لیکن دُوسرے ہی لمحے اُس نے سُوچا کہ نجانے نُعمان کب سے اِن آنسوؤں کے غبار کو اپنے سینے میں سمیٹے ہُوئے ہے جسکی وجہ سے اُسے غم کی چُبھن اُور آلودگی کی گھٹن کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جبکہ حسان میاں بھی تُو یہی کہتے ہیں۔۔۔ کہ گُناہوں کی ذیادتی اُور اُسکی مزید خُواہش دِل میں غم اُور گھٹن پیدا کردیتی ہے جسکا مداواہ صِرف اُور صِرف ۔۔۔ ندامت۔آنسو۔ اُور پشیمانی۔ کیساتھ سچی تُوبہ کی صُورت میں ہی ممکن ہے۔۔ اُور آج نُعمان اللہ کریم کی توفیق سے اُسی جُرم کا کُفارہ اپنی ندامت کے اِظہار اُور آنسوؤں کے ذریعے کررہا تھا۔

کُچھ لمحات بیت جانے کے بعد فرقان مزید انتظار نہیں کرپایا۔ اُور اُس نے آگے بڑھ کر نُعمان کے دونوں بازُوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں سے تھام کر اُسے کرسی سے اُٹھایا اُور اپنے سینے سے لگا لیا۔۔۔۔ چند لمحے مزید گُزر گئے۔ نُعمان اگرچہ ابھی تک سسکیاں لے رہا تھا۔ لیکن فرقان کے سینے سے لگ جانے کے بعد اُسکی حالت رفتہ رفتہ بہتر ہُوتی چلی گئی۔ جیسے طُوفان کے گُزر جانے کے بعد ساحل کی ریت پُرسکون ہُوجاتی ہے۔۔۔

نُعمان کی حالت جب بظاہر پُر سکون نظر آنے لگی تب فرقان نے کافی کا آرڈر دینے کے بعد نُعمان کو اپنے ساتھ ایک ڈبل صوفہ سیٹ پر بٹھا کر اُسکے ایک ہاتھ کو اپنے دُونوں ہاتھوں میں لیکر گفتگو کا آغاز کرتے ہُوئے کہا۔۔۔ میرے بھائی خُدا سے ہارنے میں بھی جیت چھپی ہُوتی ہے۔ جو اپنی ہار مان لیتا۔ دراصل وہی دُنیا اُور آخرت میں سُرخرو ہُوتا ہے۔ جبکہ جو خُدا سے لڑنے کی کُوشش میں اپنی شکست تسلیم نہیں کرتا۔ دراصل وہی بازی ہارنے والوں میں سے ہے۔ جبکہ تُمہاری ہار انشاءَاللہ عزوجل تُمہیں خُدا سے مزید دُور نہیں ہُونے دیگی۔ بلکہ یہی ہار تُمہیں اب اپنے رَبّ سے نذدیک کرنے کا سبب بن جائے گی۔۔۔۔۔

فرقان کی باتوں اُور کافی کے مگ سے چند سِپ لینے کے بعد نُعمان کی حالت مزید بہتر ہُوتی چلی گئی۔ کافی کی چُسکیاں لیتے ہُوئے نُعمان نے دھیرے دھیرے اپنی شکست کی کہانی سُنانی شروع کی جسکا لُب لباب کُچھ یُوں تھا۔۔۔ فرقان سے علیحدگی کے بعد نُعمان نے بنک سے چار کروڑ کا لُون فیکٹری کے کاغذات کے عوض اِس شرط پر حاصِل کرلیا کہ وُہ ہر سال جُون سے قبل اپنی لِمٹ مکمل طُور پر جمع کروادیا کرے گا۔۔۔ چُونکہ نُعمان خُود بھی جانتا تھا۔ کہ ایسا کرنا کسی صورت ممکن ہی نہیں ہوگا۔ کیونکہ وُہ چار کروڑ روپیہ اِسٹاک

کیلئے نہیں بلکہ فیکٹری میں توسیع کیلئے حاصِل کر رہا تھا۔ لیکن اُسکے ذِہن میں ایک ترکیب آ رہی تھی کہ کسی طرح اگر بنک لُون کیساتھ ساتھ چند انویسٹرز بھی مِل جائیں۔ تو وہ اِس تمام رقم سے اچھا خاصہ ٹُوپی ڈرامہ رَچا سکتا تھا۔ سال میں ایک مرتبہ اِنویسٹرز کی رقم سے لُون رِی شیڈول کروایا جاسکتا تھا۔ اُور پیپر مِل کو چلانے کیلئے رَقم کی بھی کمی نہیں ہُوگی۔

اب یہ نُعمان کی بد بختی تھی۔ کہ ایک طرف بنک سے لُون منظور ہُوگیا۔ جبکہ دُوسری طرف ایک سابقہ ایم پی اے صاحب جنھوں نے اپنے دُور میں خُوب مال سمیٹا تھا۔ اُور اب اُسی مال کو کسی کاروبار میں لگانا چاہ رہے تھے۔ کی مُلاقات نُعمان سے ہُو گئی۔ حالانکہ نُعمان اُن ایم پی اے صاحب کی بدمعاشانہ سُوچ سے خُوب اچھی طرح واقف تھا۔ لیکن مرتا کیا نہ کرتا کہ مِصداق۔ حالات اُور مجبوری کے سبب خُود اُنکے چنگل میں آگیا۔۔ اُور اِس طرح اُن ایم پی اے صاحب نے اپنی مَن مانی شرائط پر مزید چار کروڑ روپیہ نُعمان کو مُہیا کردِیا۔

ایک برس تُو فیکٹری کی تعمیر میں صَرف ہُوگیا جِس میں بنک کے چار کروڑ روپیہ کام آگیا۔ جبکہ دُوسرے برس مارکیٹ کے اُتار چڑھاؤ کے سبب پچھتّر لاکھ روپیہ کا خَسارہ پیش آگیا۔ جبکہ تقریباً بیس لاکھ رُوپیہ اِس برس نُعمان کی

ذاتی ضروریات کی نذر ہُوچکا تھا۔ اب پُوزیشن یہ تھی کہ بنک میں جمع کرانے کیلئے نُعمان کے پاس صرف تین کروڑ پانچ لاکھ روپیہ موجود تھا۔ اگر یہ رقم جمع کرادی بھی جاتی تُو تقریباً ساٹھ لاکھ روپیہ انٹریسٹ کی مد میں چلا جاتا۔ اُور ایک کروڑ پچپن لاکھ کی شارٹیج کی وجہ سے بنک ہرگز دُوبارہ لُون سیکشن نہ کرتی۔ جسکی وجہ سے ایک طرف فیکٹری بند ہُوجانے کا اندیشہ تھا۔ تُو دوسری طرف اُس (ایم پی اے) صاحب کے کارندے اُسکی چیر پھاڑ کو پُہنچ جاتے۔ لِہذا نُعمان کو اپنے تئیں اِسی میں بھلائی نظر آئی کہ بنک مینیجر کو اعتماد میں لیکر تمام صورت حال سے آگاہ کردِیا جائے۔ یہ نیا بنک مینیجر بھی نہایت کایاں اُور حریص آدمی تھا۔ جب اُسے نُعمان کی کمزوری کا علم ہُوگیا۔ تب پہلے تو بنک مینیجر نے خُوب نُعمان کو ہراساں کیا۔ اُور بعد میں نُعمان کو بلیک میل کر کرکے اپنے لئے رقم اینٹھنے میں لگ گیا۔ البتہ بنک مینیجر کے اِنوال ہُوجانے کے بعد اتنا ضرور ہُوا کہ اُس بنک مینیجر نے یہ رِپورٹ تیار کردی کے فیکٹری میں چھ کروڑ سے زائد کا خام مال موجود ہے۔ مگر بھاؤ مُناسب نہ ہُونے کی وجہ سے فی الحال فیکٹری نے اپنی سیل رُوک رکھی ہے۔ بنک مینیجر کے مشورے سے ہی خالی گوداموں کے مُنہ پر خام مال کا ڈھیر اِس طرح سے لگادیا گیا۔ کہ کوئی گودام کے اندر داخل ہی نہ ہُوسکے۔ جبکہ انسپکشن کیلئے آنے والی بنک ٹیم کو بھی یہ تاثر دیا جاسکے کہ گُودام خام مال سے کھچاکھچ بھرے پڑے ہیں۔

لیکن اِس تمام صورتحال نے نُعمان کو ایک نفسیاتی مریض بناڈالا تھا۔ حالانکہ ایک مُوہوم سی اُمید اب بھی نُعمان کے سینے میں جاگتی کہ آنے والے سال میں شائد فیکٹری کو اسقدر مُنافع ہُوجائے کہ جسکی وجہ سے رُوز بروز بگڑتی ہُوئی صورتحال کو سنبھالا دیا جاسکے۔ لیکن شائد وقت کی مُہلت ختم ہُوچکی تھی۔ تقدیر کے آگے تدبیر کا زُور ٹوٹ چُکا تھا۔ کرنی کا کڑوا پھل تیار ہُوچُکا تھا۔ جسکا مزہ اب نُعمان کو بُھگتنا تھا۔ اِس لئے اس شعر کے مِصداق مُعاملہ پیش آرہا تھا کہ۔۔۔ مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دَوا کی۔۔۔۔ نعمان فی الحال شکست قبول کرنے کیلئے تیار نہیں تھا۔ جبکہ دُوسری طرف رَبّ عزوجل کی خُفیہ تدبیر اسکے گِرد آہستہ آہستہ گھیرا سخت کئے جارہی تھی۔ مگر حرص و بے خبری کی پٹی نعمان کی آنکھوں پر ایسی چڑھی تھی۔ کہ وہ حالات کا صحیح اِدراک ہی نہیں کرپارہا تھا۔ یا شائد اُسے اِحساس تُو تھا۔ لیکن وہ اِس احساس کو جھٹک جھٹک کر خُود سے دُور کرنے کی ناکام سعی میں مصروف تھا۔

بہر حال قصہ مختصر مزید تین برس گُزر گئے جسکے بعد بنک پر بلاآخر یہ انکشاف ہُوہی گیا کہ نعمان کے خام مال سے بھرے گوداموں کی حیثیت ہاتھی کے دِکھائی دینے والے دانتوں سے زیادہ نہیں ہے۔اب بنک کی رقم بھی سود در سُود بڑھتے بڑھتے آٹھ کروڑ کے قریب پُہنچ چکی تھی۔ جسکی وجہ سے بنک کی جانب سے کسی

بھی وقت نُعمان کو ڈیفالٹر قرار دے ئی جانے کا خطرہ مَنڈلا رَہا تھا۔ جبکہ نعمان کے تمام فیصلے اُسکے خلاف جارہے تھے۔ جسکی وجہ سے (ایم پی اے) صاحب کی رقم بھی گھٹتے گھٹتے صرف نوے لاکھ کے قریب پُہنچ چکی تھی۔ نعمان نے چند ماہ قبل اپنی ہار تسلیم کرلی تھی۔ اسلئے نوے لاکھ روپیہ نقد اُور ساٹھ لاکھ کے عوض اپنی کوٹھی (ایم پی اے) صاحب کے حوالے کردی تھی۔ مگر (ایم پی اے) صاحب کا اِصرار تھا۔ کہ تین ماہ میں اُنکی بقایا رقم ادا کردی جائے۔ اب چاہے یہ رقم بنک لُوٹ کر دِی جائے۔یا فیکٹری بیچ کر دی جائے۔ ورنہ وُہ صرف نُعمان ہی کو نہیں بلکہ اُسکی بیوی اُور بچوں کو بھی عبرت کا نِشان بنا ڈالے گا۔

نُعمان خُود بھی اِس کھیل میں جسمانی اُور ذہنی تھکن کو ہر نئے دِن کیساتھ بڑھتا ہُوا محسوس کررہا تھا۔ وُہ تھک کر نِڈھال ہُوچکا تھا۔ اُور اب وُہ خُود بھی چاہتا تھا کہ یہ کھیل جلد از جلد اپنے انجام کو پُہنچ جائے۔۔۔۔۔ لیکن اِسکی غلطیوں کا خُمیازہ اُسکی بیوی اُور بَچوں کو سہنا پڑے یہ اُسے کسی بھی قیمت پر منظور نہیں تھا۔ لیکن وُہ جانتا تھا۔ کہ اب بازی اُسکے ہاتھ سے نِکل چکی تھی۔۔۔۔ لے دے کر بس اب یہی آس بچی تھی۔۔۔۔ کہ فرقان اُسکی سابقہ تمام غلطیوں کو فراموش کرکے اِسے ایکبار اِس دلدل سے نِکلوادے۔ اُسکے بعد اُسے چاہے ٹھیلا لگا کر ہی اپنے بچوں کا پیٹ کیوں نہ پالنا پڑے۔ وُہ

پیچھے نہیں ہٹے گا۔۔۔۔۔
فرقان نے نُعمان کی تمام کہانی سُن لینے کے بعد اُسے بھرپور یقین دہانی کراتے ہُوئے کہا۔۔ کہ آج رات اِس موضوع پر وُہ حسان صاحب کے سامنے شہریار مجددی سے بات کرے گا۔ اُور مجھے قوی یقین ہے کہ شہریار مجددی میری بات رَد نہیں کرے گا۔۔۔۔ بلکہ ہوسکے تُو تمھیں آج رات حسان میاں سے مُلاقات کیلئے ضرور آنا چاہیئے۔۔۔۔۔
نُعمان حسب وعدہ عشاء کی نماز سے فارغ ہُو کر حَسان میاں کی محفل میں پُہنچ گیا۔۔۔۔ عجب اتفاق تھا کہ حَسان میاں اللہ کریم کی مہربانیوں اُور انسانوں کی ہٹ دھرمیوں پر بیان فرمارہے تھے۔ تمام بیان کے درمیان نُعمان یہ محسوس کرتا رہا، جیسے اُسکی اِصلاح کا سامان پیدا کیا جارہا ہو۔ تمام وقت اُسکی آنکھیں بھیگتی رہیں۔ جنہیں وُہ بار بار رُومال کے کُونے سے صاف کرتا رَہا۔۔۔۔ محفل برخاست ہُونے کے بعد حسان میاں نے بڑے پُرتپاک انداز میں نُعمان کا اِستقبال کیا۔ نُعمان جب حَسان میاں کے سینے سے لپٹا ہُوا تھا۔ تب اُسے ایسا محسوس ہُورہا تھا۔ جیسے گُویا اُسکے قلب پر سکینہ نازل ہُورہا تھا۔۔۔ نُعمان دِل ہی دِل میں دُعا کرنے لگا۔۔۔۔ کاش وقت تھم جائے۔۔۔

جب فرقان نے نُعمان کا معاملہ حَسان میاں کے گُوش گُزار کیا۔ تُب حَسان میاں تمام رُوداد سُن کر پہلے تُو آبدیدہ ہُوگئے۔ پھر بڑی بے قراری سے اللہ کریم کی تسبیح و تکبیر بُلند کرنے کے بعد فرمانے لگے۔ کِس میں جُرأت ہے۔ کہ وُہ اُس پاک کبریا کے مُقابل کھڑا ہُوسکے۔۔۔۔؟ ۔۔۔یا اُسکی نافرمانی کے بَعد زمیں پر اپنے قدم جَما سکے۔۔۔۔؟ پھر خُود ہی جواب دیتے ہوئے کہنے لگے۔۔۔ کِسی میں نہیں۔۔۔۔ کِسی میں بھی نہیں۔۔۔ وُہ یکتا ہے۔۔۔ وُہ بادشاہ ہے۔۔۔۔ اُسی کا حُکم قائم ہے۔۔۔ وہی دائم ہے۔۔ وہی سُبحان ہے۔۔۔ وَہی قُدوس۔ وَہی بے نیاز ہے۔۔۔۔

شہریار مجددی بھی نعمان کی کہانی سُن کر غمگین ہُوگیا تھا۔ اُور وُہ سُوچ رَہا تھا۔ کہ انسان کسقدر کمزور و ناتواں ہے۔ کہ حِرص وہَوس کی ذرا سی آنچ اُسے پگھلا کر آزمائش کے صحرا میں تپنے کیلئے چھوڑ دیتی ہے۔ خُدا کا شُکر ہے۔۔ کہ میرے ہاتھ میں دامنِ حِسان میاں تھا۔ جو ہر خطرے۔۔ ہر طُوفان سے پہلے ہی آگاہ کرتے رہے۔ اُور ایسی تربیت فرمائی کہ سرکشی کا عفریت کبھی اپنی چال میں کامیاب ہی نہ ہُوسکا۔۔اِس سے پہلے کہ شہریار مجددی پروازِ خیال کو مزید بُلند کرتا۔ حَسان میاں کا جُملہ اُسے واپس محفل میں لے آیا۔۔۔ حَسان میاں اپنی نِگاہیں فرقان و شہریار مجددی کے چہروں کی جانب

باری باری جماتے ہُوئے نُعمان سے فرمارہے تھے۔۔۔۔ نُعمان بیٹا میرے اِختیار میں اگر ہُوتا تُو تُمھارے دامن سے ایک ایک غم کُوچُن کر سمیٹ لیتا۔۔۔ لیکن فِرقان و شہریار میرے ایسے رُوحانی بیٹے ہیں۔۔۔ کہ مجھے قوی اُمید ہے کہ یہ مجھے اُور تُمھیں نا اُمید نہیں کریں گے۔۔۔ لیکن جو بھی فیصلہ کرنا ہے وُہ اِنہی دُونوں کو کرنا ہے۔۔۔ اُور انشاءَاللہ یہ بہتر ہی فیصلہ کریں گے۔

حسان میاں کے خاموش ہُونے کے بعد شہریار مجددی گُویا ہُوا۔۔۔۔ حضرت میرے پاس جُو کُچھ بھی ہے۔ وُہ سب کا سب آپکا ہے۔ اُور کُون کہتا ہے کہ آپکو میرے مال پہ اِختیار نہیں۔۔۔ لیکن اگر آپکا حُکم یہی ہے کہ میں اپنی رائے پیش کروں تُو میری رائے یہ ہے کہ آج سے فرقان کے ساتھ ساتھ نُعمان بھی میرا پارٹنر ہے۔ اگرچہ میں آکیلا بھی نُعمان کے تمام قرضوں کا بار سہہ سکتا ہُوں۔۔۔ لیکن میں جانتا ہُوں کہ فرقان کی بھی یہی خُواہش ہُوگی کہ وُہ اِس نیک مقصد میں مجھ سے پیچھے نہ رہے۔۔۔ اس لئے آج سے نُعمان خُود کو تنہا نہ سمجھے۔۔۔ ہم مِل کر نُعمان کا تمام قرض چُکائیں گے۔۔۔ اُور آج سے نعمان اُور ہماری فیکٹری کے درمیاں جو دیواریں حائل ہیں۔ آج کے بعد وُہ دیواریں باقی نہیں رہیں گی۔۔۔۔ کیونکہ دیواریں ہمیشہ اجنبیت پیدا کرتی ہیں۔۔۔۔ شہریار کی گُفتگوپُرجوش تقریر میں بدل چُکی تھی۔ حسان میاں کے چہرے پر

خُوشی کے آثار نمایاں تھے۔ اُور زُباں پر خُدا کی حمد تھی۔ جبکہ فرقان، نُعمان، اُور شہریار مجددی ایک دُوسرے کا ہاتھ تھامے آپس میں بغلگیر تھے۔۔۔۔

شہریار مجددی کی انتھک کوششوں سے متعلقہ بنک کے اَعلیٰ افسران اِس بات پر راضی ہُوگئے کہ فُوری طُور پر مکمل رقم جمع کرانے کی صورت میں انٹریسٹ کی مَد میں پچاس فی صد رعائیت کردی جائے گی۔۔۔۔ بنک کی پچاس فیصد رقم شہریار مجددی نے فیکٹری کے مشترکہ اکاؤنٹ سے جمع کرائی جبکہ بقیہ تین کروڑ روپیہ شہریار مجددی نے اپنے ذاتی اکاؤنٹ سے بنک کو جمع کروایا۔ (ایم پی اے) صاحب نے جب نُعمان کی پُشت پر مضبوط ہاتھ دیکھے تُو وُہ بھی مزید ایک برس کی مُہلت دینے کیلئے راضی ہُوگئے۔۔۔۔

وقت گُزرنے کیساتھ ساتھ نُعمان میں بُہت تبدیلی آتی چلی گئی۔۔۔۔ اب نُعمان بھی ہر رات گھر پر جانے سے قبل حسان میاں کی علمی محفل میں ضرور شریک ہُوتا ہے ۔۔۔۔ حسان، نعمان، و شہریار مجددی کی فیکٹری ایک گُروپ کی شکل اختیار کرچکی ہے۔ جہاں صرف مُنافع بڑھانے کیلئے میٹنگز نہیں ہُوتیں۔۔۔ بلکہ مُلازمین کی فلاح کیلئے بھی منصوبے بنائے جاتے ہیں۔۔۔۔

------------------ختم شُد--------

اِس افسانے کو لکھوانے میں کہیں نہ کہیں محترم دیدار چاند حُسین کا بڑا ہاتھ رہا ہے

---اِس لئے میں یہ افسانہ اُنہی کی نذر کرتا ہُوں

والسلام

عامل کامل اَبُو شامِل قسط ۱۳۔ (اَبُو شامِل فسوں گر۔ یا۔ ایک چھلاوہ)۔

گُذشتہ (۱۲)۔ اقساط کا خُلاصہ۔۔۔

یہ کہانی ہے۔ ایک ایسے نُوجوان کامِل علی کی جس کے سر سے اُسکے والد کا سایہ بچپن میں ہی اُٹھ گیا۔۔ والدہ کی نوجوانی میں بیوگی سے بے شُمار مسائل جنم لینے لگتے ہیں۔ ایک طرف گھر میں ایسے حالات پیدا ہُوجاتے ہیں۔ کہ،، جسکی وجہ سے کامِل علی چُھوٹی چھوٹی خُوشیوں کیلئے ترس جاتا ہے۔ تُو دوسری طرف معاشرے کے نکمے اُور گندگی سے لِتھڑے ذہن کے مالک اُوباش نوجوان اُسکی والدہ کو حریص نِگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ آئے دِن کے مسائل کی وجہ ایک طرف اُسکی والدہ ہِراساں رِہنے لگی تھی۔ تُو دوسری طرف محلّہ کے مولوی صاحب کی زُوجہ کا انتقال ہُوجاتا ہے۔ محلّہ والوں اُور مولوی صاحب کی دُو بہنوں کی کوشش سے کچھ عرصہ میں کامل علی کی بیوہ والدہ پھر سے مولوی رمضان کی دُلہن بن جاتی ہے۔۔ کامِل علی کو اپنے ہمسائے چاچا ارشد کی بیٹی نرگس سے بُہت دِلی لگاؤ پیدا ہُوجاتا ہے۔ وُہ اس رشتہ کو کوئی نام نہیں دے پاتا۔ لیکن جوانی میں قدم رکھتے رکھتے اُسے اِحساس ہُوجاتا ہے۔ کہ وُہ صرف دِلی لگاؤ نہیں ہے۔ بلکہ مُحبت کا رشتہ اُسکے دِل میں اپنی جڑیں کافی گہری بناچُکا ہے۔ مولوی رمضان صاحب کی اکلوتی بیٹی جلباب نے کبھی کامل علی کو احساس نہیں

ہُونے دِیا کہ وُہ اسکی سگی نہیں بلکہ سُوتیلی بہن ہے۔

کچھ ہی عرصہ بعد جلباب کی سفیہ پھپھواُسے اپنے بیٹے سے بیاہ کر جہلم لے جاتی ہیں۔ لیکن قُدرت کو ابھی کاہِل علی کے مزید اِمتحان مقصود تھے۔ مولوی صاحب حد درجہ شفیق اِنسان تھے۔ اِس لئے اُنھوں نے بھی کاہِل علی کو ہمیشہ حقیقی والد کی طرح مُحبت دینے کی کوشش کی۔ اُور بڑی شفقت سے کامل علی کی پرورش کی لیکن ایک دِن کامل علی کی والدہ بھی کامل علی کو سسکتا اُور تڑپتا چھوڑ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جاملتی ہیں۔ اَماں کے انتقال کے بعد مولوی صاحب بھی زیادہ دِن نہیں جی پائے۔۔۔۔ کامل علی پھر سے اپنے پُرانے گھر میں لُوٹ آیا۔ نرگس سے مُلاقاتوں کے سلسلے جاری تھے۔ کہ چاچا ارشد غلط فہمی کا شِکار ہُوگئے۔ حالات کی ستم ظریفی کے باعث کامل علی نے اُستاد عبدالرشید کے پاس مُلازمت اُور سکونت اِختیار کرلی۔ چاچا ارشد نے موقع پاکر سادگی سے نرگس کی شادی کسی دوسرے شخص سے کروادی۔ جسکی وجہ سے کامل علی مزید دلبرداشتہ ہُوگیا۔

حالات اُور زمانے کے بار بار ستائے جانے پر کامل علی رُوحانی عملیات کی جانب راغب ہُوجاتا ہے۔ اُسکا خیال ہے کہ اگر ایک مرتبہ اُسکے پاس کوئی رُوحانی طاقت آجائے۔ تُو وہ تمام زمانے سے خاص کر چاچا ارشد سے بدلہ لے

سکتا ہے۔ لیکن بار بار چلہ کاٹنے کے باوجود بھی ناکامی اُسکا مقدر ٹھہرتی ہے۔ وُہ ایک بنگالی جادوگر کی شاگردی اِختیار کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ہر بار ایک مَجذوب اُسکے راستے میں دیوار کی مانند کھڑا ہُوجاتا ہے۔ اُستاد عبدالرشید کے بار بار سمجھانے پر بھی جب کامل علی عملیات سے باز نہیں آتا۔ تب اُستاد عبدالرشید اُسے ایک اللہ کے ولی ،، میاں صاحب ،، کے پاس بھیجتا ہے۔ لیکن یہاں بھی ناکامی کامل علی کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اُور وہ خالی ہاتھ ہی اپنے گھر لُوٹ آتا ہے۔

کامِل علی مجذوب کی تلاش میں ایک مُقام تک پُہنچتا ہے۔ جہاں اِسے ایک نوجوان کے توسل سے معلوم ہُوتا ہے کہ،، اُس مجذوب کا نام ،، بابا صابر ،، ہے۔ اُور گُذشتہ دَس برس سے کِسی نے بابا صابر کو کسی سے گُفتگو کرتے نہیں دیکھا ہے۔

اَب مَزید پڑھیئے۔۔۔

کامِل علی اُس نوجوان کو بتانے ہی لگا تھا،، کہ جِسے وُہ بابا صابر کے نام سے جانتا ہے دَراصل وُہ بھی اُسی مَجذوب کی تلاش میں یہاں آیا ہے۔۔۔۔ اُور وُہ کوئی گُونگا شخص نہیں ہے بلکہ میں نے خُود کئی مرتبہ اُسکی زُبان سے نرم و گرم جُملے سُنے ہیں۔۔۔ البتہ یہ اُور بات ہے کہ،، وُہ باتیں اتنی

مُبہم اُور پیچیدہ ہُوتی ہیں کہ اُنکی شرح کی تشنگی قلب و ذِہن کی بے مائیگی کا افسانہ سُناتی ہیں۔۔۔

اِس سے پہلے کہ کامل علی کی زباں اُسکے مُنتشر خیالات کی ترجمانی کرپاتی۔ کاِمل علی کی نِگاہ دُور کھڑے اُسی مجذوب پر پڑی۔ جُو اپنی اُنگلی ہُونٹوں پر رکھے اُسے خَاموش رِہنے کا اِشارہ کر رہا تھا۔ مَجذوب کے چہرے پر ایسا جلال تھا۔ کہ اگر وُہ اِشارہ نہ بھی کرتا تب بھی شائد کاِمل علی اُس چہرے کو دیکھنے کے بعد ایک بھی لفظ اپنی زُبان سے بَمشکل ہی نِکال پاتا۔ یکایک اُس مَجذوب نے کاِمل علی کو اپنے پیچھے آنے کا اِشارہ کیا۔۔۔۔ اُور خُود وَہاں سے روانہ ہُوگیا۔۔۔۔

کاِمل علی میکانکی انداز میں اُس مجذوب کے پیچھے چلتا رَہا۔ یہاں تک کہ وُہ مَجذوب ایک سُنسان گَلی میں دَاخِل ہُوگیا۔ کامل علی جُو نہی اُس گَلی میں دَاخِل ہُوا۔ وُہ مجذوب کاِمل علی کا ہاتھ پکڑ کر ایک ویران مَکان میں داخِل ہُوگیا۔ کاِمل علی مکان کو دیکھ کر مزید وحشت زدہ ہُوگیا۔ عجیب مکان تھا وُہ ۔جِس کی دیواروں میں ایک بھی کھڑکی تھی اُور نہ ہی کِسی چوکھٹ میں کوئی دروازہ سلامت تھا۔ شائد اِردگرد کے رہنے والے مکین خالی گھر دیکھ کر خُوب ہاتھ صاف کررہے تھے۔ چھت کا پلاستر بھی تقریباً اُکھڑ چُکا تھا۔ جِس

میں سے کہیں کہیں بُوسیدہ سریا جھانک کر اپنی موجودگی کا اِحساس دِلا رہا تھا۔ اچانک مجذوب نے اُسکی محویت کو تُوڑتے ہُوئے کہا،، یاد رکھنا کبھی کسی سے یہ مت کہنا کہ میں تُم سے بات چیت کرتا ہُوں۔۔۔ کیونکہ اگر تُم سے ایسا کیا تو مجھے اِس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ البتہ تُم ضرور لوگوں میں تماشہ بن کر رِہ جاوٗگے۔۔۔ کیونکہ اُس تمام شہر میں کوئی تُمھاری اِس بات کو نہیں مانے گا۔۔ کہ،، بابا صابر کسی سے بات کرتے ہیں۔۔۔

لیکن آپ نے یہ بہروپ آخر کیوں سجا رکھا ہے۔۔۔؟ اُور آپ کیوں لوگوں سے بات نہیں کرتے۔ اُور بھلا مجھ میں ایسی کیا خاص بات ہے جُو آپ نے اِس لاکھوں افراد کے شہر میں مجھی کو گفتگو کیلئے چُنا ہے۔۔۔؟ کامل علی بے تکان بُولتا چلا جارہا تھا۔ کہ مجذوب نے اُسکے ہُونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کا اِشارہ کیا۔ اُور خُود خلاوٗں میں گھور کر کسی کو تلاش کرنے لگا۔۔۔ چند لمحے یہاں وَہاں نِگاہیں گھمانے کے بعد اُس مجذوب نے صحن کی منڈیر پر نظریں جماتے ہُوئے کسی کو مخاطب کرتے ہُوئے کہا،، ۔۔۔ ابے اُو حرامزدے مجھ سے تُو کیا کھیلے گا۔۔۔؟ کیا میں تجھے بے خبر دِکھائی دیتا ہوں۔۔۔؟ کیا میں نہیں جانتا کہ تُو کب سے اِس مُوقع کی تلاش میں ہے کہ،، اِس حرامزادے کیساتھ مِل کر اپنی دھماچُوکڑیوں کا سامان پیدا کرے۔ مجذوب نے کامل علی کی جانب اِشارہ کرتے ہُوئے کہا۔۔۔ پھر نجانے مجذوب کے دِل میں

کیا بات سمائی کہ ،، اُس نے زمین پر پڑی کنکریاں اُٹھا اُٹھا کر مُنڈیر کی جانب اُچھالنی شروع کردیں۔۔۔۔ چند ایک کنکریاں منڈیر کی جانب اُچھالنے کے بعد مجذوب اُسی نادیدہ ہستی کو گالیاں بکتا ہُوا وُہاں سے دُوڑتا ہُوا چلا گیا۔۔۔ کامل علی آج اُس مجذوب سے اپنے بے شُمار سوالوں کے جوابات کی توقع کررہا تھا۔ لیکن وُہ مجذوب تُو کسی افلاطون کو گالیاں بکتا چلا جارہا تھا۔۔۔۔۔

وُہ مجذوب اِس واقعہ کے بعد پھر شہر میں نظر نہیں آیا۔۔۔۔ کئی ماہ گُزر چُکے تھے۔۔۔ اُور کامل علی نے اِس دوران کئی طرح کے وظائف کیئے۔۔۔ دانہ ثمانی کے موکل کو وُہ ابھی تک بُھلا نہیں پایا تھا۔۔۔ پہلی مرتبہ میں اگرچہ کامل علی کو کامیابی نصیب نہ ہُو سکی تھی۔ لیکن اِتنا تُو تھا کہ وُہ موکل حاظر ضرور ہُوا تھا۔۔۔ لیکن اُسکے بعد دُو مرتبہ کامل علی اُس چلہ کی تجدید کرچُکا تھا۔ لیکن اِس مرتبہ دُونوں چِلّے ہی ناکام رہے تھے۔۔۔۔ پھر اُستاد عبدالرشید کے کہنے پر وُہ آج میاں صاحب کے آستانے پر بھی حاضر ہُوا تھا۔۔۔ لیکن میاں صاحب نے مُلاقات ہی ایسی بے رُخی اُور اِس بے اعتنائی کے انداز میں فرمائی تھی،، گُویا مُلاقات سے پہلے ہی مُلاقات ختم ہُو گئی ہُو۔۔۔ کامل علی کو زمانے سے زیادہ اپنے نصیب پر غُصہ آرہا تھا۔ پھر نجانے کب اِسی غَم و غُصہ کی حالت میں نیند نے اُسے اپنی آغوش میں چُھپا لیا۔۔۔ کامِل علی کو

سُوئے ہُوئے چند منٹ سے زائد نہ ہُوئے ہُونگے۔ کہ کسی نے دھیمے دھیمے دروازے پر دستک دینی شروع کردی۔ اُور دستک دینے والے کے ہاتھ تب تک نہ تھمے۔ جب تک کہ کامل علی کچی نیند سے جاگ کر بڑابڑاتا ہُوا دروازے پر نہ آگیا۔

کامل علی نے آنکھ مَلتے ہُوئے دروازہ کھول کر دیکھا۔ تُو ایک نوجوان کو اپنا منتظر پایا۔ وُہ کوئی چھبیس ستائیس برس کا نُوجوان تھا۔ جسکے چہرے پر سادگی سے زیادہ بے وقوفی مترشح تھی۔ تیل میں تربتر بال جسکے دَرمیان میں سے سیدھی مانگ نِکالی گئی تھی۔ اُور ہُونٹوں پر باریک سی تلوار جیسی مُونچھیں دیکھ کر تُو کامل علی کی رات کے اِس پہر ہنسی نِکلتے نِکلتے رِہ گئی۔ کامل علی نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہُوئے نرم لہجے میں دریافت کیا۔ بھائی کُون ہُو۔ اُور رات کے اِس پہر ایسی ٹھٹھرتی ہُوئی سردی میں کیوں میرا دروازہ کھٹکھٹا رہے تھے۔

بھائی مُسافر ہُوں، اُور اِس بھرے پُرے شہر میں میرا کوئی شناسا نہیں ہے۔ ریلوے اسٹیشن سے نِکل کر اپنے لئے کوئی جائے پناہ تلاش کررہا تھا۔ نجانے کیسے آپ کے گھر کے سامنے سے گُزرتے ہُوئے قدم ٹہر سے گئے۔ سُوچا آپ سے مدد مانگ لُوں ہُوسکتا ہے اِسطرح میرے ساتھ ساتھ آپ کا بھی کُچھ بھلا ہُوجائے۔

ویسے میرا نام افلاطون ہے۔۔۔۔ لیکن ۔۔۔۔ اگر آپ مجھے اَبو شامل کے نام سے مُخاطب کریں گے تُو مجھے زیادہ اچھا لگے گا۔ اجنبی نوجوان نے اپنا تعارف اُور مُدعا پیش کرتے ہُوئے کہا۔

افلاطون۔۔۔ یہ کیا نام ہُوا بَھلا۔۔۔۔؟ کامل علی نے بڑبڑاتے ہُوئے خُود سے استفسار کیا۔۔۔ کامل علی کو یہ نام عجیب ضرور لگا تھا۔۔۔۔ لیکن اُسے بے چینی اِس بات کی تھی۔۔ کہ۔، اُسے ایسا کیوں محسوس ہُو رہا ہے جیسے اُسکا اِس نام سے کوئی رِشتہ جُڑا ہُو۔۔۔ یا اِس نام کے ساتھ اسکا کوئی خاص تعلق ہُو۔۔۔! وُہ اِس نام کو قرطاس ذِہن کی لُوح پر تلاش کرنے کی کُوشش کر رہا تھا۔ لیکن کوئی سُراغ کوئی سِرا اُسکے ہاتھ نہیں آیا۔

کہاں کُھو گئے میاں کیا اندر آنے کیلئے نہیں کہو گے۔۔۔۔؟ اگر چند لمحے اُور یُونہی باہر کھڑے رہے تُو شائد ہم دُونوں قلفیوں کی صورت اختیار کر جائیں گے۔۔۔۔ افلاطون نے اپنے لہجے میں مِزاح کا عنصر پیدا کرتے ہُوئے کہا۔

لیکن میں ایک اجنبی شخص کو اپنے گھر میں کیسے داخل ہُونے کی اجازت دے سکتا ہُوں۔۔۔۔۔ کامل علی نے دروازے کی چوکھٹ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہُوئے ۔۔۔ گُویا اُسکی اندر آنے کی راہ مسدود کرتے ہُوئے جواب دِیا۔

اِس سے تو بہتر تھا کہ میں تُم سے اندر داخل ہُونے کی اجازت طلب کرنے کی بے وقوفی ہی نہیں کرتا۔۔۔۔ یہ کہتے ہُوئے وُہ اجنبی کامل علی کو دھکیلتے ہُوئے اندر داخل ہُوگیا۔
کاملِ علی نے اجنبی افلاطون کی اِس بے باکی اُور دَراندازی پر تلملاتے ہُوئے افلاطون نامی اِس نُوجوان کا بازو سختی سے تھامتے ہُوئے اُسے واپس دروازے سے باہر دھکیل دیا۔ جسکی وجہ سے وُہ نوجوان لڑکھڑاتے ہُوئے سڑک پر گرپڑا۔ اُسے شائد کامِل علی سے ایسے جارحانہ رَویئے کی اُمید ہرگز نہیں تھی۔ کامِل علی نے غُراتے ہُوئے اُس نوجوان کو مُخاطب کرتے ہُوئے کہا،، یہ میرا گھر ہے۔ کُوئی سرائے خانہ نہیں ہے۔ جہاں جس ایرے غیرے نتھو خیرے کا دِل چاہے۔ اُور وُہ دندناتا ہُوا داخل ہُوجائے۔ کامل علی نے حِقارت سے زمین پر گرے ہُوئے نوجوان کو دیکھا جو کمالِ ڈھٹائی سے کامل علی کو دیکھتے ہُوئے مُسکرا رہا تھا۔ کامِل علی نے دروازے کی کُنڈی لگا کر جونہی اپنی چارپائی کی جانب بڑھا۔۔۔۔ اُسکی آنکھیں یہ دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رِہ گئیں،، کہ وہ افلاطون نامی نوجوان جو ابھی ایک لمحے قبل سڑک پر گرپڑا تھا۔ اپنی ٹانگیں پسارے۔بڑے آرام سے چارپائی پر نیم دراز تھا۔ کامل علی گھبراہٹ کے مارے چند قدم پیچھے کھسک گیا۔ بے خیالی میں اُسکا پاؤں گیس

!سلنڈر سے ٹکرا گیا جسکی وجہ سے وُہ اپنا توازن قائم نہیں رَکھ پایا۔۔۔۔

شہرِ اقبال نہ ہی جھنگ دیکھا
خَاکِ اُلفت کا تُو نے رَنگ دیکھا
حُوصلہ پیار کا نہیں تھا اگر
کیوں خیالوں میں اُسکو سنگ دیکھا
دِل کو توڑا ہے تُو سزا بھی بُھگت
خاب میں خستہ دِل اُور جگر تنگ دیکھا
گرچہ نیت میں تیری کُھوٹ نہ تھا
ہم نے لہراتا تجھے پھر بھی اِک پتنگ دیکھا
عشرتِ وارثی بن جائے بات لُوگ اگر
دیکھ کر تجھ کو کہیں ہم نے اِک ملنگ دیکھا

عامل کامل اَبُو شامِل قسط 14 ۔ می رقصم

گُذشتہ (13)۔ اقساط کا خُلاصہ۔۔۔

یہ کہانی ہے۔ ایک ایسے نُوجوان کامل علی کی جس کے سر سے اُسکے والد کا سایہ بچپن میں ہی اُٹھ گیا۔۔۔ والدہ کی نوجوانی میں بیوگی سے بے شُمار مسائل جنم لینے لگتے ہیں۔ ایک طرف گھر میں ایسے حالات پیدا ہُوجاتے ہیں۔ کہ،، جسکی وجہ سے کامل علی چُھوٹی چھوٹی خُوشیوں کیلئے ترس جاتا ہے۔ تُو دوسری طرف معاشرے کے نکمے اُور گندگی سے لتھڑے ذہن کے مالک اُوباش نوجوان اُسکی والدہ کو حریص نِگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ آئے دِن کے مسائل کی وجہ ایک طرف اُسکی والدہ ہِراساں رِہنے لگی تھی۔ تُو دوسری طرف محلّے کے مولوی صاحب کی زُوجہ کا انتقال ہُوجاتا ہے۔ محلّہ والوں اُور مولوی صاحب کی دُو بہنوں کی کوشش سے کچھ عرصہ میں کامل علی کی بیوہ والدہ پھر سے مولوی رمضان کی دُلہن بن جاتی ہے۔۔ کامل علی کو اپنے ہمسائے چاچا ارشد کی بیٹی نرگس سے بُہت دِلی لگاؤ پیدا ہُوجاتا ہے۔ وُہ اس رشتہ کو کوئی نام نہیں دے پاتا۔ لیکن جوانی میں قدم رکھتے رکھتے اُسے اِحساس ہُوجاتا ہے۔ کہ وُہ صرف دِلی لگاؤ نہیں ہے۔ بلکہ مُحبت کا رشتہ اُسکے دِل میں اپنی جڑیں کافی گہری بناچُکا ہے۔ مولوی رمضان صاحب کی اکلوتی بیٹی جلباب نے کبھی کامل علی کو احساس نہیں

ہُونے دِیا کہ وُہ اسکی سگی نہیں بلکہ سُوتیلی بہن ہے۔

کچھ ہی عرصہ بعد جلباب کی سفینہ پھپھو اُسے اپنے بیٹے سے بیاہ کر جہلم لے جاتی ہیں۔ لیکن قُدرت کو ابھی کامِل علی کے مزید اِمتحان مقصود تھے۔ مولوی صاحب حد درجہ شفیق اِنسان تھے۔ اِس لئے اُنھوں نے بھی کامِل علی کو ہمیشہ حقیقی والد کی طرح مُحبت دینے کی کوشش کی۔ اُور بڑی شفقت سے کامل علی کی پرورش کی لیکن ایک دِن کامل علی کی والدہ بھی کامل علی کو سسکتا اُور تڑپتا چھوڑ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جاملتی ہیں۔ اَماں کے انتقال کے بعد مولوی صاحب بھی ذیادہ دِن نہیں جی پائے۔۔۔۔ کامل علی پھر سے اپنے پُرانے گھر میں لُوٹ آیا۔ نرگس سے مُلاقاتوں کے سلسلے جاری تھے۔ کہ چاچا ارشد غلط فہمی کا شِکار ہُوگئے۔ حالات کی ستم ظریفی کے باعث کامل علی نے اُستاد عبدالرشید کے پاس مُلازمت اُور سکونت اِختیار کرلی۔ چاچا ارشد نے موقع پاکر سادگی سے نرگس کی شادی کسی دوسرے شخص سے کروادی۔ جسکی وجہ سے کامل علی مزید دلبرداشتہ ہُوگیا۔

حالات اُور زمانے کے بار بار ستائے جانے پر کامل علی رُوحانی عملیات کی جانب راغب ہُوجاتا ہے۔ اُسکا خیال ہے کہ اگر ایک مرتبہ اُسکے پاس کوئی رُوحانی طاقت آجائے۔ تُو وہ تمام زمانے سے خاص کر چاچا ارشد سے بدلہ لے

سکتا ہے۔ لیکن بار بار چلہ کاٹنے کے باوجود بھی ناکامی اُسکا مقدر ٹھہرتی ہے۔ وُہ ایک بنگالی جادوگر کی شاگردی اِختیار کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ہر بار ایک مَجذوب اُسکے راستے میں دیوار کی مانند کھڑا ہُوجاتا ہے۔ اُستاد عبدالرشید کے بار بار سمجھانے پر بھی جب کامل علی عملیات سے باز نہیں آتا۔ تب اُستاد عبدالرشید اُسے ایک اللہ کے ولی ،، میاں صاحب ،، کے پاس بھیجتا ہے۔ لیکن یہاں بھی ناکامی کامل علی کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اُور وہ خالی ہاتھ ہی اپنے گھر لُوٹ آتا ہے۔

کامِل علی مجذوب کی تلاش میں ایک مُقام تک پُہنچتا ہے۔ جہاں اِسے ایک نوجوان کے توسل سے معلوم ہُوتا ہے کہ ،، اُس مجذُوب کا نام ،، بابا صابر ،، ہے۔ اُور گُذشتہ دَس برس سے کِسی نے بابا صابر کو کسی سے گُفتگو کرتے نہیں دیکھا ہے۔ بابا صابر مُلاقات کے دُوران اُسے بتاتے ہیں کہ فی الحال انکا یہ راز وُہ کسی پر بھی آشکار نہ کرے۔ اُور کسی نادیدہ ہستی کو پکڑنے کیلئے دُوڑ جاتے ہیں۔ افلاطون نامی ایک نوجوان کامل علی کے گھر میں گھسنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کامل علی دھکے دے کر اُسے گھر سے نِکال دیتا ہے۔ لیکن جب وُہ دروازے میں کنڈی لگا کر پلٹتا ہے۔ تُو اُسی نوجوان کو اپنے بستر پر دراز دیکھتا ہے۔ گھبراہٹ میں کامل علی کا پاؤں رَپٹ جاتا ہے۔

اَب مَزید پڑھیئے۔۔۔

زمین پر اُوندھے منہ گرتے ہُوئے کامِل علی کو گیس سِلنڈر سے باہر نِکلا ہُوا نُوزِل اپنی داہنی آنکھ کے بالکل مُقابل دِکھائی دیا۔ اِس سے پہلے کہ وُہ نُوزل کامل علی کی آنکھ میں پیوست ہُوجاتا۔۔۔۔۔ افلاطُون نے بڑھ کر کامل علی کو تھام لیا۔ جسکی وجہ سے کامل علی کی ایک آنکھ ضائع ہُوتے ہُوتے رِہ گئی۔ افلاطُون نے اُسے چارپائی پر بِٹھاتے ہُوئے ڈانٹا۔۔۔ کہاں تُو طاقت حاصِل کرنے کیلئے کیسے کیسے پاپڑ بیلتے رَہے۔۔۔ کبھی خطرناک چِلّوں میں خُود کُو جُھونک رہے تھے۔ تُو کبھی ہندو بنگالی کی شاگردی کیلئے پر تُول رہے تھے۔۔۔ اُوراب جبکہ میں خُود تُمہارا سہارا بننے کیلئے اُور تُمہیں دُنیا کا طاقتور انسان بنانے کیلئے آگیا ہُوں۔۔۔ تُو مجھ سے بھاگ رہے ہُو۔ بلکہ سچ کہوں تُو حماقت دِکھا رہے ہُو۔ افلاطُون نے ناراضگی کا اِظہار کرتے ہُوئے کہا۔

کیا تُم دائہ ثمانی کے مؤکل ہُو۔۔۔۔؟۔۔۔ کامل علی نے اپنے حَواس پر قابُو پاتے ہُوئے حیرانی سے استفسار کیا۔

یار دیکھو میں کُوئی دائہ ثمانی وَمانی کا مؤکل شؤکل نہیں ہُوں۔۔۔ البتہ یہ سچ ہے کہ میں تُمہاری مدد کرنا چاہتا ہُوں۔ اُور تُم سے دُوستی کا

خُواہشمند ہُوں۔ تُمہاری تمام خُواہشات میں پُوری کرڈوں گا۔ اُور کُچھ کام تُم میرے کردِیا کرنا۔۔۔ بس اتنی سے بات ہے۔

اگر تُم دانۂ ثمانی کے مؤکل نہیں تُو پھر کُون ہُو۔ تُم بند دروازے کے باوجود گھر میں کیسے داخِل ہُوگئے۔۔۔؟ ۔۔۔اُور تُم میرے لئے کیا کرسکتے ہُو۔۔؟ کامل علی کا خُوف تجسس میں تبدیل ہُوچکا تھا۔

دیکھو دُوست مجھ پر اعتماد کرو۔۔۔۔ چلو ایسا کرتے ہیں میں پہلے چائے بنالیتا ہُوں۔ اتنا کہنے کے بعد افلاطُون نے کامل علی کے جواب کا انتظار کیئے بغیر چائے کی پتیلی چُولہے پر چڑھادی۔ حالانکہ ابھی کُچھ ہی گھنٹے قبل کامل علی دیکھ چُکا تھاکہ،، گیس کا سلنڈر بالکل خالی ہُوچُکا ہے۔ لیکن اب چولہے سے نکلتی ہُوئی آگ کی تیز لپٹیں کُچھ اُور ہی کہانی سُنا رہی تھیں۔۔۔۔ کامل علی سُوچ رَہا تھا کہ اگر یہ دانۂ ثمانی کا مؤکل نہیں تُو آخر یہ ہے کُون۔۔۔۔؟

اگلے ہی لمحے افلاطُون نے چائے کا گرما گرم مگ کامل علی کے ہاتھوں میں تھماتے ہُوئے کہا۔۔۔ اپنے پہلے سے پریشان دِماغ کو مزید نہ تھکاؤ۔ اس سَرد رات میں گرم گرم چائے کا مزہ لُو۔ اُور سب کُچھ بُھول جاؤ۔۔ میں نے

کہا ہے نا۔ تُم سے۔۔۔ کہ،، چائے پیتے ہُوئے تُم کو سب کُچھ سمجھاتا ہُوں۔
کامل علی چائے کی چُسکیاں لیتے ہُوئے سُوچنے لگا۔۔۔ واقعی افلاطُون کے ہاتھ میں جادو ہے۔ ورنہ ایسی مزیدار چائے کبھی وُہ خود کیوں نہیں بنا پایا۔
افلاطُون نے چائے کا خالی مگ سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہُوئے کامل علی کو مُخاطب کیا۔۔۔ یہ چائے تُو کُچھ بھی نہیں ہے میرے یار۔۔۔ آگے آگے دیکھتے جاؤ میرے دوست میں تُمہیں دنیا کی کیسی کیسی نعمتیں کِھلاتا ہُوں۔۔۔۔ دُنیا کی جو ڈِش کھانے کُو دِل چاہے مجھے بتادِینا۔ صرف چند منٹ میں حاضر نہ کردوں تُو میرا نام اَبو شامِل نہیں بلکہ گھن چکر رکھ دینا۔۔۔ دُوست ہُو یا دُشمن جِسے کہوگے تُمہارے سامنے پیش کرسکتا ہُوں۔۔۔ جہاں جانا چاہو۔ اِشارہ کردینا۔ وَہاں مِنٹوں میں پُہنچانا میرا کام ہُوگا۔ دُولت پیسہ جُو کہوگے سب کُچھ تُمہارے قدموں میں ڈھیر کردُونگا۔۔۔
لیکن تُم نے ابھی تک مجھے یہ نہیں بتایا کہ آخر تُم ہُو کُون۔۔۔۔؟ انسان ہُو تو کیا جادُو گر ہُو۔۔۔۔؟ یا کوئی جِن ہو۔۔۔؟ ایک طرف خُود کو میرا دُوست بھی کہتے ہُو۔۔۔ میری مدد بھی کرنا چاہتے ہُو۔۔۔ لیکن اپنی ذات کو معمہ کی طرح پُوشیدہ بھی رکھنے کی کُوشش کررہے ہُو۔۔۔ اُور ہاں کیا تُم

مجھے لوگوں کی نظروں سے پُوشیدہ بھی کر سکتے ہُو۔۔ کامل علی نے گِلہ کرتے ہُوئے سوالات کی بُوچھاڑ کردی۔

دیکھو کامل میرے دُوست انسان اُور جنات سبھی کو ایک خُدا نے بنایا ہے۔ نہ کوئی اپنی مرضی سے انسان بنتا ہے اُور نہ کوئی اپنی خُوشی سے جِن بنتا ہے جیسے انسان اللہ تعالی کی مخلوق ہیں ویسے ہی جِنات بھی تُو اُسی پروردیگار کے بنائے ہُوئے ہیں۔ البتہ یہ اُور بات ہے کہ اِن دونوں کے درمیاں دُوری کی خلیج نے اِن دونوں کو ایک دوسرے سے خُوفزدہ کردیا ہے۔ انسان جنات سے ڈرتے ہیں۔ اُور جنات انسانوں سے عاجز رِہتے ہیں۔۔۔ ویسے تُم چاہو تُو میں کبھی کبھار تُمہیں لوگوں کی نِگاہوں سے اُوجھل کرسکتا ہُوں ۔ اُور تُمہاری خُواہش پر میں تُمہیں پوشیدہ رِہنے کا عمل بھی سِکھا سکتا ہُوں۔

دیکھو۔۔۔ تُم پھر میرا سوال گُول کرگئے۔۔۔ تُم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ آخر تُم کِن میں سے ہُو۔۔۔۔۔۔۔ انسانوں سے ۔۔۔۔ یا قومِ جنات سے۔۔۔ کامِل علی نے اپنا سوال دُھراتے ہُوئے افلاطُون کی بات درمیان سے اُچکتے ہُوئے کہا۔

دیکھو میرے دُوست میرا خیال ہے کہ ،، میری تمہید سے تُم نے اندازہ لگا لیا

ہوگا۔ کہ،، میں کَون ہُوں ۔ لیکن اگر تُم میرے مُنہ سے سُننا چاہتے ہُو تو سُنو۔۔۔ میں انسان نہیں ہُوں بلکہ ایک جِن زادہ ہُوں۔ میرے دادا نے میرا نام افلاطون رکھا تھا۔ لیکن میرے بیٹے شامل کی پیدایش کے بعد اکثر لُوگ مجھے میری کُنیت کے سبب اَبو شاہل کے نام سے پُکارتے ہیں۔ اُور مجھے بھی اب یہی نام سُننے میں بھلا محسوس ہُوتا ہے۔ افلاطون نے دُوران گفتگو کامل علی کے چہرے پر کئی رنگ گُزرتے دیکھے۔ جسکی وجہ سے افلاطون کو یہ اندازہ لگانے میں بالکل دُشواری پیش نہیں آئی کہ۔ خُوف کی ایک لہر کامل علی کے چہرے پر رینگتے ہُوئے گُزر رہی ہے۔

افلاطون کے خاموش ہُوتے ہی کامل علی نے سَرد رات کے باوجود اپنی پیشانی پر آئے پسینے کے قطرات سمیٹتے ہُوئے اپنا گلا کھنکارتے ہُوئے دُوسرا سوال داغا۔ میں نے تمھیں قابو کرنے کیلئے کُوئی چِلّہ نہیں کاٹا۔ پھر تُم میری مدد کیوں کرنا چاہتے ہُو۔

دیکھو دُوست میری طاقت کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ،، میں خُود بھی ایک زبردست عامِل ہُوں۔ اُور اِسی طاقت کی وجہ سے کئی لُوگ مجھے اپنا غُلام بنانے کی ناکام کُوشش کرچکے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے ابھی بتایا کہ چُونکہ میں خُود بھی ایک عامِل ہُوں اسلئے کچھ نہ کُچھ بچت کا سامان پیدا ہُوجاتا ہے۔ لیکن

اِس مرتبہ مجھے جس شخص سے خطرہ ہے۔ وُہ نہایت ہُوشیار اُور زیرک عامِل ہے۔ جسکو میں کوئی نقصان نہیں پُہنچا پایا ہُوں۔ نہ ہی میرا علم اُسکی استقامت کے سامنے کوئی بند باندھ پایا ہے۔۔۔۔ جسکی وجہ سے میری آزادی کو خطرات لاحق ہیں۔۔
میں غلام بن کر نہیں رِہ سکتا۔ میں کوئی عام جِن نہیں ہُوں۔ بلکہ ایک ریاست کے سردار جِن کا اکلوتا بیٹا ہُوں۔ اسلئے میں نے سُوچا ہے۔۔ کہ،، میں تُمہاری مدد کرونگا اُور تُم مجھے اُس عامل کی دسترس سے دُور رکھوگے۔۔۔۔ اب فیصلہ تُمہارے ہاتھ ہے۔۔۔ چاہو تُو مجھے دُوست بنا کر اپنی اُور میری زندگی کو آسان بنادو۔۔۔۔ اُور چاہو تو اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی تکلیفوں کے ان لامتناہی ساگر میں دھکیل دُو۔۔۔۔ افلاطُون نے اُمید ویاس سے معمور لہجے میں گُفتگو کرتے ہُوئے اپنا ہاتھ کامِل علی کی جانب بڑھادِیا۔۔۔۔۔

۔۔۔۔جاری ہے۔۔۔۔۔

یہ کالم اُن کے نام جو میری کوتاہیوں کے سبب مجھ سے نالاں رہے۔
اُن سے کہنا تُمہاری آمد سے
کِھل کے کَلیاں گُلاب مہکے ہیں

اُن سے کہنا تُمھارے جلوؤں سے
ٹِمٹماتے ستارے چمکے ہیں
اُن سے کِہنا کہ مسکراتے رہیں
جاں بلب زِندگی کو پلٹے ہیں
عِشرتِ وارثی بُہت خُوش ہُو
پِھر سے کیا میکدے کُو لوٹے ہیں

اُور یہ اشعار اُنکے نام جنھوں نے میری کوتاہوں کو مُعاف کر دیا۔

عامل کامِل اَبُو شامِل قسط 15۔ (اَبو شامِل کے جلوے جہلم میں)۔

گُذشتہ (14)۔ اقساط کا خُلاصہ۔۔۔

یہ کہانی ہے۔ ایک ایسے نُوجوان کامِل علی کی جس کے سر سے اُسکے والد کا سایہ بچپن میں ہی اُٹھ گیا۔۔۔ والدہ کی نوجوانی میں بیوگی سے بے شُمار مسائل جنم لینے لگتے ہیں۔ ایک طرف گھر میں ایسے حالات پیدا ہُوجاتے ہیں۔ کہ،، جسکی وجہ سے کامِل علی چُھوٹی چھوٹی خُوشیوں کیلئے ترس جاتا ہے۔ تُو دوسری طرف معاشرے کے نکمے اُور گندگی سے لِتھڑے ذہن کے مالک اُوباش نوجوان اُسکی والدہ کو حریص نِگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ آئے دِن کے مسائل کی وجہ ایک طرف اُسکی والدہ ہِراساں رِہنے لگی تھی۔ تُو دوسری طرف محلّہ کے مولوی صاحب کی رُوجہ کا انتقال ہُوجاتا ہے۔ محلّہ والوں اُور مولوی صاحب کی دُو بہنوں کی کوشش سے کچھ عرصہ میں کامل علی کی بیوہ والدہ پھر سے مولوی رمضان کی دُلہن بن جاتی ہے۔۔ کامِل علی کو اپنے ہمسائے چاچا ارشد کی بیٹی نرگس سے بُہت دِلی لگاؤ پیدا ہُوجاتا ہے۔ وُہ اس رشتہ کو کوئی نام نہیں دے پاتا۔ لیکن جوانی میں قدم رکھتے رکھتے اُسے اِحساس ہُوجاتا ہے۔ کہ وُہ صرف دِلی لگاؤ نہیں ہے۔ بلکہ مُحبت کا رشتہ اُسکے دِل میں اپنی جڑیں کافی گہری بناچُکا ہے۔ مولوی رمضان صاحب کی اکلوتی بیٹی جلباب نے کبھی کامل علی کو احساس نہیں

ہونے دِیا کہ وُہ اُسکی سگی نہیں بلکہ سُوتیلی بہن ہے۔
کچھ ہی عرصہ بعد جلاباب کی سفینہ پھپھو اُسے اپنے بیٹے سے بیاہ کر جہلم لے جاتی ہیں۔ لیکن قُدرت کو ابھی کامِل علی کے مزید اِمتحان مقصود تھے۔ مولوی صاحب حد درجہ شفیق اِنسان تھے۔ اِس لئے اُنھوں نے بھی کامِل علی کو ہمیشہ حقیقی والد کی طرح مُحبت دینے کی کوشش کی۔ اُور بڑی شفقت سے کامل علی کی پرورش کی لیکن ایک دِن کامل علی کی والدہ بھی کامل علی کو سسکتا اُور تڑپتا چھوڑ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جاملتی ہیں۔ اَماں کے انتقال کے بعد مولوی صاحب بھی زیادہ دِن نہیں جی پائے۔۔۔۔ کامل علی پھر سے اپنے پُرانے گھر میں لُوٹ آیا۔ نرگس سے مُلاقاتوں کے سلسلے جاری تھے۔ کہ چاچا ارشد غلط فہمی کا شِکار ہُوگئے۔ حالات کی ستم ظریفی کے باعث کامل علی نے اُستاد عبدالرشید کے پاس مُلازمت اُور سکونت اِختیار کرلی۔ چاچا ارشد نے موقع پاکر سادگی سے نرگس کی شادی کسی دوسرے شخص سے کروادی۔ جسکی وجہ سے کامل علی مزید دلبرداشتہ ہُوگیا۔
حالات اُور زمانے کے بار بار ستائے جانے پر کامل علی رُوحانی عملیات کی جانب راغب ہُوجاتا ہے۔ اُسکا خیال ہے کہ اگر ایک مرتبہ اُسکے پاس کوئی رُوحانی طاقت آجائے۔ تُو وہ تمام زمانے سے خاص کر چاچا ارشد سے بدلہ لے

سکتا ہے۔ لیکن بار بار چلہ کاٹنے کے باوجود بھی ناکامی اُسکا مقدر ٹھہرتی ہے۔ وُہ ایک بنگالی جادوگر کی شاگردی اِختیار کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ہر بار ایک مجذوب اُسکے راستے میں دیوار کی مانند کھڑا ہُوجاتا ہے۔ اُستاد عبدالرشید کے بار بار سمجھانے پر بھی جب کامل علی عملیات سے باز نہیں آتا۔ تب اُستاد عبدالرشید اُسے ایک اللہ کے ولی ،، میاں صاحب ،، کے پاس بھیجتا ہے۔ لیکن یہاں بھی ناکامی کامل علی کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اُور وہ خالی ہاتھ ہی اپنے گھر لُوٹ آتا ہے۔

کامل علی مجذوب کی تلاش میں ایک مُقام تک پُہنچتا ہے۔ جہاں اِسے ایک نوجوان کے توسل سے معلوم ہُوتا ہے کہ،، اُس مجذوب کا نام ،، بابا صابر ،، ہے۔ اُور گُذشتہ دس برس سے کسی نے بابا صابر کو کسی سے گفتگو کرتے نہیں دیکھا ہے۔ بابا صابر مُلاقات کے دُوران اُسے بتاتے ہیں کہ فی الحال انکا یہ راز وُہ کسی پر بھی آشکار نہ کرے۔ اُور کسی نادیدہ ہستی کو پکڑنے کیلئے دُوڑ جاتے ہیں۔ افلاطون نامی ایک نوجوان کامل علی کے گھر میں گھسنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کامل علی دھکے دے کر اُسے گھر سے نِکال دیتا ہے۔ لیکن جب وُہ دروازے میں کنڈی لگا کر پلٹتا ہے۔ تُو اُسی نوجوان کو اپنے بستر پر دراز دیکھتا ہے۔ گھبراہٹ میں کامل علی کا پاؤں رَپٹ جاتا ہے۔ افلاطون بروقت سہارا دیکر اُسکی آنکھ ضائع ہُونے سے بچالیتا ہے۔ جسکے بعد

ابو شامل اُسے بتاتا ہے۔ کہ وُہ ایک جن زادہ ہے۔ اُور ایک عامل اُسکے پیچھے پڑا ہے کیونکہ وُہ کافی طاقتور جن ہے۔ افلاطون پیشکش کرتا ہے کہ اگر کامل علی اُس عامل سے بچانے میں اِسکی مدد کرے تُو،، افلاطون دُوست بن کر دُنیا کی ہر شئے کو اسکے قدموں میں لاکر ڈال سکتا ہے۔

اَب مزید پڑھیئے۔۔۔

کامل علی نے کچھ پَس و پیش کے بعد افلاطون کے بڑھے ہُوئے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہُوئے کہا۔۔۔ دیکھو افلاطون ۔۔ مجھے دُوست کہا ہے۔ تُو اِس رشتہ کی لاج بھی رکھنا۔۔۔ کیونکہ میں نے زمانے میں اتنے دُھوکے اُور فریب کھائے ہیں۔ اُور اتنی تکلیفیں سہی ہیں کہ مزید برداشت کی ہمت باقی نہیں رہی ہے۔ جسقدر ممکن ہُوگا میں تُمہاری مدد کرونگا۔۔۔ اُور تُم سے یہ توقع رکھتا ہُوں کہ تُم بھی مجھے مایُوس نہیں کرُوگے۔۔

بے شک میرے دُوست۔۔۔ میں تُم سے وعدہ کرتا ہُوں کہ،، ہمیشہ دوستی کا بھرم قائم رکھوں گا۔۔۔ البتہ میری تُم سے ایک درخواست ہے کہ آئیندہ مجھے افلاطون کے بجائے ابو شامل کہہ کر مخاطب کرنا۔۔ کیونکہ مجھے اپنا یہ نام دوسروں کی زُبان سے سُننا بُہت پسند ہے۔ اب کہو میرے لئے کیا حُکم ہے۔

افلاطون کے صرف چہرے پر ہی نہیں بلکہ لہجے میں بھی کامل علی کی رضا مندی کے بعد شُوخی دَر آئی تھی۔

کیا تُم نرگس سے ابھی اِسی وقت میری مُلاقات کا بندوبست کر سکتے ہُو۔ کامل علی نے نظریں جھکا کر ملتجیانہ لہجے میں افلاطون کو مخاطب کرتے ہُوئے کہا۔۔۔۔۔۔!

کیوں نہیں میرے دُوست۔۔۔ میں ابھی نرگس کو اُسکے گھر سے یہاں اُٹھالاتا ہُوں۔

افلاطون نے یقینی لہجے میں کامل کو جواب دیتے ہُوئے اپنا داہنا ہاتھ سینے پر رکھ کر اپنے سر کو ہلکا سا خم کرتے ہُوئے کہا۔۔

نہیں یار۔۔۔ اِس طرح تُو وُہ بدنام ہُو سکتی ہے۔۔۔۔ کیونکہ وُہ اب ایک شادی شُدہ عورت ہے۔۔۔ اُور ایک شادی شُدہ عُورت کا رات میں ایک لمحے کیلئے بھی غائب ہُونا کسی قیامت سے کم نہیں ہے۔۔۔۔۔ میرا مقصد اُسے پانا ہے نا کہ بدنام کرنا۔۔۔ تُم ایسا کیوں نہیں کرتے ابو شامل کہ مجھے ہی اُس کے گھر لے چلو۔۔۔ کامل علی نے تجویز پیش کرتے ہُوئے کہا۔۔۔!

ہُم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اگر ایسی ہی بات ہے۔ تب میرے دُوست تمہیں آج کا دِن مزید

صبر کرنا پڑے گا۔ کیونکہ صبح کی رُوشنی پھیلنے ہی والی ہے۔ ویسے بھی تُم تمام رات کے جاگے ہُوئے ہُو۔ ایسی حالت میں جب کے نیند کا خُمار طاری ہُو۔ محبوب سے ملنے میں کیا خاک مزہ آئے گا۔ آج ہم کُچھ کھیل تماشے کریں گے۔ کُچھ سیر سپاٹے کریں گے۔ اُور رات ۱۲ بجے کے بعد میں تُمہیں تُمہاری نرگس سے مِلانے کیلئے لے جاؤں گا۔ لیکن ابھی تُمہیں سُو جانا چاہیئے۔

نرگس کے ذکر نے اگرچہ کامل کی آنکھوں سے نیند اُڑا دی تھی۔ لیکن ابو شامل کی بات میں دَم تھا۔ ایک تو کامل علی کے جسم پر تھکن کے اثرات تھے۔ دُوسرے دِن کی رُوشنی میں نرگس سے مُلاقات واقعی خطرناک ثابت ہُو سکتی تھی۔ اسلئے ناچار کامل علی کمبل اُوڑھ کر بستر پر دراز ہُوگیا۔ ابو شامل نے جاتے جاتے کامل علی کُو مُخاطب کرتے ہُوئے کہا۔۔۔ کامل جب جاگ کر تیار ہُو جاؤ تب مجھے آواز دے لینا۔ میں فوراً حاضر ہُو جاؤں گا۔ کامل علی کی جب آنکھ کھلی تب اُسے پہلے پہل ایسے محسوس ہُوا جیسے اُس نے رات میں کوئی سپنا دیکھا ہُو۔۔۔ لیکن چائے کے خالی کپ دیکھ کر اُسے یقین ہُوگیا کہ وُہ کوئی سپنا نہیں بلکہ ایک حقیت تھی دیوار پر لگی گھڑی دیکھ کر کامل علی کو اندازہ ہُوا کہ دوپہر کے تین بجنے کو ہیں۔ مطلب وُہ کافی دیر تک سُوتا رہا ہے۔۔۔ یہی سُوچ کر کامل علی جلدی سے واش رُوم میں داخِل

ہُو گیا۔

واش رُوم سے نِکل کر جب کامِل علی باہر آیا تب تلک کمرے کی حالت بالکل ہی بدل چکی تھی۔ مکان کے اِس اکلوتے کمرے میں جُو کے ابھی کُچھ ہی لمحے قبل کاٹھ کباڑ کی آماجگاہ بنا ہُوا تھا۔ وہاں ضرورت کی ہر شئے قرینے سے رکھی ہُوئی تھی۔ جِن دیواروں سے پلاستر تک نا پُود ہُوچکا تھا۔ اَب ایسے چمک رہی تھیں ،، گُویا دیواروں پر پلاستر نہیں بلکہ شیشے پر پینٹ کردیا گیا ہُو۔ پرانے ٹی وی کی جگہ دیوار پر جہازی سائز کی ایل ای ڈی جگمگا رہی تھی۔ کمرے سے اُسکی جھلنگا چارپائی غائب ہُوچکی تھی۔ اب کمرے کے درمیان میں سنگ مرمر کا ڈبل بیڈ آنکھوں کو خیرہ کئے دے رَہا تھا۔ کمرے کے ایک کُونے میں ایستادہ نہایت حسین گُلدستہ کمرے کی خُوبصورتی میں مزید اِضافہ کررہا تھا۔ کمرے سے ملحق اُوپن کچن بھی کسی عالیشان کُوٹھی کی نُمایندگی کررہا تھا۔ کامل علی حیرت کے ساگر میں گُم اِن مناظر میں کھویا ہُوا تھا۔ کہ ،، عقب سے ابو شامِل کی آواز سُنائی دِی۔۔۔۔ اتنی حیرت سے کیا دیکھ رہے ہُو میرے دُوست۔ ابھی تُو بُہت کُچھ بدلنا باقی ہے۔ کامل علی نے گھوم کر دیکھا تُو ابو شامل مسہری پر نیم دراز نظر آیا۔۔۔۔ کامِل علی کو ہلکا سا حیرت کا جھٹکا لگا۔ لیکن پھر جلد ہی اُس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔۔۔ کیونکہ رات کو وُہ دیکھ چُکا تھا۔ کہ مٹی اُور پتھر کی دیواریں ابو شامل کا راستہ روکنے کیلئے کافی

نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔

میں بُہت جلد اپنے دُوست کیلئے اِس شہر میں یا جس شہر میں تُم رہنا پسند کرو۔۔۔ وہاں ایک ایسی کُوٹھی تیار کرواؤں گا کہ دیکھنے والوں کی گردن حیرت سے قُوس کی شکل اختیار کرجائے۔۔۔۔ اُور اُسمیں دُنیا کی ہر نعمت کو جمع کردُونگا۔ افلاطون نے مسکرا کر کامل علی کی جانب دیکھتے ہُوئے کہا۔۔۔

نہیں ابوشامل مجھے مزید کسی کوٹھی یا بنگلے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لئے یہ گھر ہی کافی ہے۔۔۔ البتہ تُم نے اِس گھر میں جو تبدیلیاں کی ہیں اُس سے واقعی مجھے خُوشی ہُوئی ہے۔ جسکے لئے میں تہہ دِل سے تُمہارا شُکر گُزار ہُوں۔ کامل علی نے خُلوص سے شکریہ ادا کرتے ہُوئے کہا۔۔۔ اب یہ بتاؤ کہ آج کا کیا پروگرام بنایا ہے تُم نے۔۔۔؟ مجھے یاد ہے تُم نے رات کو کُچھ سیر سپاٹے کی بات کی تھی۔۔۔۔

یار دیکھو ایک بات کان کھول کر سُن لُو آج کے بعد یہ شکریہ وغیرہ کے الفاظ کم از کم مجھ سے مت کہنا۔ ورنہ میں تُم سے ناراض ہُوجاؤں گا۔ کیونکہ دُوستی میں کوئی کِسی پر اِحسان نہیں کرتا۔ بس تُم کو میری تبدیلی پسند آئی سمجھو مجھے انعام بھی مِل گیا۔ اُور خوشی بھی حاصِل ہُوگئی۔۔۔۔ اُور جہاں تک بات

ہے سیر سپاٹے کی تُو کیا خیال ہے دریائے جہلم نہ چلا جائے۔۔۔ وہاں دریا کے کنارے انجوائے بھی کریں گے اُور۔۔۔۔۔۔۔ اتنا کہہ کر ابو شامل نے گفتگو ادھوری چھوڑ دی۔

۔۔۔۔ اُور کیا۔۔۔ کامل علی نے استفاہمیہ انداز میں ابو شامل کی جانب دیکھتے ہُوئے سُوال کیا۔

کیا جلباب کو بُھول گئے۔۔۔؟ کیا تُمھیں یاد نہیں مولوی رمضان صاحب نے انتقال سے قبل جلباب کی ذمہ داری تُمھارے سپرد کی تھی۔۔۔۔؟ ابو شامل نے ایک ایک لفظ پر زُور دیتے ہُوئے کہا۔۔۔۔ نہیں یار۔۔۔ میں جلباب کو کیسے بُھول سکتا ہُوں اُسکے اُور مولوی رمضان صاحب کے مجھ پر بُہت سے احسانات ہیں۔۔ لیکن جہلم جانے آنے میں تُو کم از کم ۲ دِن لگ جائیں گے۔ جب کہ تُم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ کہ آج رات تُم میری نرگس سے مُلاقات کراؤ گے۔۔۔۔ کامل علی نے ابو شامل کو اُسکا وعدہ یاد دِلاتے ہُوئے کہا۔۔۔۔

اُو میرے بھائی ۔۔۔ میں تجھے چناب ایکسپریس سے لیکر نہیں جارہا۔ جُو تجھے آنے جانے میں ۲ دِن لگ جائیں گے۔۔۔ تم شہزادہ ابو شامل کے ساتھ جارہے ہُو۔ کسی ریلوے مُلازم کے ساتھ نہیں۔۔۔ ہم پانچ منٹ سے بھی پہلے جلباب کے گھر جہلم پُہنچ جائیں گے اُور وقتِ مقررہ سے بُہت پہلے واپس بھی آجائیں گے۔ کیا سمجھے۔۔۔۔؟ ابو شامل نے کامل کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہُوئے مُسکرا کر

کہا۔۔ اگر ایسی بات ہے۔ تو چلو ٹھیک ہے لیکن یہ تمھیں ایکدم جلباب اُور جہلم کا
خیال کیسے آ گیا۔۔۔؟ کامل علی نے کچھ سوچتے ہُوئے سوال کیا۔۔۔
یار مولوی رمضان صاحب کا ایک قرض مجھ پر بھی ہے۔ بس وہی قرض اُتارنے کی
کوشش کر رہا ہُوں۔۔۔۔ تمھیں شائد بالکل بھی خبر نہیں ہے۔ مگر میں جانتا ہُوں کہ،،
مولوی رمضان صاحب کی بیٹی جلباب آجکل بہت کسمپُرسی کی زندگی گُزار رہی ہے۔
کیونکہ اُسکا شوہر جُوئے اُور شراب کی لَت کے ساتھ ساتھ ایک دوسری عورت کے چکر
میں بھی گرفتار ہُوگیا ہے۔ اُور جلباب آجکل بہت پریشان حال ہے۔۔۔ابو شامل کا لہجہ
جلباب کا تذکرہ کرتے ہُوئے بہت غمگین ہُوگیا۔۔۔۔ جیسے وُہ اپنی بہن کا تذکرہ کر رہا
ہُو۔۔۔
اگر ایسی بات ہے۔۔۔ تو میں بھی جلباب سے فوراً مِلنا چاہُوں گا۔ کامل علی نے جذباتی
لہجے میں جواب دیا۔
چلو پھر تُم ۲ منٹ میرا انتظار کرو میں ابھی آتا ہُوں۔ ابو شامل یہ کہتے ہُوئے دروازے
کی جانب مُڑا۔۔۔
مگر تُم جا کہاں رہے ہُو۔۔۔۔؟ کامل علی کے سوال پر ابو شامل نے مُڑ کر

کاہل علی کو دیکھتے ہُوئے کہا۔۔۔ ارے میرے بدھو دُوست بہن کے گھر جارہے ہیں تُو کیا خالی ہاتھ جائیں گے۔۔۔۔؟ اِتنا کہہ کر ابو شامل گھر سے باہر نِکل گیا۔۔۔ مگر اِس مرتبہ گھر سے باہر جانے کیلیئے اُس نے دروازے کا ہی استعمال کیا تھا۔۔۔۔۔۔!

(جاری ہے)

پھر دَرد بڑھ رَہا ہے پھر نیند کی خُواہش
ہُوئی دِل میں پھر سے پیدا تیری دِید کی خُواہش
تیری رَاہ کے خَار سارے ۔۔۔پلکوں سے اپنی چُن لُوں
مجھے پا کے تیرے مَن میں۔۔ نہ رہے مَزید خُواہش

عامل کامل اَبُو شامِل قسط۔16 (اَبو شامِل ۔یا حاتم طائی)۔

گُذشتہ (۱۵)۔اقساط کا خُلاصہ۔۔۔

یہ کہانی ہے۔ایک ایسے نُوجوان کامِل علی کی جِس کے سر سے اُسکے والد کا سایہ بچپن میں ہی اُٹھ گیا۔۔۔ والدہ کی نوجوانی میں بیوگی سے بے شُمار مسائل جنم لینے لگتے ہیں۔ ایک طرف گھر میں ایسے حالات پیدا ہُوجاتے ہیں۔کہ،، جسکی وجہ سے کامِل علی چُھوٹی چھوٹی خُوشیوں کیلئے ترس جاتا ہے۔تُو دوسری طرف معاشرے کے نکمے اُور گندگی سے لتھڑے ذہن کے مالک اُوباش نوجوان اُسکی والدہ کو حریص نِگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ آئے دِن کے مسائل کی وجہ ایک طرف اُسکی والدہ ہِراساں رِہنے لگی تھی۔تُو دوسری طرف محلّہ کے مولوی صاحب کی زُوجہ کا انتقال ہُوجاتا ہے۔ محلّہ والوں اُور مولوی صاحب کی دُو بہنوں کی کوشش سے کچھ عرصہ میں کامل علی کی بیوہ والدہ پھر سے مولوی رمضان کی دُلہن بن جاتی ہے۔۔کامِل علی کو اپنے ہمسائے چاچا ارشد کی بیٹی نرگس سے بُہت دِلی لگاؤ پیدا ہُوجاتا ہے۔ وُہ اس رشتہ کو کوئی نام نہیں دے پاتا۔ لیکن جوانی میں قدم رکھتے رکھتے اُسے اِحساس ہُوجاتا ہے۔کہ وُہ صرف دِلی لگاؤ نہیں ہے۔ بلکہ مُحبت کا رشتہ اُسکے دِل میں اپنی جڑیں کافی گہری بنا چُکا ہے۔

حالات اُور زمانے کے بار بار ستائے جانے پر کامل علی رُوحانی عملیات کی جانب راغب ہُوجاتا ہے۔ اُسکا خیال ہے کہ اگر ایک مرتبہ اُسکے پاس کوئی رُوحانی طاقت آجائے۔ تُو وہ تمام زمانے سے خاص کر چاچا ارشد سے بدلہ لے سکتا ہے۔ لیکن بار بار چلہ کاٹنے کے باوجود بھی ناکامی اُسکا مقدر ٹھرتی ہے۔ وُہ ایک بنگالی جادوگر کی شاگردی اِختیار کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ہر بار ایک مَجذوب اُسکے راستے میں دیوار کی مانند کھڑا ہُوجاتا ہے۔ اُستاد عبدالرشید کے بار بار سمجھانے پر بھی جب کامل علی عملیات سے باز نہیں آتا۔ تب اُستاد عبدالرشید اُسے ایک اللہ کے ولی ،، میاں صاحب ،، کے پاس بھیجتا ہے۔ لیکن یہاں بھی ناکامی کامل علی کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اُور وہ خالی ہاتھ ہی اپنے گھر لُوٹ آتا ہے۔ کامِل علی مجذوب کی تلاش میں ایک مُقام تک پُہنچتا ہے۔ جہاں اِسے ایک نوجوان کے توسل سے معلوم ہُوتا ہے کہ ،، اُس مجذوب کا نام ،، بابا صابر ،، ہے۔ اُور گُذشتہ دَس برس سے کِسی نے بابا صابر کو کسی سے گُفتگو کرتے نہیں دیکھا ہے۔ بابا صابر مُلاقات کے دُوران اُسے بتاتے ہیں کہ فی الحال انکا یہ راز وُہ کسی پر بھی آشکار نہ کرے۔ اُور کسی نادیدہ ہستی کو پکڑنے کیلئے دُوڑ جاتے ہیں۔ افلاطون نامی ایک نوجوان کامل علی کے گھر میں گھسنے

کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کامل علی دھکے دے کر اُسے گھر سے نِکال دیتا ہے۔ لیکن جب وُہ دروازے میں کنڈی لگا کر پلٹتا ہے۔ تُو اُسی نوجوان کو اپنے بستر پر دراز دیکھتا ہے۔ گھبراہٹ میں کامل علی کا پاؤں رَپٹ جاتا ہے۔ افلاطُون بروقت سہارا دیکر اُسکی آنکھ ضائع ہُونے سے بچالیتا ہے۔ جِسکے بعد ابو شامل اُسے بتاتا ہے۔ کہ وُہ ایک جِن زادہ ہے۔ اُور ایک عامِل اُسکے پیچھے پڑا ہے کیونکہ وُہ کافی طاقتور جن ہے۔ افلاطُون پیشکش کرتا ہے کہ اگر کامل علی اُس عامل سے بچانے میں اِسکی مدد کرے تُو،، افلاطُون دُوست بن کر دُنیا کی ہر شئے کو اِسکے قدموں میں لاکر ڈال سکتا ہے۔ کامل علی افلاطون کی پیشکش قبول کرلیتا ہے۔ دُونوں جہلم جلباب سے مُلاقات کا پروگرام بنا لیتے ہیں

اَب مَزید پڑھیئے۔۔۔

کامِل علی اپنے بالوں کو سنوارنے میں مشغول تھا۔ تبھی ابو شامِل واقعی ۲ منٹ میں واپس لُوٹ آیا۔ لیکن اُسے دیکھ کر ہرگز ایسا محسوس نہیں ہُورہا تھا۔ کہ،، وُہ مارکیٹ میں صِرف ۲ مِنٹ گُزار کر آیا ہے۔ اُس کے دُونوں ہاتھ بڑے بڑے شاپر سے لَدے پھندے ہُوئے تھے۔ مسہری کے قریب آکر اُس نے تمام شاپرز کو مسہری پر ڈالتے ہُوئے کامل علی سے کہا۔۔۔ یار ذرا نظر مار

لینا۔۔۔ کہیں کُچھ رِہ تُو نہیں گیا۔۔۔۔؟

کامل علی ایک ایک شاپر کو کھول کر حیرت سے دِیکھ رَہا تھا۔ ۲ شاپر میں مِٹھائی کے بکس مُوجود تھے۔ ۳ بڑے شاپرز میں زنانہ مردانہ اُور بچگانہ کپڑے بھرے پڑے تھے۔ ایک بڑے شاپر میں پھل مُوجود تھے۔ جبکہ ایک چھوٹے شاپر میں سُونے کا ایک خُوبصورت سیٹ مُوجود تھا۔ جِسے دیکھ کر کامل علی نے ابو شامل نے کہا۔۔ کیا تُم جلباب کے گھر اتنا زیادہ سامان لے کر جاؤگے۔۔۔۔؟ میں لیکر نہیں جارہا۔۔ بلکہ یہ سامان تُم اپنی جانب سے اپنی بہن جلباب کو دُوگے۔۔۔ ابو شامل نے اُسکی بُوکھلاہٹ سے محظوظ ہُوتے ہُوئے جواب دِیا۔۔۔

لیکن ہم یہ تمام سامان لیکر کس سواری پر جارہے ہیں۔۔۔؟ کامل علی نے تمام شاپرز پر نظر ڈالتے ہُوئے پُوچھا۔۔۔۔ اَب گاڑی تُو تُمھارے پاس ہے نہیں۔ اُور میں ایکدم تُمھیں کروڑ پتی بنا نہیں سکتا ورنہ لُوگوں کو تُم پر شک ہُوجائے گا۔ جسکی وجہ سے تُمھارے لئے مشکلات پیدا ہُوسکتی ہیں۔ اسلئے فی الحال ٹیکسی میں ہی چلتے ہیں۔ ایسا کرو کُچھ شاپر تُم سنبھال لُو باقی کو میں دیکھ لُوں گا۔۔۔ یہاں سے ٹیکسی اسٹینڈ چلتے ہیں وہیں سے جلباب کے گھر چلیں گے۔۔۔۔ افلاطوں نے کامل علی کو جواب دیتے ہُوئے سُوچا۔ اب یہ پھر سے یہ سوال نہ کرڈالے کہ جہلم تک ٹیکسی کا سفر تو بُہت طویل ہُوجائے گا۔۔۔

لیکن کامل علی نجانے کس خیال میں ڈوبا تھا کہ اُسکے خیال میں یہ بات ہی نہیں آ سکی۔
اُور دونوں گھر سے نکل کر ٹیکسی اسٹینڈ کی جانب روانہ ہُوگئے۔۔۔

ٹیکسی اسٹینڈ کی جانب جاتے ہُوئے راستے میں ایک اُبھرے ہُوئے سنگ سے کامل علی کا پاؤں ٹکراگیا۔اِس سے پہلے کہ وُہ زمین پر گر پڑتا۔اَبو شامل نے اُسکا بازو تھام لیا۔

کامل علی نے ابو شامل کا شُکریہ ادا کرتے ہُوئے جب اِرد گرد نِگاہ دوڑائی تُو اُس نے خُود کو ایک اجنبی ماحول میں پایا۔ یہ ایک کُشادہ سڑک سے ملحق لِنک روڈ تھا۔اُور سامنے ایک وسیع گراونڈ کا اِحاطہ نظر آرہا تھا۔۔۔۔ کامل علی کی زُباں سے بے اِختیار نِکلا۔۔۔

یہ ہم کہاں آ گئے۔

یہ جہلم کا مشہور گولف کُورس گراؤنڈ ہے۔ ابو شامِل نے گراؤنڈ کی جانب اِشارہ کرتے ہُوئے اپنی گُفتگو کا جاری رکھا۔ اُوراِس وقت ہم اقبال کالونی کے موڑ۔۔۔ اُور ایف.جی کالج رُوڈ و جی ٹی رُوڈ کے سنگم پر کھڑے ہیں۔۔ افلاطوں نے کسی مُشاق ٹُورسٹ کی طرح جواب دیتے ہُوئے حسب سابق اپنی عادت کے مُطابق اپنے سر کو ذرا سا خَم کردِیا۔اگر ہمیں اِسی طرح جہلم میں آنا تھا۔ تُو سیدھے جلباب کے گھر کیوں نہیں گئے۔۔۔؟ کامل علی نے ایک اُور

سوال داغتے ہُوئے استفسار کیا۔۔۔۔

اُو میرے بُھولے بادشاہ ہر کام کا ایک طریقہ ہُوتا ہے۔۔۔۔ ہمیں جلد واپس بھی جانا ہے۔۔۔ اُور جلد واپسی کیلئے کوئی معقول بہانہ بھی تُو ہُونا چاہیئے نا۔۔؟ ابو شامل نے کامل علی کو آنکھ مارتے ہُوئے رُوڈ سے گُزرتی ایک ٹیکسی کو اِشارہ کیا۔۔۔۔ ٹیکسی والے نے نذدیک آنے پر اِن دُونوں کا بغور معائنہ کرتے ہُوئے پُوچھا۔۔۔ کیوں باؤ جی کِتھے جانا اے۔۔۔؟

یار بس ذیادہ فاصلے تے نیوں جانا اے۔۔۔ وائی کراس توں پنڈ دادن روڈ تے جیہڑی بلال مسجد آ۔۔۔ بس اُودے نال ای جانا اے۔۔۔ دَس کِنا کرایہ لے گا۔۔۔ ٹیکسی والا ابو شامل کی ٹوٹی پھوٹی پنجابی اُور حلیہ سے اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہُوئے کہنے لگا۔۔۔ باؤ جی ہُوندے تے تین سُو روپیہ نے پر تُساں دُو سو روپیہ دے دینا۔۔۔ یار اللہ نُوں مَن تین کلومیٹر دا سفر بھیٰ نہیں ہیگا۔ تو اسطرح کر کہ سُو رُوپیئے لے لییں ابو شامل شائد موڈ میں تھا۔ جو اسطرح اپنا وقت ضائع کئے جارہا تھا۔۔۔۔ باؤ جی چلنا اے تے چلو۔ نیئں تے میرا ٹائم خراب نہ کرو۔۔ ٹیکسی ڈرائیور نے زِچ ہُوتے ہُوئے کہا۔۔۔۔ چل یار جسطرح تیری مرضی۔۔۔۔ اَبو شامل نے کامل علی کی پریشانی کو بھانپتے ہُوئے کہا۔۔۔۔

ٹیکسی بِلال مسجد سے عید گاہ کی جانب جاتے ہُوئے ایک مکان کے سامنے ٹہر گئی۔۔۔۔
ابو شامل نے ٹیکسی والے کو ایک ہزار کا نُوٹ دیتے ہُوئے کہا،، ہمیں دُو گھنٹے کے بعد واپس جی ٹی رُوڈ جانا ہے۔ اگر تُم دُو گھنٹے انتظار کرلُو۔ تُو یہ ایک ہزار کا نُوٹ تُمہارا ہُوسکتا ہے۔۔۔؟ ٹیکسی والے کی ایک ہزار رُوپیہ کا نُوٹ دیکھ کر باچھیں کِھل اُٹھیں۔ ۔۔۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اُس نے مُرجھائے ہُوئے چہرے کے ساتھ کہا۔۔ نہیں باؤ جی مجھے اپنے بچے سے ملنے کیلئے اسپتال جانا ہے۔ میں دُو گھنٹے یہاں آپکا انتظار نہیں کرسکتا۔۔۔ کیوں کیا ہُوا ہے تُمہارے بیٹے کو۔۔۔؟ ابو شامل کے اِس سوال پر ڈرائیور نے مُرجھائے ہُوئے لہجے میں فقط اِتنا ہی کہہ پایا۔۔۔ شائد حلق کا کینسر۔۔۔۔بڑا منع کرتا تھا کہ،،پتر نہ کھایا کر یہ گُٹکے شُٹکے۔۔۔ مگر اُس نے کدی میری گَل نئیں مَنی۔۔۔۔ اچھا یہ تُو کرسکتے ہُو کہ بچے سے مِل کر ۲ گھنٹے بعد واپس آجاؤ۔۔۔ ابو شامل نے تجویز پیش کرتے ہُوئے کہا۔۔۔ابو شامل کی تجویز سُن کر ٹیکسی ڈرائیور نے حامی بھرلی۔۔۔۔ ٹیکسی ڈرائیور جانے لگا۔ تو ابو شامل نے مزید پانچ ہزار روپیہ اُسکی جیب میں ٹھوستے ہُوئے کہا۔۔۔ یار اِن پیسوں سے میری طرف سے میرے بھتیجے کیلئے کُچھ لے جانا۔۔۔ ٹیکسی ڈرائیور شائد کُچھ

زیادہ ہی مجبور تھا۔ اسلئے اُس نے خاموشی سے وُہ رقم قبول کرلی۔ البتہ اُسکی آنکھوں میں آئے تشکر کے آنسو کامل علی کی نظروں سے بھی بچ نہیں پائے۔۔۔

دروازے پر تیسری دستک دینے کے بعد اندر سے جِلباب کی آواز اُبھری۔ کُون ہے بھائی۔۔۔۔؟ راشد گھر پر نہیں ہے۔۔۔۔ جِلباب کی آواز سُن کر کامل علی سے نہ رَہا گیا اُس نے پُکار کر جواب دیا۔۔۔ بہن دروازہ کھولو۔۔۔ میں ہُوں تُمھارا بھائی کامل علی۔۔۔ کامل کی آواز سُنتے ہی جلباب نے لپک کر دروازہ کھول دِیا۔۔۔۔ اُور نجانے کیسی بے اختیاری تھی۔ جسکی وجہ سے جلباب کامل علی کے اندر داخل ہُوتے ہی اُس سے کامل بھائی کہہ کر لپٹ گئی۔۔۔ اُسکی حالت ایسی ہی تھی۔ جیسے کسی کو تپتے صحرا میں نخلستان نظر آگیا ہُو۔۔۔ یا جیسے۔۔۔۔۔ کسی پیاسے کو پانی کے ایک قطرے کی خُواہش کرتے کرتے دَریا دِکھائی دے جائے۔۔۔۔ وُہ اگرچہ خُود کو بُہت سنبھالے ہُوئے تھی۔۔۔۔ لیکن اُسکا لہجہ چغلی کھارَہا تھا۔۔۔ کہ وُہ بابل کے آنگن سے آئے مہمان کا مُدتوں سے انتظار کررَہی تھی۔۔۔ جلباب کا جی چاہ رَہا تھا کہ وقت تھم جائے اُور اپنے بھیا کے سینے پر سر رکھے یُونہی اپنے بابُل کے صحن کی مٹی کی خُوشبو کو محسوس کرتی رہے۔۔۔۔

یکایک اُس کی نِگاہ ابو شاہِل پر پڑی تو ایک اجنبی کو اتنے انہماک سے دُو بہن بھائی کے قریب دیکھ کر سنبھلتے ہُوئے

چُونکتٔ کر کامل علی سے دریافت کرنے لگی۔۔۔ کامل بھائی یہ کُون آپ کے ساتھ آئے ہیں۔۔۔؟

کامل علی اِس سوال کیلیئے شائدَ ذِہنی طُور پر تیار نہیں تھا۔۔۔ ٹیکسی میں سَوار ہُونے سے قبل اَبو شامل نے خُود ہی کہا تھا۔ کہ وُہ جلباب کے سامنے نہیں آنا چاہتا۔۔۔اِس لئے وُہ اِسے ساتھ نہیں دیکھ پائے گی۔۔۔۔ لیکن وُہ ابو شامل کو دیکھ پارہی تھی۔اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ ابو شامل نے پوشیدگی کی چادر نہیں اُوڑھی تھی۔۔۔۔ کامل علی کی سمجھ میں اُور تُو کچھ نہیں آیا۔ بس وُہ اِتنا ہی کہہ پایا۔ یہ رفیق صاحب ہیں۔ اُور باباجان کے شاگرد ہیں۔۔

اَبو شامِل نے کامل کی گھبراہٹ کو دیکھ کر بات سنبھالتے ہُوئے کہا۔۔۔ دراصل میں مولوی صاحب کا شاگرد ہُونے کیساتھ ساتھ اُنکا بزنس پارٹنر بھی ہُوں۔۔۔ مولوی صاحب نے کُچھ رقم میرے کاروبار میں لگائی تھی۔جُو بڑھتے بڑھتے ایکٔ معقول رقم میں تبدیل ہُوچکی ہے۔۔۔۔ میں اب مُلکٔ سے باہر جانا چاہتا ہُوں۔۔۔۔ اُور مجھے چند دِن قبل ہی مولوی صاحب کے انتقال کی خبر مِلی تھی۔۔۔۔بڑی مشکل سے کامل صاحب کا پتہ چلا۔۔۔ یہ جہلم آرہے تھے۔تُو میں بھی ضد کرکے انکے ساتھ جہلم چلا آیا۔۔۔۔ اب آپ مجھ سے یہ رقم لے کر مجھے اِس فرض سے سبکدوش کردیں۔ اتنا کہنے کے بعد ابوشامِل نے اپنے پرس سے چار

چیک ایک ایک لاکھ رُوپیہ مالیت کی رقم کے جلباب کی جانب بڑھا دیئے۔۔۔۔
جلباب اِن چیکوں کو تھامتے ہُوئے جھجک رہی تھی۔۔۔۔ کیونکہ یہ سب کُچھ جلباب کو بُہت عجیب سا لگ رَہا تھا۔۔۔ کیونکہ نہ جلباب نے کبھی اِس اجنبی انسان کو پہلے دیکھا تھا۔۔۔۔ اُور نہ ہی مولوی صاحب نے کبھی اُسے یہ بات بتائی تھی کہ،، اُنھوں نے کوئی رقم پس انداز کرکے کاروبار میں لگائی ہُوئی ہے۔۔۔۔۔ کامِل علی نے وُہ تمام چیک ابو شامل کے ہاتھ سے لیکر جلباب کو تھماتے ہُوئے کہا۔۔۔ میری بہن اپنی رقم لینے میں کیسی جھجک۔۔ اِس رقم پر صرف تُمھارا حق ہے۔۔۔ اِسے احتیاط سے سنبھال کر رَکھ لو۔ چاہو تُو اپنا اکاونٹ کھلوا لُو۔۔۔ یا چاہو تو اپنے بچوں کے لئے انہیں محفوظ کرلو۔ ویسے راشد بھائی اُور سفینہ پھپو کہاں ہیں۔۔۔؟ کامل علی نے گھر میں یہاں وَہاں نِگاہیں دوڑاتے ہُوئے ابو شامل کے ہاتھ سے شاپر لیکر بیڈ کی سائڈ میں پڑی میز پر رکھتے ہُوئے کہا۔۔۔

سفینہ پھپو کے انتقال کو تُو ایک برس سے زائد کا عرصہ گُزر چکا ہے۔۔۔۔ اُور وُہ شہر سے باہر گئے ہُوئے ہیں شائد ایک دُو دِن میں واپس آجائیں۔۔۔ ویسے آپ دُو چار دِن تو رُکیں گے ہی۔۔۔ تب تک شائد وُہ بھی واپس آجائیں۔ جلباب نے اپنے لہجے کو حتی الامکان نارمل بناتے ہُوئے جواب دیا۔۔۔ لیکن

جلباب کے لہجے میں چھپی بیچارگی کو کامل کیساتھ ساتھ ابو شامل بھی محسوس کرگیا۔
نہیں جلباب مجھے آج ہی واپس جانا ہے۔ دراصل کاروبار کے سلسے میں مجھے لاہور میں آج رات ایک صاحب سے مُلاقات کرنی ہے۔۔۔ اُور کل مجھے ملتان جانا پڑے گا۔۔۔۔ کامل علی نے بات بناتے ہُوئے کہا۔۔۔ اُور آپ سیالکوٹ بھی تُو جانے کا تذکرہ کررَہے تھے۔ ابو شامل نے بیچ میں لقمہ دیتے ہُوئے کہا۔۔۔ ہاں دیکھو ملتان سے کب تک فارغ ہُوتا ہُوں۔۔۔ پھر سیالکوٹ چلا جاؤں گا۔۔ کاملِ علی نے ابو شامِل کو گھورتے ہُوئے جواب دِیا۔۔۔۔
بھائی لگتا ہے ماشاءَاللہ آپ کا بزنس خُوب چل رہا ہے۔۔۔۔ مگر بھائی آپ کے بزنس کے لئے سرمایہ کہاں سے آیا۔۔۔؟ جلباب کے اِس سوال نے ایکبار پھر کامل علی کو چکرا کر رکھ دیا۔۔۔ وُہ سُوچنے لگا۔۔۔۔ واقعی بُزرگ سچ کہتے ہیں۔۔۔ کہ،، جھوٹ کے پاؤں نہیں ہُوتے۔۔۔ میں نے اماں والا مکان بیچ دِیا ہے۔ اُور عبدالرشید نامی اپنے سابقہ سیٹھ کے ساتھ پارٹنر شپ کرلی ہے۔ کامل علی نے پھر جھوٹ کا سہارا لیتے ہُوئے سُوچا اگر جلباب نے مزید ایک دُو سوال اُور کردیئے تو وُہ مَزید جُھوٹ نہیں بُول پائے گا۔۔۔
کامل علی جلد از جلد جلباب کے گھر سے نِکل جانا چاہتا تھا۔ لیکن وُہ بضد تھی کہ کم از کم وُہ کھانا

کھائے بِنا نہیں جا سکتا۔۔۔ کامل علی کو ناچار جلباب کی ضد کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑ گئے۔ کھانے سے فارغ ہُونے کے بعد کامل علی نے جلباب سے اِس وعدے کے ساتھ اِجازت چاہی۔ کہ وُہ وقتاً فوقتاً آتا رہے گا۔۔۔ کامل علی جانتا تھا کہ جلباب کی دِلی خُواہش یہی ہُوگی کہ میں مزید یہاں رُک جاؤں۔۔۔ لیکن ابو شامل اُسے بار بار اشارے کِنایئے میں چلنے کی درخواست کررہا تھا۔

گھر سے نکلنے کے بعد کامل علی کی نِگاہیں ٹیکسی ڈرائیور کو تلاش کرنے لگیں۔ لیکن وُہ اِسے دُور دُور تک کہیں نظر نہیں آیا۔۔۔ یار لگتا ہے وُہ ڈرائیور گھبرا گیا کہ کہیں تُم اُس سے رقم واپس نہ مانگ لُو۔۔۔ کامل نے شرارت بھرے لہجے میں ابو شامل کے کان میں سرگُوشی کرتے ہُوئے کہا۔۔۔ نہیں یار۔ تُم غلط سُوچ رہے ہُو۔۔ دیکھ لینا وُہ ابھی آجائے گا۔۔۔ اُور واقعی ابو شامل کا جُملہ مکمل ہُوتے ہی اُنہیں دُور سے ایک گاڑی کی ہیڈ لایئٹ نظر آئیں ۔جُو انہی کی جانب بڑھی چلی آرہی تھی۔۔۔

وُہ ٹیکسی ڈرائیور واپس آگیا تھا۔ اُور اب اسکا چہرہ پہلے کے مُقابل کافی پرسکون نظر آرہا تھا۔۔۔ دُورانِ سفر ابو شامل نے اُسکے بیٹے کی خیریت دریافت کرنے کے بعد جب اُس سے اُسکا نام اُور ٹیکسی کی ملکیت کے متعلق سوال کیا۔ تُو ڈرائیور نے اپنا نام زمان بتاتے ہُوئے کہا کہ اِس ٹیکسی کا وُہ صرف ڈرائیور ہے۔۔۔ اُور اِس ٹیکسی کا مالک بُہت جلد یہ ٹیکسی فروخت کرنے والا

ہے۔ اُسکے بعد مجھے کوئی دوسری ٹیکسی دیکھنی پڑے گی۔ جسے چلا کر اپنے بچوں کا پیٹ بھر سکوں۔۔۔ یار تُم یہ ٹیکسی خرید کیوں نہیں لیتے۔۔۔ ابو شامِل نے بڑی بے نیازی سے مفت مشورہ دیتے ہُوئے کہا۔۔۔

صاحب کیوں مذاق کرتے ہیں۔۔ یہاں بچوں کو کھلانے کے لالے پڑے ہیں۔ اُور آپ پانچ ساڑھے پانچ لاکھ کی گاڑی خریدنے کی بات کررہے ہیں۔ زمان نے اُداسی سے کہا۔۔۔ اگر رقم نہیں ہے تُو کہیں سے قرض حاصل کیوں نہیں کرلیتے ابو شامل کے مفت مشوروں کی پٹاری کُھل چکی تھی۔ صاحب۔۔ مجھ جیسے غریب کو بھلا کوئی کیوں اتنی بڑی رقم اُدھار دے گا۔۔۔ زمان کے لہجے میں اُداسی کیساتھ حسرت بھی دَر آئی تھی۔۔۔ اگر تُم چاہو تُو اتنی رقم میں تمھیں ۲ دِن میں دِلوا سکتا ہُوں۔ اُور وُہ بھی معمولی خانہ پُری کا غذات میں کرنے کے بعد۔۔۔ بس شہر کے ۲ معزز افراد کی ضمانت پر۔۔ اُور مزے کی بات یہ ہے کہ تمھیں رقم لُوٹاتے ہُوئے کوئی اضافی رقم بھی ادا نہیں کرنی پڑے گی۔ اگر کوئی بھی ضمانت دینے والا نہ ملے تب بھی کوئی ٹینشن کی بات نہیں۔ ہم دُونوں بھی معززین میں ہی شُمار کئے جاتے ہیں۔۔۔ ابو شامل نے اپنی اُور کامل کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے کہا۔۔۔ ابو شامِل کی اِس بات پر جہاں زمان کی باچھیں کِھلی جارہی تھیں۔ وہیں حیرت سے کامل علی کا مُنہ کُھلا کا کھلا رِہ گیا۔۔۔ کامِل علی سُوچنے لگا یہ جن زادہ ہے۔۔۔ یا حاتم طائی کی رُوح۔۔۔۔۔ جو ہر ایک کو

نوازتا ہی چلا جا رہا ہے۔۔۔ جبکہ زمان ڈرائیونگ کرتے ہُوئے سُوچ رَہا تھا کہ،، یہ دُونوں انسان ہیں یا فرشتے۔۔۔؟

پھر دَرد بڑھ رَہا ہے پھر نیند کی خُواہِش
ہُوئی دِل میں پھر سے پیدا تیری دِید کی خُواہش
تیری رَاہ کے خَار سارے۔۔۔پلکوں سے اپنی چُن لُوں
مجھے پا کے تیرے مَن میں۔۔ نہ رہے مَزید خُواہش

فیضانِ اِسم اعظم قسط۔۱۳۔ (قلبی سکون اُور دنیاوی قرضے)۔

مُحترم قارئین کرام بُہت سے بھائی اُور بہنوں نے بذریعہ.برقی خُطوط یہ خُواہش ظاہر کی ہے کہ میں اُنہیں کوئی ایسا عمل بتاؤں کہ جسکے ذریعے سے قلبی سکون اُور رُوحانی توجہ حاصل کی جاسکے۔ جبکہ کُچھ کی خُواہش ہے کہ کوئی ایسا وظیفہ بتاؤں کہ جس کے ذریعے سے وُہ اپنا قرض اَدا کرسکیں۔۔۔ انشاءَاللہ اِس کالم میں اِن دُونوں وظائف کیساتھ ساتھ آخر میں اپنے اُستاد سے کی گئی کُچھ قیمتی باتوں کا تذکرہ بھی پیش کرنے کی سعی کرونگا۔۔۔ جِس میں حکمت و دانائی کا خزانہ موجود ہے۔۔۔۔

(قلبی سکون اُور رُوحانی ترقی)

عشاءَ کی نماز سے فارغ ہُوکر کسی ایسے گُوشے میں قبلہ رُوبُہو کر بیٹھ جائیں جہاں بالکل تنہائی مُیسر ہُو۔ ۱۰۰ مرتبہ دِلی توجہ کیساتھ دُرودِ پاک پڑھ کر چند لمحوں کیلئے اپنی سابقہ زندگی پر نِگاہ دُوڑائیں۔ پھر اپنے تمام سابقہ گُناہوں کی مُعافی اللہ کریم سے طلب کرتے ہُوئے اِخلاص کیساتھ ۱۰۰ مرتبہ استغفار پڑھیں۔ اسکے بعد تقریبا ۱۵ منٹ سے لیکر آدھے گھنٹے کیلئے ،، چار

زانوں، ، ہُو کر اِسطرح بیٹھیں کہ گردن اُور کمر میں جھکاؤ باقی نہ رہے۔ یعنی کمر اُور گردن ایک سیدھ میں رہے۔۔۔ پھر آنکھیں بند کرکے اپنی توجہ اپنے قلب کی جانب مَبذول رکھیں۔۔۔ جب دِل کی جانب سے آنے والی ٹِک ٹِک کی آواز سُنائی دینے لگے۔ تب اُس ٹِک ٹِک کی آواز کو مزید صاف سُننے کی کُوشش کریں۔ چند لمحوں کی کُوشش سے آپکو یہ آواز صاف سُنائی دینے لگے گی۔ جب سماعت کلیر ہُوجائے تب اِس ٹِک ٹِک کی آواز کو دھیان لگا کر اِسم اللہ سے بدلنے کی کُوشش کریں۔۔۔ (یعنی یہ محسوس کرنے کی کوشش کریں کہ دِل سے ٹِک ٹِک کی آواز نہیں بلکہ اللہ اللہ کی صدا بُلند ہُو رہی ہے) بعض لوگوں کو پہلے ہی دِن اپنے قلب سے اللہ اللہ کی صدائیں صاف سُنائی دی جانے لگتی ہیں۔ جبکہ بعض لوگوں کو یہ آواز ایک مُدت کی مشق کے بعد سُنائی دیتی ہے۔۔۔ یعنی جتنی کثافت قلب میں کم ہُو گی۔ اُسی قدر جلد کامیابی کا اِمکان موجود ہے۔

جب قلب اِس ذکر سے مانوس ہُوجاتا ہے تب وُہ ٹِک ٹِک کے بجائے اللہ اللہ کی صدائیں بُلند کرنے لگتا ہے۔ انسان کے جسم میں سات لطائف موجود ہیں جنکے نام کُچھ یُوں ہیں۔ قلب، خفی، اخفا، سِری، رُوح، نفس اُور انَا۔۔۔ اِن میں قلب کو بادشاہ کی سی حیثیت حاصل ہے۔ اُور جب قلب اِس ذکر خفی کی دُولت کو پالیتا ہے۔ تُو وُہ بیدار ہُوجاتا ہے۔ اُور پھر دُوسرے لطائف بھی آہستہ آہستہ بیدار ہُوتے چلے جاتے ہیں۔۔۔ دیگر لطائف کی بیداری کیلئے مزید وظائف

انشاءَاللہ عزوجل پھر کسی کالم میں لکھ دُونگا۔۔۔ مگر یہ سب کُچھ اِخلاص و ریاضت کے بغیر ممکن نہیں۔۔۔ البتہ کوئی مُرشد کامل چاہے تُو صرف اِک نگاہ سے ہی اُنکو جِلّا بخش دیتا ہے۔

بہرحال جب آپ اِس ذکر کی حلاوت کو محسوس کرپائیں ۔تب دوسرے اسٹیج میں پندرہ بیس مِنٹ کی ریاضت کے بعد اُسی پُوزیشن میں بیٹھے بیٹھے یہ تصور جمانے کی کوشش کریں کہ آپ زمین پر بیٹھے ہُوئے نہیں ہیں ۔ بلکہ زمین پر سیدھے کھڑے ہُوئے ہیں اُور آپکا چہرہ مدینہ طیبہ کی جانب ہے۔ اُور گُنبد خِضرا سے سبز رنگ کی ایک روشنی نِکل کر آپکے تمام وَجود کو منور کررہی ہے۔ جسکی وجہ سے آپکے جسم سے تمام کثافت بہہ بہہ کر زمین میں جذب ہُورہی ہے۔۔۔اِس عمل کی وجہ سے آپکو جہاں رُوحانی بیداری کیساتھ قلبی سُکون مُیسر آئے گا۔ وہیں آپکو ایسا محسوس ہُوگا۔ جیسے آپکا جسم نہایت ہلکا پھلکا ہُوچُکا ہے۔ اُور آپ زمین کی کشش سے آزاد ہُوکر چاند کی سیر کو چلے آئے ہُوں۔۔۔

(قرض کی ادائیگی اُور دیگر مشکلات کیلئے صِرف ۳ دِن کا عمل)

جب بھی اِس عمل کو شروع کرنے کااِرادہ ہُو۔ تب ۲ یا تین دِن پہلے نفلی روزے رکھنے شروع کردیں۔ لوگوں سے غیر ضروری گفتگو سے پرہیز کریں۔ اپنی

آنکھ کان اُور زُبان کی حفاظت کریں۔ یعنی شریعت کے خلاف کوئی عمل اِن سے سرزد نہ ہُو۔ پانچ وقت کی نمازوں کو اُنکے وقت پر پڑھیں۔ ذکر واذکار۔ اُور درود شریف کی کثرت کیساتھ نفل نمازوں میں خُود کو مشغول رکھیں۔ سحری وافطار میں صرف سادہ کھانا۔۔۔ جیسے دال یا سبزی یا پھل تناول فرمائیں۔ کسی قسم کا نشہ چاہے وُہ کتنا ہی ہلکا اُور بے ضرر نظر آتا ہُو نہ کریں۔۔۔ دُوران عمل گوشت ،انڈہ، مچھلی، دُودھ، دہی، اُور دُودھ والی چائے کا استعمال بھی نہ کریں۔ عمل شروع کرنے سے قبل ممکن ہُو تو کسی یتیم بچے کی خیر خواہی فرمادیں۔۔۔ وگرنہ مسکین و غربا کی حسبِ توفیق اِمداد فرمادیں۔
عشاءَ کی نماز کے بعد جب سُونے کا وقت ہُوجائے یا بفضلِ خُدا تہجد نصیب ہُوجائے۔ تُو اسکے بعد یہ عمل شروع کریں۔ پہلے دُو رکعت نفل نماز پڑھ کر اُسکا ثواب تمام بُزرگان دین کو ایصال ثواب کردیں۔ پھر ایک تسبیح دُرود پاک کی پڑھ کر مصلے پر کھڑے ہُوجائیں جس طرح نماز میں قیام کرتے ہیں۔ اب آپ کے پاس ایک ایسی تسبیح ہُونی چاہیئے جس پر آپ بغیر غلطی کے (۴۰۰۰)۔ چار ہزار مرتبہ اِسم اللہ پڑھ سکیں۔ اگر۔ اِسم اللہ پڑھتے پڑھتے آپ درمیان میں کھڑے کھڑے تھک جائیں۔ تُو کُچھ دیر کیلئے یہ ذکر بیٹھ کر بھی کرسکتے ہیں۔ اُور جیسے ہی تھکن کا احساس ختم ہُوجائے۔ تب پھر سے کھڑے ہُو کر اسم اللہ کے ذکر میں مشغول ہُوجائیں ۔ یہانتک کہ چار ہزار کی تعداد پُوری ہُوجائے۔

پھر ایک تسبیح درودِ پاک کی پڑھ کر اپنے مقصد کیلئے رَبّ کریم کی بارگاہ میں رُوتے ہُوئے عاجزی سے دُعا کریں۔ یہ عمل تین دِن تک ایک مقررہ وقت و مقام پر کریں۔ پھر دیکھیں اللہ کریم کے اِس اسم اعظم کی برکت سے آپ کا بڑے سے بڑا مسئلہ چاہے وُہ قرض کا ہُو یا کسی اُور مشکل کا کیسے حل ہُوتا ہے۔ اُور کسطرح آپکے قلب میں اِسم اللہ کی برکتوں سے نُورانیت کے رَنگ بکھرتے ہیں۔۔۔!

اگر کسی کو ایک مرتبہ میں عمل کی تکمیل کے باوجود کامیابی نصیب نہ ہُو۔ تب بھی نا اُمید نہ ہُوں۔ بلکہ اپنے تمام اعمال کا بغور جائزہ لیں۔ اُور اپنے محاسبے کے دُوران آپکو اپنی کوئی کوتاہی یا خامی نظر آجائے۔ تُو اسکی اِصلاح کا سامان کریں۔ اُور کُچھ دِن بعد اِسی عمل کو دوبارہ دُہرائیں۔ لیکن زیادہ سے زیادہ اِس عمل کو سات مرتبہ کرنا چاہیئے۔ یہ عمل عروج ماہ یعنی چاند کی ۵ تاریخ سے ۱۰ کے درمیان میں کیا جانا زیادہ بہتر ہے۔ وقت اُور مقام کا خاص خیال رکھیئے۔ دُوران عمل تینوں دِن زیادہ سے زیادہ وقت باوضو رہنے کی کوشش کریں۔ اُور خُوشبو کا استعمال کریں۔ اِس عمل میں کسی قسم کا کوئی نقصان اُور رجعت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عمل آپ مؤکل کیلئے نہیں۔ بلکہ اپنی جائز حاجت کے برآنے کیلئے یا اپنی رُوحانی ترقی کیلئے کریں گے۔ پھر بھی اگر آپ مجھ سے اِجازت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو اِحسان وارثی بھائی کے

توسل سے مجھے میل کر سکتے ہیں۔اِس عمل کی کامیابی کا راز آپکے یقین میں چُھپا ہُوا ہے۔۔۔ جسقدر آپکا یقین مضبوط ہُوگا۔ اُسی قدر کامیابی کے اِمکان ذیادہ ہُونگے۔۔۔ اِس لئے کسی بھی قیمت پر۔۔۔ کِسی بھی قیمت پر۔ بے یقینی کی کیفیت خُود پر طاری نہ ہُونے دیں۔

اِحسانُ الحق وَارثی بھائی کا اِی میل ایڈریس اُور فیس بُک کا لنک نیچے موجود ہے۔

ahsanukk@gmail.com

http://www.facebook.com/ishratiqbal.warsi

اُس دِن میں حسب معمول جب اپنے رُوحانی اُستاد کے کاشانے پر حاضر ہُوا۔ تب اِتفاق سے سلیم صاحب بھی وہاں پہلے سے ہی موجود تھے۔ جو کہ عموماً ہر ہفتہ کی شام ہی وہاں مُوجود پائے جاتے تھے۔ (میں جب بھی لفظ رُوحانی اُستاد کا استعمال کرتا ہُوں۔ تب میری مُراد ہمیشہ اپنے اُستاد عشرت اقبال وارثی (رحمتہ اللہ علیہ) سے ہُوتی ہے۔ نا کہ اپنے مُرشدِ کریم سے۔۔۔ کیونکہ اپنے مُرشد کریم (رِحمتہ اللہ علیہ) کو میں ہمیشہ مُرشدِ کریم ہی لکھتاہُوں۔۔۔ میرے یہ اُستاد جو کہ اتفاق سے میرے ہم نام تھے۔ بلکہ بقول اُنکے

میں اُنکا ہم نام تھا۔۔۔ اُور یہ اُنکی مجھ پر خاص نوازش تھی۔ کہ وُہ میری تشنگی مِٹانے کیلئے خُود کراچی سے میرپُور خاص تشریف لائے تھے۔ یعنی پیاسہ کُنویں تک نہ پُہنچ سکا۔ تو خُود کُنواں ہی پیاسے کے پاس چلا آیا تھا۔ اُنکا یہ اِحسان (جو کہ در حقیقت میرے مُرشدِ کریم کا ہی فیضان تھا) میں تا زِندگی بُھلا نہیں پاؤں گا۔۔۔!

سلیم صاحب ہمیشہ کی طرح آج بھی اپنی ناکامیوں اُور مایُوسیوں کا رُونا رُو رہے تھے۔۔۔ جبکہ اُستاد مُحترم ہمیشہ کی طرح اُنکی دِلجوئی کا سامان فرما رہے تھے۔۔۔ جب سلیم صاحب واپس چلے گئے۔ تب میں نے تنہائی مُیسر آتے ہی اُستاد محترم سے سُوال کرڈالا۔۔۔

جناب میں کافی دِنوں سے دیکھ رہا ہُوں کہ سلیم صاحب آپ کے پاس ہر ہفتہ تشریف لاتے ہیں۔ اپنی پریشانیوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ پھر آپ اُنہیں کُچھ پڑھنے کیلئے بتاتے ہیں۔ لیکن وُہ ہمیشہ یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ تمام وَظائف اُور تمام دُعاؤں کے باوجود اُنکی کوئی دُعا قبولیت کا شرف حاصل نہیں کرپاتی۔۔۔

میرے اُستاد نے مُسکرا کر میری جانب دیکھتے ہُوئے کہا: تُو جونیئر عشرت وارثی صاحب آپکو کیا لگتا ہے۔ کیا وجہ ہُو سکتی ہے۔۔۔؟ جب بھی اُنکا مُوڈ خُوشگوار ہُوتا۔ یا اُنہیں میری کسی بات پر پیار آتا۔ وُہ اِسی طرح مجھے

جو نیئر عشرت وارثی کہہ کر مُخاطب کیا کرتے تھے۔ میں نے اپنے دُونوں ہاتھ نفی میں ہِلاتے ہُوتے اپنی لاعلمی کا اِظہار کرتے ہُوئے کہا۔۔۔ حضرت میں کیا جانُوں۔۔۔ آپ ہی بتادیجئے نا۔

بھئی وجہ معلوم ہُونا چاہیئے نا۔۔ اُور صرف وجہ ہی معلوم نہیں ہُونا چاہیئے۔ بلکہ اُسکی علت کے اسباب، اُور مرض کی تشخیص کے ساتھ اُسکا علاج بھی معلوم ہُونا چاہیئے۔

کیونکہ ہم نے تُو اپنی ساری زندگی ایک حُکم کے سبب گُمنامی کی نظر کرڈالی۔ لیکن تُمہارے ساتھ ایسا نہیں ہُوگا۔ تُم سے سوال بھی کئے جائیں گے اُور لُوگ جواب کی اُمید بھی رکھیں گے۔۔۔ پس جب تُم سے کوئی عِلمی سوال کیا جائے ۔ جسکا جواب تُم جانتے ہُو۔ تو جواب ضرور دینا۔۔۔ اُورجب کوئی تشنہ لب تُمہارے درتک پُہنچنے میں کامیاب ہوجائے۔ تب اُسکی پیاس بُجھانے میں بھی بُخل سے کام نہیں لینا۔ البتہ جاہلوں اُور کم علموں سے مُباحث سے ہمیشہ گُریز کرنا۔ ورنہ وقت کے ضیاع کے سِوا کُچھ بھی حاصِل نہ کرپاؤگے۔۔۔

جناب جب آپ نے اپنے لئے گُمنامی کو پسند کرلیا ہے۔ تو مجھے بھی اِسی راہ کا مُسافر بنادیجئے نا۔۔۔ کیونکہ لوگوں کے ہجوم میں رِہنے سے زیادہ مجھے بھی تنہائی کے لمحات پسند آتے ہیں۔۔۔ میں نے گُمنامی کی زِندگی کی خُواہش کرتے

ہُوئے اپنے اُستاد کی جانب دیکھا۔۔۔ ارے بیٹا یہ کوئی میرے اِختیار کی بات تھوڑی نا تھی۔ وُہ تُو بس حُکم کی تعمیل مقصود تھی۔ سو ناچار پڑا اِس راہ جانا۔۔۔۔ اُنہوں نے پھر سے تبسم فرماتے ہُوئے کہا۔

حضرت میں نے ایک سَادہ سا سُوال کیا تھا۔۔۔؟ شائد آپ جواب دینا نہیں چاہتے۔۔۔ میں نے اپنا سوال پھر سے دُہراتے ہُوئے ملتجانہ لہجے میں فریاد کی۔ میرے سوال دُہرائے جانے کے بعد وُہ چند لمحے خاموش رہے۔۔۔ پھر دھیمے دھیمے لہجے میں گُفتگو کی ابتداء کرتے ہُوئے سنجیدگی سے فرمانے لگے۔ بیٹا۔ اللہ کریم انسانوں سے جسقدر مُحبت کرتا ہے اِسکا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اُور نہ ہی دُنیا میں ایسا کوئی پیمانہ موجود ہے کہ،، جِسکے ذریعہ سے پروردِیگار کی اپنے بندوں سے مُحبت کو ناپا جاسکے۔۔اُور حضرتِ انسان سے اُس کریم رب عزوجل کی اِس مُحبت کی سب سے بڑی دلیل کے لئے یہی بات کافی ہے۔ کہ،، اُس کریم نے اپنے محبوب ﷺ اُور تمام انبیا کرام کو انسانوں کے درمیان ہی مبعوث فرمایا۔۔۔

پھر کیا وجہ ہُوسکتی ہے اللہ کریم اپنے بندوں کی دُعا قبول نہ فرمائے۔۔۔؟ اُنہوں نے خُود ہی سُوال قائم کرتے ہُوئے میری جانب دیکھا۔۔۔ میری خاموشی اُور محویت کو دیکھ کر اُنہوں نے پھر سے سلسلہِ کلام جاری رکھتے ہُوئے

مزید ارشاد فرمایا۔۔۔وُہ کریم و مہربان رَبّ تُو اپنے بندوں کی تمام دُعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ سِوائے اُس دُعا کے کہ،، جس میں انسانوں کے لئے ضرر موجود ہُو۔۔۔ لیکن پھر بھی کِسی مانگنے والے کو اگر اپنے مَن کی مُراد حاصِل نہیں ہُوتی تُو جان لُو کہ،،، اُس اِنسان کے لئے وُہ شئے فائدہ مند نہیں ہے۔۔۔ اب چاہے وقتی ضرر ہُو یا دائمی نقصان ہُو۔ خُدا عزوجل کے نہ دینے میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور پُوشیدہ ہے۔۔۔

حضرت وقتی ضرر اُور دائمی نقصان سے آپکی کیا مُراد ہے۔۔۔؟ میں نے وضاحت طلب نظروں سے سُوال کرتے ہُوئے کہا۔

دیکھو بیٹا وقتی ضرر کا مطلب ہے کہ،، کچھ وقت کا نقصان۔ بِلا تشبیہ،، اِسے اِس مِثال سے سمجھنے کی کوشش کرو کہ،، جیسے مدرسہ کا کوئی طالب اپنا سبق یاد کرتے کرتے اپنے اُستاد سے کہے کہ مجھے کھیلنے کی اِجازت دی جائے۔ حالانکہ اُس طالب کی یہ مانگ پُوری کرنے میں اُستاد کا کوئی حرج و نُقصان نہیں ہے۔ لیکن اُستاد جانتا ہے کہ اگر یہ وقت طالب نے کھیل میں گُزار دِیا تُو وُہ کلاس میں موجود دوسرے بچوں سے بُہت پیچھے رِہ جائے گا۔ اِس لئے وُہ اِس طالب عِلم کی یہ ادنی سی خُواہش اسلئے پُوری نہیں ہُونے دیتا۔ کہ اُستاد کی نِگاہ مستقبل کے خطرات کو بھانپ لیتی ہے۔ جبکہ بچہ یہ بات اُس

وقت نہیں سمجھ پاتا اُور اُسے لگتا ہے کہ جیسے اُستاد اُسکی خُوشیوں کا دُشمن ہُو۔ یا وُہ اِس سے قطعی مُحبت نہیں کرتا۔۔۔ جبکہ دائمی نُقصان سے یہ مُراد لی جاسکتی ہے۔۔۔ کہ بُہت سے شئے اگرچہ دیکھنے میں آنکھوں کوپُر کشش معلوم ہُوتی ہیں۔۔۔ لیکن درحقیت اُن اشیا کی قربت انسان کو خاکستر کرڈالتی ہے۔ جیسے کہ دِہکتا ہُوا انگارہ۔۔۔۔جو کہ بظاہر دیکھنے میں سُرخ یاقوت کی طرح ہی پُر کشش نظر آتا ہے۔۔۔۔ لیکن کیا کوئی بچہ اپنے والدین سے ہزار بار بھی اِس دہکتے انگارے کو ایک لحہ کیلئے بھی اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش ظاہر کرے۔۔۔۔ تُو کیا والدین ایک مرتبہ بھی اپنے گُوشہءِ جگر کو اِس بات کی اِجازت دیں گے۔۔۔؟ یقیناً وُہ ہزار مرتبہ ہی اپنے بچے کی اِس خُواہش کو رَد کردیں گے۔ بے شک آپ نے بجا فرمایا۔۔۔ مگر اِس کے عِلاوہ بھی کوئی بات دُعا کی قبولیت میں مانع ہُوسکتی ہے۔۔۔ میں نے اُن کے خَاموش ہُوتے ہی اگلا سوال پیش کردِیا۔۔۔۔ ہاں اگر یہ وجہ نہ ہُو تو ۲ دیگر وجوہات بھی ہُوسکتی ہیں۔۔۔ اُستادِ محترم نے اَثبات میں اپنی گردن ہِلاتے ہُوئے جواب دیا۔۔۔ اُن ۲ وجوہات پر بھی روشنی ڈال دیجئے نا۔۔ تاکہ میرے علم میں مزید کُچھ اضافہ ہُوسکے۔۔۔؟ میری دَرخواست پر اُنھوں نے اپنی کلائی پر نِگاہ ڈالتے ہُوئے کہا۔ رات بُہت بیت چُکی ہے تُمھارے گھر والے بھی تشویش میں مُبتلا

ہُونگے۔۔۔اِس لئے اب جاؤ۔ کل جب آؤ گے تب گُفتگو کو یہیں سے شروع کریں گے۔۔۔ میں جانتا تھا کہ،، اب میں لاکھ مِنت کروں تب بھی اُنکا اِرادہ نہیں بدلنے والا ہے۔ کیونکہ وُہ والدین اُور حُقوقُ العباد کا بُہت ذیادہ خیال رکھنے والے ہیں۔ ناچار مجھے گھر جانا پڑا۔۔۔۔ لیکن دوسرے دِن عشاءَ کی نماز سے فارغ ہُوتے ہی میں اُن کے آستانے پر پُہنچ گیا۔۔۔

اُنہوں نے مجھے اپنے گلے سے لگانے کے بعد اپنے قریب بِٹھالیا۔۔۔ پھر مُسکرا کر میری بے چینی کو بھانپتے ہُوئے فرمانے لگے۔۔۔ رات نیند تُو آ گئی تھی نا۔۔۔؟ میں نے اُنکا اِشارہ سمجھتے ہُوئے کہا۔۔۔ جی حضرت نا چاہتے ہُوئے بھی آ ہی گئی تھی۔۔۔۔ دیکھو بیٹا ماں باپ کے نافرمان کو جنت تو کُجا دُنیا ہی تنگ پڑ جاتی ہے۔۔۔ اُور پھر جِسے خُدا کی تلاش ہُو۔یا۔۔ آخرت کی فِکر ہُو۔۔۔ اُسے تو اُور بھی پھونک پھونک کر قدم بڑھانے چاہیئں۔ ورنہ ایک ٹھوکر ہی آسمان کی بُلندیوں سے قصرِ مذلت کی گھاٹیوں میں گِرانے کیلئے کافی ہُوتی ہے۔۔۔ میں نے اُنکا مطلب سمجھ کر اپنی گردن رضا کے واسطے خم کرتے ہُوئے کہا۔ آپ بجا فرماتے ہیں حضرت آئیندہ اُور ذیادہ اِحتیاط کرونگا۔۔۔ اُن کے چہرے پر میرے جواب سے خُوشی کی ایک لہر سی دُوڑ گئی۔

کُچھ لمحے مزید وَالدین کے حقوق سے، متعلق نصیحت فرمانے کے بعد آپ نے اپنی

گفتگو کو دوبارہ کل کی گذشتہ باتوں سے جوڑتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ بیٹا جیسا کہ کل میں بتا رہا کہ اگر کسی دُعا میں انسان کے لئے ضرر بھی نہ ہو۔ تو ۲ مزید وجوھات بھی دعا کی قبولیت میں مانع ہوسکتی ہیں۔ جس میں پہلی وجہ تو یہ ہوسکتی ہے۔ کہ انسان اللہ کریم کی واضح ممانعت کے باوجود سرکشی پر اُتر آئے۔ اُور کسی ایسے فعل میں مشغول ہوجائے۔ جو خُدا کی رضا کے بالکل برخلاف جاتا ہو۔ جیسے شرک یا سودی معملات میں مشغول ہوجانا۔۔۔ جبکہ دُوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے۔ کہ انسان کا اپنے رَبّ سے ربط باقی نہ رہے۔۔۔

حضرت پہلی وجہ تو مجھے سمجھ آ گئی۔ لیکن دوسری وجہ عقل میں نہیں سمائی۔ بھلا یہ کسطرح ممکن ہے کہ بندے کا خالق سے ربط ہی باقی نہ رہے یہ تو ناممکن سی بات لگتی ہے۔۔۔ اِس بات سے آپ کی کیا مُراد ہے۔۔۔؟ اُور آخر کسطرح یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بندے کا خُدا سے ربط ختم ہوچکا ہے۔ میں نے بیچ میں لُقمہ دیتے ہوئے کئی سُوالات کرڈالے۔۔۔ ۔۔۔ بُہت اچھے سوالات کئے ہیں تُم نے۔ اُنہوں نے تحسین بھرے لہجے میں سَراہتے ہُوئے مجھے مُخاطب کیا۔۔۔ دَراصل رَبط باقی نہ رہنے سے میری مُراد یہ تھی کہ،، بندے کا اِسطرح سے اپنی زندگی کے سفر کو طے کرنا کہ جسمیں اُسکی اپنی خُواہشات تُو موجود ہوتی ہیں۔ لیکن اپنے مالک کی رضا شامل نہیں ہُوتی۔ جسکی وجہ سے بندے کا انتہائی کمزور تعلق اپنے رَب سے باقی رِہ جاتا ہے۔۔۔ اُور جس پیرائے

میں تُم سُوچ رہے ہُو۔ واقعی اُس پیرائے میں تو کبھی بھی خالق کا مخلوق سے رَابطہ ٹُوٹ ہی نہیں سکتا۔ یعنی بندہ جب بھی پلٹ کر خالق کو پُکارے گا۔ تب تب خالق کو وُہ اپنے بُہت ندیک پائے گا۔۔۔ لیکن میں جس تعلق کی بات کررہاہُوں۔۔۔ وُہ ایسا ربط ہے جس میں بندہ ہر لحظہ ہر ساعت خُود کو رب کے سامنے حاضر محسوس کرتا ہے۔ اُور یہی احساس اُسے گُناہ اُور نافرمانی سے دُور رکھنے کا باعث ہُوتا ہے۔ اُور اسکی تشخیص ہر ایک شخص تھوڑے سے غُور و فِکر کے بعد خُود حاصِل کر سکتا ہے۔

اِس ربط کے کمزور ہُونے کی ایک نِشانی تو یہ ہے۔۔۔ کہ عموماً جب بندے سے کوئی خطا کوئی گُناہ سرزد ہُوجاتا ہے۔ تب اُسکے مَن میں اِحساس ندامت پیدا ہُوتا ہے جسکی وجہ سے وُہ بندہ اپنی خطا کی معافی اپنے رَب سے طلب کرلیتا ہے۔ اُور پاک ہُوجاتا ہے۔۔۔ لیکن متواتر گُناہ کرنے کے بعد بھی اگر احساس شرمندگی نہ ہُو۔۔۔ تُو سمجھ لینا چاہیئے کہ ربط خطرے میں ہے۔۔۔!

دوسری نشانی یہ ہے کہ ۔۔۔ جس بندے کو مخلوقِ خُدا خُود سے کمتر اُور حقیر نظر آنے لگے۔۔۔ اُن کا خُون ، اُنکی آبرو، بے قیمت نظر آنے لگے۔ تب جان لینا چاہیئے کہ خُدا سے ربط ٹُوٹنے کو ہے۔ کیونکہ اِسکا نفس خُود خُدائی کا خواہشمند ہے۔۔۔۔! تب اُسکی دُعائیں کیوں کر

مستجاب ہُو نگی۔۔۔؟

اُور بیٹا آخری بات یہ ہے کہ۔۔۔ جب تُمہیں کسی بندے کا خُدا سے ربط معلوم کرنا ہُو۔۔۔ تب یہ دیکھ لینا کہ وُہ خُدا کے بندوں سے کسقدر محبت رکھتا ہے جو مخلوقِ خُدا کی اذیتوں پر جسقدر تکلیف محسوس کرے گا۔ اُور اُن کے مصائب و پریشانیوں کو دُور کرنے میں مصروفِ عمل نظر آئے گا۔۔۔ اُسکا ربط، اُسکا تعلق اپنے پروردیگار سے اُسی قدر مضبوط ہُوگا۔۔۔ اُور جو مخلوقِ خُدا سے بیزار نظر آئے۔یا۔ جِسکو۔ مخلوقِ خُدا کی ہلاکت و پریشانی سے خُوشی حاصل ہُو۔۔۔ دراصل وہی خَسارے میں ہے۔ اُور وہی رَبط کھو بیٹھا ہے۔۔۔

اُستادِ محترم کی گُفتگو میں ایسی چاشنی اُور اُن میں ایسی دانائی وحکمت کے گُوہر پُوشیدہ تھے۔ کہ دِل سے صِرف ۔۔ ھل مِن مزید۔۔۔ کے ترانے بُلند ہُورہے تھے مگر نجانے کیا ہُوا۔۔۔ کہ اُستاد محترم چُونک کر ایکدم کھڑے ہُوگئے۔ اُور مجھ سے فرمانے لگے۔۔ عشرت میاں ہمارے کُچھ مہمان آنے والے ہیں۔ اسلئے اِس موضوع پر پھر کبھی گُفتگو کریں گے۔۔۔ فی الحال آپکو یہاں سے جانا ہُوگا۔ اتنا کہہ کر اُنہوں نے مجھ سے مُصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھادیا۔ نہ چاہتے ہُوئے بھی مجھے اُن سے الوداعی مصافحہ کرنا پڑا۔۔۔ پھر وُہ صدر دروازے کی جانب بڑھے۔ اُور کُنڈی کھول کر دروازے میں کسی کے استقبال کیلئے

کھڑے ہُوگئے۔۔۔ میں اپنی چپلیں سنبھالے جب دروازے کے نذدیک پُہنچا۔ تب تک کُچھ لُوگ ایک بچے کو ہاتھوں میں تھامے دروازے سے اندر داخل ہُورہے تھے۔ مُلگجی رُوشنی میں جب میں نے اُنکے چہرے دیکھنے کی کُوشش کی۔ تُو اُنکی سُرخ آنکھوں میں دِہکتے چراغوں کو دیکھ کر میرے جسم کا رُواں رُواں کھڑا ہُوگیا۔ آنے والے مہمانوں کو دیکھ کر مجھے اِس قدر بہرحال اندازہ ہُو ہی چُکا تھا۔ کہ آنے والے چاہے جو بھی ہُوں۔۔۔ مگر وُہ کم از کم انسان نہیں ہیں۔۔۔۔۔۔

پلکوں سے دَرِیار پہ دَستک دینا

اُونچی آواز ہُوئی عُمر کا سرمایہ گیا

عامل کامل اَبُو شامل قسط۔17 (طمانچہ)۔

گُذشتہ (١٦)۔ اقساط کا خُلاصہ۔۔۔

یہ کہانی ہے۔ ایک ایسے نُوجوان کامل علی کی جس کے سر سے اُسکے والد کا سایہ بچپن میں ہی اُٹھ گیا۔۔۔ والدہ کی نوجوانی میں بیوگی سے بے شُمار مسائل جنم لینے لگتے ہیں۔
حالات سے تنگ آ کر کامل علی کی بیوہ والدہ پھر سے مولوی رمضان کی دُلھن بن جاتی ہے۔۔ کامل علی کو اپنے ہمسائے چاچا ارشد کی بیٹی نرگس سے بُہت دِلی لگاؤ پیدا ہُوجاتا ہے۔جُو دھیرے دھیرے مُحبت میں تبدیل ہُوجاتا ہے۔
حالات اُور زمانے کے بار بار ستائے جانے پر کامل علی رُوحانی عملیات کی جانب راغب ہُوجاتا ہے۔تُو وہ تمام زمانے سے خاص کر چاچا ارشد سے بدلہ لینا چاہتا ہے۔
لیکن بار بار چلہ کاٹنے کے باوجود بھی ناکامی اُسکا مقدر ٹہرتی ہے۔ وُہ ایک بنگالی جادوگر کی شاگردی اِختیار کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ہر بار ایک مَجذوب (بابا صابر) اُسکے راستے میں دیوار کی مانند کھڑا ہُوجاتا ہے۔ اُستاد عبدالرشید کے بار بار سمجھانے پر بھی جب کامل علی عملیات سے باز نہیں آتا۔ تب اُستاد عبدالرشید اُسے ایک اللہ کے ولی ،،میاں صاحب ،،کے پاس

بھیجتا ہے۔ لیکن یہاں بھی ناکامی کامل علی کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اُور وہ خالی ہاتھ ہی اپنے گھر لُوٹ آتا ہے۔

افلاطون نامی ایک نوجوان کامل علی کے گھر میں گُھسنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کامل علی دھکے دے کر اُسے گھر سے نِکال دیتا ہے۔ لیکن جب وُہ دروازے میں کنڈی لگا کر پلٹتا ہے۔ تُو اُسی نوجوان کو اپنے بستر پر دراز دیکھتا ہے۔ افلاطُوں جسکی کُنیت ابو شامل ہے۔ اُسے بتاتا ہے۔ کہ وُہ ایک جِن زادہ ہے۔ اُور ایک عامِل اُسکے پیچھے پڑا ہے کیونکہ وُہ کافی طاقتور جن ہے۔ افلاطُون پیشکش کرتا ہے کہ اگر کامل علی اُس عامل سے بچانے میں اِسکی مدد کرے تُو،، افلاطُون دُوست بن کر دُنیا کی ہر شئے کو اسکے قدموں میں لا کر ڈال سکتا ہے۔ کامل علی افلاطون کی پیشکش قبول کرلیتا ہے۔ دُونوں جہلم جلباب سے مُلاقات کا پروگرام بنا لیتے ہیں۔ جلباب سے مُلاقات کے بعد ٹیکسی میں سفر کرتے ہُوئے ابو شامل ڈرائیور کی مدد کرتے ہُوئے اُسے ٹیکسی کی رقم قرض میں دینے کی آفر کرتا ہے۔

اَب مَزید پڑھیئے۔۔۔

ابو شامل نے گولف کورس گراؤنڈ آنے پر ٹیکسی سے اُترتے ہُوئے زمان کو یقین

دِلایا کہ۔۔۔ وُہ کل رات اِسی ٹائم اُور اِسی مقام پر اُسکا انتظار کرے گا۔ اِسلئے کل وُہ اپنے ڈاکومینٹس لیکر یہیں آجائے۔ ڈاکومینٹس جمع کروانے کے ایک ہفتے کے اندر اندر اُسے ٹیکسی خریدنے کیلئے مطلوبہ رقم مِل جائے گی۔ زمان نے ابو شاہل کا شُکریہ اَدا کرتے ہُوئے کہا۔۔۔ صاحب جی۔۔۔ اگر ایسا ہُوگیا تو میں اُور میرے بچے تازِندگی آپکو اپنی دُعاؤں میں ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے۔ زمان کے لہجے سے اِحسان مندی اُور تشکر کے جذبات کا اِظہار ہُورَہا تھا۔۔۔

کیا تُم واقعی اُسکی مدد کیلئے جہلم واپس آؤ گے۔۔۔؟ یا یُونہی وقت پاس کرنے کیلئے اُس غریب ڈرائیور کیساتھ کھیل رہے تھے۔۔۔؟ زمان کے جاتے ہی کامل علی نے استفہامیہ انداز میں ابو شامل کو دیکھتے ہُوئے سوال کیا۔۔۔ نہیں یار میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہُوں۔ جو کسی کے جذبات کے ساتھ کھیلتے ہیں یا کِسی کو جھوٹی اُمید دِلاتے ہیں۔۔۔ میں واقعی اُسکی مدد کرنا چاہتا ہُوں اُور اسکے لئے مجھے چاہے جتنی مرتبہ بھی جہلم آنا پڑے میں ضرور آؤنگا۔۔۔ اُور ڈاکومینٹس بھی صرف خانہ پُری کیلئے مانگ رہا ہُوں تاکہ اُسے شک نہ پڑے۔۔۔ جہلم دُوبارہ آنے کا ایک مقصد جلباب کے شوہر کی اِصلاح کا کُچھ سامان کرنا بھی ہے۔ وُہ لاتوں کا بھوت ہے جو صِرف باتوں سے ماننے والا نہیں۔۔۔ اسلئے میں نے اُسکے لئے بھی کُچھ پلاننگ سُوچ کر رکھی ہے۔ کُچھ خوراک تو آج ہی

دینی ہے۔۔۔اسلئے جب تم نرگس سے مِلو گے تب میں واپس آ کر ارشد کو کُچھ مزہ چکھانے کی کوشش کرونگا۔ابو شامل نے حتمی لہجے میں جواب دیتے ہُوئے اپنی بات مکمل کی۔

ویسے یار ایک بات کہوں آج جلباب سے بار بار جھوٹ بولتے ہُوئے میرے تو اِس سردی میں بھی پسینے چُھوٹ گئے تھے۔اُوپر سے تُم نے سیالکوٹ کا تذکرہ چھیڑ دِیا۔۔۔ کامل علی نے اَبو شامل کو متوجہ کرتے ہُوئے کہا۔۔۔ کُچھ نہیں ہُوتا یار۔۔۔ دھیرے دھیرے سب سیکھ جاؤ گے۔۔۔ ابو شامل نے اپنے بالوں سے کھیلتے ہُوئے اپنے ہیر اِسٹائل کو یکسر تبدیل کر ڈالا۔۔۔۔ نہیں بھائی میں کوئی پروفیشنل اداکار یا سیاست دان تُو ہُوں نہیں جو بڑے اعتماد سے جھوٹ بولتا چلا جاؤں۔ ویسے بائی دا۔وے کیا میں پُوچھ سکتا ہُوں۔ کہ یہ سیالکوٹ کا تذکرہ ایویں مذاق میں آگیا تھا گُفتگو کے دُوران ۔۔۔ یا اِس میں بھی کوئی خاص راز چُھپا ہے جناب من۔۔۔ کامل نے سردی کا اِحساس ہُوتے ہی اپنے ہاتھ جیکٹ میں چھپاتے ہُوئے شُوخی سے کہا۔

تُم نے صحیح پہچانا۔سیالکوٹ کا تذکرہ واقعی میں نے ایک سبب سے کیا تھا میرے یار۔۔۔ مگر میں ابھی تُم کو کچھ نہیں بتاؤنگا۔ بلکہ گھر پُہنچ کر تمہیں اُسکی وجہ بتاؤں گا۔۔ کیونکہ ابھی تُو ہمیں نرگس کے گھر بھی جانا ہے۔اُور

یہاں کھلے میدان میں سردی بھی غضب ڈھارہی ہے۔۔۔نرگس کا تذکرہ کرتے ہُوئے ابو شامل نے شرارت بھری نظروں سے کامل علی کی جانب دیکھا۔۔۔کامل علی کے چہرے پر شرم کی وجہ سے کئی رنگ آکر گُزر گئے۔۔۔۔بڑی شرم آرہی ہے جناب کو۔۔۔؟ ابوشامِل نے شرارت کرتے ہُوئے کامل علی کی کَلائی کو زُور سے بھینچتے ہُوئے کہا۔۔۔ افلاطون کلائی تُو چُھوڑ دُو یار۔بُہت درد ہُو رہا۔۔۔ایسا محسوس ہُورہا ہے۔۔ جیسے کِسی آہنی شکنجہ میں میرا ہاتھ پھنس گیا ہُو۔۔۔! کامل علی نے اپنی خِفت مِٹانے کیلئے بات بنائی۔۔۔۔۔۔ لُو جی چُھوڑ دِیا آپکا ہاتھ۔۔۔ ابو شامل نے یکدم کامل علی کا ہاتھ جھٹکے سے چُھوڑتے ہُوئے کہا۔۔۔کامل علی اِس غیر متوقع جھٹکے کیلئے قطعی تیار نہیں تھا۔جِس کی وجہ سے وُہ اپنا توازن سنبھال نہیں پایا۔اُور زمین پر ڈھیر ہُوگیا۔۔۔۔ یار یہ کونسا طریقہ ہے ہاتھ پکڑنے اُور چُھوڑنے کا۔۔کامل علی نے ناراضگی کا اِظہار کرتے ہُوئے کہا۔

بھائی صاحب محبوب کے دیس پُہنچنے کیلئے چُھوٹے مُوٹے جھٹکے تُو برداشت کرنے ہی پڑتے ہیں۔ابو شامِل نے فِضا میں اپنے دُونوں ہاتھ بُلند کرتے ہُوئے انگڑائی لی۔۔۔۔ محبوب کے تذکرے پر کامل علی نے دائیں بائیں دیکھا تو وُہ حیران رِہ گیا۔۔۔گُولف کُورس کا دُور دُور تک نام ونِشان نہیں تھا۔اب وُہ ایک جگمگاتی شاہراہ پر گُول چُورنگی کے نزدیک کھڑے تھے۔کامل علی نے

اتنی پُررُونق اُور وسیع شاہراہ اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھی تھی۔ یہاں گاڑیاں صرف زمین پر ہی نہیں چل رہی تھیں بلکہ فضا میں معلق سڑک پر بھی بڑی بڑی گاڑیاں رَواں دَواں تھی۔۔۔ کامل علی کے مُنہ سے بے ساختہ نِکلا۔۔۔ یار اَبو شامل یہ کونسی جگہ ہے۔۔۔؟

یہ کراچی ہے میری جان۔۔۔ جِسے روشنیوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔۔۔ اُور یہ فلائی اُوور ہے۔۔۔۔ جِسے تم اتنے غُور سے دیکھ رہے ہُو۔۔۔۔ ابو شامل نے کامل علی کی مُتجسس نگاہوں کا تعاقب کرتے ہُوئے اُسے آگاہ کیا۔۔۔۔ اچھا تُو یہ ہے کراچی۔۔۔۔ یار یہاں کی سڑکیں تُو واقعی بُہت بڑی بڑی ہیں۔۔۔۔ میں نے اُستاد عبدالرشید سے سُنا تھا۔ وُہ بتا رہے تھے کہ یہاں آنے والوں پر یہ شہر اپنا سحر طاری کردیتا ہے۔ جُو یہاں ایکبار آجائے وُہ پھر واپس جانے کا نام نہیں لیتا۔۔۔۔

ہاں میرے دُوست یہ شہر کبھی ایسا ہی ہُوا کرتا تھا۔ جیسا ابھی تُم نے بیان کیا ہے۔۔ مگر اب شائد یہ کسی بد نظر کی منحوس نِگاہوں کا شِکار ہُوگیا ہے۔ رُوزانہ بے شمار لُوگ یہاں اندھی گولیوں کا نِشانہ بن جاتے ہیں۔۔۔ گھر سے باہر جانے والوں کا انتظار گھر والے ایسے کرتے ہیں۔۔۔ جیسے وُہ گھر سے باہر نہ گیا ہُو۔ بلکہ مقتل گاہ میں چلا گیا ہُو۔۔۔۔ ابو شامل نے حسرت ویاس کی

ہلی جُلی کیفیت میں تبصرہ کرتے ہُوئے کہا۔۔۔

مگر ہم یہاں آج کیوں آئے ہیں۔ آج تُو ہمیں نرگس کے گھر جانا تھا نا۔۔ کامل علی نے اپنی کلائی میں وقت دیکھتے ہُوئے کہا۔۔ جہاں رات کے پونے دُو بج رہے تھے۔۔۔۔ اُو میرے بُھولے بادشاہ محبوبہ تیری ہے۔ اُور تُجھ ہی کو خبر نہیں کہ آجکل میڈم نرگس صاحبہ اپنے ایک بچے کیساتھ ناظم آباد کے ایک فلیٹ میں رِہتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اچھا مجھے تُو واقعی کوئی خبر نہیں تھی۔۔۔۔ پھر کہاں ہے نرگس کا فلیٹ۔۔۔؟ کامل علی کے لہجے میں بچوں جیسا اشتیاق مُوجود تھا۔۔۔۔۔۔۔ وُہ سامنے والے اپارٹمنٹ کے تھرڈ فلور پر موجود ہے۔۔۔ جا میرے یار مزے کر میں صبح واپس آؤنگا۔۔۔ ابو شامل نے کامل علی کو آنکھ مارتے ہُوئے کہا۔۔۔۔۔

نہیں یار ایسے کسطرح چلا جاؤں ۔ وہاں اُسکا شوہر بھی تُو موجود ہُوگا۔ اُور پھر اپارٹمنٹ کا چوکیدار نہیں ہُوگا کیا۔۔۔؟ اُس سے کیا کہوں گا۔۔۔ نہیں تُم ساتھ چلو۔۔۔ بلکہ ایسا کرو مجھے رات بھر کیلئے غائب کردُو۔ کامل علی نے کُچھ سُوچتے ہُوئے کہا۔۔۔۔۔ اُو بھائی پہلی بات تو یہ ہے کہ تُمھاری نرگس وہاں اپنے شوہر کیساتھ نہیں بلکہ تنہا اپنے بچے کیساتھ رہتی ہے۔ کیونکہ اُس کے شُوہر نے تیسری شادی کسی شُو بز ڈانسر سے کرلی ہے۔ اُور آجکل

موصوف اکثر وہیں پائے جاتے ہیں۔۔۔ دُوسری بات یہ ہے کہ وُہ تُمھاری محبوبہ ہے۔ ہم دُونوں کی مشترکہ نہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ اِس اپارٹمنٹ میں سیکیورٹی کا کوئی انتظام نہیں ہے۔۔۔ سیکیورٹی تُو دُولت مندوں کو چاہیئے ہُوتی ہے۔ اُور اِس اپارٹمنٹ میں تو سبھی متوسط طبقہ کے لُوگ رہتے ہیں۔۔ جُو خُود ہی ایک دوسرے کی ٹُوہ میں بھی لگے رہتے ہیں۔ اُور ساری رات گپ شپ کی وجہ سے خُود ہی سیکیورٹی کے فرائض بھی انجانے میں ادا کرتے رِہتے ہیں۔ ہاں البتہ میں یہ کردیتا ہُوں کہ تُمھیں نرگس جی کے دروازے کے سامنے کردیتا ہُوں۔ اِتنا کہہ کر ابو شامل نے کامل علی کو ہلکا سا پُش کیا جسکی وجہ سے کامل علی نے خُود کو ایک دروازے کے سامنے پایا۔ کامل علی نے یہاں وَہاں نظریں دُوڑائیں لیکن ابو شامل کہیں بھی نظر نہیں آیا۔۔۔

کامل علی کُچھ لمحات تک اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کُوشش کرتا رَہا۔ یہاں تک کہ اُسکی سانسوں کی لے نارمل ہُو گئی۔ اُسے ایک طرف جلد سے جلد نرگس کو دیکھنے کی تمنا تھی۔ تو دوسری طرف یہ خطرہ بھی موجود تھا کہ کوئی اچانک آ نہ جائے۔۔۔ اُور اگر کسی نےپُوچھ لیا کہ میاں رات کے ۲ بجے یہاں کیسے کھڑے ہُو۔ تو بُہت گڑبڑ ہوجانے کا اندیشہ ہے۔۔۔۔ یہی سُوچ کر کامل علی نے دھڑکتے دِل سے فلیٹ کی ڈُور بیل پر ہاتھ رَکھ دیا۔ وُہ چھوٹی چھوٹی بیل بجاتا رَہا۔۔۔ چُوتھی پانچویں بیل پر اندر سے کُچھ کھٹر پٹر کی آواز

سُنائی دی۔۔۔ کامل علی کا دِل ایک مرتبہ پھر سے زُور زُور سے دھڑکنے لگا۔۔۔ لیکن جونہی نرگس نے اپنی مترنم مگر سخت آواز میں اندر سے پُوچھا کُون ہے۔۔۔؟ تُو کامل علی کی خُوشی سے چیخ نِکلتے نِکلتے رِہ گئی۔اِس آواز کو کامل علی ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔ یہ اُسی کافراَدا کی آواز تھی۔ کہ جسکو سُننے کیلئے کامل کے کان ایک مُدت سے ترس رہے تھے۔۔۔ جواب نہ مِلنے پر اندر سے پھر نرگس کی آواز بُلند ہُوئی ۔۔۔کُون ہے۔بُولتے کیوں نہیں۔۔

میں ہُوں کامل علی۔۔۔۔ کامل کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نِکلی۔کُون کامل علی۔۔۔ میں کسی کامل علی کو نہیں جانتی۔۔۔۔ اندر سے دُوبارہ نرگس کی آواز بُلند ہُوئی۔۔۔۔ نرگس میں ہُوں کمالا۔۔۔ تُمہارا پڑوسی۔۔۔۔ کامل علی نے ارد گرد دیکھتے ہُوئے مُناسب الفاظ کا انتخاب کرتے ہُوئے دھیمے لہجے میں جواب دِیا۔۔۔۔۔ اندر کُچھ لمحوں کیلئے سکوت قائم ہُوگیا۔۔۔۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازے سے ملحق گِلاس وِنڈو میں روشنی کے آثار نظر آئے۔۔۔ پھر ایک نسوانی ہَیولا اُس رُوشنی کے درمیان نظر آنے لگا۔۔۔۔ جیسے کوئی باہر آنے والے مِہمان کو جانچنے کی کوشش میں مصروف ہُو۔۔ تھوڑی سی خاموش نگاہوں سے جانچ پڑتال کے بعد وُہ نسوانی ہیولا روشنی کے اُس دریچے میں کھوگیا۔۔۔دَروازہ کھُلنے کی آواز کے ساتھ ہی نرگس کا چہرہ نظر آیا۔۔۔ نرگس کے

چہرے پر نِگاہ پڑتے ہی کامل علی کے من آنگن میں چاندنی سی بِکھر گئی۔۔کامل علی بڑے انہماک سے اُسکے سراپے کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔۔ جسکی تپش نرگس کے چہرے کو تمتمائے جا رہی تھی۔۔۔۔ نرگس کے سراپا میں شادی کے باوجود کوئی خاص تبدیلی واقع نہیں ہُوئی تھی۔ سِوائے اِسکے کہ اُسکی کمر پہلے کے مقابلے میں کُچھ فربہ دِکھائی دے رہی تھی۔۔۔۔ کہو کامل یہاں کیسے آنا ہُوا۔۔۔؟ اُور وُہ بھی رات کی اِس تاریکی میں۔ جبکہ تُم خُوب جانتے ہُو کہ،، اگر کسی نے دیکھ لیا۔۔۔۔۔تُو۔۔۔۔ میں ایکبار پھر کسی کی نِگاہوں سے گر سکتی ہُوں۔۔۔۔ نرگس نے کامل کی محویت کو تُوڑتے ہُوئے آہستہ سے کہا۔

کیا اتنی مُسافت طے کرکے آنے والے مُسافر کو اپنے گھر میں بھی نہیں بُلاؤ گی۔۔۔؟ کامل علی نے اُداس لہجے میں نرگس کے چہرے کو دیکھتے ہُوئے کہا۔۔ نرگس نے تھوڑے سے تذبذب کے بعد کُچھ سُوچتے ہُوئے کامل علی کے لئے راستہ چھوڑ دِیا۔۔۔ فلیٹ میں داخِل ہُونے کے بعد کامل علی نے فلیٹ کا سرسری سا جائزہ لیا۔۔۔۔ یہ دُو کمروں کا ایک چھوٹا سا گھر تھا۔۔ جِس میں اگرچہ بظاہر کوئی آسائش کا سامان نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن پھر بھی جِس طرح تمام گھر کو قرینے سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ وُہ اہلخانہ کی نفاست و ہُنرمندی کی داستان سُنانے کیلئے کافی تھا۔۔۔

نرگس نے ایک کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کرسی کی جانب اِشارہ کرتے ہوئے کامل علی کو بیٹھنے کیلئے کہا۔۔۔اِس کمرے میں پلاسٹک کی اُس کرسی کے علاوہ ایک سنگل بیڈ موجود تھا۔۔۔کامل کے کرسی سنبھالتے ہی نرگس بھی بیڈ پر سِمٹ کر بیٹھ گئی۔بیڈ کے درمیان میں ایک دُو سالہ بچہ اپنا انگوٹھا مُنہ لئے نیند کی حالت میں مُسکرا رہا تھا۔۔۔۔

یہ میرا بیٹا طارق ہے۔نرگس نے بچے کی جانب اِشارہ کرتے ہُوئے دھیمے لہجے میں کامل علی کو آگاہی بخشی۔۔۔بُہت پیارا بچہ ہے ماشاءَاللہ بالکل تُم پر گیا ہے۔کامل نے بچے کو بغور دیکھتے ہُوئے کہا۔

کامل تُمہیں یہاں نہیں آنا چاہیئے تھا۔۔۔ہمارے درمیان جو کچھ بھی تھا۔اُسے ختم ہُوئے ایک مُدت گُزر چکی ہے۔میں وُہ تمام باتیں ماضی کا قصہ سمجھ کر بُھول چکی ہُوں۔۔۔اسلئے میرے خیال میں تُمہیں میرے گھر آتے ہُوئے احتیاط کرنی چاہیئے تھی۔۔۔میں ایک مرتبہ پہلے اپنے والدین کی نظروں سے گر چکی ہُوں اُور اب اپنے شوہر کی نِگاہوں سے گرنا نہیں چاہتی۔۔۔اگر تُم ایک طویل مُسافت طے کرکے میرے شہر سے رات کے اِس پہر میرے گھر نہ آئے ہُوتے تو میں ہرگز تُمہیں اپنے گھر میں داخل ہُونے کی اجازت نہ دیتی۔۔۔مجھے اِس بات سے بھی غرض نہیں ہے۔کہ تُم یہاں صرف میرے لئے آئے ہُو۔یا کراچی کی رُونقوں سے محظوظ ہُونے کیلئے۔۔۔۔میں تُو بس اتنا چاہتی ہُوں کہ جس قدر

جلد ہُوکے تم یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے واپس لُوٹ جاؤ۔۔۔
نرگس کی گفتگو کامل علی کے سینے کو برچھی کی طرح چھلنی کئے جارہی تھی۔۔۔ جسکی وجہ سے نہایت رازداری سے اُسکی آنکھیں اَشکوں کو الودع کہہ رہی تھیں۔۔۔ کامل علی سُوچ رَہا تھا۔۔۔ کیا یہ وہی نرگس ہے۔ جو مجھے دیکھے بِنا چین سے سُو بھی نہیں پاتی تھی۔۔۔ اُور کیا یہ وہی نرگس ہے کہ جس کو پانے کیلئے وُہ تمام زمانے سے لڑنے کیلئے تیار تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

جاری ہے)۔)

اُسکا کہنا ہے۔ کِسی اُور کو دیکھوں نہ کبھی
کیوں کہ اُسکو یہ میرا رُوپ بُرا لگتا ہے
مجھکو ہر چہرے میں آتی ہے نظر اِک وُہ ہی
جُو نہ بھر پائے یہ بہرُوپ بُرا لگتا ہے

عامل کامل ابو شامل قسط ۱۸۔ (طمانچہ)۔

گُذشتہ (17)۔ اقساط کا خُلاصہ۔۔۔

یہ کہانی ہے۔ ایک ایسے نُوجوان کامِل علی کی جس کے سر سے اُسکے والد کا سایہ بچپن میں ہی اُٹھ گیا۔۔۔ والدہ کی نوجوانی میں بیوگی سے بے شُمار مسائل جنم لینے لگتے ہیں۔

حالات سے تنگ آ کر کامل علی کی بیوہ والدہ پھر سے مولوی رمضان کی دُلہن بن جاتی ہے۔۔ کامِل علی کو اپنے ہمسائے چاچا ارشد کی بیٹی نرگس سے بُہت دِلی لگاؤ پیدا ہُوجاتا ہے۔جُو دھیرے دھیرے مُحبت میں تبدیل ہُوجاتا ہے۔

حالات اُور زمانے کے بار بار ستائے جانے پر کامل علی رُوحانی عملیات کی جانب راغب ہُوجاتا ہے۔ تُو وہ تمام زمانے سے خاص کر چاچا ارشد سے بدلہ لینا چاہتا ہے۔ لیکن بار بار چلہ کاٹنے کے باوجود بھی ناکامی اُسکا مقدر ٹہرتی ہے۔ وُہ ایک بنگالی جادوگر کی شاگردی اِختیار کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ہر بار ایک مجذوب (بابا صابر) اُسکے راستے میں دیوار کی مانند کھڑا ہُوجاتا ہے۔ اُستاد عبدالرشید کے بار بار سمجھانے پر بھی جب کامل علی عملیات سے باز نہیں آتا۔ تب اُستاد عبدالرشید اُسے ایک اللہ کے ولی ،، میاں صاحب ،، کے پاس

بھیجتا ہے۔ لیکن یہاں بھی ناکامی کامل علی کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اُور وہ خالی ہاتھ ہی اپنے گھر لُوٹ آتا ہے۔

افلاطون نامی ایک نوجوان کامل علی کے گھر میں گُھسنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کامل علی دھکے دے کر اُسے گھر سے نِکال دیتا ہے۔ لیکن جب وُہ دروازے میں کنڈی لگا کر پلٹتا ہے۔ تُو اُسی نوجوان کو اپنے بستر پر دراز دیکھتا ہے۔ افلاطُوں جسکی کُنیت ابو شامل ہے۔ اُسے بتاتا ہے۔ کہ وُہ ایک جِن زادہ ہے۔ اُور ایک عامِل اُسکے پیچھے پڑا ہے کیونکہ وُہ کافی طاقتور جن ہے۔ افلاطُون پیشکش کرتا ہے کہ اگر کامل علی اُس عامل سے بچانے میں اِسکی مدد کرے تُو،، افلاطُون دُوست بن کر دُنیا کی ہر شئے کو اسکے قدموں میں لا کر ڈال سکتا ہے۔ کامل علی افلاطون کی پیشکش قبول کرلیتا ہے۔ دُونوں جہلم جلباب سے مُلاقات کا پروگرام بنالیتے ہیں۔ جلباب سے مُلاقات کے بعد ابو شامل کراچی پُہنچ کر کامل علی کو تنہا نرگس کے فیلٹ تک پُہنچا کر غائب ہُوجاتا ہے۔ نرگس کامل علی کو سمجھاتی ہے کہ وُہ واپس لُوٹ جائے۔ کیونکہ وُہ اپنی سابقہ زندگی کو بُھلانے کی کُوشش کررہی ہے

اَب مَزید پڑھیئے۔۔۔

نرگس کی گفتگو کامل علی کے سینے کو برچھی کی طرح چھلنی کیۓ جا رہی تھی۔۔۔ جسکی وجہ سے نہایت رازداری سے اُسکی آنکھیں اشکوں کو الوداع کہہ رہی تھیں۔۔۔ کامل علی سُوچ رَہا تھا۔۔۔ کیا یہ وہی نرگس ہے۔ جو مجھے دیکھے بِنا چین سے سُو بھی نہیں پاتی تھی۔۔۔ اُور کیا یہ وہی نرگس ہے کہ جِس کو پانے کیلئے وُہ تمام زمانے سے لڑنے کیلئے تیار تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

نرگس نے ایک لمحے کیلئے کامل علی کی بھیگی پلکوں کو دیکھا۔ تُو اُسے ایسا محسوس ہُوا کہ،، کہ وُہ زیادہ دیر تک اپنے جذبات کو کامل علی سے چُھپانے میں کامیاب نہ ہُو سکے گی۔۔۔ شائد اِسی لئے وُہ چند لمحوں کیلئے کامل علی کے سامنے سے اُٹھ کر کچن کی جانب چلی آئی۔۔۔ چائے کا پانی چِیلی پر چڑھاتے ہُوئے اُس کی عجیب کیفیت تھی۔ دِل کی خُواہش تھی کہ،، کہ وُہ کامل علی سے لپٹ کر اتنا رُوئے کہ سینے کے غُبار کو باہر نِکل جانے کا راستہ دِکھائی دے جائے۔ جب کہ عقل اُسے مسلسل یہ بات سمجھانے کی کُوشش میں مصروف تھی۔ کہ،، اب وُہ کامل علی کی محبوبہ نہیں۔۔۔ بلکہ کسی دُوسرے شخص کی بیوی ہے۔ اُور ایک عدد بچے کی ماں بھی ہے۔۔۔۔ ابھی تک تُو اُس کی زندگی کا پس منظر صرف اسکے والدین کے علم میں ہے۔ جسکے باوجود بھی وُہ اپنے شوہر کا دِل نہیں جیت پائی۔ اگر یہ پس منظر کل کو شوہر پر بھی آشکار ہُوگیا۔۔۔۔ تُو۔۔۔ مستقبل میں بہتری کی جُو موہوم سی آس باقی ہے وُہ بھی جاتی رہے گی۔۔۔ دُنیا والے

جو رُسوائی کی کالک چہرے پر مَلیں گے۔ وُہ الگ سے تکلیف کے احساس میں ہمیشہ کیلیۓ جکڑ دے گی۔ چاۓ تیار ہُونے تک نرگس ایک فیصلہ پر پُہنچنے میں کامیاب ہُوچکی تھی۔

چاۓ کی پیالی کامل علی کی جانب بڑھاتے ہُوۓ نرگس نے دیکھا کہ کامل علی کی پلکیں ابھی تک اَشکوں کے بُوجھ سے جھکی ہُوئی ہیں۔۔۔۔ایک پیالی چاۓ حلق سے اُتارنے میں کامل علی کو تقریباً پندرہ منٹ لگ گئے۔ جونہی اُس نے چاۓ کی خالی پیالی زمین پر رکھ کر رُومال سے اپنے آنسوؤں کو چھپانے کی کُوشش کی۔۔۔۔۔ نرگس نے دِل گرفتہ لہجے میں کامل علی کو مُخاطب کرتے ہُوۓ کہا۔۔۔اِن آنسوؤں کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے کامل۔ مردوں کو فیصلہ لیتے ہُوۓ ہمت سے کام لینا ہُوتا ہے۔۔ نا کہ آنسوؤں سے۔۔۔ یہ آنسو تو ہم جیسی کمزور مخلوق کی آنکھوں میں ہی بھلے لگتے ہیں۔۔۔

کیا واپسی کو کوئی راستہ باقی نہیں بچا نرگس۔۔۔؟ میں نے آج تک زندگی میں تُمہارے سِوا کسی اُور شئے کی خُواہش نہیں کی۔۔۔۔ خُدا جانتا ہے کہ تُم کو پانے کیلیۓ میں کتنا روتا اُور تڑپتا رَہا ہُوں ۔ میں اب تک صرف تُمہاری اُمید پر جینے کی کوشش کرتا چلا آیا ہُوں۔۔۔ اُور سچ کہتا ہُوں کہ،، اگر اب بھی تُم مجھے نہ مِلیں تو میں تُمہارے بِنا اب مَزید نہیں جی پاؤں گا۔۔۔۔

کامل علی نے التجا کرتے ہُوئے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ نرگس کے سامنے پھیلا دیئے۔

کامل اب ہم بچے نہیں رہے ہیں۔۔۔ کہ وقت و حالات کا اِدراک نہ کر پائیں۔۔۔ تمہارے آنسو اب مجھے جذباتی نہیں کر پائیں گے۔۔۔ کاش تُم نے اُس وقت ہمت دِکھائی ہُوتی،، کہ،، جب میرے والد میرا ہاتھ ایک شادی شُدہ آدمی کے ہاتھ میں دے رہے تھے۔۔۔۔ لیکن نہیں تُم نے اُس وقت حالات سے سمجھوتا کرلیا تھا۔۔۔ میں ہر پل تمہاری منتظر رہی۔۔۔۔ کہ،، کبھی دِن تُم آ ؤ گے۔ اُور میرے بابا سے میرا ہاتھ مانگو گے۔۔۔۔ مگر تُم نہیں آئے۔ بلکہ بُزدِلوں کی طرح سے مُحلہ ہی چھوڑ گئے۔۔ کاش۔۔۔ اُس وقت تُم نے سُوچا ہُوتا۔۔۔ کہ میں کسطرح اِس ادھورے پن کیساتھ اپنی بقیہ زندگی گُزار پاؤنگی۔۔۔ مگر تُم نے پلٹ کر ایکبار بھی میری خبر تک نہ لی۔ اُور جہاں تک بات ہے میرے بِن جینے کی تُو جسطرح میں نے تمہارے بنا جینا سیکھ لیا ہے۔ تُم بھی ایک دِن سیکھ جاؤ گے۔ کوئی کسی کی ہم نشینی کے بغیر نہیں مرتا۔ اُور کوئی بھی رستہ دُشوار تُو ہُو سکتا ہے۔ لیکن ناممکن نہیں ہُو سکتا۔ چلتے چلتے راستے مانوس ہُو ہی جاتے ہیں۔ چاہے پاؤں میں آبلے ہی کیوں نہ پڑ جائیں۔۔۔ آخری جُملہ ادا کرتے ہُوئے نرگس کی آواز نہ صرف بھرا گئی بلکہ کافی بُلند بھی ہُو چکی تھی۔۔۔ نرگس کی تیز آواز کی وجہ سے ننھے طارق نے کسمسا کر اپنی آنکھیں

کُھول دیں۔۔۔ نرگس نے فوراً بچے کو اپنے بازوؤں میں لیکر تھپکنا شروع کر دیا۔ جسکی وجہ سے اُس نے واپس اپنی آنکھیں مُوند لیں۔۔۔

نرگس ایسا نہیں تھا۔ کہ میں نے چچا ارشد سے بات نہیں کی تھی۔۔۔ مگر اُس وقت وُہ اتنے جذباتی تھے کہ اُنہیں میری کوئی بات ہی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔۔۔ اُور محلّہ بھی میں نے ڈر کر یا حالات سے سمجھوتا کرتے ہُوئے نہیں چھوڑا تھا۔۔۔ بلکہ میں تُو صرف اس لئے محلّہ چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ کہ میں چاہتا تھا کہ چچا ارشد کا غُصہ کچھ ٹھنڈا ہُو جائے۔ میرا خیال تھا کہ وُہ وقت کیساتھ نارمل ہُو جائیں گے۔ مگر ایسا نہیں ہُوا۔ یہ میری بد قسمتی تھی۔۔ لیکن خُدا گواہ ہے کہ مجھے تو تمہاری شادی تک کی خبر بُہت بعد میں مِلی تھی۔۔۔ جسکی وجہ سے میری حالت غیر ہُو گئی تھی۔۔۔۔ نرگس کے تیز جملوں کے برعکس کامل علی نے ٹھنڈے انداز میں اپنی صفائی پیش کرتے ہُوئے کہا۔

دیکھو کامل علی جو ہُونا تھا سُو ہُو چکا۔۔۔ اب گڑے مُردوں کو واپس اُکھاڑنے سے کچھ بھی حاصِل ہُونے والا نہیں ہے۔۔۔ لِہذا ہُوش مندی کا یہی تقاضہ ہے کہ اب ہم اپنی راہیں جُدا کر لیں۔۔۔ اُور جو ہمارے مقدر میں لکھا جا چُکا ہے۔ اُس پر راضی رہنے کی کوشش کرتے رہیں۔ ویسے بھی جب شیشہ ایک مرتبہ ٹُوٹ جاتا ہے تب لاکھ جُوڑنے پر بھی اُس میں بال باقی رِہ ہی جاتا

ہے۔۔۔۔ نرگس نے کامل علی کو سمجھاتے ہُوئے کہا۔

بار بار ماحول میں تیز جملوں کی بازگشت نے ننھے طارق کو ایک مرتبہ پھر بے چین کردِیا تھا۔۔۔ لیکن اب کی مرتبہ وُہ خاموشی سے مُنہ نہیں بسور رَہا تھا۔۔۔ بلکہ اُس نے تیزلے میں کوئی سُر چھیڑ دیا تھا۔ جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ نرگس کے بچے کی بے وقت کی راگنی نے تمام ماحول کو یکسر بدل کر رکھ دیا تھا۔ نرگس بار بار اپنے بچے کو تھپکتے ہُوئے کبھی کمرے سے برآمدے تک چلی جاتی۔ اُور پھر تھوڑی دیر میں واپس لُوٹ آتی۔ کامل علی بچے کے پرسکون ہُونے کا اِنتظار کرتا رَہا۔۔۔ لیکن لگتا تھا کہ،، جیسے مُنّے کو بھی کامل کی گھر میں انٹری اچھی نہیں لگی تھی۔۔۔ کامل کی خُواہش تھی کہ رات کُچھ مزید ٹھہر جائے۔۔۔ لیکن کسی مرغ کی صدا کامل علی کو یہ سمجھانے کی کوشش کررہی تھی۔ کہ وقت تو کب کا گُزر چُکا ہے۔ وُہ کسی کا انتظار نہیں کرتا۔۔۔۔ بلکہ جب کوئی اُسکی رفتار کو روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ تب یہ اپنی رفتار اُسکے لئے مزید تیز کر دیتا ہے۔

میرے خیال میں صبح ہُونے میں زیادہ وقت باقی نہیں ہے۔ اسلئے بہتر یہی ہے۔ کہ اگر تُمھارے دِل میں میرے لئے ذرا بھی عزت باقی ہے۔ تُو تُم کو تھوڑی دیر میں یہاں سے چلے جانا چاہیئے۔ نرگس نے ننھے طارق کی کمر سہلاتے ہُوئے

کامل علی کو مخاطب کیا۔

آج نرگس کی زُباں سے بُزدلی کے طعنے اُور واپس لُوٹ جانے کی لگاتار التجائیں۔۔۔ کامل کو اپنے چہرے پر طمانچے کی طرح محسوس ہُورہی تھیں۔ وُہ کُچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ کامل کو اپنے کان میں ابو شامل کی سرگوشی سُنائی دی۔ میرے خیال میں اِس وقت زیادہ بحث مُناسب نہیں ہے۔ جلد بازی اکثر بنے بنائے کام کو بِگاڑنے کا باعث بن جاتی ہے۔اسلئے ہم پھر کسی وقت کا انتخاب کریں گے۔جب تک نرگس کو بھی اپنی رائے پر نظر ثانی کرنے کا موقع مِل جائے گا۔۔۔ کامل علی کو ابو شامل کی رائے میں وزن محسوس ہُوا ۔ کامل نے نرگس کو الوداعی سلام کرنے کے بعد اجازت لی ۔ اُور فلیٹ سے نکل کر رُوڈ کی جانب چلتے ہُوئے ابو شامل سے دِل گرفتہ لہجے میں گُویا ہُوا۔۔۔۔ یار میں نے تُو کبھی سُوچا بھی نہیں تھا۔ کہ وقت گُزرنے کیساتھ نرگس اِتنا بدل جائے گی۔۔۔؟

یار پہلے تُو میں معذرت چاہتا ہُوں کہ،، میں بنا بتائے نرگس کے گھر میں داخل ہُوگیا تھا۔ ابو شامل نے کامل کے سامنے ظاہر ہو کر شرمندگی کا اِظہار کرتے ہُوئے اپنی گفتگو جاری رکھی۔۔۔ دراصل میں خُوش ہی اسقدر زیادہ تھا۔ کہ مجھے اِس بات کا بالکل بھی خیال نہیں رَہا۔۔۔ اُور جہاں تک نرگس کی بے رُخی کی بات ہے۔۔۔۔ تو میرے یار۔۔۔ انسان ہُوں یا جن سبھی کے جذبات ہُوتے ہیں۔

اُور مجھے تُو پہلے ہی نرگس سے اِس رِی ایکشن کی توقع تھی۔۔۔ لیکن اسکا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے۔ کہ بازی تُمھارے ہاتھوں سے بالکل نِکل چُکی ہے۔۔۔ بلکہ جسطرح پانی کی ایک ایک بُوند گرنے سے پہاڑ میں رستہ بن جاتا ہے۔۔۔ بس ہم بھی اِسی طرح دھیرے دھیرے نرگس کے دِل میں راستہ بنالیں گے۔ اب چاہے پہلے دروازہ کُھلے یا کھڑکی۔۔۔۔ہَوا آنے جانے کا رستہ تُو بن ہی جائے گا۔۔۔ ابو شامل نے مُسکرا کر اپنے مخصوص انداز میں کامل کو آنکھ مارتے ہُوئے کہا۔۔۔۔

یار تُمھاری باتوں سے مجھے بُہت حُوصلہ مِلا ہے۔ وگرنہ نرگس نے تُو میری تمام خوشیوں کے چراغوں کو ہی پُھونک ڈالا تھا۔۔۔ ویسے تُم خُوش کس بات پر تھے۔۔۔؟ یہ تُم نے ابھی تک نہیں بتایا۔۔۔ کامل علی نے جوابی آنکھ مارتے ہوئے مُسکرانے کی ناکام کوشش کی۔۔۔ بتاتا ہُوں یار۔۔۔ آج تو میں جہلم فتح کرکے آیا ہُوں۔ لیکن پہلے گھر تُو پُہنچ جائیں۔ پھر ساری کہانی سُناتا ہُوں۔ ابو شامل نے فاتحانہ انداز میں اپنے ہاتھ بُلند کرتے ہُوئے کہا۔

جاری ہے)۔)

اُسکا کہنا ہے۔ کسی اُور کو دیکھوں نہ کبھی

کیوں کہ اُسکو یہ میرا رُوپ بُرا لگتا ہے
مجھکو ہر چہرے میں آتی ہے نظر اِک وُہ ہی
جو نہ بھر پائے یہ بہرُوپ بُرا لگتا ہے

بارک اُوبامہ کی آنکھ میں آنسوؤ

خبر۔
امریکی ریاست کنیکٹیکٹ میں ایک پرائمری سکول میں ہونے والی فائرنگ کے واقعے کے نتیجے میں بیس بچوں سمیت سات افراد ہلاک ہو گئے۔
(بی بی سی اُردو نیوز)

آج ٹی وی پر بارک اُوبامہ کو اپنے مُلک کے بیس بچوں کیلیئے رُوتا دیکھ کر میری آنکھیں بھی نم ہُوگئیں۔
مگر یہ آنسو اِس لئے نہیں تھے کہ،، بارک اُوبامہ رُو رَہا تھا۔۔۔۔ بلکہ یہ آنسو اِس لئے تھے کہ اُن مرنے والوں کا تعلق چاہے میرے مذہب و وطن سے نہ ہُو۔ لیکن وُہ تمام بچے بھی کسی نہ کسی گھر کے روشن ستارے ہُونگے۔ اُن کے والدین نے بھی اُنکے مستقبل کیلیئے کئی سپنے دیکھے ہُونگے۔ اُور بحیثیت انسان ہُونے کے میری آنکھوں میں آنسوؤں کا آنا ایک فطری عمل تھا۔ اُور بحیثیت مسلمان ہُونے کے انسانیت کے قتل عام پر تکلیف محسوس کرنا بھی ایک لازمی اَمر تھا۔

لیکن میری آنکھوں سے نکلنے والے آنسو چیخ چیخ کر بارک اُوبامہ کے آنسوؤں سے سوال کر رہے تھے۔۔۔

بتاؤ تُم اُس وقت کہاں تھے۔۔۔۔؟ جب وزیرستان کے اسکولوں پر ڈرون حملے کے ذریعہ نہتے بچوں کے خُون کو خاک میں مِلایا جارہا تھا۔۔

اے صرف بیس بچوں کی ہلاکت کا ماتم منانے والوں تُمھیں فلسطین کے ہزاروں بچے کیوں نظر نہیں آتے۔۔۔۔۔؟

کیا کشمیر میں مرنے والے ہزاروں بچے اِنسانوں کے بچے نہیں ہیں۔۔۔۔۔؟

کیوں شام میں شہید ہُونے والے معصوم پھول تُمھیں نظر نہیں آتے۔۔۔۔؟

عراق کے لاکھوں بچے بھی تُمھارے منتظر رہے۔۔۔؟

افغانستان میں بھی تُمھاری لگائی آگ نے لاکھوں بچوں کو بے گھر کرڈالا۔ آدھے سے زیادہ ہمیشہ کیلئے معذور ہُوگئے۔ ہزاروں یتیم ہُوئے۔ ہزاروں سنگلاخ چٹانوں کے نیچے ہمیشہ کیلئے مکین ہُوگئے۔ بے گھر مہاجرین بچوں کی ایک تعداد

ہے۔ جو کھلے آسمان کے تلے سرد راتوں میں ٹھٹھرتے ہوئے تمہارے منتظر ہیں۔۔۔۔
مگر تُم نہیں برسے۔۔۔ لیکن کیوں نہیں برسے۔۔۔۔؟
کیا اِس لئے کہ وُہ امریکہ میں پیدا نہیں ہُوئے۔۔۔۔؟
یا اِس لئے تُم نہیں برسے۔۔۔ کہ یہ لاکھوں بچے کرسچین نہیں تھے۔۔۔۔
یا اِس لئے تُم آنکھوں میں مقید رہے کہ۔ یہ تمام بچے مسلمانوں کے بچے تھے۔
اب تُم ہی کہو۔۔ اے آنسوؤں میں تُمہارا اعتبار کیسے کروں۔۔۔۔ میں کیسے مان لُوں کہ بارک اُوبامہ کی آنکھوں سے بہنے والے یہ آنسو مگرمچھ کے آنسوؤں کی مِثل نہیں ہیں۔۔۔
جو آنکھ سے تو بہتے ہیں مگر دِل پر کوئی نقش نہیں چھوڑتے۔۔۔ اُور نہ ہی اِن کے بہنے سے جگر چھلنی ہُوتا ہے۔۔۔۔ اِسلئے میں نے احتجاجاً اپنے آنسوؤں کو آنکھوں میں ہی ضبط کرلیا۔۔۔ تاکہ کل صحیح وقت آنے پر انہیں بہا سکوں۔

(عامل کامل اَبُو شامل قسط۔۱۹ (خلش

گُذشتہ (۱۸)۔ اقساط کا خُلاصہ۔۔۔

یہ کہانی ہے۔ ایک ایسے نُوجوان کامل علی کی جس کے سر سے اُسکے والد کا سایہ بچپن میں ہی اُٹھ گیا۔۔۔ والدہ کی نوجوانی میں بیوگی سے بے شُمار مسائل جنم لینے لگتے ہیں۔

حالات سے تنگ آکر کامل علی کی بیوہ والدہ پھر سے مولوی رمضان کی دُلہن بن جاتی ہے۔۔ کامل علی کو اپنے ہمسائے چاچا ارشد کی بیٹی نرگس سے بُہت دِلی لگاؤ پیدا ہُوجاتا ہے۔جُو دھیرے دھیرے مُحبت میں تبدیل ہُوجاتا ہے۔

حالات اُور زمانے کے بار بار ستائے جانے پر کامل علی رُوحانی عملیات کی جانب راغب ہُوجاتا ہے۔ تُو وہ تمام زمانے سے خاص کر چاچا ارشد سے بدلہ لینا چاہتا ہے۔ لیکن بار بار چلہ کاٹنے کے باوجود بھی ناکامی اُسکا مقدر ٹھہرتی ہے۔ وُہ ایک بنگالی جادوگر کی شاگردی اِختیار کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ہر بار ایک مَجذوب (بابا صابر) اُسکے راستے میں دیوار کی مانند کھڑا ہُوجاتا ہے۔ اُستاد عبدالرشید کے بار بار سمجھانے پر بھی جب کامل علی عملیات سے باز نہیں آتا۔ تب اُستاد عبدالرشید اُسے ایک اللہ کے ولی ،، میاں صاحب ،، کے پاس بھیجتا ہے۔ لیکن یہاں بھی ناکامی کامل علی کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اُور وہ

خالی ہاتھ ہی اپنے گھر لُوٹ آتا ہے۔

افلاطون نامی ایک نوجوان کامل علی کے گھر میں گُھسنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کامل علی دھکے دے کر اُسے گھر سے نِکال دیتا ہے۔ لیکن جب وُہ دروازے میں کنڈی لگا کر پلٹتا ہے۔ تُو اُسی نوجوان کو اپنے بستر پر دراز دیکھتا ہے۔ افلاطُوں جسکی کُنیت ابو شامل ہے۔ اُسے بتاتا ہے۔ کہ وُہ ایک جِن زادہ ہے۔ اُور ایک عامِل اُسکے پیچھے پڑا ہے کیونکہ وُہ کافی طاقتور جن ہے۔ افلاطُون پیشکش کرتا ہے کہ اگر کامل علی اُس عامل سے بچانے میں اِسکی مدد کرے تُو،، افلاطُون دُوست بن کر دُنیا کی ہر شئے کو اسکے قدموں میں لا کر ڈال سکتا ہے۔ کامل علی افلاطون کی پیشکش قبول کرلیتا ہے۔ دُونوں جہلم جلباب سے مُلاقات کا پروگرام بنا لیتے ہیں۔ جلباب سے مُلاقات کے بعد ابو شامل کراچی پُہنچ کر کامل علی کو تنہا نرگس کے فلیٹ تک پُہنچا کر غائب ہُو جاتا ہے۔ نرگس کامل علی کو سمجھاتی ہے کہ وُہ واپس لُوٹ جائے۔ کیونکہ وُہ اپنی سابقہ زندگی کو بُھلانے کی کُوشش کررہی ہے

پچھلی قسط سے یاداشت

یار پہلے تُو میں معذرت چاہتاہُوں کہ،، میں بنا بتائے نرگس کے گھر میں داخل ہُوگیا تھا۔ ابو شامل نے کامل کے سامنے ظاہر ہو کر شرمندگی کا اِظہار کرتے ہُوئے اپنی گفتگو جاری رکھی۔۔۔ دراصل میں خُوش ہی اسقدر ذیادہ تھا۔ کہ

مجھے اِس بات کا بالکل بھی خیال نہیں رہا۔۔۔ اُور جہاں تک نرگس کی بے رُخی کی بات ہے۔۔۔۔ تو میرے یار۔۔۔ انسان ہُوں یا جن سبھی کے جذبات ہُوتے ہیں۔اُور مجھے تُو پہلے ہی نرگس سے اِس رِی ایکشن کی توقع تھی۔۔۔ لیکن اسکا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے ۔کہ بازی تُمہارے ہاتھوں سے بالکل نِکل چُکی ہے۔۔۔ بلکہ جسطرح پانی کی ایک ایک بُوند گرنے سے پہاڑ میں رستہ بن جاتا ہے۔۔۔ بس ہم بھی اِسی طرح دھیرے دھیرے نرگس کے دِل میں راستہ بنالیں گے۔اب چاہے پہلے دروازہ کُھلے یا کھڑکی ۔۔۔۔ہَوا آنے جانے کا رستہ تُو بن ہی جائے گا۔۔۔ ابو شامل نے مُسکرا کر اپنے مخصوص انداز میں کامل کو آنکھ مارتے ہُوئے کہا۔۔۔۔

یار تُمہاری باتوں سے مجھے بُہت حُوصلہ مِلا ہے۔ وگرنہ نرگس نے تُو میری تمام خوشیوں کے چراغوں کو ہی پُھونک ڈالا تھا۔۔۔ ویسے تُم خُوش کس بات پر تھے۔۔۔؟ یہ تُم نے ابھی تک نہیں بتایا۔۔۔ کامل علی نے جوابی آنکھ مارتے ہوئے مُسکرانے کی ناکام کوشش کی۔۔۔ بتاتا ہُوں یار۔۔۔ آج تو میں جہلم فتح کرکے آیا ہُوں۔ لیکن پہلے گھر تُو پُہنچ جائیں۔ پھر ساری کہانی سُناتا ہُوں۔ ابو شامل نے فاتحانہ انداز میں اپنے ہاتھ بُلند کرتے ہُوئے کہا۔

اَب مَزید پڑھیئے۔۔۔

ابو شامل اپنی حرکت سے باز نہیں آیا تھا۔ لیکن کامل علی بھی گُذشتہ تجربات

کی رُوشنی میں ابو شامل کے جھٹکے دیئے جانے کیلیئے ذہنی طُور پر تیار تھا۔ اِسلئے جُونہی ابو شامل نے کامل کو انتقالِ مُقام کیلیئے جھٹکا دِیا۔ کامل علی فوراً ہی اِس جھٹکے سے سنبھل گیا۔ لیکن افلاطُون اپنا کام دِکھا چُکا تھا۔ وُہ دُونوں اپنے گھر پُہنچ چُکے تھے۔ کامل علی نے ایک مرتبہ پھر اپنا احتجاج ریکارڈ کراتے ہُوئے ابو شامل سے استدعا کی۔۔۔ بھائی میرے مقام تبدیل کرنے کا کوئی آسان طریقہ ایجاد کرلے۔۔۔ ورنہ کسی دِن یہ نہ ہُو کہ مقام تو بدل جائے اُور میری کمر ٹُوٹ جائے۔۔۔۔

ابو شامل نے مسکرا کر کامل علی کی طرف دیکھتے ہُوئے کہا۔۔۔ جس دِن میرِ کاروان آپ ہُونگے۔۔۔ وہی دِن اِس تکلیف کا آخری دِن ثابت ہُوگا جنابِ عالی۔۔۔۔۔

پتہ نہیں یار وُہ دِن کب آئے گا۔۔۔ کامل علی نے اُداسی سے مُنہ بسورتے ہُوئے کہا۔۔۔ مجھے چُھوڑو اُور اپنی سُناؤ۔ اُور مجھے بتاؤ کہ،، جہلم میں ایسا کونسا معاملہ پیش آگیا۔ جسکی وجہ سے جناب کے چہرے سے خُوشی کے آثار ہی نہیں جارہے۔۔۔۔؟

بس یار کیا بتاؤں۔۔۔ بس اتنا سمجھ لُو کہ اب جلباب کی پریشانی کے دِن ختم

ہُونے کو ہیں۔۔۔ ابو شامل نے چہکتے ہُوئے کہا۔۔۔

مگر ہُوا کیا ذرا تفصیل سے بتاؤ نا۔ کامل علی نے بھرپُور اشتیاق سے ابو شامل کو دیکھتے ہُوئے بستر سنبھال لیا۔

بس یار پہلے تو زمان سے مُلاقات کرلی۔ اُور اُس سے کچھ ڈاکومنٹس وصول کرلئے۔ اُس بیچارے کو تو یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ کہ میں واقعی اُسے قرض دِلوانے میں دلچسپی رکھتا ہُوں۔ اُور صِرف اُس سے مُلاقات کیلئے جہلم چلا آیا ہُوں۔ اُسے ابھی تک یہی لگ رہا ہے کہ میں اُسکا دِل خوش کرنے کیلئے قرض کی کہانی بنا رَہا ہُوں۔ حالانکہ اُس نے یہ بات اپنی زُبان سے نہیں کہی تھی۔ وُہ تو میں نے اُسکا ذہن پڑھ لیا۔ تو مجھے معلوم ہُوا کہ اُس بیچارے کے ذہن میں کیسی کھچڑی پک رہی ہے۔ اب پرسوں جب رقم اُسکے ہاتھوں میں آئے گی تُو نجانے بیچارے کا خُوشی سے کیا حال ہُوگا۔

زمان سے فارغ ہُونے کے بعد میں راشد صاحب کی مِزاج پُرسی کیلئے چلا گیا تھا۔۔۔ وُہ موصوف اپنی نئی نویلی بیگم صاحبہ کا پاؤں دبا رہے تھے۔ نجانے اُس کمبخت طوائف زادی نے اُسے کیا گھول کر پِلادیا ہے۔ جو وُہ اُسکی اسقدر سیوا کررہا تھا۔ وُہ کوئی شریف عورت تو ہے نہیں جو گھر میں ٹِک کر رہے۔ اُس

نے راشد سے شادی صرف اِس شرط پر کی تھی۔ کہ وُہ اُسے کسی بھی معاملے میں رُوکے ٹوکے گا نہیں۔ اسطرح باہر اُسکا بزنس بھی چلتا رہے گا۔ اُور شادی شُدہ ہُونے کی وجہ سے اُس پر مُحلہ والوں کو شک بھی نہیں گُزرے گا۔ کمبخت کا نام تو ملیحہ ہے۔ لیکن ہے سراپا گندگی کی پُوٹ۔ ویسے یار ایک بات ہے۔ اتنی حسین و نازک ہُونے کے باوجود کمبخت اپنے چہرے پر ایسی معصومیت طاری رکھتی ہے۔ جیسے کوئی عابدہ زاہدہ ہُو۔ جسے دیکھ کر بڑے سے بڑا نظر شناس بھی دُھوکہ کھا جائے۔

لیکن میں نے بھی کمبخت کو آج ایسا پھنسایا ہے کہ،، کئی برس تک جیل کی ہُوا کھاتی رہے گی۔۔۔ آج رات اُسکا چار پانچ امیر زادوں کیساتھ پروگرام طے تھا۔ میں نے بس اتنا کیا کہ جس گھر میں ملیحہ آئی ہُوئی تھی۔ اُس گھر میں ہُونے والی تمام گفتگو کو اتنے والیوم سے باہر پیش کردیا۔ کہ تمام مُحلہ میں اُنکی شرمناک آوازیں صاف سُنائی دے رہی تھیں۔۔۔ مُحلہ والے یہی سمجھے کہ شائد اندر غلطی سے کوئی مائیک کُھلا رِہ گیا ہے۔ جسکی وجہ سے اتنی گھناوٗنی آوازیں مکان کے باہر بُلند ہُورہی ہیں۔۔۔۔ بس پھر کیا تھا محلے کے چند من چلے نوجوان اُس مکان میں داخل ہُوگئے۔ اندر رقصِ ابلیس جاری تھا۔ پہلے تو محلّہ والوں نے اُن سبھی پر خُوب ہاتھ صاف کئے اُور اُسکے بعد اُسی حالت میں پُولیس کو طلب کرلیا گیا۔۔۔ اُنہی نوجوانوں میں علاقے کی ایک سیاسی شخصیت

کے حریف کا بیٹا بھی شامل تھا۔۔ اُنھوں نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہُوئے اُن سب کی پکی ایف آئی آر درج کروادی۔
دوسری طرف میں خیر خواہ بن کر راشد کے پاس پُہنچ گیا۔ اُور اُسے میں نے تمام حقیت سُنا کر ڈراتے ہُوئے بتایا کہ عنقریب پُولیس ملیحہ کے مکان پر چھاپا مارنے والی ہے۔
کیونکہ پُولیس کے خیال میں اِس تمام دھندے میں ملیحہ کا شوہر بھی ملوث ہے۔۔۔ لیکن اُس کمبخت پر ملیحہ کا عشق بُھوت کی طرح سوار تھا۔ اسلئے اُس نے بجائے وہاں سے خُود بھاگنے کے مجھے ہی لعن طعن کرنا شروع کردِیا۔
تو کیا تُمھاری تمام محنت رائیگاں چلی گئی۔ کامل علی نے افسوس کرتے ہُوئے استفسار کیا۔۔۔
نہیں یار اتنی کچی گُولیاں میں نے بھی نہیں کھیلیں۔۔ ابو شامل حسبِ سابق اپنی داہنی آنکھ دباتے ہُوئے مُسکرایا۔ میں تھوڑی دیر بعد ایک ایس ایچ اُو کے رُوپ میں اُسکے گھر کے سامنے پُہنچ گیا۔۔۔پُولیس سائرن کی آواز سے سُوتے ہُوئے لوگ بھی جاگ اُٹھے تھے۔۔۔۔ ابوشامِل نے قہقہہ مارتے ہُوئے اپنی گفتگو جاری رکھی۔۔۔ شُور شرابے کی آواز سُن کر راشد نے بالکونی سے جب مجھے

دیکھا تو انجان بن کر وہاں چلا آیا۔ میں نے جب بڑے رعب سے وہاں موجود چند لڑکوں کو مُخاطب کرتے ہُوئے چلا کر پُوچھا کہ یہاں کوئی دھندہ کرنے والی عورت رہتی ہے۔۔۔ تو سب سے پہلے وہاں سے کھسکنے والا وہی راشد ہی تھا۔۔۔

راشد صاحب وہاں سے سیدھے اپنے گھر پُہنچ چُکے ہیں۔ اُور مجھے قوی اُمید ہے کہ وُہ اب بندے کا پتر بن جائے گا۔۔۔ اُور اگر اَب بھی وُہ نہ سُدھرا تو سمجھ لو پھر اُسکی خیر نہیں ہے۔۔۔ یار ہمارے ہُوتے ہُوئے بھی اگر ہماری بہن دکھوں بھری زندگی گُزارے تو ہم جیسے بھائیوں کی زندگی پر لعنت ہے۔ ابو شامل گفتگو کرتے ہُوئے جذباتی ہُوگیا تھا۔

چل یار یہ تُو بڑا اچھا کام ہُوگیا۔ بس دُعا کیساتھ تھوڑی کوشش کر کہ نرگس بھی مان جائے کیونکہ میری زندگی اُس کے بِنا ادھوری ہے۔ حالانکہ اب وُہ شادی شُدہ زندگی گُزار رہی ہے۔ لیکن میں جانتا ہُوں کہ وُہ خوش نہیں ہے وَہاں۔۔۔ کامل علی جو ابھی کُچھ ہی لمحے قبل ابو شامل کی گفتگو سُن کر مُسکرا رہا تھا۔ نرگس کا تذکرہ کرتے ہُوئے ایک مرتبہ پھر اُداس ہُوگیا۔

یار ایک تو مجھے تیری سمجھ نہیں آتی۔۔۔ تیری تو بس وُہ مِثال ہے کہ،،پَل میں تُولہ اُور پل میں ماشہ۔۔۔ کبھی پارے کی طرح چڑھتا ہے۔ اُور تھوڑی ہی

دیر میں جھاگ کی مانند بیٹھ جاتا ہے۔۔۔ حالانکہ میں نے پہلے ہی سمجھایا تھا کہ اگر اُسکی محبت کو پانا ہے۔۔۔ تو آنچ کو بہت ہُولا رکھنا پڑے گا۔ ذرا سی تیزی سے ساری ہنڈیا کا ستیاناس ہُوجائے گا۔۔۔ وُہ کوئی مصری کی ڈلی نہیں ہے۔ جو منٹوں میں حل ہُوجائے گی۔ ایک شادی شُدہ بال بچے والی سیانی مائی ہے۔۔۔ اُسے پھر سے بسانے میں کُچھ وقت تُو لگے گا۔۔۔ اُور میں یہ کام بھی صرف اسلیئے کرونگا کہ وُہ اُس جگہ پر واقعی خوش نہیں ہے۔ اگر اُسکا شوہر اُسکے ساتھ ذرا سا بھی مُخلص ہُوتا۔ تو میں کسی کے بسے بسائے گھر کو کبھی بھی پھر سے اُجاڑنے کی بات تُو کجا سُوچنے کی بھی حماقت نہیں کرتا۔ کیونکہ یار جب عورت کا گھر ایک مرتبہ بِگڑ جاتا ہے نا۔ تب وُہ پھر کبھی نہیں بستا۔۔۔ چاہے وُہ جھونپڑی سے محل میں منتقل ہُوجائے وُہ ایک مرتبہ بِکھر کر پھر نہیں سِمٹتی۔۔۔ ابو شامل نے فلسفیانہ انداز میں کامل کو سمجھایا۔

یار مجھے آج سمجھ آ گئی ہے۔ کہ جِس نے بھی تیرا نام افلاطون رکھا ہُوگا۔۔۔۔ بُہت سُوچ سمجھ کر ہی رکھا ہُوگا۔۔۔ اُور وُہ بڑا نظر شناس بھی ہُوگا جو پُوت کے پاؤں پالنے میں دیکھ کر ہی سمجھ گیا ہُوگا۔ کہ ہمارے گھر کیا شئے پیدا ہُوئی ہے۔ کامل نے مذاق کرتے ہُوئے چادر اپنے سینے کی طرف کھینچ لی۔۔۔

اُوئے سُو کدھر رہا ہے۔۔۔ میں تیرے لئے ایسا زبردست تحفہ لایا ہُوں کہ

دیکھتے ہی تیری آنکھوں سے نیند کوسوں دُور چلی جائے گا۔۔۔ابو شامل نے اسکے بدن سے چادر کو جُدا کرتے ہُوئے کہا۔۔۔

کہاں ہے تُحفہ۔۔۔؟ میں نے تُو تمہارے ہاتھ میں کوئی تُحفہ نہیں دیکھا۔۔۔کامل علی نے حیرت سے کمرے میں چاروں طرف نِگاہ دوڑاتے ہُوئے چادر کو دُوبارہ کھینچنے کی ناکام کوشش کی۔

بس یار پانچ منٹ اُور انتظار کرلے تُحفہ خُود سج دھج کر تیرے بستر تک آ جائے گا۔۔۔ابو شامل نے معنی خیز انداز میں مُسکراتے ہُوئے جواب دیا۔ ابو شامل کا جُملہ مکمل بھی نہیں ہُوپایا تھا۔کہ کسی نے نہایت دھیمے لہجے میں کامل کا دروازہ کھٹکھٹا دیا۔ لکڑی پر پڑنے والی تھاپ کیساتھ چوڑیوں کی جھنکار یہ بتانے کیلئے کافی تھی۔کہ دروازے پر کوئی آیا نہیں تھا۔۔۔بلکہ کوئی آئی ہے۔۔۔

ابو شامل نے لپک کر دروازہ کھول دِیا۔۔۔کامل نے آنے والی کو دیکھا تو بستر سے اچھل پڑا۔۔۔کیونکہ آنے والی کوئی اُور نہیں تھی۔بلکہ نرگس اُسکے سامنے دُلہن کے رُوپ میں کھڑی مُسکرا رہی تھی۔۔۔۔

جاری ہے)۔)

آپ تمام محبت کرنے والوں کی خُواہش کے پیشِ نظر میں نے اپنے بلاگ پر پرائیویٹ گفتگو کرنے کیلئے چیٹ باکس کا انتظام کردیا ہے۔ آجکل عشاء کی نماز سے تادیر میں وہاں دستیاب ہُوں۔ مزید ٹائمنگ کا اعلان بھی جلد از جلد بلاگ پر کردیا جائے گا۔ آپ میرے بلاگ پر تشریف لا کر مجھ سے براہِ راست رابطہ فرما سکتے ہیں۔

Plz visit my blog on blogspot.com

http://www.Ishratiqbalwarsi.blogspot.com

گفتگو کے ساتھ ساتھ آپ یہاں سے اُوراد وُ وظائف بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اسکے علاوہ بُہت جلد قانونی مشورے بھی بالکل مفت حاصل کر سکیں گے۔

کچھ احباب میری تحریروں کیساتھ بُہت بُرا رویہ اپنائے ہُوئے ہیں کہ میرے افسانوں کا نام بدل کر اپنے نام سے مختلف فورمز پر پیش کررہے ہیں اُنکی خدمت میں عرض ہے کہ آپ اتنی مشقت فرمانے کے بجائے اُن تحریروں کی مجھ سے اجازت لے کر بھی اُنہیں وہاں پُوسٹ کر سکتے ہیں۔ میں بِلا جھجک آپ کو اِنہیں پوسٹ کرنے کی اجازت دے دُوں گا۔ تب اسطرح آپ کو سرقہ بازی کی نوبت ہی پیش نہیں آئے گی۔ اُور آپ اپنے ضمیر کے قیدی بھی نہیں بنیں گے۔ آپ ایک مرتبہ

مجھے کہہ کر تُو دیکھیں۔۔۔
اُسکا کہنا ہے۔ کِسی اُور کو دیکھوں نہ کبھی
کیوں کہ اُسکو یہ میرا رُوپ بُرا لگتا ہے
مجھکو ہر چہرے میں آتی ہے نظر اِک وُہ ہی
جُو نہ بھر پائے یہ بہرُوپ بُرا لگتا ہے

عامل کامل اَبُو شامِل قسط۔۲۰ (سراب)۔

گُذشتہ (۱۹)۔ اقساط کا خُلاصہ۔۔۔

یہ کہانی ہے۔ ایکؔ ایسے نُوجوان کامِل علی کی جِس کے سر سے اُسکے والد کا سایہ بچپن میں ہی اُٹھ گیا۔۔۔ والدہ کی نوجوانی میں بیوگی سے بے شُمار مسائل جنم لینے لگتے ہیں۔ حالات سے تنگ آ کر کامل علی کی بیوہ والدہ پھر سے مولوی رمضان کی دُلہن بن جاتی ہے۔۔ کامِل علی کو اپنے ہمسائے چاچا ارشد کی بیٹی نرگس سے بُہت دِلی لگاؤ پیدا ہُوجاتا ہے۔جُو دھیرے دھیرے مُحبت میں تبدیل ہُوجاتا ہے۔

حالات اُور زمانے کے بار بار ستائے جانے پر کامل علی رُوحانی عملیات کی جانب راغب ہُوجاتا ہے۔تُو وہ تمام زمانے سے خاص کر چاچا ارشد سے بدلہ لینا چاہتا ہے۔ لیکن بار بار چلہ کاٹنے کے باوجود بھی ناکامی اُسکا مقدر ٹھہرتی ہے۔ وُہ ایکؔ بنگالی جادوگر کی شاگردی اِختیار کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ہر بار ایکؔ مَجذوب (بابا صابر) اُسکے راستے میں دیوار کی مانند کھڑا ہُوجاتا ہے۔ اُستاد عبدالرشید کے بار بار سمجھانے پر بھی جب کامل علی عملیات سے باز نہیں آتا۔ تب اُستاد عبدالرشید اُسے ایکؔ اللہ کے ولی ،، میاں صاحب ،، کے پاس

بھیجتا ہے۔ لیکن یہاں بھی ناکامی کامل علی کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اُور وہ خالی ہاتھ ہی اپنے گھر لُوٹ آتا ہے۔

افلاطون نامی ایک نوجوان کامل علی کے گھر میں گُھسنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کامل علی دھکے دے کر اُسے گھر سے نِکال دیتا ہے۔ لیکن جب وُہ دروازے میں کنڈی لگا کر پلٹتا ہے۔ تُو اُسی نوجوان کو اپنے بستر پر دراز دیکھتا ہے۔ افلاطُوں جسکی کُنیت ابو شامل ہے۔ اُسے بتاتا ہے۔ کہ وُہ ایک جِن زادہ ہے۔ اُور ایک عامِل اُسکے پیچھے پڑا ہے کیونکہ وُہ کافی طاقتور جن ہے۔ افلاطُون پیشکش کرتا ہے کہ اگر کامل علی اُس عامل سے بچانے میں اِسکی مدد کرے تُو،، افلاطون دُوست بن کر دُنیا کی ہر شئے کو اسکے قدموں میں لا کر ڈال سکتا ہے۔ کامل علی افلاطون کی پیشکش قبول کرلیتا ہے۔ دُونوں جہلم جلباب سے مُلاقات کا پروگرام بنا لیتے ہیں۔ جلباب سے مُلاقات کے بعد ابو شامل کراچی پُہنچ کر کامل علی کو تنہا نرگس کے فیلٹ تک پُہنچا کر غائب ہُوجاتا ہے۔ نرگس کامل علی کو سمجھاتی ہے کہ وُہ واپس لُوٹ جائے۔ کیونکہ وُہ اپنی سابقہ زندگی کو بُھلانے کی کُوشش کررہی ہے۔ کامل علی جب واپس گھر پُہنچتا ہے۔ تب ابو شامل نرگس کو اُسکے سامنے پیش کردیتا ہے۔

پچھلی قسط سے یاداشت

کامل کی مایوسی کو دیکھ کر ابو شامل اُسے بتاتا ہے کہ وُہ اُسکے واسطے ایک تحفہ لایا ہے۔۔۔ کامل کی بے چینی بھانپ کر ابو شامل کہتا ہے کہ،، بس یار پانچ منٹ اُور انتظار کرلے تُحفہ خُود سج دھج کر تیرے بستر تک آ جائے گا۔۔۔ ابو شامل نے معنی خیز انداز میں مُسکراتے ہُوئے جواب دیا۔ ابو شامل کا جُملہ مکمل بھی نہیں ہُوپایا تھا۔ کہ کسی نے نہایت دھیمے لہجے میں کامل کا دروازہ کھٹکھٹا دیا۔ لکڑی پر پڑنے والی تھاپ کیساتھ چوڑیوں کی جھنکار یہ بتانے کیلئے کافی تھی۔ کہ دروازے پر کوئی آیا نہیں تھا۔۔۔ بلکہ کوئی آئی ہے۔۔۔ ابو شامل نے لپک کر دروازہ کھول دِیا۔۔۔ کامل نے آنے والی کو دیکھا تو بستر سے اچھل پڑا۔۔۔ کیونکہ آنے والی کوئی اُور نہیں تھی۔ بلکہ نرگس اُسکے سامنے دُلہن کے رُوپ میں کھڑی مُسکرا رہی تھی۔۔۔۔

اب مزید پڑھیئے۔

نرگس تُم اُور یہاں۔۔۔۔ کامل علی نرگس کو دیکھ کر بے ساختہ چادر پھینک کر خود دروازے پر اُسکا استقبال کرنے چلا آیا۔

یار کیا دروازے پر باتیں ہی بناتے رَہو گے یا اِسے اندر بھی لے کر جاؤ گے۔۔۔ کیونکہ جب تک یہ اندر نہیں جائیں گی۔ تب تک میں بھلا باہر کیسے

جا سکتا ہُوں۔۔۔ ابو شامل نے گلا کھنکار کر کامل علی کو اپنی موجودگی کا اِحساس دِلایا۔
ابو شامل کے جاتے ہی نرگس شرماتے ہُوئے سِمٹ کر بیڈ کے کُونے پر بیٹھ گئی۔۔۔
اُسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا۔ کہ وُہ کوئی شادی شُدہ عورت ہے۔ اُور ایک بچے کی ماں بھی ہے۔۔۔ کامل علی اُسکے جلووُں سے سیراب ہُوتے ہُوئے سُوچنے لگا کہ،، ابھی ایک گھنٹہ قبل ہی تو نرگس نے اُسے اپنے گھر سے طعنے دے کر نِکل جانے کیلئے کہا تھا۔۔۔ پھر وُہ اپنے بچے کو چھوڑ کر یکایک یہاں کیسے آ گئی۔۔۔؟اُور یہ تُو مجھے بھولنے کی باتیں کررہی تھی۔۔۔۔ تو کیا نرگس بھی مجھے ابتک اپنے دِل سے نِکال نہیں پائی ہے۔۔۔؟ یا پھر یہ بھی ابو شامل کا کوئی کرشمہ ہے۔۔۔؟
کامل علی کے ذہن میں ایسے ہی بے شُمار سوالات چُٹکیاں بھر رہے تھے۔۔۔ لیکن اُسے خوشی تھی کہ بلاآخر نرگس تمام دیواروں کو گرا کر ایکبار پھر اُسکے پاس چلی آئی تھی۔۔۔ کہیں تُمھارے ساتھ ابو شامل نے کوئی زبردستی تو نہیں کی ہے نا۔۔۔؟ نرگس نے معنی خیز انداز میں کامل کو دیکھا تو کامل نے سٹپٹا کر کہا۔ میرا مطلب تھا کہ تُم اپنی مرضی سے یہاں آئی ہُو نا۔۔۔ کہیں دِل پر کوئی جبر تو نہیں ہے نا۔۔۔ ویسے مجھے تُم سے کوئی شِکایت نہیں ہے کوئی بھی

شریف عورت وہی رویہ اپناتی جو تُم نے میرے ساتھ اپنایا۔ کامل علی نے نرگس کے نزدیک ہوتے ہُوئے کہا۔۔۔

نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں یہاں اپنی مرضی سے آئی ہُوں۔ اُور جب تک آپ مجھے یہاں رہنے دیں گے۔ میں یہاں آپ کی خِدمت کرتی رَہوں گی۔۔۔ نرگس نے وضاحت کرتے ہُوئے شرما کر کہا۔۔۔ کامل علی کو نرگس کا لہجہ کچھ بدلا بدلا سا دِکھائی دیا جیسے نرگس کو زکام ہُوگیا ہُو۔ پھر اِسکا سبب بھی کامل کے ذہن میں از خود آگیا۔۔۔ شائد سردی کی زیادتی کی وجہ سے نرگس کی آواز بیٹھ چکی ہے۔۔۔ اگرچہ صبح ہُوچکی تھی۔ لیکن کمرے میں ملجگا سا اندھیرا باقی تھا۔ نرگس تھوڑی دیر تک شرما شرما کر کامل سے گفتگو کرتی رہی۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں دونوں بیباکی سے تنہا کمرے میں گفتگو کرنے لگے۔ صبح کا اُجالا کُچھ ہی دیر میں ظلمت کی تیرگی سے مار کھا گیا۔۔۔ کامل علی نے خُود کو لاکھ رُوکنا چاہا۔ لیکن بھلا۔۔۔ کیا شمع موم کو پگھلنے سے رُوک سکتی ہے۔ اُور کیا کاغذ آگ کی لُو سے خود کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔۔۔؟

دِن دیر گئے تک جب کامل کی آنکھ کھلی ۔۔۔ صبح کے مناظر اُسکی آنکھوں میں گھومنے لگے۔۔۔ وُہ سیدھا غُسل خانے میں داخل ہُوگیا۔۔۔ نہاتے ہُوئے اُس نے چُوڑیوں کی کھنک سے اندازہ لگالیا کہ نرگس بھی بیدار ہُوچکی ہے۔۔۔ وُہ

سُوچنے لگا کہ،، اب وُہ کسطرح سے نرگس سے نظریں مِلا پائے گا۔ اسلئے وُہ شرمندگی سے شرمسار مزید وقت باتھ رُوم میں گُزارتا رہا۔۔۔ کافی وقت گُزرنے کے بعد نرگس نے باتھ رُوم کے دروازے پر دستک دیتے ہُوئے کہا۔ آپ کو اُور کتنا وقت لگے گا۔۔۔؟ پلیز جلدی آجائیں۔ کیونکہ مجھے بھی واش رُوم جانا ہے۔ اُور آپ کے گھر میں کوئی دوسرا واش رُوم بھی تُو نہیں ہے۔ نرگس کی نارمل آواز سُن کر کامل کو احساس ہُوا کہ بات ابھی بِگڑی نہیں ہے۔ یا جو کُچھ گُزر چکا۔ نرگس کی نِگاہ میں اُن باتوں کی کوئی خاص وقعت ہی نہیں ہے۔ ورنہ وُہ اتنا نارمل ری ایکٹ نہ کرتی۔۔۔

کامل کے باہر نِکلتے ہی نرگس واش رُوم میں چلی گئی۔۔۔ کامل علی نے کُچھ سُوچ کر باتھ رُوم کے دروازے پر بُلند آواز سے کہا،، تُم جب تک فریش ہُو لو۔ تب تک میں بازار سے ہُو کر آتا ہُوں۔۔۔۔ کامل نے دروازے کو باہر سے لاک کرنے کے بعد بازار کا رُخ کیا۔۔۔۔ چمکتی ہُوئی دوپہر بھی سردی کو مات نہ دے سکی تھی۔ کامل نے بازار سے گرما گرم چائے کیساتھ بریانی بھی خرید لی۔۔۔ ایک جگہ سے گُزرتے ہُوئے اُسے نرگسی پکوڑے دِکھائی دیئے۔ تو اُسنے نرگسی پکوڑوں کیساتھ گاجر کا حلواہ بھی خرید لیا۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں ہی نرگس کو بُہت زیادہ مرغوب تھیں۔۔۔

گھر میں داخل ہُونے کے بعد کامل کو نرگس پُورے گھر میں کہیں دِکھائی نہ دِی۔ ایک لمحے کیلیئے کامل اپنا کلیجہ تھام کر رِہ گیا۔ وُہ سُوچنے لگا شائد میری صبح کی دیدہ دلیری نرگس کو پسند نہیں آئی تھی۔ اِس لئے وُہ واپس چلی گئی ہے۔۔۔ لیکن پھر دُوسرے ہی لمحے اُسکے دِماغ نے اُسے سمجھایا۔ کہ اتنی دُور نِکل آنے کے بعد بھلا نرگس کیسے واپس جاسکتی ہے۔ اُور دروازہ بھی باہر سے بند تھا۔ یہی سُوچ کر کامل نے چھت کی رَاہ لی۔۔۔۔ چھت پر پہنچتے ہی اُس نے سکون کی سانس لی۔۔۔۔ کیونکہ نرگس اپنے کھلے ہُوئے گیلے بالوں کو تولیہ سے سکھانے میں مصروف تھی۔۔۔۔

تُم یہاں پر ہُو نرگس ۔۔۔ میری تو جان ہی نِکل گئی تھی۔ کہ کہیں تُم خفا ہُو کر تو واپس تُو نہیں چلی گئیں۔ کامل علی نے نظروں کو جھکا کر اپنے خُوف کا اِظہار کیا۔ میں بھلا کیوں خفا ہُو کر چلی جاتی۔۔۔۔؟ نرگس نے انجان بنتے ہُوئے شَرما کر کہا۔ اُور یہ آپ مجھے بار بار نرگس کہہ کر کیوں مُخاطب کررہے ہیں۔۔۔؟ نرگس نے ایک مرتبہ پھر اپنے بالوں کو تولیہ سے جھٹکتے ہُوئے اِٹھلا کر کہا۔۔۔

نرگس نہ کہوں۔۔۔ تُو پھر کیا کہوں تُمہیں ۔۔۔؟ کامل علی نے رُومانٹک لہجہ بناتے ہُوئے کہا۔۔۔ نرگس کی بیباکی سے کامل علی کی جھجک کافی کم ہُوچکی

تھی۔۔۔۔ آپ مجھے میرے نام ۔جاناں۔ سے پُکاریں نا مجھے اچھا لگے گا۔ نرگس نے ایک خاص انداز سے کامل علی کی آنکھوں میں جھانکتے ہُوئے کہا۔۔۔۔ ٹھیک ہے بابا آئندہ میں تُم کو جاناں ہی کہہ کر پُکاروں گا۔ لیکن فی الحال جلدی سے نیچے چلو۔ ورنہ کھانا کَم ناشتہ ٹھنڈا ہُو جائے گا۔۔۔ کامل نے پلٹ کر سیڑھی کی جانب اِشارہ کرتے ہُوئے کہا۔۔۔۔

کھانا کھاتے ہُوئے بار بار کامل علی کَن اَنکھیوں سے نرگس کے سراپا کا جائزہ لیتا رہا۔۔۔ وُہ رات والے سرخ لباس میں بالکل ایک پری کی مانند لگ رہی تھی۔ اچانک کامل علی کو خیال آیا کہ نرگس گُذشتہ شب صرف ایک لباس میں اُسکے گھر چلی آئی تھی۔ جِسکی وجہ سے اُسکو پریشانی درپیش آرہی ہُوگی۔۔۔ نرگس ۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ جاناں تُمہارے پاس تو کوئی دوسرا ڈریس بھی نہیں ہے۔ اِسلئے میں کھانے کے بعد تُمہارے لئے بازار سے چند دوسرے سُوٹ خرید لاتا ہُوں۔۔۔ دراصل کامل علی نے تمام زندگی اپنی نرگس کو نرگس ہی کے نام سے پُکارا تھا۔ اِسلئے اُسے اِس نئے نام سے پُکارنے میں دُشواری ہُورہی تھی۔

جی کوئی بات نہیں میں فی الحال ایک دُو دِن اِس ہی ڈریس سے کام چلا لُونگی۔ آپ ابھی پریشان نہ ہُوں بعد میں جب بازار جانا ہُو۔ تب خرید لایئے گا۔ نرگس نے اُسکی پریشانی کو بھانپتے ہُوئے اُسے صلاح دی۔۔۔ چلو ٹھیک ہے پھر میں جب

رات کا کھانا خریدنے جاؤنگا تب تمہارے لئے نئے کپڑے بھی خرید لاؤنگا۔۔۔ کامل کو پھر یہ خیال ستانے لگا کہ نرگس نے اُسکے واسطے بُہت بڑی قربانی دِی ہے۔ یہاں تک کہ وُہ اپنے پھول سے بچے کو بھی وہیں چھوڑ آئی ہے۔۔۔ حالانکہ نرگس نے ایک مرتبہ بھی اپنے بچے کا ذکر مجھ سے نہیں کیا۔۔۔ لیکن آخر کو وُہ ایک ماں ہے نجانے اندر ہی اندر وُہ اپنے بچے کیلئے کتنا تڑپ رہی ہُوگی۔ یہی سُوچ کر کامل علی نے ہمدردی سے نرگس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہُوئے دریافت کیا۔۔۔ جاناں تُمہیں اپنے بچے کی یاد تُو بُہت آرہی ہُوگی۔۔۔؟

بچہ۔۔۔۔؟ کونسا بچہ۔۔۔؟ مجھے جب کوئی بچہ ہے ہی نہیں تُو یاد کیسے یاد آئے گی۔۔۔ اُور ابھی ہماری شادی کو ایک دِن بھی نہیں گُزرا اُور آپکو بچے کی فکر کیسے لاحق ہُوگئی۔ نرگس نے اچھنبے سے کامل علی کی طرف ایسے دِیکھا جیسے اُسے کامل علی کی دِماغی صحت پر شک گُزرنے لگا ہُو۔۔۔

میں تُمہارے بیٹے طارق کی بات کررہاہُوں۔ جو تُمہارے پہلے شُوہر سے ہے۔ کامل نے بدستور نرم لہجے میں جواب دیا۔۔۔۔۔ پہلا شُوھر، میرا بیٹا طارق۔۔۔۔؟ آخر بات کیا ہے۔۔۔؟ آپ مجھ سے شادی کے پہلے ہی دِن یہ کیسی کیسی باتیں کررہے۔۔۔؟ کیا آپکو میں کوئی بدچلن یا گئی گُزری لڑکی نظر آتی ہُوں۔ جو آپ میرا اِس طرح سے امتحان لے رہے ہیں۔۔۔ کیا گھر سے بھاگنا میرا اتنا

بڑا جُرم ہے۔۔۔ کہ بیٹھے بِٹھائے آپ نے میری ایک اُور شادی کا خیال اپنے دِماغ میں تراش لیا۔۔۔ جاناں کے لہجے میں اِس مرتبہ ناراضگی کا عنصر صاف جھلک رَہا تھا۔ اِس مرتبہ چکرانے کی باری کامل علی کی تھی۔۔۔ کیونکہ نرگس ناصرف اپنی پہلی شادی سے صاف مُکر رہی تھی۔ بلکہ وُہ یہ ماننے کو بھی تیار نہیں تھی کہ وُہ ایک عدد بچے کی ماں بھی ہے۔۔۔ اُور نرگس بار بار شادی کا تذکرہ ایسے کر رہی تھی جیسے وُہ واقعی اُسکی حقیقی بیوی ہُو۔ کامل نرگس کا جواب سُن کر اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے بیڈ پر بیٹھتا چلا گیا۔۔۔۔

جاری ہے)۔(

اُسکا کہنا ہے۔ کسی اُور کو دیکھوں نہ کبھی
کیوں کہ اُسکو یہ میرا رُوپ بُرا لگتا ہے
مجھکو ہر چہرے میں آتی ہے نظر اِک وُہ ہی
جُو نہ بھر پائے یہ بہرُوپ بُرا لگتا ہے

پہلا پہلا پیار

ہر انسان کو زِندگی میں پیار کی اشد ضرورت ہُوتی ہے۔ یہ پیار اُسے زندگی میں آگے بڑھنے کیلیئے مدد فراہم کرتا ہے۔ اُور مشکل وقت پڑنے پر یہی پیار اُس میں ہمت و حوصلہ پیدا کرتا رِہتا ہے۔ جِسکے سہارے انسان ہر آزمائش سے بخیر و عافیت گُزر جاتا ہے۔ لیکن ہر انسان کی زندگی میں اُسکے پہلے پہلے پیار کی اہمیت خاص مُقام رکھتی ہے۔
مجھے یہ بات ماننے سے بالکل انکار نہیں کہ مجھے ہمیشہ اِس بات نے اُلجھائے رکھا کہ میری زندگی میں پہلا پہلا پیار بن کر کُون داخل ہُوا تھا۔

میرے ذِہن میں سب سے پہلا خاکہ اپنی منگیتر کا تھا۔ جُو کبھی میری شریک حیات بن ہی نہ سکی۔ ایک معمولی سی بات نے میری والدہ کے جذبات کو مُشتعل کردیا۔ جِسکے سبب امی جان نے یہ رِشتہ شادی سے کُچھ عرصہ قبل ہمیشہ ہمیشہ کیلیئے ختم کردیا۔ اُور میں اُس رشتہ کیلیئے قریباً تین برس تڑپتا رَہا۔ اکثر نماز کے بعد میں زار وقطار رُوتے ہُوئے دُعائیں مانگتا رِہتا کہ کسی نہ کسی طرح یہ رشتہ بحال ہُوجائے۔ لیکن وُہ رشتہ کبھی بحال نہ ہُوسکا۔

پھر میری پہلی شادی کا مرحلہ آیا۔۔۔ شادی سے قبل مجھے اِس نئے رِشتہ کی ذرا بھی پرواہ نہیں تھی۔۔۔۔ لیکن شادی کے بعد آنے والی کے حُسنِ اخلاق نے مجھے اِسقدر مُتاثر کیا۔۔۔۔ کہ میرے خیالات میں تبدیلی واقع ہُوتی چلی گئ۔ اُور مجھے لگنے لگا کہ میرا پہلا پیار دراصل میری شادی کے بعد میری بیوی کی صُورت میری زِندگی میں دَاخل ہُوا ہے۔ پھر یہ خیال تب مزید مستحکم ہُوگیا جب صرف چار.برس بعد میری شریک حیات اچانک ایک دِن گُردے فیل ہُوجانے کی وجہ سے اِس دارِ فانی سے کُوچ کر گئیں۔ ایک.برس تک میں خُود کو سنبھال نہیں پایا۔ سُوتے جاگتے، کھاتے پیتے اُسی کی صورت نِگاہوں میں پھرنے لگی دِن کا اکثر وقت قبرستان میں گُزرنے لگا۔ اگلے.برس اَماں کی ضدکے آگے مجبور ہُوکر پھر رشتہ ازدواج میں بندھ گیا۔ لیکن میرے ذہن کے کسی گُوشے میں یہ بات بیٹھ گئ کہ،، میری پہلی بیوی ہی دراصل میرا پہلا پیار تھا۔۔۔ .برس گُزر گئے لیکن میرے خیال میں تبدیلی واقع نہیں ہُوئی۔۔۔۔ لیکن ۲۸ دسمبر کی ۱۸ شب جب چھوٹے بھائی نے رُوتے ہُوئے ضیاالدین ھسپتال کراچی سے فون پر مجھے اِطلاع دی کہ،، اب ابا جان ہم میں نہیں رہے ہیں۔

تب چند لمحوں کے سکتے کے بعد مجھے یُوں محسوس ہُونے لگا۔۔۔ جیسے محمود بھائی کہہ رہے ہُوں،، کہ بھائی اب ہم نہیں رہے ہیں۔۔۔ بُہت مشکل تھا اِس بات پر یقین کرنا۔ کیوں کہ آج صبح ہی تُو میں اُن کے پاس تین دِن گُزار کر کراچی سے میرپور خاص آیا تھا۔ اُور بقول ڈاکٹرز اُن کی حالت سنبھلتی جارہی تھی۔۔۔۔ مجھے ایسا محسوس ہُورہا تھا۔ جیسے میں کوئی مُوم کا مجسمہ ہُوں۔ جو اچانک حدت بڑھ جانے سے پگھلنے لگا ہُو۔۔۔ جیسے ریت کا کوئی چھوٹا سا ٹیلہ ہُوں جو تیز ہَواؤں کے جھکڑ سے بکھرنے لگا ہُو۔۔۔

میں اسقدر کمزور انسان ہُوں۔۔۔ آج سے پہلے مجھے خبر ہی نہ تھی۔۔۔ کئی اہم ترین رشتے مجھے چھوڑ کر جا چُکے تھے۔۔۔ کئی مرتبہ زندگی میں متاعِ حیات لُٹنے کا احساس جاگا تھا۔۔۔ اپنی محبوب ترین زُوجہ کے انتقال کا سانحہ اپنی جگہہ۔۔۔اپنی ڈیڑھ برس کی لختِ جگر کو قبر میں اُتارنا بھی بُہت تکلیف دہ تھا۔۔۔ لیکن اپنا وجود۔۔۔۔ آج پہلی مرتبہ احساس ہُورہا تھا کہ جیسے آج متاعِ اصل کھوچُکا ہُوں۔۔۔۔

جسقدر تکلیف کا احساس بڑھ رہا تھا۔ مجھے اپنی قُوت کے گھٹنے اُور بکھرنے کا احساس بھی شدید اذیت میں مُبتلا کئے جارہا تھا۔۔۔ گھر کے ہر ایک فرد کی خاموش بہتی نِگاہوں پر میری نظر تھی۔ مگر مجھے وُہ کاندھا نظر نہیں آرہا

تھا۔ جس پر اپنا سر رکھ کر خُود کو سمیٹ سکوں۔۔۔ بلاآخر جاوید بھائی نے بڑھ کر مجھے سینے سے لگالیا۔۔۔ اُور اِسطرح میری آنکھوں کو برسنے کیلئے کُچھ پل مُیسر آ گئے۔ ۲۹ دسمبر ۲۰۱۲ کو ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں بعد نمازِ جنازہ جب ابا جان کا چہرہ دِکھایا گیا۔ تب بے شُمار لوگوں کی زُبان پر یہی جُملہ تھا۔۔۔ ماشاءاللہ چہرے پر کتنا سکون و اِطمینان ہے۔ جیسے کوئی اپنی ذمہ داری پُوری کرنے کے بعد سکون سے سُوگیا ہُو۔۔۔ پھر وُہ وقت بھی آیا جب ابو کے جسم کو سُپرد خاک کردیا گیا۔

لیکن ابو کی تدفین کے بعد ایک سوال بار بار میرے ذِہن میں گونجتا رہا۔۔۔ کہنے والا کہہ رَہا تھا۔۔۔ آج اپنے دِل سے پُوچھو۔۔۔ کہ میرا پہلا پہلا پیار کُون تھا۔۔۔؟ آج جواب میں کوئی سِقم نہ ہُوگا۔۔۔ آج اِبہام کے اختتام کا دِن ہے۔ بس ذرا سا دھیان اپنے قلب کی آواز پر دُو۔۔۔ یہ راز آج آشکار ہُو جانے دُو۔۔۔ اُور اپنے حقیقی پہلے پیار کو جان جاؤ۔۔۔ میں نے سُوچا آج آخر اِس سوال کی کیا تُک ہے۔۔۔؟ جواب فقط ایک تھا۔۔۔۔ کہ آج ہی صحیح وقت ہے۔ اگر اِس وقت کو کھو دِیا تو پھر کبھی جواب تلاش نہیں کرپاؤ گے۔

سُو میں نے اپنے غم سے مُہلت طلب کی اُور سُوچنے لگا۔۔۔ کہ محبت پیار کی اَصل ہے۔ اُور مُحبت حُوصلہ دیتی ہے۔ مُحبت طاقت کا سرچشمہ ہے۔ مُحبت آگہی

ہے۔ مُحبت سراپا شفقت ہے۔ محبت اخلاص ہے۔ مُحبت اگے بڑھنے کا جذبہ ہے۔ مُحبت جینے کی اُمنگ ہے۔ محبت عیب چھپادیتی ہے۔اُور محبت دُوسروں کیلئے ایثار کا نام ہے۔۔۔۔ توآخر وُہ کون تھا۔۔۔؟جس نے مجھے حُوصلہ دِیا۔ طاقت بخشی۔ آگہی کی پہلی سیڑھی پر گامزن کیا۔ شفقت کی بارشوں میں پروان چڑھایا۔ جسکی مُحبت میں کوئی لالچ نہیں تھا۔ کوئی قرض نہیں تھا۔ کس نے ہمیشہ مجھے آگے بڑھنے میں مدد دِی۔ کس نے ہمیشہ میرے پست حوصلوں کو جِلا بخشتے ہُوئے جینے کی اُمنگ کو بڑھایا۔۔۔اُور دوسروں کی مدد کرنے کیلئے ہمہ وقت تیار کیا۔اُور کس نے ہمیشہ میرے عیب چھپائے۔۔۔

میں جُوں جُوں سُوچتا چلا گیا میری آنکھوں کے سامنے میرے بابا کی تصویر واضح ہُوتی چلی گئی۔۔۔ میں فقط اپنے والد کی رُوح سے اتنا ہی کہہ پایا۔ بابا مجھے مُعاف کردینا۔۔۔ میں نے یہ جاننے میں بُہت دیر کردی کہ درحقیقت آپ ہی میرا پہلا پیار تھے۔۔۔ اُور میری اِس تاخیر میں قصوروار میں اَکیلا نہیں ہُوں۔ بلکہ آپ بھی اِس میں شامل ہیں کہ،، آپ نے کبھی جتایا ہی نہیں کہ میری پرواز آپ ہی کے دَم قدم سے تھی۔ لیکن میں آج جان گیا ہُوں۔۔۔ لیکن میں آج جان چُکا ہُوں۔۔۔

کون لایا تھا خبر۔دِل کو ن دِہلا کر گیا
کون مجھکو میرے ہی اَشکوں سے نہلا کر گیا
جس نے اُنگلی تھام کر مجھ کو چلایا تھا سَدا
آج وُہ بابا میرا مجھ کو آکیلا کر گیا۔
لمس جسکے ہاتھ کا دیتا تھا مجھکو حوصلہ
رُخ کو مجھ سے پھیر کر سُونا وُہ میلہ کر گیا

دِل میں بَسے غم اُور اُنکا علاج

محترم قارئین کرام السلام وعلیکم

آج ساری دنیا میں مسلمان ہر سُو ہر جاہ پریشان ہیں۔ اُور دُور دُور تک اِس کسمپرسی کی حالت میں ہمیں مُسلمانوں کا نہ کوئی بالغ نظر رہنما نظر آتا ہے۔۔۔ کہ جسکی فراست مسلمانوں میں حُوصلہ پیدا کردے۔ اُور نہ ہی اِن لامتناہی پریشانیوں کا کوئی حل ہی نظر آتا ہے۔۔۔ اُور یہ بھی حقیقت ہے کہ جب تک ہم اپنے دُوسرے مسلمان بھائیوں کی تکالیف کی جانب نِگاہ نہیں اُٹھاتے ہمیں اپنی تکلیف اپنا غم ہی سب سے بڑا نظر آتا ہے۔۔۔۔ لیکن کیا کبھی ہم نے یہ جاننے کی کُوشش بھی کی کہ،، دِل میں بس جانے والے اِس غم کی وجوہات کیا ہیں۔۔۔؟ اُور کیوں زمانے بھر کے دُکھوں نے ہمارے گھروں کو منتخب کرلیا ہے۔۔۔ ہمارے قلبوں کو چُن لیا ہے۔۔۔۔ دِلوں میں بسیرا کرلینے والے اِن غَموں کے متعلق ایک دِن میں نے اپنے مُرشد کریم سے استفسار کیا تو میرے مُرشد کریم نے یُوں اِرشاد فرمایا۔۔۔

بیٹا جب انسان سے کوئی گُناہ سرزد ہُوجاتا ہے۔ تب اُسکے قلب پر فرمان مُصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رُوشنی کے مُطابق ایک سیاہ دھبہ نمودار ہُوجاتا ہے۔۔۔ اَب اگر وُہ بندہِ مؤمن اپنے کریم رَبّ سے اپنے گُناہ پر نادم ہُوکر توبہ کرلیتا ہے۔ تُو یہ سیاہ نُقطہ قلب سے دُور ہُو جاتا ہے۔۔۔۔ اُور قلب توبہ کے نور سے پھر سے جگمگانے لگتا ہے۔ وَگرنہ یہی ایک نقطہ مزید گُناہوں کے سبب انسانی قلب پر اپنا قبضہ جمائے رکھتا ہے۔ اُور ایک دِن یہی سیاہ نقطہ پھیلتے پھیلتے تمام قلب کو اپنی سیاہی کی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔اِس لئے اگر کسی مسلمان کے قلب میں غم بَس جائے تو اُسے اپنے قلب کی جانب توجہ کرنی چاہیئے کہ،، ایسا کُونسا گُناہ اُسکی ذات سے رُونما ہُوا ہے جسکی توبہ اُس نے ابھی تک نہیں کی ہے۔۔۔ کیونکہ یہ غم دِل میں اُسی وقت پیدا ہُوتا ہے۔ جب کہ گُناہ تو سرزد ہُوجائے۔ لیکن تُوبہ نہ گئی ہُو۔

قارئین محترم اگرچہ مجموعی طور پر مسلمانوں کی حالت پستی کا شِکار ہے۔ لیکن پھر بھی اس نفسا نفسی کے دور میں ہمیں کچھ لوگ ضرور ایسے ملتے ہیں جنکی زندگی نہایت پُرسکون نظر آتی ہے۔ اور جنکے قُلوب غم سے پاک نظر آتے ہیں۔ اُور جنکے متعلق اللہ کریم اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتا ہے کہ،، بے شک میرے دُوستوں کو نا غَم ہے اُور نہ ہی کوئی خُوف ہے۔۔۔ اُور جب ہم اِن لوگوں

یعنی (اُولیاءَاللہ) کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو ہمیں اسکا سبب بھی نظر آجاتا ہے اللہ عزوجل نے قران مجید میں جا بجا اپنی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ جسکی پیروی میں اِن اُولیائے کاملین کی زِندگی کا ایک ایک لمحہ اطاعتِ مُصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بَسر ہُوتا نظر آتا ہے۔۔۔

لیکن ہم لُوگوں نے شاید اطاعت کا مفہوم ہی نہیں سمجھا۔ محترم اطاعت، محبت، اُور تعظیم یہ سب الفاظ الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں۔۔۔ محترم بھائیوں اُور بہنوں ہم اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یقیناً محبت اور عشق ضرور کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم بھی دل و جان سے کرتے ہیں۔ لیکن جب بات اطاعت کی آتی ہے تو ہم اپنی نظریں چرانے لگتے ہیں۔ حیلے بہانے تراشنے لگتے ہیں۔ مجبوریوں کو دلیل بنا کر پیش کرنے لگتے ہیں۔ محترم ساتھیوں اطاعت کے لغوی معنی ہیں تابعداری۔ تعمیل حکم۔ فرمانبرداری۔ خود کو کسی کی محکومی میں دے دینا۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔

لیکن جب ہم اپنی گُذشتہ زندگی کے اُوراق پر نِگاہ ڈالتے ہیں۔ تُو اپنی زندگی کے معمولات میں جگہہ جگہہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بجائے نفس کی تابعداری ذِیادہ نظر آتی ہے۔ ہم نے اپنی مرضی کو حُکمِ مُصطفٰی صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈھالنے کے بجائے۔ اپنی خواہشات کی غلامی کو قبول کرلیا۔۔۔ جسکے سبب ہم دُنیا میں ذلیل ہوکر رہ گئے۔۔۔ خدا کی قسم اگر ہم خدا عزوجل اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مان کر زندگی گزاریں۔ تو نہ کوئی دَیوُث ہم پر جبر و ظلم کرسکے گا۔ اور نہ ہی زندگی اتنی تکلیف دہ ہو۔ اور نہ ہی ہمارا دِل حزن و ملال کی آماجگاہ بنے گا۔۔۔ حالات چاہے جیسے بھی ہوں۔ مسائل چاہے کتنے بھی ہوں۔۔۔ لیکن ایک بات ضرور ہے کہ یہی اطاعتِ رَسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں حوصلہ اور طاقت پیدا کرسکتی ہے۔ ہمیں باوقار طریقے سے جینے کی راہ دِکھا سکتی ہے۔ اور اِن تمام مسائل سے نمٹنے میں مدد دے سکتی ہے۔

اے میرے پروردیگار تیری بے نیاز بارگاہ میں تیرے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم قربانیوں کے وسیلے سے دُعاگو ہوں کہ ہم سب مسلمانوں کے قلوب کو اپنے محبوبِ کریم ﷺ کی مُحبت کا خزینہ بنادے۔ اطاعت مُصطفٰے ﷺ سے ہمارے قلوب کو سرشار فرمادے۔ اور ہمیں اپنے اولیائے کرام رَحم اللہ اجمعین کی راہ کا مُسافر بنادے تاکہ انعمت علیھم کی تشریح ہمارے قلوب و اَذہان کو مُنور کردے۔۔۔ آمین بجاہِ النبی الکریم وصلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وبارک وسلم

عامل کامِل اَبُو شامِل قسط۔۲۱ (مقابلہ)۔

گُذشتہ (۲۰)۔اقساط کا خُلاصہ۔۔۔

یہ کہانی ہے۔ایک ایسے نُوجوان کامِل علی کی جِس کے سر سے اُسکے والد کا سایہ بچپن میں ہی اُٹھ گیا۔۔۔ والدہ کی نوجوانی میں بیوگی سے بے شُمار مسائل جنم لینے لگتے ہیں۔
حالات سے تنگ آ کر کامل علی کی بیوہ والدہ پھر سے مولوی رمضان کی دُلہن بن جاتی ہے۔۔کامِل علی کو اپنے ہمسائے چاچا ارشد کی بیٹی نرگس سے بُہت دِلی لگاوٗ پیدا ہُو جاتا ہے۔جُو دھیرے دھیرے مُحبت میں تبدیل ہُو جاتا ہے۔
حالات اُور زمانے کے بار بار ستائے جانے پر کامل علی رُوحانی عملیات کی جانب راغب ہُو جاتا ہے۔تُو وہ تمام زمانے سے خاص کر چاچا ارشد سے بدلہ لینا چاہتا ہے۔
لیکن بار بار چلہ کاٹنے کے باوجود بھی ناکامی اُسکا مقدر ٹہرتی ہے۔ وُہ ایک بنگالی جادوگر کی شاگردی اِختیار کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ہر بار ایک مَجذوب (بابا صابر) اُسکے راستے میں دیوار کی مانند کھڑا ہُو جاتا ہے۔اُستاد عبدالرشید کے بار بار سمجھانے پر بھی جب کامل علی عملیات سے باز نہیں آتا۔ تب اُستاد عبدالرشید اُسے ایک اللہ کے ولی ،، میاں صاحب ،، کے پاس

بھیجتا ہے۔ لیکن یہاں بھی ناکامی کامل علی کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اُور وہ خالی ہاتھ ہی اپنے گھر لُوٹ آتا ہے۔ افلاطون نامی ایک نوجوان کامل علی کے گھر میں گھسنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کامل علی دھکے دے کر اُسے گھر سے نِکال دیتا ہے۔ لیکن جب وُہ دروازے میں کنڈی لگا کر پلٹتا ہے۔ تُو اُسی نوجوان کو اپنے بستر پر دراز دیکھتا ہے۔

افلاطوں جسکی کُنیت ابو شامل ہے۔ اُسے بتاتا ہے۔ کہ وُہ ایک جِن زادہ ہے۔ اُور ایک عامِل اُسکے پیچھے پڑا ہے کیونکہ وُہ کافی طاقتور جن ہے۔ افلاطُون پیشکش کرتا ہے کہ اگر کامل علی اُس عامل سے بچانے میں اِسکی مدد کرے تُو،، افلاطُون دُوست بن کر دُنیا کی ہر شئے کو اسکے قدموں میں لا کر ڈال سکتا ہے۔ کامل علی افلاطون کی پیشکش قبول کرلیتا ہے۔ دُونوں جہلم جلباب سے مُلاقات کا پروگرام بنا لیتے ہیں۔ جلباب سے مُلاقات کے بعد ابو شامل کراچی پُہنچ کر کامل علی کو تنہا نرگس کے فلیٹ تک پُہنچا کر غائب ہُوجاتا ہے۔ نرگس کامل علی کو سمجھاتی ہے کہ وُہ واپس لُوٹ جائے۔ کیونکہ وُہ اپنی سابقہ زندگی کو بُھلانے کی کُوشش کررہی ہے۔ کامل علی جب واپس گھر پُہنچتا ہے۔ تب ابو شامل نرگس کو اُسکے سامنے پیش کردیتا ہے۔

پچھلی قسط سے یاداشت۔

کامل علی جب نرگس کو اُسکے نام سے پُکارتا ہے۔ تو نرگس اصرار کرتی ہے کہ وہ اُسے جاناں کہہ کر پُکارے۔ لیکن جب کامل علی اَز راہِ ہمدردی اُسکے بیٹے طارق کا تذکرہ کرتا ہے۔ تو نرگس اُس پر برس پڑتی ہے۔ کہ جب اُسکی شادی کو صرف ایک ہی رات گُزری ہے۔ تو وُہ کسی بچے کی ماں کسطرح بن سکتی ہے۔ اُور کیا وُہ اِسکے کردار پر شک کر رہا ہے۔۔۔؟ نرگس کی عجیب و غریب باتوں سے پریشان ہُو کر کامل علی دُونوں ہاتھ سے اپنا سر تھام کر مسہری پر بیٹھ جاتا ہے۔

اَب مزید پڑھیئے۔

کامِل علی کا سر دَرد کی شدت کی وجہ سے پھٹا جا رہا تھا۔ اُسے حیرانگی اِس بات پر نہیں تھی۔ کہ وُہ خود کو اِسکی منکوحہ جتلا رہی تھی۔ بلکہ وُہ اِس بات سے پریشان تھا کہ کہیں ابو شامل نے اسکا دِماغ تو نہیں اُلٹ دِیا ہے۔ جسکی وجہ سے وُہ اپنے پُھول سے بیٹے کو بھی فراموش کرچکی ہے۔ یکایک اُسے ایسا محسوس ہُونے لگا۔ جیسے کوئی تسلسل سے اُسکے دِماغ پر ہتھوڑے برسا رِہا ہُو۔ درد کی شِدت کیساتھ ہتھوڑے کی گُونج میں بھی اضافہ ہُوتا چلا جارہا تھا۔ کیا مجھ پر اِلزام لگاتے لگاتے کان کی سماعت سے بھی محروم ہُو چُکے ہیں۔ جُو دروازے پر ہُونے والی مُسلسل دستک بھی سُنائی نہیں دے رہی آپ کو۔۔۔؟

نرگس کی آواز سُن کر کامل نے دروازے کی جانب دیکھا۔ جسے کوئی بڑی بیدردی سے پیٹے چلا جارہا تھا۔

کامل علی نے جھنجلا کر دروازہ کُھولا تو سامنے ابو شامل پر نظر پڑی۔ جسکے چہرے سے ہی بدحواسی مترشح تھی۔ لیکن کامل علی کی اپنی ذہنی حالت بھی ایسی نہ تھی۔ کہ وُہ اِس سچویشن کو سمجھ پاتا۔۔۔۔ اسلیئے جیسے ہی اُس نے ابو شامل کو دیکھا تو اُس پر بے اختیار برس پڑا۔۔۔ بتاؤ کیا۔ کیا ہے تُم نے میری نرگس کیساتھ۔ جو یہ نہ مجھے سمجھ پارہی ہے۔ اُور نہ ہی اِسے اپنا بچہ ہی یاد ہے۔۔۔ ابو شامل بھی شائدؔ اِس سچویشن کیلیئے تیار نہیں تھا۔۔ اُس نے بُوکھلائے ہُوئے انداز میں گھر میں انٹری کے بعد اندر سے دروازہ بند کرتے ہُوئے ایک طویل سانس لینے کے بعد کامل علی کو مُخاطب کرتے ہُوئے کہا۔ دیکھو میں جانتا ہُوں۔ کہ صرف تُم اکیلے پریشان نہیں ہُو۔ بلکہ تُمہارے ساتھ یہ بھی بُہت حیران ہے۔ ابو شامل نے نرگس کی جانب ہاتھ کا اِشارہ کرتے ہُوئے اپنی گفتگو جاری رکھی۔۔۔ لیکن فی الحال مجھ پر جو افتاد آپڑی ہے۔ اُسکی وجہ سے میں اِس وقت کچھ بھی بتانے اُور سمجھانے کی پُوزیشن میں نہیں ہُوں۔ مجھے فُوری طُور پر تُمہاری مدد چاہیئے۔ اُسکے بعد میں تُم دُونوں میں پیدا ہُوئی ہر ایک غلط فہمی کا اِزالہ کردونگا۔

لیکن فی الحال مجھے تُمہاری مدد کی اشد ضرورت ہے۔اِس لئے تمہیں فوراًاِسی وقت میرے ساتھ چلنا ہُوگا۔ ابوشامل نے کامل کا ہاتھ تھام کر تقریباًاُسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہُوئے کہا۔۔۔ دروازے کے قریب پُہنچ کر ایک لمحے کیلئے پلٹ کر ابوشامل نے نرگس کو مُخاطب کرتے ہُوئے کہا۔۔۔اُور ہاں مجھے اُمید ہے کہ آپ بھی گُذشتہ تمام باتوں کو بُھول کر خوشدلی سے ہماری واپسی کا انتظار کریں گی۔۔نرگس سے اتنا کہنے کے بعد ابو شامل نرگس کا جواب سُنے بغیر کامل علی کا ہاتھ تھامے دروازے سے باہر نِکل گیا۔

کامل علی کو ابوشامل کی حالت دیکھ کر اِتنا تُو اندازہ تو ہُو ہی گیا تھا کہ کُچھ نہ کُچھ معاملہ گڑبڑ ضرور ہے۔ ورنہ آج سے پہلے اُس نے ابو شامل کو اتنا نروس کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وُہ تو ایک زندہ دِل جن تھا۔ جو اپنے ہوش وحواس کو قائم رکھتے ہُوئے ہر مشکل کا حل منٹوں میں نِکال لیا کرتا تھا۔ لیکن آج اُسکے چہرے پر اُڑتی ہَوائیاں کُچھ اُور ہی کہانی سُنا رہی تھیں۔

یار خیر تُو ہے۔۔۔؟ کیوں اتنے بدحواس نظر آرہے ہُو۔۔۔آخر آج ایسا کیا مسئلہ ہُوگیا ہے۔ جِسے تُمہاری ٹیلی پیتھی بھی سُلجھا نہیں پارہی ہے۔۔۔؟ اُور کُچھ نہیں تو کم از کم اتنا ہی بتادو کہ ہم جا کہاں رہے ہیں۔۔۔ کامل علی نے ابو شامل کی مسلسل خاموشی کو دیکھتے ہُوئے کئی طرح سے اُسے کریدنے

کی کوشش کی۔۔۔ دیکھو تھوڑی دیر خاموش رہو۔ ویسے میں اتنا بتادوں کہ ہم سیالکوٹ جارہے ہیں۔ اتنا کہنے کے بعد ابو شامل نے ایک سُنسان گلی دیکھ کر حسبِ معمول کامل علی کے ہاتھ کو ہلکا سا ایک جھٹکا دِیا۔ جھٹکے سے سنبھلنے سے پہلے ہی کامل علی سمجھ چُکا تھا۔ کہ اب ایک نیا منظر اُسکے سامنے ہُوگا۔ اگلے ہی لمحے کامل کے خیال کی تصدیق ہُو گئی جب اُس نے خود کو ایک کچرے کے ڈھیر کے نذدیک پایا۔ ٹرین کی مسلسل وِسل اُسے اتنا سمجھانے کیلئے کافی تھا کہ،، وُہ سیالکوٹ پُہنچ چُکا ہے اُور اِس وقت ریلوے اسٹیشن کے نذدیک کھڑا ہے۔۔۔

ابو شامل نے کامل کے سیدھا ہُوتے ہُوئے اُسے سمجھانا شروع کردیا۔۔۔ دیکھو کامل علی یہ سیالکوٹ شہر ہے۔ لیکن آج میں تُمہارے شانہ بشانہ نہیں چل پاؤنگا۔ اسلئے یہاں سے آگے تمہیں خود جانا پڑے گا۔ البتہ میرا تُم سے دِماغی رابطہ ہرپل رہے گا۔۔۔۔

لیکن مجھے کرنا کیا ہُوگا۔۔۔؟ کامل علی نے ابو شامل کی گفتگو ختم ہُونے سے قبل ہی اپنی ذہنی خلش کا اِظہار کرتے ہُوئے استفسار کیا۔۔۔۔

یار جیسا کہ میں نے تمہیں پہلی مُلاقات میں بتایا تھا کہ ایک عامل مجھے اپنا غُلام بنانے کیلئے چلہ کاٹ رہا ہے۔ جِسکے لئے مجھے تُمہاری مدد درکار

ہے۔ جسکے عوض میں تُمھاری ہر خُواہش اُور تمنا کو پُوری کرنے کی بھرپور کوشش کرونگا۔ جِسے میں نبھانے کی کوشش بھی کررہاہُوں۔ لیکن اب میں اُس عامل کو مزید مُہلت نہیں دے سکتا۔ اگر تمھیں یاد ہُو۔ تُو میں نے جہلم میں جلباب کے گھرپر سیالکوٹ کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ لیکن اُسکے بعد موقع ہی مُیسر نہیں آیا کہ مزید اِس موضوع پر تُم سے گفتگو کرپاتا۔ لیکن میرے دُوست اب مجھے ایسا محسوس ہُونے لگا ہے۔ کہ جیسے وُہ کمبخت عامل رُوز بروز میرے گرد اپنا شکنجہ کَستا جارہا ہے۔ جسکی وجہ سے میری تمام قُوتیں بھی رفتہ رفتہ کمزور پڑتی جارہی ہیں۔ اِسلئے میں چاہتاہُوں کہ تُم اُس عامل کو کسی طرح ٹھکانے لگادو۔

ٹھکانے لگادوں ۔۔۔؟ کیا مطلب ! کیا تُم یہ چاہتے ہُو کہ میں اُس عامل کو تُمھاری خاطر خُوامخواہ قتل کرڈالوں۔۔۔۔؟ ہاں میرے دُوست میری یہی خُواہش ہے کہ تُم اُسے جہنم رسید کردو۔ ابو شامل نے بڑے اطمینان سے کامل علی کے سوال کے جواب میں کہا۔۔۔۔ دیکھو ابو شامل۔ میں نہ ہی کوئی پیشہ ور قاتل ہُوں۔ جو تُمھارے کہنے پر کسی بے گُناہ مسلمان کے قتل سے اپنے ہاتھ رَنگ لُوں۔۔۔ اُور نہ ہی تُم نے دُوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہُوئے مجھے ایسے کسی کام کے متعلق بتایا تھا۔ اسلئے میرا جواب صاف ہے۔ کہ،، میں کسی اِنسان کو تُو کُجا کسی چڑیا کے بچے کے قتل کیلئے بھی تیار نہیں ہُوں۔ اب چاہے تُم مجھ سے

دوستی قائم رکھو۔ یا چاہو تو اِس دُوستی کے رشتے کو تُوڑ ڈالو۔ کامل علی نے واضح اُور دُو ٹوک انداز میں اپنی رائے پیش کرتے ہُوئے کہا۔۔۔

یار اتنے خُود غرض اُور احسان فراموش تُو نہ بنو۔۔۔۔؟ کہ میرا انسانوں پر سے بھروسہ ہی ختم ہُو جائے۔۔۔ جب میں نے تُم سے کہا تھا کہ مجھے ایک عامل کے مُقابلے میں تُمہاری مدد درکار ہے۔ تو تُم نے کونسا مجھ سے معلوم کیا تھا کہ،، مجھے تُم سے کِس قسم کی مدد چاہیئے۔۔۔ اُور معاف کرنا میں تُم سے کسی مسلمان کو قتل نہیں کروا رہا۔ بلکہ وُہ عامل ہندو ہے۔۔۔ لیکن افسوس ! آج جب تُمہارا کام نِکل گیا ہے۔ اُور تُم نرگس کو پا چُکے ہُو۔ تُو تم کو شائد ایسا لگتا ہے کہ،، اب تُم کو میری ضرورت نہیں رہی ہے۔ لیکن کامل ایک بات یاد رکھنا۔ اگر آج تُم اپنے وعدے سے پھر گئے اُور تم نے میری مدد نہ کی۔۔۔ تو۔۔۔ جو کُچھ تم دیکھ رہے ہُو۔ وُہ سب کچھ ایک سراب کی مانند یکلخت غائب ہُو جائے گا۔ اُور تُم پھر سے نااُمیدی اُور حسرتوں کی دُنیا میں تنہا رِہ جاؤ گے۔۔۔

ابوشامل کامل علی کے جواب سے کچھ ذیادہ ہی نا اُمید نظر آرہا تھا۔

کامل علی نے چند لمحے ابو شامل کی گفتگو پر غُور کیا تو اُسے اِحساس ہُوا۔ کہ واقعی وُہ اسکی مدد کے بنا کبھی بھی نرگس کو نہیں پا سکتا تھا۔ اُور بھی

نجانے کتنے مسائل میں آیندہ بھی اُسے ابو شامل کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔اِس لئے کامل نے ابوشامل کو متوجہ کرتے ہُوئے کہا۔۔۔ ٹھیک ہے کہ مجھ سے بھی غلطی سرزد ہُو گئی۔ لیکن دُوست میں کسی انسان کا قتل نہیں کرسکتا۔اب چاہے اُسکا کوئی بھی مذہب و دین ہُو۔ ہاں اگر کوئی اُور طریقہ تُمھارے ذہن میں ہُو تو مجھے بتاؤ۔ مجھے تُمھارے کام آکر بُہت خُوشی ہُوگی۔

ٹھیک ہے میں کُچھ سُوچتاہُوں کہ،، کس طرح اُس عامل کو قتل کئے بغیر میری جان بچ سکتی ہے۔۔۔ ابوشامل نے کچھ سُوچتے ہُوئے اپنی گردن جُھکا لی۔۔۔ ابو شامل کافی دیر تک اپنی گردن جُھکائے اِسی مسئلہ میں غُورو فکر کرتا رَہا۔ ایسا محسوس ہُورہا تھا۔ جیسے اُسے مسئلے کا کوئی حل دِکھائی نہیں دے رَہا تھا۔ پھر کسی خیال کے تحت ابو شامل نے خُوشی سے چُونکتے ہُوئے کہا۔۔۔ اَرے مجھے پہلے اِس بات کا خیال کیوں نہیں آیا۔۔۔؟

جاری ہے)۔)

اُسکا کہنا ہے۔ کسی اُور کو دیکھوں نہ کبھی
کیوں کہ اُسکو یہ میرا رُوپ بُرا لگتا ہے
مجھکو ہر چہرے میں آتی ہے نظر اِک وُہ ہی

جو نہ بھر پائے یہ بہروپ بُرا لگتا ہے۔

--(عامل کامل اَبُو شامل قسط۔۲۲ (عامل گھنشام داس

گُذشتہ سے پیوستہ۔

کامل علی جب نرگس کو اُسکے نام سے پُکارتا ہے۔ تو نرگس اصرار کرتی ہے کہ وہ اُسے جاناں کہہ کر پُکارے۔ لیکن جب کامل علی اَزراہِ ہمدردی اُسکے بیٹے طارق کا تذکرہ کرتا ہے۔ تو نرگس اُس پر برس پڑتی ہے۔ کہ جب اُسکی شادی کو صرف ایک ہی رات گُزری ہے۔ تو وُہ کسی بچے کی ماں کسطرح بن سکتی ہے۔ اُور کیا وُہ اِسکے کردار پر شک کررہا ہے۔۔۔؟ نرگس کی عجیب و غریب باتوں سے پریشان ہُو کر کامل علی دُونوں ہاتھ سے اپنا سر تھام کر مسہری پر بیٹھ جاتا ہے۔۔۔ تبھی ابوشامل اچانک آ پُہنچتا ہے۔ اُور کامل کو سیالکوٹ پُہنچا کر کہتا ہے۔ کہ وُہ اسکی خاطر عامل گھنشام داس کو قتل کردے۔ لیکن کامل علی انکار کردیتا ہے۔ جسکے بعد ابوشامل کہتا ہے۔۔۔

ٹھیک ہے میں کُچھ سُوچتاہُوں کہ،، کِس طرح اُس عامل کو قتل کئے بغیر کیسے میری جان بچ سکتی ہے۔۔۔ ابوشامل نے کچھ سُوچتے ہُوئے اپنی گردن جُھکا لی۔۔۔ ابو شامل کافی دیر تک اپنی گردن جُھکائے اِسی مسئلہ میں غُورو فکر کرتا رَہا۔ ایسا محسوس ہُورہا تھا۔ جیسے اُسے مسئلے کا کوئی حل دِکھائی نہیں دے رَہا

تھا۔ پھر کسی خیال کے تحت ابو شامل نے خُوشی سے چُونکتے ہُوئے کہا۔۔۔ اَرے مجھے پہلے اِس بات کا خیال کیوں نہیں آیا۔۔۔؟

اب مزید پڑھیئے۔

کیا ہُوا۔۔۔؟ اُور کونسا خیال پہلے نہیں آیا تھا۔۔۔؟ اُور یہ ہم کچرے کے ڈھیر کے پاس کیوں کھڑے ہیں ۔ کیا کسی مناسب جگہ پر بیٹھ کر گفتگو نہیں کی جا سکتی ۔۔۔؟ کامل علی نے ابوشامل کو مُخاطب کرتے ہُوئے سوال کیا جسکا چہرہ ایک انجانی خُوشی سے دمک رہا تھا۔۔۔۔۔۔ یار کامل میرے ذہن میں ایک زبردست آئیڈیا آگیا ہے۔ جسکی وجہ سے اُس عامل گھنشام داس کو قتل کرنے کی نوبت بھی نہیں آئے گی ۔ اُور میری جان بھی فی الحال اُس عامل سے بچ جائے گی۔۔۔ مطلب وُہ جو کہتے ہیں نا ! کہ سانپ بھی مرجائے۔ اُور لاٹھی بھی نہ ٹوٹنے پائے۔ بس ایسی ہی ایک زبردست ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے۔۔۔ اُور جہاں تک بات ہے کچرے کے ڈھیر کے پاس کھڑے ہُونے کی۔۔۔ تو میرے بھائی اِسے برداشت کرلو۔ کیونکہ میں نے جان بوجھ کر اِس جگہ کا انتخاب کیا ہے۔ کیوں کہ اُس کمبخت گھنشام داس کی سونگھنے کی حس کسی بلی سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن اِس بدبو کی وجہ سے وُہ میری مہک سُونگھ نہیں پائے گا۔۔۔ابو شامل جو ابھی کچھ لمحے قبل انتہائی متفکر نظر آرہا تھا۔ اب بُلبل کی طرح چہکنے لگا تھا۔۔۔

یار کیوں پہلیاں بُجھوا رہے ہُو! صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ کونسی ترکیب تمہارے ذہن میں آئی ہے۔ ابو شامل کو مخاطب کرتے ہُوئے کامل نے اضطرابی لہجے میں دریافت کیا۔۔۔؟ ٹھیک ہے بتاتا ہُوں۔۔۔ ابو شامل نے سنجیدہ ہُوتے ہُوئے گفتگو کی ابتدا کرتے ہُوئے کہا۔۔۔ سُنو میں صرف اتنا چاہتا تھا۔ کہ کسی طرح گھنشام داس اپنی چلہ گاہ سے باہر نِکل آئے۔ یا وُہ اپنے عمل کو ادھورا چھوڑ دے۔۔۔ اُور یہ دُونوں ہی باتیں بظاہر ناممکن ہیں۔ جسکی وجہ سے میں نے تُم سے کہا تھا۔ کہ تُم اُسے قتل کرڈالو۔ لیکن ابھی ابھی میرے دِل میں یہ خیال آیا ہے کہ میرا یہ مقصد تو اُسے زخمی کرکے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیہ کہ اُسے اتنا زخمی کردیا جائے کہ وُہ اپنے عمل کو مزید جاری نہ رکھ سکے۔

کیا مطلب ! کتنا زخمی کرنا ہے۔۔۔ اُور کیا اُس گھنشام داس نے اپنی حِفاظت کا اہتمام نہیں کیا ہُوگا۔۔۔؟ اُور کیا وُہ اِس بات سے بالکل بے خبر ہے کہ تُم اُس پر حملہ کی پلاننگ کررہے ہُو۔۔۔؟۔۔۔۔۔ ہاں یہ بُہت اہم سوال کیا ہے تُم نے۔ ابو شامل نے کامل کو داد دیتے ہُوئے اپنی گفتگو جاری رکھی۔۔۔ پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ۔ وہ یہ چلہ کاٹنے کے دوران تقریباً ایک گھنٹہ اپنے داہنے پاؤں پر کھڑا رہ کر جاپ کرتا ہے۔ اسلئے اگر کسی طرح اُسکے داہنے پاؤں کو اِس حد تک زخمی کردیا جائے کہ،، وُہ چند دِن اپنے داہنے پاؤں

پر کھڑا نہ رِہ سکے۔ تو اُسکا چلہ ادھورا رِہ جائے گا۔ بعد از میں خود جوابی عمل کے ذریعہ سے کوشش کرونگا۔ کہ،، آئندہ وُہ مجھے قابو کرنے کے قابل ہی نہ رہے۔۔۔ ابو شامل نے سفاکیت سے مُسکرا کر اپنی داہنی آنکھ مارتے ہُوئے کامل کے چہرے پر نمودار ہُوتے اطمینان بھرے تاثرات دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ،، وُہ بالکل بھی مجھ سے بے خبر نہیں۔ اُور ابتدا میں چونکہ میں خُود کافی مضبوط تھا۔ اُور اُس پر جوابی حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔ اسلئے وُہ میرے ایک ایک لمحے پر نظر رکھے ہُوئے تھا۔ اُور اُس نے اپنی حِفاظت کیلئے خاطر خُواہ اپنے چیلوں کو اپنے ارد گرد جمع کر رکھا تھا۔۔۔ لیکن جیسے جیسے میری قوت اُسکے عمل کے آگے بے بس ہُوتی چلی گئی۔ اُس نے بھی میری کمزور حالت کے پیشِ نظر اپنی سیکیورٹی کافی حد تک کم کردی ہے۔۔۔ اُور جب میں کافی کمزور ہُوگیا تو اُس نے میری نگرانی کا عمل بھی رفتہ رفتہ ختم کردیا تھا۔ جسکا فائدہ اُٹھاتے ہُوئے میں ایک ترکیب سُوچ لی ۔۔۔ کہ اب اگرچہ میں اُسے کوئی نقصان نہیں پُہنچا سکتا۔ لیکن کسی دوسرے انسان کے ذریعہ اُسے اُسکے منطقی انجام تک ضرور پُہنچا سکتا ہُوں۔ پھر میری نظر انتخاب ایک ایسے انسان کی تلاش میں تھی۔ جسے جنات سے دوستی کا خبط بھی ہُو۔ اُور وہ طاقت کا خواہشمند بھی ہُو۔۔۔ چنانچہ میرے ایک دوست نے مجھے

تُمھارے متعلق بتایا۔۔۔ اُور اِس طرح میں نے تُم سے رابطہ کرلیا۔۔۔ اِس وقت جو تُم میری طاقت دیکھ رہے ہُو۔ وُہ میری اصل قوت کا پانچ فیصد بھی نہیں ہے۔۔۔ اگر تُم نے واقعی میری مدد کی۔ اُور مجھے اُس عامل کی گرفت سے آزاد کروادیا۔ تو میں تمہیں یقین دِلاتا ہُوں کہ،، تمہیں اسقدر مظبوط کردوں گا۔۔۔ کہ،، کسی مُلک کا صدر بھی اتنا طاقت ور نہیں ہُوگا۔۔۔ ابو شامل کی گفتگو کامل علی کی آنکھوں کو عجیب سے نشے سے مخمور کیئے دے رہی تھیں۔۔۔

ٹھیک ہے مجھے یہ طریقہ مُناسب لگ رہا ہے۔۔۔ کیونکہ اِس طریقے سے کسی کی جان بھی تلف نہیں ہُوگی۔ اُور تمہارا کام بھی بن جائے گا۔ بس اب تُم مجھے مزید اتنا اُور بتادو کہ مجھے یہ گھنشام داس کس جگہ ملے گا۔۔۔؟ اُور مجھے کس طریقہ اُور کس ہتھیار سے اُسے زخمی کرنا ہے۔ اُور اگر بالفرض میں وہاں کسی ناگہانی مصیبت کا شِکار ہُوجاؤں۔ تو کسطرح اُس مصیبت سے نکل سکتا ہُوں۔۔۔؟ کامل علی نے رضامندی ظاہر کرتے ہُوئے استفسار کیا۔

دیکھو کامل علی ویسے تو میرا دِماغی رابطہ تُم سے ایک لمحے کیلئے بھی نہیں ٹوٹے گا۔۔۔ اُور میں جس رکشہ ڈرائیور کو تُمھارے ساتھ بھیجوں گا۔ اُس کے دماغ میں بھی گھنشام داس کا تمام ایڈریس فیڈ کردُونگا۔ لیکن پھر بھی تمہیں احتیاط سمجھائے دیتا ہُوں۔ کہ،، ہم اِس وقت سٹی اسٹیشن اُور قلعہ کے وسط

میں موجود ہیں۔ یہاں سے آگے بانو بازار سے گُزرتے ہُوئے تمہیں شریف پارک اُور مسلم کالونی کے سنگم کے عقبی جانب جانا ہے۔۔۔ اگر خدانخواستہ کوئی مشکل پیش آجائے تو اِسی طرح واپس بھی لُوٹ آنا۔۔۔ وہاں پُہنچ کر کوشش کرنا کہ کسی طرح گھنشام داس اپنے گھر سے باہر نِکل آئے۔ اُور جیسے ہی اُس سے سامنا ہُوجائے۔ کسی طرح اُسکی پنڈلی کو زخمی کردینا۔ لیکن تین باتوں کا خاص خیال رکھنا نمبر ایک زخم اتنا کاری ضرور ہُونا چاہیئے کہ،، وُہ ہفتہ پندرہ دِن بستر سے نہ اُٹھ پائے۔ جسکے لئے میں نے ایک خنجر تُمہاری واسکٹ میں ڈال دیا ہے۔۔۔ کامل علی نے بے اختیار اپنی واسکٹ کو ٹٹولا۔ تو اُسے احساس ہُوا۔ کہ اُس میں واقعی کوئی بھاری سی دھات موجود تھی۔۔۔۔ دوسری بات یہ ہے کہ اُس کے سامنے زبان نہیں کھولنا ورنہ وُہ تمہاری آواز کے ذریعے سے تُمہارے ذہن تک رسائی حاصل کرلے گا۔ اُور تمہارے ارادے سے باخبر ہُوجائے گا۔ تیسری اُور آخری بات یہ ہے۔ کہ اُس سے نظر بالکل نہیں مِلانا۔ ورنہ وُہ اپنی شکتی کے زور پر لمحوں میں تم کو اپنا غلام بناسکتا ہے۔

ابو شامل نے گھنشام داس کی غیر مرئی قوت کا جس طرح سے کامل کے سامنے نقشہ کھینچا تھا۔۔۔ اگر کسی اُور نے بیان کیا ہُوتا تو کامل علی ہر گز گھنشام داس کا سامنا کرنے کیلئے تیار نہ ہُوتا۔ لیکن اب کیا ہُوسکتا تھا۔ کامل علی خُود گھنشام داس کو زخمی کرنے کیلئے اپنی آمادگی ظاہر کرچُکا تھا۔ اُور اب

یہ بات تو کامل علی بھی خُوب سمجھ چُکا تھا۔ کہ وُہ ابو شامل کے بغیر بالکل اَدھورا ہے۔۔۔

تھوڑی ہی دیر میں ایک رکشہ ڈرائیور کامل علی کو اپنے رکشہ میں سوار کئے مسلم کالونی کی جانب بڑھا چلا جا رہا تھا۔ قلعہ کی دیواروں کو دیکھتے ہُوئے ایک لمحے کیلئے کامل علی کو ایسا محسوس ہُوا جیسے وُہ اِن دَر و دِیوار سے ایک مُدت سے آشنا ہو۔ حالانکہ اپنی زندگی میں وُہ پہلی مرتبہ سیالکوٹ آیا تھا۔ کچھ منٹ بعد رکشہ ڈرائیور نے سحرزدہ سی آواز میں کامل کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا۔ کہ وُہ مسلم کالونی پُہنچ چکے ہیں۔ اُور اب اِس کے عقب میں واقع گھنشام داس کے مکان کی جانب جا رہے ہیں۔ رات کی ملگجی رُوشنی میں رکشہ ڈرائیور نے ایک درخت کے سائے میں رکشہ روک کر دُور ایک دُو منزلہ مکان کی طرف اِشارہ کرتے ہُوئے بتایا کہ،، وہی گھنشام داس کا مکان ہے۔

کامل علی نے جھجکتے ہُوئے گھنشام داس کے مکان کی جانب بڑھنا شروع کردیا۔۔۔

اچانک اُسے اپنے ذہن میں ابو شامل کی آواز سُنائی دی۔ کامل گھبرانا مت میں تُمہارے ساتھ موجود ہُوں ۔ لیکن احتیاط کا دامن اپنے ہاتھ سے مت چھوڑنا۔۔۔ اُور میری ہدایات پر عمل کرتے ہُوئے میری تینوں باتوں کا خیال رکھنا۔۔۔ یہ رکشہ والا بھی میرے سحر میں مبتلا ہے۔ اسلیئے جب تک تُمہارا کام ختم نہیں

ہُو جاتا۔ یہ بھی یہیں تُمہارا انتظار کرے گا۔۔۔ابھی کامل علی گھنشام داس کے مکان سے پچاس گز کے فاصلے پر موجود ہُو گا کہ اُسے اچانک قریبی درختوں سے کسی کے قدموں کی سرسراہٹ سُنائی دِی۔ خُوف کی ایک انجانی لہر سے سردی کے باوجود کامل کی پیشانی سے پسینے نمودار ہُونے لگے۔ اُسے ایک لمحے کیلئے ایسا محسوس ہُوا۔ جیسے سینکڑوں آنکھیں اُسکی نگرانی کررہی ہُوں۔۔۔ اُسکا دِل چاہا کہ وُہ پلٹ کر واپس بھاگ جائے۔ لیکن اُسکا تمام جسم جیسے سُن ہُو کر رِہ گیا تھا۔ اب اُسکے قدم نہ آگے بڑھ پارہے تھے۔ اُور نہ ہی پیچھے کی جانب۔۔۔ البتہ چاروں جانب سے کُچھ لوگ ہاتھوں میں ننگی تلواریں اُور کچھ ڈنڈے لئے بڑھ رہے تھے۔ کامل علی سمجھ گیا۔۔۔ کہ،، وُہ یقیناً ٹریپ ہُوچکا ہے۔۔۔ زمین نے اُسکے قدموں کو جکڑ لیا تھا۔۔۔ اُور واپسی کی تمام راہیں مسدود ہُوچکی تھیں۔ کامل کے ذہن سے ابو شامل کی تمام احتیاطیں محو ہُوچکی تھیں۔

اُس نے اپنے ذہن میں ابوشامل سے رابطہ کرنا چاہا لیکن اُسے کوئی جواب مُوصول نہیں ہُوا۔۔۔ وُہ تمام لوگ کامل علی کے نہایت نذدیک آپُہنچے تھے۔ وُہ کم از کم بیس افراد تھے۔ جنھوں نے نارنجی کلر کی دھوتیاں اپنے جسم پر باندھ رکھی تھیں۔۔۔ جب کہ اتنی سردی کے باوجود بھی ایک بھی شخص نے قمیص پہنی ہُوئی نہیں تھی۔ پیشانی پر لگے عیجب سے تلک کے نشان سے ظاہر ہُو رہا

تھا۔ کہ وُہ سب ہندو مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ کامل نے ایک مرتبہ پھر ابو شامل سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کامل علی کی یہ کوشش بھی بے سُود ہی ثابت ہُوئی ۔ اچانک کسی نے اُسکا تمسخر اُڑاتے ہُوئے نہایت گرجدار آواز میں اُسے مُخاطب کیا۔۔۔ مورکھ کسے سہایتا کے لئے پُھوتکار (پُکار) رہا ہے۔ مورکھ منش ہو کر منش کو گھائل کرنے چلا تھا۔۔۔ اب اُس جن زادے کا نام جپنا چھوڑ دے۔ کیول وُہ حرامزدہ اب یہاں نہیں پدھارے گا۔۔۔ پرنتو۔ نرکھ سُدھانے سے پہلے ایشور کو اَوشے یاد کرلے۔۔۔ کامل نے دیکھا کہ وُہ ایک سادھو تھا۔ جو اُس سے مخاطب تھا۔ اُس کے سر پر ایک مُوٹی سی چُٹیا بندھی تھی۔ سر اُور داڑھی کے تمام بال سفید ہُونے کیوجہ سے کامل علی کا اندازہ تھا کہ وُہ بوڑھا سادھو کم از کم عمر کی آٹھ دہایئاں دیکھ چُکا ہُوگا۔ لیکن اسکی پیشانی پر ایک بھی سلوٹ موجود نہیں تھی۔ تمام چہرے پر بھبوت کی سفیدی میں سُرخ رنگ کے تین تلک صاف نظر آرہے تھے۔۔۔ اُور اب وُہ اپنے ہاتھ میں خنجر لئے کامل علی کی جانب ہی بڑھ رہا تھا۔ کامل علی نے اندازہ لگالیا کہ وُہی گھنشام داس ہے۔ جسکے شکار کیلئے وُہ یہاں آیا تھا۔ اُور خود شکار ہُوگیا تھا۔۔۔ کامل علی نے مدد کیلئے یہاں وہاں دیکھنے کی کوشش کی لیکن تبھی سادھو کے چند چیلوں نے مضبوطی سے اُسے پکڑ کر زمین پر اسطرح اُوندھا ڈال دیا۔ جیسے جانور کو ذبح سے قبل پچھاڑا جاتا ہے۔

جاری ہے)۔)

اُسکا کہنا ہے۔ کسی اُور کو دیکھوں نہ کبھی
کیوں کہ اُسکو یہ میرا رُوپ بُرا لگتا ہے
مجھکو ہر چہرے میں آتی ہے نظر اِک وُہ ہی
جُو نہ بھر پائے یہ بہرُوپ بُرا لگتا ہے

(عشرت اقبال وارثی رح (یادوں کے دریچوں سے

کچھ لُوگ دُنیا میں آنے کے بعد اپنے حقیقی مقصد کو بھول جاتے ہیں۔ پھر اُنکے سامنے جو مسائل درپیش ہُوتے ہیں۔ وُہ فقط اُنہی میں اُلجھ کر رِہ جاتے ہیں۔ جب کہ،، کچھ لوگوں کو شہرت کی بھوک اگرچہ لوگوں میں ممتاز کردیتی ہے۔ لیکن اِس بھوک کا بھی کوئی تعلق اُنکے دُنیا میں بھیجے جانے کے حقیقی مقصد سے نہیں ہُوتا۔ اُور ایسا بھی نہیں ہُوتا کہ،، اُن لوگوں کو یہ خبر نہ ہُوتی ہُو کہ اُنکا حقیقی مقصد دُنیا میں آنے کا یا بھیجے جانے کا کیا ہے۔ لیکن انسان بعض اُوقات خود پر جان بُوجھ کر ایک بے خبری طاری کرلیتا ہے۔ اُور شیطان اُس انسان کو یہ آس دِلاتا رہتا ہے۔ کہ ابھی وقت کی کوئی کمی نہیں ہے۔ لِہذا فی الحال دُنیا کے معملات کو سُلجھا لو۔ جب وقت آئے گا۔ تب اُس مقصد کو بھی پالیں گے۔چُنانچہ وُہ اِسی خبط میں مبتلا رہنا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ وقت کی ڈُور ختم جاتی ہے۔ اُور انسان مجرم بن جاتا ہے۔

جبکہ بعض لوگ اُس مقصد کی کھوج میں ایسے کھو جاتے ہیں۔ کہ اُنہیں نہ راستہ مِلتا ہے۔ اُور نہ ہی سُراغِ منزل۔۔۔۔ لیکن آج میں جِس شخص کا تذکرہ کرنے جارہاہُوں۔ اُس شخص کا تعلق اِن دونوں ہی متذکرہ بالا قبائل سے نہیں ہے۔

بلکہ وُہ شخص اُن لوگوں میں سے تھا۔ جسے میں نے نہ کبھی شہرت کا حریص دیکھا۔ اُور نہ ہی منزل کی تلاش میں سر گرداں۔۔۔ کیونکہ وُہ شخص اُن لوگوں میں سے تھا۔ جو راستوں سے بھی با خبر تھا۔ اُور منزلِ کے نِشان بھی جانتا تھا۔ وُہ ایک شہسوار بھی تھا۔ اُور وقت کا قدرداں بھی۔ وُہ ایک بہترین ادیب بھی تھا۔ تو بے مِثال شاعر بھی۔ وُہ بیک وقت رُوحانی معالج بھی تھا۔ تو نبض شناس طبیب بھی۔ وُہ ایک اچھا باپ ہی نہیں تھا۔ بلکہ ایک شفیق اُستاد بھی تھا۔ اُور اُسے خلق خُدا سے بے انتہا پیار بھی تھا۔ وُہ لوگوں کے دُکھوں میں ہمہ وقت گھلنے والا ایک ایسا انسان تھا۔ جسکی وجہ سے انسانیت کی آبرو بڑھتی ہے۔

مگر کتنی حیرت کی بات ہے کہ،، عشرت اقبال وارثی مرحوم،، میں اتنی خُوبیاں جمع ہُونے کے باوجود کوئی غرور نام کی شئے نہیں تھی۔ بے شُمار کتابوں کا مصنف ہُونے کے باوجود اُسے کبھی یہ چاہ نہ ہُوئی کہ،، وہ اعلی معیار کی ادبی کتابیں پبلش ہُوجائیں۔ اُور اُسکی پہچان کا ذریعہ بن جائیں۔ وُہ عجیب فلسفہ کے مالک تھے۔ دُنیا بھر کے لوگوں کو صحت مند رہنے کے نسخے بتاتے۔ یہاں تک کہ خُود بیمار پڑ جاتے۔ لیکن اُنکے گھر آنے والوں نے اُنکی پیشانی پر کبھی بیماری کے باعث کوئی بل نہیں دیکھا۔

میری اُن سے پہلی مُلاقات کوئی بارہ برس قبل حادثاتی طُور پر ہوئی تھی۔ پھر یہ پہلی مُلاقات ہی ایسی اثر انگیز ثابت ہُوئی کہ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ وُہ میرپور خاص میں موجود ہُوں۔ اُور میں اُن سے مُلاقات کیلئے حاضر نہ ہُوا ہُوں۔۔۔۔ عجیب بات یہ بھی تھی۔ کہ وُہ میرے مکمل ہم نام تھے۔ (حالانکہ اُن سے پہلے اُور اُنکے بعد مجھے کوئی اپنا ہم نام نہیں مِلا) پھر مجھ پر ایکدن یہ بھی انکشاف ہُوا۔ کہ وُہ صرف میری تربیت کی خاطر کراچی سے میرپور خاص شفٹ ہُوگئے تھے۔ وُہ مجھے اپنا عکس قرار دیتے تھے۔ ہم میں بُہت سی باتیں بھی مشترک تھیں۔ لیکن اُنکی گفتگو کا انداز اتنا مُتاثر کُن ہُوتا تھا۔ کہ مجھے بعض اُوقات یُوں محسوس ہُوتا۔ جیسے میں کوئی عجمی ہُوں۔ اُور وُہ فصاحتِ عرب کا چشمہ ہُوں۔ اُنکی باتیں معمہ کی صورت ہُوتیں۔ اُور کبھی کبھار وُہ ایسی باتیں بھی حالت جذب میں کہہ جاتے۔ کہ،، میں اُنکا مُنہ تکتا ہی رِہ جاتا۔

جیسے ایک مرتبہ میں نے عرض کیا۔ حضور منزل کیسے مِلی۔ کہنے لگے۔ میاں یہ بخیلوں کی دُنیا ہے۔ جِس کسی کے پاس کُچھ علم ہے۔ وُہ اُسے بانٹنے کو تیار نہیں مرنے کے بعد اپنے ساتھ قبر میں لیجانے کا خواہشمند ہے۔ میں نے عرض کیا۔ شائد آپ بتانا نہیں چاہتے! فرمانے لگے سچ کہوں۔۔۔؟ میں نے عرض کیا حضور آپ سے جھوٹ کا تعلق ہُو۔ میں یہ سُوچ بھی نہیں سکتا۔

فرمانے لگے : میاں تو سچ یہ ہے کہ منزل مجھے ڈھونگ کی بدولت نصیب ہُوئی۔۔۔
ڈھونگ ! میں نے تعجب سے عرض کیا اِس راہ میں ڈھونگ کس لئے۔۔۔؟
فرمانے لگے سیدھے طریقے سے کوئی پاس بٹھانے کو تیار نہیں تھا۔ پھر میں نے عاجز آ کر ڈھونگ کا چوغہ پہن لیا۔۔۔
کچھ عرصہ ڈھونگ کرنے کے باعث بلاآخر ڈھنگ آ ہی گیا۔
پھر ڈھنگ نے راہ دِکھائی تو رنگ آگیا۔ اُور اسی رنگ کے باعث ایکدم ایک سچے کی نِگاہ میں آگیا۔ پھر کیا تھا۔۔۔! اُسی ایک مُلاقات میں اُور ایک ہی مست نظر میں وُہ مسافت طے ہُو گئی۔ جو گذشتہ چالیس برس میں حاصل نہیں کرپایا تھا۔ اُور اُسی نگاہ مست الست کے بعد مجھے خبر ہُوئی کے کرنٹ کیا ہُوتا ہے۔۔۔۔ کرنٹ تو سمجھتے ہُو نا میاں۔۔۔؟ میں نے نہ سمجھتے ہُوئے بھی اُس وقت اپنا سر اثبات میں ہِلانا ہی مُناسب سمجھا سُو ہِلا دیا۔۔۔ بات کرتے کرتے وُہ نجانے کس دُنیا میں جا پہنچے تھے۔ جسکی وجہ سے اُنکی نظریں مخمور دِکھائی دینے لگی تھیں
میں نے عرض کیا حضور اسقدر آپ کی لکھی کتابیں موجود ہیں۔ اِنہیں کسی پبلشر کو کیوں نہیں دیتے۔۔۔؟
فرمانے لگے ۔ یہ سب کچھ میں نے اپنے لئے لکھا ہے۔ دوسروں کو سمجھ نہیں آئے گا۔۔۔ تُم اگر چاہو تو پڑھ سکتے ہُو۔۔۔ مگر پبلشر کو دینے کا مشورہ کیوں دے

رہے تھے۔۔۔؟

میں نے عرض کیا۔۔۔ حضور لوگ جب یہ کتابیں پڑھیں گے۔ تو آپ کو جان جائیں گے۔ اُور آپ زیادہ مشہور ہُو جائیں گے۔۔۔

وُہ مُسکرا کر کہنے لگے کوئی فائدہ نہیں۔ ایک مرتبہ ایک دُوست کتاب چھپوانے کیلئے پبلشر کے پاس گئے تھے۔ بعد میں بتایا کہ پبلشر نے چھاپنے سے انکار کردِیا ہے۔ اُور کتاب بھی واپس نہیں دی۔ پھر ایک دِن وہی کتاب میں نے مارکیٹ میں دیکھی۔ البتہ کتاب کے سرورق پر مصنف کا نام میرا نہیں بلکہ میرے اُنہی دوست کا نام لکھا تھا۔۔۔ ویسے بھی میری مشہوری کسی کو سخت ناپسند ہے۔ اُور مجھے اُسی کی پسند عزیز ہے۔ لہٰذا مشہور تُم ہُو جانا۔۔۔ مجھے اپنی گمنامی سے بُہت پیار ہے۔۔۔ جب لوگ تمہارا نام لیں گے۔ یا تُم کو تلاش کریں گے۔ تو دراصل وُہ مجھے بھی تلاش کر رہے ہُونگے۔۔۔۔

اللہ کریم سے دُعا ہے کہ اللہ کریم اُنہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اُور مجھے ہمیشہ اُنہیں ایصال ثواب کرنے کی توفیق۔ (آمین۔آمین۔آمین

فصاحتِ عرب اُور بلاغت عرب نے اگرچہ دُنیا کو گُونگا (عجمی) بنا کر حیران و پریشان کر رکھا تھا۔ اُور سُخنِ عرب کے آگے دُنیا بھر کے شاعر و ادیب اپنی اپنی گردنوں کو جُھکا لیا کرتے تھے۔ حالانکہ شام و فلسطین میں اُس وقت دُنیا کے سب سے بڑے دانشور، منجم اُور راہب موجود تھے۔ جو دُنیا بھر کے علمی تشگان کی نِگاہوں کا محور بھی تھے۔ لیکن بات جب بھی علم کی بُلندیوں کی آتی۔ یا شجاعت کے تذکرے بیان ہُوتے۔۔۔ تو۔۔۔ مجبوراً یہ عِلم کے علمبردار یک زُباں ہُوکر،، مردانِ عرب،، کے گُن گاتے نظر آتے تھے۔ لیکن تخیل کی معراج اُور فکری بُلندی و نُدرتِ خیال کے باوجود بھی،، مردانِ عرب،، شقاوتِ قلبی اُور بے حِسی کی دُوڑ میں بھی برتری کے سبب اقوام عالم میں اپنی انفرادیت کی وجہ سے ذلیل وخُوار بھی تھے۔ اقوامِ عالم میں جہاں اِنکی فصاحت و بلاغت کے نغمے بُلند تھے۔ وہیں۔ اِنہیں وِحشی۔ حیوان، اُور جلاد کے القاب سے بھی پُکارا جاتا تھا۔

اگرچہ تمام دُنیا میں ہی اُس وقت،، نسوانیت،، عزت نفس کیلئے بِلک بِلک کر

تڑپتے ہُوئے کسی مسیحا کی منتظر تھی۔ لیکن اہل عرب نے تو ایک قدم آگے بڑھ کر اِنکی اَفزائش کو بھی کنٹرول کرنا شروع کر دیا تھا۔ بچیوں کی پیدائش کو اپنے لئے رُسوائی کا سبب سمجھنے والی یہ قُوم ۔اب دُنیا کو ایک نیا رستہ دِکھانے لگی تھی۔چُنانچہ لڑکیوں کی پیدائش پر اُنہیں زِندہ درگور کیا جانے لگا تھا۔ عورت کو صرف بستر کی زینت سمجھا جانے لگا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد وراثت کے حقدار صرف مرد تھے۔اُور مرد بھی وُہ ۔جو۔طاقتور ہو۔ ورنہ کمزور کو اپنا حصہ وصول کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔
صاف پانی کے ایک جوہڑ کیلئے قتل و غارت گری کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہُوجاتا۔ غریب کو امیر کے پہلو میں بیٹھنے کا حق نہیں تھا۔ معمولی جھگڑوں کی وجہ سے خاندان کے خاندان صفحہ ہستی سے مِٹ جاتے۔ اشرافیہ کیلئے گُناہ عیب کی بات نہیں تھی۔ جبکہ قانون کا اِطلاق صرف نادار پر ہُوتا۔ علاقائی معملات میں مشاورت بھی صرف اُمرا سے لی جاتی۔ مزدُورں اُور غُربا کی عزت نفس کا خُوب مذاق اُڑایا جاتا۔جس پر احتجاج کرنے والوں کو بے ادب وگُستاخ گردانا جاتا تھا۔ جسکے عوض بسا اُوقات اُنہیں اپنی عزت و آبرو یا جان سے بھی ہاتھ دُھونا پڑ جاتا۔
ایسے حالات میں جب کہ،، انسانیت تڑپ تڑپ کر زلالت کی عمیق گھاٹی میں جاں

بلب ہُوئی جارہی تھی۔۔۔۔ خُدا کی برتری کا تصور اگرچہ اِن مردانِ عرب میں موجود تھا۔ لیکن ایک خُدا کی پرستش انہیں گوارا نہیں تھا۔ شائدَ اِسی لئے اپنی ضرورت کیلئے اُنھوں نے بے شُمار خُداؤں کے تصور کو ایجاد کرلیا تھا۔ اب ہر ایک ضرورت کیلئے ایک الگ خُدا کو پُکارا جانے لگا تھا۔

شرک کا بازار صبح وشام گُمراہی کے گُماشتوں میں اِضافہ کا سبب تھا۔ لُوگ توہم پرستی اُور بد عقیدگی کی دَلدل میں سرتا پاؤں ڈُوب چکے تھے۔ وُہ ظُلمت کی شب طاری تھی۔ کہ جس میں اُجالا کوئی نہ تھا۔۔۔۔ تیرگی نے نا صرف فلک کی روشنی کو زمین پر اُترنے سے رُوک رَکھا تھا۔ بلکہ اِس تیرگی کے راج سے قلوبِ انسانی بھی بیمار وُمُردہ ہُو چُکے تھے۔

پھر خالقِ کائنات نے انسانوں پر رحم فرمایا اُور احسانِ عظیم فرماتے ہُوئے۔ اُنہیں اِس تیرگی سے نِکالنے کیلئے نور کا اہتمام فرمایا :

اُور بلاآخر اتنی ظُلمت و گمراہی کے بعد ۱۲ ربیع الاول کی ایک سحر نے زمانے کی تیرگی کا سینہ چاک کرتے ہُوئے تمام کائنات میں رنگ و نور کی بارش کردی۔ آج سردار مکہ کے بیٹے عبداللہ (رضی اللہُ عنہ) اُور آمنہ بی بی (سلامُ اللہ علیہا)کے گھر کائنات کے تاجدار کی ولادت ہُو گئی ہے۔ جس کے سبب شیطان اپنے

سر پر مٹی ڈالتا پھر رہا ہے۔۔۔۔اُور آج اُسکے شیطانی وفود جو کل تک جوق در جوق آسمانِ فلک تک آسمانی خبریں سُننے کیلئے بے دھڑک چلے جایا کرتے تھے۔آج شہابِ ثاقب کے سبب اپنے جلے ہُوئے جسموں کیساتھ حیران وپریشان یہاں سے وہاں سراسیمگی کی حالت میں دوڑتے نظر آرہے ہیں۔اُور اُنکی زُبان پر ایک ہی سوال ہے۔۔۔کہ یہ کس کی آمد ہُوئی ہے۔۔۔؟؟؟ جسکی وجہ سے اُنکی آنکھوں کی بصارت زائل ہُونے لگی ہے۔ قُوتِ پرواز مدہم پڑگئی ہے۔۔۔اُور فرشتے اُنہیں اپنے نورانی کُوڑوں کی مدد سے آسمان فلک تک آنے سے رُوک رہے ہیں۔۔۔؟؟؟

محبوب خُدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد نے صرف قبائل عرب کی زندگیوں پر ہی اثرات مرتب نہیں فرمائے تھے۔بلکہ آپکی آمد کی برکت کا فیض رفتہ رفتہ تمام اقوام عالم کو مستفید فرمانے لگا۔آپکی صداقت ،امانت، حُسنِ اِخلاق، ایثار، اُور آپکی خُوبصورت گفتگو نے اِن جہلائے عرب کی زِندگیوں میں عجیب اِنقلاب برپا کردیا تھا۔وُہ اب ضرورت کیلئے خُدا تراشنے کے بجائے ایک واحد معبود کی رضا کی جستجو میں مستغرق تھے۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت کو قبول کرنے والے مردانِ عرب کی زندگیاں یکسر تبدیل ہُوچکی تھیں۔جنہیں دیکھ کر اقوامِ عالم بھی تجسس کے

عَالم میں اسلامی تعلیمات سے آگاہی کی خُواہشمند تھی۔ کیوں کہ تفرقوں میں بٹے ہُوئے عرب قبائل نا صرف ایک جسم کی مانند ہو چُکے تھے۔ بلکہ اب وُہ ایک دوسرے کی تکلیف کو بھی محسوس کرنے لگے تھے۔ عورت کو پاؤں کی جُوتی اُور صرف بستر کی زینت سمجھنے والے اب بنتِ حوا کی عظمت تسلیم کرنے لگے تھے۔ بلکہ جنت کا رستہ (ماں کی صورت) اُسی عورت کے تلوے سے تلاش کیا جانے لگا تھا۔ اُور بیٹی کو زِحمت کے بجائے رحمت کا لقب مِل چُکا تھا۔۔۔ بیوی کو دین میں مددگار سمجھا جانے لگا۔ اب جھگڑوں کے بجائے ایثار سے کام لیا جانے لگا تھا۔

غربا کی بات تو چھوڑ یئے زر خرید غلاموں کو بھی نسب کے بجائے نسبت کی وجہ سے یا سیدی کہہ کرپُکارا جانے لگا تھا۔۔۔ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے امیر و غریب کا فرق مِٹا دیا تھا۔ اب کسی عربی کو کسی عجمی پر فوقیت نہیں تھی۔ کسی امیر کو کسی غریب کی عزت اُچھالنے کی اِجازت نہیں تھی۔ کوئی سردار ہُونے کے باعث عزت دار نہیں تھا۔ اُور نہ ہی کوئی غریب ہُونے کی وجہ سے کمتر تھا۔ لوگوں میں بڑائی کا معیار عِلم، تقویٰ اُور پرہیزگاری کی وجہ سے تھا۔ کریم آقا علیہ السلام کی تعلیمات کے سبب باشندگان عرب کی زندگی میں جو انقلاب برپا ہُوا۔ اِس سے تمام عَالم ناصرف مُتاثر ہُو رہا تھا۔ بلکہ وُہ سب بھی اِس کے اثرات سے اپنا کھویا ہُوا وقار حاصل

کرنے کے متمنی تھے۔ بس خطرہ تھا اِس نظام سے تو صرف اُن لوگوں کو تھا۔ جنھوں نے بادشاہ بن کر اپنے وجود کو از خود خُدا کے منصب پر فائز کر رکھا تھا۔ اُور مخلوقِ خدا سے اپنی نیاز مندی اُور پرستش کے خواہاں تھے۔
اُور یہ بھی میرے کریم آقا صلی اللہُ علیہ وسلم کی تعلیمات کا اعجاز ہے۔ کہ انبیائے سابقہ کی تعلیمات کو اُنکی اُمتیں بعد میں فراموش کردیا کرتی تھیں۔ جبکہ رسول کریم صلی اللہُ علیہ وسلم کے ظاہری وِصال کے بعد بھی خلفائے راشدین نے آپ صلی اللہُ علیہ وسلم کی تعلیمات کو بڑی سے بڑی ترغیب پر بھی ایک لمحے کیلئے نظر انداز نہیں کیا۔ چُنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہُ عنہ کے زمانہ خلافت میں جس وقت فتوح شام کیلئے مجاھدین کی اشد ضرورت تھی۔ اُور حبلہ بن ایہم غسانی قبیلے کے چالیس ہزار افراد کیساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہُوتا ہے۔ اُور طوافِ کعبہ کے دُوران ایک غریب شخص کا پاؤں اسکے احرام کی چادر پر پڑ جاتا ہے۔ جسکے سبب حبلہ بن ایہم کے کاندھے سے چادر کھسک جاتی ہے۔ اُور وُہ غصہ میں آکر اُس غریب کے چہرے پر تھپڑ مار کر اُسکے دانت تُوڑ دیتا ہے۔ اُور جب فریادی سیدنا عُمر رضی اللہُ عنہ سے فریاد کرتا ہے۔
تب آپ حکم صادر فرماتے ہیں کہ،، حبلہ یا تو اِس غریب سے معافی طلب کرو۔ اُور اسے راضی کرو۔ ورنہ قصاص میں خُود بھی تھپڑ کھانے کیلئے تیار ہُوجاؤ۔

جسکے جواب میں حبلہ بن ایہم اپنی اہمیت کا تذکرہ کرتے ہُوئے کہتا ہے کہ،، میری وجہ سے چالیس ہزار لوگ مسلمان ہُوئے ہیں۔ لہذا مجھے رعایت دی جائے۔ کیوں کہ میں غُسانی قبیلے کا سردار بھی ہُوں۔۔۔ لیکن قربان جایئے سیدنا عُمر فاروق رضی اللہُ عنہ کے ۔آپ جواب میں کہتے ہیں کہ،، میرے آقا علیہ السلام کی یہی تعلیمات ہیں۔ کہ امیر و غریب میں کوئی فرق نہیں۔ اسلام میں سب برابر ہیں۔ لہٰذا ہر دُو میں سے ایک سزا تو برداشت کرنی ہی پڑے گی۔۔۔ جسکی وجہ سے حبلہ بن ایہم رَاتوں رات بھاگ کر مُرتد ہُوجاتا ہے۔ لیکن سیدنا عُمر فاروق قولِ مصطفٰی صلی اللہُ علیہ وسلم پر کوئی سمجھوتا کرنے کیلئے تیار نہیں ہُوتے ۔ اُور قیامت تک کے ملمانوں کیلئے ایک مِثال قائم فرمادیتے ہیں۔ اُور بلاآخر یہ حبلہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہُوجاتا ہے۔ محترم قارئین کرام دِل پر ہاتھ رکھ کر کہیئے کہ،، پیارے مصطفٰے (صلی اللہُ علیہ وسلم) اُور خلفائے راشدین کی تعلیمات کی روشنی میں۔ کیایہی سبق موجود نہیں ہے۔ کہ،، ہر ایک مسلمان کی عزت دوسرے مسلمان پر فرض ہے۔۔۔؟ لیکن کیا ہم دوسرے مسلمانوں کی تکریم کرتے ہیں۔۔۔؟ اُور کریم آقا علیہ السلام نے توہمیں ٹولیوں اُور گروہوں سے نِکال کر ایک قُوم بنا دیا تھا۔ لیکن کیا ہم پھر سے بکھر بکھر کر ٹولیوں کی صورت اختیار نہیں کرتے جارہے۔۔۔؟ کیا عید

میلاد النبی کا دِن ہمیں یہ سبق نہیں دے رہا۔ کہ خُدا عزوجل اُور میٹھے مُصطفٰی صلی اللہُ علیہ وسلم کے نام پر پھر سے ایک ہُو جاؤ۔ اُور رَسُولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات ماننے کے بجائے اُنکے نام پرِنثار ہُو جاؤ۔ تاکہ کل حشر میں شرمندہ نہ ہُونا پڑے۔

عشق کے رنگ۔ جمال میرا ہے

ہاں تو عمران میاں ہم نے تُم سے اپنی پہلی مُلاقات میں جمال ہانسوی رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق استفسار کیا تھا۔ کیا تُم جاننا چاہتے ہُو کہ،، جمالِ ہانسوی کُون تھے۔۔۔؟۔۔۔ جی حضور میں ضرور اُس ہستی کے متعلق جاننا چاہُوں گا۔ جنکی زندگی کا عکس میری کہانی میں آپکو نظر آیا ہے۔ عمران نے سعادتمندی سے بابا صابر کو جواب دیتے ہُوئے کہا۔۔۔ تو بیٹا سُنو! جمال ہانسوی صرف ایک بُزرگ ہستی کا نام ہی نہیں ہے۔ بلکہ جمال ہانسوی کی زندگی قیامت تک آنے والے عاشقوں کے لئے ایک درس وتاریخ ہے۔۔۔۔ یہ ایک صاحب کمال بُزرگ تھے۔ جو انتہائی حسین چہرے کے مالک ہُونے کے ساتھ ساتھ عِلم و فضل کا شاہکار بھی تھے۔ اُور زمانے کے مشہور وَلی حضرت خُواجہ بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے خاص اُور چہیتے مُرید بھی تھے۔ لیکن جمال ہانسوی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک نادانستہ لغزش نے اُنہیں زمانے والوں کی نگاہ میں ایک عرصہ تک گمنام بناڈالا تھا۔

یہ ریاست ہانسی کے ایسے عالم تھے جنکا خطاب سُننے کیلئے لُوگوں کے دِل بے چین رہا کرتے تھے۔ اُور انکے پاس عِلم کی دُولت کے ساتھ ساتھ دُنیاوی متاع

کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ لیکن جب جمال ہانسوی کی پہلی نظر شہزادہِ بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ پر پڑی تو اپنا سب کُچھ بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں پر نچھاور کرڈالا۔ اُور عشق واَدب کی منزلیں اتنی سرعت سے طے کر ڈالیں۔ کہ بُہت جلد بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ کے ایسے منظورِ نظر بن گئے کہ،، بابا صاحب جب کسی کے سر پر ولایت کا تاج سجانا چاہتے تو یُوں اِرشاد فرماتے۔ کہ پہلے ہانسی جاکر جمال سے مہر لگوا کر آؤ۔۔۔ اُور جمال میرا ہے۔ جمال میرا ہے۔ کی صدا بابا صاحب کی زُباں سے اِتنی مرتبہ بُلند ہُوئیں کہ،، لوگ جمالِ ہانسوی کی زندگی پر رشک کرنے لگے۔ اُور حاسدین کی نِگاہوں کے سامنے اندھیرا پھیلنے لگا۔

یہاں تک کہ جمال ہانسوی کے سر پہ امتحان کی گھڑی آپُہنچی۔۔۔۔۔ اِمتحان کی گھڑی۔۔۔۔؟ عمران نے بابا صاحب کے خاموش ہُوتے ہی تعجب سے پُوچھا۔۔۔۔ہاں بیٹا اِمتحان کی گھڑی۔۔۔ جسکی کی وجہ سے ایک معشوق طالب اپنے حقیقی عاشق کی جُدائی کا شِکار ہُوگیا۔۔۔ آخر ایسا کیا واقعہ ہُوگیا تھا۔۔۔؟ عمران نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہُوئے استفسار کیا۔۔۔ بتا رہا ہُوں بیٹا ذرا صبر سے تُو کام لو۔ کُچھ لمحے توقف کے بعد بابا صابر صاحب نے ایک مرتبہ پھر گفتگو کو جاری رکھتے ہُوئے کہا۔

جیسا کہ میں نے ابھی بتایا تھا۔ کہ ،، حضرت بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ کی نِگاہوں میں جمال ہانسوی اپنے اخلاص واَدب کی وجہ سے ایک خاص مقام حاصل کر چُکے تھے۔ جسکی وجہ سے بابا صاحب اکثر یہی کہتے سُنائی دیتے تھے۔ کہ جمال میرا ہے۔۔۔۔ ایک مُرشد کریم کی اپنے ایک خاص مُرید پر نظر کرم کا فیضان جاری تھا۔ کہ ایک دِن سلسلہ سہروردکے پیشوا حضرت بہاؤالدین ذکریا کی نِگاہ حضرت جمال ہانسوی پر پڑ گئی۔ اُور حضرت جمال ہانسوی کے کردار سے حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی ایسے مُتاثر ہُوئے کہ ،، حضرت بہاؤالدین ذکریا نے بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ سے اپنے تمام مُریدوں اُور خلفأ کے بدلے میں جمالِ ہانسوی کو مانگ لیا۔۔۔ جسکے جواب میں بابا فرید نے اِرشاد فرمایا کہ،، قیمت توجِنس کی وصول کی جاتی ہے۔ جبکہ جمال کوئی شئے نہیں بلکہ میرا جمال (حُسن) ہیں۔ اُور بھلا کوئی اپنا جمال بھی کسی کو بیچتا ہے۔

بات بظاہر آئی گئی ہُو گئی تھی۔ لیکن جمال ہانسوی کے کردار نے شاہِ سہرورد کو ایسا مُتاثر کیا تھا۔ کہ کچھ ہی عرصہ کے بعد حضرت بہاؤالدین رحمتہ اللہ علیہ نے بذریعہ خط پھر اپنی اُسی خُواہش کا اظہار کرڈالا۔ البتہ اس مرتبہ ہمیشہ کیلئے نہ سہی عارضی طور پر ملتان بھیجنے کی درخواست کی گئی

تھی۔ بابا فرید نے پھر وہی جواب دیا۔ کہ جمال صرف میرا ہے۔ اُور ہمیشہ میرا ہی رہے گا۔اِس طرح شاہِ سہروردنے تین مرتبہ اپنی خواہش کا اظہار فرمایا۔ لیکن حضرت بابا فرید چند دِن کُجا ایک لمحے کیلئے بھی جمالِ ہانسوی کو خُود سے جُدا کرنے کیلئے راضی نہیں تھے۔

اِس کے بعد تاریخ یہی بتاتی ہے کہ بظاہر شاہِ سہروردنے خاموشی اختیار فرمالی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ نے اپنے رُوحانی تصرف سے دھیرے دھیرے جمالِ ہانسوی رحمتہ اللہ علیہ کے قلب کو اپنی محبت میں وارفتہ کردیا۔ چنانچہ ایک دِن خود ہی جمال ہانسوی نے حضرت بہاؤالدین ذکریا رحمتہ اللہ علیہ سے ملنے کیلئے ملتان جانے کی خواہش کا اظہار کرڈالا۔ حضرت بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ اپنے مُرید خاص کو ٹالتے رہے۔ لیکن جمالِ ہانسوی رحمتہ اللہ علیہ کا خود پر بس ہی کہاں تھا۔ اسلئے وُہ مُرشد کریم کے چہرے پر پیدا ہُونے والی ناراضگی کو دیکھ ہی نہ پائے جو لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہی چلی جارہی تھی۔ جمالِ ہانسوی بار بار ایک ہی رَٹ لگائے جارہے تھے۔ کہ مجھے ہر حال میں ملتان جانا ہے۔

اب ایک طرف حضرت بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ کئی بار شاہِ سہرورد کو اپنی رُوحانی اُولاد کیلئے کُورا سا جواب دے چُکے تھے۔ تو دوسری

طرف وہی دلبر پسر خود ملتان جانے کی ضد کئے بیٹھا تھا۔ جمالِ ہانسوی کی بار بار کی تکرار رنگ لائی۔ اور حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر نے غیض کی حالت میں جمالِ ہانسوی کو اپنے دربار سے یہ کہہ کر نکل جانے کا حکم صادر فرمادیا۔ کہ اگر تمہاری یہی ضد ہے۔۔۔ تو ابھی اور اِسی وقت میری نظروں سے ہمیشہ کیلئے دُور ہوجاؤ۔

کہنے والے کہتے ہیں۔ کہ قہر سے مامور یہ جملہ سُن کر جمال ہانسوی کو ہوش تو آگیا۔ لیکن اب بہت دیر ہوچکی تھی۔ حضرت جمال ہانسوی بابا فرید کے چہرے کو جلال کی وجہ سے دیکھ بھی نہیں پارہے تھے۔ اب وُہ جانا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن۔ اب رُکنے کیلئے فضا سازگار نہیں تھی۔ کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ بابا فرید کی ناراضگی کے بعد حضرت جمال ہانسوی کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا تھا۔ جیسے کسی دُلہن کے چہرے کی آب اُسے دوسرے ہی دِن گھر سے نکال دیئے جانے پر چھن جاتی ہے۔

بہرحال یہ کسی دُنیاوی بادشاہ کی ناراضگی کا معاملہ نہیں تھا۔ جو یہ معاملہ اتنی آسانی سے ٹل جاتا۔ یہ تو خواجہ خواجگان کے شہزادے کی ناراضگی تھی۔ جس نے جمالِ ہانسوی سے صرف ظاہری آب وتاب ہی نہیں چھین لی تھی۔ بلکہ جمال ہانسوی اپنا ہوش و خرد بھی معتوب ہو کر کھوچکے تھے۔ تاریخ کے اُوراق ہمیں

یہی بتاتے ہیں کہ جمال ہانسوی دربار فرید سے نِکال دیئے جانے کے بعد کئی ماہ و سال تک زخم زخم جسم لئے بیابانوں میں دیوانوں کی طرح مارے مارے پھرتے رہے۔ اُور اُنہیں حالتِ دیوانگی میں اپنے زخموں سے رِستے خُون کی بھی خبر نہیں ہُوپاتی۔ کئی مریدین نے بابا فرید کی خدمت میں جمالِ ہانسوی کا حالِ زار بیان کرنے کا سُوچا۔ لیکن بابا صاحب کے جلالی چہرے پر نِگاہ پڑتے ہی اُن کی یہ آرزو دِل میں ہی دَم تُوڑ جاتی۔ دوسری طرف بابا فرید بھی جمال ہانسوی کے چلے جانے کے بعد ہر وقت اَفسردہ دِکھائی دینے لگے تھے۔ اُور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ کہ جس جمال پر بابا صاحب نے اتنا ناز کیا تھا۔ جِسے بابا فرید اپنا جمال کہتے رہے تھے۔ وہی جمال خُود رخصت لے کر دربار فرید سے نِکل کر دَر دَر کی ٹھوکریں کھارَہا تھا۔ حالانکہ بظاہر ٹھوکر جمالِ ہانسوی کھارہے تھے۔ لیکن ہر ٹھوکر کی چوٹ بابا صاحب کے دِل پر ثبت ہُورہی تھی۔۔۔ اتنا واقعہ سُنا کر بابا صابر کی آواز رندھ گئی۔اُور وُہ اپنے دامن سے اپنی بہتی آنکھوں کو خشک کرنے لگے۔ عمران بھی اِس واقعہ سے آبدیدہ ہُوچُکا تھا۔ لیکن اُسکی نم آنکھوں کی رَوانی سے ذیادہ اُسکا دِل اِس کہانی کے انجام کیلئے متجسس تھا۔ تھوڑی دیر انتظار کے بعد عمران سے بابا صابر سے بڑی بے چینی سے استفسار کیا۔۔۔ کیا پھر حضرتِ جمال ہانسوی کبھی بابا فرید سے نہیں ملے۔؟

عمران کے استفسار پر بابا صابر صاحب نے اپنی حالت پر قابو پاتے ہُوئے کہانی دُوبارہ سُنانی شروع کردی۔۔۔۔۔ جب کافی عرصہ گُزر گیا۔ تب ایک دِن جمالِ ہانسوی کے ایک تاجر پیر بھائی کی مُلاقات جمال ہانسوی سے ہُوگئی۔ اُس نے جمال ہانسوی رحمتہ اللہ علیہ کی خطابت بھی سُنی ہُوئی تھی۔ اُور دربار فرید میں جمالِ ہانسوی کا مرتبہ بھی دیکھ رِکھا تھا۔ تمام ماجرا جمال ہانسوی رحمتہ اللہ علیہ کی زُبانی سُن کر وُہ تاجر بُہت دیر تک رُوتا رہا۔۔۔ اُور اُس نے اپنے دِل میں ایک فیصلہ کرلیا۔۔۔۔ کہ چاہے کچھ بھی ہُوجائے وُہ آج اَپنے رُوٹھے ہُوئے مُرشد کریم کو جمالِ ہانسوی کیلئے منا کرہی دَم لے گا۔

چنانچہ جب یہ تاجر مُرید بابا صاحب کی محفل میں پُہنچ گیا۔ تب جمال ہانسوی کی حالت نے زار و قطار اُسے سسکنے پر مجبور کردیا۔ بابا صاحب نے جب اُس تاجر مُرید کویُوں بلکتے ہُوئے دیکھا۔ تواُسکے غم کا مداوا کرنے کیلئے اُسے اَپنے سینے سے لگا کر رُونے کی وجہ دریافت کی۔ تب اُس نے رُوتے روتے جمالِ ہانسوی کی بربادی کی تمام داستان ہچکیاں لے لیکر بابا صاحب کے گُوش گُزار کردی۔ ایک مُدت کے بعد دربار فرید میں آج کسی کو ہمت ہُوئی تھی۔ کہ جمال ہانسوی کا تذکرہ بابا صاحب کے سامنے پیش کرے۔ کچھ لوگوں کا خیال

تھا۔ کہ نافرمان جمال کا تذکرہ سُن کر بابا فرید پھر سے ناراضگی اُور ناپسندیدگی کا اِظہار فرمائیں گے۔ لیکن بابا فرید کے رُخساروں پر بہتے آنسو۔ اُور زُباں پر جاری یہ کلمہ۔ کہ،، جمال کے چلے جانے کے بعد چین تو ہمارے دِل کو بھی ایک لمحے کیلئے کہاں مُیسر آیا ہے۔۔۔ کچھ اُور ہی کہانی بیان کررہے تھے۔ تاجر نے بابا صاحب کو مغموم دیکھ کر جمال ہانسوی رحمتہ اللہ علیہ کیلیئے معافی طلب کی۔ جسکے جواب میں بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ نے جمالِ ہانسوی کیلئے معافی کا اعلان کرتے ہُوئے اُنہیں اپنے آستانے پر لائے جانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

جب جمالِ ہانسوی اپنے زخمی جسم سے بہتے ہُوئے خُون کیساتھ بابا فرید کی خِدمت میں ندامت سے سر جھکائے حاضر ہُوئے۔ تو بابا فرید اپنے رُوحانی فرزند کی ابتر حالت دیکھ کر آبدیدہ ہُوگئے۔ جسکے تمام بدن پر زخموں کے نِشاں سجے ہُوئے تھے۔ اُور چہرے کی رُونق کو زمانے کی دھوپ نے جُھلسا کر رکھ دیا تھا۔ وُہ چہرہ جسے دیکھ کر بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار نمودار ہُوجایا کرتے تھے۔ آج اُسی چہرے کے اعضأ پر اتنی دُھول پڑی تھی۔ کہ بظاہر جمال ہانسوی پہچانے بھی نہیں جارہے تھے۔ بابا فرید نے خود آگے بڑھ کر اپنے چہیتے روحانی پسر کو اپنے سینے سے یہ کہہ کر لگایا۔ کہ،، کیا ہم نے یہ حال بنانے کیلئے تُم کو خُود سے جُدا کرنے کی صعوبت برداشت کی

تھی۔ کافی لمحے یونہی جمال ہانسوی بابا صاحب کے سینے پر سر رکھ کر اپنی بُھول کی معافی مانگتے رہے۔ اُور بابا صاحب نے تمام دربار میں اعلان فرمادیا کہ،، آج صرف ہمارا جمال واپس نہیں آیا بلکہ قُطبِ عَالم واپس آگیا ہے۔

اب عمران کو سمجھ آرہا تھا۔ کہ کیوں بابا صابر اُسے حضرت جمال ہانسوی کا عکس قرار فرمارہے تھے۔ عمران کی آنکھیں جہاں اِس غمناک واقعہ سے بھیگ رہی تھیں۔ اُسکا دِل اپنے مُرشد کریم کی یاد میں مُرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا تھا۔۔۔ عمران نے بھیگی پلکوں سے بابا صابر کی جانب جونہی دیکھا۔ تو بابا صابر نے بھرائی ہُوئی آواز میں عمران کو مخاطب کرتے ہُوئے کہا۔ بیٹا دِل کی بات سُنو! اُور ہمیشہ دِل کی ہی ماننی چاہیئے۔ اَرے تُو ایک پری کیلئے جو قیمت دینے کو تیار ہُوگیا ہے۔۔۔۔ اگر اپنے مُرشد کی عظمت کو جان لیتا۔ تو ایسی ہزار پریاں اُنکے قدموں پر نِثار کردیتا۔

اُسکی الفت کا مزاہ سب سے الگ سب سے جُدا
جیسے سُورج کی تپش روکتی ہے کُوئی رِدا
جیسے ساقی نے پِلائی کِسی تشنہ کو شراب
جیسے ٹل جائے کِسی عاصی کے سر پہ سے عذاب

مُرشدی بیگم اُور بے زُبان غلام

محترم قارئین کرام السلامُ علیکم

میں آپ کا بُہت شکرگُزار ہُوں۔ کہ،، آپ میری باتیں سُن لیتے ہیں۔ یعنی کے پڑھ لیتے ہیں۔ اُور اسطرح آپکے سُننے اُور بقولِ بیگم ہمارے ہذیان بَک لینے سے ہمارے سینے کا غُبار لفظوں کی بھڑاس کی صورت باہر نِکل جانے کے باعث ہمارا غم کُچھ ہلکا پڑ جاتا ہے۔ ویسے کتنی عجیب بات ہے نا کہ،، کچھ باتوں کا دُنیا میں وجود ہی نہیں ہُوتا۔ اُور لوگ اُن باتوں پر ایسے ہی اعتماد کرلیتے ہیں۔ جیسے ہر ذِی نفس کا اِس مُحاورے کے مِصداق یقین کامل ہُوتا ہے کہ،، بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی ! یعنی زندگی کے بعد مُوت یقینی طُور پر آئے گی۔۔۔

لیکن ہمیں اِس مُحاورے سے زیادہ اِس بات کی خُوشی ہے۔ کہ مُوت کے بعد ایک ایسی زندگی بھی ہُوگی۔ جسمیں ہماری زندگی پر صِرف ہمارا ہی اِختیار ہُوگا۔ ہماری بیگم کا نہیں۔۔۔! ہاں تو میں ذکر کررہا تھا۔ اُن انھونی باتوں کا جنکا حقیت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہُوتا لیکن ۔ وُہ اتنے تواتر سے بیان

کی جاتی ہیں۔ کہ شکاری بیچارہ خُود دَام فریب میں آ جاتا ہے۔۔۔ جیسے یہ بات ہمارے معاشرے میں بُہت مشہور و معروف ہے کہ،، عورت بیچاری اللہ کریم کی گائے ہُوتی ہے، یا ساری دُنیا میں عورت کو پاؤں کی جُوتی سمجھا جاتا ہے، عورت مظلوم ہُوتی ہے، یا ساری زندگی مَرد کی لاٹھی کمزور عورت کی کمر پر برستی رہتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔ اُور یہی بات بیچارے کنوارے مَرد سُن سُن کر دھوکہ کا شِکار ہُو جاتے ہیں۔ اُور جب تک اُنہیں ہُوش آتا ہے۔ تب تک غلامی کی زنجیر سے اُنکی مشکیں کسی جاچکی ہُوتی ہیں۔ اب چُونکہ ساری زندگی لوگوں کی زُبانی یہی سُنا ہُوتا ہے کہ،، مَرد شیر ہُوتا ہے۔ مَرد گھر کا بادشاہ ہُوتا ہے۔ مرد بیوی پر حاکم ہُوتا ہے۔ اُور مَرد کو دَرد نہیں ہُوتا۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ تو بیچارہ مَرد عورت پر حُکمرانی کا شوق لئے قبول ہے۔ قبول ہے۔ کی صدا لگاتا خُود کو گرفتاری کیلئے پیش کر دیتا ہے۔۔۔ لیکن شادی کے بعد بیگم کی طرف سے اُسکی جو دُرگت بنائی جارہی ہُوتی ہے۔ وُہ کسی سے کہنے کے قابل ہی نہیں رہتا۔۔۔ ورنہ تمام مردانگی کا بھرم جاتا رہے گا۔۔۔ یہی سُوچ کر بیچارہ شوہر اپنی مردانگی کے قصے دوسرے کنواروں کو انتقام کی خاطر سُناتا رہتا ہے۔ کہ جب ہم نہیں بچے تو اُور کوئی کیوں بچ پائے۔

لیکن شادی کے بعد جلد ہی اُس پر یہ راز آشکار ہُوجاتا ہے۔ کہ وُہ اکیلا نہیں ہے۔ بلکہ ہر گھر میں بیچارے شوہر کا وہی پتلا حال ہے۔ جو کہ اُسکی

بیگم نے اُسکا بنا رکھا ہے۔ تو آہستہ آہستہ یہ دَرد سہنے کی عادت بھی پڑ ہی جاتی ہے۔۔۔۔ اگرچہ کے مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔۔۔ کہ،، میرا یہ بغاوتی کالم میرے پلپلے سر پر مزید بیلن برسنے کا موجب بن سکتا ہے۔۔۔ لیکن کیا کروں۔ مجھے اپنی جنس مرد جاتی سے بُہت ہمدردی ہے۔۔۔۔ اِس لئے اپنے مظلوم شادی شُدہ بھائیوں کے دِل کی آواز کو اپنی مَرد جاتی کے کنواروں تک پُہنچانا اپنا فرض سمجھتا ہُوں۔۔۔ تاکہ کل کلاں کو وُہ یہ شِکایت کرتے نظر نہ آئیں۔ کہ کاش کسی نے ہمیں سمجھایا ہُوتا! حالانکہ میں یہ بات بھی اچھی طرح جانتا ہُوں۔ کہ میری اِس بات کا کنواروں پر کوئی خاص اثر نہیں ہُونے والا۔ کیوں کہ شادی کے اِس زہریلے لَڈو کو شہد و زعفران سے اِسطرح سجایا جاتا ہے۔ کہ اِسکا زہر کنوارے بھنوروں۔۔۔ معاف کیجئے گا۔۔ میرا مطلب تھا کہ،، کنوارے مَردوں کا بالکل نظر نہیں آتا۔ بہرحال میرا کام تو صِرف سمجھانا ہے۔ باقی نصیب کی مار بھلا کُون ٹال سکتا ہے۔۔۔؟

کسی دانا کو قُول ہے۔۔۔ اُور ہمارے تجربے کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہزار فی صدی سچ پر مبنی قُول ہے۔ کہ ایک عقلمند آدمی جب دِل میں کسی کام کا فیصلہ کرلیتا ہے۔ تب وُہ سب سے پہلے اپنے والدین کی صلاح لیتا ہے۔ پھر اپنے بھائیوں کی مُشاورت حاصل کرتا ہے۔ اِس کے بعد اپنے دوست احباب کی رائے معلوم کرتا ہے۔۔۔۔ لیکن پھر بھی کرتا وہی ہے جو اُسے اُسکی بیگم کہتی ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ جس دِن ہمارے سب سے چھوٹے بھائی کی شادی کا ولیمہ اُور اُنکی آزادی کا آخری دِن تھا۔ میرے بھائی کے بیشمار دُوست اُسکے ولیمے کی دعوت کھانے کیلیئے۔ جبکہ کچھ احباب آزادی کے آخری دِن کا جشن منانے کیلیئے ہمارے گھر تشریف لائے ہُوئے تھے۔ اچانک ایک کنوارے دُوست نے تمام حاضرین سے ایک عجیب اُور نہایت ہی نامعقول سوال دریافت کرلیا۔ اُنکا نامعقول سوال اِس کے سِوا اُور کیا ہُوسکتا تھا۔ کہ جو شادی شُدہ مرد اپنی بیوی سے نہیں ڈرتا وُہ اپنا ہاتھ اُٹھالے۔۔۔۔ مجھے اُس دِن کے علاوہ کبھی بھی شادی شُدہ مردوں کی مُنافقت پر غصہ نہیں آتا۔۔۔ کیونکہ مظلوموں پر غصہ کرنا میری دانست میں مردانگی نہیں ہُوتی۔۔۔۔ کیونکہ شادی شُدہ مردوں سے زیادہ مظلوم دُنیا میں بھلا کون ہُوسکتا ہے۔۔۔ اُور اُس دِن بھی غصہ صرف اسلیئے آیا تھا۔ کہ کمبخت پچاسیوں مُنافقوں نے ایک دَم جھٹ سے ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی ہاتھ بُلند کردیئے۔۔۔ تمام حاضرین میں صرف میں واحد شادی شدہ مرد تھا۔ جس نے ہاتھ بُلند نہیں کیئے تھے۔

بس پھر کیا تھا۔۔۔۔ میرے ہم جِنس مظلوم دوستوں نے مجھے ہی نشانے پر رکھ لیا۔۔۔۔ کسی نے زن مُرید کا خطاب عطا کرڈالا۔ تو کسی نے ڈرپوک آدمی کہہ کر اپنی خِفت مٹانے کی کوشش کی۔ میرے بھائی کے ایک دوست جو پیشے کے اعتبار سے

انجینئر تھے۔ اُور اتفاق سے شادی شُدہ بھی تھے۔ میری طرف دیکھ کر طنزیہ کہنے لگے۔ کیا آپ اپنی بیگم سے ڈرتے ہیں۔۔۔؟ میں نے اثبات میں سر ہِلاتے ہُوئے عرض کیا۔۔۔ جناب میں اکیلا ہی اپنی بیگم سے نہیں ڈرتا۔۔۔ بلکہ ہر شریف النفس انسان اپنی بیگم سے ڈرتا ہے۔۔۔ لیکن یہ الگ بات ہے کہ ہر آدمی سچائی کا سامنا نہیں کرپاتا۔۔۔ لیکن میری سچائی سے مُتاثر ہُونے کے بجائے تمام شادی شُدہ لوگوں کیساتھ وُہ انجینئر صاحب مجھے خاص طور پر بھری محفل میں تماشہ بنانے لگے۔ اُور مجھے نصیحت کرنے لگے۔۔۔ عشرت میاں مَردوں کا شیوہ یہ نہیں ہُوتا کہ بیگم سے ڈرتے رہیں۔ بلکہ شوہر کو تو ایسا ہُونا چاہیئے کہ،، جب وُہ گھر میں داخل ہُوجائے۔ تو بیگم ڈر کر کسی کُونے میں دُبک جائے۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ میں دِل ہی دِل میں سُوچنے لگا۔ یااِلہی کیسے مُنافق لُوگ ہیں۔ جو روزانہ بیگم کے ہاتھوں جُوتے کھانے کے باوجود بھی بڑی شان سے اپنی جھوٹی بہادری کے قصے سُنائے جارہے ہیں۔

اَب خُدا کی کرنی دیکھیئے کہ،، ایک دِن ہم اپنی مُرشدی بیگم کے حکم پر چھٹی کے دِن اُنہی انجینئر صاحب کے گھر ایک مشورے کیلئے جا پُہنچے۔ گھر کے دروازے پر دستک دینے سے پہلے ہی ہمیں گھر سے اُکھاڑ پچھاڑ کی صدائیں سُنائی دینے لگیں۔ جسکی وجہ سے ہمارے ہاتھ جو دروازے پر دستک دینے کیلئے بے چین ہُوئے جارہے تھے۔ خُود بخود واسکٹ کی جیب میں چلے آئے۔۔۔۔ نذدیک سے گُزرتے

ہُوئے ایک پڑوسی نے ہمیں مشورہ دیتے ہُوئے کہا۔ بھائی صاحب۔ لگتا ہے آپ یہاں پہلی مرتبہ آئے ہیں۔ ورنہ ہمارے لئے تو یہ جھگڑے آئے دِن کا معمول ہیں۔ اسلئے آپ کسی دوسرے وقت آجایئے گا۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہُو کہ،، گیہوں کیساتھ گھُن بھی پِس جائے۔

اب ہمیں انجینئر صاحب کی اُس دِن کی باتیں یاد آنے لگیں۔ اُور ہمیں یقین ہُونے لگا کہ واقعی دُنیا کے سارے مَرد ہماری طرح بُزدل نہیں ہُوتے۔ بلکہ کچھ مَرد اینٹ کا جواب،، پتھر سے دینا بھی جانتے ہیں۔۔۔۔ لیکن نجانے کیوں ہمارے دِل میں شک کا کیڑا کلبلانے لگا۔ اُور ہم نے اپنے شک کو رفع کرنے کیلئے اُنہی صاحب سے دریافت کرڈالا۔۔۔ کیا انجینئر صاحب روزانہ یُونہی اپنی بیگم کی پٹائی کرتے ہیں۔۔۔۔؟ اُس شخص نے پہلے تو میرے چہرے کی جانب بغور دیکھا۔ جیسے اُسے اپنی سماعت پر شک گُزرا ہُو۔۔۔۔ لیکن جونہی ہم نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔ اُن صاحب پر ہنسی کا دُورہ سا پڑ گیا۔ اُور وُہ اپنا پیٹ تھام کر لُوٹ پُوٹ ہُوگئے۔ کچھ دیر بعد جب اُنکی حالت میں کچھ افاقہ آیا۔ تو وُہ صاحب ہنستے ہُوئے کہنے لگے۔ میاں انجینئر صاحب بیگم پر ہاتھ صاف نہیں کررہے۔ بلکہ اُنکی بیگم صاحبہ اُنکی دُھنائی کررہی ہیں۔۔۔ ہمیں اب بھی اُن صاحب کی باتوں پر یقین نہ آتا۔ لیکن تبھی ایک جھٹکے سے گھر کا دروازہ کھلا۔ اُور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ انجینئر صاحب زخمی چہرہ لئے ایک طرف دُوڑتے

نظر آئے۔ پیچھے پیچھے اُنکی بیگم صاحب برآمد ہُوئیں جنکے ایک ہاتھ میں رُوٹی بیلنے والا بیلن تھا۔ اُور زُبان پر گرما گرم پنجابی گالیاں تھیں۔

جنھیں سُننے کے بعد ایک لمحہ بھی ہم مزید وَہاں ٹھہر نہ پائے۔۔۔۔۔ دوسرے دِن ہم نے اُن انجینئر صاحب سے اُنکے آفس میں مُلاقات کی۔ لیکن اُنہیں یہ نہیں بتایا کہ،، ہم کل آپ کے کاشانے پر تمام احوال براہِ راست مُلاحظہ کر چُکے ہیں۔ جب ہم نے اُنکے چہرے پر زخموں کا سبب دریافت کیا تو وُہ بڑی ڈھٹائی سے فرمانے لگے ۔۔۔۔ کہ،، کل موٹر بائیک چلاتے ہُوئے ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ جسکی وجہ سے چہرے پر ڈینٹ ظاہر ہُوگئے ہیں۔۔۔ میں چونکہ مظلوم شوہروں سے بُہت ہمدردی رکھنے والے ایک رقیق القلب انسان واقع ہُوا ہُوں۔ اسلئے میں نے اُنہیں یہ نہیں بتایا۔ کہ بہادر شوہر صاحب میں آپکی بہادری کی اصلیت سے خُوب واقف ہُوچُکا ہُوں۔۔۔۔۔ لیکن دوستوں ایک بات ہے۔ جب سے ہم نے انجینئر صاحب کی بیگم کا ظالمانہ رویہ دیکھ لیا ہے۔ تب سے ہمیں اپنی بیگم کا ہر ظلم انکی بیگم کے مقابلے میں محبت واحسان کا ٹھاٹیں مارتا سمندر نظر آنے لگا ہے۔۔۔ اور دِل سے یہی دُعا نکلنے لگی ہے۔ کہ خدا تُم کو میری موت تک سلامت رکھے۔ کیوں کہ ہم میں انجینئر صاحب جیسا حوصلہ نہیں ہے۔ کہ،، تُمھارے بعد کسی اُور کے ہاتھوں کی مار بھی برداشت کریں۔ اُور اپنی بہادری کے قصے بھی سُنائیں۔۔۔۔

انشا اللہ آپ کو مزید بھی مرشدی بیگم کے قصے سُناتا رہوں گا۔ بشرطیکہ بیگم کو ہمارے اِس بغاوت بھرے کالم اُور دِل میں مچلتے انقلاب کی بھنک نہ پڑے۔۔۔۔ فی امان اللہ۔۔۔ آپ بھی ہمارے حق میں یہی دُعا دُہرادِیجئے۔ اُور تمام شادی شُدہ خواتین سے مودبانہ گزارش ہے کہ میرے کالم کو دِل پر نہ لیں۔ ہم خُوشی خُوشی یہ ظُلم ہمیشہ سہتے رہیں گے۔ لیکن رسمًا لکھنا لکھانا تو ہم مظلوموں کا بھی حق بنتا ہے نا۔۔۔؟

!!! نابینا بھکاری

میرا یہ کالم جواب ہے۔ اُس تحریر کا جو ایک عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ کے قلم سے لکھی گئی۔ جی ہاں میری مُراد قابل احترام و باعمل اُور علم دوست انسان جناب محترم افتخار الحسن رضوی دامت برکاتہم عالیہ سے ہے۔ جنھوں نے مجھ جیسے حقیر و نابینا انسان کیلئے اپنے قلم کو جنبش دِی تو مروت و محبت میں مجھ جیسے انسان کیلئے اپنی تحریر میں نجانے کیسے کیسے القابات کا استعمال کرڈالا۔ اُنکا یہ کالم ہماری ویب ڈاٹ کام پر جب پبلش ہُوا تب میں بستر علالت پر پڑا تھا۔ مجھے کامران عظیمی بھائی کے توسط سے اِس کالم کے متعلق مکمل آگاہی حاصل ہُوئی۔ کالم نشر ہُونے کے دوسرے دِن کے اختتام تک بھی ہمت نہیں تھی۔ کہ جواباً شکریہ کے دو الفاظ ہی لکھ سکوں۔ لیکن اب جونہی طبیعت میں کچھ اِفاقہ محسوس ہُوا۔ میں اُنکے شکریہ کیساتھ کچھ حقائق اپنے قارئین کرام کی خِدمت میں پیش کرنا چاہتا ہُوں۔

افتخار الحسن رضوی بھائی پہلے تو میں آپکو بُہت بُہت مبارکباد پیش کرنا چاہتا ہُوں۔ کہ آپ نے جس گہوارے میں اپنی آنکھ کھولی۔ وہاں علم کی روشنی پہلے سے ہی موجود تھی۔ لیکن شائد آپکو اِسکی قدر و قیمت کا اندازہ اِسلئے

نہ ہُو سکا ہُو۔ کہ آپ نے ہمیشہ اپنے اِرد گرد بینا لوگوں کو دیکھ کر یہی سُوچا ہُو۔ کہ،، شائد دُنیا میں ہر بچہ آنکھ کی نعمت سے مالا مال ہی پیدا ہُوتا ہُوگا۔۔ اسلئے آپ کے چاروں طرف آنکھ والے بینا مرد و خواتین موجود ہیں۔

لیکن جناب والا میں آپکو بتانا چاہتا ہُوں کہ،، ساری دُنیا کے بچے آپکی طرح خوش نصیب نہیں ہُوتے۔ دُنیا میں لاکھوں بچے میری طرح نابینا بھی پیدا ہُوتے ہیں۔ اُور اُنکے گرد اگرد بھی نابینا لوگوں کی بھیڑ ہی جمع ہُوتی ہے۔ جس کے سبب اُنکو یہ محسوس ہُوتا ہے۔ کہ شائد ساری دُنیا کے لُوگ ہی نابینا ہیں۔ اُور اس لئے جب اُنہیں کوئی بتاتا ہے۔ کہ میں الحمدُ للہ بینا ہُوں۔ اُور مجھے سب کچھ دِکھائی دیتا ہے۔ تو نابینا لوگ اُس بینا انسان کا مذاق اُڑاتے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ اُنکا خیال ہُوتا ہے۔ کہ دُنیا میں کوئی بھی انسان بینا نہیں ہُو سکتا۔ اگر ایسا ہُوتا تو اُنہیں دکھائی کیوں نہیں دیتا۔۔؟

جناب والا۔ یہی حال میرا اُور میرے خاندان کا بھی تھا۔ کیونکہ میں جس خاندان میں پیدا ہُوا۔ وہاں کوئی بھی بینا انسان موجود نہیں تھا۔ اُور اِس وجہ سے سِوائے میرے دادا کے میرے اکثر خاندان والوں کو ہر اُس انسان سے شدید نفرت تھی۔ جو خود کو آنکھ والا کہے۔ کیونکہ اُنکا خیال تھا۔ کہ جب کوئی یہ

کہتا ہے۔ کہ مجھے نظر آتا ہے۔ تو اِسکا صرف ایک ہی مطلب ہُوتا ہے۔ کہ وُہ ہمیں نابینا سمجھ کر گالی دینے کا مرتکب ہُورہا ہے۔ اُور کسی میں ہمت نہ تھی۔ کہ وُہ اُس آنکھ والے سے کلام کرے۔ یا بینائی کی حقیقت سے متعلق استفسار کرے۔

لیکن افتخار صاحب مجھے ایک بات کا قوی یقین ہے۔ اُور وُہ یہ کہ میرے پروردیگار کو مجھ سے محبت ہے۔۔۔۔۔ جی ہاں میں یہ بات بالکل ہُوش و حواس میں رِہ کر کہہ رہا ہُوں۔۔۔۔ اُور میں اِس بات کو ثابت بھی کرسکتا ہُوں۔۔۔۔۔ آپ یہ بات تومانتے ہیں نہ کہ،، کوئی بھی جب کسی کو کوئی خاص تحفہ یا اسپیشل انعام دیتا ہے۔ تو اِس انعام و تحفہ کے پیچھے محبت کا لطیف جذبہ ضرور کارفرما ہُوتا ہے۔ اُور جس سے محبت اُور لگاؤ نہ ہُو۔ اُسے کسی خاص تحفے یا انعام سے نہیں نوازا جاتا۔۔۔۔ اگر آپ کو میری مثال سمجھ آ گئی ہے۔ تو آپ بھی لازماً میری بات کی تائید کردیں گے۔۔۔

دیکھئے نا ! میں بھی نابینا تھا۔ اُور نابینا لوگوں کے درمیان نا صرف پلا بڑھا تھا۔ بلکہ پیدا بھی ایسے نابینا خاندان میں ہُوا تھا۔ جہاں بچے کو پیدا ہُوتے ہی کان میں اِذان کی صدا بعد میں سُنائی دیتی ہے۔ اُور آنکھ والوں سے دشمنی کی گھٹی پہلے پلائی جاتی ہے۔۔۔۔ ایسے گھٹن زدہ ماحول میں

آنکھ کھولنے کے باوجود۔۔۔۔ خُداکے سِوا۔اُور کون ہستی ہُوسکتی ہے۔جس نے میرے قلب کو آنکھ والوں کی عدوات سے پاک رکھا۔۔۔۔ اُور یہ اللہ کریم کی محبت کے سِوا کیا معاملہ ہُوسکتا ہے۔ کہ مجھے صرف آنکھ والوں کی نفرت سے ہی نہیں بچایا۔ بلکہ آنکھ والوں کی محبت سے میرے بے نُور دِل کو آگہی بخشتے ہُوئے جگمگا ڈالا۔

یقین کیجئے! مجھے نہ کبھی اِس بات پر فخر رہا ہے۔ کہ میں ایک صنعتکار باپ کا بیٹا ہُوں۔ اُور نہ ہی مجھے اپنے حسب نسب کی برتری کا خمار رہا ہے۔ اُور نہ ہی مجھے اِس بات پر کبھی غرور ہُوا۔ کہ اللہ کریم کی عطا سے ہزاروں لوگوں کو میرے ہاتھ سے بذریعہ روحانی علاج شفا حاصل ہُوئی ہے۔ کیونکہ بقول جاوید بھائی عطاری اللہ کریم جب کام لینا چاہتا ہے۔ تو کسی فاسق و فاجر سے بھی کام لے لیتا ہے۔ عامل کامل ہُونا میرے نذدیک کبھی بھی اہمیت کا حامِل نہیں رہا۔ کیونکہ عامل ہُونا ہی خُدا کی رضا کا حامل ہُونا نہیں ہُوتا۔۔۔۔

میری آنکھوں میں جب بھی تشکر کے آنسوؤں نے جگہ پائی ہے۔ تو یہی سُوچ کر سجدہ شکر بجالایا ہُوں۔۔۔ کہ اے پروردیگار تیری محبت کے قربان جاؤں۔۔۔ کہ،، تُو نے مجھے اندھوں کی گلی سے نِکال کر آنکھ والوں کے آستانے کا فقیر بناڈالا۔ تیرے واضح فرمان کے باوجود بھی جو لوگ تیرے آنکھ والے (اُولیائے

کرام) کی عظمت کے منکر ہیں۔ تونے مجھے اُنہی میں پیدا فرمانے کے باوجود۔اپنی خاص محبت سے میرے دِل کو مُنافقوں کے منفی اثر سے محفوظ رکھا۔۔۔ اُور جب تونے چاہا کہ میرا مقدر سنور جائے۔ تب تونے اپنے خاص فضل و کرم سے اپنے آنکھ والے اُولیائے کرام) کے قُلوب کو میری جانب مائل فرمادیا۔۔۔ اُور مجھ عاصی و بدکار و بد) اطوار کے دِل میں اُن نفوسِ قُدسیہ کی محبت ڈال دی۔۔۔۔

اے میرے پروردیگار۔ تیری عطا سے میں ایک بات بخوبی جان چُکا ہُوں۔ کہ یہ دنیا کا کارخانہ اُور اسمیں کی جانے والی مزدوری ہی سب کچھ نہیں ہے۔ کوئی اپنے طویل سجدوں کے باوجود بھی شیطان کے نقش پا کا اسیر بن جاتا ہے۔ اُور کوئی بن مانگے بھی اپنا حصہ خُوب اس دُنیا سے حاصل کرلیتا ہے۔ جسکی وجہ سے مجھ پر یہ بات رُوزِ رُوشن کی طرح عیاں ہُو گئی ہے کہ،، تُو انعام صرف مزدوری پر عطا نہیں فرماتا۔ بلکہ تیرا جس پر فضل ہُو جائے وہی کامیاب رِہتا ہے۔

اے میرے پرور دیگار میری جھولی خالی ہے۔ نہ میں نے طرز بندگی یکھا۔۔۔اُور نہ ہی اپنا کام ایمانداری سے کرپایا۔ اگرچہ میں جانتا ہُوں ۔ کہ یہ دُنیا امتحان گاہ ہے۔ پھر بھی دُنیا کی محبت سے پیچھا نہیں چھوٹتا۔ تُونے تو

احسان فرماتے ہُوئے ہمیں اِس کمرہ امتحان میں مختصر وقت کیلئے رکھا۔ تاکہ گناہوں کے انبار ہماری کمر نہ تُوڑ کر رکھ دیں۔ مگر مجھ کو اِس کمرہ امتحان کی رنگینی ایسے بھا گئی۔ کہ اِس کے گورکھ دھندے سے دِل ہی نہیں بھرتا۔ اگرچہ میں جانتا ہُوں کہ،، بُلاوے کا وقت نذدیک ہے۔ لیکن پھر بھی مفت کھانے کی ایسی عادت پڑی ہے۔ کہ مزدوری کو جی نہیں چاہتا۔ نتیجتاً ابھی تک خالی ہاتھ ہُوں۔ اگر پاس کچھ ہے۔۔۔ تو یہ یقین کہ،،

جسطرح تونے میرے عیبوں پر دُنیا میں پردہ قائم رکھا۔ اجر دیئے جانے کے دِن بھی پردہ فرمائے گا۔ اُور رُسوا نہیں ہُونے دیگا۔ اے میرے کریم رَبّ مجھے اُجرت نہیں چاہیئے۔ کیوں کہ اجرت تومزدوری کی ہُوتی ہے۔ اُور مزدوری میں نے کی نہیں۔ اسلئے مجھے تو صرف بھیک چاہیئے۔

اُور سخی کبھی یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی بھکاری اُس کے در سے خالی ہاتھ چلا جائے۔ اسلئے قوی یقین ہے کہ،، تو مجھے بھی بھیک میں اپنے خاص لُطف و کرم سے مغفرت کی بھیک اُور اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے گا۔ جسطرح بھیک میں تونے مجھے آنکھ والے (اُولیائے کرام) رحم اللہ اجمعین کی محبت وقربت عطا فرمادی۔ اُور دُنیا کے مختلف کونوں میں بسے اہل محبت کی محبتوں کا اسیر بنا ڈالا ہے۔

آمین آمین آمین ! بجاہِ النبی الکریم وَ صلی اللہ تعالی علیہ وَآلہ وَاصحابہ وازواجہٖ واولیائے
ملتہ اجمعین یا ربنا یا ربنا یا ربنا واغفرلنا یا الرحم الرحمین۔

پبلسٹی حاصل کرنے کا آسان نسخہ۔

اُس دِن بابا احمد وقاص بُہت اچھے مُوڈ میں تھے۔ وُہ کئی گھنٹوں سے مجھے اپنی جوانی کے عجیب و غریب واقعات سُنا کر حیران کئے جا رہے تھے۔۔۔۔ اگرچہ بابا صاحب نے کئی مرتبہ میرا دھیان اسطرف دِلانے کی کوشش کی۔ کہ،، مجھے فیکٹری جانا ہے اُور سورج کافی بُلند ہُوچکا ہے۔۔۔۔۔ مگر مجھے بابا صاحب کی باتوں میں آج صبح سے ہی ایسا لُطف آرہا تھا۔ کہ دِل وہاں سے اُٹھنے کو قطعی رضامند نہ تھا۔ حالانکہ مُلاقات کیلئے آتے وقت میرا ایہی خیال تھا۔ کہ،، میں سلام عرض کرتا ہُوا گُزر جاؤں گا۔۔۔ پھر اچانک بابا صاحب کو نجانے کیا سُوجھی۔۔۔ کہ مجھ سے مخاطب ہُو کر کہنے لگے۔ عین،، ایک بات تو بتاؤ۔ آخر تم سترہ برس کی عمر سے ہی اِن وظائف و عملیات کے چکر میں کیسے پھنس گئے۔۔۔۔؟ حالانکہ ایسی عُمر میں تو بچوں کو کھیل کُود زیادہ پسند ہُوتے ہیں۔ میں اِس سوال کیلئے ذہنی طور پر قطعی تیار نہیں تھا۔۔۔ کچھ لمحے سُوچنے کے بعد میں نے لفظوں کو معنی پہناتے ہُوئے عرض کی۔۔ حضرت میں ایک زبردست عامل بننا چاہتا ہُوں۔۔۔۔ وُہ کس لئے۔۔۔؟ انہوں نے تعجب سے استفسار کیا۔۔۔ حرںت جہاں دیکھو جعلی عامل کامل ڈیرا ڈالے بیٹھے ہیں۔ میں لوگوں کی خدمت کرنا

چاہتا ہُوں۔ اِسلئے میری خواہش ہے کہ ایک دِن میں اِس مُلک کا بُہت بڑا عامل بن جاؤں۔ جو پلک جھپکنے میں ہر مسئلہ حل کر دے۔ جسکا مقابلہ دُنیا کا کوئی جادوگر نہ کر سکے۔ اُور جسکا نام سُن کر شریر جنات بھی تھر تھر کانپنے لگیں۔ میرا معصوم سا جواب سُن کر اُنہوں نے ایک قہقہہ بُلند کرتے ہُوئے کہا۔ مطلب تمہیں اپنی زندگی میں سکون نہیں چاہیئے۔

میں اُنکا یہ جواب سُن کر اُنکا مُنہ حیرت سے تکتے ہُوئے سُوچنے لگا۔۔۔ بھلا میں کیوں اپنی زندگی میں سکون نہیں چاہوں گا۔۔۔؟ بلکہ میرا تو خیال یہی تھا کہ اسطرح میری زندگی میں سکون ہی سکون قائم ہُوجائے گا۔۔۔۔ انہوں نے حیرت سے کھلی میری آنکھوں میں جھانکتے ہُوئے کہا۔ عین،، جانتے بھی ہُو۔۔۔۔؟ کہ،، تم کس شئے کی تمنا کررہے ہُو۔۔۔؟ مگر تُم بھلا کیسے جانو گے۔ کیونکہ یہ عُمر ہی ایسی ہُوتی ہے۔ اُور مجھے خُود اِتنی عُمر میں کوئی بات سمجھ نہیں آتی تھی۔ انہوں نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہُوئے فقرہ مکمل کیا۔

تُمہاری عُمر میں میں مجھے بھی ایسی ہی خواہش ہُوا کرتی تھی۔ لیکن عین میرا مشورہ ہے۔ کہ اِن چکروں میں نہ پڑو۔ حالانکہ میں جانتا ہُوں کہ ابھی تُم پر میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہُونے والا۔ لیکن میرا فرض ہے۔ کہ تُم کو ابھی

سے باخبر کردوں۔ آگے تمہاری مرضی ہے۔ کل کو کم از کم کسی سے شکایت تو نہیں کروگے۔ کہ،، استادوں نے کچھ سمجھایا نہیں تھا۔۔۔۔انہوں نے دھیمے سے مسکرا کر میری جانب دیکھتے ہُوئے گفتگو جاری رکھی۔۔۔ میاں ان چکروں میں پڑنے کے بعد نہ یہ صحت رہے گی۔ اُور نہ ہی زندگی کو آج کی طرح انجوائے کرسکوگے۔ اُور بیٹھے بِٹھائے دِل کو رُوگ الگ لگ جائے گا۔ بابا وقاص نے اتنا کہنے کے بعد ایک پان کی گلوری مُنہ میں ڈال لی۔ جسکا مطلب صاف تھا کہ وُہ اب پانچ منٹ تک گفتگو نہیں کرنا چاہتے۔ یا شائد وُہ مجھے ایکبار مزید سوچنے کی مہلت دے رہے تھے۔

میں نے موقع غنیمت جان کر اتنی دیر میں اپنے ذہن میں کلبلاتے سوالات کو مجتمع کرکے ایکساتھ بابا صاحب کے سامنے پیش کردیا۔ بابا صاحب کیا آپ نہیں چاہتے۔ کہ لُوگ ڈھونگی اُور فراڈیئے لُوگوں سے بچ جائیں۔۔۔۔؟ اُور انکی مجبوریوں سے کوئی بد مذہب فائدہ نہ اُٹھاسکے۔۔۔؟ پھر جب میں لوگوں کیلئے آسانیاں پیدا کرونگا۔ تو میری زندگی مشکل کیوں ہُوجائے گی۔ اُور عملیات سے بھلا میری صحت پر کیا اثر پڑے گا۔ اُور کیوں میرے دِل کو بھلا رُوگ لگ جائے گا۔۔۔۔؟

اُنھوں نے اچھی طرح پان کا لُطف اُٹھانے کے بعد ایک بڑی سی پچکاری قریب

رکھے پیکدان کو رسید کرتے ہُوئے اپنی گفتگو شروع کرتے ہُوئے کہا۔ دیکھو ! عین،، میرے اُور تمہارے چاہنے سے کارخانۂ قدرت نہیں بدلنے والا۔ اس کائنات میں اگر ایسے لاکھ عامل کامل بھی پیدا ہُوجائیں جسکا ابھی تُم نے نقشہ کھینچا ہے۔ تب بھی یہ سسٹم جُوں کا تُوں ہی رہے گا۔۔۔ حالانکہ چاہتا تو میں بھی ہمیشہ سے یہی تھا۔ کہ لُوگ جعلی عاملوں اُور بد مذہبوں کے چکروں میں نہ آئیں۔ لیکن اب ایک بات مجھ پر واضح ہُوچکی ہے۔ کہ یہ آزمائش کی جاہ ہے۔ اُور ہر ایک کو اختیار کیساتھ منزل چننے کی آزادی ہے۔ ورنہ وُہ قادر مطلق اِس بات پر قُدرت رکھتا ہے۔ کہ شیطان لعین کو پنپنے کا موقع ہی نہ دیتا۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے میاں کہ،، تُم بظاہر لوگوں کیلئے آسانیاں پیدا کرنے کا سُوچ رہے ہُو۔ لیکن اسکی جزا کی جاہ یہ نہیں ہے۔۔۔ ورنہ انبیا کرام علیہ السلام کی زندگیاں ظاہری آسانیوں سے بھری نظر آتی۔ لیکن ہر ایک پیغمبر علیہ السلام کی ظاہری زندگی کے مبارک ایام کا مشاہدہ کرلو۔ تب ایک بات اچھی طرح سمجھ آجائے گی۔ کہ جسکا مقام و مرتبہ دُنیا میں جتنا بڑا ہے۔ اُسکی ذمہ داری اُور آزمائش بھی اُسی قدر ذیادہ ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے۔ انعام الٰہی کے سبب اُن کے قلوب پر سکینہ نازل ہُوتا ہے۔ اُور صبر کی قوت بھی ذیادہ ہُوتی ہے۔

پھر جب کوئی دنیا کے جسمانی ڈاکٹروں کے پاس جاتا ہے۔ تب وُہ زمین سے حاصِل کی گئی ادویات اُس کے ہاتھ میں تھما دیتے ہیں۔ لیکن یہاں جب لوگ آتے ہیں۔ تب آتے ہُوئے اُنکی کمر روحانی امراض کے سبب جھکی جارہی ہُوتی ہے۔۔۔۔ لیکن واپس جاتے ہُوئے یہ لُوگ اُن امراض کو ہماری پیٹھ پر لاد جاتے ہیں۔ جسکی وجہ سے روحانی ڈاکٹر کی کمر دُہری ہُوتی چلی جاتی ہے۔ لیکن وُہ ہنس ہنس کر ہر ایک تکلیف کو خوشی خوشی خود پر سوار کرلیتا ہے۔ جسکے سبب صحت گرتی چلی جاتی ہے۔ اُور کمر ہر نئے دِن کیساتھ مزید جھکتی چلی جاتی ہے۔

اُور ایک روحانی معالج کا دِل میں اتنی وسعت بھی ہُونی چاہیئے ۔ کہ جب کوئی دُکھی انسان اپنی زندگی کے رازوں سے ہراساں ہُوکر کسی مخلص کو تلاش کرتا ہُوا۔ اُس کے پاس آجائے۔ تب وُہ ہر آنے والے کی درد بھری کہانی کو اپنے سینے کے قبرستان میں بخوبی دفن کرتا چلا جائے۔۔۔ لیکن اسکے لئے بڑا جگر چاہیئے ہُوتا ہے۔۔۔۔ کیونکہ یہ کہانیاں ایک نہ ایکدِن دِل کو غمزدگی کے نمک سے بُوڑھا کردیتی ہیں۔

پھر بڑا عامل بننے کیلئے پبلسٹی بھی تو چاہیئے ۔تاکہ مخلوق کو خبر ہُوجائے۔ اُسکا کیا کرو گے۔۔۔۔؟ بابا وقاص صاحب نے میری جانب بغور دیکھتے

ہُوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں استفسار کیا۔۔۔ لیکن میری زُبان کی مسلسل خاموشی کو دیکھ کر اُنھوں نے کہا۔ چلو پلیٹی کا آسان طریقہ ہم تمہیں بتائے دیتے ہیں۔ جسکی وجہ سے پلیٹی میں رقم بھی خرچ نہیں کرنی پڑے گی۔۔۔۔ یعنی کے مفت ہی سمجھ لُو۔۔۔۔ اُور ہم تو ویسے بھی تُم سے کوئی فیس نہیں لیتے۔۔۔۔ انہوں نے ایکبار پھر اپنے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرتے ہُوئے کہا۔

دیکھو بیٹا ! عین،، جب کوئی اخلاص سے اللہ کریم کے بندوں کی خدمت میں تن من دھن سے لگ جاتا ہے۔۔۔۔۔ تب اللہ کریم رُوح الامین حضرت جبرائیل علیہ السلام کو طلب فرما کر اِرشاد فرماتا ہے کہ،، جبرائیل میں فلاں بن فلاں سے راضی ہُوگیا ہُوں۔ اُور اب یہ بندہ میرا دوست ہے۔ اُور میں اس بندے سے محبت رکھتا ہُوں۔ لہذا تم پر بھی لازم ہے کہ اب تُم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر جبرائیل علیہ السلام آسمانی فرشتوں کو جمع فرما کر بتاتے ہیں کہ،، فلاں بن فُلاں کو اللہ کریم کی محبت کا اعزاز حاصِل ہُوگیا ہے۔ اُور میں بھی اِس سے محبت کرتا ہُوں۔ اسلئے تم پر لازم ہے کہ تم بھی اس بندے سے محبت کرو۔ یہاں تک کہ زمین پر موجود فرشتوں تک بھی یہ پیغام پُہنچ جاتا ہے۔ پھر دُنیائے زمین کے فرشتے ہر مومن و صالح کے دِل میں یہی پیغام پہنچاتے چلے جاتے ہیں۔ جسکی وجہ سے مخلوق کے دِل میں بھی اس بندے کی محبت پیدا ہُوتی چلی جاتی ہے۔

بیٹا اس سے آسان، دیرپا، وسیع، اُور مفت کی پبلسٹی اُور بھلا کہاں میسر آ سکتی ہے۔۔۔۔۔۔ اُس وقت بابا صاحب کی کچھ باتیں سمجھ میں آئیں تھی۔ اُور کچھ نہیں۔ لیکن آج جب باتیں سمجھ آنے لگی ہیں۔ تب بابا صاحب ہم میں موجود نہیں ہیں۔ لیکن اب مجھے انکی یاد بُہت ستاتی ہے۔ کیونکہ اب مزید بوجھ کمر پر نہیں اُٹھایا جاتا۔ شائد کہ میں نے امراض کیساتھ ساتھ گناہوں کا اضافی بار بھی اپنی ناتواں کمر پر ڈال لیا ہے۔ اُور تحریر کی رفتار دیکھ کر مجھے بچپن میں جلتی ہُوئی وُہ شمع بُہت یاد آتی ہے۔ جو محدود سہی مگر روشنی پھیلانے کا سبب تو بنتی ہے۔

عامل کامل ابوشامل قسط ۲۳ جانِ جاناں

گُذشتہ سے پیوستہ۔

کامل علی نے اپنے ذہن میں ابوشامل سے رابطہ کرنا چاہا لیکن اُسے کوئی جواب مُوصول نہیں ہُوا۔۔۔ وُہ تمام لوگ کامل علی کے نہایت نزدیک آ پُہنچے تھے۔ وُہ کم از کم بیس افراد تھے۔ جنھوں نے نارنجی کلر کی دھوتیاں اپنے جسم پر باندھ رکھی تھیں۔۔۔ جب کہ اتنی سردی کے باوجود بھی ایک بھی شخص نے قمیص پہنی ہُوئی نہیں تھی۔ پیشانی پر لگے عیجب سے تلک کے نشان سے ظاہر ہُو رہا تھا۔ کہ وُہ سب ہندو مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ کامل نے ایک مرتبہ پھر ابو شامل سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کامل علی کی یہ کوشش بھی بے سُود ہی ثابت ہُوئی۔ اچانک کسی نے اُسکا تمسخر اُڑاتے ہُوئے نہایت گرجدار آواز میں اُسے مُخاطب کیا۔۔۔ مورکھ کسے سہایتا کے لئے پُھوتکار (پُکار) رہا ہے۔ مورکھ منش ہو کر منش کو گھائل کرنے چَلا تھا۔۔۔ اب اُس جن زادے کا نام جپنا چھوڑ دے۔ کیول وُہ اب یہاں نہیں پدھارے گا۔۔۔ پرنتو۔ نرکھ سُدھانے سے پہلے ایشور کو اَوشے یاد کرلے۔۔۔ کامل نے دیکھا کہ وُہ ایک سادھو تھا۔ جو اُس سے مخاطب تھا۔ اُس کے سر پر ایک مُوٹی سی چُٹیا بندھی تھی۔ سر اُور داڑھی کے تمام بال سفید ہُونے کیوجہ سے کامل علی کا اندازہ تھا کہ وُہ

بوڑھا سادھو کم از کم عمر کی آٹھ دہائیاں دیکھ چُکا ہُوگا۔ لیکن اسکی پیشانی پر ایک بھی سلوٹ موجود نہیں تھی۔ تمام چہرے پر بھبوت کی سفیدی میں سُرخ رنگ کے تین تلک صاف نظر آ رہے تھے۔۔۔ اُور اب وُہ اپنے ہاتھ میں خنجر لئے کامل علی کی جانب ہی بڑھ رہا تھا۔ کامل علی نے اندازہ لگالیا کہ وُہی گھنشام داس ہے۔ جسکے شکار کیلئے وُہ یہاں آیا تھا۔ اُور خود شکار ہُوگیا تھا۔۔۔ کامل علی نے مدد کیلئے یہاں وہاں دیکھنے کی کوشش کی لیکن تبھی سادھو کے چند چیلوں نے مضبوطی سے اُسے پکڑ کر زمین پر اسطرح اُوندھا ڈال دیا۔ جیسے جانور کو ذبح سے قبل پچھاڑا جاتا ہے۔

اب مزید پڑھیئے۔

کامل علی کو جب مُوت واضح طُور پر سامنے دِکھائی دینے لگی۔ تو اُسے اچانک مُولوی رمضان صاحب کی وُہ بات یاد آنے لگی۔ جس میں مولوی صاحب واعظ کے دُوران لوگوں کو بتا رہے تھے۔ کہ،، انسان کی سب سے قیمتی متاع ایمان ہے۔ اُور کامیاب لُوگ وہی ہُوتے ہیں۔ جو دُنیا سے رُخصت ہوتے ہُوئے اپنا ایمان بچانے میں کامیاب ہُوجاتے ہیں۔ لِہذا کامل علی کو مولوی رمضان کی بات جُونہی یاد آئی۔ اُسکی زُبان کلمہ طیبہ کے وِرد میں مشغول ہوگی۔ کامل علی کی زُبان پر کلمہ کا ورد جاری ہُونے کی دیر تھی۔ کہ،، کامل علی کو ایک سکون

کی لہر اپنے سینے میں نازِل ہُوتی محسوس ہُونے لگی۔ جسکی وجہ سے کامل علی کے خُوف نے شُوق کی صورت اختیار کرلی۔

کامل علی زندگی میں پہلی مرتبہ ذکرِالہیٰ کی لذت سے سرشاری کے لُطف میں مستغرق تھا۔ کہ،، اچانک اُس کے کانوں نے ماحول میں بپا شور و شرابے کی طرف اُسکے ذہن تک پیغام رسانی کی جسکی وجہ سے کامل علی کو احساس ہُوا۔ کہ اُس کے جسم سے گھنشام داس کے چیلیوں کی گرفت کمزور پڑتے پڑتے یکسر ختم ہُوچکی ہے۔ کامل علی نے تعجب سے چاروں جانب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کردیا۔ حیرت انگیز طُور پر گھنشام داس کے تمام چیلے منظر عام سے ایسے غائب ہُوچکے تھے۔ جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔۔۔ جبکہ گھنشام داس کی خود کی حالت بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔۔۔۔ وُہ اپنے دونوں ہاتھ جُوڑے خلاؤں میں کسی نادیدہ ہستی کو ریحان شاہ مہاراج کے نام سے مخاطب کرتے ہُوئے۔۔۔ شما کردیں۔۔۔ شما کردیں مہاراج۔ کا راگ اَلاپنے میں مصروف تھا۔۔۔ کامل علی نے گھشام داس کو گڑگڑاتے دیکھا۔ تواِسے یاد آیا۔ کہ،، وُہ تو یہاں گھنشام داس کو زخمی کرنے کیلئے آیا تھا۔۔۔ لہذا کامل علی نے کمالِ پھرتی سے ابو شاہل کے دیئے خنجر کو ہاتھ میں تولتے ہُوئے اچانک بے خبری میں گھنشام داس پر تابڑ توڑ حملے شروع کردیئے۔۔۔۔ چونکہ گھنشام داس کی توجہ

کسی نادیدہ ہستی کی جانب مبذول تھی۔۔۔ اسلیئے اُسے سنبھلنے کا موقع بھی میسر نہیں آیا۔۔۔۔ اُور وُہ چُوتھے ہی وار میں زمین پر مُرغِ لبسمل کی طرح تڑپنے لگا۔۔۔۔زمین پر پڑے خُون اور گھنشام داس کے تڑپتے جسم کو دیکھ کر کامل علی کے حواس بھی مختل ہُوچکے تھے۔۔۔ اُسے بالکل سمجھ نہیں آرہا تھا۔ کہ،، اب اُسے آگے کیا کرنا ہے۔۔۔ تبھی قدموں کی چاپ سُن کر جب کامل علی نے اپنے عقب میں پلٹ کر دیکھا۔ تو ایک سفید رِیش درویش جسکی پیشانی سے عبادت کا نور نمودار ہُورہا تھا۔ خشمگین نِگاہوں سے اسکی جانب دیکھتے ہُوئے اُس سے مخاطب تھے۔۔۔ نوجوان تُم نے یہ اچھا نہیں کیا۔۔۔۔ میں یہاں تُمہاری مدد کیلیئے آیا تھا۔۔۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا۔ کہ مدد ملنے پر تُم اتنے حواس باختہ ہُوجاؤ گے۔ کہ ایک انسان کی جان سے اپنے ہاتھ رنگ لُو گے۔

حضرت آپ کُون ہیں۔۔۔۔ ؟ اُور یہاں میری مدد کرنے کہاں سے آگئے۔۔۔۔ ؟ اُور آپ مجھے حواس باختہ قاتل کہہ رہے ہیں۔۔۔ جبکہ چند منٹ پہلے ہی یہ گھنشام داس خود بِلاوجہ میرے خون کا پیاسہ تھا۔۔۔ کامل علی نے خود کو سنبھالتے ہُوئے اپنے عمل کی تاویل کیساتھ چند سُوالات بھی کرڈالے۔۔۔۔ بلاوجہ کوئی کسی کے خون کا پیاسہ نہیں ہُوتا نوجوان ! اُس درویش نے بدستور ناراضگی کا اِظہار کرتے ہُوئے اپنی گفتگو جاری رکھی۔ میرا نام ریحان شاہ تبریزی ہے۔۔۔۔ اُور اِس وقت تُم جس علاقے میں کھڑے ہُو۔۔۔ یہ میری عملداری میں آتا ہے۔۔۔

اِسلئے جب میں نے تمہیں گھنشام داس کے چیلوں کے نرغے میں دیکھا۔ تو تمہاری مدد کیلئے چلا آیا۔۔۔ گھنشام داس میں اتنی ہمت نہیں تھی۔۔۔ کہ،، وُہ میری مُداخلت کے بعد تمہیں ایذا پُہنچا سکتا۔۔۔ لیکن تُم نے جلد بازی میں ناحق ایک خون کرڈالا۔۔۔ میں جانتا ہُوں یہ سب کچھ تُم نے کسی شریر اُور من چلے کے ایمٔا پر کیا ہے۔۔۔ لیکن میں پھر یہی کہوں گا۔ کہ،، تُم نے اچھا نہیں کیا ہے۔۔۔ اُور تمہاری بھلائی بھی اِسی میں ہے۔ کہ اُس جن زادے سے ہمیشہ کیلئے دُور ہُوجاؤ۔۔۔۔۔ اچھا اب جتنی جلد ممکن ہُو سیالکوٹ سے باہر نکل جاؤ۔۔۔۔۔ کیونکہ گھنشام داس کے قتل کی خبر۔۔۔۔ جنگل کی آگ کی طرح اُسکے چیلوں تک پُہنچ رہی ہُوگی۔ اُور وُہ لوگ ابھی کچھ ہی دیر میں اپنے گُرو کے قاتل کی تلاش میں سرگرم عمل ہُوجائیں گے۔۔۔ ریحان شاہ تبریزی نے بے چینی سے فضاؤں میں گھورتے ہُوئے کہا۔۔۔

ریحان شاہ تبریزی کی گفتگو نے کامل علی کو احساس دِلایا کہ،، اُس سے ایک عدد انسان کا قتل سرزد ہُوچکا ہے۔ جسے وُہ ریحان شاہ تبریزی سے گفتگو کرتے ہُوئے بھول چکا تھا۔۔۔ اگلے ہی لمحے ریحان شاہ تبریزی بھی درختوں کی جانب چل دیا۔ اب گھنشام داس کی لاش کے پاس کامل علی تنہا کھڑا تھا۔ جبکہ رکشہ ڈرائیور کا بھی دُور دُور تک کوئی اتّا پتہ نہیں تھی۔۔۔ کامل علی نے خوف کی وجہ سے ایک جھرجھری سی لی۔۔۔ اُور تیز تیز قدم سے واپسی کے راستے پر

دوڑنا شروع کردیا۔۔۔۔ مسلم آباد سے نکلتے ہی۔ کامل علی کا ابو شامل سے ذہنی رابطہ بحال ہُوچکا تھا۔۔۔ ابو شامل نے بھی کامل علی سے یہی استدعا کی تھی۔ کہ،، وُہ جلد از جلد۔ اسٹیشن کے پاس چلا آئے۔۔۔ کیونکہ گھنشام داس کے چیلے پاگل کتوں کی طرح اپنے گرو کے قاتل کی تلاش میں سارے شہر میں سرگرداں ہیں۔

کامل علی جب قلعہ کی سیڑھیوں کی جانب بڑھا چلا جارہا تھا۔ اُسے دُور سے چند نوجوان نظر آئے۔ جو رات کی تاریکی میں کسی کی تلاش میں بڑی بے چینی سے یہاں وَہاں جھانکتے دِکھائی دیئے۔ وُہ سائڈ کی ایک گلی میں گھستا چلا گیا۔ جسکے ساتھ دارالشفقت کی تختی نمایاں تھی۔ جہاں غالباً یتیم بچوں کی پرورش کی جاتی ہُوگی۔۔۔۔ کامل علی کے گلی میں داخل ہُوتے ہی شائد اُن نوجوانوں کو کامل علی پر شک ہُوگیا تھا۔۔۔ جسکی وجہ سے بھاگتے ہُوئے اُن کی چپلوں کی گونج رات کے اِس پہر صاف سُنائی دے رہی تھی۔۔۔۔ کامل علی جانتا تھا۔ کہ اگر اِس وقت وُہ گھنشام داس کے چیلوں کو ہاتھ آگیا۔۔۔ تو وُہ اسکی چیر پھاڑ میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کریں گے۔۔۔ اسلیئے بدحواسی میں وُہ ایک گھر کے دروازے کھلے دیکھ کر۔۔۔ اپنی جان بچانے کیلئے اُس گھر میں داخل ہُوگیا۔۔۔ اندر داخل ہُوتے ہی اُس نے دروازے کی کنڈی لگالی۔۔۔ اُن نوجوانوں نے شائد کامل علی کو اِس گھر میں داخل ہُوتے ہُوئے نہیں دیکھا تھا۔۔۔ اِس لئے بھاگتے قدموں کی چاپ دھیرے دھیرے دُور ہُوتی چلی جارہی

تھی۔ کہ اچانک ایک نسوانی آواز نے کامل علی کو متوجہ کرتے ہوئے مُخاطب کیا۔۔۔۔ اے مِسٹر کون ہُو تم۔ اُور گھر میں داخل کیسے ہُوئے۔۔۔۔؟ کامل علی نے بوکھلا کر خاتون کی جانب دیکھا تو۔۔۔ حیرت سے اُس کی چیخ نِکلتے نکلتے رِہ گئی۔۔۔۔ اُس کی نرگس اُسکے سامنے موجود تھی۔۔۔۔ لیکن نرگس کو دیکھ کر ایک لمحے کیلئے کامل علی کو ایسا لگا جیسے،، نرگس نے اپنی زندگی کی دس منزلیں مزید طے کرلی ہُوں۔۔۔۔ اُور اُسکے حُسن میں مزید وقار پیدا ہُوگیا ہُو۔۔۔۔ خاتون نے دوسری مرتبہ جب درشت لہجے میں سوال کیا۔۔۔۔ تو کامل علی کے مُنہ سے صرف اتنا ہی جملہ نِکل سکا۔۔۔۔۔ نرگس تُم یہاں۔۔۔۔؟؟؟۔

جاری ہے۔۔۔

اُسکا کہنا ہے۔ کِسی اُور کو دیکھوں نہ کبھی
کیوں کہ اُسکو یہ میرا رُوپ بُرا لگتا ہے۔
مجھکو ہر چہرے میں آتی ہے نظر اِک وُہ ہی
جُو نہ بھر پائے یہ بہرُوپ بُرا لگتا ہے۔

میلی چادر اُور بوسیدہ ڈھول

میلی چادر اُور پھٹا ڈھول۔۔۔ ناکام مجرم سے رُوح کا مناظرہ

آج زِندگی کی چوالیس بہاروں اُور اُن سے پہلے آنے والی تمام خزاؤں سے سلامت گُزر جانے کے بعد دِل میں پھر سے یہ خواہش انگڑائی لیکر بیدار ہُونے کی سعی کرنے کی جرأت کررہی ہے۔ کہ،، میں اِن گُزرے ہُوئے چوالیس برس کا محاسبہ کرنے کی جسارت کروں۔۔۔ اُور یہ پہلی مرتبہ نہیں ہے۔ بلکہ رُوح کے انتھک کوششوں کے باوجود،،رُوح اُور نفس میں ہمیشہ ہی ایک جنگ کا سماں پیدا ہُوجاتا ہے۔

رُوح چیخ چیخ کر میری بدعنوانیوں کی داستاں بیان کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن جیت ہمیشہ نفس کی ہی ہُوتی ہے۔۔۔جنگ کی ابتدا میں رُوح کچھ پُراُمید وپُر عزم دِکھائی دیتی ہے۔ لیکن میری بے حسی اُور بے توجہی کے باعث ہمیشہ تھک ہار کر نفس کے سامنے سپر ڈال دیتی ہے۔ اُور مسلسل کئی برسوں سے بلاآخر جیت نفس کے حصے میں ہی آتی ہے۔۔۔اِس جنگ کے زُور پکڑنے سے قبل ہی میرا نفس ہمیشہ مجھے یہ باآور کرانے میں کامیاب ہُوجاتا ہے۔ کہ رُوح مغالطہ میں ہے۔۔۔

حالانکہ منزل سامنے نہیں ہے۔ لیکن جو راستہ میں اِختیار کئے ہُوئے ہُوں۔ دراصل صرف یہی رستہ سہل ہے اُور اِسی راستے سے منزل تک پُہنچنا ممکن ہے۔ نفس کا انداز بیاں اتنا پُر کشش ،پُرجوش، دِلنشین، اُور سحرانگیز ہُوتا ہے۔ کہ طبیعت رُوح کی آواز سننے کی طرف مائل ہی نہیں ہُوپاتی۔ اُور رُوح کی پُکار ہمیشہ صدائے صحرا کی طرح بالکل بے اثر ہُوجاتی ہے۔

آج شائد نفس کچھ مدہوش و بے فکر ہے۔۔۔ سُو اِس لئے رُوح نے چالاکی سے کام لیتے ہُوئے میرے کانوں میں دھیمے دھیمے پُھسپھسانا شروع کردیا۔ پہلے تو جی میں آیا کہ اپنے دِل کے کانوں میں خوب رُوئی ٹھونس کر لحاف میں سُوجاؤں۔۔۔ لیکن۔۔۔

دھیرے دھیرے رُوح کے سُوز نے میرے تمام جسم کو شل کردیا۔ جسکی وجہ سے نہ ہی میں اپنے نفس کو ہشیار کرپایا۔۔۔ اُور نہ ہی ہمیشہ کی طرح سے بے اعتنائی کا مظاہرہ کرپایا۔

تشبیہ۔

رُوح نے میری بے بسی دیکھ کرسب سے پہلے میری توجہ اِس جانب مبذول کروائی کہ،، مجھے دُنیا میں کسی مادی شئے سے اپنی تشبیہ اُور شناخت حاصل کرنی چاہیئے۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ کہ،، میں مسجودِ ملائک ہُوں۔ بھلا میری تشبہ کسی مادی شئے سے

کب ممکن ہے۔۔۔ لیکن رُوح کا اِصرار بڑھتا گیا۔ کہ،، نہیں مادی شئے سے تشبیہ ضروری ہے۔ تُم نے چوالیس برس میں میری کوئی بات نہیں مانی ہے۔ صرف آج کی رات موقع مِلا ہے۔ خدارا ضد نہ کرو۔ اُور آج صرف میری سُن لُو۔ جب ہم کسی نتیجے پر پُہنچ جائیں۔ تب تُم کو اِختیار ہُوگا۔ چاہو تو میرے تجزیئے کے مطابق منزل کو تلاش کرنے کی کوشش کرنا۔ چاہو تو اپنی سابقہ ڈگر پر لُوٹ جانا۔۔۔ مجھے آج اپنی بے بسی سے زیادہ نفس کی بے فکری پر غصہ آرہا ہے۔۔۔ نہ وُہ یُوں اطمینان سے تان کر سُوتا۔۔۔ اُور نہ مجھے یُوں رُوح کے ہاتھوں پر غمال بننا پڑتا۔ لیکن اب کرا بھی کیا جا سکتا ہے۔

میں نے عقل کے گھوڑے دُوڑائے۔۔۔ کبھی خود کو پہاڑ سے، کبھی فلک سے، کبھی شجر سایہ دار سے تشبیہ دینے کی کوشش کی۔۔۔ لیکن میرے ہر خیال و انتخاب کی رُوح نے دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔۔۔ اُس کے مسلسل انکار سے میں نے عاجز آکر کہہ دیا۔۔۔ جب تُمہارے خیال میں اِن میں کوئی بھی نہیں ہے۔ تو تُم خود ہی کیوں نہیں بتا دیتے کہ،، مجھے کس شئے سے خُود کو تشبیہ دینی چاہیئے۔۔۔ رُوح نے پہلے تو فاتحانہ انداز سے میری جانب دیکھا۔ لیکن پھر مغموم لہجے میں کہا۔۔۔ پہلے مجھ سے وعدہ کرو۔ کہ،، میرے رائے سن کر بدک تو نہیں جاؤگے۔۔۔ یا۔۔۔ یُوں تو نہیں کہوگے کہ،، جاؤ ہمیں یہ آزمائشی اور اِحتسابی کھیل نہیں کھیلنا۔۔۔

میں نے نا چاہتے ہُوئے بھی حامی بھرلی۔ کیونکہ،، میرے پاس اقرار کے سِوائے کوئی چارہ نہیں تھا۔ کیونکہ،، ایک طرف آج مجھے نفس کی مدد حاصل نہیں تھی۔ تو دوسری طرف میرے اندر بھی تجسس پیدا ہُوچلا تھا۔ کہ آخر رُوح میرے متعلق کیسی تشبیہ کو اپنے من میں سجائے ہُوئے ہے۔۔۔؟

مجھ سے ایجاب و قبول کی سند حاصل کرنے کے بعد،، رُوح نے مجھ سے کہا،، میرے خیال میں تُمہاری تشبیہ،، میلی چادر میں چھپے پَھٹے ڈھول،، جیسی ہُونی چاہیئے۔۔۔۔۔ بے عزتی کے احساس سے میرے نتھنے پھولنے لگے۔ اُور مجھے یُوں محسوس ہُونے لگا۔ جیسے مجھے کسی نے زندہ پکڑ کر دِہکتی ہُوئی بھٹی میں جھونک دیا ہُو۔۔۔ اسقدر بے عزتی کا تصور شائد ہی نے میں زندگی میں کبھی محسوس کیا ہُو۔

میں نے غُصیلے لہجے میں پھنکارتے ہُوئے احتجاج کیا۔۔۔ تمہاری اتنی جرأت بھی کیسے ہُوئی کہ،، میرے متعلق اتنی گھٹیا رائے اپنے ذہن میں رکھو۔۔۔ کیا تمہیں عِلم نہیں ہے۔ کہ،، لُوگ میرے بارے میں کتنی اچھی رائے رکھتے ہیں۔ اُور میری کتنی عزت کرتے ہیں۔۔۔۔ رُوح نے مجھے بپھرتا دیکھ کر فوراً مجھے میرا وعدہ یاد دِلایا۔ کہ،، ہم دونوں میں ابھی یہ معاہدہ طے پایا ہے۔ کہ ہم غصے

کے بجائے دلیل سے بات کریں گے۔ اُور جسکی دلیل مضبوط ہُوگی جیت بھی اُسی کی ہُوگی۔

میں نے گلا کھنکارتے ہُوئے کہا۔۔۔ لیکن ہمارے درمیان یہ معاہدہ نہیں ہُوا تھا۔ کہ تم میری عزت نفس کے ساتھ کسی بھی قسم کا کھلواڑ کرو۔۔۔ اُور میں خاموش تماشائی کی طرح چپ چاپ سہتا رہونگا۔۔۔۔ اُور جہاں تک دلیل کی بات ہے۔۔۔ وُہ میں تُم سے ضرور مانگوں گا۔ کیونکہ مجھے قوی یقین ہے۔ کہ تم اپنی بے ہودہ الزام تراشی کے جواز میں کوئی دلیل پیش نہیں کرپاؤ گے۔۔۔

میرے لہجے کی تُرشی سے ایک لمحے کیلئے رُوح پر مایوسی کی کیفیت طاری ہُوئی۔ جیسے بازی اُس کے ہاتھ سے نکل گئی ہُو۔ لیکن میرے دلیل طلب کرتے ہی وُہ پر سکون نظر آنے لگی۔ جیسے میں انجانے میں اسکے مطلب کی بات کردی ہُو۔ رُوح نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہُوئے مجھ سے استفسار کیا۔ تمہیں یہ تو معلوم ہی ہُوگا۔ کہ پہلے زمانے میں لُوگ سُونا، چاندی، ہیرے جواہرات۔ اپنے بوسیدہ کپڑوں میں چھپا کر رکھتے تھے۔۔۔؟

ہاں میں نے بھی سُنا ہے۔ کہ پہلے زمانے کے لوگ اپنی قیمتی اشیأ کو ایسے ہی محفوظ کرتے تھے۔۔۔۔ لیکن دھیرے دھیرے چور ڈاکوؤں کو بھی اِس بات کی بھنک

پڑ گئی تھی۔اُور پھر سب سے پہلے چُور گھر میں داخل ہُونے کے بعد ایسی گٹھڑیوں کا گھنگالتے تھے۔۔۔ میں نے اپنی معلومات جھاڑتے ہُوئے یہ ثابت کرنے کی کُوشش کی کے میں بھی کوئی لاعلم اِنسان نہیں ہُوں۔

خُدا تُمھارا بھلا کرے۔ تم نے خود ہی میرے لئے معاملہ کو سمجھانا آسان کردیا۔ اُور مجھے اقرار۔و۔ انکار کی اذیت سے بچالیا۔۔۔رُوح نے خُوش ہُوتے ہی گفتگو جاری رکھی۔۔۔ جیسا کہ تم نے ابھی خود یہ ثابت کردیا ھے۔کہ تُم پچھلے زمانے کی یہ چالاکیاں خوب اچھی طرح جانتے ہُو۔ سُو میرا کہنا یہ ہے کہ،، تُم نے لُوگوں کی نفسیات سے کھیلتے ہُوئے۔ خُود کو ایک بناوٹی عاجزی کی میلی چادر میں چھپانے کی کوشش کی۔ جس میں تمہیں خاطر خواہ کامیابی بھی حاصل ہُوئی۔ایک طرف تم نے خود پر عاجزی کی ملمع شدہ چادر اُوڑھ لی ۔ دُوسری طرف تُم لوگوں کو اپنی بڑائی کے جا بجا قصے سُنا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے۔کہ،، جیسے اِس میلی چادر میں کوئی پُوشیدہ خزانہ چھپا ہُو۔ تم چونکہ ایک چالاک اُور مکار اِنسان ہُو۔۔۔ تُم کو معلوم تھا کہ،، انسان ہمیشہ سے ہی پوشیدہ خزانوں کا مُتلاشی رہا ہے۔۔۔اِس لئے لُوگ خزانے کی تلاش میں ضرور آئیں گے۔یعنی میں یوں کہوں کہ بظاہر تم نے دانہ بچھا رکھا تھا۔۔ جیسے بھوکوں کے بُہت بڑے ہَمدرد ہُو۔ لیکن حقیقت یہی ہے۔کہ اِس دانے کے نیچے تُم نے کمال ہشیاری سے جال بھی بچھا رکھا تھا۔

لیکن میں دانہ اُور جال کیوں بچھانے لگا۔۔۔ مجھے اِس تمام معاملے سے کیا حاصل ہُوگا۔۔۔سب جانتے ہیں۔کہ میں کوئی پیشہ ور عامل یا لکھاری نہیں ہُوں۔ میں نے رُوہانسی آواز میں احتجاج کیا۔

فائدہ!! ۔۔۔ کوئی ایک فائدہ ہُو تو گنِواؤں۔۔۔۔رُوح نے تمسخر اُڑانے والے لہجے میں کہا۔۔۔ مانا کہ تُم پروفیشنل نہیں ہُو۔۔۔ لیکن لُوگوں کی بھیڑ کسکو اچھی نہیں لگی۔۔۔ حب جاہ اُور شُہرت کی بیماری جب کسی کو لگ جائے تو یہ ایک ایسا نشہ ہے جسکے لئے انسان اپنی تمام دُولت بھی داؤپر لگانے کیلئے تیار ہُوجاتا ہے۔جبکہ تُم کو تو دُولت بھی خرچ نہیں کرنی پڑ رہی تھی۔ تمہارے پاس دُولت سے بھی بڑا ہتھیار تھا۔ قلم کا ہتھیار۔ جسے استعمال کرنا بھی تمہیں خُوب آتا ہے۔ لیکن افسوس قلم کی امانت کا بار بھی تم سے سنبھالا نہ گیا۔

مجھے رُوح کے طعنے تشنوں سے وحشت محسوس ہُونے لگی ہے۔ من چاہتا ہے۔ کوئی نفس کو خبر کردے۔ اُور وُہ میری مدد کو چلا آئے جیسے وُہ ہمیشہ چلا آتا ہے۔اُور میری حمایت میں رُوح کے سامنے میرے ایسے ایسے قصیدے پڑھے کہ،، رُوح شرمندہ ہُوجائے۔ لیکن نجانے آج نفس کو کیسی مُوت پڑی ہے۔ کہ چوالیس برس کا

ساتھ بھی اُسے میرا معاون نہیں بنا پایا۔ اُور اُسکی ذرا سی غفلت سے آج سارا بنا بنایا کھیل بگڑنے کو ہے۔۔۔۔ میں نے بے بسی سے ہانپتے ہُوئے آخری پتہ بھی یہ کہتے ہُوئے اُسکی جانب پھینک دِیا کہ،، چلو مانا کہ میری چادر بوسیدہ ہے۔ اُور میں یہ بھی مان لیتا ہُوں کہ،، ہُو سکتا ہے۔ مجھ میں حُبِ جاہ کا چور موجود ہے۔۔۔۔ لیکن تُم نے مجھے پھٹا ہُوا ڈھول کیوں کہا۔۔۔؟؟؟

رُوح نے اپنی کاری ضرب کا اثر محسوس کرتے ہُوئے۔ فاتحانہ انداز میں کہا۔ جب انسان اپنی ذات میں پُوشیدہ اسرار سے نظریں چُرا کر ایک ایسی راہ کو اپنا لیتا ہے۔ جہاں اُسکو صرف اپنی خُوشی عزیز ہُو جاتی ہے۔ تب وُہ نہ اچھا بھائی بن پاتا ہے۔ نہ اچھا بیٹا بن سکتا ہے۔ نہ بیٹیوں کے حقوق اسکی نگاہ میں ہُوتے ہیں۔ نہ بیٹے کی اچھی تربیت پیشِ نظر ہُوتی۔ نہ وُہ اچھا دُوست ہُوتا ہے۔ نہ ہی معاشرے میں ایک کارآمد فرد کی طرح رِہتا ہے۔۔۔۔ اِس لئے۔۔۔ وُہ اپنی۔ دُنیا میں آمد کے سبق سے بھی ناآشنا رہتا ہے۔۔۔۔ حتیٰ کہ جس معرفت کی خاطر اُس نے اتنا طویل اور تھکا دینے والا سفر کیا تھا۔۔۔ وُہ مقصد بھی آہستہ آہستہ پس منظر میں دھندلا جاتا ہے۔۔۔۔۔اِس طرح وُہ ایک ناکام مجرم بن جاتا ہے۔۔۔ صرف ناکام مجرم۔۔۔ اور ناکام مجرم کی مثال پھٹے ڈُھول کی طرح ہی تو ہُوتی ہے۔۔۔ دُور سے دیکھو تو۔۔۔ خُوب حجم گھیرے ہُوئے ایک گٹھری۔۔۔ جسے ہر ایک للچائی نظر سے پانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن جب کھول کر دیکھو۔۔۔

تب چند بوسیدہ چمڑے کے پارچوں میں ملفوف لکڑیوں کا ڈھانچہ برآمد ہوتا ہے۔
اِسلئے میری نگاہ میں تمہاری مثال اُسی شکستہ ڈھول جیسی ہے۔۔۔۔۔ رُوح کی صدا بازگشت کی طرح میری سماعتوں سے ٹکرانے لگی۔۔۔ یکایک مجھے ایسا محسوس ہُونے لگا جیسے فضأ میں لاکھوں آنکھوں کا سمندر اُمنڈ آیا ہُو۔۔۔ اُور وُہ تمام آنکھیں نگاہوں ہی نگاہوں میں ایک دوسرے سے میری چغلی کرتے ہُوئے کہہ رہی ہُوں کہ،، یہی ہے وُہ ۔۔۔ ناکام مُجرم۔۔۔ ناکام مُجرم۔۔۔۔ ناکام

گُذشتہ سے پیوستہ۔

کامل علی جانتا تھا۔ کہ اگر اِس وقت وُہ گھنشام داس کے چیلوں کو ہاتھ آگیا۔۔۔۔ تو وُہ اسکی چیر پھاڑ میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کریں گے۔۔۔ اسلئے بدحواسی میں وُہ ایک گھر کے دووازے کھلے دیکھ کر۔۔۔۔اپنی جان بچانے کیلئے اُس گھر میں داخل ہُوگیا۔۔۔۔ اندر داخل ہُوتے ہی اُس نے دروازے کی کنڈی لگالی۔۔۔ اُن نوجوانوں نے شائد کامل علی کو اِس گھر میں داخل ہُوتے ہُوئے نہیں دیکھا تھا۔۔۔۔اِس لئے بھاگتے قدموں کی چاپ دھیرے دھیرے دُور ہُوتی چلی جارہی تھی۔ کہ اچانک ایک نسوانی آواز نے کامل علی کو متوجہ کرتے ہوئے مُخاطب کیا۔۔۔۔ اے مِسٹر کون ہُو تم۔ اُور گھر میں داخل کیسے ہُوئے۔۔۔۔؟ کامل علی نے بوکھلا کر خاتون کی جانب دیکھا تو۔۔۔ حیرت سے اُس کی چیخ نِکل گئی۔۔۔۔ اُس کی نرگس اُسکے سامنے موجود تھی۔۔۔۔ لیکن نرگس کو دیکھ کرایک لمحے کیلئے کامل علی کو ایسا لگا جیسے،، نرگس نے اپنی زندگی کی دس منزلیں مزید طے کرلی ہُوں۔۔۔۔ اُور اُسکے حُسن میں مزید وقار پیدا ہُوگیا ہُو۔۔۔۔ خاتون نے دوسری مرتبہ جب درشت لہجے میں سوال کیا۔۔۔۔ تو کامل علی کے مُنہ سے صرف اتنا ہی جملہ نِکل سکا۔۔۔۔۔ نرگس تُم یہاں۔۔۔۔ ؟؟؟۔

اَب مزید پڑھیئے۔

نرگس ! کَون نرگس۔۔۔؟؟ اُور مسٹر تم نے بتایا نہیں۔ کہ،، تم میرے گھر میں اِس وقت کیا کررہے ہو۔۔۔ ؟ دیکھو مِسٹر اگر تُم یہاں چوری کی نیت سے آئے ہُو۔ تو فوراً واپس لُوٹ جاؤ۔۔۔ کیونکہ ہمارے گھر میں تُمہیں فی الحال چُرانے کیلئے کچھ نہیں ملے گا۔۔۔ اُور دوسری بات یہ ہے۔ کہ اندر میرے بھائی موجود ہیں۔ جو تمہاری درگت بنانے میں ایک لمحہ بھی تامل نہیں کرے گا۔۔۔۔ وُہ خاتون کامل علی کو بے تکان مشورے دیئے جارہی تھی۔۔۔۔۔۔۔ کیا تُم نرگس نہیں ہُو۔۔۔؟؟ حالانکہ تمہاری شکل تو بالکل نرگس جیسی ہے۔ البتہ تم نرگس کی عُمر سے کچھ زائد نظر آتی ہُو۔۔۔ اُور باوقار بھی زیادہ دِکھائی دیتی ہو۔۔۔۔ مِسٹر یہ تُم نے کیا نرگس ،نرگس کی رَٹ لگارکھی ہے۔۔۔ میں نرگس نہیں بلکہ عائشہ ہُوں۔۔۔ لیکن میں تمہیں یہ سب کیوں بتارہی ہُوں۔ اُس خاتون نے چونک کر خود سے بڑابڑاتے ہُوئے کہا۔۔۔۔ لگتا ہے تُم ایسے نہیں مانوگے۔۔۔ مجھے اپنے بھائی کو آواز دینی ہی پڑے گی۔۔۔ اُس باوقار حسینہ نے گویا کامل علی کو آخری مرتبہ انتباہ کرنے کی کوشش کرتے ہُوئے اندر کی جانب دیکھتے ہُوئے کسی کو پُکارنے کی کوشش کی۔

اِس سے پہلے کہ،، وُہ خاتون اپنے بھائی کو طلب کرتی۔۔۔۔ کامل علی نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہُوئے عائشہ کو مخاطب کرتے ہُوئے کہا۔۔۔ دیکھئے محترمہ۔ آپکو شائد کچھ غلط فہمی ہُورہی ہے۔۔۔۔ میں کوئی چُور اُچکا نہیں ہُوں۔۔۔ بلکہ میں ایک مسافر ہُوں۔ اُور میرے پیچھے کچھ غنڈے پڑے ہیں۔۔۔ وُہ شائد مجھے اجنبی سمجھ کر لُوٹنا چاہتے ہیں۔۔۔ جسکی وجہ سے میں دروازہ کھلا دیکھ کر آپ کے گھر میں گُھسا چلا آیا۔۔۔ اُور آپکی شکل میری ایک عزیزہ نرگس سے بُہت ملتی ہے۔۔۔ جسکی وجہ سے میں نے آپکو نرگس کہہ کر مخاطب کیا تھا۔۔۔ جسکے لئے میں آپ سے بُہت معذرت خواہ ہُوں۔۔۔ کامل علی نے فوراً ایک کہانی گھڑتے ہُوئے عائشہ کو مطمئین کرنے کی کوشش کی۔۔۔۔

غنڈے پیچھے پڑے ہیں۔۔۔ یا خود کسی کا کوئی سامان اُٹھا کر بھاگے ہُو۔۔۔۔ ویسے تم شکل سے تو شریف آدمی لگتے ہُو۔۔۔ لیکن۔۔۔؟؟۔۔۔ لیکن کیا محترمہ۔۔۔۔؟؟ کامل علی نے اُسکے لیکن کی وجہ جاننے کو کوشش کی۔۔۔۔۔۔ لیکن یہ کہ،، تُم ایک اجنبی ہُو۔ اُور اِس وقت اگر میرا بھائی گھر آگیا تو وُہ میرے متعلق کیا سُوچے گا۔۔۔؟؟۔۔۔۔ اِسکا مطلب ابھی جو تُم نے کہا تھا کہ،، گھر میں تمہارے بھائی موجود ہیں۔۔۔ وُہ تم نے مجھ سے جھوٹ کہا تھا۔۔۔ ؟کامل علی نے نرگس کی ہمشکل سے استفسار کرتے ہُوئے کہا۔۔۔ کامل علی کا جملہ ختم ہُوتے ہی دروازہ پر دستک کیساتھ ابو شامل کی آواز سُنائی دی۔۔۔ کامل باہر

آ جاؤ خطرہ ٹل گیا ہے۔۔۔۔ کامل علی نے نرگس کی ہمشکل کی جانب الوداعی نِگاہ ڈالتے ہُوئے کہا۔۔۔ اگرچہ میرا دِل نہیں چاہ رہا۔ کہ،، میں یہاں سے اتنی جلدی چلا جاؤں۔۔۔ لیکن حالات کی ستم ظریفی کے سامنے مجبور ہُوں۔۔۔ لیکن عائشہ میں اِس اُمید کیساتھ واپس جارہا ہُوں۔۔۔ کہ،، ہماری مُلاقات دوبارہ بھی ضرور ہُوگی۔۔۔ اُور ہاں اتنی دیر اپنے گھر میں مجھے برداشت کرنے کیلئے میں تُمھارا انتہائی شکرگُزار ہُوں۔

ابو شامل نجانے کہاں سے ایک پجارو ٹائپ گاڑی لے آیا تھا۔۔۔ کامل علی کے گلی سے باہر نِکلتے ہی ابو شامل نے اُسے فوراً گاڑی میں بیٹھنے کا اِشارہ کیا۔۔۔ اُور خود ڈرئیونگ سیٹ پر براجمان ہُوتے ہُوئے کہا۔۔۔۔ اُو میرے بھائی ہر وقت رومانس کے چکر میں مت پڑا رَہا کر۔۔۔ کبھی سچویشن بھی دیکھ لیا کر ورنہ تیری یہی عادت کسی دِن تیرے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبے گی۔۔۔۔ ابو شامل انتہائی مہارت اُور برق رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کرتے ہُوئے چند ہی منٹ میں شہر سے باہر نِکل آیا۔۔۔۔ اُس نے گاڑی کو سپرہائی پر لانے کے بعد درختوں کے ایک جھنڈ کو دیکھ کر گاڑی وہیں پارک کی۔ اُور کامل علی کی جانب ہاتھ بڑھادیا۔۔۔ کامل علی نے بھی بے اختیاری میں اُسکی جانب ہاتھ بڑھا دِیا۔۔۔ جسکے بعد ابو شامل نے ہمیشہ کی طرح کامل علی کے ہاتھ کو ایک جھٹکا دِیا۔۔۔ کامل علی نے غصے سے ابو شامل کی جانب دیکھا۔ تو اُسے معلوم ہُوا کہ

وُہ بیچارو سے نِکل کر اپنے گھر کے دروازے پر پُہنچ چُکے ہیں۔۔۔ ابو شامل نے اُسے آنکھ مارتے ہُوئے اندر جانے کا اِشارہ کیا۔ تو کامل علی نے غُصہ سے پھنکارتے ہُوئے کہا۔ مجھے نہیں جانا اندر۔۔۔ نجانے تُم نے کیا چکر چلایا ہُوا ہے۔۔۔ جسکی وجہ سے نرگس بہکی بہکی گفتگو کر رہی ہے۔ جب تک تُم مجھے سب کچھ نہیں بتاؤ گے میں اندر جانے والا نہیں ہُوں۔

ابو شامل نے کامل علی کو اپنے پیچھے آنے کا اِشارہ کیا۔ تو کامل علی بھی ناچار اُسکے پیچھے پیچھے چلدیا۔۔۔ کامل علی چلتے چلتے جب بگس کیفے کے قریب سے گُزرنے لگا۔ تو تھک کر بگس کیفے کی باہر پڑی کرسیوں پر ہی ڈھے گیا۔۔۔۔ تھوڑی ہی دیر کامل علی گرما گرم کافی سے لُطف اندوز ہُوتے ہُوئے ابو شامل کی زبانی حیرت انگیز کہانی سُن رَہا تھا۔

ابو شامل نے بتایا کہ وُہ،، جس دِن جہلم سے واپس لُوٹ رہا تھا۔ تب اُسکی نگاہ سڑک کے کنارے بس کا انتظار کرتی ایک لڑکی پر پڑی۔۔۔ جس کو لُوٹنے کیلئے چند منچلے نوجوان قریب ہی کھڑی ایک کار میں موجود تھے۔ اُس لڑکی کا چہرہ دیکھنے کے بعد میرے دِل نے گوارا نہیں کیا۔ کہ،، میں اُسے سنسان سڑک پر لُٹنے کیلئے تنہاہ چھوڑ دُوں۔۔۔اِس لئے میں بھی اُس لڑکی کے قریب بظاہر بس کے انتظار میں کھڑا ہُوگیا۔۔۔ جسکی وجہ سے وُہ لڑکے تو وہاں سے فرار ہُوگئے۔

لیکن میں نے اپنی ٹیلی پیتھی کے ذریعے سے معلوم کرلیا۔ کہ وُہ لڑکی لاہور کی رہنی والی ہے۔ اُور اپنے گھر سے بھاگ کر جہلم اپنی سہیلی کے سسرال چلی آئی ہے۔۔ اُسکی سہیلی نے اُسکی خاطر مدارت تو بُہت کی لیکن اپنے سسرالی رشتہ داروں کے ڈر سے اپنے گھر میں ٹہرنے کی اجازت نہیں دِی۔ جسکی وجہ سے اب وُہ کراچی کیلئے نِکل رہی تھی۔ اور کراچی جانے والی کوچ کا انتظار کر رہی تھی۔۔۔ میں نے اُسکے ذہن سے اُسکے گھر کا پتہ لگایا۔ اُور اُن تک رسائی حاصل کی۔ تب مجھے معلوم ہُوا۔ کہ،، اُسے یتیم خانے سے لیکر پرورش کرنے والے اَب اِسکا سودا کسی عیاش انسان سے کر چُکے ہیں۔۔۔ اُور سارے لاہور میں اُسکی تلاش جاری ہے۔

جاری ہے۔۔۔

اُسکا کہنا ہے۔ کِسی اُور کو دیکھوں نہ کبھی
کیوں کہ اُسکو یہ میرا رُوپ بُرا لگتا ہے۔
مجھکو ہر چہرے میں آتی ہے نظر اِک وُہ ہی
جُو نہ بھر پائے یہ بہرُوپ بُرا لگتا ہے۔

.عامل کامل ابو شامل اِن کراچی قسط 25

گذشتہ سے پیوستہ

ابو شامل نے بتایا کہ وُہ،، جس دِن جہلم سے واپس لُوٹ رہا تھا۔ تب اُسکی نگاہ سڑک کے کنارے بس کا انتظار کرتی ایک لڑکی پر پڑی۔۔۔ جس کو لُوٹنے کیلئے چند منچلے نوجوان قریب ہی کھڑی ایک کار میں موجود تھے۔ اُس لڑکی کا چہرہ دیکھنے کے بعد میرے دِل نے گوارا نہیں کیا۔ کہ،، میں اُسے سنسان سڑک پر لُٹنے کیلئے تنہاہ چھوڑ دُوں۔۔۔اِس لئے میں بھی اُس لڑکی کے قریب بظاہر بس کے انتظار میں کھڑا ہُوگیا۔۔۔ جسکی وجہ سے وُہ لڑکے تو وہاں سے فرار ہُوگئے۔ لیکن میں نے اپنی ٹیلی پیتھی کے ذریعے سے معلوم کرلیا۔ کہ وُہ لڑکی لاہور کی رہنی والی ہے۔ اُور اپنے گھر سے بھاگ کر جہلم اپنی سہیلی کے سسرال چلی آئی ہے۔۔اُسکی سہیلی نے اُسکی خاطر مدارت تو بُہت کی لیکن اپنے سسرالی رشتہ داروں کے ڈر سے اپنے گھر میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دِی۔ جسکی وجہ سے اب وُہ کراچی کیلئے نِکل رہی تھی۔ اور کراچی جانے والی کوچ کا انتظار کررہی تھی۔۔۔ میں نے اُسکے ذہن سے اُسکے گھر کا پتہ لگایا۔ اُور اُن تک رسائی حاصل کی۔ تب مجھے معلوم ہُوا۔ کہ،، اُسے یتیم خانے سے لیکر پرورش کرنے والے اَب اِسکا سودا کسی عیاش انسان سے کرچُکے ہیں۔۔۔ اُور سارے لاہور میں اُسکی تلاش جاری ہے۔

اب مزید پڑھیئے۔

یہ لڑکی چونکہ نرگس سے بُہت مشابہ تھی۔ اسلئے میں نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ،، میں اِس لڑکی کی مدد ضرور کرونگا۔ اِس طرح ایک طرف اِس بے سہارا لڑکی کی مدد بھی ممکن تھی۔ تو دوسری طرف اِس طرح میں تمہارے دِل سے نرگس کا غم بھی غلط کرنا چاہتا تھا۔ اگرچہ تمہیں پورا حق حاصل ہے کہ،، تم مجھے ایک دُھوکہ باز دُوست سمجھ سکتے ہُو۔ لیکن خُدا گواہ ہے۔ کہ،، اِس تمام معاملے میں میری نیت صاف تھی۔ بس مجھ سے ایک غلطی ضرور سرزد ہُوئی ہے۔ کہ لڑکی کو میں نے اِس تمام معاملے کیلئے رضامند کرنے کیلئے ٹیلی پیتھی کا سہارا لیا۔ جس کے بعد وُہ میری معمول بن کر اِس تمام معاملے کیلئے رضا مند ہُوتی چلی گئی۔ جبکہ دوسرا کام یہ کیا کہ،، اُسے نرگس کی شکل میں تمہارے سامنے پیش کردیا۔ اور جہاں تک میری معلومات ہیں تُم بھی جاناں کو نرگس سمجھ کر قبول کرچکے ہُو۔

لیکن میں نرگس سے محبت کرتا ہُوں۔ اُور صرف نرگس ہی میری جسمانی اُور رُوحانی تسکین کا سبب بن سکتی ہے۔ اُسکی کلون مجھے قبول نہیں ہے۔ یہ بھی

اچھاہُوا کہ،، تم نے مجھ پر جاناں کی اصلیت ظاہر کردی۔ ورنہ نجانے میں کب تک نرگس کے دھوکے میں اُس لڑکی میں نرگس تلاش کرتا رہتا۔ کامل علی نے خفگی کا اِظہار کرتے ہُوئے کہا۔

دیکھو کامل علی یہ بات تم بھی جانتے ہُو۔ کہ،، نرگس تکلیف دَہ ہی سہی لیکن ایک شادی شدہ زندگی بسر کررہی ہے۔ اور اُس نے حالات سے سمجھوتا بھی کرلیا ہے۔ اُور تم نے اُس سے ملاقات کرکے دیکھ لیا ہے۔ کہ،، وُہ اب تمہاری خاطر اپنی ازدواجی زندگی کو داؤ پر لگانا نہیں چاہتی۔ اُور میرا خیال ہے کہ،، کہ وُہ کم از کم بیوگی سے قبل تمہاری جانب دیکھنے کی بھی رَوادار نہیں ہُوگی۔ اِس لئے میرا کہنا مانو،، اُور جاناں سے نکاح کرلو۔ اُور جہاں تک نرگس کا تعلق ہے۔ تو میں تم سے وعدہ کرتا ہُوں۔ کہ،، جس دِن بھی کوئی ایسی رَاہ نکلی کہ،، نرگس کی واپسی کا اِمکان نظر آیا۔ میں خود آگے بڑھ کر نرگس کو تُم تک پُہنچادُوں گا۔ اِس لئے عقلمندی کا تقاضہ یہی ہے کہ،، فی الحال میری رائے قبول کرلو۔ کیونکہ،، بُہت جلد حالات تبدیل ہُونے والے ہیں۔ گھنشام داس کے چیلے اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ وُہ حتیٰ الامکان کوشش کریں گے۔ کہ،، اپنے گُرو کے قتل کا بدلہ لیں۔ اُور اتنے چھوٹے علاقے میں ہم اپنی شناخت کو زیادہ دِن چھپا کر رکھنے میں کامیاب نہیں ہُو سکیں گے۔ افلاطون نے کامل علی کے چہرے پر نظریں جماتے ہُوئے اپنی گفتگو ختم کی۔

گھنشام داس کے ذکر سے کامل چہرے پر ناراضگی کے اثرات خُوف کے سائے میں ڈھل گئے۔ تھوڑی دیر تکرار کے بعد وُہ افلاطون کی رائے سے مطمئین نظر آنے لگا۔ اُور بلاآخر کامل علی نے ،، گھنشام داس کے چیلوں سے حفاظت ،، روزگار کا کوئی مستقل زریعہ آمدنی ،، محفوظ رہائش گاہ ،، کے بعد ایمانداری سے نرگس کی حصول یابی ،، کی کوشش کے ساتھ چند مزید شرائط پر افلاطون کی جانب سے حامی کے بعد اپنی رضامندی ظاہر کردی۔ کامل علی کا نکاح دوسرے ہی دِن جاناں کے ساتھ محلے کے امام صاحب نے ایک سادہ سی تقریب میں پڑھا دیا۔ اور تیسرے دِن افلاطون کی پلاننگ کے پیشِ نظر یہ تینوں افراد نقل مکانی کرکے کورنگی کراچی کے ایک خوبصورت بنگلو میں شفٹ ہُوچکے تھے۔ چند دِن گُزرنے کے بعد ایک رات کھانے سے فارغ ہُو کر گلی میں واک کرتے ہُوئے کامل علی نے افلاطُون کو مُخاطب کرتے ہُوئے کہا۔ یار افلاطون تُم نے کاروبار کے متعلق کیا سُوچا ہے۔؟؟؟ ابھی تو خیر ہم یہاں نئے نئے وَارد ہُوئے ہیں۔ اِس لئے اَڑوس پڑوس والوں نے زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ لیکن جلد ہی لُوگوں کو ہمارے متعلق تجسّس پیدا ہُونے کے امکان کو رَد نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کسی نے ہمارے ذریعہ معاش کے متعلق دریافت کرلیا تُو ہم کیا جواب دیں گے۔؟؟؟ ویسے کل یہی سوال جاناں نے مجھ سے

کیا تھا۔ وُہ مجھ سے تمہارے متعلق اور میری فیملی کے متعلق بھی معلوم کر رہی تھی۔
ابوشامل نے جاناں کے سوال پر چونکتے ہُوئے کہا،، یار، بزنس کا آئیڈیا تو مجھے بُہت زبردست سُوجھا ہے۔ اُور مجھے اُمید ہے کہ میرا یہ آئیڈیا تمہیں بھی بُہت پسند آئے گا۔ لیکن فی الحال تُم مجھے یہ بتاؤ کہ جاناں کو تم نے کیا جواب دِیا۔۔۔ اُور کیا جاناں تمہارے جواب سے مطمئین بھی ہُو گئی تھی یا نہیں۔؟ اُور اگر تمہیں لگتا ہے کہ،، وُہ تمہارے جواب سے مطمئین بھی ہُو گئی تھی۔ یا مجھے مزید ٹیلی پیتھی کا سہارا لینا پڑے گا؟؟؟
کامل علی نے افلاطون کے اتنے ڈھیر سارے سوالات اُور اُسکی پریشانی سے محظوظ ہُوتے ہوئے جواب دِیا۔ یار اِس زمانے نے مجھے بھی بُہت سے مکاری کے گر سِکھا دیئے ہیں۔اِس لئے میرے دُوست خود کو اِس فیلڈ میں تنہا نہ سمجھو۔ بظاہر افلاطون کامل علی کے تبصرے پر جھینپ سا گیا۔ لیکن فوراً سنجیدگی سے کامل علی سے جواب کیلئے استفسار کرنے لگا۔۔۔ جواب میں کامل علی نے بتایا کہ اُس نے جاناں کو اپنی فیملی کے متعلق سچ سچ بتادیا کہ،، اُسکا اِس بھری دُنیا میں کوئی نہیں ہے۔۔۔ جبکہ افلاطون اُسکی دُور کی پھوپی کا بیٹا ہے۔ جو پھوپی کے انتقال کے بعد اِس کے ہی ساتھ رِہتا ہے۔

کمینے انسان تمہارا بھلے دُنیا میں کوئی نہیں ہو۔ لیکن میرے ماں باپ دُونوں ہی زِندہ ہیں۔ تُم نے جیتے جی میری ماں کو کیوں مار ڈالا۔ اگر میرے والد کو معلوم ہُوگیا کہ تُم نے جیتے جی اُنکی اکلوتی بیگم کو تخیل میں مار ڈالا ہے۔ تو مجھے قوی اُمید ہے کہ،، وُہ تمہارے ساتھ میرا بھی خُون پی جائیں گے۔۔۔ بہرحال مجھے خُوشی ہے کہ،، تم نے جاناں کو مطمئین کردیا ہے۔ اُور اب میں تمہیں بزنس کا وُہ آئیڈیا بتانے جارہا ہُوں۔۔۔ جسے سُن کر تم بھی مجھے داد دیئے بنا نہیں رِہ سکوگے۔۔۔۔ کامل علی نے تجسس سے اپنے تمام جسم کو کان کی صورت بنالیا۔ لیکن افلاطون کا بزنس آئیڈیا سُن کر کامل علی کا دِماغ چکرا گیا۔۔۔۔۔ کیونکہ افلاطون کا کہنا تھا کہ،، ہم خواہشیں بیچنے اُور خُوف خریدنے کا بزنس شروع کریں گے۔

جاری ہے۔۔۔

اُسکا کہنا ہے۔ کِسی اُور کو دیکھوں نہ کبھی
کیوں کہ اُسکو یہ میرا رُوپ بُرا لگتا ہے۔
مجھکو ہر چہرے میں آتی ہے نظر اِک وُہ ہی

جو نہ بھر پائے یہ بہروُپ بُرا لگتا ہے۔

عامل کامِل ابوشامل قسط 26۔ باباکامل شاہ گیند والے

گُزشتہ سے پیوستہ۔

کامل علی نے بتایا کہ اُس نے جاناں کو اپنی فیملی کے متعلق سچ سچ بتادیا کہ،، اُسکا اِس بھری دُنیا میں کوئی نہیں ہے۔۔۔ جبکہ افلاطون اُسکی دُور کی پھوپی کا بیٹا ہے۔ جو پھوپی کے انتقال کے بعد اِس کے ہی ساتھ رِہتا ہے۔۔۔ کامِل علی کے خاموش ہُوتے ہی افلاطون نے ہاتھ نچا کر کامل کو مُخاطب کرتے ہُوئے کہا۔اُو! کمینے انسان تمہارا بھلے دُنیا میں کوئی نہیں ہو۔ لیکن میرے ماں باپ دُونوں ہی زِندہ ہیں۔ تُم نے جیتے جی میری ماں کو کیوں مار ڈالا۔ اگر میرے والد کو معلوم ہُوگیا کہ تم نے جیتے جی اُنکی اکلوتی بیگم کو تخیل میں مار ڈالا ہے۔ تو مجھے قوی اُمید ہے کہ،، وُہ تمہارے ساتھ میرا بھی خُون پی جائیں گے۔۔۔ بہرحال مجھے خُوشی ہے کہ،، تم نے جاناں کو مطمئین کردیا ہے۔ اُور اب میں تمہیں بزنس کا وُہ آئیڈیا بتانے جارہاہُوں۔۔۔ جِسے سُن کر تم بھی مجھے داد دیئے بنا نہیں رِہ سکوگے۔۔۔۔ کامل علی نے تجسس سے اپنے تمام جسم کو کان کی صورت بنالیا۔ لیکن افلاطون کا بزنس آئیڈیا سُن کر کامل علی کا دِماغ چکرا گیا۔۔۔۔ کیونکہ افلاطون کا کہنا تھا کہ،، ہم خواہشیں بیچنے اُور خُوف خریدنے کا بزنس شروع کریں گے۔

اب مزید پڑھیئے۔

یہ کُونسا بزنس ہے۔؟؟؟ کامل علی نے حیرت سے ابو شامل کے چہرے کو تکتے ہُوئے سُوال کیا۔۔۔

بُہت زبردست بزنس ہے میرے یار۔ اُور مجھے یقین ہے کہ،، ایک مرتبہ بس بزنس چل نکلے ۔تب کوئی تمھیں کروڑ روپیہ کی بھی آفر کرے کہ،، یہ بزنس ختم کردو۔ تب بھی تُم اِس بزنس کو ختم کرنے کا تصور بھی نہ کرپاؤگے۔ ابو شامل نے مسکراتے ہُوئے مُبہم سا جواب دیا۔

یار تُم کیا بکواس کررہے ہُو۔ مجھے تو کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا۔ کامل علی نے بیچارگی سے مُنہ بَسورتے ہُوئے کہا۔

یار بُہت سیدھا سا بزنس ہے۔ اُور میں کوئی فارسی میں تم سے کلام نہیں کررہا۔ جو تمھیں میری بات سمجھ نہیں آرہی۔ دیکھو نا! ۔ دُنیا میں تقریباً ہر ایک انسان جاگتے اُور سُوتے میں مستقبل کے خُواب دیکھتا ہے۔ البتہ سب ایک جیسے خُواب نہیں دیکھتے۔ یہاں کوئی راتوں رات دُولتمند بننے کے خواب دیکھتا ہے۔ کوئی حَسین ساتھی پانے کا خواب دیکھتا ہے۔ کوئی راجہ اِندر بننے کے خُواب دیکھتا ہے۔ تو کوئی پریوں کے انتظار میں جاگتا ہے۔ کوئی طلسمی چراغ کا متلاشی ہے۔ تو کوئی اُولادِ نرینہ کے خُواب دیکھتا ہے۔ کوئی سکندر

اعظم بننا چاہتا ہے۔ کوئی صرف طاقتور بننے کے خواب دیکھتا ہے۔ الغرض کوئی ایسا نہیں جو خواب نہ دیکھتا ہو۔ البتہ تھوڑے سے لُوگ ہیں۔ جو اِن خوابوں کی تعبیر کیلئے جلد بازی اُور بے صبری کا مُظاہرہ نہیں کرتے۔ ورنہ اکثریت اُن لوگوں کی ہے جو ہر قیمت پر جلد از جلد اپنے خوابوں کو حقیقت کا رُوپ دینے کیلئے ہر جائز اُور ناجائز طریقے کو بروے کار لانے سے بھی نہیں چوکتے ۔ بس ہم اُن لوگوں کو خواب بیچیں گے۔

جبکہ جو لوگ مشکلوں اُور تکالیف سے جلد گھبرا جاتے ہیں۔ اُور حالات کا ڈٹ کر مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ماورائی مخلوقات کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں۔ یا خُوف کے جنگل میں بھٹک کر واپسی کا راستہ بھول جاتے ہیں۔ ہم اُن تمام لُوگوں سے خُوف خرید لیں گے۔

البتہ یہ اُور بات ہے کہ،، ہم سُودا خریدیں یا بیچیں دُونوں صورتوں میں قیمت ہماری جیب میں ہی آئے گی۔ دوسری طرف تمہاری شہرت میں الگ چار چاند لگ جائیں گے۔ کیا بیوروکریٹ کیا ٹیکنو کریٹ۔ کیا مُشیر اُور کیا وزیر۔ ہر ایک تمہارے دَر پر تمہاری ایک نگاہ ناز کیلئے بیقرار کھڑا نظر آئے گا۔۔۔ ویسے میں چاہوں تو بغیر مشقت کے ہی تمھیں اتنی دُولت دے سکتا ہُوں۔ جو تمہاری زندگی بھر کیلئے کافی ہُو سکتی ہے۔۔۔ لیکن اسطرح تمہاری شخصیت لوگوں میں مشکوک بن کر رِہ جائے گی۔ جو میں کسی قیمت پر گوارہ نہیں کروں گا۔۔۔ جبکہ یہ بزنس تمہاری شخصیت کو مزید نکھارنے کا سبب بن

جائے گا۔ البتہ تُم چاہو۔ تو نقد نذرانے لینے کے بجائے کوئی ٹرسٹ بھی قائم کر سکتے ہُو۔
افلاطون نے طویل گفتگو کے بعد لمبا سانس لیکر اِستفہامیہ نظروں سے کامل علی کی جانب دیکھا۔
مطلب یہ کہ،، تم مجھے عامل یا بنگالی جادوگر بنانا چاہتے ہُو۔ حالانکہ تُم اچھی طرح جانتے ہُو۔ کہ،، مجھے عملیات کی الف ب کی بھی خبر نہیں ہے۔کامل علی نے افلاطون کو گھورتے ہُوئے کہا۔
یار تُم الف ب نہیں جانتے ۔لیکن لُوگوں کو یہ کبھی معلوم نہیں ہُوسکے گا۔۔۔ کیونکہ میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ اُور معاف کرنا مجھے الف، ب ہی کیا اِس سے آگے کے اسباق کا بھی عِلم ہے۔۔۔ مطلب یہ کہ،، فی الحال تمام کام میں کروں گا۔۔۔ اُور نام کیساتھ ساتھ تجوری تُم بھرتے جانا۔۔۔۔ اُور ساتھ ساتھ اِن عُلوم کو تم میں منتقل کرتا رہوں گا۔جب تک کہ،، تمہیں میری حاجت نہ رہے۔۔۔اِس طرح ہمارے درمیان دوستی کے علاوہ اُستاد شاگرد کا رشتہ بھی قائم ہُوجائے گا۔ افلاطون نے شرارت سے آنکھ مارتے ہُوئے کہا۔۔۔
یار مجھے تو یہ سب سُوچ کر ہی جھرجھری سی آرہی ہے۔ تمہارے ذہن میں نجانے کہاں سے یہ شیطانی آئیڈیا آگیا ہے۔۔۔ کیا ہم کوئی سیدھا سادا سا کام نہیں کر سکتے۔جہاں سے معقول آمدنی کا ذریعہ بن جائے ۔۔۔ اُور اُسکے بعد میں آرام

ہے۔۔۔۔۔؟؟؟ کامل علی نے ٹھنڈی آہ بھر کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ،، ہم یہی بزنس کریں گے۔۔۔ البتہ ایک ماہ بعد بھی تُمھاری یہی رائے رَہی۔۔۔ تب میرا تُم سے وعدہ ہے۔ کہ جیسا بزنس تُم کرنا چاہوگے۔ میں ویسا ہی بزنس اِسٹارٹ کرؤادونگا۔۔۔۔۔۔۔ لیکن تمہارے ادھورے جملے آرام سے کیا۔۔۔ کا کیا مطلب ہے۔؟؟؟ یقیناً عائشہ یا نرگس سے عشق لڑانے کے سِوا کوئی دوسری بات تم نہیں سُوچ سکتے۔۔۔ افلاطون نے کامل کا تمسخر اُڑاتے ہُوئے کہا۔

ہاں یار تُم سچ کہتے ہُو۔۔۔ میں فی الحال عائشہ کے ہی متعلق سُوچ رَہا تھا۔ کامل علی نے جھینپ کر اِقرار کرتے ہُوئے گفتگو جاری رکھی۔۔۔۔ یار کتنی عجیب بات ہے کہ،، مجھے نرگس سے اسقدر اُنسیت ہے کہ،، میں نے آج سے پہلے نرگس کے علاوہ کسی دوسری عورت کا تصور تک بھی نہیں کیا تھا۔۔۔ لیکن۔ مجھے نجانے کیوں ایسا محسوس ہُوتا تھا۔۔۔ جیسے نرگس میں کچھ کمی ہے۔ جیسے اُسمیں کچھ نِسائیت کی کمی ہُو۔ جیسے اُس میں کچھ ادھورا پن ھو۔۔۔ لیکن عائشہ کو دیکھ کر ایسے لگا تھا۔ جیسے وُہ کمی، وُہ اَدھورا پن ختم ہُوگیا ہو۔ اُور نرگس مکمل نسائیت کیساتھ میرے سامنے آ کھڑی ہُوئی ھو۔۔۔ کامل علی جملہ مکمل کرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر عائشہ کے تصور کو اپنے خیال میں لے آیا۔

ہاں دُوست یہ بات تم نے بالکل سچ کہی ہے۔ واقعی عکشہ نرگس کے مقابلے میں ایک بھرپُور عورت ہے۔ دراصل میرے خیال میں نرگس میں نِسائیت کی کمی اُسکی کم عُمری کی وجہ سے ہے۔ لیکن عکشہ عُمر کے اُس حصے میں ہے۔جہاں عورت کی تکمیل ہُوجاتی ہے۔ اُور وُہ مزید جاذِبِ نظر دِکھائی دیتی ہے۔۔۔ویسے مجھے لگتا ہے۔کہ،، نرگس بھی شائد دَس برس کے بعد عکشہ ہی کی طرح بھرپُور عورت نظر آنے لگے گی۔۔۔ لیکن یہ بھی ہُوسکتا ہے کہ نرگس اپنی فٹنس کا دھیان نہ رکھے ۔اُور بجائے عکشہ کے جاپانی پہلوان نظر آنے لگے۔ افلاطون نے شرارت سے مُنہ پُھلا کر پہلوانوں کی نقل اُتارتے ہُوئے جواب دِیا۔ ابو شامِل کی یقین دِہانی کے بعد کامل علی نے ہاں تو کردی۔۔۔ لیکن کامل علی سے بابا عامل کامل علی کے تصور سے ہی کامل علی کے دِل میں خُوف کے بادل سمندر میں ٹھاٹیں مارتی ہُوئی لہروں کی طرح اُسکے دِل کو دِہلا رہے تھے۔۔۔ تیسرے دِن صبح ہی صبح ابو شامل اخبار لہراتا ہُوا۔کامل علی کو پُکارتے ہُوئے ڈائینگ ھال میں داخل ہُوا۔۔۔۔ خیریت تو ہے۔۔۔؟اتنا خوش کیوں نظر آرہے ہو۔؟؟؟کیا پرائز بانڈ میں فرسٹ انعام نِکل آیا ہے۔۔۔؟ کامل علی نے چائے کی پیالی ہونٹوں سے جُدا کرتے ہُوئے ٹیبل پر رکھ دی۔۔۔۔۔

یار ہمیں انعام کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں انعام کی رقم سے سُو گُنا زائد رقم تمہارے قدموں میں ڈھیر کر سکتا ہُوں۔۔۔ اُور میں بزنس صرف زندگی میں ایڈونچر پیدا کرنے کیلئے کرنا چاہتا ہُوں۔ البتہ تمہاری بات نے مجھے ایک نئی راہ دِکھا دی ہے۔۔۔ اب ھم خوابوں کے ساتھ انعامی بانڈ کے ایڈوانس نمبر بھی بیچیں گے۔۔۔ابو شامل مزید بھی کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن جاناں کو آتا دیکھ کر وُہ خاموشی سے اخبار کی تہہ بنانے میں مصروف ہُوگیا۔

تھوڑی دیر بعد تنہائی میسر آتے ہی کامل علی اخبار میں موجود نصف صفحہ پر مشتمل اِشتہار حیرت سے پڑھ رہا تھا۔۔۔ عملیات کی دُنیا میں تہلکہ دُنیا بھر کے تمام جادوگروں کو عامل کامل۔۔۔ بابا کامل شاہ (گیند والے) کا کُھلا چیلنج۔۔۔ جادو اُور سفلی کے رُوحانی تُوڑ کے عالمی شہرت یافتہ عامل۔۔۔ جنکی زِندگی کا مقصد صرف دُکھی انسانیت کی خِدمت ہے۔۔۔ رُوٹھے ہُوئے محبوب کو اپنوں قدموں میں بُلانا ہُو۔۔۔ یا دشمنوں کو شکست سے دوچار کرنا۔۔۔ ظالم شوہر کو راہِ راست پر لانا ہُو۔۔ یا گمراہ اُور بدچلن بیوی کو اِشارے پر چلانا۔۔۔ لاٹری کا نمبر ہُو۔۔۔ یا پرانی سے پُرانی بندش کھلوانا۔۔۔۔ بانجھ پن کے ستائے مرد ہُوں۔۔ یا بیماری اور کورٹ کچھری میں الجھے ہُوئے افراد۔۔ یا آپکے بوڑھے والدین کو جُوڑوں میں درد کی دائمی شکایت ہُو۔ الغرض دُنیا کا کوئی بھی پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ ہُو۔۔۔۔ تمام رکاوٹیں اُور تمام

پریشانیاں بابا کامل علی کی صرف ایک نظر سے دُور ہُوتی ہیں۔۔۔۔ آمد سے ایک ہفتہ قبل فون پر اپنا ٹوکن نمبر ضرور حاصل کریں۔۔۔۔۔

نُوٹ۔۔۔۔ اگر کسی صاحب کے پاس چیتے کی چربی،، لُومڑی کی دُم۔ یا زندہ اُلو موجود ہُوں۔ تو ضرور رابطہ فرمائیں۔۔۔ آپ کو مُنہ مانگی قیمت اَدا کی جائے گی۔ اُسی نُوٹ کے نیچے ایک موبائیل فون نمبر بھی درج تھا۔

یار یہ سب کیا ہے۔۔۔؟ کامل علی نے دبے دبے لہجے میں احتجاج کرتے ہُوئے ابو شامل کی جانب دیکھا۔۔۔۔ کچھ بھی نہیں یار۔۔۔ بس شکار کیلئے چارہ ہی تو بچھایا ہے۔۔۔ ابو شامل نے اپنے مخصوص انداز میں آنکھ مارتے ہُوئے ایک خوبصورت سیلولر فُون کامل علی کی جانب بڑھا دیا۔۔۔ یہ موبائیل کس لئے ہے۔۔۔۔ اور جب کوئی گھر آئے گا تو جاناں کو کیا جواب دیں گے۔۔۔۔ کامل علی نے ابو شامل کے جواب دینے سے قبل ہی دوسرا سوال بھی داغ دِیا۔۔۔

جاری ہے۔۔۔

اُسکا کہنا ہے۔ کسی اُور کو دیکھوں نہ کبھی
کیوں کہ اُسکو یہ میرا رُوپ بُرا لگتا ہے۔

مجھکو ہر چہرے میں آتی ہے نظر اِک وُہ ہی
جو نہ بھر پائے یہ بہرُوپ بُرا لگتا ہے۔

عامل کامل ابو شامل قسط 27 پہلا شکار

گُذشتہ سے پیوستہ۔

یار یہ سب کیا ہے۔۔۔؟ کامل علی نے دبے دبے لہجے میں احتجاج کرتے ہُوئے ابو شامل کی جانب اخباری اشتہار بڑھاتے ہُوئے کہا۔۔۔۔

کچھ بھی نہیں یار۔۔۔ بس شکار کیلئے چارہ ہی تو بچھایا ہے۔۔۔۔ ابو شامل نے اپنے مخصوص انداز میں آنکھ مارتے ہُوئے ایک خوبصورت سیلولر فُون کامل علی کی جانب بڑھا دیا۔۔۔ یہ موبائیل کس لئے ہے۔۔۔۔ اور جب کوئی گھر آئے گا تو جاناں کو کیا جواب دیں گے۔۔۔۔ کامل علی نے ابو شامل کے جواب دینے سے قبل ہی دوسرا سوال بھی داغ دِیا۔۔۔

اب مزید پڑھیئے۔

جاناں کو سنبھالنا تُمھارا کام ہے۔ دھیرے دھیرے وُہ بھی اِس معاملہ کو قبول کرلے گی۔ اُور جہاں تک سوال ہے لُوگوں کے گھر آنے کا۔ تو آپکی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ،، ہم لُوگوں سے ،، اِس گھر میں مُلاقات نہیں کریں گے۔ بلکہ میں نے اِس مقصد کیلئے کچھ فاصلے پر ایک کوٹھی کرائے پر حاصل کرلی ہے۔ اشتہار

میں رابطہ کیلئے اِسی موبائیل کا نمبر دِیا گیا ہے۔ جو اِس وقت تُمہارے ہاتھوں میں ہے۔ ابتدا میں کلائینٹ کیساتھ میں گفتگو کروں گا۔ اُس کے بعد ضروری ہُوا۔ تو مزید گفتگو تُم کرلینا۔۔۔ تُم جس قدر خاموش رَہو گے۔ لُوگ اُسی قدر زیادہ متاثر ہُونگے۔۔۔ ابو شامل نے تمام تفصیلات سے کامل علی کو آگاہ کیا۔۔

اَبو شامِل شام کے آخری پہر کامل علی کو کوٹھی دِکھانے کیلئے اپنے ساتھ لے گیا۔۔۔

کُوٹھی دیکھ کر کامل علی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رِہ گئیں۔ تمام کوٹھی کو اتنی نفاست سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ کہ،، پہلی ہی نظر میں یہ کوٹھی کسی شاہی خاندان سے وابستہ فرد کے ذُوق کی مرہونِ منت دِکھائی دیتی تھی۔۔۔ یار اتنی مہنگی کوٹھی کرائے پر لینے کی کیا ضرورت تھی۔۔۔؟؟؟ کامل علی نے حیرت سے کوٹھی کے منقش دَر و دِیوار پر نِگاہ دُوڑاتے ہُوئے کہا۔۔۔

یار جب شِکار بڑا پھانسنا ہُو۔ تب انتظام بھی اچھی طرح ہی کرنا چاہیئے نا!!! ہمارے تمام شِکار کروڑ پتی یا اَرب پتی لُوگ ہُونگے۔ ہم نے غریب لُوگوں سے کیا لے لینا ہے۔ جو اُن بیچاروں پر فضول محنت کریں۔۔ غریب آدمی اپنا پیٹ بھرلے وہی کافی ہے۔ وُہ ہماری ڈیمانڈ کیا خاک پُوری کریں گے۔ ابو شامل کی گفتگو جاری تھی۔ کہ کامل علی کے موبائیل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔۔۔ کامل علی

موبائل کو جیب سے باہر نِکال کر تذبذب سے دیکھنے لگا۔
ابو شامِل نے فوراً کامل علی سے جھپٹ کر موبائل اپنے ہاتھ میں لیے لیا اُور اسپیکر آن کر دیا۔ دُوسری جانب سے کسی شخص نے بھاری لیکن شائستہ آواز میں سلام کیا۔۔۔
ابو شامِل نے سلام کا جواب دینے کے بعد مدعا جاننے کی کوشش کرتے ہُوئے کہا۔ جی فرمایئے میں آپکی کیا خِدمت کرسکتا ہُوں۔۔۔ کیا میں کامل شاہ صاحب سے بات کرسکتا ہُوں۔ ؟؟؟ دوسری جانب سے اِس مرتبہ نہایت عاجزی سے استفسار کیا گیا۔۔۔۔ کامل علی نے اپنا تذکرہ سُن کر فُون لینے کی کوشش کی لیکن ابو شامل نے اُسے ہاتھ کے اِشارے سے منع کرتے ہُوئے کالر کو جوابدیا۔۔۔ کیا آپ نے حضرت صاحب سے مُلاقات کیلئے اپائنٹمنٹ لی ہُوئی ہے۔۔۔ دُوسری جانب سے آواز آئی جناب ملاقات کا وقت تو نہیں لیا ہے۔ لیکن کیا فون پر گفتگو بھی ممکن نہیں ہے۔ ؟
نہیں جناب ۔ حضرت قبلہ شاہ صاحب بُہت مصروف شخصیت ہیں۔ اُنکے لئے ممکن نہیں ہے کہ،، وُہ ہر وقت لوگوں سے گفتگو یا مُلاقات کر سکیں۔۔ ویسے اگر کوئی ایمرجنسی ہے تو آپ مجھے بتا سکتے ہیں۔ اگر مجھے لگا کہ آپکا مسئلہ بُہت اہم ہے تو میں کوشش ضرور کرسکتا ہُوں۔ کہ،، آپ کیلئے شیڈول سے قبل وقت حاصِل کر سکوں۔۔۔ ابو شامل نے کامل کی جانب دیکھتے ہُوئے اداکاری کی۔۔۔۔ دوسری جانب

سے شکریہ ادا کرنے کے بعد کہا گیا۔ میرا نام نِفاست صدیقی ہے۔ میری عمر ساٹھ برس سے کچھ زائد ہے۔اُور مجھے قریباً دس برس سے جوڑوں میں شدید درد کی شکایت ہے۔ میں نے اخبار میں آپکی جانب سے دِیا گیا اشتہار پڑھا تھا۔ کیا آپ مجھے جُوڑوں کے دَرد سے نجات دِلوا سکتے ہیں۔۔۔

جناب کامل شاہ صاحب چاہیں تو کس درد یا تکلیف سے نجات نہیں دِلوا سکتے۔۔۔۔

لیکن۔۔۔۔۔ ابو شامل کی لیکن کے بعد خاموشی نے دوسری جانب بے چینی پیدا کردی تھی۔۔۔ لیکن کیا جناب۔؟؟؟ نِفاست علی نے نہایت بے چینی سے دریافت کیا۔۔۔

لیکن یہ کہ،، جناب جوڑوں کی یہ دوائی بُہت نایاب قسم کی جڑی بوٹیوں اُور خاص قسم کے عرقیات سے تیار کی جاتی ہے۔ یہ کوئی عام قسم کی داوئی نہیں ہے۔۔۔ حالانکہ قبلہ شاہ صاحب اِن ادویات سے ایک رُوپیہ بھی منافع کی مَد میں نہیں لیتے۔ لیکن اِن عرقیات سے حاصل شُدہ آئل کی ایک بوتل کی قیمت کوئی عام آدمی نہیں خرید سکتا۔۔۔ اسلئے میں معذرت خواہ ہُوں۔آپ شائد یہ بوتل خریدنا افورڈ نہیں کرپائیں گے۔ابو شامل نے انتہائی مہارت سے نفاست علی کی عزت نفس پرچوٹ کی۔

افورڈ نہیں کرپاؤں گا۔ یہ آپ نے کیسے سُوچ لیا۔۔۔؟؟؟ جناب میں ایک بزنس مین ہُوں۔ اُور لیدر ایکسپورٹ کے شعبے سے وابستہ ہُوں۔آپ قیمت بتایئے۔ پھر میں

آپکو بتاؤں گا کہ،، میں کیا کچھ افورڈ کرسکتا ہُوں۔ نفاست علی نے تمکنت بھرے لہجے میں کہا۔۔۔ ابوشامل کا چھوڑا ہُوا تیر عین نشانے پر لگا تھا۔۔۔۔۔۔ ٹھیک ہے جناب آپ ناراض نہ ہُوں ۔میں آپکو قیمت بتائے دیتا ہوں۔ جوڑوں کے درد کے آئل کی لاگت تقریباً نوے ھزار روپیہ ہے۔کیا آپ یہ قیمت افورڈ کرسکتے ہیں۔۔۔؟ابو شامل نے نِفاست علی کو جواب دِیتے ہُوئے سوال کیا۔۔۔

اُوہ! نَوے ھزار۔۔۔ سُنیں میں آپکو نَوے ھزار نہیں بلکہ پُورا ایک لاکھ روپیہ دُونگا۔۔۔ لیکن مجھے آرام آنا چاہیئے۔۔۔ کیا آپ مجھے یقین دِلا سکتے ہیں۔ کہ،، مجھے اِس دوائی سے ضرور اِفاقہ ہُوگا۔ نِفاست علی صدیقی نے اپنے شک کا اِظہار کرتے ہُوئے کہا۔۔۔ ٹھیک ہے نِفاست صاحب میں کل آپکی قبلہ کامِل شاہ صاحب سے مغرب کی نماز کے بعد مُلاقات کا بندوبست کیئے دیتا ہُوں۔ مجھے یقین ہے کہ،، قبلہ شاہ صاحب سے مُلاقات کے بعد آپکو کسی قسم کا اِبہام نہ رہے گا۔ اسکے بعد اَبو شامِل نے نفاست صدیقی کو اِس نئی کوٹھی کا ایڈریس لکھوانے کے بعد کال کا سلسلہ منقطع کردِیا۔

کیوں میرے دُوست تم نے انسانوں کو مارکیٹنگ کرتے ہُوئے توہزار مرتبہ دیکھا ہُوگا۔ لیکن کیا کسی انسان کو مجھ جِن زادے کی طرح مارکیٹنگ کرتے بھی دیکھا ہے۔۔۔ ابو شامل نے تفاخر سے سینہ پُھلاتے ہُوئے داد طلب نِگاہوں سے کامل

علی کی جانب دیکھا۔۔۔۔۔۔ یار تمہاری پرفارمنس تو واقعی زبردست تھی۔۔۔ لیکن یہ بتاؤ کہ نفاست صدیقی کو اعتبار کیسے دِلاؤ گے۔۔۔۔ اُور یہ آئل جسکا ابھی تُم نفیس صدیقی سے تذکرہ کررہے تھے۔ وُہ کہاں سے پیدا کروگے۔۔۔۔ کامل علی نے تعجب سے ابو شامل سے دریافت کیا۔

دَوائی کیلئے میں ابھی کوہ قاف کے شاہی حکیم بطلیموس سے رابطہ کرونگا۔ مجھے معلوم ہے۔ وُہ ہر قسم کے امراض کا شافی علاج کرتے ہیں۔ اُور مجھ سے خصوصی محبت رکھتے ہیں۔۔۔ اِس لئے مجھے کبھی کسی کام کیلئے منع نہیں کریں گے۔۔۔ اُور جہاں تک نفاست صدیقی کو مطمئین کرنے کی بات ہے تو میرے خیال میں ہمارے کانٹے میں ایسی مچھلی آگئی ہے۔ جس کے پیچھے پیچھے دوسری مچھلیاں خود بخود چلی آئیں گی۔ اُور ہمیں پبلسٹی کیلئے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔ اِس لئے نِفاست صدیقی کو ہم ایڈوانٹیج دیں گے۔ اُور تعلقات کو مستحکم کرنے کیلئے پہلے کسٹمر کو فری دوائی دیں گے۔ جسکی وجہ سے نفیس صدیقی جیسی بڑی پارٹی ہمیشہ ہمارے اِحسان تلے دبی رہے گی۔۔۔۔ ابوشامل نے مکارانہ انداز میں قہقہ بلند کرتے ہُوئے کہا۔۔۔۔ جبکہ کامل علی ہونقوں کی طرح ابو شامل کے آئیڈیئے پر دِل ہی دِل میں اُسے داد دے رَہا تھا۔

جاری ہے۔۔۔

اُسکا کہنا ہے۔ کِسی اَور کو دیکھوں نہ کبھی
کیوں کہ اُسکو یہ میرا رُوپ بُرا لگتا ہے۔
مجھکو ہر چہرے میں آتی ہے نظر اِک وُہ ہی
جُو نہ بھر پائے یہ بہرُوپ بُرا لگتا ہے۔

عامل کامل ابو شامل قسط 28. صیاد قید میں

گُذشتہ سے پیوستہ۔

کیوں میرے دُوست تم نے انسانوں کو مارکیٹنگ کرتے ہُوئے تو ہزار مرتبہ دیکھا ہُوگا۔ لیکن کیا کسی انسان کو مجھ جِن زادے کی طرح مارکیٹنگ کرتے بھی دیکھا ہے۔۔۔ ابو شامل نے تفاخر سے سینہ پُھلاتے ہُوئے داد طلب نِگاہوں سے کامل علی کی جانب دیکھا۔۔۔۔۔ یار تمہاری پرفارمنس تو واقعی زبردست تھی۔۔۔ لیکن یہ بتاؤ کہ نفاست صدیقی کو اعتبار کیسے دِلاؤ گے۔۔۔۔ اُور یہ آئل جسکا ابھی تُم نفاست صدیقی سے تذکرہ کررہے تھے۔ وُہ کہاں سے پیدا کروگے۔۔۔ کامل علی نے تعجب سے ابو شامل سے دریافت کیا۔

دَوائی کیلئے میں ابھی کوہ قاف کے شاہی حکیم بطلیموس سے رابطہ کرونگا۔ مجھے معلوم ہے۔ وُہ ہر قسم کے امراض کا شافی علاج کرتے ہیں۔ اُور مجھ سے خصوصی محبت رکھتے ہیں۔۔۔ اِس لئے مجھے کبھی کسی کام کیلئے منع نہیں کریں گے۔۔۔ اُور جہاں تک نفاست صدیقی کو مطمئین کرنے کی بات ہے تو میرے خیال میں ہمارے کانٹے میں ایسی مچھلی آ گئی ہے۔ جس کے پیچھے پیچھے دوسری مچھلیاں خود بخود چلی آئیں گی۔ اُور ہمیں پلبٹی کیلئے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔ اِس لئے نِفاست صدیقی کو ہم ایڈوانٹیج دیں گے۔ اُور تعلقات کو مستحکم کرنے کیلئے

پہلے کسٹمر کو فری دوائی دیں گے۔ جسکی وجہ سے نفیس صدیقی جیسی بڑی پارٹی ہمیشہ ہمارے اِحسان تلے دبی رہے گی۔۔۔۔ ابو شامل نے مکارانہ انداز میں قہقہ بلند کرتے ہُوئے کہا۔۔۔۔ جبکہ کامل علی ہونقوں کی طرح ابو شامل کے آئیڈیئے پر دِل ہی دِل میں اُسے داد دے رہا تھا۔

جاری ہے۔۔۔

اَب مزید پڑھیئے۔

دُوسرے دن ابو شامل نے عصر کی نماز کے بعد جب کامل علی کو لیجا کر کُوٹھی کا نیا سیٹ اَپ دِکھایا تو کامل علی بھی حیرت زدہ رِہ گیا۔۔۔ کوٹھی پُر وقار ہُونے کیساتھ ساتھ اب ایک جدید اُور ماڈرن آستانے کا منظر بھی پیش کررہی تھی۔ کچھ قیمتی نوادرات کا اِضافہ بھی کیا گیا تھا۔ ایک خوبصورت حقہ نما اینٹیک میں مسحور کُن بخورات سُلگ کر تمام ماحول کو معطر کررہے تھے۔ جبکہ لائٹنگ کے بہترین استعمال نے ماحول کوپُراسرار بنادیا تھا۔ ایک جانب چند خوش لباس لُوگوں کو دیکھ کر کامل علی نے سرگوشی میں ابو شامل سے استفسار کیا۔۔۔۔ یہ کُون لُوگ ہیں۔۔۔؟؟؟

یہ سب میری برادری کے لُوگ ہیں۔۔ جو صرف کلائینٹ پر اچھا اثر ڈالنے کیلئے

یہاں وقتاً فوقتاً پیش ہُونگے۔۔۔ اُور ہاں یاد آیا۔ کہ،، جب بھی کوئی مریض تُمہارے پاس خلوت میں بھیجا جائے گا۔ میں بھی تُمہارے پاس حاضر رَہوں گا۔ جنہیں کیا جوابات دینے ہیں۔ اُور کیسے بات کرنی ہے۔ یہ میں تمہیں اُسی وقت بتاتا رَہوں گا۔۔۔۔۔ ابو شامل نے کامل علی کو سمجھاتے ہُوے کہا۔۔۔

یار اگر تمہارے سمجھانے پر اُنہیں ہدایات دُونگا۔ تو کیا وُہ آنے والے لوگ مجھ سے بد ظن نہیں ہُونگے۔ کہ،، کیسا بابا ہے جو اپنے اسسٹنٹ سے ہدایات لے رَہا ہے۔ کامل علی نے مُنہ بناتے ہُوئے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔ کامل کے سوال پر ابو شامل نے قہقہ لگاتے ہوئے کہا۔۔ اُو میرے بُھولے بادشاہ میں تم لوگوں کیساتھ حاضر ضرور رَہوں گا۔۔ لیکن نظر صرف تُجھے آؤنگا۔۔۔ وُہ لُوگ نہ مجھے دیکھ پائیں گے۔ اُور نہ ہی میری آواز سُن پائیں گے۔ اُور ہاں کل تمہیں نفاست صدیقی سے متعلق جو باتیں سمجھائی تھیں۔۔۔ وُہ تو یاد ہیں نا تُم کو۔ ؟؟؟۔۔۔۔۔ ہاں بھئی سب کچھ یاد ہے۔۔۔ میں نہ کوئی چھوٹا سا بچہ ہُوں۔ اُور نہ ہی میری یاداشت اتنی کمزور ہے۔ کہ،، کل ہی کی بات بھول جاؤں۔ کامل علی نے جھنجلائے ہُوئے لہجے میں جواب دِیا۔۔۔۔ چلو اب خفگی چھوڑو۔ اُور اپنا مُوڈ ٹھیک کرلو۔۔۔ کیونکہ مجھے نفاست صدیقی کی آمد سے قبل تُمہارا ہلکا پھلکا میک اَپ بھی کرنا ہے۔ ابو شامل نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہُوئے کہا۔۔۔

تھوڑی دیر میں ابو شامل نے میک اپ کے ذریعہ سے کامل علی کا حلیہ ہی بدل کر رکھ دیا۔۔۔ کامل علی میک اَپ کے بعد خُود کو آئینے میں دیکھ کر حیرت زدہ رِہ گیا۔۔۔ شانے کو چُھوتے ہوئے گھنگریالے گیسو، اُور چہرے پر سجی ہلکی ہلکی داڑھی کیساتھ خُوبصورت گولڈن کام کے کُرتے اُور واسکٹ میں وُہ بالکل ایک شہزادے کی طرح دِکھائی دے رَہا تھا۔۔۔ یار ابو شامل تُم مجھے عامل دِکھانا چاہتے ہُو۔ یا کسی ریاست کا شہزادہ۔۔۔؟ کامل علی نے ابو شامل کو گھورتے ہُوئے استفسار کیا۔۔۔۔ یار تُمھارا کیا خیال ہے۔ کہ،، میں اتنا بدذوق بندہ ہُوں۔ جو تُمھیں کوئی گندے سے بہروپ میں ایک صنعتکار کے سامنے پیش کروں گا۔

مغرب کی آذان کیساتھ ہی تمام سیٹ اپ مکمل ہُوچکا تھا۔۔۔ کامل علی کے کمرے کے باہر بیسیوں لُوگوں کو ایسے مُہذب انداز میں سیٹوں پر بٹھا دِیا گیا تھا۔ جیسے وُہ تمام لُوگ مُلاقاتی ہُوں۔ اُور اپنی باری کے منتظر ہُوں۔ سبھی لُوگ لباس اُور رکھ رکھاؤ سے اُونچے عہدوں کے حامل یا کاروباری افراد دِکھائی دیتے تھے۔۔ اِن میں سے کچھ لُوگ انگریزی نیوز پیپرز یا میگزین کے مطالعہ میں مصروف تھے۔۔۔ ویٹنگ رُوم میں دُو افراد ایسے بھی تھے جو سگار سے شغل کررہے تھے۔۔ جبکہ کار پُورچ اُور کُوٹھی کے لان سے ملحق راہداری میں کھڑی بیش قیمت گاڑیاں بھی آنے والوں کی پُوزیشن کی چغلی کھارہی تھیں۔

مغرب کی نماز کے فورا بعد کوٹھی کے گیٹ پر نفاست صدیقی امپورٹیڈ لیموزین سے۔برآمد ہُوئے۔۔۔ کوٹھی کے اندر و باہر گاڑیوں کی قطاریں دیکھ کر دوسرے ہی لمحے اُنکی گردن میں پڑی راڈ نرم پڑچکی تھی۔۔۔ نفاست صدیقی کا خیال تھا۔کہ،، اُنکی مالی حیثیت کی وجہ سے اُنکا گیٹ پر استقبال کیا جائے گا۔لیکن کھلے ہُوئے خالی گیٹ نے اُنکے پھولے ہُوئے سینے کو ذرا سا پچکا دیا تھا۔۔۔ نفاست صدیقی کوٹھی کے گیٹ سے اندر کسی ملازم کو تلاش کرتے ہُوئے ویٹنگ رُوم میں پُہنچ گئے۔۔۔ کوٹھی کی آرائش و نفاست اُور ویٹنگ رُوم میں موجود لُوگوں کو دیکھنے کے بعد نفاست صدیقی اِس نتیجے پر پُہنچے تھے۔کہ یہ کوئی رِوایتی آستانہ نہیں ہے۔اُور جہاں پہلے سے ہی اسقدر باثر افراد کو جھگمٹا موجود ہے۔وہاں اِنکی اِمارت سے مرعوب ہُونے والا کُون ہُوگا۔۔۔۔ وُہ اپنے بیٹھنے کیلئے کسی مناسب جگہ کی تلاش کے ساتھ ساتھ یہ بھی سُوچ کر پریشان ہُورہے تھے۔کہ اتنے لوگوں کے بعد باری آتے آتے توشائد کئی گھنٹے گُزر جائیں گے۔۔۔؟؟؟ابو شامل نفاست صدیقی کی آمد سے بے خبر نہیں تھا۔بس وُہ تو نفاست صدیقی کے غبارے سے ہُوا، نِکل جانے کے انتظار میں تھا۔۔۔۔۔جُونہی ابو شامل کو اپنا مطلوبہ مقصدپُورا ہُوتا دِکھائی دِیا۔ابو شامل نے آگے بڑھ کر نفاست صدیقی کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہُوئے اپنا تعارف پیش کیا۔۔بندے کو ابو شامل کہتے ہیں۔اُور آپ غالباً نفاست صدیقی ہیں۔۔۔؟۔۔۔۔۔

جی آپ نے بالکل ٹھیک پہچانا ہے۔ اُور کل شائد میری آپ ہی سے بات ہُوئی تھی۔؟۔۔۔ نفاست صدیقی نے گرمجوشی سے ہاتھ ہِلاتے ہُوئے استفسار کیا۔

ابو شامل ، نفاست صدیقی کا ہاتھ تھامے اُسے ایک کمرے میں لے آیا۔ یہ کمرہ بھی انتہائی پر تعیش اشیا کی وجہ سے نفاست صدیقی کو اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا۔۔۔ اُور سُنایئے نفاست صاحب یہاں تک پُہنچنے میں کوئی دُشواری تو پیش نہیں آئی آپکو۔۔۔۔؟ ابو شامل نے نفاست صدیقی کی محویت سے لطف اندوز ہُوتے ہُوئے کہا۔۔۔ جی نہیں کوئی دِقت پیش نہیں آئی۔ لیکن یہاں اتنا رَش دیکھ کر پریشانی ضرور ہُورہی ہے۔۔۔ نفاست صدیقی نے اپنی پریشانی کا برملا اظہار کرتے ہُوئے کہا۔۔۔۔ نفاست صاحب آپ پریشان بالکل نہ ہُوں۔۔۔ جب کل میں نے آپکو وقت دیا تھا۔ تو اب یہ میری ذمہ داری ہے کہ،، کسی بھی طرح آپکو انتظار کی زحمت نہ ہُونے دُوں۔۔۔ قبلہ کامل شاہ صاحب اگرچہ کسی کی حق تلفی کو پسند نہیں فرماتے۔۔۔ لیکن میں اگر کسی کی سفارش کرڈوں تو قبلہ شاہ صاحب میری بات کی لاج رکھ ہی لیتے ہیں۔ اِسی لئے میں آپکو ویٹنگ رُوم کے بجائے اِس خاص کمرے میں لے آیا ہُوں۔ تاکہ جلد از جلد آپکی مُلاقات کا بندوبست کراسکوں۔ انشا اللہ آپکو پندرہ منٹ سے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔۔۔ بس شاہ صاحب نوافل واذکار سے فارغ ہُوجائیں تو پہلا نمبر اِس خادم کی وجہ آپکو ہی ملے گا۔۔۔ ابو شامِل نے خوشدلی سے جواب دیتے ہُوئے کہا۔۔۔

پندرہ منٹ بعد حسب وعدہ ابوشامل نے نفاست صدیقی کو کامل علی کے آستانے نُما کمرے تک پُہنچا کر آہستگی سے دروازہ باہر سے بند کردیا۔۔۔ سامنے فرشی نشست پر کامل علی آنکھیں بند کیئے تسبیح پر انگلیاں گھما رہا تھا۔ نفاست صدیقی احترام سے قالین پر چلتے ہوئے کامل علی کے ہاتھوں کا بوسہ لینے کیلئے اِس بات سے بے خبر آگے بڑھ رَہا تھا۔ کہ،، اُسکے اُور کامل علی کے علاوہ ابو شامل بھی غائبانہ طُور پر کامل علی کے ساتھ براجمان ہُو کر کامل علی کے کان میں سرگوشیاں کررہا ہے۔۔۔۔ نفاست صدیقی تم نے تو ہمیشہ دیسی علاج اُور خانقاہی سسٹم کی مخالفت کی ہے۔ اُور تم ہمیشہ یہی کہتے رہے ہُو نا کہ،، کالا سفید، نوری یا شیطانی علم کچھ نہیں ہُوتا۔ یہ سب کم علم لوگوں کی فراغت کا سرچشمہ ہے۔۔۔ مگر دیکھ لُو۔۔ آج تُم اُسی سسٹم کا حصہ بننے کیلئے یہاں موجود ہُو۔۔۔۔ نفاست صدیقی کامل علی کی بارُعب آواز سُننے کے بعد ایک لمحے کیلئے ٹھٹک کر ٹھہر گیا۔ اُسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا۔ بھلا کوئی کیسے اُسکے ماضی کو کھنگال کر اُس کے سامنے رکھ سکتا تھا۔۔۔ اُسے یقین آگیا۔ کہ،، واقعی دُنیا میں بُہت سے علوم ایسے بھی ہیں۔ جو انسان کے اندر بھی جھانکنے کی صلاحیت پیدا کرسکتے ہیں۔۔۔۔ نفاست صدیقی نے کامل کے ہاتھوں پر بُوسہ دیکر لرزتی ہُوئی آواز میں کہا۔۔۔ شاہ صاحب میں اپنی سابقہ فکر اُور مادی فلسفے پر نادم ہُوں۔ آپ مجھے معاف فرما کر اپنی غلامی میں قبول فرمالیں۔۔۔

جاری ہے)۔)

اُسکا کہنا ہے۔ کسی اُور کو دیکھوں نہ کبھی
کیوں کہ اُسکو یہ میرا رُوپ بُرا لگتا ہے۔
مجھکو ہر چہرے میں آتی ہے نظر اِک وُہ ہی
جُو نہ بھر پائے یہ بہرُوپ بُرا لگتا ہے۔